

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ
بلاشبہ یہ قرآن نہایت سیدھی راہ دکھاتا ہے

تَفْسِيرًا

هَدَايَةُ الْقُرْآنِ

ان شاء اللہ یہ تفسیر آپ کو قرآن کریم سے بہت قریب کرے گی

جلد اول

تالیف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پوری

شیخ الحدیث و صد مدرسین دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

تفصیلات

نام کتاب : ہدایت القرآن جلد اول

تالیف : حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

تاریخ طباعت : بار اول ذوالقعدہ ۱۴۳۸ ہجری مطابق اگست ۲۰۱۷ عیسوی



کاتب : مولوی حسن احمد پالن پوری فاضل دارالعلوم دیوبند 09997658227



(011-23244240)

پرپریس : ایچ، ایس پرنٹرز، ۱۴ چاندی محل، دریا گنج دہلی

ملحوظہ: یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں مکمل ہے، شروع کی تین جلدیں اور پارہ عم حضرت مولانا محمد عثمان کاشف البہاشی رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی بھی ہیں، پارہ عم جو آٹھویں جلد میں شامل ہے وہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نے بھی لکھا ہے، اب شروع کی تین جلدیں بھی حضرت لکھ رہے ہیں کیونکہ ہر گلے رارنگ و بونے دیگر است!

یہ پہلی جلد ہے، آگے کی دو جلدیں حضرت اور لکھیں گے، مولانا کاشف رحمہ اللہ کی تفسیر بھی مل سکتی ہے اور یہ

جلد بھی۔

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارن پور۔ (یو، پی)

فہرست مضامین

- فہرست مضامین ۲۲-۳
تقریب ۲۸-۲۵

سورة الفاتحة

- ۲۹ بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے یا قرآن کی مستقل آیت ہے؟
۳۱ سورة الفاتحة کے فضائل
۳۲ سورة الفاتحة میں توحید، آخرت اور رسالت کا اثبات ہے اور سارے دین کی طرف اشارہ ہے
۳۶ سورة الفاتحة میں پورے قرآن کا خلاصہ آگیا ہے
۳۷ فوائد شیخ الہند میں استعانت کا مسئلہ درحقیقت تو سل کا مسئلہ ہے
۳۷ نماز میں سورة فاتحة پڑھنے کا مسئلہ

سورة البقرة

- ۳۹ سورت کے فضائل:
۴۱ ہدایت (دینی راہ نمائی) قرآن کریم میں ہے
۴۲ پرہیزگاروں کے پانچ اوصاف
۴۲ غیب کیا ہے؟
۴۳ ﴿وَمَا سَأَلْنَا عَنْهُمْ﴾ کی قید کا فائدہ
۴۳ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ الآية کی دوسری تفسیر
۴۴ آیت ختم نبوت کی صریح دلیل ہے
۴۴ جب منکران کی آخری حد کو چھو لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایمانی صلاحیت ختم کر دیتے ہیں
منافقین کا تذکرہ
۴۷ منافقین کے معاملات
۴۷ ا-منافق بے ایمان ہیں:

- ۲- منافق فریب کرتے ہیں: ۴۷
- ۳- نفاق دل کا بڑا روگ ہے: ۴۷
- منافقوں کے ظاہری احوال ۴۸
- قرآن کریم کا تمثیل کا طریقہ ۵۲
- نفاق کی تاریخ اور منافقین کی دو قسمیں ۵۲
- منافقوں کے باطنی احوال ۵۳
- کثر منافقوں کی مثال: ۵۳
- ڈھیلے منافقوں کی مثال ۵۴

توحید کا بیان

- اللہ کی بندگی کرو، اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کی جسمانی و روحانی ضرورتوں کا انتظام کیا ہے ۵۵

رسالت کا بیان

- اگر کسی کو قرآن کے کلام الہی ہونے میں شک ہو تو ہمیں چوگاں ہمیں میداں! ۵۸
- قرآن ہی اللہ کا کلام ہے، دوسری آسمانی کتابیں اللہ کی کتابیں ہیں، اللہ کا کلام نہیں (مولانا نانوتوی) ۵۹
- قرآن کریم کو کلام الہی ماننے والوں کے لئے اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے والوں کے لئے خوشخبری ۶۰
- قرآن جیسی ایک سورت بھی نہ لاسکتے تو لگے اس میں کیڑے نکالنے! ۶۱
- حدِ اطاعت سے نکلنے والے تین شخص ۶۱

آخرت کا بیان

- دونوں جہاں اللہ نے انسان کے لئے بنائے ہیں ۶۳

آدم علیہ السلام کی خلافتِ ارضی

- آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور فرشتوں پر ان کا علمی تفوق ظاہر کیا ۶۵
- خلیفہ (نائب) کون ہوتا ہے؟ ۶۶
- کارِ خلافت انجام دینے کے لئے اطاعت کی ضرورت ۷۰

- آدم و حواء علیہما السلام کو زمین میں پیدا کر کے جنت میں بسایا اور وہاں ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا ۷۱
- جنت میں پہلی بار شیطان کی عداوت ظاہر ہوئی ۷۲
- زلت اور محصیت میں فرق: ۷۲
- اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو توبہ کے الفاظ تلقین فرمائے ۷۲
- توبہ قبول ہوئی، مگر زمین پر اترنے کا حکم برقرار رہا ۷۳
- بنی اسرائیل (یہود) کا تذکرہ
- بنی اسرائیل پر اللہ کے احسانات کا اجمالی تذکرہ اور ان سے وفائے عہد کا مطالبہ ۷۶
- یہود پر اللہ کے احسانات: ۷۶
- یہود سے عہد و پیمانہ: ۷۶
- یہود کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت ۷۸
- خود غرض احکام شرعیہ میں دو طرح تبدیلی کرتے ہیں ۷۸
- ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں ۷۸
- عالم بے عمل کو ڈانٹ! ۷۹
- حب جاہ اور حب مال کا علاج ۷۹
- بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات کا تفصیلی تذکرہ
- ۱- اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اہل زمانہ پر برتری بخشی! ۸۱
- ۲- فرعون کی بلاخیزی سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی ۸۳
- ۳- سمندر پھٹا، بنی اسرائیل پار اتر گئے، اور فرعون کا لشکر ڈوبا! ۸۴
- ۴- بنی اسرائیل نے مصریوں جیسا شرک کیا، مگر اللہ نے ان کو معاف کیا ۸۴
- ۵- بنی اسرائیل کو حق ناحق میں امتیاز کرنے والی کتاب تورات عنایت فرمائی ۸۵
- ۶- کچھ گوسالہ پرستوں کو قتل کرنے کے بعد باقی لوگوں کو معاف کیا ۸۶
- ۷- بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد زندہ کیا ۸۸

- ۸۹-۹۰- میدانِ تیبہ میں بنی اسرائیل پر بادل نے سایہ کیا، اور کھانے کے لئے اللہ نے منّ و سلوی اتارا ۸۹
 ۱۰- اسارت کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو ایک بستی میں جانے کی اجازت ملی ۸۹
 ۱۱- میدانِ تیبہ میں بنی اسرائیل کے لئے ایک پتھر سے بارہ چشمے نکلے ۹۱
 واقعات کا رنگ و آہنگ بدلتا ہے! ۹۱

شوخی اور گستاخی سے درگزر کیا جاسکتا ہے، شرارت اور خباثت کو معاف نہیں کیا جاسکتا!

- ۱- بنی اسرائیل نے منّ و سلوی کو ٹھکرایا تو ان پر رسوائی اور محتاجگی کا ٹھپہ لگ گیا! ۹۳
 اللہ کی ناراضگی میں تین اور باتوں کا بھی دخل تھا ۹۴
 آسمانی کتابیں ماننے والوں کے فضائل ایمان و عمل صالح کی حد تک ہیں ۹۵
 ۲- قول و قرار کے بعد بنی اسرائیل نے تورات کو ٹھکرا دیا! ۹۷
 ۳- سینچر کی حرمت پامال کرنے والوں کو بندر بنا دیا! ۹۹
 ۴- گائے ذبح کرنے میں ٹال مٹول کی تو گائے مہنگی پڑی! ۱۰۱
 ۵- ناحق قتل کیا، پھر الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے! ۱۰۲
 شرارتوں سے دل پتھر ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت! ۱۰۴

یہودی قساوتِ قلبی کے مظاہر

- ۱- یہود قرآن کریم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے ۱۰۷
 ۲- تورات میں نبی ﷺ کی جو صفات ہیں یہود ان کے اظہار کے روادار نہیں! ۱۰۸
 ۳- عام یہودی جھوٹی آرزوں کا سہارا لئے ہوئے ہیں ۱۰۹
 ۴- اہل کتاب کے علماء اللہ کی کتابوں میں تبدیلی کرتے ہیں، پھر اس سے دنیا کماتے ہیں ۱۰۹
 ۵- یہود و نصاریٰ دوزخ کے عذاب سے نڈر ہو گئے ہیں ۱۱۰
 جزاؤں کا قاعدہ ۱۱۱

یہود کی دوسری برائیاں

- ۱- قول و قرار کر کے پھر جانا بنی اسرائیل کا شیوہ ہے! ۱۱۲
 ۲- بنی اسرائیل نے تورات کے حصے بخرے کئے! ۱۱۴

- ۳- یہود نے اسرائیلی انبیاء کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا ۱۱۶
- ۴- یہود تکذیب انبیاء کی جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ مہمل ہے! ۱۱۸
- ۵- یہود قرآن کا انتظار کر رہے تھے، مگر جب قرآن اتر اور انھوں نے اس کو پہچان بھی لیا تو انکار کر دیا ۱۱۸
- ۶- یہود قرآن کریم کا انکار محض ضد اور ہٹ دھرمی سے کرتے ہیں! ۱۱۹
- ۷- یہود کا تورات کے بارے میں غلط عقیدہ ایمان کی راہ کا روڑا بنا ۱۲۱
- ۸- یہود کی یہ خوش فہمی بھی ایمان کے لئے مانع بنی کہ آخرت میں وہی اللہ کے پاس مزے لوٹیں گے! ۱۲۳
- ۹- یہود کی جبرئیل دشمنی بھی ایمان کے لئے مانع بنی ۱۲۶
- ۱۰- نقض عہد کی خصلت بھی یہود کے لئے مانع ایمان بنی ۱۲۷
- ۱۱- یہود کی لایعنی علم میں مشغولیت بھی ایمان کے لئے مانع بنی ۱۲۹
- ہاروت و ماروت زمینی فرشتے ہیں وہ بنی اسرائیل کو ایک خاص افسوس سکھاتے تھے ۱۳۰

اہل کتاب اور مشرکین کے مسلمانوں کے ساتھ معاملات

- ۱- یہود شرارت سے راعنا کہتے ہیں، مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے روک دیا ۱۳۳
- ۲- اہل کتاب اور مشرکین کو مسلمانوں کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی! ۱۳۳
- ۳- یہود اور مشرکین تسخ کے مسئلہ کو لے کر مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کرتے تھے ۱۳۵
- قرآن کریم نے یہ مسئلہ دو جگہ بیان کیا ہے: ۱۳۵
- ۴- یہود و مشرکین مہمل مطالبات کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کا ذہن پر آگندہ ہو ۱۳۶
- ۵- یہود مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں ۱۳۷
- ۶- یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو حیران کرنے کے لئے کہتے کہ جنت میں ہمیں جائیں گے! ۱۳۹
- ۷- یہود و نصاریٰ بلکہ ہندو بھی کہتے ہیں: ہمیں برحق ہیں پر وہ کل قیامت کو ہٹے گا! ۱۴۰
- ۸- مشرکین کیسے کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، انھوں نے مسلمانوں کو عمرہ تو کرنے نہیں دیا ۱۴۱
- ۹- مسلمانوں کو مشرکین نے عمرہ نہیں کرنے دیا تو ان کا کیا بگڑا؟ اللہ کی عبادت تو ہر جگہ سے کی جاسکتی ہے! ۱۴۳
- ۱۰- مشرکین اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں، پھر وہ کس منہ سے کہتے ہیں کہ ان کا دین ہی برحق دین ہے؟ ۱۴۴

- ۱۱- مشرکین کہتے ہیں: اللہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتے؟ یا ہماری مطلوبہ کوئی نشانی دکھائیں تو ہم مانیں! ۱۴۵
- ۱۲- مشرکین کا قصہ ایک طرف کیجئے، اور اپنا فرض منصبی ادا کیجئے..... ۱۴۵
- ۱۳- یہود و نصاری تمہیں کافر کر کے چھوڑیں گے! ۱۴۷
- ۱۴- ان سے ڈنگے کی چوٹ کہہ دو کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے! ۱۴۷
- ۱۵- اگر کوئی مسلمان یہود و نصاری کے چکمہ میں آ گیا تو وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا ۱۴۷
- ۱۶- یہود و نصاری اگر کھلے ذہن سے اپنی کتابیں پڑھیں تو اسلام قبول کر لیں ۱۴۸
- ۱۳۹- بنی اسرائیل کے تفصیلی حالات جامع تمہید لوٹا کر پورے فرماتے ہیں ۱۳۹
- بنی اسماعیل کا تذکرہ
- ۱- ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسماعیل کے لئے امامت (دینی پیشوائی) کی دعا کی جو قبول ہوئی ۱۵۱
- ۲- بیت اللہ کی تولیت بنی اسماعیل کے سپرد ہوئی ۱۵۲
- ۳- ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسماعیل کے لئے پُر امن شہر اور روزی کی دعا فرمائی ۱۵۴
- ۴- تعمیر کعبہ کے وقت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے چار دعائیں کیں ۱۵۶
- (الف) قبولیتِ خدمت کی دعا ۱۵۶
- (ب) اپنی اور اپنی اولاد کی اطاعت و فرمان برداری کی دعا ۱۵۶
- (ج) حج کے مقامات بتانے کی اور اس کے احکام سکھانے کی دعا ۱۵۷
- (د) خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کی دعا ۱۵۷
- ۵- عظیم رسول کا مذہب اسلام ہے، وہی ابراہیم اور ان کے دونوں صاحبزادوں کا مذہب تھا، اس کو اختیار کرو، اسی میں نجات ہے ۱۶۰
- یہود و نصاری مسلمان ہونے کے بجائے مسلمانوں کو اپنی طرف بلا تے ہیں!
- ملتِ ابراہیم پر ایمان لانے کے لئے تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے ۱۶۶
- اگر یہود و نصاری تمہاری طرح ایمان نہ لائیں تو ان کے شر کا خوف مت کھاؤ ۱۶۶
- اللہ کے دین کا رنگ سب سے اچھا رنگ ہے! ۱۶۷

- ۱۶۷ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: ہم ہی اللہ کی رحمت کے حقدار ہیں
- ۱۶۷ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: ہمارے اسلاف یہودی یا عیسائی تھے
- ۱۶۸ بزرگ زادگی کام نہیں آئے گی!
- ۱۷۰ ۶- بنی اسماعیل کا اصلی قبلہ کعبہ شریف ہے، بیت المقدس عارضی قبلہ تھا، اور تحویل کی حکمتیں
- ۱۷۰ شش جہات کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کریں
- ۱۷۱ تحویل قبلہ پر اعتراض کے حکیمانہ جوابات
- ۱۷۱ پہلی حکمت: بیت المقدس کو عارضی قبلہ اس لئے بنایا تھا کہ اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا تھا
- ۱۷۲ دوسری حکمت: بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنانے سے مؤمنین کا امتحان مقصود تھا
- ۱۷۳ یہود کے پیدا کئے ہوئے ایک خلیجان کا جواب
- تحویل قبلہ کا حکم:
- ۱۷۵ اب آپ اور مسلمان ہر جگہ مسجد حرام کی طرف نماز پڑھیں
- ۱۷۶ اہل کتاب تحویل قبلہ پر اعتراض کریں تو کرنے دیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ برحق قبلہ ہے
- ۱۷۷ اہل کتاب نبی ﷺ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں
- ۱۷۹ مستقل امت کے لئے مستقل قبلہ
- ۱۷۹ اسفار میں بھی بیت اللہ قبلہ ہے
- ۱۸۰ تحویل کے بعد یہود و مشرکین کے لئے اعتراض کرنے کا منہ نہیں رہا!
- ۱۸۱ مستقل قبلہ کی نظیر: مستقل امت کے لئے مستقل نبی کا بھیجنا
- ۱۸۳ آیات تحویل کے متعلقات اور آگے کے مضامین
- ۱۸۴ بھاری مصیبت آئے تو سہارنے کا فارمولہ: ہمت سے کام لینا اور نماز میں لگنا!
- ۱۸۵ شہیدوں کو نماز ہو، امت کہو، وہ زندہ ہیں، اور یہ صبر کا نتیجہ ہے
- ۱۸۶ مؤمن کو کچھ نہ کچھ مصائب و تکالیف سے آزما یا جاتا ہے اور صبر کا فارمولہ اور اس کا ثواب
- ۱۸۷ صفا و مروہ مقامات حج میں سے ہیں، بے تکلف ان کی سعی کرو
- ۱۸۸ جب سعی واجب ہے تو ﴿لَا جُنَاحَ﴾ کی تعبیر کیوں ہے؟

- تحویل قبلہ کے متعلقات کا بیان پورا ہوا ۱۹۰
- ملتِ ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات
۱۹۲
- ۱- توحید کا بیان ۱۹۲
- ایک اللہ کے معبود ہونے پر قدرت کے سات کارناموں سے استدلال ۱۹۲
- ردِ اشراک:
- مشرکین اعمالِ شرکیہ پر دوزخ میں پچھتا نہیں گے ۱۹۵
- مؤمنین اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں: ۱۹۵
- کاف (حرفِ تشبیہ) اور مثل میں فرق ۱۹۶
- حلال کو حرام کرنا شرک ہے مگر مشرکین باز نہیں آئیں گے، البتہ مؤمنین ایسا نہ کریں ۱۹۸
- اللہ نے چار چیزیں حرام کی ہیں، مشرکین ان کو حلال کرتے ہیں، یہ بھی شرک ہے ۲۰۱
- وہ چار حلال جانور جن کو مشرکین نے حرام کر رکھا تھا: ۲۰۱
- مذکورہ چیزوں کی حرمت تورات میں بھی ہے، مگر یہود اور باتوں کی طرح اس کو بھی چھپاتے ہیں، اس لئے وہ
سخت سزا کے مستحق ہیں ۲۰۳
- عقائد و اعمالِ اسلام
- ۱- قتلِ عمد میں قصاص لازم ہے ۲۰۸
- قصاص حد نہیں، اسے معاف کیا جاسکتا ہے ۲۰۹
- قصاص قتل در قتل نہیں، بلکہ اس میں انسانی زندگی کا تحفظ ہے ۲۱۰
- آیتِ کریمہ منسوخ بھی اور غیر منسوخ بھی ۲۱۱
- ۲- حسبِ حصص شرعیہ والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا ۲۱۳
- وصیت میں تبدیلی کرنے کا گناہ تبدیلی کرنے والوں پر ہے ۲۱۳
- مورث کی حیات میں یا موت کے بعد وصیت نامہ میں مناسب تبدیلی کرنا کرانا جائز ہے ۲۱۴
- ۳- روزے بھاری عمل ہیں اس لئے پہلے ذہن سازی کی ۲۱۶

- ۲۱۹ احکام کی تشریح میں سہولت کا لحاظ
- ۲۲۰ اللہ تعالیٰ ہر شکرگذاری سنتے ہیں
- ۲۲۲ رمضان کی راتوں میں بیوی سے زن و شوئی کا معاملہ کرنے کی اجازت
- ۲۲۳ روزے کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے
- ۲۲۳ اعتکاف میں صحبت اور اس کے اسباب بھی جائز نہیں
- ۲۲۳ ۴- حرام مال کھانے کی اور حج کو رشوت دینے کی ممانعت
- ۲۲۵ ۵- حج: جان و مال سے مرکب عبادت ہے
- ۲۲۶ توحید لہلہ: ساری دنیا کا ایک چاند نہیں ہو سکتا
- ۲۲۸ قرآن کریم کبھی واقعہ کے اجزاء کو مقدم و مؤخر کرتا ہے
- ۲۸۸ آیات زیر تفسیر اور آئندہ آیت کا پس منظر (شان نزول)
- ۲۲۹ ۶- مسلمان مکہ پہنچ کر جنگ نہ چھیڑیں البتہ کفار جنگ چھیڑیں تو ان کو نہ بخشیں
- ۲۲۹ حرم شریف میں دفاعی جنگ جائز ہے
- ۲۳۰ جنگ کے دوران دشمن ایمان لے آئے تو جنگ روک دینا ضروری ہے
- ۲۳۰ جہاد اس لئے ہے کہ ظلم رکے اور اللہ کا دین پھیلے
- ۲۳۱ اشہر حرام کا پاس و لحاظ دو طرفہ ہونا چاہئے
- ۲۳۱ جہاد کے لئے دل کھول کر خرچ کرو، ہاتھ نہ روکو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے
- ۲۳۳ ۷- احصار (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد کوئی مانع پیش آنے) کا حکم
- ۲۳۵ عذر کی وجہ سے احرام میں ممنوعات کے ارتکاب کا حکم
- ۲۳۵ حج تمتع و قرآن میں قربانی واجب ہے، اور یہ دونوں حج آفاقی کر سکتا ہے
- ۸- حج کے احکام
- ۲۳۸ حج کا وقت ممنوعات احرام احرام میں کرنے کے کام حاجی خرچ ساتھ کر لے چلے
- ۲۳۹ نقد ساتھ نہ لے کر اسباب تجارت ساتھ لینا بھی کافی ہے وقوف مزدلفہ کا وقت
- ۲۴۱ وقوف عرفہ ہر حاجی پر فرض ہے

- ۲۴۲ منیٰ میں کرنے کے کام
- ۲۴۶ منیٰ کی دعائیں اور ان کے مختلف اثرات
- ۲۴۸ سچے بچے مکے مسلمان خوبی سے ہم کنار ہوتے ہیں
- ۲۴۹ بے عمل مسلمانوں کو انتباہ
- ۲۴۹ بد عمل مسلمانوں کو سخت انتباہ
- ۲۵۰ کسی نعمت سے محرومی بھی ایک طرح کی سزا ہے
- ۲۵۲ مسلمانوں کی پستی کا سبب مال کی کمی یا عمل کی کمی؟
- ۲۵۳ پستی کا ایک سبب گمراہ فرقے ہیں..... شروع میں سب لوگ دین حق پر تھے
- ۲۵۳ پھر ملی اختلافات شروع ہوئے اور حقیقت گم ہو گئی!
- ۲۵۴ اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک جماعت ہمیشہ حق پر برقرار رہے گی
- ۲۵۵ اہل حق پیش آنے والی مشکلات سے نہ گھبرائیں
- ۲۵۶ مال فراواں سے خرچ کرنے کی جگہیں (مالی قربانی)
- ۲۵۷ جہاد میں فائدہ ہیں، اگرچہ یہ حکم لوگوں کو بھاری معلوم ہو! (جانی قربانی)
- ۲۵۹ رجب میں قتل کو کیا روتے ہو، اپنے کرتوت تو دیکھو!
- احکام میں مصالح و مفاسد کی رعایت کی جاتی ہے
- ۲۶۲ ۱- شراب اور سہ اس لئے حرام ہیں کہ ان کی خرابی ان کے فوائد سے بڑھی ہوئی ہے
- ۲۶۳ زیر تفسیر آیت ذہن سازی کے دوسرے مرحلہ کی ہے
- ۲۶۳ ۲- چھوٹے چندہ میں برکت ہے
- ۲۶۴ دونوں حکموں کے مصالح اور مضرتیں
- ۲۶۴ ۳- تیبیوں کا کھانا سا تھر رکھنے کی اجازت ان کی مصلحت سے ہے
- ۲۶۶ ۴- مشرکوں کے نہ مردوں سے نکاح جائز ہے نہ عورتوں سے
- ۲۶۸ ۵- حالت حیض میں جماع کی ممانعت مضرت اور گندگی کی وجہ سے ہے
- ۲۷۰ عورتیں کھیتی ہیں، پس کھیت میں جہاں سے چاہے آئے

- ۶- اللہ کی قسم کو نیک کام نہ کرنے کا بہانہ مت بناؤ ۲۷۱
- ۷- یمین لغو میں کوئی پکڑ نہیں، مگر یمین غموس میں پکڑ ہے ۲۷۲
- ۸- بیوی سے چار ماہ یا زیادہ صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا ۲۷۳
- ۹- طلاق کے بعد عورت فوراً دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، عدت ضروری ہے ۲۷۴
- عدت دو مقصد سے ہے: استبرائے رحم کے لئے اور اس لئے کہ شوہر رجوع کر سکے ۲۷۴
- ۱۰- رجعت کا حق دورِ جمعی طلاقوں تک ہے ۲۷۸
- ۱۱- طلاق کے وقت مہر واپس لینا جائز نہیں ۲۷۸
- ۱۲- طلاق علی الممال (خلع) کی صورت میں سارا مہر یا کچھ مہر واپس لینا جائز ہے ۲۷۹
- ۱۳- تیسری طلاق ہرگز نہ دے، ورنہ معاملہ تنگ ہو جائے گا ۲۸۰
- ۱۴- حلالہ کے بعد پہلے شوہر کا اس عورت سے نکاح درست ہے ۲۸۰
- ۱۵- عورت کو پریشان کرنے کے لئے رجعت کرنا شریعت کے ساتھ کھلوڑا ہے! ۱۸۲
- ۱۶- اگر عورت پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو اولیاء نہ روکیں ۲۸۳
- ۱۷- عدت کے بعد رضاعت کے احکام ۲۸۵
- ۱۸- حائلہ (غیر حاملہ) کی عدت و وفات چار ماہ دس دن ہے ۲۸۷
- ۱۹- عدت میں نہ نکاح جائز نہ پیام نکاح، ہاں دل میں ارادہ رکھ سکتے ہیں اور اشارہ بھی کر سکتے ہیں ۲۸۸
- ۲۰- خلوتِ صحیحہ اور مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دینا جائز ہے، اور اس صورت میں متعہ واجب ہے ۲۹۰
- ۲۱- خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دی، اور مہر مقرر ہوا تھا تو آدھا مہر واجب ہے ۲۹۱
- ۲۲- بیوی اور شوہر آدھا مہر چھوڑ سکتے ہیں، اور شوہر کا چھوڑنا بہتر ہے ۲۹۱

۲۳- نماز کی پابندی کا حکم

- درمیانی نماز کونسی ہے؟ ۲۹۳
- آیت سے پانچ نمازوں کا ثبوت: نماز میں باادب کھڑے رہو..... خوف شدید ہو اور صلوة الخوف
پڑھنے کی کوئی صورت نہ ہو تو نماز کیسے پڑھیں؟ ۲۹۴
- جب امن ہو جائے تو باقاعدہ نماز پڑھی جائے ۲۹۵

- ۲۹۶ بیوی کے لئے ایک سال کے سکنی کی وصیت کرنا
 ۲۹۷ طلاق والیوں کو تحفہ تحائف دے کر رخصت کرنا

جہاد کا بیان

- ۲۹۹ جہاد کے لئے جانی مالی قربانی ضروری ہے
 ۳۰۰ بنی اسرائیل نے جب جہاد کا حکم ملا تو کتنی کاٹی!
 ۳۰۳ بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ ماننے سے انکار کیا
 ۳۰۴ اللہ تعالیٰ نے کرشمہ دکھایا تب بنی اسرائیل نے مانا
 ۳۰۵ طالوت نے فوج کا امتحان کیا تو تین سو تیرہ ہی کھرے نکلے
 ۳۰۷ طالوت کے ساتھیوں نے دعا کر کے جنگ شروع کی اور جالوت کو مار گرایا
 ۳۰۸ طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے، اور وہ نبوت سے بھی سرفراز کئے گئے
 ۳۰۸ جب کوئی ملت نئی ابھرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا دیتے ہیں
 ۳۰۹ نبی ﷺ گذشتہ رسولوں سے افضل ہیں

رسالت کا بیان

- ۳۱۰ رسولوں کے مراتب متفاوت ہیں اور نبی ﷺ کے درجات سب سے بلند ہیں
 ۳۱۱ فضیلت کلی اور فضیلت جزئی:
 ۳۱۳ نبی ﷺ کو دلاسا (تسلی)

آخرت کا بیان

توحید کا بیان (آیت الکرسی کی تفسیر)

- ۳۱۸ لوگ دین اسلام کو خوشی سے قبول کریں، وہی مضبوط دین ہے
 ۳۱۹ کار سازی اور کار سازی میں فرق
 ۳۲۰ نمرود نے توحید کی دلیل پر اعتراض کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دوسری دلیل سے چپکا کیا
 ۳۲۳ جلانا اور مارنا کیا ہے؟

- ۳۲۵ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے جو بات کہی تھی وہ ان کی آنکھوں دیکھی حقیقت تھی
جہاد میں خرچ کرنے کا تفصیلی تذکرہ
- ۳۲۷ جہاد کے لئے جو خرچ کیا جاتا ہے اس کا کم از کم ثواب سات سو گنا ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں
- ۳۲۹ انفاق فی سبیل اللہ کا حادثات سے بچا ہوا ہونا ضروری ہے
- ۳۲۹ خیرات دے کر ستانے سے بہتر مناسب بات کہنا اور معذرت کرنا ہے

عام انفاق کا بیان

- ۳۳۱ صدقہ کر کے احسان جتلا نا اور آزار پہنچانا صدقہ کو باطل کر دیتا ہے
- ۳۳۲ تشبیہ اور محسوس مثال سے قباحت کی وضاحت
- ۳۳۳ خیرات اللہ کی رضا جوئی اور نفس میں پختگی پیدا کرنے کے لئے ہونی چاہئے
- ۳۳۳ شیطان: انسان کے اعمال کو ناکارہ کر دیتا ہے
- ۳۳۵ راہِ خدا میں عمدہ چیز خرچ کی جائے
- ۳۳۶ شیطانی خیال اور اللہ کا الہام
- ۳۳۷ دین کی سمجھ ہر کسی کو نہیں ملتی، اور جسے مل گئی اس کے وارے نیارے!

انفاقات کی تفصیل

- ۳۴۰ ۱- واجب انفاق (زکات، صدقہ، فطر اور منت) کا پورا کرنا ضروری ہے
- ۳۴۰ ۲- برملا خرچ کرے تو واہ وا، اور غریب کو چھپا کر دے تو بہتر ہے
- ۳۴۱ ۳- غیر مسلم رعایا پر بھی خرچ کرو، اس میں بھی فائدہ ہے
- ۳۴۲ ۴- جہاد وغیرہ دینی کاموں میں مشغول حاجت مندوں پر خرچ کرنا
- ۳۴۳ ۵- ہر وقت اور ہر طرح خرچ کرنے والوں کے لئے مودہ

سود کی حرمت کا بیان

- ۳۴۷ سود خوروں کی سزا
- ۳۴۷ اللہ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا

- ۳۴۹ جاہلیت میں جو سو دلیا جا چکا اس کا پھیرنا ضروری نہیں، اب لے گا تو سزا پائے گا
- ۳۵۰ سو دخور اللہ تعالیٰ کو کسی طرح نہیں بھاتا!
- ۳۵۰ مبعوض لوگوں کے بالمقابل محبوب بندوں کا تذکرہ
- ۳۵۱ سو دخوروں کو جنگ کا اٹی میٹم!
- ۳۵۱ مقروض جنگ دست ہو تو مہلت دینا واجب ہے، اور قرضہ معاف کرے تو اور بھی بہتر ہے

دستاویز لکھنے کا بیان

- ۳۵۶ دستاویز لکھنے کے تین فائدے تین مسائل تین نصائح اور باقی تین مسائل
- ۳۶۰ دل کی کن باتوں پر مواخذہ ہوگا، اور کن باتوں پر مواخذہ نہیں ہوگا
- ۳۶۲ بلا تفریق تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے
- ۳۶۳ تکلیف شرعی کن امور کی دی جاتی ہے؟
- ۳۶۵ مؤمنین کی دعاؤں پر سورہ بقرہ پوری ہوئی

سورۃ آل عمران

- ۳۶۶ سورت کا نام اور اس کی معنویت:
- ۳۶۷ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران میں ہم آہنگی
- ۳۶۹ سورت کی ابتدائی آیات کا شان نزول:
- ۳۷۰ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی راہ نمائی کے لئے قرآن کریم نازل کیا
- ۳۷۱ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت (ناک نقشہ) بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے
- ۳۷۲ قرآن کریم میں دو قسم کی آیتیں ہیں: محکم اور متشابہ محکم آیات سے استدلال کرو، تشابہات کے پیچھے مت پڑو
- ۳۷۳ محکم و متشابہ: تشابہات کے مراتب:
- ۳۷۵ تشابہات کے بارے میں پختہ کار لوگوں کا موقف

- ۳۷۷ وفد نجران کو ایمان کی دعوت، اگر ایمان نہیں لائیں گے تو ہاریں گے اور برا حشر ہوگا
- ۳۷۸ بدر میں کفار تین گنا تھے، مگر بری طرح ہارے
- ۳۷۹ نجران کا وفد بات سمجھے ہوئے تھا، مگر مال و منال کی محبت ایمان کا روڑا بنی ہوئی تھی
- ۳۸۱ مؤمنین کے لئے دنیا کے مال و منال سے بہتر نعمتیں ہیں
- ۳۸۲ اللہ تعالیٰ کامل مؤمنین کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے
- ۳۸۳ توحید: شریعتوں کا متفقہ عقیدہ ہے، فرشتے اور انصاف پسند علماء اس کے گواہ ہیں
- ۳۸۶ توحید کا علمبردار اسلام ہی سچا دین ہے، اسی سے نجات ہوگی
- ۳۸۶ قبر میں داخلہ امتحان ہوگا..... وحدت ادیان کا نظریہ باطل ہے
- ۳۸۷ اپنے اسلام کا اعلان کرو اور دوسروں کو اس کی دعوت دو، اگر نہ مانیں تو وہ جانیں
- ۳۸۸ اہل کتاب کی جھک کہ ہم تو اپنے انبیاء کی اور اپنے مصلحین ہی کی سنتے ہیں
- ۳۸۹ اہل کتاب کی کٹ جتنی کہ ہم تو اپنی کتاب ہی پر عمل کرتے ہیں
- ۳۹۱ یہود و نصاریٰ کی جسارت کی وجہ اور اس کی سزا
- ۳۹۲ نفع و ضرر کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، حکومت سے کیا ڈرتے ہو!
- ۳۹۳ پانسہ پلٹے گا، اللہ تعالیٰ حالات بدلتے ہیں
- ۳۹۴ جب وہ ہم سے قریب نہیں آتے تو ہم ان کے قریب کیوں جائیں؟
- ۳۹۴ غیر مسلموں سے چار طرح کے تعلقات
- ۳۹۵ وفد نجران کے دلوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں
- ۳۹۶ وفد نجران کے دلوں میں جو اچھی بری باتیں ہیں وہ قیامت کے دن ظاہر ہوں گی
- ۳۹۷ نجران کے وفد کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت
- عیسائیوں کے اس خیال کی تردید کہ ہم تو اللہ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں پھر ہمیں کسی
- ۳۹۸ دوسرے پیغمبر کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟
- ۴۰۰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عمران کی نسل سے تھے
- ۴۰۳ حضرت یحییٰ علیہ السلام مصدق (منادی) تھے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہاشمی تھے

- ۴۰۷ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی ذہن سازی
- ۴۰۸ حضرت مریمؑ کی بلند کرداری نبی کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے تھی
- ۴۰۹ وقت پرفرشتوں نے حضرت مریمؑ کو صاف صاف لڑکے کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ
- ۴۱۲ خاص علوم، خاص نبوت، معجزات، سابقہ شریعت کی اصلاح، توحید کی تعلیم
- ۴۱۵ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہیں کی
- ۴۱۷ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ نے ان کی حفاظت کی
- ۴۱۸ رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت کا کیا ہوا؟
- ۴۱۸ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا
- ۴۲۰ ذریتِ عمران کا تذکرہ وحی سے کیا جا رہا ہے
- ۴۲۱ عیسیٰ علیہ السلام کی عجیب حالت آدم علیہ السلام کی عجیب حالت کی طرح ہے
- ۴۲۱ اب بھی وفدِ نجران کی کٹ چتی ختم نہ ہو تو ان کو میلہ کی دعوت دو
- ۴۲۳ وفدِ نجران کو خالص توحید کی دعوت
- وفدِ نجران کو توحید خالص کی دعوت دی تو انھوں نے جھگڑا کیا: کہا: ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں، ہماری توحید
- ۴۲۵ نچالیں کیسے ہو سکتی ہے؟
- ۴۲۷ نجران والوں کے مناظرہ کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے
- ۴۲۸ نجرانیوں کو فہمائش کہ اپنی کتابوں کی بشارتوں کو عملی جامہ پہناؤ
- ۴۲۸ نجرانیوں کو فہمائش کہ بشارتوں کی نہ غلط تاویل کرو نہ چھپاؤ
- ۴۲۹ وفدِ نجران کی طرح مدینہ کے یہود نے بھی مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہا
- ۴۳۱ اہل کتاب میں امانت دار بھی ہیں اور بے ایمان بھی!
- ۴۳۳ ہر کسی سے کیا ہوا قول و قرار پورا کرنا ضروری ہے
- ۴۳۳ عدالت میں جھوٹی قسم کھانے کا وبال
- ۴۳۵ عیسائیوں (وفدِ نجران) نے عہدِ است میں اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے دو اقرار توڑے!

- ۴۳۸ نبی ﷺ صرف نبی الامت نہیں، نبی الانبیاء والامم بھی ہیں
- ۴۳۹ وفد نجران نے دوسرا عہد و پیمان بھی توڑا، وہ نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے!
- ۴۴۰ نجران کا وفد نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا تو وہ حکم عدولی ہوگی
- ۴۴۱ خوشی سے ایمان لاؤ، ورنہ اسلامی حکومت کا باج گزار بننا پڑے گا
- ۴۴۱ تعصب چھوڑو، دیکھو ہم اسرائیلی انبیاء کو بھی مانتے ہیں
- ۴۴۲ نجات اسلام ہی سے ہوگی
- ۴۴۳ گمراہی کے اسباب جب بہت ہو جاتے ہیں تو ایمان کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے
- ۴۴۴ جن لوگوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی ہے: ان کی سزا
- ۴۴۶ توبہ کا وقت غرغہ لگنے تک ہے، اس کے بعد نہ توبہ قبول ہے نہ فدیہ
- ۴۴۷ پیاری چیز خرچ کرو بڑی نیکی پاؤ گے؟..... انفاق کی دو صورتیں
- ۴۴۸ سب کھانے جو اسلام میں حلال ہیں ملتِ ابراہیم میں حلال تھے
- ۴۵۰ کعبہ شریف بیت المقدس سے پہلے تعمیر کیا گیا ہے، تاکہ سب لوگ اس کا حج کریں
- آیہ: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ﴾ کے ہر جملہ کی تفسیر
- ۴۵۴ وفد نجران سے آخری دو باتیں
- ۴۵۶ مسلمان اہل کتاب کی ریشہ دوانیوں سے بچیں
- ۴۵۷ مسلمان صحیح طرح اللہ سے ڈریں اور ہر وقت احکام کی پیروی کریں
- ۴۵۷ مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں
- ۴۵۹ امت کی اصلاح کے لئے دعوت و ارشاد کا مسلسل جاری رہنا ضروری ہے
- ۴۶۱ گمراہ فرقے مسلمانوں کی کمزوری کا سبب
- ختم نبوت کے بعد دعوت و ارشاد کی ذمہ داری کون سنبھالے گا؟ صحابہ سنبھالیں گے، پھر جو لوگ صحابہ کے
- ۴۶۲ نقش قدم پر ہیں
- ۴۶۳ یہ آیت صحابہ کے ساتھ خاص ہے، اور ان لوگوں کے لئے ہے جو صحابہ جیسے کام کریں (حضرت عمرؓ)
- ۴۶۵ جماعت صحابہ کے لئے حفاظت ضروری ہے

- ۴۶۶ یہود کے لئے بھی خیر امت میں شامل ہونے کا دروازہ کھلا ہے
- ۴۶۷ فاسق یہودیوں کا تذکرہ: وہ مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے
- ۴۶۸ اللہ تعالیٰ یہود سے سخت ناراض ہیں، اس لئے ذلت اور حاجت ان کا مقدر بن گئی ہے
- ۴۷۰ ایمان لانے والے اہل کتاب کے احوال
- ۴۷۲ ایمان کے بغیر جو خیرات کی جاتی ہے وہ آخرت میں برباد ہوگی
- ۴۷۴ مسلمان: مسلمانوں کے سوا کسی کو راز دار نہ بنائیں
- ۴۷۶ غزوہ احد میں صورت حال نازک ہو گئی تو یہود و منافقین نے گھی کے چراغ جلانے
- ۴۷۷ نبی ﷺ نے میدان جنگ میں مورچہ بندی کی
- ۴۷۸ جنگ احد میں منافقین کا کردار
- ۴۷۹ انصار کے دو قبیلے پھسلتے پھسلتے رہ گئے
- ۴۷۹ جنگ احد میں فرشتوں کی کمک نہیں آئی
- غزوہ بدر میں صورت حال نازک تھی، مگر اللہ کی مدد آئی اور مسلمانوں کا ہاتھ اونچا ہوا تو یہود و منافقین کو بہت
- ۴۸۱ برا لگا
- ۴۸۲ بدر میں کتنے فرشتے اترے تھے؟ تین ہزار یا پانچ ہزار؟
- ۴۸۳ فرشتے جب امداد کے لئے آتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟
- ۴۸۴ جنگ بدر میں امداد و نصرت کی حکمت
- ۴۸۴ جنگ بدر میں جو فوج گئے ان میں سے کچھ مسلمان ہوئے
- ۴۸۶ سو دشمن مسلمانوں کو جہنم میں جانا پڑ سکتا ہے..... سو دین طرح کا ہے
- ۴۸۸ جو مسلمان نیک کام کرتے ہیں اور گناہ ہو جائے تو توبہ کرتے ہیں ان کو بخش دیا جائے گا
- ۴۸۸ ﴿ذُكِّرُوا بِاللَّهِ﴾ سے صلوٰۃ توبہ کا استنباط
- غزوہ احد کا بیان
- ۴۹۱ انبیاء کی تکذیب کرنے والے ہمیشہ ہلاک ہوتے ہیں
- ۱- آخری فتح مسلمانوں کی ہوگی اگر وہ ایمان میں مضبوط رہیں ۲- احد میں مسلمانوں کو زخم پہنچا ہے تو ویسا ہی
- زخم فریق مقابل کو بھی پہنچ چکا ہے
- ۴۹۱

- ۴۹۲ غزوہ احد میں ہزیمت کی چھ حکمتیں
- ۴۹۶ جہاد کلمۃ اللہ کی سر بلندی کے لئے ہے، رسول کی ذات کے لئے نہیں
- ۴۹۷ موت کا وقت مقرر ہے، میدان میں بھی آسکتی ہے اور دوسری جگہ بھی
- ۴۹۷ کم ہمتوں کی عبرت کے لئے ماضی کی ایک مثال
- ۴۹۹ مشرکین نے مسلمانوں کو کفر کی طرف لوٹنے کی دعوت دی
- ۵۰۱ جنگ کے شروع میں اللہ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا
- ۵۰۱ جنگ میں رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے پانسہ پلٹا
- ۵۰۲ حکم عدولی کا سبب مال کی از حد محبت
- ۵۰۲ جنگ احد میں عارضی ناکامی میں حکمت
- ۵۰۳ جن لوگوں نے مور چھوڑا تھا: اللہ نے ان کو معاف کر دیا
- ۵۰۳ غزوہ احد میں جو بھگدڑ مچی اس میں حکمت یہ تھی کہ جنگ کا پانسہ پلٹے اور مسلمان رضابہ قضاء رہیں
- ۵۰۶ اونگھ چین بن کر اتری اور بے چینی دور ہوئی
- ۵۰۶ مخلص مسلمانوں کے بالمقابل نخل لصوص مسلمانوں کا حال
- ۵۰۷ بھٹی میل کو جلا دیتی ہے اور خالص سونا نکھر جاتا ہے
- ۵۰۸ جنگ احد میں پیٹھ پھیرنے والوں کو اللہ نے معاف کیا
- ۵۱۰ مسلمان کافروں کی وسوسہ اندازی سے متاثر نہ ہوں، مارتے جلاتے اللہ تعالیٰ ہیں
- ۵۱۱ مجاہد کی موت اور دوسری موت برابر نہیں
- ۵۱۲ غزوہ احد میں نبی ﷺ نے اپنی نرم خوئی سے خطا کاروں کو معاف کیا
- ۵۱۳ نبی ﷺ کی کمال امانت داری کا بیان
- ۵۱۶ نبی ﷺ کی بعثت مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے
- ۵۱۸ اگر احد میں مسلمانوں کو کچھ تکلیف پہنچی تو تعجب کی کیا بات ہے؟
- ۵۲۰ مصلحت نہیں تھی کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کو کئی غلبہ حاصل ہو
- ۵۲۰ احد میں جو صورت پیش آئی اس میں مصلحت یہ تھی کہ کھرے کھوٹے کا امتیاز ہو جائے

- ۵۲۰ منافقین کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی مگر قبول نہیں کی، پھر باتیں چھانٹیں!
- ۵۲۱ منافقین کی بات دل کی بات نہیں!
- ۵۲۲ موت تو آنی ہے، اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔
- ۵۲۳ شہداء حیات ہیں، وہ کھلائے پلائے جاتے ہیں۔
- ۵۲۴ شہداء کو دو خوشیاں۔
- ۵۲۴ زخم خوردہ صحابہ لشکر کفار کے تعاقب میں نکلے (غزوہ حراء الاسد)۔
- ۵۲۷ صحابہ زخم مندمل ہوتے ہی کفار کے مقابلہ کے لئے نکلے (غزوہ بدر صغریٰ)۔
- ۵۲۹ کافروں کی کاروائیوں سے اسلام کی ترقی رک نہیں سکتی۔
- ۵۲۹ کافروں کی خوش حالی اور مہلت ان کے حق میں کچھ اچھی نہیں۔
- ۵۳۰ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مسلمانوں کو بھی آزمائش سے گزارا جائے تاکہ کھرا کھوٹا جدا ہو جائے۔
- ۵۳۲ جس مال کے حقوق واجبہ ادا نہیں کئے گئے اس مال کی قیامت کے دن مالا پہنائی جائے گی!
- ۵۳۳ یہود کی شانِ خداوندی میں گستاخی اور اس کی سزا۔
- ۵۳۵ یہود کو نبی ﷺ پر ایمان تو لانا نہیں تھا اس لئے پکھڑ نکالی!
- ۵۳۷ دوزخ سے بچ جانا اور جنت میں پہنچ جانا اصل کامیابی ہے۔
- ۵۳۸ دل آزاری کی باتیں سن کر صبر و تحمل سے کام لینا اولوالعزمی کا کام ہے۔
- ۵۳۹ علمائے اہل کتاب دنیا کی محبت میں پھنس کر احکام و بشارات چھپاتے تھے۔
- ۵۴۰ یہود اپنے غلط کئے ہوئے کام پر خوش ہوتے تھے اور صحیح نہ کئے ہوئے کام پر تعریف کے خواہاں ہوتے تھے۔
- ۵۴۲ حکومت اللہ قادر مطلق کی ہے۔
- ۵۴۲ توحید کے دلائل اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کی دعائیں۔
- ۵۴۶ اللہ نے نیک بندوں کی دعائیں قبول کیں، اور مہاجر شہداء کا تذکرہ خاص طور پر کیا۔
- ۵۴۸ کافروں کی چار دن کی چاندنی سے کوئی دھوکہ نہ کھائے: یہ عارضی بہار ہے!
- ۵۴۸ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے لئے بھی جنت کے دروازے کھلے ہیں!
- دنیا و آخرت میں کامیابی کے چار گراں - سختیوں میں باہمت رہنا - ۲ - مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانا۔

۵۴۹ ۳- حفاظت کی پوری تیاری رکھنا۔ ۴- شریعت پر مکمل عمل کرنا

سورة النساء

۵۵۱ آخر و اول ہم آہنگ سورت کا نام اور ربط

۵۵۲ عورتوں کی تخلیق کا مسئلہ

۵۵۳ مخلوقات تین طرح پیدا ہو رہی ہیں

۵۵۶ رشتہ داری کا تعلق ختم مت کرو، اور رشتہ داری کا تعلق تمام انسانوں سے ہے

۵۵۸ یتیموں کے تعلق سے تین احکام

۵۵۹ یتیم لڑکی کے ساتھ نا انصافی کا ڈر ہو تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے

۵۶۰ تعدد از دو اج مردوں کی واقعی ضرورت ہے

۵۶۰ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں

۵۶۱ ایک سے زیادہ نکاح کا جواز انصاف کی شرط کے ساتھ ہے

۵۶۲ شوہر مہر خوش دلی سے ادا کرے، اور عورت مہر معاف کر سکتی ہے

۵۶۳ مال مایہ زندگانی ہے، نا سمجھ بچوں کو زیادہ خرچ نہ دیا جائے، ان کی عادت خراب ہوگی

۵۶۴ خاص یتامی کے تعلق سے چار احکام

۵۶۵ ۱- یتیموں سے کاروبار کرا کر ان کو آزما یا جائے

۵۶۵ ۲- جب یتیم کی شادی ہو جائے اور وہ سمجھ دار ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کیا جائے

۵۶۵ ۳- یتیم کے باپ کا ورثہ کچھ یتیم کے لئے بچایا جائے

۵۶۶ ۴- جب یتیم کا مال اس کو سونپنے تو گواہ بنا لے

۵۶۷ عورتوں اور نابالغ لڑکوں کا بھی میراث میں حصہ ہے

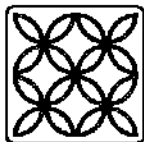
۵۶۸ تقسیم میراث کے وقت غیر وارث رشتہ دار یا یتیم غریب آجائیں تو ان کو بھی کچھ دیا جائے

۵۶۹ سخت بات کہہ کر یتیم کا دل نہ توڑا جائے

۵۶۹ ناحق یتیم کا مال کھانا پیٹ میں انکارے بھرنا ہے

احکام میراث

- ۵۷۱ آیات میراث کا شان نزول
- ۵۷۲ فرض مقدرہ..... میراث میں مرد کی برتری کی وجہ
- ۵۷۳ اولاد کی میراث
- ۵۷۵ والدین کی میراث
- ۵۷۷ آیت میراث میں وصیت کا ذکر دین سے مقدم کیوں ہے؟
- ۵۸۰ زوجین کی میراث
- ۵۸۱ اخیا فی بھائی، بہن کی میراث
- ۵۸۳ احکام میراث پر عمل کرنے کی ترغیب اور ان کی خلاف ورزی پر تہیب
- ۵۸۴ اہانت آمیز سزا کی دو مثالیں
- ۵۸۷ اللہ کی بارگاہ نامیدی کی بارگاہ نہیں، توبہ کا دروازہ کھلا ہے!
- ۵۸۸ گناہ پر اقدام کی تین صورتیں..... سچی توبہ کے لئے تین شرطیں
- ۵۸۹ دو شخصوں کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے
- ۵۹۰ میت کی بیوی ترکہ نہیں پس اس پر زبردستی قبضہ جائز نہیں
- ۵۹۱ شوہر کے ظلم کی دو صورتیں اور ان کا سدباب
- ۵۹۳ جو عورت باپ دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہے: اس سے نکاح حرام ہے
- ۵۹۳ زنا اور دواعی زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے
- ۵۹۶ تیرہ عورتوں کا تذکرہ جن سے نکاح حرام ہے
- ۵۹۷ محرمات نسب کی حرمت کی دو وجہیں
- ۵۹۸ دودھ پینے سے وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں
- ۶۰۰ پندرہویں عورت جس سے نکاح حرام ہے: اس کا ذکر اگلی جلد میں آئے گا



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریب

الحمد لله الذي بتوفيقه تتم الصالحات، والصلاة والسلام على سيد الكائنات، وعلى آله وصحبه

زبدة الموجودات، أما بعد:

کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ تفسیر کیوں لکھی؟ عربی، فارسی اور اردو میں تفسیروں کی کمی نہیں، پھر آپ نے دخل در معقولات کیوں کیا؟ جواب: میں نے تفسیر نہیں لکھی، مجھ سے لکھوائی گئی ہے! اگر مجھ سے نہ لکھوائی جاتی تو شاید میں ہمت نہ کرتا، من آتم کہ من دائم!

اس کی تفصیل یہ ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے جب میں دارالعلوم دیوبند میں طالب علم تھا: حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہامی رحمہ اللہ نے ہدایت القرآن شروع کی تھی، انھوں نے پہلے آخری پارہ لکھا، وہ مقبول ہوا تو انھوں نے شروع سے لکھنا شروع کیا، بیس سال میں نو پارے لکھے اور چھاپے، خود ہی چھاپتے تھے اور خود ہی خریداروں کو بھیجتے تھے، پھر مہینوں آرام کرتے تھے، پھر اگلا پارہ لکھتے تھے۔

۱۹۷۴ء میں جب میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہو کر آیا تو مکتبہ حجاز کے مالک میرے ساتھی جناب مولانا قاضی محمد انور صاحب تھے، مولانا کاشف صاحب لکھتے تھے اور قاضی صاحب چھاپتے تھے، انھوں نے مکتبہ حجاز خرید لیا تھا، اور مولانا کاشف صاحب مدرسہ اصغر یہ میں مدرس ہو گئے تھے، مگر وہ اتنی دیر میں پارہ لکھتے تھے کہ قاضی صاحب کا نقصان ہوتا تھا، خریدار ٹوٹ جاتے تھے۔

جب میں مدرس ہو کر آیا تو قاضی صاحب نے دوستی کے ناتے اصرار کیا کہ میں تفسیر لکھوں اور وہ چھاپیں، میں لکھنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا، مگر وہ شب و روز اصرار کرتے رہے پس میں نے قلم پکڑا اور دسواں پارہ لکھا، جب وہ مولانا کاشف صاحب رحمہ اللہ کو پہنچا تو انھوں نے پڑھ کر تبصرہ کیا: ”پیوند کچھ برا تو نہیں!“ اس سے ہمت بڑھی۔

پھر میں وقفہ وقفہ سے لکھتا رہا، استعداد بھی ناقص تھی اور زبان بھی پھس پھسی تھی، جب قاضی صاحب سر ہو جاتے تو لکھتا، پھر جب پارہ چھپتا تو میں سو جاتا، تا آنکہ ایک سال بارش بہت ہوئی اور قاضی صاحب کے گھر کا ایک حصہ گر گیا، ان کو مرمت کے لئے پیسوں کی ضرورت تھی اور ہاتھ تنگ تھا، انھوں نے اصرار کیا کہ میں مکتبہ حجاز خرید لوں، میں نے خیال کیا

کہ جب مکتبہ میرا ہو جائے گا تو کام میں تیزی آئے گی، مگر معاملہ برعکس ہوا، مزید سستی پیدا ہو گئی، بلکہ پارہ اٹھارہ آدھا لکھنے کے بعد کام بالکل ہی رک گیا، میں دوسرے کاموں میں لگ گیا، مگر تفسیر کی تکمیل کا فکر ہمیشہ سوار رہا۔

ایک خواب: جس زمانہ میں میں خود وقفہ وقفہ سے تفسیر لکھتا تھا اور چھاپتا تھا: ایک سال فیملی کے ساتھ عید الاضحیٰ کی تعطیل میں وطن گیا، اور منو کے ایک طالب علم مولوی فیاض سلمہ کو مکان سوئپ گیا، وہ اب بڑے عالم ہیں، وہ میری بیٹھک میں لیٹے تھے، انھوں نے خواب دیکھا: نبی ﷺ میری جگہ تشریف فرما ہیں، طلبہ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، آپ نے طلبہ سے فرمایا: ”سعید سے کہنا..... پوری کرے“ ان کی آنکھ کھل گئی، وہ بھول گئے کونسی کتاب پوری کرنے کے لئے فرمایا تھا، مگر میں اس زمانہ میں ہدایت القرآن کا کوئی پارہ لکھ رہا تھا۔

دوسرا خواب: پھر ایک عرصہ کے بعد سہارن پور سے کسی خاتون کا خط آیا، وہ لڑکیوں کا مدرسہ چلاتی ہیں، انھوں نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا اور پوچھا کہ وہ طالبات کو کیا پڑھائیں؟ آپ نے فرمایا: ”ہدایت القرآن پڑھاؤ“ — اس کے باوجود میری ناقص استعداد مانع بنی رہی اور کام میں کوئی تیزی نہیں آئی۔

پھر اتفاق یہ ہوا کہ ۱۴۱۸ھ میں تکمیل علوم کے طلبہ نے پورے سال کی حجۃ اللہ البالغہ کی تقریر ٹیپ کی، اور کاغذ پر منتقل کر کے مجھے دی کہ میں اس پر نظر ثانی کروں، چنانچہ ۱۴۱۹ھ میں جب سبق شروع ہوا تو میں نے اس تقریر پر نظر ثانی شروع کی، مگر وہ تقریر چوتھے محث پر ختم ہو گئی، کیونکہ درس میں کتاب اتنی ہی پڑھائی جاتی تھی، اس لئے مجبوراً کام آگے بڑھانا پڑا، اور ۱۹ رزی الحجہ ۱۴۲۲ھ کو حجۃ اللہ البالغہ کی شرح رحمۃ اللہ الواسعہ پانچ ضخیم جلدوں میں پوری ہوئی، اس عرصہ میں تفسیر کا کوئی پارہ نہیں لکھ سکا۔

پھر تحفۃ الاعمی شرح سنن الترمذی کا کام شروع ہو گیا، یہ شرح آٹھ جلدوں میں شعبان ۱۴۳۰ھ میں تکمیل پذیر ہوئی، پھر فوراً تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری کا کام شروع ہو گیا، یہ شرح بارہ جلدوں میں جمادی الاخریٰ ۱۴۳۶ھ میں پوری ہوئی، پھر بلا توقف تفسیر شروع کی اور ۱۴۳۷ھ کے ختم تک سورۃ النور سے آخر تک تفسیر مکمل کی، اب شروع سے لکھنا شروع کیا ہے، شروع کا حصہ اگرچہ مولانا کاشف البہاشی قدس سرہ لکھ چکے ہیں، اور وہ مطبوعہ اور مقبول بھی ہے، اور اس کو میں ہی چھاپ رہا ہوں اور چھپتا رہے گا، تاہم میں بھی لکھ رہا ہوں، میرے دل پر اس کا شدید تقاضا ہے، اسی کو میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے تفسیر لکھی نہیں، مجھ سے لکھوائی گئی!



حضرت مولانا کاشف البہاشی رحمہ اللہ عوام کو پیش نظر رکھ کر تفسیر لکھتے تھے، اس لئے اس میں وعظ و نصیحت کے مضامین کا غالبہ ہوتا تھا، میں نے بھی شروع میں یہ بات پیش نظر رکھی تھی، اور ساتھ ہی قرآن کریم کی تفہیم بھی ملحوظ رکھی تھی، اور آیات

اور آیات کے مشمولات میں ارتباط کا بھی خیال رکھا تھا، پھر جلد ہفتم سے عنوانات بھی بڑھائے ہیں، اس لئے میری لکھی ہوئی تفسیر کی عبارت تو اسی طرح آسان ہے مگر مضامین ذرا بلند ہیں، چنانچہ مولانا رحمہ اللہ کی تفسیر عوام کے لئے بہت مفید ہے، اور میری لکھی ہوئی تفسیر خواص کے لئے خاصہ کی چیز ہے، اس میں مشکل الفاظ کے معانی حاشیہ میں دیئے ہیں، اور ضرورت کی جگہ ترکیب کی طرف بھی اشارے کئے ہیں، جس سے خواص استفادہ کر سکتے ہیں۔



جاننا چاہئے کہ آیات پاک میں اور آیات کے اجزاء میں ربط و تعلق ہے یا نہیں؟ اس میں ہمیشہ دورائیں رہی ہیں: ایک رائے: یہ ہے کہ ارتباط نہیں ہے، جو بات بندوں کی مصلحت کی ہوتی ہے وہ بیان کی جاتی ہے، یہ لوگ اس کی مثال دیتے ہیں: باپ بیٹا ساتھ کھا رہے ہیں، باپ بیٹے کو سمجھا رہا ہے کہ تعلیم میں دلچسپی لینی چاہئے، اس کے یہ اور یہ فائدے ہیں، اچانک باپ نے دیکھا کہ بیٹے نے بڑا سالقمہ منہ میں رکھا، اس نے سلسلہ کلام روک کر سمجھانا شروع کیا کہ بڑا لقمہ نہیں لینا چاہئے، وہ اچھی طرح نہیں چبے گا، اور اچھی طرح ہضم نہیں ہوگا، پھر سابقہ نصیحت شروع کی، تو کلام میں بے ربطی ہوگی، مگر بیٹے کی مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ آیات میں اور آیات کے اجزاء میں نہ صرف ربط ہے، بلکہ غایت ارتباط ہے، اس لئے کہ حکیم کا کلام بے ربط نہیں ہو سکتا، اور اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں ان کا کلام بے ربط کیسے ہو سکتا ہے؟ ترتیب نزولی میں تو پہلی بات صحیح ہو سکتی ہے، مگر لوح محفوظ کی ترتیب میں بے ربطی نہیں ہو سکتی، اس لئے یہی رائے صحیح ہے، اسی لئے مفسرین عظام نے ہر زمانہ میں ربط بیان کیا ہے، اور متعدد محنتیں وجود میں آئی ہیں، بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، میں نے بھی تفسیر میں ٹوٹی پھوٹی محنت کی ہے، شاید کسی کو پسند آئے، البتہ آمد اور آورد میں فرق ہے، باہر سے ربط داخل کرنا آورد ہے اور آیات سے ربط نکالنا آمد ہے، میں نے کوشش کی ہے کہ ربط آیات ہی سے نکلے، باہر سے داخل نہ کیا جائے۔ چنانچہ میں نے عبارت انص پیش نظر رکھ کر تفسیر کی ہے، باقی تین استدالات فائدے کی صورت میں بیان کئے ہیں۔



نص فہمی کے مفید یقین طریقے صرف چار ہیں:

۱- عبارة انص سے استدلال: جب کوئی شخص گفتگو کرتا ہے تو کسی نہ کسی مضمون کی ادائیگی مقصود ہوتی ہے، یہ مقصدی مضمون اور مرکزی نقطہ نظر: عبارت میں پائی جانے والی دوسری باتوں سے یقیناً زیادہ اہم ہوتا ہے، اسی کو اصطلاح میں عبارة انص کہتے ہیں، جیسے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ سے حمد باری مقصود ہے، اسی معنی کی ادائیگی کے لئے

عبارت لائی گئی ہے۔

۲- اشارۃ النص سے استدلال: یعنی عبارت ایک معنی کے لئے نہیں لائی گئی، لیکن الفاظ اپنے لغوی معنی یا عرفی مراد یا لازمی معنی کے طور پر کسی بات پر دلالت کرتے ہیں، اور وہ بات متکلم کے مقصد کے خلاف بھی نہیں تو یہ اشارۃ النص سے استدلال ہے، جیسے مذکورہ آیت سے توحید الوہیت اور توحید ربوبیت پر استدلال کرنا اشارۃ النص سے استدلال ہے۔

۳- دلالت النص سے استدلال: یعنی ایک بات نص کے ترجمہ لغوی سے تو ثابت نہیں ہوتی، مگر ترجمہ لغوی سے بدرجہ اولیٰ اس کو سمجھا جاسکتا ہے، اس کو دلالت النص سے استدلال کرنا کہتے ہیں، جیسے: ﴿وَلَا تَقُلْ لَهُمْ آفٍ﴾: بوڑھے والدین سے آفت مت کہو، اس سے معلوم ہوا کہ سب دشتم اور ضرب بدرجہ اولیٰ ممنوع ہیں، کیونکہ ان سے آفت کہنے سے زیادہ تکلیف پہنچتی ہے۔

۴- اقتضاء النص سے استدلال: یعنی نص میں جو بات کہی گئی ہے، اس کا صحیح ہونا یا اس پر عمل کرنا عقلاً یا شرعاً کسی امر زائد کے مان لینے پر موقوف ہو تو اس امر زائد کو مقدر ماننا اقتضاء النص سے استدلال کرنا کہلاتا ہے، جیسے حدیث میں ہے: رُفِعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَانُ: میری امت سے بھول چوک اٹھادی گئی ہے، حالانکہ امت سے بھول چوک ہوتی ہے، اس لئے عقلاً و شرعاً تصحیح کلام کے لئے ضروری ہے کہ گناہ مقدر مانا جائے یعنی بھول سے کوئی شخص کوئی کام کرے یا چوک جائے اور کوئی کام کر لے تو اس کا گناہ نہیں ہوگا، رہا احکام کا مرتب ہونا تو وہ دوسری بات ہے۔

ان کے علاوہ اخذ و استنباط کے اور طریقے بھی ہیں، جیسے مفہوم مخالف سے استدلال کرنا، مگر وہ صد فی صد صحیح نتیجہ نہیں دیتے، اس لئے احتیاط نے ان کا نصوص میں اعتبار نہیں کیا، اور اصول فقہ کی کتابوں میں ان کو جوہ فاسدہ کے عنوان سے بیان کیا ہے، میں نے تفسیر میں عبارت النص ہی کو پیش نظر رکھا ہے، اس لئے ارتباط خود بخود نکل آتا ہے۔



ایک خاص بات یہ ہے کہ عربی تفسیروں میں نص قرآنی کو علمائے نحو کے مرتب کردہ قوانین کے تابع کیا جاتا ہے، جبکہ ان میں بعض قواعد میں اختلاف بھی ہے۔ مفسرین اس کی رعایت سے ترکیبی احتمالات بیان کرتے ہیں، مگر ہمارے اکابر ایسے احتمالات بیان نہیں کرتے، اس لئے کہ نحو کے قواعد زبان سے اخذ کئے گئے ہیں، اور بعض قواعد میں ائمہ نحو میں اختلاف بھی ہے، اس لئے اللہ کے کلام کو ان قواعد کے تابع نہیں کرنا چاہئے، سیاق کلام سے جو ترکیب ہم آہنگ ہو وہ متعین ہے اور اسی کو پیش نظر رکھ کر مراد خداوندی بیان کرنی چاہئے۔

یہ چند ضروری باتیں تھیں جو عرض کی گئیں، ان کے علاوہ علوم قرآنی کے موضوع پر علمائے کرام بہت کچھ لکھ چکے ہیں،

ان سے استفادہ کیا جائے۔

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

اللہ کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے!

قاعدہ: مستعاذ بہ (جس کی پناہ چاہی گئی) پر بقاء اور ترجمہ میں 'کی' آتا ہے، اور مستعاذ منہ (جس سے پناہ چاہی گئی) پر من اور ترجمہ میں 'سے' آتا ہے، طالب علم اس میں کبھی غلطی کر جاتا ہے، جو خطرناک غلطی ہوگی۔

تعوذ سنت ہے: مومن بھی شیطان سے متاثر ہو سکتا ہے اس لئے تلاوت سے پہلے تعوذ سنت ہے، اور تعوذ صرف تلاوت کے وقت مسنون ہے، اور کتاب پڑھتے وقت مسنون نہیں، تعوذ کا حکم سورۃ النحل (آیت ۹۸) میں ہے، اور جمہور کے نزدیک امر استحباب کے لئے ہے۔

استعاذہ کی حکمت: تلاوت سے پہلے استعاذہ کی حکمت یہ ہے کہ جو شخص سمجھ کر تلاوت کرتا ہے شیطان اس کو بہکانے کی اور اس کی فکر و فہم کو غلط راہ پر ڈالنے کی پوری کوشش کرتا ہے، اس لئے اللہ کی پناہ یعنی ضروری ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ فکر و فہم کو گمراہی سے بچائیں، اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھیں، اگر قاری قرآن ایسا کرے گا تو امید ہے کہ وہ قرآن کی باتوں کو صحیح سمجھے گا، ورنہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو سکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حدیث میں ہے کہ جو بھی اہم کام اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت ہو جاتا ہے، اور تلاوت قرآن اہم کام ہے، پس تعوذ کے بعد تسمیہ چاہئے، اور حدیث میں ہے کہ دروازہ بھیڑ تو بسم اللہ کہہ کر بند کرو، چراغ گل کرو تو بسم اللہ کہو، برتن ڈھا لکو تو بسم اللہ پڑھ کر ڈھا لکو، غرض: کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہوتے وقت اور اترتے وقت بسم اللہ پڑھنا چاہئے، یہ سنت ہے، واجب نہیں۔

بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے یا قرآن کی مستقل آیت ہے؟

سورۃ نمل میں جو بسم اللہ ہے وہ بالیقین قرآن کا جزء ہے، اس کا منکر کافر ہے اور اس پر اجماع ہے۔ اس کے علاوہ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کے لئے جو ۱۱۳ جگہ بسم اللہ لکھی گئی ہے اس کے بارے میں تین نظریے ہیں:

پہلا نظریہ: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بسم اللہ نہ تو قرآن کا جزء ہے، نہ مستقل آیت ہے اور نہ کسی سورت کا جزء ہے۔ شاید ان کے خیال میں سورہ نمل کی آیت ہی کو ہر سورت کے شروع میں لکھا گیا ہے۔

دوسرا نظریہ: احناف کے نزدیک سورہ نمل کی بسم اللہ کے علاوہ ایک اور بسم اللہ قرآن کی مستقل آیت ہے اور وہ فصل کرنے کے لئے نازل کی گئی ہے۔ دور عثمانی میں جب مصحف تیار ہوا تو صحابہ کے مشورہ سے اسی بسم اللہ کو ہر سورت کے شروع میں لکھا گیا۔ اسی لئے احناف کے نزدیک تراویح میں کم از کم ایک جگہ بسم اللہ جہراً پڑھنا ضروری ہے ورنہ قرآن ناقص رہے گا۔

تیسرا نظریہ: امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے میں یہ قرآن کی ۱۱۳ آیتیں ہیں یعنی سورتوں کے شروع میں جتنی بسم اللہ ہیں وہ سب آیات قرآنیہ ہیں۔ پھر یہ مستقل آیتیں ہیں یا مابعد سورت کا جزء ہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فاتحہ کے شروع میں جو بسم اللہ ہے وہ تو شوافع کے نزدیک بالاجماع فاتحہ کا جزء ہے وہ فاتحہ کی پہلی آیت بسم اللہ ہی کو قرار دیتے ہیں اور صراط الذین سے آخر تک ایک آیت شمار کرتے ہیں اور باقی بسم اللہ کے بارے میں شوافع کے مختلف اقوال ہیں، راجح قول یہ ہے کہ ہر بسم اللہ مابعد سورت کا جزء ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کے اس مسئلہ میں تین قول ہیں، تینوں مذاہب کے موافق۔ غرض یہ مسئلہ منصوص نہیں اجتہادی ہے اور اس پر اجماع ہے کہ ان اختلاف کرنے والوں میں سے کسی کو نہ تو ایمان سے خارج کیا جائے گا نہ گمراہ قرار دیا جائے گا۔

سورۃ الفاتحہ

یہ قرآن کریم کی پہلی اور نہایت اہم سورت ہے، اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کے متعدد نام ہیں، جو چیز مختلف کمالات کا مجموعہ ہوتی ہے اور زبان میں کوئی ایک لفظ ایسا نہیں ہوتا جو سب کمالات پر دلالت کرے تو متعدد ناموں سے ان خوبیوں کو واضح کرتے ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بے شمار اسمائے حسنیٰ ہیں، کیونکہ ان میں کمالات بے حساب ہیں، اور اسی وجہ سے نبی ﷺ کے بہت سے صفاتی نام ہیں، اور اسی وجہ سے ایک شخص کو مولوی، مولانا، حافظ، قاری، مفتی، قاضی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے درج ذیل نام ہیں:

۱- سورت الصلاة: نماز کی سورت: یہ سورت نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، اس کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی، اس لئے ایک حدیث قدسی میں اس کو الصلاة فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے نماز کو یعنی سورۃ الفاتحہ کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا بانٹا ہے، ساڑھی تین آیتوں میں اللہ کی صفات کا بیان ہے، اور ساڑھی تین آیتوں میں بندے کی دعا ہے، یہ حدیث مسلم شریف میں ہے (مشکات ج: ۸۳۳)

۲- سورت الحمد: وہ سورت جس کا پہلا کلمہ ﴿الْحَمْدُ﴾ ہے، اور جس میں اللہ کی بھرپور تعریف ہے، تو حیدر الوہیت اور تو حیدر بوہیت کا بیان ہے، یعنی معبود وہی اکیلے ہیں اور وہی کائنات کے پالنہار ہیں۔

۳- فاتحۃ الكتاب: یعنی قرآن کریم کا دیباچہ، پیش لفظ، فتح کے معنی ہیں: کھولنا، اور فاتحہ کے معنی ہیں: ہر چیز کا آغاز، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کریم کی پہلی سورت کا نام فاتحۃ الكتاب دو وجہ سے ہے: ایک: یہ سورت قرآن میں سب سے پہلے لکھی گئی ہے۔ دوم: نماز میں قراءت اسی سورت سے شروع کی جاتی ہے (امام بخاری کی بات پوئی ہوئی) اسی لئے اس کو کسی پارے میں شامل نہیں کیا، پہلا پارہ آلم یعنی سورۃ بقرہ سے شروع ہوتا ہے، اگر فاتحہ کو پہلے پارے میں شامل کرتے تو وہ اسی کا پیش لفظ ہو کر رہ جاتا، حالانکہ وہ پورے قرآن کا مقدمہ ہے۔

۴- ام الكتاب: قرآن کی ماں، یعنی اصل، ماں سے اولاد متفرع ہوتی ہے، اس سورت میں پورے قرآن کے مضامین کا خلاصہ آگیا ہے، اور اس سورت کے مضامین پورے قرآن میں پھیلانے گئے ہیں، آگے جب اس سورت کے مضامین کا خلاصہ بیان کروں گا تو یہ بات سمجھ میں آئے گی، اور اسی نام کے ہم معنی اس سورت کا نام ام القرآن بھی ہے۔

۵- الشفاء، الرقیۃ (منتر) الکافی اور الوافی بھی اس سورت کے نام ہیں، حدیث میں ہے کہ سورۃ الفاتحہ ہر بیماری کی شفاء ہے، اس سورت کے ذریعہ عام بیماریوں کو اور خطرناک بیماریوں زہر وغیرہ کو جھاڑا جاسکتا ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس سورت کے ذریعہ ایک سانپ کاٹے کو جھاڑا تھا اور وہ شفا یاب ہو گیا تھا، میں بھی ہر بیماری کو اس سورت سے جھاڑتا ہوں، اور باذن اللہ شفاء ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں: اس کے نام المثنائی (بار بار پڑھنے کی سورت)، القرآن العظیم اور الاساس (بنیاد) بھی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کے فضائل

سورۃ الفاتحہ کے ناموں کی کثرت اس کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، علاوہ ازیں: احادیث میں اس کے اور بھی فضائل آئے ہیں:

- ۱- نبی ﷺ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا: ”سورت الفاتحہ جیسی سورت: تورات، زبور، انجیل اور قرآن میں نازل نہیں کی گئی، یہی وہ بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں اور قرآن عظیم ہے، جو میں دیا گیا ہوں“ (رواہ الترمذی حدیث ۲۸۸۴)
- ۲- ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، اچانک آسمان سے ایک آواز آئی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اوپر نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ آج آسمان کا ایک ایسا دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا، اس دروازہ سے ایک فرشتہ اتر، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کو مبارک باد دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں، آپ کو

دو ایسے نور دیئے گئے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے، ایک سورۃ فاتحہ، دوسرے سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں، آپ ان کو پڑھیں گے تو ان میں جو دعائیں ہیں وہ قبول ہوگی (رواہ مسلم مشکات ۲۱۲۳)

۳- آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سورۃ فاتحہ موت کے علاوہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سورۃ فاتحہ دو تہائی قرآن کے برابر ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ بیماری کے لئے اس سورت کو پڑھ کر دم کرنا چاہئے۔
(ہدایت القرآن کا شفی)

۴- حدیث قدسی میں ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”میں نے سورۃ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کیا ہے، آدھی سورت کا تعلق مجھ سے ہے اور آدھی کا تعلق بندے سے، اس میں بندے کی دعا ہے، اور بندہ جو چیز مانگتا ہے میں اس کو وہ چیز دیتا ہوں“ (رواہ مسلم، مشکات ۸۲۳)

تشریح: الحمد للہ بہترین دعا اس لئے ہے کہ دعا کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ جن سے دل و دماغ عظمتِ خداوندی سے لبریز ہو جائیں اور دل میں نیاز مندی کی کیفیت پیدا ہو۔ دوم: وہ جن کے ذریعہ دنیا و آخرت کی خیر طلب کی جائے اور شر سے حفاظت کی درخواست کی جائے، اور ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ جب بندہ کہتا ہے کہ ستائشوں کے سزاوار اللہ تعالیٰ ہیں تو اس کا دل نیاز مندی اور عاجزی سے بھر جاتا ہے۔ اور الحمد للہ کلمہ شکر بھی ہے۔ اور شکر سے نعمت بڑھتی ہے۔ پس حمد کرنے والا دارین کی سعادتوں سے مالا مال کر دیا جاتا ہے، اور شر و وقتن سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں توحید، آخرت اور رسالت کا اثبات ہے اور سارے دین کی طرف اشارہ ہے پہلے دو باتیں سمجھ لیں:

۱- اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت، اور ان میں ترتیب بھی یہی ہے، مگر کبھی قرآن کریم بیان عقائد میں کسی خاص وجہ سے ترتیب بدلتا ہے، اس سورت میں پہلے توحید کا، پھر آخرت کا، پھر رسالت کا بیان ہے، اور ایسا خاص وجہ سے کیا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۲- قرآن کریم عام طور پر بات قریب سے بیان کرتا ہے، مگر کبھی دور سے لیتا ہے، توحید اور آخرت کو تو راست بیان کیا ہے، مگر رسالت کے مسئلہ کو مومنین کی ہدایت کی دعا کی صورت میں ذکر کیا ہے۔ آدھی سورت میں مومنین کو ایک دعا کی تعلیم دی ہے کہ وہ اللہ سے ہدایت طلب کریں، اور ہدایت (دینی راہ نمائی) اللہ تعالیٰ رسولوں کے ذریعہ کرتے ہیں، اس طرح رسالت کا مسئلہ زیر بحث آ گیا، پھر ہدایت عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے، اور اس کے لئے تذکیر و موعظت ضروری ہے، انبیاء کے

اور ان کی قوموں کے واقعات اسی مقصد سے ذکر کئے ہیں، نیز پند و نصائح بھی ضروری ہیں، اس طرح رسالت، دلیل رسالت (قرآن کریم) اور اس کے تمام مشمولات کی طرف اشارہ ہو گیا، اور سورۃ الفاتحہ: ام الكتاب اور ام القرآن بن گئی۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ میں تو حیدر الوہیت کا بیان ہے، الف لام استغراقی ہیں یعنی ہر حمد اللہ کے لئے ہے! اور حمد کے معنی ہیں: کسی کے ذاتی (خانہ زاد) کمالات (خوبیوں) کو تعظیم کے طور پر قول سے یا فعل سے سراہنا، اور ہر کمال کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، دوسروں کو جو بھی کمال حاصل ہوا ہے وہ اللہ کی دین ہے، پس کسی کی کوئی تعریف نہیں، تعریف صاحب کمال کی ہوتی ہے، اور تمام کمالات کا مرجع اللہ کی ذات ہے، اور کمالات میں سب سے بڑا کمال معبود ہونا ہے، یہ کمال بھی دیگر کمالات کی طرح اللہ کے ساتھ خاص ہے، قابل پرستش وہی ہیں، یہی تو حیدر الوہیت ہے۔

اور ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ میں تو حیدر بوہیت کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ ہی سارے جہانوں کے پالنے والے ہیں، رب کے معنی ہیں: کسی چیز کو وجود بخشنا، نیست سے ہست کرنا، پھر اس چیز کی بقاء کا سامان کرنا، تاکہ وہ وجود میں آ کر ختم نہ ہو جائے، پھر اس کو آہستہ آہستہ بڑھا کر منجائے کمال تک پہنچانا، یہ تین کام اللہ کے سوا کون کر سکتا ہے؟ پس کائنات کے پروردگار بھی وہی ہیں، اور یہی تو حیدر بوہیت ہے۔

اور دونوں تو حیدروں میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتیں، چولی: کرتے کا بالائی حصہ اور دامن: زیریں حصہ، دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، ایک کے بغیر دوسرا نہیں ہوتا، پس جو معبود ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے بندوں کو پالے، اور جو پالنے والا ہے وہی قابل پرستش ہے، دوسرا کوئی معبود نہیں ہو سکتا، کیونکہ پالنے کوئی اور سرِ نیازم کرے دوسرے کی چوکھٹ پر: اس سے زیادہ نامعقول بات کیا ہو سکتی ہے؟

پھر جاننا چاہئے کہ رحمان: رحیم سے عام ہے، کیونکہ رحمان میں پانچ حروف ہیں، اور رحیم میں چار، اور کثرتِ مبنی کثرتِ معانی پر دلالت کرتی ہے، پس ﴿التَّوَّابِينَ﴾ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: دنیا میں کافر بھی ہیں، اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو کیوں پالتے ہیں؟

جواب: وہ رحمان ہیں، بے حد مہربان ہیں، اس دنیا میں ان کی رحمت ہر کسی کے لئے عام ہے، اس لئے کفار کو بھی

روزی دیتے ہیں۔

پھر ﴿الزَّحِيمِ﴾ بطور استثناء آیا ہے، رحیم: خاص ہے، آخرت میں اللہ کی مہربانی صرف مؤمنین کے لئے ہوگی،

رحمت کا عموم اس جہاں کی حد تک ہے۔

پھر ﴿مَلِكٍ يَوْمَ الدِّينِ﴾ خصوصیت کی دلیل کے طور پر آیا ہے، آخرت میں رحمت مؤمنین کے ساتھ خاص اس

لئے ہوگی کہ اس دن تنہا اللہ ہی مالک ہوئے، کسی کی مجازی ملکیت بھی نہیں ہوگی، اس دنیا میں مجازی ملکیتیں ہیں، پس جب

کافر کے گھر میں گیہوں بھرا ہوا ہے، اور وہ اس کا مجازی مالک بھی ہے، پھر بھی وہ بھوکا مر جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے اس دنیا میں اللہ سب کو رزق پہنچاتے ہیں، اور آخرت میں کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ہی اس دن مالک ہونگے، پس وہ وفاداروں کو نوازیں گے، اور غداروں کو محروم کریں گے، اس طرح آخرت کا مسئلہ رسالت کے مسئلہ سے پہلے زیر بحث آ گیا۔

نیز آخرت کے مسئلہ کی تقدیم کی اور رسالت کے مسئلہ کی تاخیر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہدایتِ طلبی کا جواب سورۃ البقرۃ کے شروع میں ہے، اس لئے اس سے اتصال کے لئے بھی رسالت کے مسئلہ کو مؤخر کیا ہے۔

اس کے بعد آیت کریمہ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ گریز کی آیت ہے، گریز: شاعری کی اصطلاح ہے، قصیدہ میں تمہید اور مقصد کے درمیان جو شعر آتا ہے وہ گریز کا شعر کہلاتا ہے، اس کا من وجہ تمہید سے تعلق ہوتا ہے، اور من وجہ مقصد سے، پس ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کا تعلق ماضی سے ہے، جب معبود اللہ ہی ہیں تو بندگی بھی انہی کے لئے ہے، اور ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ گویا سوال ہے، اور آگے ہدایت کا سوال آرہا ہے، پس یہ آگے کی تمہید ہے۔

پھر ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ میں بندوں کو ہدایتِ طلبی کی دعا سکھلائی ہے، یہ بندوں کی سب سے بڑی حاجت ہے، اللہ تک اور جنت تک پہنچنے کی راہ معلوم ہو جائے تو زہے نصیب! اور چونکہ ہر شخص پڑھا لکھا نہیں ہوتا، اس لئے جو راہ قرآن بتائے گا اس کو ہر شخص نہیں جان سکتا، اس لئے مثبت و منفی پہلوؤں سے محسوس مثالوں سے صراطِ مستقیم کو مشخص کیا ہے، جن بندوں پر اللہ نے فضل فرمایا ہے: ان کا راستہ سیدھا راستہ ہے، وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، نبوت کا دور تو ختم ہو گیا باقی تین ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں، اور قرآن و حدیث میں انبیاء کی سیرت موجود ہے، ان کے حالات پڑھے اور موجودین کی راہ پر گامزن ہو تو وصلِ حبیب نصیب ہوگا اور منزلِ مقصود تک پہنچے گا۔

اور منفی پہلو سے مغضوب علیہم اور ضالین کی راہ سے بچے، جو صراطِ مستقیم سے ذرا ہٹا ہے وہ گمراہ ہے، اور جو ﴿فِي شِقَاقِ بَعِيدٍ﴾ ہے یعنی گمراہی میں دور تک نکل گیا ہے وہ مغضوب علیہ ہے، اس کے سایے سے بھی بچے، نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں میں ان کی مثالیں نہیں تھیں، اس لئے مغضوب علیہم کا مصداق یہود کو اور ضالین کا مصداق نصاریٰ کو بتایا، مگر اب گھر میں مثالیں موجود ہیں، جو فرقے اہل السنہ والجماعہ کے طریقہ سے تھوڑے بٹے ہوئے ہیں وہ گمراہ ہیں، اور جو اتنا ہٹ گئے ہیں کہ دائرۃ اسلام سے بھی نکل گئے ہیں وہ مغضوب علیہم ہیں۔

یہ سورۃ الفاتحہ کا خلاصہ ہے، پھر اگلی سورت قرآن کریم کے تذکرہ سے شروع ہوگی، قرآن ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے، اور فاتحہ میں ہدایت کی دعا مؤمنین نے کی ہے، اس لئے ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ میں پرہیزگاروں کی تخصیص کی ہے، ورنہ قرآن ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ہے۔

تشبیہ: ہدایت (دینی راہ نمائی) کے لئے عقائد کا بیان بھی ضروری ہے اور احکام کا بھی، ترغیب و ترہیب بھی ضروری ہے اور پند و مواعظت بھی، اس طرح ہدایت طلبی کی دعا میں قرآن کریم کے سارے مضامین کی طرف اشارہ آ گیا۔



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مَلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِنَّا کَ تَعْبُدُوْنَ
وَ اِنَّا کَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ ۝ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّالِّیْنَ ۝

راہ	صِرَاطٌ ^(۶)	مالک	مَلِکِ	نام سے	بِسْمِ
(ان کی) جو	الَّذِیْنَ	روز	یَوْمِ	اللہ کے	اللّٰهُ
فضل فرمایا آپ نے	اَنْعَمْتَ	جزاء کے	الَّذِیْنَ	نہایت مہربان	الرَّحْمٰنِ
ان پر	عَلَيْهِمْ	آپ ہی کی	اِنَّا کَ ^(۵)	بڑے رحم والے	الرَّحِیْمِ
نہ	غَیْرِ ^(۷)	بندگی کرتے ہیں ہم	تَعْبُدُوْنَ	ہر تعریف	اَلْحَمْدُ ^(۲)
غضبناک ہو گیا	الْمَغْضُوْبِ	اور آپ ہی سے	وَ اِنَّا کَ	اللہ کے لئے ہے	لِلّٰهِ
ان پر	عَلَيْهِمْ	مدد چاہتے ہیں ہم	نَسْتَعِیْنُ	(جو) پالنے والے ہیں	رَبِّ ^(۳)
اور نہ	وَ کَ ^(۸)	دکھلائیں ہمیں	اِهْدِنَا	جہانوں کے	الْعٰلَمِیْنَ
گم راہوں کی راہ	الضَّالِّیْنَ	راہ	الصِّرَاطِ	نہایت مہربان	الرَّحْمٰنِ ^(۴)
(الہی! قبول فرما!)	(اٰمِیْنِ)	سیدھی	الْمُسْتَقِیْمِ	بڑے رحم والے	الرَّحِیْمِ

(۱) باء حرف جر کا حعلق اَقْرَأُ یا اَتْلُو محذوف ہے (۲) الحمد میں الف لام استغراقی ہے اس کا ترجمہ ہے: ہر (۳) رب: اللہ کی صفت ہے (۴) الرحمن الرحیم بھی اللہ کی صفتیں ہیں (۵) ایاک: مفعول بہ مقدم حصر کے لئے ہے (۶) صراط: الصراط سے بدل ہے، یا پہلی صفت ہے (۷) غیر: اللہ مع صلہ (مضاف مضاف الیہ) سے بدل ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے یا الصراط کی دوسری صفت ہے (۸) لا بمعنی غیر ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں پورے قرآن کا خلاصہ آ گیا ہے

۱- سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کے پالنہار ہیں — الحمد: اسم جنس ہے، قلیل و کثیر پر صادق آتا ہے، اور اس پر الف لام استغراقی ہیں، اور حمد کے معنی ہیں: کسی کی ذاتی خوبیوں کو سراہنا، یہ مدح سے خاص ہے، مدح میں کمالات کا ذاتی ہونا ضروری نہیں، دوسرے کی دین پر بھی تعریف ہو سکتی ہے، جیسے تاج محل کی خوبی: کاریگر کی مہارت کی دین ہے، اور کاریگر کا کمال: اللہ کی دین ہے، پس تاج محل یا اس کے کاریگر کی تعریف مدح ہے، اور اس کی خوبی پر اللہ کی تعریف حمد ہے۔ پس حمد حقیقۃً اللہ کے علاوہ کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ارباب کمال کو ہر کمال اللہ نے دیا ہے، پس ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ میں توحید الوہیت کا اثبات ہے، کیونکہ معبود ہونا سب سے بڑا کمال ہے، جو اللہ کے لئے خاص ہے، اگر معبودیت اللہ کے لئے خاص نہیں ہوگی تو ہر تعریف اللہ ہی کے لئے کہاں ہوگی؟

اور ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ میں توحید ربوبیت کا اثبات ہے، تمام جہانوں کے پالنہار اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اور مجموعہ مخلوقات کو عالم کہتے ہیں، اس لئے اس کی جمع نہیں لاتے، مگر آیت میں جمع اس لئے لائے ہیں کہ ہر جنس ایک عالم ہے، انسانوں کا عالم، فرشتوں کا عالم اور جنات کا عالم الگ الگ ہیں، و قس علیٰ ہذا اور سب عالموں کے پالنہار اللہ تعالیٰ ہی ہیں، یہی توحید ربوبیت ہے۔

اور یہ دونوں توحیدیں ساتھ ساتھ ہیں، جو معبود ہوتا ہے وہی اپنے بندوں کو پالتا ہے، اور جو روزی رساں ہے وہی معبود ہوتا ہے، دوسرا کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔

۲- جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں — رحمان اور رحیم: دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، اور رحمان: رحیم سے عام ہے، کیونکہ اس میں حروفِ ہجا کی زیادتی ہے، اس لئے اس میں معنی بھی زائد ہیں، اللہ تعالیٰ اس عالم میں سب کو روزی پہنچاتے ہیں، وفاداروں کو بھی اور باغیوں کو بھی، پھر رحیم کے ذریعہ تخصیص کی ہے کہ رحمت کا یہ عموم اس دنیا کی حد تک ہے، آخرت میں ان کی رحمت مؤمنین کے لئے خاص ہوگی، وہی مہربانی کے مورد ہونگے، پس رحیم: رحمان سے بمنزلہ استثناء ہے، اور اس کی دلیل اگلی آیت ہے۔

۳- وہ روزِ جزاء کے مالک ہیں — یعنی قیامت کے دن وہی تنہا ہر چیز کے مالک ہونگے، کسی اور کی مجازی ملکیت بھی نہیں ہوگی، قیامت کے دن سوال ہوگا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾! آج کس کی حکومت ہے؟ کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا، خود ہی جواب دیں گے: ﴿لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾: آج ایک غالب اللہ کی حکومت ہے (سورۃ مؤمن ۱۶) اور یہ آیت قیامت کے دن رحمتِ خاصہ کی دلیل کے طور پر آئی ہے، اور اس میں آخرت کا اثبات ہے۔

۴- ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں، اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں — پہلے جملہ میں اللہ کی تعریف ہے، اور دوسرا جملہ سوال کی تمہید ہے، پس یہ آیت نصفانصف ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے اللہ کے علاوہ کی عبادت جائز نہیں اس کے سوا کسی سے مدد مانگنا بھی جائز نہیں، البتہ یہ بات امور غیر عادیہ کی حد تک ہے، امور غیر عادیہ: وہ کام ہیں جو اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، جیسے ہدایت (دینی راہ نمائی کرنا) اولاد دینا، شفاء بخشنا وغیرہ، اور روزمرہ کے کام جو اور بھی کر سکتے ہیں، جیسے کسی کے لئے کوئی چیز خرید لانا، یا بوجہ اٹھوادینا: ان میں مدد طلب کر سکتے ہیں اور مدد کرنا مطلوب بھی ہے متفق علیہ حدیث ہے: من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته: جو اپنے مسلمان بھائی کا کام کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کا کام بناتے ہیں۔

تنبیہ: اور فواند شیخ الہند میں جو ہے کہ ”ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے“ — یہ تو تسل کا مسئلہ ہے، اس کو استعانت مجازاً کہا ہے، یہ بات نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کو اعتراض کا موقع مل گیا۔

توسل کی تین صورتیں ہیں: (۱) اپنے اعمال صالحہ کا توسل کرنا: یہ بالاجماع جائز ہے (۲) کسی زندہ نیک آدمی کا توسل کرنا: یہ بھی بالاتفاق جائز ہے (۳) وفات پائے ہوئے کسی نیک آدمی کا توسل کرنا: یہ مختلف فیہ ہے، غیر مقلدین اس کو ناجائز کہتے ہیں، اور اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک یہ بھی جائز ہے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے یہی مسئلہ بیان کیا ہے، مگر مجازاً لفظ استعانت استعمال کیا اس لئے لوگوں کو اعتراض کا موقع مل گیا، وہ تو اسی تاک میں رہتے ہیں!

۵-۷- (الہی!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا — جو آپ تک اور جنت تک پہنچتا ہے — ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے فضل فرمایا — یہ مثبت پہلو سے صراطِ مستقیم کو محسوس مثال سے مشخص کیا ہے — ان لوگوں کا راستہ نہیں جو آپ کے غصہ کا مورد بنے، اور نہ ان کا جو راہ سے بھٹکے — یہ منفی پہلو سے محسوس مثال کے ذریعہ صراطِ مستقیم کو مشخص کیا (الہی ہماری دعا قبول فرما!) یہ آمین کا مطلب ہے، سورۃ الفاتحہ کے ختم پر آمین کہنا سنت ہے، نماز میں بھی اور خارج نماز میں بھی، لوگ خارج نماز میں غفلت برتتے ہیں۔

نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

تین اماموں کے نزدیک: نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہ فاتحہ کے نماز سے تعلق کا مسئلہ ہے، مقتدی کے فاتحہ کا مسئلہ نہیں، وہ مسئلہ الگ ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فاتحہ واجب ہے، اگر بھول سے رہ جائے اور سورت پڑھ لے تو سجدہ سہو کرے نماز ہو جائے گی، اور بالقصد چھوڑ دے تو وقت میں نماز کا اعادہ

واجب ہے، سجدہ سہو سے کام نہیں چلے گا۔

جاننا چاہئے کہ اس اختلاف کا مفاد کچھ نہیں، کیونکہ سبھی مسلمان ہر رکعت میں فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر خواہ اس کو فرض کہیں یا واجب: کیا فرق پڑتا ہے؟ ہاں بھول کی صورت میں اختلاف کا اثر ظاہر ہوگا، مگر وہ نادر صورت ہے۔

نیز جاننا چاہئے کہ نماز میں فاتحہ پڑھنے کا حکم قرآن میں نہیں ہے، قرآن میں مطلق قراءت کا حکم ہے، پس وہ رکن ہے، اور فاتحہ کا حکم اعلیٰ درجہ کی خبر واحد میں ہے: لا صلاة الا بفاتحة الكتاب: سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی خبر واحد سے فرضیت ثابت ہو سکتی ہے، اس لئے انھوں نے فاتحہ کو فرض قرار دیا، اور احناف کے نزدیک فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی، اس کے لئے قطعی دلیل ضروری ہے، اس لئے احناف نے اسی حدیث سے وجوب ثابت کیا ہے۔

اور مقتدی کے لئے فاتحہ کی فرضیت کے صرف شواہق قائل ہیں، دوسرے تین ائمہ مقتدی پر فاتحہ کو فرض نہیں کہتے، بلکہ احناف کے نزدیک تو مکروہ ہے، اور اس مسئلہ میں ترمذی میں صرف ایک حدیث ہے، جو صرف حسن ہے اور فرضیت کے باب میں صریح بھی نہیں، اور دیگر بہت سی صحیح حدیثوں میں مقتدی کو قراءت سے منع کیا ہے، اور فاتحہ پڑھنا بھی قراءت ہے، اس لئے مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں۔

جہری نمازوں میں جب امام سورۃ الفاتحہ ختم کرتا ہے تو امام بھی اور مقتدی بھی سرّاً / جہراً آمین کہتے ہیں، یہ مسئلہ دلیل ہے کہ مقتدی پر فاتحہ نہیں، جب اس نے امام کی درخواست پر دستخط کر دیئے تو اب الگ سے درخواست دینے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تحصیل حاصل ہے!



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ البقرۃ

نمبر شمار ۲ نزول کا نمبر ۸۷ نزول کی نوعیت مدنی رکوع ۴۰ آیات ۲۸۶

رابط: سورۃ فاتحہ کا آخری مضمون صراطِ مستقیم کی راہ نمائی کی درخواست تھی، یہ سورت اس کے جواب سے شروع ہو رہی ہے، درحقیقت پورا قرآن صراطِ مستقیم کی نشاندہی کرتا ہے، جو شخص سیدھے راستہ پر چلنا چاہے وہ قرآن کریم کی پیروی کرے، ان شاء اللہ منزل مقصود تک پہنچے گا۔

جاننا چاہئے کہ ہدایت (راہ نمائی) پورے قرآن ہی کا وصف نہیں، اس کے اجزاء کا بھی وصف ہے، یعنی قرآن کا بعض حصہ بھی ہدایت ہے، کہیں سے کوئی مکمل مضمون پڑھا جائے تو وہ بھی ہدایت ہے، اس لئے نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد پورے قرآن میں سے بڑی ایک آیت یا چھوٹی تین آیتیں پڑھنا یعنی سورت ملانا واجب ہے، تاکہ سورۃ فاتحہ کی درخواست کا جواب ہو جائے، چھوٹی تین آیتوں میں مضمون مکمل ہو جاتا ہے۔

زمانہ نزول: سورۃ بقرۃ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت ہے، اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا ہے، اس کا نزول کا نمبر ۸۷ ہے، مکی سورتیں ۸۵ ہیں، یہ پوری سورت ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی، مختلف آیتیں مختلف زمانوں میں نازل ہوئی ہیں، یہاں تک کہ حرمتِ سو کی آیات فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہیں، اور آیت کریمہ ﴿وَ اتَّقُوا یَوْمًا﴾ تو قرآن کی بالکل آخری آیت ہے، اس کے تین ماہ کے بعد نبی ﷺ کی وفات ہو گئی ہے، اور ہمیشہ کے لئے وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔

سورت کے فضائل:

۱- ترمذی شریف میں حدیث (نمبر ۲۸۸۵) ہے: ”جس گھر میں سورۃ البقرۃ پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا“

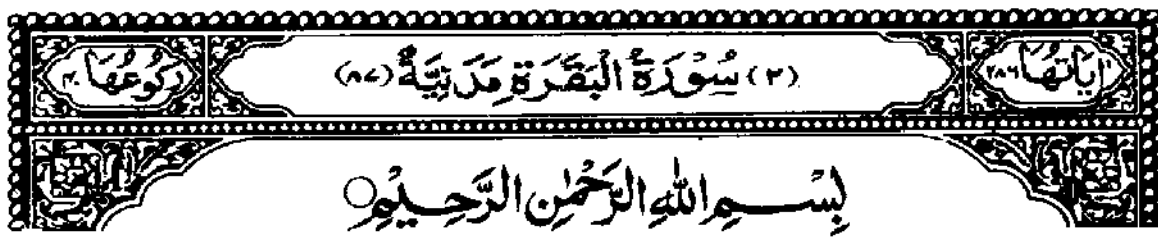
۲- ترمذی شریف میں حدیث (۲۸۸۶) ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ”ہر چیز کے لئے کوہان ہے یعنی اس کا ایک اعلیٰ

اور افضل حصہ ہے، اور قرآن کی کوہان سورۃ البقرۃ ہے، اور اس میں ایک آیت ہے (آیت الکرسی) جو قرآن کی آیتوں کی

سر دار ہے“

۳۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: ”زہراؤین (دو خوبصورت سورتوں) کو پڑھو یعنی بقرہ اور آل عمران کو، وہ دونوں قیامت کے دن آئیں گی گویا وہ دونوں دو بادل ہیں یا پرندوں کی دو ڈاریں ہیں، وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی“ (مشکات ح ۲۱۲۰) (تحفۃ الامعی ۷: ۴۳ میں ہے)

سورت کے مضامین: یہ سورت گونا گوں مضامین پر مشتمل ہے، تمام مضامین کی تفصیل سورت پڑھے بغیر بے فائدہ ہوگی، البتہ خلاصہ سمجھا جاسکتا ہے اور وہ خلاصہ فہرست مضامین سے معلوم ہو جائے گا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الَّذِیۡ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ
وَّیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنزِلَ
اِلَیْكَ وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ
۝ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ایمان لائے ہیں	یُؤْمِنُوْنَ	اس میں	فِیْهِ	الف، لام، میم	الَّذِیۡ
بن دیکھی چیزوں پر	بِالْغَیْبِ ^(۳)	راہ نما ہے	هُدًى ^(۲)	یہ (عظیم)	ذٰلِكَ ^(۱)
اور قائم کرتے ہیں وہ	وَّیُقِیْمُوْنَ	پرہیزگاروں کے لئے	لِّلْمُتَّقِیْنَ	کتاب	الْكِتٰبُ
نماز کو	الصَّلٰوةَ	جو	الَّذِیْنَ ^(۳)	کچھ شک نہیں	لَا رَیْبَ

(۱) ذلک: بمعنی ہذا ہے، تعظیم کے لئے اسم اشارہ بعید استعمال کرتے ہیں، جیسے مفرد کے لئے بطور تعظیم جمع کی ضمیر استعمال کرتے ہیں: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا﴾ ترکیب: ذلک الكتاب: مبتدا، لا ریب فیہ: پہلی خبر، ہدی للمتقین: دوسری خبر.....

لا ریب فیہ: لانی جنس کا، ریب: اسم، فیہ: خبر، جیسے لا رجل فی الدار (۲) ہدی: مصدر، اصل میں ہدی تھا، یاء پر ضمہ تھا پھر تنوین یعنی نون ساکن تھا، اس طرح: ہدین پھر یاء پر ضمہ ثقیل تھا، حذف کیا تو دوساکن (ی اور تنوین) اکٹھا ہوئے۔ یاء گر گئی اور نون ساکن کو دال کے زبر کے ساتھ جوڑ دیا، پس ہڈ ہو گیا، مگر رسم الخط میں ی بھی لکھتے ہیں، مگر پڑھتے نہیں، یا یہ کہیں کہ یاء متحرک ماقبل مفتوح، یاء کو الف سے بدلا تو دوساکن اکٹھا ہوئے، پس الف گر گیا، اور تنوین کو دال کے زبر کے ساتھ جوڑ دیا۔ (۳) الذین: صلہ کے ساتھ: المتقین کی صفت ہے (۴) غیب: پس پردہ جو حقیقتیں ہیں۔

یقین رکھتے ہیں	يُوقِنُونَ	اتاری گئی ہے	انزِلَ	اور کچھ اس میں سے جو	وَصَيًّا ^(۱)
یہی لوگ	أُولَٰئِكَ	آپ کی طرف	إِلَيْكَ	بطور روزی ہم نے ان	سَارَقْنَهُمْ
ہدایت پر ہیں	عَلَىٰ هُدًى	اور ان (کتابوں) پر جو	وَمَا	کو دیا ہے	
ان کے پروردگار کی جانب سے	مِّن رَّبِّهِمْ	اتاری گئی ہیں	انزِلَ	خرچ کرتے ہیں	يُنْفِقُونَ
اور یہی لوگ	وَأُولَٰئِكَ	آپ سے پہلے	مِن قَبْلِكَ	اور جو	وَالَّذِينَ ^(۲)
وہ	هُمْ	اور آخرت پر (بھی)	وَبِالْآخِرَةِ	ایمان رکھتے ہیں	يُؤْمِنُونَ
کامیاب ہیں	الْمُفْلِحُونَ	وہ	هُمْ	اس (کتاب) پر جو	بَيِّنًا

اللہ کے نام پاک سے شروع کرتا ہوں، جو بے حد مہربان نہایت رحم والے ہیں

ہدایت (دینی راہ نمائی) قرآن کریم میں ہے

سورۃ فاتحہ میں اللہ کے نیک بندوں نے دعا کی تھی: ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (الہی!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا، اس کے جواب سے یہ سورت شروع ہو رہی ہے کہ ہدایت قرآن کریم میں ہے، یہ کتاب اسی غرض سے اتاری گئی ہے، یہ کتاب منزل من اللہ ہے، اس میں ذرا شک نہیں، کسی جگہ کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے، یہ کتاب نیک بندوں (متقیوں) کی راہ نمائی کرتی ہے کہ ان کو کس راہ پر چلنا چاہئے کہ وہ کامیابی سے ہم کنار ہوں۔

سوال (۱): قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک کرنے والے تو ہمیشہ رہے ہیں، پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ اس میں ذرا شک نہیں؟

جواب: شک کی دو صورتیں ہیں: ایک: کلام میں خلل ہو، دوم: دماغ میں فتور ہو، یہاں اول کی نفی ہے، اور ثانی کا علاج آیات (۲۳ و ۲۴) میں آرہا ہے۔

سوال (۲): قرآن کریم تو سب لوگوں کے لئے راہ نما کتاب ہے، آگے (آیت ۱۸۵) میں ہے: ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ پھر متقین کی تخصیص کیوں کی؟

(۱) میں من: جمع غیضیہ ہے، اور مما: ینفقون سے متعلق ہے (۲) الذین یہ المتقین کی دوسری صفت ہے اور واو مطلق جمع کے لئے ہے، اور واو عاطفہ بھی ہو سکتا ہے، اور دوسرے الذین کا پہلے الذین پر عطف ہو تو من وجہ مغاڑت ہوگی، پس پہلے الذین سے مراد مشرکین ہونگے جنہوں نے ایمان قبول کیا اور دوسرے الذین سے اہل کتاب مراد ہونگے، جنہوں نے ایمان قبول کیا، یہ تفسیر حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (روح)

جواب: اگر متقین کے معنی ہیں: اللہ سے ڈرنے والے تو متقین عام ہے، جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے قرآن اس کو راستہ دکھاتا ہے، چاہے وہ ایمان لایا ہو یا نہ لایا ہو، اسی کو طاعت کا فکر اور معصیت کا ڈر ہوگا۔ اور وہی قرآن کی باتوں پر کان دھرے گا اور ایمان لائے گا، ہاں نڈر لوگ نکل جائیں گے، نکل جانے دو ان کو! ان سے کسی چیز کی امید ہی نہیں!

اور اگر متقین سے نیک مؤمنین مراد ہیں تو پھر اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کی کتابوں کی راہ نمائی سے کوئی مستغنی نہیں، انبیاء اور اولیاء بھی اللہ کی راہ نمائی کے محتاج ہیں، کیونکہ دنیا بھول بھلیاں ہے، بڑے شہر کے رہنے والے کو بھی شہر میں گھومنے کے لئے گائڈ بک کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح متقی بھی قرآن کی راہ نمائی کے محتاج ہیں۔

اور آلم کو حروف مقطعات کہتے ہیں، یہ بھید ہیں، بوجہ مصلحت ان کے معانی کھولے نہیں گئے، اور بعض اکابر نے جو ان کے معانی بیان کئے ہیں وہ تاویل ہیں، اور تشابہات کی تاویل جائز ہے، مگر اس کو مراد خداوندی نہیں کہیں گے۔

﴿الْقَلَمِ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۤ فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱﴾

ترجمہ: الف، لام، میم! اس کتاب میں کوئی شک نہیں، اللہ سے ڈرنے والوں کو راہ بتلانے والی ہے!

پرہیزگاروں کے پانچ اوصاف

اللہ سے ڈرنے والوں میں پانچ باتیں ہوتی ہیں:

- ۱- وہ پس پردہ جو حقائق ہیں ان کا مشاہدہ کئے بغیر محض منجر صادق کی اطلاع سے مانتے ہیں۔
 - ۲- وہ نماز قائم کرتے ہیں، یعنی ہمیشہ رعایت حقوق کے ساتھ وقت پر نماز ادا کرتے ہیں۔
 - ۳- وہ اللہ کے بخشے ہوئے مال میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، یعنی زکات نکالتے ہیں اور دوسری خیراتیں کرتے ہیں۔
 - ۴- وہ اللہ کی تمام کتابوں کو بشمول قرآن کریم مانتے ہیں کہ سب اللہ کی کتابیں برحق ہیں، کیونکہ وہ سب ایک چشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، البتہ وہ عمل قرآن پر کرتے ہیں، کیونکہ سابقہ کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔
 - ۵- وہ آخرت کو بھی مانتے ہیں کہ اس دنیا کے بعد دوسری دنیا آئے گی، جس میں جزا و سزا ہوگی۔
- جن لوگوں میں یہ پانچ باتیں پائی جاتی ہیں وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہیں، اور جو نعمت ایمان اور اعمالِ حسنہ سے محروم ہیں ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

غیب کیا ہے؟ غیب: باب ضرب کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: پوشیدہ ہونا، غائب ہونا۔ اور اصطلاحی معنی ہیں: بے دیکھی ہوئی چیزیں، اور مراد وہ امور ہیں جو حواسِ خمسہ ظاہرہ و باطنہ کی دسترس سے باہر ہیں، جن کا علم انبیاء علیہم السلام کے بتلانے سے ہوتا ہے، ان میں اصل اور سب سے اہم اللہ کی ذات و صفات ہیں، پھر باقی امور ہیں، جیسے جنت

ودوزخ اور ان کے احوال، قیامت اور آخرت میں پیش آنے والے واقعات، فرشتے، آسمانی کتابیں اور سابقہ انبیاء علیہم السلام سب امور غیب ہیں۔

آیات کریمہ: (متقی وہ لوگ ہیں:) جو بن دیکھی چیزوں کو مانتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو بطور رزق دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، اور جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہیں، اور آخرت کا بھی ان کو یقین ہے، پس یہی لوگ ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت پر ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہیں!

﴿مِمَّا سَرَقْتَهُمْ﴾ کی قید کا فائدہ

یہ قید قضیۃ قیاساً تھا معہا کے قبیل سے ہے، یعنی ایک بات جس کی دلیل اس کے ساتھ ہے، یعنی انفاق کا حکم اس لئے ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ نے اس کو بطور روزی دیا ہے، حقیقی مالک نہیں بنایا، پس جو اس کی روزی سے بچ رہے اس کو غریبوں پر خرچ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ غریبوں کا رزق مالداروں کے واسطے سے بھی دیتے ہیں، اور سورۃ الحدید (آیت ۷) میں ہے: ﴿وَ أَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلِفِينَ فِيهِ﴾ اور جس مال میں اللہ تعالیٰ نے تم کو قائم مقام بنایا ہے کچھ اس میں سے خرچ کرو، یعنی انسان اپنے مال میں منبج رہے مالک نہیں، پس مالک جو حکم دے اس کی تعمیل کرنی چاہئے۔

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ الآیۃ کی دوسری تفسیر

جمہور مفسرین کے نزدیک دوسرے الذین بھی المتقین کی صفت ہے، پہلے الذین پر معطوف نہیں، اور ایک موصوف کے اوصاف کے درمیان واو آتا ہے، اور وہ مطلق جمع کے لئے ہوتا ہے، پس پانچوں اوصاف متقین (مؤمنین صالحین) کے ہونگے، یہی تفسیر اوپر کی ہے۔

اور اس آیت کی ایک دوسری تفسیر حضرات ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے کہ دونوں الذین کے مصداق الگ الگ ہیں، پہلے الذین میں ان مشرکین کا حال بیان کیا ہے جنہوں نے ایمان قبول کیا، یعنی اہل مکہ، اور دوسرے الذین میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا حال بیان کیا ہے جو مشرف باسلام ہوئے، اس صورت میں دوسرے الذین کا پہلے الذین پر عطف ہوگا، پھر معطوف معطوف علیہ مل کر المتقین کی صفت ہونگے، اور واو کے ذریعہ عطف کی صورت میں من وجہ مغاشرت ہوتی ہے۔

آیت ختم نبوت کی صریح دلیل ہے

اس آیت میں گذشتہ کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے، آئندہ کا ذکر نہیں، پس یہ دلیل ہے کہ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، نہ کوئی نئی کتاب نازل ہوگی، اگر نبوت جاری ہوتی تو آئندہ آنے والے نبی پر اور اس کی کتاب پر ایمان لانے کا تذکرہ ہوتا، جبکہ قرآن میں کسی جگہ اس کی طرف ادنیٰ اشارہ بھی نہیں، پس قادیانی وغیرہ جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ متنبی (جھوٹے نبی) ہیں، اور وہ جو بالآخرۃ کی تاویل بالنبوۃ الآخرۃ سے کرتے ہیں وہ محض سخن سازی ہے!

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ① خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ②

اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ
اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ
اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ
اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ
اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ
اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ
اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ
اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ
اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ
اور ان کے کانوں پر	وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ	اور ان کی آنکھوں پر	وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ	پر وہ ہے	غِشَاوَةٌ	اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	سزا ہے	عَذَابٌ	بھاری	عَظِيمٌ

رابطہ: قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، متقیوں کا حال بیان کیا کہ وہ کامیاب ہیں، اب منکرین کا تذکرہ کرتے ہیں، منکرین کی دو قسمیں ہیں: مجاہد اور منافق، یعنی کھلے کافر اور دل میں کفر چھپائے ہوئے اور زبان سے کلمہ پڑھنے والے، یہ کافر آستین کے سانپ ہیں، ان کو پہچانا ضروری ہے، اس لئے اب دو آیتوں میں کھلے کافروں کا اور تیرہ آیتوں میں اعتقادی منافقوں کا ذکر ہے۔

جب منکرانہ کار کی آخری حد کو چھو لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایمانی صلاحیت ختم کر دیتے ہیں

یہ بات معلوم ہے کہ انسان مکلف ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو غیر معمولی اختیار دیا ہے، جب وہ کسی اچھے یا برے کام کا

(۱) اللہین کفروا: ان کا اسم ہے، اور خبر لایؤمنون ہے، اور جملہ سواء معترضہ ہے (۲) سواء: مبتدا اور ءأنذرتهم أم لم تنذرهم: تاویل مفرد ہو کر خبر ہے ای الإنذار وعدمہ۔

کسب کرتا ہے، یعنی ابتدائی مقدمات اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا کرتے ہیں، خالق ہر چیز کے اللہ تعالیٰ ہیں، ان کے سوا کوئی خالق نہیں، پس جو لوگ اسلام کا انکار کرتے کرتے آخری حد تک پہنچ جاتے ہیں ان کی ایمانی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اب ان کو سمجھانا نہ سمجھانا برابر ہے، وہ ایمان لانے والے نہیں، وہ دولتِ ایمان سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے، جیسے ابو جہل اور ابولہب وغیرہ۔ اب وہ حق بات کو نہیں سمجھیں گے، ان کے دلوں پر ڈاٹ لگ گئی، وہ سچی دعوت کو متوجہ ہو کر نہیں سنیں گے، ان کے کان بوجھل ہو گئے اور وہ راہِ حق کو نہیں دیکھیں گے، ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا، اب وہ کافر ہی مریں گے، اور اپنے کفر کی سزا آخرت میں بھگتیں گے!

فائدہ: یہ بات ہر کافر کے تعلق سے نہیں، منکرین تو ایمان لاتے ہی رہتے ہیں، ان کو سمجھانا مفید بھی ہوتا ہے، یہ بات ان کفار کے تعلق سے ہے جو انکار کی آخری حد کو چھو لیتے ہیں، جہاں سے وہ واپس نہیں لوٹ سکتے، اس کو مہر کرنے اور پردہ پڑنے سے تعبیر کیا ہے۔ انبیاء کو جب اس کی اطلاع کر دی جاتی ہے تو وہ کفار کی ہلاکت کی دعا کرتے ہیں، سورۃ ہود کی (آیت ۳۶) ہے: ﴿وَأَوْحَىٰ إِلَيْ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَآ كَانُوا يَفْعَلُونَ ۗ﴾: اور نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ آپ کی قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو ایمان لا چکے اور کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا، پس وہ (آپ کے ساتھ) جو کچھ کرتے ہیں ان کا غم نہ کھائیے، یہ اطلاع ملی تب آپ نے قوم کی کئی ہلاکت کی دعا کی، ایسی اطلاع کے بغیر نبی دعا کرتا ہے تو اس کو وحی سے روک دیا جاتا ہے، سورۃ آل عمران کی (آیت ۱۲۸) ہے: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۗ﴾: آپ کا کچھ اختیار نہیں یا اللہ ان پر توجہ فرمائیں یا سزا دیں، اس لئے کہ وہ ظالم ہیں، نبی ﷺ نے غزوہ احد میں کفار کے لئے بددعا کی تھی، پس آپ کو روک دیا گیا، کیونکہ وہ کفار اس اسٹیج پر نہیں پہنچے تھے، ان کے ایمان کی امید تھی، چنانچہ وہ بعد میں ایمان لائے اور دوست بن گئے۔

آیات کا ترجمہ: جن لوگوں نے انکار کیا — یکساں ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں — یعنی سمجھائیں یا نہ سمجھائیں — وہ ایمان نہیں لائیں گے، اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کے لئے بڑی بھاری سزا ہے۔

فائدہ: دل میں آنے والا خیال ہر سمت سے آتا ہے، اسی طرح کان میں آواز بھی ہر سمت سے آتی ہے، پس ان کی بندش جمی ہو سکتی ہے کہ ان پر مہر کر دی جائے، ڈاٹ لگادی جائے، اور آنکھ صرف سامنے کی چیز کا ادراک کرتی ہے اس لئے جب اس پر پردہ پڑ جائے تو ادراک ختم ہو جائے گا، مہر لگانے کی ضرورت نہیں (مظہری)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝ يُخَدِّعُونَ
اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخَدِّعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ
اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝

وَمِنَ النَّاسِ	اور بعض لوگ	اللہ	اللہ کو	فَزَادَهُمْ	پس بڑھایا ان کا
مَنْ يَقُولُ	جو کہتے ہیں	وَالَّذِينَ	اور ان کو جو	اللَّهُ	اللہ نے
آمَنَّا	ایمان لائے ہم	آمَنُوا	ایمان لائے	مَرَضًا ^(۱)	رُوح
بِاللَّهِ	اللہ پر	وَمَا يُخَدِّعُونَ	اور نہیں دھوکہ دیتے وہ	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ	اور قیامت کے دن پر	إِلَّا أَنفُسَهُمْ	مگر اپنی ذاتوں کو	عَذَابٌ	سزا ہے
وَمَا هُمْ	اور نہیں ہیں وہ	وَمَا يَشْعُرُونَ	اور نہیں شعور رکھتے وہ	الْأَلِيمُ	دردناک
بِمُؤْمِنِينَ	ایمان لانے والے	فِي قُلُوبِهِمْ	ان کے دلوں میں	بِمَا كَانُوا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
يُخَدِّعُونَ	دھوکہ دیتے ہیں وہ	مَرَضٌ	رُوح ہے	يَكْذِبُونَ	جھوٹ بولتے

منافقین کا تذکرہ

کھلے کافروں کے بعد اب اعتقادی منافقوں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، منافق: باب مفاعله سے اسم فاعل واحد مذکر ہے، نفاق اور منافقت اصطلاح میں دورخی کا نام ہے، بظاہر آدمی زبان سے مؤمن ہونے کا اقرار کرے، دکھانے کے لئے نماز بھی پڑھے، لیکن دل میں کافر ہو، اسلام کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اسی کو منافق کہا جاتا ہے، اور اگر عقیدہ مؤمنانہ ہو اور عمل کافرانہ تو وہ بھی دورخی کی ایک شکل ہے، مگر اس کو منافق نہیں کہا جاتا، بلکہ فاسق اور عاصی کہا جاتا ہے۔

(شرح عقائد نسفی)

کئی دور میں منافقوں کا وجود نہیں تھا، اس لئے کئی سورتوں میں ان کا تذکرہ نہیں، اور مدنی زندگی میں ان کی ایک پوری جماعت بن گئی تھی، انھوں نے بظاہر اسلام قبول کیا تھا، مسلمانوں کے ساتھ شریک کار تھے، مگر حقیقت میں کافر تھے، زبان سے کلمہ پڑھتے تھے، عمل سے دکھاوا بھی کرتے تھے، مگر ان کا دل کافروں کے ساتھ تھا، ایسے لوگ اعتقادی منافق کہلاتے ہیں، مگر ان کا پتہ نہیں چل سکتا، کیونکہ دلوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، پس حالات و علامات سے کسی پر منافق ہونے کا حکم (۱) مرضاً: زاد کا مفعول ثانی ہے، زاد: متعدی بدو مفعول ہے۔

نہیں لگانا چاہئے، دور نبوی میں تو وحی سے ان کا پتہ چلتا تھا، اب ان کو جاننے کی کوئی صورت نہیں، البتہ جن کے حالات و معاملات مشکوک ہوں ان سے ملت کو محتاط رہنا چاہئے۔

منافقین کے معاملات

۱- منافق بے ایمان ہیں: — اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: ”ہم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے!“ — حالانکہ وہ ایمان نہیں لائے! — یعنی دل سے ایمان نہیں لائے جو حقیقت میں ایمان ہے، صرف زبان سے فریب دینے کے لئے اظہارِ ایمان کرتے ہیں (نوائد)

۲- منافق فریب کرتے ہیں: — وہ (اپنے خیال میں) اللہ کے ساتھ اور مومنین کے ساتھ فریب کرتے ہیں — اللہ کا ذکر تو مومنین کی تسکین کے لئے ہے، کیونکہ اللہ کے ساتھ کوئی فریب نہیں کر سکتا، وہ عالم الغیب ہیں، جیسے مصارفِ غنیمتِ فنیٰ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی مصارف کی تسکین کے لئے ہے، حقیقت میں منافقین مومنین کے ساتھ فریب کرتے ہیں — اور وہ اپنے آپ ہی کے ساتھ فریب کر رہے ہیں، لیکن وہ سمجھتے نہیں: — یعنی ان کا فریب انہیں پر الٹ پڑے گا، ان کی دھوکہ بازی کا ضرر انہیں کو پہنچے گا، اللہ تعالیٰ مومنین کو ان کی حرکتوں سے واقف کر دیں گے، اور وہ ضرر سے بچ جائیں گے، مگر منافق یہ بات سمجھتے نہیں!

ملحوظہ: بابِ مفاعلہ میں ہمیشہ اشتراک نہیں ہوتا، جیسے: عاقبتُ اللصِّ: میں نے چور کو سزا دی، اس میں مشارکت نہیں، پس مومنین کی طرف سے کوئی دھوکہ نہیں، منافقین ہی فریب کرتے ہیں۔

۳- نفاق دل کا بڑا روگ ہے: — ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے — نفاق: کفر سے بدتر بد عقیدگی ہے — پس اللہ نے ان کا روگ اور بڑھایا — اسلام کی ترقی دیکھ کر ان کے دل کباب ہو رہے ہیں — اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک سزا ہے، اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے — ہر دن ایمان کا جھوٹا دعویٰ کرتے تھے، اس کی سزا ملے گی۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝ الْآيَاتُ لَهُمُ الْمُنْفِسُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنْتُمْ مِنْ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۝ الْآيَاتُ لَهُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شِيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ

مُسْتَهْزِئُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمْدُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ
اشْتَرُوا الضَّلَاةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تَفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ الَّذِينَ هُمْ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن لَّا يَشْعُرُونَ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا وَإِذَا خَلَوْا كَمَا آمَنَ النَّاسُ	اور جب کہا جاتا ہے ان سے نہ بگاڑ پھیلاؤ زمین میں (تو) جواب دیتے ہیں وہ اس کے سوا نہیں کہ ہم اصلاح کرنے والے ہیں سنو! بے شک وہ ہی خرابی پھیلانے والے ہیں مگر سمجھتے نہیں اور جب کہا جاتا ہے ان سے ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے دوسرے لوگ	قَالُوا أَتُؤْمِنُونَ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُم السُّفَهَاءُ وَلَكِن لَّا يَعْلَمُونَ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمِنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيْطَانِهِمْ قَالُوا	(تو) جواب دیتے ہیں کیا ایمان لائیں ہم جس طرح ایمان لائے بے وقوف لوگ سنو! بے شک وہ ہی بے وقوف ہیں مگر جاننے نہیں اور جب ملاقات کرتے ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیروں کے پاس کہتے ہیں	إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمْدُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ^(۱) أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَاةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ	پیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں اس کے سوا نہیں کہ ہم ٹھٹھا کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ہنسی اڑاتے ہیں ان کی اور ڈھیل دیتے ہیں ان کی سرکشی میں وہ حیران ہیں یہی لوگ ہیں جنہوں نے خریدی گمراہی ہدایت کے بدل پس نہیں سود مند ہوئی ان کی تجارت (برنس) اور نہیں تھے وہ راہ پانے والے
---	--	--	---	---	---

منافقوں کے ظاہری احوال

۱- دوڑنے آدمی کی حرکتوں سے ہمیشہ فساد پھیلتا ہے، منافقین اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے تھے، اور احکام کی تعمیل

(۱) عَمَهُ (ف) عَمَهُ: راستہ بھٹک کر پریشان ہونا کہ کہاں جائے، جملہ حالیہ ہے۔

میں سست تھے، مسلمانوں اور کافروں: دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لئے ایک کی باتیں دوسرے کو پہنچاتے تھے، اور ہر ایک کے سامنے ایسی باتیں کرتے تھے کہ وہ دوسرے سے بدظن ہو جائے، اور کفار کے ساتھ مدد و ہمت و مدارات سے پیش آتے تھے، اور ان کے اعتراضات و شبہات کمزور مسلمانوں کے سامنے نقل کرتے تھے تاکہ وہ تذبذب کا شکار ہوں، اور جب ان سے کہا جاتا تھا کہ ایسی حرکتیں مت کرو، اس سے بگاڑ پھیلتا ہے تو وہ جواب دیتے: ہم اصلاح کی کوشش کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آپسی تناؤ ختم ہو، اور سب شکر و شکر ہو کر رہیں، حالانکہ ایسا ممکن نہیں تھا، حق اور باطل ایک ساتھ کیسے ہو جائیں گے؟ مگر وہ اس بات کو سمجھتے نہیں، اصلاح کی صورت یہی ہے کہ دین حق کا غلبہ ہو، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی کی موافقت و مخالفت کی پرواہ نہ کی جائے، سب مسلمان متحد ہو کر رہیں، اور ملت کا کوئی راز فاش نہ کریں۔

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۰۱ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۰۲﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: زمین میں بگاڑ مت پھیلاؤ! تو وہ جواب دیتے ہیں: ہم اصلاح کرنے والے ہی ہیں، سنو! وہی مفسد ہیں، مگر وہ سمجھتے نہیں!

۲- سچے مسلمان اسلام پر دل و جان سے فدا تھے، لوگوں کی مخالفت کی اور اس کے نتائج کی ان کو پرواہ نہیں تھی، اور منافق دونوں طرف بنائے رکھتے تھے، تاکہ دونوں کے ضرر سے بچیں، پس جب ان سے کہا جاتا تھا کہ مخلص مسلمانوں کی طرح ایمان لاؤ، یعنی ایک طرف کے ہو کر رہو تو وہ جواب دیتے: یہ لوگ بے وقوف ہیں، عواقب سے ناواقف ہیں، مخالفت کی آندھی تیز ہے، اور اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اس کا پتہ نہیں، پس احتیاط ضروری ہے، ایسا طریقہ اپنانا چاہئے کہ رام بھی رہے راضی اور رجم بھی!

اس کا جواب دیتے ہیں کہ بے وقوف تو منافق ہیں، وہ نقد نفع دیکھ رہے ہیں، موجودہ حالات ان کے سامنے ہیں، کل کیا ہونے والا ہے اس کی ان کو خبر نہیں، کل جب اسلام کا بول بالا ہوگا تو منافقین کی بری گت بنے گی، وہ مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر رہ جائیں گے۔

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنْتُمْ اَنْتُمْ كَبٰۤا اٰمَنَ الشُّفَهَاءُ ۝۱۰۳ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ ۝۱۰۴ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۵﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اور لوگوں کی طرح ایمان لاؤ! تو وہ جواب دیتے ہیں: کیا ہم احمقوں کی

طرح ایمان لائیں! — سنو! وہی احمق ہیں، مگر جانتے نہیں!

۳۔ منافقین دوغلہ پالیسی بنائے ہوئے ہیں، مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اسلام کا اظہار کرتے ہیں، اور جب اپنے گرو گھنٹالوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمہارے ساتھ ہیں، اور ہم نے مسلمانوں کے سامنے جو اسلام کا اظہار کیا ہے وہ ہم نے ان کا آلو بنایا ہے، تم اس کا کچھ خیال نہ کرو! — جواب: اللہ تعالیٰ ان کی ہنسی اڑاتے ہیں، یعنی ان کی حرکت کی ان کو سزا دیں گے، اور وہ گمراہی میں منافقین کی رسی ڈھیلی کرتے رہیں گے، جس میں وہ ٹامک ٹوٹیاں مارتے رہیں گے اور موت ان کو آدبوچے گی، پھر دیکھنا ان کی کیسی گت بنتی ہے!

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيُطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤُونَ ۗ وَاللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۗ﴾

ترجمہ: اور جب منافقین ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں! اور جب تنہائی میں اپنے شریر سرداروں کے پاس پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم بالیقین تمہارے ساتھ ہیں! ہم تو مسلمانوں کا بس آلو بناتے ہیں — اللہ تعالیٰ ان کی ہنسی اڑاتے ہیں، اور ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتے جا رہے ہیں، دریاں حالے کہ وہ تذبذب کا شکار ہیں۔

۴۔ منافقین نے بظاہر اسلام قبول کیا، اور باطن کافر رہے، پس وہ کافر ہی رہے، کیونکہ اعتبار دل کا ہے، زبان کا اعتبار نہیں، یہی انھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی خریدی، یہ گھانٹے کا سودا ہے، ان کو نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم! ﴿حَسْبُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ ۗ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾: دنیا میں خوار ہوئے اور آخرت میں خراب! سچے دل سے مسلمان ہوتے تو دارین میں سرخ رُو ہوتے، موجودہ حالت میں وہ راہِ یاب نہیں، پس سعادتِ دارین سے محروم رہے!

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰی ۗ فَمَا رَبَّحْتُمْ بِتِجَارَتِهِمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۗ﴾

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدل گمراہی خریدی، پس ان کی تجارت سود مند نہیں ہوئی، نہ انھیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا!

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۗ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٍ لَا يَبْصُرُونَ ۗ صَبَّأُكُمْ بِكُمْ عُنَىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۗ أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمٌ وَّرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۗ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ

حَدَرَ الْمَوْتَ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۵۰﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كَلَمَّا
أَضَاءَ لَهُمْ مَشْوَافِيهِ ۖ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۵۱﴾

اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	گوئے	بِكُمْ	ان کا حال	مَثَلُهُمْ
گھیرنے والے ہیں	مُحِيطٌ	اندھے ہیں	عُنَى	جیسا حال	كَمَثَلِ (۱)
کافروں کو	بِالْكَافِرِينَ	پس وہ	قَهُمْ	اس کا جس نے	الَّذِي
قریب ہے	يَكَادُ (۲)	نہیں لوٹیں گے	لَا يَرْجِعُونَ	جلائی	اسْتَوْقَدَ
بجلی	الْبَرْقُ	یا جیسے زور کی بارش	أَوْ كَصَيِّبٍ	کوئی آگ	كَأَنَّ
اچک لے	يَخْطَفُ	بادل سے (بر سے)	مِنَ السَّمَاءِ	پس جب	فَلَمَّا
ان کی آنکھوں کو	أَبْصَارَهُمْ	اس میں	فِيهِ (۲)	روشن کر دیا آگ نے	أَضَاءَتْ
جب جب	كَلَمَّا	اندھیریاں	ظَلَمَتْ	اس کے آس پاس کو	مَا حَوْلَهُ
روشنی ہوتی ہے	أَضَاءَ (۵)	اور گرج	وَرَعْدٌ	لے گئے	ذَهَبَ
ان کے لئے	لَهُمْ	اور بجلی ہے	وَابْرَقٌ	اللہ تعالیٰ	اللَّهُ
چلتے ہیں وہ	مَشَوْا	گردانتے ہیں وہ	يَجْعَلُونَ	ان کی روشنی	بِنُورِهِمْ
اس میں	فِيهِ	اپنی انگلیاں	أَصَابِعَهُمْ	اور چھوڑ دیا ان کو	وَتَرَكَهُمْ
اور جب	وَإِذَا	اپنے کانوں میں	فِي أَذَانِهِمْ	اندھیروں میں	فِي ظَلَمَاتٍ
اندھیرا اچھا جاتا ہے	أَظْلَمَ (۶)	کڑاؤں کی وجہ سے	مِنَ الصَّوَاعِقِ (۳)	نہیں دیکھتے وہ	لَا يُبْصِرُونَ
ان پر	عَلَيْهِمْ	موت کے ڈر سے	حَدَرَ الْمَوْتَ	بہرے	ضَمٌّ

(۱) مثل: ما بعد کی طرف مضاف ہے (۲) فیہ: کی ضمیر السماء کی طرف عائد ہے اور السماء سے مراد السحاب ہے، اس لئے مذکر کی ضمیر لوٹائی ہے (۳) من الصواعق: میں من اجلیہ ہے، اور حذر الموت: یجعلون کا مفعول لہ ہے (۴) یکاڈ: یخطف پر داخل ہے، اور وہ محل اثبات میں فعل کی نفی کرتا ہے یعنی آنکھیں اچکی نہیں، قریب تھا کہ اچک لی جائیں (۵) أضاء: لازم اور متعدی ہے (۶) أظلم: بھی لازم اور متعدی ہے۔

قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ	کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر چاہیں اللہ تعالیٰ	لَذَهَبَ بِسْمِعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ	تو لے جائیں ان کے کان اور ان کی آنکھیں	إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت والے ہیں
------------------------------------	--	---	--	---	--

قرآن کریم کا تمثیل کا طریقہ

تمثیل کے معنی ہیں: تشبیہ دینا، کسی چیز کی محسوس مثال بیان کرنا، قرآن کریم کا تمثیل کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مثال بیان کرتے کرتے مثل لہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اس لئے تطبیق کی ضرورت نہیں رہتی، جیسے سورة النور (آیت ۳۹) میں ایک تمثیل ہے کہ کفار کے اعمال صالحہ آخرت میں رائگاں ہو گئے، ان کا کچھ صلہ نہیں ملے گا، بلکہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ يَتَّبِعُهُ يَتَّبِعُهُ الظَّمَانُ مَاءٌ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَقَّعَهُ حَسَابًا﴾ اور جن لوگوں نے اسلام کا انکار کیا، ان کے (اچھے) اعمال کی مثال: جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ریت، جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس (سراب) کے پاس پہنچا تو اس کو کچھ بھی نہیں پایا (یہاں تک مثال ہے) اور اس (سراب) کے پاس اللہ تعالیٰ کو پایا، پس اللہ نے اس کا پورا پورا حساب چکایا (یہ کلام مثال سے مثل لہ کی طرف منتقل ہو گیا)

اسی طرح یہاں پہلے مثلہم کی ضمیر منافقین کی طرف لوٹتی ہے، وہ مشتبہ ہیں، پھر الذین: مفرد ہے، جو مشتبہ بہ ہے، اور استوقد اور حوله کی ضمیریں اس کی طرف لوٹتی ہیں کیونکہ الذی مفرد ہے، اور حوله تک مثال ہے، پھر ذہب اللہ سے کلام مثل لہ کی طرف منتقل ہوا ہے، اس لئے اب سب جمع کی ضمیریں منافقین کی طرف لوٹیں گی۔

اسی طرح او کصیب کی مثال ہوق تک ہے، اور بجعلون سے کلام مثل لہ کی طرف منتقل ہوا ہے، اس لئے اب جمع کی ضمیریں منافقین کی طرف لوٹیں گی۔ لیکن مثال بھی در پردہ چلتی رہے گی، جس کو تقریر میں واضح کیا ہے۔

نفاق کی تاریخ اور منافقین کی دو قسمیں

جب نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو مدینہ میں تین قومیں تھیں:

(۱) مسلمان: جو آٹے میں نمک کے برابر تھے (۲) مشرکین: جن کی نفی تعداد سب سے زیادہ تھی (۳) یہود: جن کی اقتصادی حالت مضبوط تھی، نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد معاً ایک فیڈریشن (وفاقی جماعت) بنایا، جس سے تینوں قومیں ایک ہو گئیں، پھر مکہ والوں نے مسلمانوں پر چڑھائی کی سوچی تو ان کا مقابلہ ضروری ہوا، چھوٹی جھڑپوں کے بعد پہلی بڑی

جنگ بدر میں ہوئی، جس میں مسلمانوں کو واضح کامیابی ملی، مشرکوں کے ستر سورا مارے گئے اور ستر قید میں آئے، پھر بدر سے لوٹ کر نبی ﷺ نے یہود کے قبیلہ بنو قیقاع کو شہر بدر کیا تو مدینہ کے مشرکین ہل گئے، ان کا سردار عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) تھا، ہجرت سے پہلے اس کی تاج پوشی کی تیاری کر لی گئی تھی، مگر ہجرت نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا اور اس کی تاج پوشی رک گئی، مگر بہر حال وہ تھا مشرکین کا بڑا غزوہ بدر کے بعد اس نے اپنے لوگوں سے کہا: ان هذا الأمر قد توجه: اسلام تو بڑھ چلا! اب اس کے جھنڈے تلے پناہ لینی ضروری ہے، اس طرح عبداللہ کی پارٹی بظاہر مسلمان ہوئی اور باطن کافر رہی، اور نفاق وجود میں آیا۔

یہ منافقین دو قسم کے تھے: ایک: دل میں کٹر کافر تھے، مگر کلمہ اسلام پڑھتے تھے، اور خود کو مسلمان کہتے تھے، پہلی مثال ان کی ہے، ان کو بالکل اندھیروں میں رہ جانے والوں کے مانند قرار دیا ہے، دوسری قسم: کے منافق وہ تھے جو نفاق میں ڈھیلے تھے، جب وہ کسی غزوہ میں مسلمانوں کی کامیابی دیکھتے تو اسلام کی طرف لپکتے، اور ان کو اسلام کے حق ہونے کا خیال آتا، اور غزوہ احد میں بظاہر ناکامی ہوئی تو انھوں نے قدم پیچھے ہٹا لیا، اور اسلام کے بارے میں بدظن ہو گئے، دوسری مثال ان لوگوں کی ہے۔

منافقوں کے باطنی احوال

کٹر منافقوں کی مثال: ایک شخص خطرناک جنگل میں ہے، اس نے خطرات سے بچنے کے لئے شب تاری میں آگ جلائی، جب ماحول روشن ہو گیا اور وہ خطرات سے مأمون ہو گیا تو یکدم آگ بجھ گئی اور وہ گھپ اندھیرے میں رہ گیا، یہی حال کٹر منافقوں کا ہے، وہ بظاہر ایمان لائے، یہ انھوں نے آگ روشن کی اور مسلمانوں کی گرفت سے بچ گئے، یہ ماحول روشن ہو گیا کہ وحی نے ان کا بھانڈا پھوڑ دیا، یہ آگ بجھ گئی، اب وہ کفر کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، ان کو کچھ سوچھائی نہیں دیتا کہ کیا کریں، وہ بہرے ہیں، سچی بات نہیں سنتے، گونگے ہیں، مصیبت میں کسی کو پکار نہیں سکتے، اندھے ہیں، ان کو اپنا نفع نقصان نظر نہیں آتا، اب ان سے ہرگز توقع نہیں کہ وہ گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں، مدینہ میں ایسے کٹر منافق بارہ رہ گئے تھے، جن کے نام نبی ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتائے تھے۔

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلْمَةٍ

لَا يُبْصِرُونَ ۖ ضَمَمَ بِكُمْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۗ﴾

ترجمہ: ان کا حال اس شخص کے حال جیسا ہے جس نے کوئی آگ جلائی، پس جب آگ نے اس کے ماحول کو روشن

کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی بجھادی، اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا، وہ کچھ نہیں دیکھتے! وہ بہرے، گونگے،

اندھے ہیں، اب وہ نہیں لوٹیں گے!

ڈھیلے منافقوں کی مثال: ایک شخص لق و دق جنگل (سنسان بیابان) میں چل رہا ہے کہ زور کا مینہ برسنے لگا، تاریکیاں ہی تاریکیاں: تہ بہ تہ بادل، بارش موسلا دھار اور رات کا گھپ اندھیرا، اور ساتھ ہی غضب کی کڑک اور چمک، کڑک ایسی کہ موت کے ڈر سے آدمی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لے اور چمک ایسی کہ خطرہ ہے آنکھیں نہ چلی جائیں، جب روشنی ہوتی ہے تو وہ چند قدم چلتا ہے اور جب اندھیرا ہوتا ہے تو وہ کھڑا رہ جاتا ہے۔

یہی حال مذہب منافقوں کا ہے، رحمت الہی کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے، اس میں تریہات اور وعیدیں بھی ہیں، اور کافروں اور منافقوں کو کھڑا کھڑا جا رہا ہے، جن کے سننے کی ان میں تاب نہیں، وہ جب اسلام میں اپنا کوئی مفاد دیکھتے ہیں تو آگے بڑھتے ہیں اور دوسری صورت میں اپنی جگہ کھڑے رہ جاتے ہیں، وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ چاہیں تو دنیا میں منافقین کو اندھا بہرہ کر دیں، وہ سب کچھ کر سکتے ہیں، یہ لوگ بعد میں سچے پکے مسلمان ہو گئے تھے۔

﴿أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ، يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حُدُورَ الْمَوْتِ، وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ، كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ ۝ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا، وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾

ترجمہ: یا جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش، اس میں اندھیریاں، گرج اور چمک ہے — گرج کا حال: — وہ کڑا کوں کی وجہ سے موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونکتے ہیں — اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والے ہیں — وہ ان وعیدوں سے کہاں بچ سکتے ہیں! — اور بجلی کا حال: — بجلی قریب ہے کہ ان کی آنکھوں کو اچک لے، جب جب ان کے لئے روشنی ہوتی ہے تو وہ اس میں چلتے ہیں، اور جب ان پر اندھیرا اچھا جاتا ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں کو اچک لیں، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

فائدہ: بارش کے ساتھ تین چیزیں ہیں: تاریکی، بادل کی گرج اور بجلی کی چمک، تینوں غیر معمولی تھیں، تاریکی کی شدت ﴿ظُلُمَاتٌ﴾ جمع لاکر بتائی، اور کڑک کی شدت ﴿يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ﴾ سے بیان کی ہے، اور برق کی شدت ﴿يَكَادُ الْبَرْقُ﴾ سے بیان کی ہے۔

يَأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا ۖ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾

پس نکالی	فَأَخْرَجَ	جس نے	الَّذِي ^(۱)	اے	يَأَيُّهَا
اس کے ذریعہ	بِهِ	بنایا	جَعَلَ	لوگو	النَّاسُ
پھلوں سے	مِنَ الثَّمَرَاتِ ^(۲)	تمہارے لئے	لَكُمْ	عبادت کرو	اعْبُدُوا
روزی	رِزْقًا	زمین کو	الْأَرْضَ	اپنے اس رب کی	رَبِّكُمْ
تمہارے لئے	لَكُمْ	بچھونا	فِرَاشًا	جس نے	الَّذِي
پس نہ بناؤ تم	فَلَا تَجْعَلُوا	اور آسمان کو	وَالسَّمَاءَ	تم کو پیدا کیا	خَلَقَكُمْ
اللہ کے لئے	لِلَّهِ	چھت	بِنَاءً	اور ان کو جو	وَالَّذِينَ
ہم سر (مقابل)	أَنْدَادًا	اور اتارا	وَأَنْزَلَ	تم سے پہلے ہوئے	مِنْ قَبْلِكُمْ
درانحالیکہ تم	وَأَنْتُمْ	آسمان سے	مِنَ السَّمَاءِ	تا کہ تم	لَعَلَّكُمْ
جانتے ہو	تَعْلَمُونَ	پانی	مَاءً	متقی بنو	تَتَّقُونَ

توحید کا بیان

اللہ کی بندگی کرو، اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کی جسمانی و روحانی ضرورتوں کا انتظام کیا ہے ﴿يَأَيُّهَا النَّاسُ﴾ عام خطاب ہے، مگر قرآن اس سے غیر مسلموں کو مخاطب بناتا ہے، پہلے کھلے اور چھپے کافروں کا ذکر آیا ہے، اب ان کو اسلام کے تین بنیادی عقائد سمجھاتے ہیں، ان دو آیتوں میں توحید کا بیان ہے، اور اس پر ربوبیت سے استدلال کیا ہے، پھر رسالت کا بیان ہے، اور اس کو آخرت پر مقدم اس لئے کیا ہے کہ رسالت ربوبیت کا ایک حصہ ہے، اس سے انسان کی روحانی ضرورت پوری ہوتی ہے۔

غیر مسلموں سے خطاب ہے کہ صرف اللہ کی بندگی کرو، کسی کو اس کا ہم سر مت بناؤ، کیونکہ موجودہ انسانوں کو اور ان کے اگلے باپ دادوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، کوئی اور خالق نہیں، پھر پیدا کرنے کے بعد انسان کی ضرورتوں کا انتظام کیا،

(۱) اللہ: پہلے اللہ سے بدل ہے (۲) من الثمرات: رزق کا حال مقدم ہے، ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم لاتے ہیں، ای رزقاً کائنا من الثمرات (۳) أنداد: نڈ کی جمع، مقابل، برابر۔

زمین کو فرش بنایا یعنی قابل رہائش بنایا، آسمان کو چھت بنایا، چھت کے بغیر کمرہ برا معلوم ہوتا ہے، اور چھت اوپر کے اثرات بھی روکتی ہے، اور آسمان سے پانی برسایا، اس سے پھل پیدا ہوئے، جو انسان کی روزی بنتے ہیں، پس اللہ ہی رب ہیں، لہذا اسی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو بندگی میں شریک مت کرو، کیونکہ انسان جانتا ہے کہ وہی پروردگار ہیں، پھر کوئی دوسرا معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ اور انسان روح اور بدن کا مجموعہ ہے، اور دونوں کی ضرورتیں الگ الگ ہیں، جسمانی ضرورتوں کا ذکر آیا، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے نبوت کا سلسلہ قائم کیا، اس کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

آیات پاک کا ترجمہ: اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی بندگی کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے والوں کو پیدا کیا، تاکہ تم متقی بنو — یہ تلمیح (اشارہ) ہے: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کی طرف اور توحید الوہیت کے فائدہ کا بیان ہے — جس نے تمہارے لئے زمین کو پھونسا، اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برسایا، پس اس کے ذریعہ تمہارے لئے پھلوں کی روزی پیدا کی، لہذا اللہ کا ہم سر مت بناؤ، دراصل ایک تم جانتے ہو — کہ اور کوئی نہ خالق ہے نہ پروردگار!

وَإِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ مَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أَعَدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَتُوا بِهَا مُتَشَابِهًا ۖ وَلَا هُمْ فِيهَا يُخَلَّدُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يُسْئَلُ أَنْ يُضْرَبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۖ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَّا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

وَإِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ	اور اگر ہو تم کسی شک میں	مِمَّا نَزَّلْنَا	تمہارا	عَلَىٰ عَبْدِنَا	اپنے بندے پر
فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ	کسی شک میں	تَفْعَلُوا	اتارنا	فَاتَّقُوا	پس لاؤ تم

اور وہ ان میں	وَهُمْ فِيهَا	نیک کام	الضَّالِّحَاتِ	کوئی سورت (کثرتاً)	بِسُورَةٍ
ہمیشہ رہنے والے ہیں	خَالِدُونَ	کہ ان کے لئے	أَنَّ لَهُمْ	اس جیسی	مِنْ مِثْلِهِ
بے شک اللہ تعالیٰ	إِنَّ اللَّهَ	باغات ہیں	جَنَّاتٍ	اور بلاؤ تم	وَادْعُوا
نہیں شرماتے	لَا يَسْتَحْيَىٰ	بہتی ہیں	تَجْوِي	اپنے حمایتوں کو	شُهَدَاءَكُمْ ^(۱)
کہ ماریں	أَنْ يَضْرِبَ	ان کے نیچے سے	مِنْ تَحْتِهَا	اللہ سے ورے	مَنْ دُونَ اللَّهِ
کوئی بھی مثال	مَثَلًا مَّا	نہیں	الْأَنْهَارِ	اگر ہو تم	إِنْ كُنْتُمْ
مچھری	بِعُوضَةٍ	جب بھی	كَلِمًا	سچے	صَادِقِينَ
یا اس سے بڑھ کر	فَمَا فَوْقَهَا	دیئے جائیں گے وہ	زُرِقُوا	پس اگر نہ	فَإِنْ لَمْ
پس رہے جنھوں نے	فَأَمَّا الَّذِينَ	ان سے	مِنْهَا	کرو تم	تَفْعَلُوا
مان لیا	آمَنُوا	کوئی پھل	مِنْ ثَمَرَةٍ	اور ہرگز نہیں کرو گے تم	وَلَنْ تَفْعَلُوا
تو وہ جانتے ہیں	فَيَعْلَمُونَ	بطور روزی	زَيْرًا قَا	تو بچو	فَاتَّقُوا
کہ وہ مثال برحق ہے	أَنَّهُ الْحَقُّ	کہیں گے وہ	قَالُوا	اس آگ سے	النَّارَ
ان کے رب کی طرف	مِنْ رَبِّهِمْ	یہ وہ ہے جو	هَذَا الَّذِي	جو	الَّتِي
اور رہے جنھوں نے	وَأَمَّا الَّذِينَ	کھا زکلیہ دیئے گئے ہم	زُرِقْنَا	اس کا بندھن	وَقُودُهَا
انکار کیا	كَفَرُوا	اس سے پہلے	مِنْ قَبْلُ	لوگ	النَّاسِ
وہ کہتے ہیں	فَيَقُولُونَ	اور لائے گئے وہ	وَأَنْتُمْ	اور پتھر ہیں	وَالْحِجَارَةُ
کیا مراد لی ہے	مَاذَا أَرَادَ	پھل	بِهِ	تیار کی گئی ہے	أُحِدَّتْ
اللہ نے	اللَّهُ	ایک صورت کے	مُتَشَابِهًا	نہ ماننے والوں کیلئے	لِلْكَافِرِينَ
اس مثال سے	بِهَذَا مَثَلًا ^(۲)	اور ان کے لئے ان میں	وَكُلُّهُمْ فِيهَا	اور اچھی خبر دیں	وَكَيْفِيرٍ
گمراہ کرتے ہیں	يُضِلُّ	بیویاں ہیں	أَزْوَاجٌ	ان کو جنھوں نے مان لیا	الَّذِينَ آمَنُوا
اس کے ذریعہ	بِهِ	پاکیزہ	مُطَهَّرَةٌ	اور کئے انھوں نے	وَعَمِلُوا

(۱) شہید: کے اصلی معنی ہیں: گواہ، مجازی معنی ہیں: حاضر، حال بتانے والا اور مددگار، کیونکہ گواہ میں یہ سب کچھ ہوتا ہے۔

(۲) مثلاً: تینز ہے، نسبت کے ابہام کو دور کرتی ہے۔

کَثِيرًا وَيُفِيدِي رَبَّهُ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ رَبَّهُ إِلَّا الْفَاسِقِينَ	بہت سوں کو اور راہ دکھاتے ہیں اس کے ذریعہ بہت سوں کو اور نہیں گمراہ کرتے اس کے ذریعہ مگر حد اطاعت سے نکلنے والوں کو	الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَّا أَمَرَ اللَّهُ	جو توڑتے ہیں اللہ کا پیمان (وچمن) اس کو مضبوط باندھنے کے بعد اور کاٹتے ہیں اس رشتہ کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے	رَبَّهُ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمْ الْخٰسِرُونَ	اس کے بارے میں کہ جوڑا جائے اور بگاڑ پھیلاتے ہیں وہ زمین میں یہی لوگ وہ گھائے میں رہنے والے ہیں
---	--	--	--	--	--

رسالت کا بیان

دور سے ربط: سورۃ بقرۃ کے شروع میں آیا ہے کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، اس میں کچھ شک نہیں، شک دو وجہ سے ہو سکتا ہے: ایک: کلام میں کوئی بات قابل اعتراض ہو، ﴿لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ میں اس کی نفی کی ہے۔ دوم: فہم کی کمی یا عناد کی زیادتی سے شک ہو، اس کا بیان یہاں ہے۔

قریب سے ربط: قرآن کریم دلیل رسالت ہے، اور رسالت کا مضمون توحید کے مضمون سے اس اعتبار سے جڑا ہوا ہے کہ رسالت: مخلوقات کی روحانی چارہ سازی ہے، نبوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندوں کی روحانی تربیت کرتے ہیں، پس رسالت: الوہیت کا تقاضا ہے، اس لئے توحید کے بیان کے بعد رسالت کا مضمون شروع ہوا ہے۔

اگر کسی کو قرآن کے کلام الہی ہونے میں شک ہو تو ہمیں چوگاں ہمیں میداں!

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت حق پر مامور ہوتے ہیں، ان کو اثبات دعویٰ کے لئے اور امت کو مائل و قائل کرنے کے لئے بطور حجت معجزات عطا کئے جاتے ہیں، پس دعوت و حجت دو علاحدہ علاحدہ چیزیں ہیں۔

پھر ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق معجزات عطا کئے جاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات عطا ہوئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب و حکمت کا زمانہ تھا تو ان کو اکمہ (مادر زاد نابینا) کو بینا کرنے اور ابرص (کوڑھی) کو چنگا کرنے کے معجزات دیئے گئے، اور ساتھ ہی اللہ کی کتابیں (تورات و انجیل)

بھی دی گئیں، جو دعوت پر مشتمل تھیں، وہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں تھیں، کلام نہیں تھیں، چنانچہ ان میں تحریف و تبدیلی ممکن ہوئی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے براہین قاسمیہ (جواب ترکی بہ ترکی) میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ تورات و انجیل وغیرہ کتب من جانب اللہ ہونے کے باوجود قرآن کریم کی طرح فصیح و بلیغ کیوں نہیں؟ فرماتے ہیں:

”ہاں خدا کی کتاب مثل تورات و انجیل اور زبانوں میں بھی نازل ہوئیں، مگر ظاہر ہے کہ کسی کی کوئی کتاب ہو تو یہ لازم نہیں کہ اس کا کلام بھی ہو، کیونکہ عربی زبان میں کتاب خط کو کہتے ہیں، اور خط اوروں سے بھی لکھوا سکتے ہیں، سواگر مضمون الہامی ہو، اور عبارت ملائکہ کی ہو، یا فرض کرو کہ عبارت انبیاء کی ہو، جیسے اہل کتاب کا بہ نسبت تورات و انجیل خیال ہے تو تورات و انجیل کتاب اللہ تو ہوگی، پر کلام اللہ نہ ہوگی۔

شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں تورات و انجیل کا ذکر ہے وہاں ان کو کتاب اللہ کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا، اور ایک آدھ جگہ (سورة البقرة آیت ۷۵) سوائے قرآن اور کلام کو کلام اللہ کہا ہے تو وہاں نہ تورات کا ذکر ہے نہ انجیل کا، بلکہ بدالست قرآن اس کلام کا ذکر معلوم ہوتا ہے جو ہم راہبان موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا، اور پھر یہ کہا تھا: ﴿لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اِلٰهَ جَهَنَّمَ﴾ (سورة البقرة آیت ۵۵) یعنی فقط کلام سن کر ایمان نہ لائیں گے، خدا کو دیکھ لیں گے تو ایمان لائیں گے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور کتابوں کے اعجاز بلاغت و فصاحت کا دعویٰ نہیں کیا گیا، یعنی خدا کا کلام ہوتیں تو وہ بھی معجزہ ہوتیں، کیونکہ ایک آدمی کے کلام کا ایک انداز ہوتا ہے، الی آخرہ (براہین قاسمیہ ص: ۱۱۵)

پھر جب ہمارے نبی ﷺ کا دور آیا تو آپ کو معجزہ کے طور پر قرآن کریم عطا ہوا، کیونکہ عربوں میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا، اور قرآن میں چیلنج دیا گیا ہے کہ ہمیں چوگاں ہمیں میداں، یہی مقابلہ کی جگہ ہے یہیں آزمائش ہو جائے، اگر تمہیں کچھ خلجان ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو تم ہنالاؤ ایک چھوٹا سا ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو، اور اپنے ان حمایتوں کو بھی بلا لوجو تم نے اللہ سے ورے تجویز کر رکھے ہیں، اگر تم (تکذیب میں) سچے ہو، لیکن اگر تم یہ کام نہ کر سکو، اور ہرگز نہیں کر سکو گے، تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لئے تیار کی ہوئی ہے (یہ سن کر کیسا کچھ جوش و خروش اور بیچ و تاب نہ آیا ہوگا، اور کوئی دقیقہ سعی کا کیوں اٹھا رکھا ہوگا؟ پھر عاجز ہو کر اپنا سا منہ لے کر بیٹھ رہنا قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے ۱۲ اتھانوی قدس سرہ)

اور قرآن کریم میں دعوت و حجت دونوں جمع ہیں، وہ معنی کے لحاظ سے دعوت ہے، اور بلاغت و فصاحت کے لحاظ سے حجت ہے، یعنی اس کی حجیت اس کی ذات میں مضمر ہے، وہ اللہ کا کلام ہے، نہ اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے نہ اس میں تبدیلی ممکن ہے، وہ نبی ﷺ کا زندہ جاوید (ہمیشہ ہمیش کے لئے) معجزہ ہے، اور وجوہ اعجاز بے شمار ہیں جو بڑی کتابوں میں مذکور

ہیں، اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی کتاب علوم القرآن میں اس پر مفصل بحث ہے جو قابل مراجعت ہے۔
﴿وَأَن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۖ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِمَّن دُونِ اللَّهِ ۚ إِنَّ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَٰكِن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور اگر تم کسی شک میں ہو اس کتاب کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو تم ہنالاؤ کوئی ٹکڑا جو اس کے ہم پلہ ہو، اور اپنے حمایتوں کو جو اللہ سے ورے ہیں بلاؤ، اگر تم سچے ہو — پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو — اور ہرگز نہیں کر سکو گے — تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، جو نہ ماننے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے! — جہنم کا ایندھن لوگ یعنی کافر اور پتھر یعنی ان کی مورتیاں ہیں، اور جہنم سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ کلامِ الہی پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام کی تعمیل کرو تو جنت نصیب ہوگی۔

قرآن کریم کو کلامِ الہی ماننے والوں کے لئے اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے والوں کے لئے خوشخبری قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ کفار کو وعید سنانے کے بعد نیک مؤمنین کو خوش خبری سناتا ہے، مگر ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کی قید کے ساتھ بشارت دیتا ہے، یعنی نیک مؤمنین جو احکام قرآن کی تعمیل کرتے ہیں ان کو خوش خبری سناتا ہے، پس بے عمل مسلمان ہوشیار ہو جائیں، جو لوگ عمل کئے بغیر جنت نشیں ہونا چاہتے ہیں وہ خام خیالی میں مبتلا ہیں، آج سنبھلنے کا موقع ہے کل جب وقت ہاتھ سے نکل جائے گا تو کفِ افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

جن لوگوں نے قرآن کریم کو اللہ کی کتاب تسلیم کیا، اور اس کے احکام پر عمل کیا، ان کو آخرت میں چار باتیں نصیب ہوگی:

- ۱- ان کو بہت سے باغات ملیں گے، جو سد بہار ہونگے، کیونکہ ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں،
- ۲- جنت میں کھانے کے لئے جو پھل ملیں گے وہ ایک صورت کے ہونگے، صورتیں یکساں ہونگی مگر ذائقہ مختلف ہوگا، آم منگوا یا امرود آیا، جنتی کہے گا: امرود تو، ہم نے ابھی کھایا آم لاؤ! خادم کہے گا: کھا کر تو دیکھو! کانا اور کھایا تو آم تھا، مزہ آ گیا!
- ۳- وہاں پاکیزہ بیویاں ملیں گی، حوریں بھی اور دنیا کی عورتیں بھی، سب آلائشوں سے پاک صاف ہونگی۔
- ۴- جنتی ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، ایک دفعہ جا کر پھر نکلنا نہ پڑے گا، یہاں دنیا کی ہر نعمت کے ساتھ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کب لے لی جائے؟ وہاں یہ خطرہ نہیں ہوگا۔

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ، كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا، قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَتُوا بِهَا مُتَشَابِهًا، وَلَا هُمْ فِيهَا

خُلِدُوا ۝ ﴿

ترجمہ: اور خوش خبری سنائیں ماننے والوں کو، جنہوں نے نیک کام کئے کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جب بھی وہ کوئی پھل کھانے کے لئے دیئے جائیں گے ان باغات میں سے تو کہیں گے: یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے کھانے کو دیا گیا تھا! اور لائے جائیں گے وہ پھل ملتا جلتا — یعنی وہ پہلا پھل نہیں ہوگا، اس کے ہم شکل ہوگا — اور ان کے لئے ان باغات میں ستھری بیویاں ہیں، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

قرآن جیسی ایک سورت بھی نہ لاسکتے تو لگے اس میں کیڑے نکالنے!

جب مشرکین قرآن جیسی ایک سورت بھی نہ لاسکتے تو قرآن میں فیہ نکالنی شروع کی کہ اس میں مکھی، چھرا اور مکڑی کی مثالیں ہیں اللہ عظیم المرتبت کی کتاب میں ایسی حقیر اور معمولی چیزوں کا ذکر نہیں ہو سکتا، لامحالہ یہ انسان کا کلام ہے، انسان ہی ایسی معمولی چیزوں کا ذکر کر سکتا ہے!

جواب: مثالیں مسئلہ کے حسبِ حال ہوتی ہیں، جب مورتیوں کی بے بسی سمجھانی ہے تو یہی مثالیں ہونگی، مثالوں میں مضمون کا لحاظ ہوتا ہے، متکلم کی حیثیت کا لحاظ نہیں ہوتا، مگر جب ذوق خراب ہو جائے تو میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے، مؤمنین تو ان مثالوں کو بر محل سمجھتے ہیں، اور منکرین کے لئے یہ مثالیں پردہ بن گئیں، اس لئے کہ وہ اطاعت کے دائرہ سے باہر نکل گئے، اس لئے وہ خواہ مخواہ اعتراض کھڑا کرتے ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا. فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۚ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتے اس سے کہ کوئی بھی مثال بیان کریں، خواہ چھرا کی ہو یا اس سے بڑی — یعنی چھرا سے حقارت اور چھوٹائی میں بڑی، جیسے چھرا کا پر، دنیا کی یہ تمثیل ایک حدیث میں آئی ہے — اب رہے وہ لوگ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ مثالیں ان کے رب کی طرف سے بر محل ہیں، اور رہے وہ لوگ جنہوں نے نہیں مانا — یعنی قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کیا — وہ کہتے ہیں: اس مثال سے اللہ کا کیا مقصد ہے؟ اللہ تعالیٰ ان مثالوں سے بہتوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور بہتوں کو راہِ راست دکھاتے ہیں، اور ان مثالوں سے حدِ اطاعت سے نکلنے والوں ہی کو گمراہ کرتے ہیں!

حدِ اطاعت سے نکلنے والے تین شخص

ایک شخص ہے جس نے عہدِ الست میں اللہ کو ربوبیت کا پختہ و چمن دیا ﴿الْأَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کے جواب میں ﴿بَلَىٰ﴾

کہا، ﴿بَلَّ﴾ میں نعم سے زیادہ تاکید ہے، پھر دنیا میں آکر اس عہد کو توڑ دیا اور ایمان نہیں لایا، وہ حد اطاعت سے نکل گیا۔ اس کا تعلق گذشتہ مضمون سے بھی ہے، اور آئندہ سے بھی، قرآن کریم کو جو اللہ کی کتاب نہیں مانتا وہ اللہ کو رب نہیں مانتا، کیونکہ اللہ کو رب ماننے کا تو ماننا پڑے گا کہ اس نے انسان کی روحانی تربیت کا انتظام کیا ہے، اور اس مقصد سے اپنی کتاب نازل کی ہے۔ اور آگے ہے: ﴿كَيْفَ نَكْفُرُونَ﴾ یعنی جب تم عہد الست میں اللہ کی ربوبیت کا اقرار کر چکے ہو تو اب اس کا انکار کیسے کرتے ہو؟

دوسرا: وہ شخص ہے جو قطع رحمی کرتا ہے، جبکہ اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ اس کا تعلق گذشتہ مضمون سے ہے، قریش کے تمام قبائل جدی رشتہ سے نبی ﷺ کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، مگر وہی اسلام کے کٹر مخالف تھے، اور طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتے تھے، ان کو جدی رشتہ یاد دلایا ہے کہ اس کا کچھ تو لحاظ کرو (یہ مضمون سورۃ الشوریٰ آیت ۲۳ میں ہے، دیکھیں ہدایت القرآن ۷: ۲۸۰)

تیسرا: وہ شخص ہے جو خود تو ڈوبا دوسروں کو بھی ساتھ لے ڈوبا، قریش نے جب رسالت اور دلیل رسالت کا انکار کیا تو دوسرے عربوں نے بھی انکار کیا، وہ قریش کو دین کی کسوٹی سمجھتے تھے، اس لئے کہ وہ کعبہ پر قابض تھے، یہ انہوں نے زمین میں (عرب میں) فساد پھیلایا۔ جن لوگوں میں یہ تین باتیں ہیں وہ گھائے میں رہتے ہیں۔

﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝﴾

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے معاہدہ کو مضبوط باندھنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جو لوگ ان تعلقات کو توڑتے ہیں جن کی

پاسداری کا اللہ نے حکم دیا ہے، اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ گھائے میں رہنے والے ہیں!

كَيْفَ نَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أََمْوَانًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝
هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ أَسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ
سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

کیسے	وَ كُنْتُمْ	جبکہ تھے تم	ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ	پھر ماریں گے تم کو
انکار تے ہو تم	أَمْوَانًا	بے جان	ثُمَّ يُحْيِيكُمْ	پھر زندہ کریں گے تم کو
اللہ کا	فَأَحْيَاكُمْ	پس زندہ کیا تم کو	ثُمَّ إِلَيْهِ	پھر ان کی طرف

ثُرَجِّعُونَ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَتَا فِي الْأَرْضِ	لوٹائے جاؤ گے تم وہی ہیں جنہوں نے تمہارے لئے پیدا کیا جو زمین میں ہے	جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ (۱) إِلَى السَّمَاءِ (۲) فَسَوَّاهُنَّ	سارا پھر قصد کیا آسمان کا پس ٹھیک بنایا ان کو	سَبَعَةَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ	سات آسمان اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں
--	---	--	--	---	--

آخرت کا بیان

توحید و رسالت کی طرح آخرت بھی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اب دو آیتوں میں اس کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے دو عالم بنائے ہیں، ایک آسمانوں کے نیچے، دوسرا آسمانوں کے اوپر، نیچے والا عالم دنیا کہلاتا ہے اور اوپر والا آخرت، دنیا کو عالم مشاہد بھی کہتے ہیں، اور آخرت کو عالم غیب، اس میں جنت و دوزخ مع مشمولات، ملائکہ اور عرش وغیرہ ہیں، اور راء الوریاء اللہ کی ذات و صفات ہیں، یہ سب عالم غیب ہے، جو اس اس کا ادراک نہیں کر سکتے، رسولوں کی خبر ہی سے اس کا علم ہوتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم کے بعد معاد وجود بخشا ہے، پھر سب سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا، پھر سب کو عالم ارواح میں رکھ دیا، جب کسی روح کے اس دنیا میں آنے کا وقت آتا ہے تو پہلے رحم مادر میں مٹی سے سات مراحل سے گذر کر جسم بنتا ہے، پھر فرشتہ اس میں روح لا کر ڈالتا ہے تو انسان اس عالم میں موجود ہو جاتا ہے، اس سے پہلے وہ اس عالم میں معدوم تھا، پھر اپنی حیات دنیا پوری کر کے مر جاتا ہے، یعنی روح بدن سے الگ ہو کر عالم برزخ میں چلی جاتی ہے، اور بدن مٹی کے حوالے کر دیا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن اجسام مٹی سے دوبارہ نکلیں گے، اور ارواح ان میں واپس آئیں گی، اور نئی زندگی شروع ہوگی۔ پھر قیامت کے لمبے دن میں حساب کتاب ہو کر مکلف مخلوق عالم آخرت میں منتقل کر دی جائے گی، لوگ وہاں ہمیشہ رہیں گے، جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں۔ جس اللہ نے یہ سب کچھ کیا اور کرے گا: انسان اس کا کیسے انکار کر رہا ہے؟

﴿ كَيْفَ كَفَرْتُمْ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَشْوَاقًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّنُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو، حالانکہ تم (اس دنیا میں) معدوم تھے، پھر تم کو جاندار کیا، پھر تم کو بے جان کریں گے، پھر تمہیں زندہ کریں گے، پھر تم ان کی طرف لوٹائے جاؤ گے!

دونوں جہاں اللہ نے انسان کے لئے بنائے ہیں

اللہ تعالیٰ نے زیریں منزل (دنیا) بھی انسان کے لئے بنائی ہے اور بالائی منزل (آخرت) بھی اور بالائی منزل:

(۱) استوی إلیہ: سیدھا رخ کرنا، قصد کرنا (۲) السماء: اسم جنس ہے، قلیل و کثیر پر اطلاق ہوتا ہے، اور مؤنث سماعی ہے۔

زیریں منزل سے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کب انسان کو ایک منزل سے دوسری منزل میں منتقل کرنا ہے۔
﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: اسی نے تمہارے فائدے کے لئے وہ تمام چیزیں پیدا کیں جو زمین میں ہیں — یہ زیریں دنیا ہے — پھر اس نے آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی اور ان کو سات درست آسمان بنایا — اور ان کے اوپر عالم آخرت کو بنایا، جو انسانوں کا آخری مقام ہے — اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں — کہ کب تک انسان عالم زیریں میں رہے گا، اور کب اس کو عالم بالا میں منتقل کیا جائے گا۔

سوال: جب زمین کی تمام چیزیں انسان کے لئے پیدا کی ہیں تو سب چیزیں حلال ہونی چاہئیں، بعض چیزیں حرام کیوں ہیں؟

جواب: حلت و حرمت کا مدار نفع و ضرر پر ہے، شکر انسانوں کے لئے بنتی ہے، مگر شکر والے کو ڈاکٹر شکر سے منع کرتے ہیں، مٹی کھانا حرام ہے، حالانکہ پاک ہے، سٹکھیا (زہر) کوئی نہیں کھاتا، مگر دواؤں میں پڑتا ہے، پس اخلاقی خرابیوں سے یا جسمانی ضرر سے بچانے کے لئے شریعت نے بعض چیزیں حرام کی ہیں، مگر وہ بھی انسان کے لئے ہیں، گوا بھی اس کا نفع انسان کو معلوم نہ ہو۔

آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی

رابطہ بعید: توحید کے بیان میں آیا ہے: ﴿وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (اللہ نے تم کو) اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے (پیدا کیا) سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اس لئے اب ان کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔
رابطہ قریب: گذشتہ آیت میں ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾: زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ نے انسان کے لئے بنایا ہے، انسان کو ان کے جدا مجد کے واسطے سے زمین میں اپنا خلیفہ (نائب) بنایا ہے، تاکہ وہ زمین میں اور اس کی چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کرے، اس طرح آدم علیہ السلام کی خلافت ارضی کا بیان شروع ہوا۔
انسان کا وجود زمینی فرشتوں اور جنات کے بعد ہوا ہے: جب آسمان و زمین کا کارخانہ بن کر تیار ہوا تو پہلے زمینی فرشتوں کو پیدا کیا، ان کو عناصر سے پیدا کیا ہے، اور آسمانی فرشتوں (ملا اعلیٰ) کو نور سے پیدا کیا ہے، جب عناصر اربعہ کی بھاپ (اسٹیم) میں مزاج پیدا ہوا تو اس پر ارواح کا فیضان کیا، پس زمینی فرشتے وجود میں آئے، ان فرشتوں کے مزاج میں چونکہ کسی عنصر کا غلبہ نہیں، اس لئے ان میں اعتدال رہا، اور وہ شرف و فساد سے بچے رہے، اور تسبیح و تحمید و تقدیس میں لگے رہے،

ان فرشتوں نے ہزاروں سال زمین کو آباد کیا، اور اب بھی وہ زمین میں موجود ہیں، ان ملائکہ کا بکثرت صحیح احادیث میں ذکر آیا ہے، مسلم شریف کی روایت ہے: لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا أَحْفَتَهُمُ الْمَلَائِكَةُ: جہاں کچھ لوگ اللہ کا ذکر کرنے بیٹھتے ہیں تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور بخاری شریف کی روایت میں ہے: إِنْ لَمْ يَلْمُوكَ يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ: اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں ذاکرین کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور اسی روایت میں مسلم شریف میں ہے: فَضْلًا، یعنی یہ حفاظت کرنے والے فرشتوں کے علاوہ ہیں، یہی زمینی فرشتے ہیں۔

پھر ایک وقت آیا، جب اللہ تعالیٰ نے زمین میں جنات کے جدا جدا جان کو پیدا کیا، ان کو عناصر کے آمیزہ سے پیدا کیا، ان کے خمیر میں آگ کا غلبہ تھا، اس لئے وہ ناری مخلوق کہلائے، وہ مکلف تھے، ان کو احکام دیئے، مگر وہ سرکش ہوئے، زمین کو شر و فساد سے بھر دیا، اور قتل و قتل کا بازار گرم کیا، تو فرشتوں نے ان کو جزیروں میں دھکیل دیا، جنات بھی ہزاروں سال زمین کو آباد کئے رہے، اور اب بھی ہیں، مگر اللہ نے زمین کی تمام چیزیں ان کے لئے نہیں بنائیں، اس لئے ان دونوں کو خلافت کے اعزاز سے سرفراز نہیں کیا گیا۔

آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور فرشتوں پر ان کا علمی تفوق ظاہر کیا

پھر انسانوں کے جدا جدا حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا وقت آیا، ان کو خلیفہ بنانا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ ملائکہ اور جنات پر ان کی علمی برتری ثابت کی جائے، اور ملائکہ: جنات سے افضل ہیں اس لئے ان پر تفوق ثابت کرنا کافی تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے یہ بات رکھی کہ میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے جا رہا ہوں، آخر میں یہ بات واضح ہوگی کہ یہ بات آدم علیہ السلام کی علمی برتری ظاہر کرنے کے لئے تھی، ورنہ اللہ تعالیٰ: ﴿فَعَالٌ لِّمَآئِينِدُ﴾ ہیں، ان کو کسی کام کے کرنے کے لئے کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

فرشتوں نے عرض کیا: یہ نئی مخلوق بھی پرانی مخلوق (جنات) کی طرح زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گی، اور ہم تسبیح و تحمید و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں، نئی مخلوق کی کیا ضرورت ہے؟ بیان القرآن میں اس کی ایک مثال ہے: کوئی حاکم نیا کام کرنا چاہے، اور اس کے لئے نیا عملہ تجویز کرنے کا ارادہ قدیمی عملہ کے سامنے ظاہر کرے، اور وہ عرض کرے کہ ہمیں کسی طرح تحقیق ہوا ہے کہ نیا عملہ بخوبی کام انجام نہیں دے گا، بعض بخوبی انجام دیں گے، اور بعض کام بالکل ہی بکاڑ دیں گے اور ہم ہر وقت احکام عالی پر جان قربان کئے ہوئے ہیں، پس اگر یہ نئی خدمت بھی ہم غلاموں کو سپرد کی جائے تو کیا حرج ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جو مصلحت میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے!“ فرشتے خاموش ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اور ان کو زمین کی سب چیزوں کے نام سکھائے، یہ سکھانا فطری تھا، آدم علیہ السلام نے اپنی خداداد

صلاحیت سے سب چیزوں کو سمجھ لیا، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش کیا، اور فرمایا: ان چیزوں کے نام (اور کام) بتاؤ، وہ عاجز رہ گئے، تب آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم فرشتوں کو بتاؤ، آدم علیہ السلام نے فر فر بتا دیا، تب اللہ پاک نے فرمایا: یہ وہ مصلحت ہے جو میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے، یعنی نئی مخلوق زمینی چیزوں کو سمجھے گی، اور ان کو برتے گی، اور تمہارے دلوں میں ہے کہ ہم عبادت میں بڑھے ہوئے ہیں، یہ بات صحیح ہے، مگر کمال علمی کا مرتبہ کمال عملی سے بڑھا ہوا ہے، بدوں کمال علمی کے خلافت کا کام اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے؟ اب فرشتے خوب سمجھ گئے کہ بدوں اس علم عام کے کوئی زمین میں کارِ خلافت نہیں کر سکتا، اس طرح انسان کی علمی برتری فرشتوں پر واضح ہوئی!

خلیفہ (نائب) کون ہوتا ہے؟ — جس کو مالک اپنا قائم مقام بنائے وہ خلیفہ (نائب) ہوتا ہے، مالک اس کو ایک دستور دیتا ہے، جس کی تعمیل نائب کے لئے ضروری ہوتی ہے، مثلاً: بادشاہ نے کسی کو کسی علاقہ کا حاکم مقرر کیا، یا کسی نے کوئی بڑا کارخانہ بنایا، اور اس کا ایک منیجر مقرر کیا تو وہ بادشاہ کا اور مالک کا خلیفہ (نائب) ہوگا، اب بادشاہ اور مالک اس نائب کو ایک دستور دے گا، اس کے مطابق وہ حکومت کرے گا اور کارخانہ چلائے گا، اور خلیفہ اس قانون کو اپنی ذات پر بھی نافذ کرے گا اور دوسروں پر بھی۔

ایک واقعہ: انگریزوں کے دور میں ایک نیم سرکاری کارخانہ گھانٹے میں جا رہا تھا، حکومت نے لندن سے منیجر بھیجا، اس نے ملازمین کو جمع کیا، اور کہا: ”کام کی کوئی پابندی نہیں، وقت پر آنا ضروری ہے، جو دیر کرے گا اس کی تنخواہ کٹے گی“ ملازمین نے سوچا: وقت پر آ جایا کریں گے، اور بیٹھے رہیں گے۔ ایک ماہ کے بعد منیجر نے ایک دن اپنی گھڑی آدھ گھنٹہ پیچھے کر لی، اور اپنی گھڑی سے وقت پر دفتر آیا، اور دفتر دار سے کہا: دفتر کی گھڑی غلط ہے! چپڑا اسی نے کہا: سرکار! گھڑی صحیح ہے، تحقیق ہوئی، معلوم ہوا کہ صاحب کی گھڑی غلط ہے، اس نے محاسبی کو حکم بھیجا کہ میں آدھ گھنٹہ دیر سے آیا ہوں، میری تنخواہ کاٹی جائے، سارا عملہ سہم گیا کہ جو خود کو نہیں بخشا وہ دوسروں کو کیا بخشے گا! سب سیدھے ہو گئے اور کارخانہ کا نظام صحیح ہو گیا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةًۭ ۗ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَّیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۗ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷
وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۸ قَالُوْۤا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۗ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝۹
قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۗ فَلَمَّۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۱۰﴾

وَاذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْا اَجْعَلْ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْ اَعْلَمُ	اور (یاد کرو) جب فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہا انھوں نے کیا آپ بنائیں گے اس میں (اس کو) جو فساد کرے گا اس میں اور بہائے گا خونوں کو اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں آپ کی خوبیوں کے ساتھ اور ہم عظمت کا اقرار کرتے ہیں آپ کی فرمایا بیشک میں جانتا ہوں	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ	جو تم نہیں جانتے اور سکھلائے آدم کو نام سارے پھر رو برو کیا ان چیزوں کو فرشتوں کے پس فرمایا بتلاؤ تم مجھے نام ان چیزوں کے اگر ہو تم سچے کہا انھوں نے پاک ہے آپ کی ذات نہیں علم ہے ہمیں مگر جو کچھ سکھلایا آپ نے ہمیں بے شک آپ ہی خوب جاننے والے	الْحَكِيْمُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِہِمۡۙ فَلَمَّا اَنْۢبَاہُمۡ بِاَسْمَآئِہِمۡۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلۡ لَّكُمْ اِنِّيْۤ اَعْلَمُ غَيْۢبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۰﴾	بڑی حکمت والے ہیں فرمایا اے آدم بتا دو ان کو ان چیزوں کے نام پس جب بتا دیئے اس نے ان کو ان چیزوں کے نام (تو) فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے بیشک میں جانتا ہوں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے
--	---	--	---	--	--

(۱) عرضہم: میں ہم سے مسمیات (چیزیں) مراد ہیں، اور مذکر ضمیر ذوی العقول کو غلبہ دینے کی وجہ سے ہے۔

آیاتِ پاک مع تفسیر: اور (یاد کرو) جب آپ کے پروردگار نے (زمینی) فرشتوں سے فرمایا: ”میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں!“ — فرشتوں کا ردِ عمل: — فرشتوں نے کہا: کیا آپ زمین میں ایک ایسی مخلوق بنائیں گے جو اس میں فساد مچائے گی اور خون ریزی کرے گی — سوال: فرشتوں کو اس کا پتہ کیسے چلا؟ جواب: جنات پر قیاس کر کے انھوں نے یہ بات جانی، جنات عناصر سے پیدا کئے گئے تھے، اور یہی مخلوق بھی عناصر سے پیدا کی جائے گی، اور جب دونوں کا خمیر ایک ہوگا تو احوال بھی ایک ہونگے — فرشتوں کی باقی بات: — اور ہم آپ کی خوبیوں کے ساتھ پاکی بیان کرتے ہیں، اور آپ کی عظمت کا اقرار کرتے ہیں! — پس ہم خلافت کے لئے زیادہ موزون ہیں! — اللہ نے فرمایا: میں جو مصلحت جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے — یعنی خلیفہ وہ ہو سکتا ہے جو سب چیزوں کو سمجھتا ہو، تاکہ ان کو برتے، اور ان پر حکومت کرے، اور تم میں یہ صلاحیت نہیں — اس کی دلیل کہ فرشتوں میں یہ صلاحیت نہیں: — اور اللہ نے آدم کو سارے ہی نام (مع مسمیات) سکھلائے — یہ سکھانا فطری تھا، انسان کی فطرت ایسی تھی کہ وہ خود سب کچھ سمجھ گیا — پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے رو برو کیا، اور فرمایا: تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم سچے ہو — اپنے اس خیال میں کہ تم خلافت کے لئے زیادہ موزون ہو — انھوں نے کہا: آپ کی ذات پاک ہے! — یعنی ہمارا خیال غلط ہے — ہم نہیں جانتے مگر جو کچھ آپ نے ہمیں سکھلایا — یعنی ہمیں ان چیزوں کا علم حاصل نہیں — بے شک آپ ہی خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں! — یعنی آپ نے اپنی حکمت کے تقاضے سے ہمیں ان چیزوں کا علم نہیں دیا۔

اللہ نے فرمایا: اے آدم! فرشتوں کو ان چیزوں کے نام (اور خواص) بتاؤ، پس جب آدم نے ان کو ان چیزوں کے نام (مع خواص) بتائے — یہ نام آدم علیہ السلام نے خود رکھے تھے، جیسے اب بھی انسان چیزوں کے نام رکھتا ہے اور تحقیق و تجربہ سے خواص جانتا ہے — پس اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے سر بستہ راز جانتا ہوں — یعنی کون مخلوق خلافت کے لائق ہے کون نہیں، یہ بات میں ہی جانتا ہوں — اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کر رہے ہو — یعنی ﴿نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ — اور جو تم چھپایا کرتے ہو — یعنی تمہارا یہ خیال کہ تم خلافت کے لئے زیادہ موزون ہو!

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝ وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا

تَقْرَبًا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۰﴾ فَازْلَمْهَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهَا مِنَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۵۱﴾ فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۲﴾ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۵۳﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵۴﴾

۲۷۰۲

پس پھسلا دیا دونوں کو	فَازْلَمْهَا	بس (روہ)	اسکُن	اور (یا دکرو) جب	وَاذْ
سرکش نے	الشَّيْطَانُ	تو	أَنْتَ	کہا ہم نے	قُلْنَا
جنت سے	عَنْهَا	اور تیری بیوی	وَزَوْجَكَ	فرشتوں سے	لِلْمَلَائِكَةِ
پس نکال دیا دونوں کو	فَأَخْرَجَهَا	جنت میں	الْجَنَّةَ	سجدہ کرو	اسْجُدُوا
اس سے جو تھے دونوں	مِنَّا كَانَا	اور کھا دو دونوں	وَكَلَا	آدم کو	لِآدَمَ
اس میں	فِيهِ	جنت سے	مِنْهَا	پس سجدہ کیا انھوں نے	فَسَجَدُوا
اور کہا ہم نے	وَقُلْنَا	با فراغت	رِغْدًا ^(۲)	مگر رحمت سے مایوس نے	إِلَّا إِبْلِيسَ ^(۱)
اتر تو تم (تینوں)	اهْبِطُوا	جہاں سے	حَيْثُ	انکار کیا	أَبَى
تمہارا ایک	بَعْضُكُمْ	چاہو تم دونوں	شِدْتُمَا	اور گھمنڈ کیا	وَاسْتَكْبَرَ
دوسرے کا	لِبَعْضٍ	اور نہ نزدیک جانا دونوں	وَلَا تَقْرَبَا ^(۳)	اور تھا وہ	وَكَانَ
دشمن ہوگا	عَدُوٌّ	اس درخت سے	هَذِهِ الشَّجَرَةَ	منکروں میں سے	مِنَ الْكَافِرِينَ
اور تمہارے لئے	وَلَكُمْ	پس ہو جاؤ گے تم دونوں	فَتَكُونَا	اور کہا ہم نے	وَقُلْنَا
زمین میں	فِي الْأَرْضِ	نقصان کرنے والوں میں	مِنَ الظَّالِمِينَ	اے آدم	يَا آدَمَ

(۱) إلا: استثناء منقطع ہے، ابلیس فرشتہ نہیں تھا، سورة الکہف (آیت ۵۰) میں ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾: وہ جنات میں سے تھا، پس اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولی کی، آدم کو سجدہ کرنے کا حکم جنات کو بھی تھا، یہ آیت صریح ہے، اور صرف ملائکہ کا ذکر اس لئے کیا جاتا ہے کہ وہ افضل مخلوق تھے۔ (۲) رغدا: مصدر بمعنی صفت مشبہ ہے، با فراغت یعنی جی بھر کر، خوب چھک کر (۳) یہ درخت متعین نہیں کیا، اگر متعین کیا جاتا تو بدنام ہو جاتا، اور اس کو کوئی نہ کھاتا۔

ان پر	عَلَيْهِمْ	بڑا رحم کرنے والا ہے	الزَّحِيمُ	ٹھہرنا ہے	مُسْتَقَرٌّ
اور نہ وہ	وَلَا هُمْ	کہا ہم نے	قُلْنَا	اور فائدہ اٹھانا ہے	وَمَتَاعٌ
غم گیس ہونگے	يَحْزَنُونَ	اترو تم	اهْبِطُوا	ایک وقت تک	إِلَىٰ حِينٍ
اور جنھوں نے	وَالَّذِينَ	جنت سے	مِنْهَا	پس حاصل کئے	فَتَلَقَىٰ ^(۱)
انکار کیا	كَفَرُوا	سبھی	جَمِيعًا	آدم نے	أَدَمُ
اور جھٹلایا	وَكَذَّبُوا	پس اگر پہنچے تمہیں	فَأَمَّا يَا تَبِيتُكُمْ	اپنے رب سے	مِنْ رَبِّهِ
میری باتوں کو	يَا بَيْتِنَا	میری طرف سے	مِنِّي	چند الفاظ	كَلِمَاتٍ
وہ لوگ	أُولَٰئِكَ	راہ نمائی	هُدًى	پس توجہ فرمائی	فَتَابَ
دوزخ والے ہیں	أَصْحَابُ النَّارِ	پس جو پیروی کرے گا	فَمَنْ تَبِعَ	اس کی طرف	عَلَيْهِ
وہ اس میں	هُمْ فِيهَا	میری راہ نمائی کی	هُدًى	بے شک وہی	إِنَّهُ
ہمیشہ رہنے والے ہیں	خَالِدُونَ	پس نہ ڈر ہوگا	فَلَا خَوْفٌ ^(۲)	بڑا توبہ قبول کرنے والا	هُوَ الثَّوَابُ

کارِ خلافت انجام دینے کے لئے اطاعت کی ضرورت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت میں کسی نے پوچھا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں اور آپ کی حکومت میں فرق کیوں ہے؟ ان کی حکومت میں کوئی خلفشار نہیں تھا، اور آپ کی حکومت میں خلفشار ہی خلفشار ہے! آپ نے جواب دیا: عمر کی رعیت ہم تھے اور میری رعیت تم ہو! یعنی ہم خلیفہ کی اطاعت کرتے تھے، اور تم کوئی بات نہیں مانتے، پس فرق تو ہوگا ہی!

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا، فرشتوں پر ان کا علمی تفوق ظاہر کیا، اب کارِ خلافت انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ زمین میں موجود ذی عقل مخلوقات ان کی ماتحتی قبول کریں، ان کی اطاعت کریں، ان کے سامنے سرینڈر کریں، اس وقت زمین میں ذی عقل مخلوق فرشتے اور جنات تھے، اور فرشتے: جنات سے افضل تھے، اس لئے ان کا ذکر کیا، ورنہ دونوں کو حکم تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، یہ رمزی سجدہ تھا، عبادت کا سجدہ نہیں تھا، چنانچہ فرشتوں نے تو سب نے سجدہ کیا، اور جنات نے بھی سجدہ کیا، مگر ایک خاص فرد (عزرایل) ایٹھ گیا، اس نے سجدہ نہیں کیا، اس نے انسان کی ماتحتی قبول کی (۱) تلقی تلقیا: کسی کو کوئی چیز پکڑانا، کیج کرانا (۲) خوف: آگے کا ہوتا ہے اور غم: پیچھے کا، آگے آخرت ہے اور پیچھے دنیا ہے جو ٹھٹ رہی ہے۔

نہیں کی، اس لئے وہ راندہ درگاہ ہوا، وہ اللہ کے علم میں تو پہلے ہی سے کافر تھا، مگر اب اس کا کفر برملا ظاہر ہوا۔

﴿وَاذُقْنَا لِمَلِكِكُمْ اِسْحٰدًا وَاِلَادًا مَّمْسُوْمًا وَاِلٰكًا اِبْلِيْسَ ؕ اَبُوْهُ وَاَسْتَكْبَرُوْا وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۰﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں (اور جنات کو) حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو، پس انہوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا، وہ (علم الہی میں) کافروں (حکم نہ ماننے والوں) میں سے تھا۔

آدم و حواء علیہما السلام کو زمین میں پیدا کر کے جنت میں بسایا

اور وہاں ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا

پہلے زمین میں مختلف حکومتیں تھیں، اسلامی بھی اور غیر اسلامی بھی، مگر حدود (باڈر) پاسپورٹ اور ویزا نہیں تھا، جو جہاں چاہے جاسکتا تھا، اسی طرح پہلے اللہ کی کائنات میں بھی حدود اور پابندیاں نہیں تھیں، زمینی فرشتے اور جنات آسمانوں کے اوپر جنت تک جاسکتے تھے، حدود بعد میں قائم ہوئیں اور پابندیاں بعد میں لگیں، اب زمینی فرشتے تو آسمانوں کے اوپر جاسکتے ہیں، مگر جنات اور انسان نہیں جاسکتے، پھر جنات آسمان کے قریب جاسکتے ہیں، انسان قریب بھی نہیں جاسکتے، کیونکہ انسان: جنات کی بہ نسبت کثیف ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ آدم و حواء علیہما السلام کو اللہ نے مٹی سے بنایا، اور ایک نفس ناطقہ کی دوہم جنس صنفیں بنائیں، تاکہ ایک دوسرے سے انس حاصل کرے، پھر آدم علیہ السلام کا زمینی مخلوقات پر تفوق ظاہر کیا، پھر اطاعت و فرمانبرداری کا رمزی سجدہ کرایا، یہ سب کچھ زمین میں ہوا، پھر آدم و حواء علیہما السلام کو جنت میں بسایا، تاکہ وہ وہاں کا لطف اور مزہ چکھیں، اور اپنے اصلی وطن کو پہچانیں۔

وہاں ان کو ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع کیا، وہ درخت کچھ برا نہیں تھا، جنت کی کوئی چیز بری نہیں، اس درخت کو اطاعت و عدم اطاعت کا معیار بنایا تھا، جیسے طالوت کے لشکر کے لئے ایک خاص نہر کے پانی کو اطاعت و عدم اطاعت کا معیار بنایا تھا۔ جب تک آدم و حواء علیہما السلام اس درخت کو نہیں کھائیں گے جنت میں رہیں گے، اور حکم کی خلاف ورزی کریں گے تو باہر نکال دیئے جائیں گے، اور وہ اپنا نقصان کریں گے، اللہ کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔

﴿وَقُلْنَا يَا اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۗ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ

الظٰلِمِيْنَ ۝۱۱﴾

ترجمہ: اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور دونوں جنت میں سے جہاں سے چاہو

بافراغت (جی بھر کر) کھاؤ، اور اس درخت کے نزدیک مت جاؤ، ورنہ دونوں اپنا نقصان کرو گے!

جنت میں پہلی بار شیطان کی عداوت ظاہر ہوئی

آدم و حواء علیہما السلام جنت میں رہتے رہے، وہ اس خاص درخت کے قریب نہیں جاتے تھے، اس پر ایک عرصہ گذر گیا پس شیطان نے دونوں کو اور غلابا، اور دونوں کو ان کے موقف سے پھسلا یا، شیطان اب تک جنت میں جاتا تھا، اس پر پابندی نہیں لگی تھی — اس نے جو کئی پڑھائی اس کا ذکر سورۃ طہ (آیت ۱۲۰) میں ہے، اس نے کہا: اس درخت کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ جو اس کو کھائے گا امر ہو جائے گا، اور ہمیشہ اللہ کے پاس رہے گا، اور اس نے قسم کھا کر اپنی ہمدری کا یقین دلایا، پس دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا، یعنی جنت کی زندگی اور قرب حق کی حرص میں یہ اقدام کیا، اور دونوں سے یہ لغزش ہو گئی۔ جاننا چاہئے کہ وہ درخت امر نہیں تھا، بلکہ مہر تھا، اس کو کھاتے ہی جنت کا لباس اتر گیا، اور حکم ملا کہ سب یعنی آدم و حواء علیہما السلام اور شیطان زمین میں اتریں، اب تم ہمیشہ ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، شیطان تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرتا رہے گا، اور تم دین پر مضبوط رہ کر اس کی ناک زمین میں رگڑتے رہو گے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ اب تم زمین میں رہو گے، آسمانوں پر نہیں آسکو گے، اور زمین میں بھی ایک وقت تک رہو گے، پھر مرو گے اور زمین چھوڑو گے!

زلزلت اور معصیت میں فرق: انبیاء معصوم ہوتے ہیں، ان سے معصیت (گناہ) نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں، البتہ زلزلت (لغزش) ہو سکتی ہے۔ معصیت: گناہ کے ارادہ سے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا نام ہے، اور زلزلت: ارادہ کے بغیر یا نیک ارادے سے غلطی ہو جانے کا نام ہے، آدم و حواء علیہما السلام سے قرب خداوندی کی لالچ میں غلطی ہوئی، پس وہ زلزلت تھی۔

﴿فَازْلَمْنَا الشَّيْطَانَ عَنْهَا فَأَخْرَجْنَاهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ

مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: پس شیطان نے دونوں کو اس جگہ (جنت) سے پھسلا یا، اور دونوں کو ان نعمتوں سے نکالا جن میں وہ تھے، اور ہم نے حکم دیا: نیچے اترو، تمہارا ایک دوسرے کا دشمن ہوگا، اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے!

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو توبہ کے الفاظ تلقین فرمائے

جب آدم علیہ السلام نے تہدید (دھمکی) آمیز خطاب سنا کہ نیچے اترو! تو وہ لرز گئے اور بے چین ہو گئے، اور سخت منفعیل ہوئے، اتنے کہ معافی کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے خود ہی معافی کے لئے الفاظ تلقین فرمائے، جیسے غلام سے کوئی بھاری غلطی ہو جائے، اور وہ سخت نادام ہو کر، ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر آقا کے سامنے کھڑا ہو جائے اور کچھ بول

نہ سکے تو آقا کو رحم آتا ہے، وہ پوچھتا ہے: کیا کہنا چاہتا ہے؟ اب بھی بول نہیں سکا تو آقا کہتا ہے: کہہ آئیں، اسی غلطی نہیں کروں گا! غلام یہی الفاظ دہرا دیتا ہے تو آقا معاف کر دیتا ہے، ایسا ہی کچھ معاملہ آدم و حواء علیہما السلام کے ساتھ ہوا، جب ان کے دل رورہے تھے، اور زبان گنگ تھی: اللہ نے توبہ کے کلمات سکھائے، دونوں نے کہا: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ﴿۲۲﴾: اے ہمارے رب! ہم نے اپنا نقصان کیا، اور اگر آپ ہماری مغفرت نہیں کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا [الاعراف ۲۲] پس اللہ نے دونوں کی توبہ قبول کی، وہ بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

﴿فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهَا إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: پس آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ حاصل کئے، پس اللہ نے ان کی طرف توجہ فرمائی، بے شک وہی بڑے توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

توبہ قبول ہوئی، مگر زمین پر اترنے کا حکم برقرار رہا

دونوں کی توبہ توبہ قبول ہوئی، مگر حکم سابق برقرار رہا، آدم و حواء علیہما السلام کو بھی شیطان کے ساتھ زمین پر اترنا پڑا، ﴿جَمِيعًا﴾ اسی لئے بڑھایا ہے، ان کے زمین پر اترنے میں مصلحتیں ہیں، وہ خلافت ارضی زمین پر پہنچ کر ہی انجام دیں گے، البتہ پیچھے سے اللہ تعالیٰ ہدایت بھیجیں گے، کتابیں نازل فرمائیں گے، جو اس کی پیروی کرے گا وہ بے خطر جنت میں واپس آئے گا، نہ اس کو آگے کا کوئی ڈر ہوگا نہ دنیا چھوڑنے کا غم! کیونکہ وہ بہتر دنیا میں پہنچ گیا، البتہ جو ہدایت کو درخور اعتناء نہیں سمجھے گا، اور اللہ کی باتوں کو جھٹلائے گا وہ جہنم کے کھڈے میں گرے گا، اور وہاں ہمیشہ رہے گا (نعوذ باللہ منها)

﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا، فَاٰمَّا يٰۤاٰتِيۡنٰكُمْ فَبِئْسَ الْهُدٰى فَمَنْ يَّبِعْ هٰذَاى فَاَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِآٰتِيۡنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾﴾

ترجمہ: ہم نے کہا: سبھی جنت سے نیچے اترو! پھر اگر تمہیں میری طرف سے ہدایت پہنچے: تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، پس ان پر نہ کوئی ڈر ہوگا نہ وہ غم گیس ہو گئے، اور جو انکار کرے گا اور ہماری باتوں کو جھٹلائے گا تو وہ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

بنی اسرائیل (یہود) کا تذکرہ

رابطہ عام (۱): سورۃ البقرۃ قرآن کریم کی حقانیت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر ضمنی مضامین بیان ہوئے ہیں،

اب بنی اسرائیل (یہود و نصاری) کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، ان کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، یہود مدینہ شریف میں معاشی اور مذہبی حیثیت سے غالب تھے، مشرکین ان کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، اس لئے اگر وہ ایمان لاتے تو مشرکین ان کی پیروی کرتے۔

رابطہ عام (۲): توحید کی دلیل میں (آیت ۲۱ میں) فرمایا ہے کہ اللہ نے موجودہ لوگوں کو اور پہلے والوں کو پیدا کیا، پہلے لوگوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں، ان کا تذکرہ ہو گیا، اب زمانی ترتیب سے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ آنا چاہئے، مگر ان کی امت دعوت تو ہلاک ہوئی اور امت اجابت کی نسل نہیں چلی، صرف آپ کے تین بیٹوں کی نسل چلی، اس لئے وہ قابل لحاظ نہیں۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا نمبر آتا ہے، آپ کے آٹھ صاحبزادے تھے (تقصیر القرآن سید ہاروی) پلوٹھے (سب سے بڑے) حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، ان کی نسل جزیرۃ العرب میں پھیلی، اور ان میں حضرت خاتم النبیین ﷺ مبعوث ہوئے، دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، پھر ان کے نامور صاحبزادے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، ان کا لقب اسرائیل تھا، اس کے معنی ہیں عبد اللہ (اللہ کا بندہ) پھر ان کے بارہ بیٹے ہوئے، ان کی نسل بنی اسرائیل کہلائی، ان میں یوسف علیہ السلام سے چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے، آخر میں عیسیٰ علیہ السلام آئے، اس لئے وہ خاتم انبیائے بنی اسرائیل کہلاتے ہیں، ان کے چھ سو سال بعد بنی اسماعیل میں نبی ﷺ مبعوث ہوئے۔

جاننا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ ایک ملت ہیں، دونوں نسلی اور قومی مذاہب ہیں، سورۃ الصف میں اس کی صراحت ہے، اس لئے اب جو بنی اسرائیل کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے: اس میں دونوں شامل ہیں، دونوں کو ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے، ایک رکوع تک اجمالی تذکرہ ہے، پھر اگلے رکوع سے تفصیلی تذکرہ شروع ہوگا، جو (آیت ۱۲۳) تک چلے گا، پھر ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہوگا، اور تقدیم و تاخیر کسی مصلحت سے کی ہے۔

رابطہ خاص: آدم علیہ السلام کو جب خلیفہ بنا کر زمین پر اتارا تو ان کو آگاہ کیا تھا کہ میں پیچھے سے ہدایت (راہ نمائی) بھیجوں گا، جو اس کی پیروی کرے گا وہ بے خوف و خطر اپنے اس وطن جنت میں واپس آئے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے سو سے زیادہ کتابیں نازل فرمائیں، ان میں اہمیت کے اعتبار سے پہلا نمبر قرآن کا ہے، کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے، اور وہ اللہ کی آخری کتاب ہے، پھر تو رات کا نمبر ہے، اس کے ماننے والے (یہود) مدینہ میں بڑی تعداد میں تھے، اس لئے اب ان کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، یوں بنی اسرائیل (یہود و نصاری) کا تذکرہ شروع ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِي الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ
وَآيٰتِيْ فَارْهَبُوْنَ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرِيْهِ
وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۝ وَاٰيٰتِيْ فَاتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَلِيْسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ
وَتَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاَتُوا الزَّكٰوةَ وَاذْكُرُوْا مَعَ
الرُّكْعِيْنَ ۝ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۝ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاَسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۝ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنْهُمْ مُّسْلِقُوْنَ رَبِّهِمْ وَاَنْتُمْ اِلَيْهِ لٰجِعُوْنَ ۝

یٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِيْلُ	اے بیٹو	فَارْهَبُوْنَ ^(۱)	پس ڈرو تم	بِآيٰتِيْ	میری آیتوں کے بدل
اَذْكُرُوْا	یاد کرو	وَ اٰمِنُوْا	اور ایمان لاؤ	ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت (پونجی)
نِعْمَتِيْ ^(۲)	میرا احسان	بِجَا	اس کتاب پر جو	وَ اٰيٰتِيْ	اور مجھی سے
الَّتِي	جو	اَنْزَلْتُ	اتاری میں نے	فَاتَّقُوْنَ	پس پوری طرح ڈرو
اَنْعَمْتُ	کیا میں نے	مُصَدِّقًا ^(۳)	(جو) سچ بتلانے والی ہے	وَلَا تَلِيْسُوْا	اور غلط ملک مت کرو
عَلَيْكُمْ	تم پر	لِيَا	اس کتاب کو جو	الْحَقَّ	حق کو
وَ اَوْفُوا	اور پورا کرو	مَعَكُمْ	تمہارے پاس ہے	بِالْبَاطِلِ	باطل کے ساتھ
بِعَهْدِيْ	میرا پکا وعدہ (عہد)	وَلَا تَكُوْنُوْا	اور نہ ہوؤ تم	وَتَكْتُمُوْا ^(۶)	اور چھپاؤ (مت)
اَوْفٍ	پورا کروں گا میں	اَوَّلَ ^(۵)	پہلے	الْحَقَّ	حق بات کو
بِعَهْدِكُمْ	تمہارا پکا وعدہ (عہد)	كٰفِرِيْهِ	انکار کرنے والے	وَ اَنْتُمْ	در انحالیکہ تم
وَ اٰيٰتِيْ	اور مجھی سے	بِهٖ	اس کے	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو
		وَلَا تَشْتَرُوْا	اور نہ خریدو	وَ اَقِيْمُوْا	اور اہتمام کرو

(۱) ابن کی جمع حالت نسبی میں بنین ہے، اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے (۲) النعمة: اللجنس، تُقال للقليل والکثیر (مفردات) (۳) رہبت: تقویٰ کا مقدمہ ہے (مظہری) (۴) مصدقاً: حال ہے انزلتہ کی ضمیر محذوف سے (۵) اول: خبر اور مضاف ہے۔ (۶) تکتّموا سے پہلے لائے نبی محذوف ہے۔

مگر	إِلَّا	در انحالیکہ تم	وَأَنْتُمْ	نماز کا	الصَّلَاةَ
عاجزی کرنے والوں پر	عَلَى الْخٰشِعِينَ	پڑھتے ہو	تَتَلَوْنَ	اور ادا کرو	وَأَتُوا
جو	الَّذِينَ	اللہ کی کتاب	الْكِتٰبَ	زکات	الزَّكٰوةَ
خیال کرتے ہیں	يَظُنُّونَ	کیا پس نہیں	أَفَلَا	اور رکوع کرو	وَأَذْكَعُوا
کہ وہ	أَنَّهُمْ	سمجھتے تم	تَعْقِلُونَ	رکوع کرنے والوں کے ساتھ	مَعَ التَّرٰكِعِينَ
ملنے والے ہیں	مُلْقُوا	اور مدد طلب کرو	وَأَسْتَعِينُوا	کیا تم حکم دیتے ہو	أَتَأْمُرُونَ
ان کے رب سے	لَتَصِحُّمَ	صبر (برداشت) سے	بِالصَّبْرِ	لوگوں کو	النَّاسَ
اور یہ کہ وہ	وَأَنَّهُمْ	اور نماز سے	وَالصَّلٰوةَ	نیکی کے کاموں کا	بِالْبَيِّنَاتِ
اس کی طرف	إِلَيْهِ	اور بے شک نماز	وَلِأَنَّهُمْ	اور بھول جاتے ہو	وَتَنسَوْنَ
لوٹنے والے ہیں	لِجَعْلُونَ	یقیناً بھاری ہے	لِكَبِيرَةٍ	خود کو	أَنفُسَكُمْ

بنی اسرائیل پر اللہ کے احسانات کا اجمالی تذکرہ

اور ان سے وفائے عہد کا مطالبہ

اللہ تعالیٰ پہلے یہود کو اپنے انعامات و احسانات یاد دلاتے ہیں، تاکہ ان کے لئے قرآن پر ایمان لانا آسان ہو، انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے، بھلا انسان احسان کی ناشکری نہیں کرتا، پھر وہ عہد و پیمان یاد دلا لیا ہے جو بندوں نے پروردگار سے باندھا ہے، اگر وہ عہد کی پابندی کریں اور ٹھیک سے حکم کی تعمیل کریں تو پروردگار ان کو نوازیں گے، پھر نصیحت کی ہے کہ اپنے عقیدت مندوں اور دنیوی مفادات سے مت ڈرو، مجھ سے ڈرو!

یہود پر اللہ کے احسانات: بے شمار ہیں، مثلاً: (۱) ان میں ہزاروں انبیاء بھیجے (۲) ان کو تورات وغیرہ کتابیں دیں (۳) ان کو فرعون کی غلامی سے نجات دی (۴) ان کے لئے من و سلویٰ اتارا (۵) ان کے لئے پتھر سے بارہ چشمے نکالے (۶) ان کو ملک شام میں بسایا (۷) ان کو اقوام عالم پر فضیلت (برتری) بخشی وغیرہ ان احسانات کا ذکر تفصیل سے اگلے رکوع سے شروع ہوگا۔

یہود سے عہد و پیمان: یہود سے تین مرتبہ اللہ نے عہد لیا ہے:

پہلی مرتبہ: عہدِ الست میں تمام انسانوں کے ساتھ یہود سے بھی ربوبیت والوہیت کا اقرار لیا ہے، اور جب انہوں نے اللہ کو رب مان لیا تو ان کے احکام کی پیروی ضروری ہے، اور ان کے احکام میں سے یہ بات ہے کہ وہ آخر میں مبعوث

ہونے والے پیغمبر پر اور ان کی کتاب پر ایمان لائیں۔

دوسری مرتبہ: بھی عہدِ است میں خاص انبیاء سے ایک عہد لیا ہے، یہ عہد انبیاء کے واسطے سے ان کی امتوں سے بھی لیا ہے، اس عہد کا ذکر سورۃ آل عمران (آیت ۸۱) میں ہے: ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ﴾ الآية: یعنی اللہ نے سبھی انبیاء سے عہد لیا کہ اگر تم میں سے کسی کو بھی نبوت اور حکمت سے سرفراز کیا جائے، پھر اس کی موجودگی میں نبی آخر الزماں مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائے، اور ان کی مدد کرے، سب انبیاء نے اس کا اقرار کیا، اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا: لو کان موسیٰ حیاً لَمَا وَسِعَهُ اِلا اَتَّبَعْنِي: آج اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری پیروی کے سوا چارہ نہیں تھا، پس اب جو ان کی امت ہے اس پر لازم ہے کہ وہ آخری نبی پر اور ان کی کتاب پر ایمان لائے، اور ان کی مدد کرے۔

تیسری مرتبہ: موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ یہود سے اس وقت عہد لیا جب ان کو فرعون کے عذاب سے نجات دی، اس کا ذکر سورۃ المائدہ (آیت ۱۲) میں ہے، اور یہ آیت اہم ہے، اس میں اللہ کے وعدہ کا بھی ذکر ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرٰءِئِيلَ، وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَرْتُمْهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهُ قَرْضًا حَسَنًا لَّا أَكْفِرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَا دَخَلْتَكُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۰﴾﴾

ترجمہ: اور اللہ نے بالتحقیق بنی اسرائیل سے عہد لیا، اور ہم نے ان پر بارہ سردار مقرر کئے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے، اور زکات دیتے رہو گے، اور میرے تمام رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے، اور ان کی مدد کرتے رہو گے، اور اللہ کو عمدہ قرض دیتے رہو گے، تو میں تم سے تمہارے گناہ ضرور دور کر دوں گا، اور تم کو ایسے باغوں میں ضرور داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، پھر جو شخص اس کے بعد انکار کرے گا تو وہ یقیناً راہِ راست سے دور جا پڑا! — یہی عہد و پیمانہ یہود کو یاد دلایا ہے۔

﴿يٰۤاِبْنِي إِسْرٰءِئِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ قَارِهٰۤيُوْنَ ﴿۱۰﴾﴾

ترجمہ: اے یعقوب کی اولاد! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے، اور مجھ سے کیا ہوا پکا وعدہ پورا کرو — یعنی آخری نبی اور ان کی کتاب پر ایمان لاؤ — میں بھی تم سے کیا ہوا پکا وعدہ پورا کروں گا — یعنی تمہارے گناہ معاف کروں گا اور جنت میں داخل کروں گا — اور صرف مجھ سے ڈرو! — یعنی ایمان لانے سے مفادات پر

زد پڑے تو اس کی فکر مت کرو، میرے احکام کی خلاف ورزی سے بچو!

یہود کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت

تمہید کے بعد اب صاف حکم دیتے ہیں کہ قرآن پر ایمان لاؤ، کیونکہ یہ بھی تورات کی طرح میری نازل کی ہوئی کتاب ہے، اور تمہیں اس کتاب سے وحشت نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ یہ تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہے، دونوں کی دعوت ایک ہے، دونوں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، اور اگر تم قرآن کا انکار کرو گے تو تم پہلے منکر ٹھہرو گے، کیونکہ عرب کے اسی (ناخواندہ) تمہاری پیروی کریں گے، پس ان کا گناہ بھی تمہارے نلمہ اعمال میں لکھا جائے گا، اور تورات میں آیات ہیں جن میں قرآن پر ایمان لانے کا حکم ہے، ان کو دنیوی مفادات سے مت بدلو، اور پوری طرح مجھ سے ڈرو!

﴿وَأْمُرُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أُولَٰ كَافِرِينَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا زَوَايَايَ

فَاتَّقُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے اتاری، جو سچا بتلانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے، اور تم

سب سے پہلے اس کے منکر مت بنو، اور تم میرے ارشادات کے بدل حقیر معاوضہ مت لو، اور خاص مجھ سے پوری طرح ڈرو!

خود غرض احکام شرعیہ میں دو طرح تبدیلی کرتے ہیں

ایک: اگر قابو چلے تو اس کو ظاہر ہی نہیں ہونے دیتے، یہ کتمان ہے۔

دوم: اگر نہ چھپ سکے، ظاہر ہو ہی جائے تو اس میں خلط ملط کرتے ہیں، سہو کا تب تلاتے ہیں، مجاز کا بہانہ بناتے

ہیں یا محذوف و مقدر نکال دیتے ہیں، یہ لیس ہے، حق تعالیٰ نے دونوں سے منع فرمایا ہے (بیان القرآن)

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور تم حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط مت کرو، اور حق کو مت چھپاؤ، درنحالیہ تم جانتے (بھی) ہو — پس

بھول چوک نکل گئی!

ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں

بنیادی اعمال دو ہیں: بدنی عبادت نماز ہے، اور مالی عبادت زکات ہے، یہ دونوں عبادتیں یہود کی شریعت میں بھی

تھیں، سورۃ المائدہ کی (آیت ۱۲) میں اس کی صراحت ہے، یہ آیت ابھی گزری ہے، اس لئے حکم دیتے ہیں کہ ایمان لا کر

اسلامی طریقہ پر نماز پڑھو، اسلام میں نماز باجماعت ہے اور اس میں رکوع ہے، یہود کی نماز میں رکوع نہیں تھا، اس سے نماز

اور جماعت کی اہمیت واضح ہوتی ہے، آج مسلمان بھی نماز نہیں پڑھتا یا باجماعت نہیں پڑھتا اور زکات سے غافل ہے، اور نجاتِ اولیٰ کی امید رکھتا ہے، فَاِذَا لَلْعَجَبِ! ہائے تعجب!

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكُعُوا مَعَ الرَّكْعِينَ﴾

ترجمہ: اور نماز کا اہتمام کرو — یعنی فرائض و شرائط کے ساتھ پابندی سے نماز پڑھو، اس سے حب جاہ کم ہوگی — اور زکات دو — اس سے حب مال کم ہوگی، یہود کی یہی دو بڑی بیماریاں تھیں — اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو — یعنی اسلامی طریقہ پر باجماعت نماز پڑھو!

عالم بے عمل کو ڈانٹ!

علمائے بنی اسرائیل کے بعض اقارب مسلمان ہو چکے تھے، ان سے جب دین و مذہب کی گفتگو آتی تو کہتے: اسلام سچا مذہب ہے، ہم کسی مصلحت سے اس کو قبول نہیں کر رہے، تم اس پر جیسے رہو، اللہ تعالیٰ ایسے عالموں کو ڈانٹتے ہیں:

﴿أَنَّا مُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾

ترجمہ: کیا تم لوگوں کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو، دراصل ایک تم اللہ کی کتاب پڑھتے ہو — اس میں بار بار ایسے علماء کی مذمت آئی ہے — کیا پس تم سمجھتے نہیں! — کیا سر بھیجے سے خالی ہو گیا ہے! مسئلہ: اس سے یہ نہیں نکلتا کہ بے عمل کو واعظ بننا جائز نہیں، بلکہ یہ نکلتا ہے کہ واعظ کو بے عمل بننا جائز نہیں (بیان القرآن)

حب جاہ اور حب مال کا علاج

دو بری خصلتیں یہود کو ایمان نہیں لانے دیتی تھیں: ایک: مال کی محبت، دوسری: جاہ و مرتبہ کی محبت، انہیں دو سے حسد پیدا ہو گیا تھا، جو ایمان لانے میں رکاوٹ بن رہا تھا، اب دونوں بیماریوں کا علاج بتاتے ہیں، صبر (برداشت) سے مال کی محبت جائے گی، اور نماز سے حب جاہ کم ہوگی، مگر شرط یہ ہے کہ نماز حضور دل سے پڑھے، اور یہ بات کچھ آسان نہیں، البتہ جن بندوں میں تین باتیں ہوں ان پر کچھ بھاری نہیں: ایک: دل میں اللہ کی عظمت ہو، دوم: اللہ سے ملنے کی آرزو ہو، سوم: قیامت کے دن کا ڈر ہو۔

﴿وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ، وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۗ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

ترجمہ: اور صبر اور نماز سے مدد لو — یعنی ایمان لا کر صبر و ہمت سے کام لو، آمدنی گھٹ جانے کی پرواہ مت کرو،

رفتہ رفتہ مال کی محبت ختم ہوگی، اور عاجزی کے ساتھ پابندی سے نماز پڑھو، آہستہ آہستہ بڑائی کا بھوت دماغ سے نکل جائے گا۔ اور (عاجزی اور پابندی کے ساتھ) نماز بے شک بھاری ہے، مگر جن کے دلوں میں اللہ کی عظمت ہے، جنہیں خیال ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں — خیال ہے: یعنی امید رکھتے ہیں — اور وہ اسی کی طرف جانے والے ہیں — یعنی ان کو اس کا بھی خیال ہے، یہ تین باتیں جمع ہوں تو نماز سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں۔

بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات کا تفصیلی تذکرہ

پہلے چند باتیں جان لیں:

۱- اسلاف پر انعام سے اخلاف کو بھی حصہ ملتا ہے: کیونکہ اس انعام کا کچھ نہ کچھ فائدہ اولاد کو بھی پہنچتا ہے، جیسے آدم علیہ السلام کو خلافتِ ارضی سے نوازا گیا تو یہ شرف ان کی اولاد کو بھی حاصل ہوا، بنی اسرائیل کے اسلاف پر اللہ نے جو احسانات کئے وہ زمانہ نبوی میں موجود یہود و نصاریٰ پر بھی ہونگے۔

۲- دینی فضائل اولاد کو اس وقت تک حاصل رہتے ہیں جب تک وہ دین پر باقی رہے، اولاد گمراہ ہو جائے یا بد عمل ہو جائے تو وہ فضائل باقی نہیں رہتے، جیسے آخری امت خیر امت ہے، یہ فضیلت انہی لوگوں کے لئے ہے جو صحابہ کے عقائد و اعمال پر ہیں، گمراہ فرقوں کے لئے اور عمل سے کورے مسلمانوں کے لئے یہ فضیلت نہیں، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔

۳- بنی اسرائیل جب تک دین حق پر تھے وہی اقوامِ عالم میں افضل تھے، پھر جب انہوں نے اختلاف کر کے دین ضائع کر دیا یا ان کا عمل بگڑ گیا تو ان کی برتری بھی ختم ہوگئی۔

۴- گذشتہ امتوں میں جب اختلافات ہوئے تو کوئی جماعت صحیح دین پر باقی نہیں رہی، اور اس امت میں اختلافات ہونگے تو ایک جماعت ہمیشہ دین حق کو مضبوط تھامے رہے گی، سب گمراہ نہیں ہو جائیں گے، ایک بہتر، بہتر اور تہتر فرقوں والی حدیث سے یہ بات واضح ہے۔

۵- ایک غلط فہمی لوگوں کو ہمیشہ ہوتی ہے کہ اولاد: آباء کے فضائل پر تکیہ کرتی ہے، بنی اسرائیل کو بھی یہ غلط فہمی ہوئی ہے، وہ کہتے ہیں: ہم جو کچھ بھی کریں ہمیں عذاب نہیں ہوگا، ہمارے اسلاف ہمیں بخشوا لیں گے، یہی غلط فہمی آج بزرگوں کی اولاد کو ہوتی ہے، وہ اپنے اسلاف کے فضائل کو اپنا استحقاق سمجھتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾
وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ

مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۱۰﴾

اس کی طرف سے	مِنْهَا	جہانوں پر	عَلَى الْعَالَمِينَ	اے اولادِ یعقوب!	يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ
کوئی سفارش	شَفَاعَةٌ	اور ڈرو	وَاتَّقُوا	یاد کرو	اٰذْكُرُوْا
اور نہیں لیا جائے گا	وَلَا يُؤْخَذُ	اس دن سے	يَوْمًا	میرے احسانات	نِعْمَتِي
اس کی طرف سے	مِنْهَا	(کہ) کام نہیں آئے گا	لَا تَجْزِي	جو	الَّتِي
کوئی بدلہ	عَدْلٌ	کوئی شخص	نَفْسٌ	کئے میں نے	اَنْعَمْتُ
اور نہ وہ	وَلَا هُمْ	دوسرے شخص کے	عَنْ نَفْسٍ	تم پر	عَلَيْكُمْ
مدد کئے جائیں گے	يُنْصَرُونَ	کچھ بھی	شَيْئًا	اور بے شک میں نے	وَآتِي
❁	❁	اور نہیں قبول کی جائے گی	وَلَا يُقْبَلُ	برتری بخشی تم کو	فَضَلْتُكُمْ

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اہل زمانہ پر برتری بخشی!

پہلی آیت میں پہلے تمہید لوٹائی ہے، پھر بنی اسرائیل پر اللہ کے سب سے بڑے احسان کا ذکر ہے، پھر دوسری آیت میں یہودی ایک غلط فہمی دور کی ہے، ارشاد فرماتے ہیں: تم پر میرے جو انعامات ہیں ان کو یاد کرو، خاص طور پر میرا یہ احسان کہ میں نے تم کو دینی اعتبار سے اقوامِ عالم پر برتری بخشی، موسیٰ علیہ السلام تم میں مبعوث ہوئے، ان کو میں نے اپنی کتاب تورات عنایت فرمائی، اور جب تک تم میرے دین کو پکڑے رہے اقوامِ عالم پر چھائے رہے۔

پھر بعد میں تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، تم نے سمجھ لیا کہ یہ فضیلت بنی اسرائیل کی میراث ہے، وہ چاہے کچھ کریں بخشے بخشائے ہیں، اور تم نے کہنا شروع کیا: ﴿نَحْنُ اَبْنُوْا اللّٰهَ وَاَحِبَّاؤُكُمْ﴾ (یہود و نصاریٰ) نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں! [المائدہ ۱۸] بیٹوں کو باپ کہاں سزا دیتا ہے؟ اور دلارا تو لا ڈلا ہوتا ہے! حالانکہ تمہیں بھی قیامت کے دن بدکرداریوں کی سزا ملے گی، اور قیامت کا دن ایسا سخت دن ہے کہ کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، نہ اس دن سفارش چلے گی، نہ کسی سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کوئی لڑ جھگڑ کر چھڑا سکے گا، اس دن سے ڈرو، اور خناس دماغ سے نکالو! فائدہ: کوئی کسی بلا میں پھنستا ہے تو اس کے رفیق تین طرح سے اس کی مدد کرتے ہیں: (۱) سفارش کر کے چھڑاتے ہیں (۲) تاوان (جرمانہ) بھر کر بچاتے ہیں (۳) ہاتھ پائی سے مدد کرتے ہیں، پہلے ﴿لَا يُغْنِي﴾ میں عام نفی کی کہ کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، پھر باقی تین صورتوں کی بالترتیب نفی کی۔

آیات پاک کا ترجمہ: — اے بنی اسرائیل! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے (یہ تمہید لوٹائی ہے) اور بلاشبہ میں نے تم کو (دینی اعتبار سے) جہانوں پر — یعنی اقوامِ عالم — پر برتری بخشی! — پھر تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، تم نے اس فضیلت کو اپنا ذاتی کمال سمجھ لیا، اور قیامت کے محاسبہ سے بے خوف ہو گئے، پس سنو! — اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص دوسرے شخص کے کچھ کام نہیں آئے گا — یہ عام فہمی ہے — اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ لیا جائے گا، اور نہ وہ (کسی اور طرح) مدد کئے جائیں گے — پس اس ہولناک دن سے بچنے کے لئے قرآن پر ایمان لاؤ، اور اس کے مطابق عمل کرو۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿١٠﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿١١﴾ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّن بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٤﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِيكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٥﴾

اور (یاد کرو) جب	یَسُومُونَكُمْ ^(۲)	چکھاتے ہیں وہ تم کو	اور زندہ رہنے دیتے ہیں
نجات دی ہم نے تم کو	سُوءَ الْعَذَابِ	براعذاب	تمہاری عورتوں کو
لوگوں سے	يُدَبِّحُونَ	ذبح کرتے ہیں	اور اس میں
فرعون کے	أَبْنَاءَكُمْ	تمہارے بیٹوں کو	آزمائش ہے
	وَيَسْتَحْيُونَ		
	نِسَاءَكُمْ ^(۳)		
	وَفِي ذَلِكُمْ		
	بَلَاءٌ ^(۴)		
	مِّن رَّبِّكُمْ		
	عَظِيمٌ		

(۱) اذ: طرف کا عامل اذکر محذوف ہے (۲) یسومونکم: کا ترجمہ جلا لین میں یدبقونکم کیا ہے، سَامَ الْإِنْسَانَ ذُلًّا: کا ترجمہ ہے: کسی کے ساتھ ذلت و حقارت کا برتاؤ کرنا (۳) نساء کم: ما یؤل کے اعتبار سے کہا ہے، لڑکیاں بڑی ہو کر عورتیں بنیں گی (۴) ذلکم: ضمیر کے مرجع کی طرح مشا الیہ بھی اقرب ہوتا ہے۔

ظلم کیا	ظَلَمْتُمْ	اپنا نقصان کرنے والے تھے	ظَلِمُونَ	تمہارے رب کی طرف سے	مَنْ زَيَّنَّكُمْ
اپنی ذاتوں پر	أَنْفُسَكُمْ	پھر درگزر کیا ہم نے	ثُمَّ عَفَوْنَا	بڑی (بھاری)	عَظِيمٌ
تمہارے بنانے کی وجہ سے	يَاخْتَاذِكُمْ	تم سے	عَنْكُمْ	اور (یاد کرو) جب	وَأَذ
پھڑکا	الْعِجْلِ	بعد	مِنْ بَعْدِ	پھاڑا ہم نے	فَرَقْنَا
پس متوجہ ہوؤ	فَتَوَبُّوْا	اس کے	ذَلِكَ	تمہاری وجہ سے	بِكُمْ
تمہارے پیدا کرنے	إِلَىٰ بَارِيكُمْ	تا کہ تم	لَعَلَّكُمْ	سمندر کو	الْبَحْرِ
والے کی طرف	فَاثْبُتُوا	احسان مانو	تَشْكُرُونَ	پس نجات دی ہم نے تم کو	فَأَجْبِدْنَكُمْ
پس مار ڈالو	أَنْفُسَكُمْ	اور (یاد کرو) جب	وَأَذ	اور ڈبا دیا ہم نے	وَاعْرَفْنَا
اپنے لوگوں کو	ذُلِّكُمْ	دی ہم نے	أَتَيْنَا	فرعون کے لوگوں کو	الْفِرْعَوْنَ
یہ بات	خَيْرٌ لَّكُمْ	موسیٰ کو	مُوسَىٰ	در انحالیکہ تم	وَأَنْتُمْ
بہتر ہے تمہارے لئے	عِنْدَ بَارِيكُمْ	تورات	الْكِتَابِ	دیکھ رہے تھے	تَنْظُرُونَ
تمہارے پیدا کرنے	فَتَابَ	اور فیصلہ کن کتاب	وَالْفُرْقَانَ	اور (یاد کرو) جب	وَأَذ
والے کے پاس	عَلَيْكُمْ	تا کہ تم	لَعَلَّكُمْ	وعدہ کیا ہم نے	وَعَدْنَا
پس توجہ فرمائی اس نے	إِنَّكَ هُوَ	راہ پاؤ	تَهْتَدُونَ	موسیٰ سے	مُوسَىٰ
تمہاری طرف	التَّوَابِ	اور (یاد کرو) جب	وَأَذ	چالیس راتوں کا	الرَّابِعِينَ لَيْلَةً
بے شک وہی	الْتَّوَابِ	کہا موسیٰ نے	قَالَ مُوسَىٰ	پھر بنا لیا تم نے	ثُمَّ أَخَذْنَا
بڑی توجہ فرمانے والے	الْتَّوَابِ	اپنی قوم سے	لِقَوْمِهِ	پھڑکا	الْعِجْلِ
بڑے رحم کرنے والے	الْتَّوَابِ	اے میری قوم!	يَقْوَمِ	موسیٰ کے بعد	مِنْ بَعْدِهِ
ہیں	الْتَّوَابِ	بے شک تم نے	إِنَّكُمْ	در انحالیکہ تم	وَأَنْتُمْ

۲- فرعون کی بلا خیزی سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی

فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر نجومیوں نے یہ دی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا، جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت جائے گی، فرعون نے فوراً حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو ذبح کر دیا جائے، اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے تا کہ وہ بڑی ہو کر ماگری (خدمت گاری) کریں، اسی سال موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، اور

اللہ کی حفاظت میں فرعون ہی کے گھر میں پلے بڑھے، پھر نجومیوں نے جو مدت مقرر کی تھی اس کے بعد قتلِ اولاد کا سلسلہ رک گیا، مگر ایک سال میں سینکڑوں لڑکے بے گناہ قتل کر دیئے گئے، یہ بنی اسرائیل کی سخت آزمائش تھی، امتحان جیسے خوش حالی سے ہوتا ہے بد حالی سے بھی ہوتا ہے، بہر حال اللہ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی اس بلا خیزی (مصیبت) سے نجات بخشی، یہ بنی اسرائیل پر اللہ کا بہت بڑا احسان تھا۔

﴿وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُدَبُّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْبِبُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۸۴﴾﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے — پوس سے — نجات دی، وہ تمہیں سخت عذاب چکھاتے تھے: تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے — یہی سخت عذاب ہے — اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑا امتحان تھا!

۳- سمندر پھٹا، بنی اسرائیل پارا تر گئے، اور فرعون کا لشکر ڈوبا!

اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے، کنعان کا ارادہ تھا، مگر راستہ بھول کر بحر احمر کے کنارے پہنچ گئے، پیچھے سے فرعون کا ٹھانٹا مارنا لشکر آ پہنچا، موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکم الہی سمندر پر لٹھی ماری، پانی پھٹ گیا، اور بارہ راستے نکل آئے، سب بنی اسرائیل بخیریت پارا تر گئے، اور پانی رکا رہا، فرعون نے اپنے لشکر سے کہا: ”پانی میرے حکم سے رکا ہوا ہے، تاکہ میں ان بھگوڑوں کو پکڑوں، ڈالوں سمندر میں گھوڑے!“ جب لشکر منجد دھار میں پہنچا موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکم الہی پھر پانی پر لٹھی ماری تو پانی مل گیا، اور فرعون کا لشکر مع فرعون لقمہ اجل بن گیا، بنی اسرائیل دوسرے کنارے سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، اس طرح بنی اسرائیل دشمن کی گرفت سے بچ گئے، سوچو! یہ کتنا بڑا احسان ہے، اگر بنی اسرائیل فرعون کے ہتھے چڑھ جاتے تو وہ تڑپا تڑپا کر مارتا!

﴿وَإِذْ قَرَّبْنَا بِلْحْمِ الْبَيْحَرِ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۸۵﴾﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑا، پس تمہیں نجات دی، اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا در انحالیکہ تم یہ منظر دیکھ رہے تھے!

۴- بنی اسرائیل نے مصریوں جیسا شرک کیا، مگر اللہ نے ان کو معاف کیا

مصری گائے کو پوجتے تھے، بنی اسرائیل نے بھی پچھڑے کو پوجا، مگر اللہ نے ان کو مختصر سزا دے کر معاف کیا، سب کو

ہلاک نہیں کیا، یہ ان پر اللہ کا ایک احسان تھا، تاکہ وہ ممنون احسان ہوں، اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل سمندر سے پار اترے، اور وادی سینا میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلایا، تاکہ ان کو تورات عنایت فرمائیں، موسیٰ علیہ السلام قوم کو ہارون علیہ السلام کے حوالے کر کے جلدی طور پر چلے گئے، پیچھے سامری نے زیورات سے بچھڑا ڈھالا، اس ڈھانچہ میں سے گائے کی آواز آتی تھی، بنی اسرائیل اس پر فریفتہ ہو گئے، اور اس کو خدا بنا کر پوجنے لگے، یہ انھوں نے وہی حرکت کی جو فرعون کے لوگ کرتے تھے، مگر اللہ نے ان کو مختصر سزا دے کر معاف کیا، سب کو تباہ نہیں کیا، یہ ان پر اللہ کا احسان تھا۔

﴿وَأَذِّنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۝ ثُمَّ عَقَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے اور موسیٰ نے ایک دوسرے سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا — یعنی موسیٰ علیہ السلام کو ہر طور پر آ کر چالیس دن اعتکاف کریں تو انہیں تورات دی جائے گی — پھر تم نے ان کے بعد — یعنی ان کے طور پر جانے کے بعد — بچھڑے کو معبود بنا لیا، درنحالیکہ تم حق تلفی کرنے والے تھے — ظلم کے معنی ہیں: حق تلفی کرنا، کسی کا حق مارنا۔ عبادت اللہ کا حق ہے، پس غیر اللہ کی عبادت کرنا اللہ کی بہت بڑی حق تلفی ہے — پھر اس کے بعد — یعنی شرک کا ارتکاب کرنے کے بعد — ہم نے تم کو معاف کیا، تاکہ تم ممنون احسان ہوؤ!

۵۔ بنی اسرائیل کو حق ناحق میں امتیاز کرنے والی کتاب تورات عنایت فرمائی

اللہ کی ہر کتاب فرقان ہوتی ہے، ہر کتاب حق کو ناحق سے جدا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے بنی اسرائیل کو تورات عنایت فرمائی، جو فرقان تھی، اللہ کی کتابوں میں قرآن کریم کے بعد تورات ہی کا نمبر ہے، یہ کتاب اس لئے عنایت فرمائی کہ بنی اسرائیل اس سے راہ نمائی حاصل کریں، پس یہ بھی ایک عظیم احسان ہے۔

سوال: تورات کا ذکر تو ﴿وَأَذِّنَا مُوسَىٰ﴾ میں آ گیا، پھر اس کو دوبارہ کیوں ذکر کیا؟

جواب: قرآن کریم کبھی واقعہ کو تقسیم کرتا ہے، اور کبھی واقعہ کے اجزاء کو مقدم و مؤخر کرتا ہے، اول کو آخر اور آخر کو اول کرتا ہے، اور وہ ایسا امتنان کو مستقل کرنے کے لئے کرتا ہے، ایک واقعہ میں دو احسان ہوتے ہیں، اگر واقعہ مسلسل بیان کیا جائے تو ایک احسان معلوم ہوگا، یہاں بھی تورات عنایت فرمانے کو مستقل انعام کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔

﴿وَأَذِّنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب اور حق و باطل کو جدا کرنے والی کتاب دی، تاکہ تم راہ

۶- کچھ گوسالہ پرستوں کو قتل کرنے کے بعد باقی لوگوں کو معاف کیا

موسیٰ علیہ السلام طور پر جاتے ہوئے ہارون علیہ السلام کو یہ ذمہ داری سونپ گئے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر طور پر پہنچیں، مگر پیچھے سامری نے زیورات سے بچھڑا ڈھالا، کچھ لوگ اس کو خدا مان کر پوجنے لگے، اکثر لوگ دین پر جمے رہے، مگر انھوں نے مدامت سے کام لیا، نہ تو گمراہوں سے جہاد کیا نہ ان کا بائیکاٹ کیا، نہ ان سے جدا ہوئے، یہ ان کا قصور تھا، کیونکہ اصلاح حال کی کوشش کے بعد آدمی معذور ہوتا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام لوٹے تو قوم سے کہا: تم نے بچھڑا بنا کر غضب ڈھایا، مگر توبہ کا دروازہ کھلا ہے، توبہ کرو! اور جنھوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا وہ پوجنے والوں کو قتل کریں، یہ ان کے ارتداد کی سزا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ارتداد کی یہی سزا تھی، چنانچہ مرتدین قتل کئے جانے لگے، جب کچھ لوگ قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا، یہ اللہ کا ان پر احسان تھا۔

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَأَنْفُسِكُمْ بِالتَّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُؤْتُوا إِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاتَّقُوا أَنفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بلاشبہ تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا، پس تم اپنے خالق تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگو، اور اپنے لوگوں کو (مرتدین کو) قتل کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے خالق تعالیٰ کے نزدیک، چنانچہ ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہی بہت معاف کرنے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ
تَنْظُرُونَ ﴿٥٠﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥١﴾ وَظَلَلْنَا عَلَيْكُمْ
الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَىٰ كُلُّوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ
كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ
رَغَدًا وَأَدْخِلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتِكُمْ وَسَتَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٣﴾
فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا
مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٤﴾

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ كَلِمَةً حَتَّىٰ تَرَءَ اللَّهَ جَهْدَةً ^(۱) فَأَخَذْنَاكَ مِنَ الصُّعْقَةِ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ وَظَلَلْنَا	اور (یاد کرو) جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہیں کریں گے آپ (کی بات) کا یہاں تک کہ دیکھیں ہم اللہ کو عیاں (رو برو) پس پکڑا تمہیں کڑک نے در انحالیکہ تم دیکھ رہے تھے پھر اٹھایا ہم نے تم کو تمہاری موت کے بعد تاکہ تم شکر بجالاد اور سایہ فگن کیا ہم نے	عَلَيْكُمْ الْعَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ الْمَنَّ ^(۲) كَلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا	تم پر بادل کو اور اتارا ہم نے تم پر من اور سلوی (بٹیریں) کھاؤ تم ان ستھری چیزوں سے جو روزی دی ہم نے تم کو اور نہیں نقصان کیا انھوں نے ہمارا بلکہ تھے وہ اپنی ذاتوں کا نقصان کرتے اور (یاد کرو) جب کہا ہم نے داخل ہوؤ	هَذِهِ الْقَرْيَةُ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا ^(۳) وَأَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ^(۴) وَقُولُوا حِطَّةً ^(۵) نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ قَبَدًا ^(۶) الَّذِينَ	اس بستی میں پس کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو با فراغت اور داخل ہوؤ دروازے میں عاجزی کرتے ہوئے اور کہو توبہ! توبہ! بخشیں گے ہم تمہارے لئے تمہارے قصور اور ابھی زیادہ دیں گے ہم نیکو کاروں کو پس بدل دیا ان لوگوں نے جنھوں نے
---	---	---	--	---	---

(۱) جہرۃ: باب فتح کا مصدر ہے: آشکارا، رو برو، کھلم کھلا (۲) مَنَّ: بخشنی گوئد، جو وادی تہ میں اسرائیلیوں کے کھانے کے لئے درختوں کے پتوں پر جم جاتا تھا، اسم ہے (۳) سلوی: بٹیر، تیز کی قسم کا ایک چھوٹا پرندہ، اسم جنس ہے (۴) رغداً: ابھی آیت ۳۵ میں گذرا۔ (۵) سجداً: ادخلوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے، اور معروف سجدہ مراد نہیں، بحالت سجدہ داخل ہونا ممکن نہیں، بلکہ جھکتے ہوئے، عاجزی کرتے ہوئے داخل ہونا مراد ہے، جیسے آدم علیہ السلام کے واقعہ میں سرینڈر کرنا مراد ہے۔ (۶) حطۃ: کے معنی میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک: اترنے کی ہیئت کا نام ہے، حط سے مشتق ہے، جس کے معنی: بلندی سے اترنے کے ہیں (۷) بدّل کے دو مفعول ہوتے ہیں، اور دونوں حرف جر کے بغیر بھی آتے ہیں۔

آسمان سے	مِنَ السَّمَاءِ	پس اتارا ہم نے	فَاَنْزَلْنَا	ظلم کیا	كَلَّمْنَا
بائیں وجہ کہ تھے وہ	بِمَا كَانُوا	ان پر جنھوں نے	عَلَى الَّذِينَ	بات کو	قَوْلًا ^(۱)
حداطاعت سے نکل	يَفْسُقُونَ	نقصان کیا	كَلَّمْنَا	اس کے علاوہ سے جو	غَيْرَ الَّذِي ^(۲)
جاتے		عذاب	رَجْرًا	کہی گئی تھی ان سے	قِيلَ لَهُمْ

۷۔ بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو ایک واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد زندہ کیا

بنی اسرائیل صاحبزادے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے، انھوں نے ہر چند نافرمانیاں کیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ہر بار ان پر احسان کیا، ان کے گناہوں کو معاف کیا، اور اپنا فضل ان کے شامل حال کیا۔ آئندہ چند واقعات میں یہ بات واضح ہوگی۔

واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہر طور سے تورات لے کر آئے، قوم سے کہا: اللہ نے یہ کتاب عنایت فرمائی ہے، اس پر عمل کرو، قوم کے نالائقوں نے کہا: ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے! آپ چالیس دن غائب رہے، ہو سکتا ہے آپ خود تصنیف کر لائے ہوں! موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آؤ! اللہ پاک سے کہلوادوں، لوگوں نے ستر آدمی منتخب کئے، انھوں نے اللہ کا کلام سنا، مگر کہنے لگے: ہم نے آواز سنی، مگر کون بولا یہ ہم نے نہیں جانا، اللہ پاک ہمارے روبرو آ کر فرمائیں تو ہم مانیں، اس گستاخی کی ان کو یہ سزا دی گئی کہ زور کی بجلی چمکی اور کڑا گرا، جس سے سب ہارٹ فیل ہو گئے اور بجلی ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور گری!

اب موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی: قوم کہے گی: تم نے خود کسی طرح ان کو ہلاک کیا، چنانچہ دعا فرمائی اور اللہ نے سب کو مرے پیچھے زندہ کیا، یہ اللہ کا بنی اسرائیل پر احسان تھا۔

﴿وَاذْقَلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ بِكَ حَتّٰى نَرٰى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاخَذْنَاكُمْ الصُّبْحَةَ وَانْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے — کہ جو کلام ہم نے سنا ہے وہ اللہ کا کلام ہے — تا آنکہ ہم اللہ کو کھلی آنکھوں دیکھ لیں — یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے روبرو آ کر فرمائیں کہ میں نے موسیٰ کو تورات دی ہے — پس کڑک نے تمہیں پکڑ لیا، اور تم دیکھتے رہ گئے! — پھر ہم نے تم کو زندہ کر دیا تمہارے مرنے کے لئے بعد تاکہ تم شکر بجالاؤ!

(۱) قولاً: مفعول اول ہے (۲) غیر الذی: مفعول ثانی ہے۔

۹۸- میدانِ تیبہ میں بنی اسرائیل پر بادل نے سایہ کیا، اور کھانے کے لئے اللہ نے من و سلوی اتارا

بنی اسرائیل کو چالیس سال کے لئے میدانِ تیبہ میں محصور کر دیا گیا تھا، وہاں ان کے خیمے پھٹ گئے اور دھوپ کی تپش ستانے لگی، اور کھانے کے بھی لالے پڑ گئے، تو اللہ نے ان پر کرم فرمایا، دن بھر بادل ان پر سایہ فلکن رہتا، اور کھانے کے لئے من و سلوی ملنے لگا، من: بیٹھا شبنمی گوند تھا جو پتوں پر جم جاتا تھا، اور سلوی: بئیریں (چھوٹے تیتڑ) پڑاؤ کے پاس جمع ہو جاتے، بنی اسرائیل حلوی کھاتے اور کباب کا لطف اٹھاتے، اللہ نے فرمایا: یہ لطیف و لذیذ غذا کھاؤ، مگر ضرورت سے زائد مت لو، یہ نعمتیں ہمیشہ تمہیں ملتی رہیں گی، مگر انہوں نے حرص سے ذخیرہ کیا تو گوشت سڑنے لگا، یہ انہوں نے اپنا نقصان کیا، پھر جب انہوں نے مسور، کلزی اور لہسن پیاز مانگی تو یہ نعمتیں بند ہو گئیں، یہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا، اور ہم نے تم پر من و سلوی اتارا، کھاؤ اس پاکیزہ روزی میں سے جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی، اور انہوں نے (حکم کی خلاف ورزی کر کے) ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ انہوں نے اپنے پیروں پر تیشہ زنی کی!

۱۰- اسارت کے زمانہ میں بنی اسرائیل کو ایک بستی میں جانے کی اجازت ملی

برطانیہ میں ہلکے قیدیوں کو سال میں ہفتہ دو ہفتہ کے لئے گھر جانے کی چھٹی ملتی ہے، بنی اسرائیل کو بھی میدانِ تیبہ کی اسارت کے زمانہ میں جب وہ من و سلوی کھاتے کھاتے اوب گئے تو ایک شہر میں جانے کی اجازت ملی، تاکہ وہاں جو چاہیں آسودہ ہو کر کھائیں، مگر ساتھ ہی حکم دیا کہ بستی میں عاجزی سے سر جھکاتے ہوئے داخل ہونا اور منہ سے توبہ توبہ پکارنا، ہم تمہاری خطائیں معاف کریں گے، اور نیکوکاروں کو اور نوازیں گے، مگر وہ ناہنجار سینہ تان کر گے ہوں گی ہوں! پکارتے داخل ہوئے، اس کی سزا میں ان پر پلگ مسلط کیا گیا، جس سے ایک دن میں ستر ہزار آدمی مر گئے!

﴿ وَلَاذُقْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتِكُمْ وَسَنُرِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۹﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے کہا — یعنی اجازت دی کہ — اس بستی میں جاؤ، اور وہاں سے جو چاہو

آسودہ ہو کر کھاؤ، اور دروازے میں سر جھکا کر — عاجزی اور تواضع سے — داخل ہوؤ، اور کہو: خطا معاف فرما! ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے، اور نیکوکاروں کو مزید نوازیں گے۔

پس ظالموں نے بات کو (یعنی حطۃ کو) بدلا اس کے علاوہ سے جس کا حکم دیا گیا تھا — یعنی حطۃ کے بجائے حنطۃ کہا — پس ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب اتار دیا!

فائدہ: بنی اسرائیل جب سمندر پار اترے، اور وادی سینا میں پہنچے، تو حکم ملا کہ اپنے آبائی وطن بیت المقدس کو جہاد کر کے فتح کرو، اور وہاں جا بسو، مگر وہ عمالقہ کا ڈیل ڈول دیکھ کر گھبرا گئے، اور جہاد کرنے سے صاف انکار کر دیا، اس کی سزا ان کو یہ ملی کہ چالیس سال کے لئے اس صحراء میں محصور کر دیئے گئے، یہ واقعہ اس اسارت کے زمانہ کا ہے، ابھی ان کو بیت المقدس جانا نصیب نہیں ہوا، وہ تو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد طالوت کے زمانہ میں جائیں گے۔ اس اسارت کے زمانہ میں بادل ان پر سایہ کرتا تھا، اور کھانے کے لئے من و سلوی ملتا تھا، مگر حکم تھا کہ وہ ذخیرہ نہ کریں، اور کوئی دوسری غذا طلب نہ کریں، مگر انہوں نے ذخیرہ کرنا شروع کیا، پس گوشت مرنے لگا، اور من و سلوی ملنا بند ہو گیا، یہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اور من و سلوی کی جگہ مسور اور بسن پیاز مانگی تو وہ بھی ان کو اسی بستی میں ملی، اس کا ذکر ایک آیت کے بعد آ رہا ہے، اس بستی کا نام علماء اریحائتاتے ہیں۔

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۶۰﴾

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۶۰﴾	اور (یاد کرو) جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پس کہا ہم نے مار	بِعَصَاكَ الْحَجَرَ (۱) فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا	اپنی لاشی فلاں پتھر پر پس بہہ پڑے اس سے بارہ چشمے	قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ	باتحقیق جانی سب لوگوں نے اپنی گھاٹ کھاؤ اور پیو روزی سے اللہ کی
---	---	---	---	--	---

(۱) الحجر: میں الف لام عہدی ہے، خاص پتھر مراد ہے۔

وَلَا تَعْتُوا ^(۱)	اور مت پھیلو	فِي الْأَرْضِ	زمین میں	مُفْسِدِينَ	فساد مچاتے
-------------------------------	--------------	---------------	----------	-------------	------------

۱۱- میدانِ تہ میں بنی اسرائیل کے لئے ایک پتھر سے بارہ چشمے نکلے

یہ قصہ بھی وادی تہ کا ہے، وہاں من و سلوی تو ملنے لگا، مگر پانی نہیں تھا، موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، حکم ملا کہ فلاں پتھر پر اپنی لاٹھی مارو، فوراً ہی بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے، سب نے ایک ایک چشمہ لے لیا، اور اللہ نے فرمایا: من و سلوی کھاؤ، اور چشموں کا پانی پیو، اور زمین میں اودھم مت مچاؤ، سکون سے رہو، جب آدمی شکم سیر اور سیراب ہوتا ہے تو شرارت سوجھتی ہے، اس لئے اس کی ممانعت کی۔

سوال: پتھر سے چشمے کیسے پھوٹے: پتھر میں پانی کہاں؟

جواب: اللہ کی قدرت از مزم کے کنویں میں پتھر سے چشمہ بہتا ہے، اور اتنا پانی نکلتا ہے کہ ایک دنیا سیراب ہوتی ہے، حجر اسود کی طرف سے تیز دھارا آتا ہے، مشین برابر پانی کھینچتی ہے، مگر لیول نیچے نہیں اترتا۔

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ

عَلِمَ كُلُّ أَنَابٍ مِّمَّ مَكُونًا وَأَشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا: فلاں پتھر پر اپنی لاٹھی مارو، پس اس سے

بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بالتحقیق سب لوگوں نے اپنی گھاٹ جان لی (اور ہم نے حکم دیا): اللہ کی روزی میں سے کھاؤ اور پیو،

اور زمین میں فساد مت مچاؤ!

واقعات کا رنگ و آہنگ بدلتا ہے!

اب تک بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کا ذکر تھا، ان میں سے بعض واقعات میں ان کی شوخی ظاہر ہوئی، مگر اس سے درگزر کیا گیا، اب ایسے واقعات ذکر فرماتے ہیں جو شرارت اور خباثت کے قبیل سے ہیں، ان میں بنی اسرائیل پر عتاب نازل ہوا، کیونکہ وہ سنگین معاملات تھے، جیسے:

۱- جن لوگوں نے اللہ کی نعمت من و سلوی کو ٹھکرایا، اور موسیٰ علیہ السلام سے ترکاری، گلزی، گیہوں، مسور اور پیاز مانگی،

ان پر ذلت و محتاجی کا ٹھپہ نہیں لگے گا تو اور کیا ہوگا!

۲- جنہوں نے اللہ کی کتاب تورات کو قبول کرنے سے انکار کیا، ان کے سروں پر پہاڑ کیوں معلق نہیں کیا جائے گا!

(۱) لَا تَعْتُوا: باب نصر اور مع سے عَفَا يَعْتُوا عَفْوًا: کے معنی ہیں: جسی فساد مچانا، اور باب مع سے عَفَى عَفِيًّا کے معنی ہیں: معنوی

فساد مچانا، یہاں دونوں مراد ہیں۔

۳۔ جنھوں نے یوم سبت کی بے حرمتی کی، اور حیلہ کر کے مچھلیاں پکڑیں، ان کو سوز بند رکیوں نہیں بنایا جائے گا!

شوخی اور گستاخی سے درگزر کیا جاسکتا ہے، شرارت اور خباثت کو معاف نہیں کیا جاسکتا!

ایک واقعہ: دارالعلوم دیوبند کے ایک سفیر تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے ان کا عقیدت کا تعلق تھا، وہ حضرت کے لئے لگھی لائے اور ایک استاذ کے کمرے میں رکھا، سفیر صاحب ان کے پاس ٹھہرتے تھے، سردی کا زمانہ تھا، استاذ نے اساتذہ کی کچھڑی کی دعوت کر دی اور وہ لگھی کھلا دیا، جب حضرت مدنی سفر سے لوٹے تو سفیر صاحب نے شکایت کی، حضرت نے فرمایا: ”آپ لگھی میرے لئے تو لائے تھے، میں نے اس کو مباح کر دیا“ وہ منہ تکتے رہ گئے۔

دوسرا واقعہ: دارالعلوم دیوبند کے ایک استاذ مجرد تھے، دل بہلانے کے لئے مرغیاں بکریاں پالتے تھے، طلبہ نے ان کا بکرا ذبح کر کے اساتذہ کی دعوت کر دی، بکرے کے مالک استاذ بھی دعوت میں تھے، جب بکرا نہیں ملا تو تحقیق ہوئی، معلوم ہوا کہ اسی بکرے کی طلبہ نے دعوت کی تھی، حضرت مدنی رحمہ اللہ ناظم تعلیمات اور صدر المدرسین تھے، استاذ نے ان کے یہاں طلبہ کی شکایت کی، حضرت نے طلبہ کو بلایا اور فرمایا: ”آپ حضرات نے ان کا بکرا بے اجازت ذبح کر کے کھالیا!“ طلبہ نے عرض کیا: ”حضرت! لگھی بھی اسی طرح کھالیا گیا تھا!“ حضرت مسکرائے اور فرمایا: ”حساب برابر ہو گیا!“ تیسرا واقعہ: طلبہ نے رات میں اعلان کیا کہ فلاں طالب علم کا انتقال ہو گیا، صبح جنازہ تیار کر کے احاطہ مولسری میں لائے، جب امام نے دو تکبیریں کہہ لیں تو مردہ اٹھ بیٹھا، بھگدڑ مچ گئی، بہت لوگ زخمی ہوئے، اس واقعہ میں ساٹھ طالب علموں کا اخراج ہوا، کیونکہ یہ شوخی نہیں تھی، شرارت اور خباثت تھی، دین کے ساتھ مذاق تھا، اس سے درگزر نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ
الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصْبَلًا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي
هُوَ أَذْيَبٌ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۗ اهْبُطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ وَصُرِبْتُمْ عَلَيْكُمْ
الذَّلِيلُ وَالْمَسْكِينَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ
الذِّبِينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ٥٠

وَإِذْ	اور (یا د کرو) جب	اے موسیٰ	علیٰ طَعَامٍ	کھانے پر
قُلْتُمْ	کہا تم نے	ہرگز صبر نہیں کریں گے ہم	وَاحِدٍ	ایک طرح کے

اللہ کے	قِنَ اللّٰهِ	اس چیز کو جو معمولی ہے	الَّذِي هُوَ اَذْنٰى	پس دعا کیجئے ہمارے لئے	فَاذْعُ لَنَا
یہ بات	ذٰلِكَ (۳)	اس چیز سے جو وہ بہتر ہے	بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ	اپنے رب سے	رَبِّكَ
بائیں وجہ ہے کہ وہ	بِاَنۡهُمۡ	اترو	اِهۡبِطُوۡا	نکالیں وہ ہمارے لئے	يُخَوِّجُهٗ لَنَا
انکار کیا کرتے تھے	كَانُوۡا يَكْفُرُوۡنَ	کسی شہر میں	مِصْرًا	اس میں سے جو	وَمِمَّا
اللہ کی نشانیوں کا	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	پس بے شک	فَاِنَّ	اگاتی ہے (اُس کو)	تُنۡبِئُ
اور خون کیا انھوں نے	وَيَقْتُلُوۡنَ	تمہارے لئے	لَكُمْ	زمین	الْاَرْضِ (۲)
نبیوں کا	النَّبِيِّۦنَ	وہ ہے جو مانگا تم نے	مِمَّا سَاَلْتُمۡ	اس کی ترکاری سے	مِنۡ بَقْلِهَا
ناحق	بِغَيۡرِ الْحَقِّ	اور ماری گئی	وَضُرِبَتۡ	اور اس کی کٹڑی سے	وَقِشَآئِهَا
یہ بات بائیں وجہ ہے کہ	ذٰلِكَ بِمَا (۳)	ان پر	عَلَيْهِمۡ	اور اس کے گیہوں سے	وَفُؤۡمِهَا
نافرمانی کی انھوں نے	عَصَوۡا	رسوائی	الدَّيۡلَةَ	اور اس کے مسور سے	وَعَدۡيَهَا
اور حد سے تجاوز کیا	وَكَانُوۡا	اور محتاجی (لا چاری)	وَالسُّكۡنَةَ	اور اس کی پیاز سے	وَبَصۡبِهَا
کرتے تھے وہ	يَعْتَدُوۡنَ	اور لوٹے وہ	وَبَاۡوُ	کہا (موسیٰ نے)	قَالَ
		غصہ کے ساتھ	بِغَضَبٍ	کیا بدل کر لینا چاہتے ہو تم	اَتَسْتَبۡدِلُوۡنَ

۱۔ بنی اسرائیل نے من و سلوی کو ٹھکرایا تو ان پر رسوائی اور محتاجی کا ٹھپہ لگ گیا!

اُس واقعہ میں جس کا ذکر ابھی ایک آیت پہلے آیا ہے کہ بنی اسرائیل کو اسارت کے زمانہ میں اریحانامی بستی میں جانے کی اجازت ملی، اس واقعہ میں انھوں نے من و سلوی کی نعمت کو بھی ٹھکرایا تھا، جب وہ میدان تیبہ میں من و سلوی کھاتے کھاتے اکتا گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے زمین میں ترکاری، کٹڑی، گیہوں، مسور اور پیاز اگائیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: عرش سے فرش پر بیٹھنا چاہتے ہو! بہتر کے بدل کم تر کو لینا چاہتے ہو! پہنچ جاؤ اس شہر میں، وہاں تمہیں یہ چیزیں مل جائیں گی، مگر اس ناقد رشناسی کے نتیجہ میں ان پر ذلت و رسوائی اور محتاجی اور لا چاری کا ٹھپہ لگ گیا اور اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہو گئے۔

(۱) اُس کو: اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف کا ترجمہ ہے (۲) مؤنث کی تمام ضمیریں الارض کی طرف لوٹی ہیں۔ (۳) ذلک: کا مشار الیہ غضب الہی ہے، ضمیر کے مرجع کی طرح اسم اشارہ کا مشار الیہ بھی اقرب ہوتا ہے (۴) دوبارہ ذلک بطور تقن لائے ہیں، اور یہ اللہ کی ناراضگی کی آخری وجہ ہے۔

اللہ کی ناراضگی میں تین اور باتوں کا بھی دخل تھا

من وسلوی کی نعمت کو ٹھکرانے کے علاوہ اللہ کی ناراضگی میں تین اور باتوں کا بھی دخل تھا:

ایک: اللہ کی آیتوں کا انکار! جب انھوں نے تورات کو قبول نہیں کیا تو پہاڑ کو ان پر اٹھانا پڑا۔

دوم: بے گناہ متعدد انبیاء کا قتل! یسعیاہ نبی کو، یرمیاہ نبی کو، زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کو قتل کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل

کا ارادہ کیا، جس میں وہ ناکام ہوئے۔

سوم: دیگر معاملات میں بھی حکم الہی قبول کرنے میں چوں چرا کرتے تھے، گائے ذبح کرنے کے معاملہ میں انھوں

نے بہت لیت و لعل کیا، اس طرح حد اطاعت سے نکلنے کی کوششیں کرتے تھے، بار بار مجھو اگر دن سے اتار پھینکتے تھے —

ان وجوہ سے اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہوئے۔

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثْمِتُ الْأَرْضُ مِنْ

بَقْلِهَا وَتَشَابِهَا وَفُومَهَا وَعَدَبِهَا وَيَصْبِهَا ۗ قَالَ أَتَسْتَبِدُّونَ النَّبِيَّ هُوَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِاللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لِّأَهْلِطُوا مَصْرًا

فَإِن لَّكُمْ مِمَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةُ وَالسُّكْنَةُ ۗ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ

بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، پس آپ ہمارے

لئے اپنے رب سے — ہمارے رب سے: نہیں کہا! — دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے وہ چیزیں پیدا کریں جو زمین

اگایا کرتی ہے، یعنی ترکاری، گلڑی، گیہوں، مسور اور پیاز، موسیٰ نے کہا: کیا تم بہتر غذا (من وسلوی) کو ان چیزوں سے

بدلنا چاہتے ہو جو معمولی ہیں؟ کسی شہر میں پہنچ جاؤ، وہاں تمہیں وہ چیزیں مل جائیں گی جو تم نے مانگی ہیں، اور ان پر رسوائی اور

بے کسی کا ٹھپہ لگا دیا گیا، اور ان پر اللہ پاک سخت ناراض ہوئے!

یہ سخت ناراضگی اس وجہ سے تھی کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ بات ان کے

نافرمانی کرنے اور حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّبِيَّانَ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ ﴿٥١﴾

ان کے رب کے پاس اور کوئی ڈر نہیں ان پر اور نہ وہ غم گین ہو گئے	عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ	اللہ پر اور آخری دن پر اور کیا اس نے نیک کام تو ان کے لئے ان کا بدلہ ہے	بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمَلٍ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ	بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی جو ایمان لایا	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصُّبْيَانَ مَنْ آمَنَ ^(۱)
--	---	--	---	---	---

آسمانی کتابیں ماننے والوں کے فضائل ایمان و عمل صالح کی حد تک ہیں

یہ اہم آیت ہے، اس میں بنی اسرائیل کی اور ساتھ ہی مسلمانوں کی ایک غلط فہمی دور کی ہے، اس آیت کو کا حقہ سمجھنے کے لئے پہلے تین باتیں عرض ہیں:

۱- کچھ لوگوں نے اس آیت سے وحدت ادیان پر استدلال کیا ہے، جو غلط ہے۔ وحدت ادیان کا مطلب ہے: آسمانی کتابیں ماننے والوں کا اگر اپنی ملت پر ایمان ہے اور اس کے مطابق عمل ہے تو وہ ناجی ہو گئے، نبی ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں، یہ خیال دلیل نقلی اور عقلی سے باطل ہے:

دلیل نقلی: مسلم شریف میں حدیث ہے: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ: يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يَزَلْ بِالذِّمَى أُرْسَلَتْ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ: اس ہستی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! موجودہ لوگوں میں سے کوئی بھی، یہودی ہو یا عیسائی: میری اطلاع ملنے کے بعد مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہیں لایا وہ جہنمی ہوگا (مسلم شریف، کتاب الایمان، باب ۷، حدیث ۲۴۰)

دلیل عقلی: امت کا اجماع ہے کہ سابقہ ادیان منسوخ ہیں، پس منسوخ پر ایمان و عمل سے نجات کیسے ہو سکتی ہے؟ اب بھی اگر اس سے نجات ہو تو نسخ کا فائدہ کیا؟

۲- آیت میں مسلمانوں کے ساتھ جن تین ملتوں کا ذکر ہے وہ تینوں بنی اسرائیل اور اہل کتاب ہیں، یہود و نصاریٰ کو تو سب جانتے ہیں: صابی زبور پڑھتے تھے، پس وہ بھی بنی اسرائیل اور اہل کتاب تھے، اب وہ نہیں رہے، اس لئے ان کا معاملہ مخفی ہو گیا، مشرکین ایمان لانے والے کو صابی کہتے تھے: وہ اسی معنی میں استعمال کرتے تھے کہ یہ شخص مورتی پوجا چھوڑ کر آسمانی کتاب کو ماننے لگا۔

(۱) مَنْ: موصولہ، مضمّن معنی شرط مبتدأ، فلهم خبر، پھر جملہ ان کی خبر۔

۳- سورۃ الحج میں ایک آیت (نمبر ۱۷) اس آیت سے ملتی جلتی ہے، اس میں مجوسی اور مشرکین کا بھی ذکر ہے، مگر اس آیت کا موضوع الگ ہے، اس کا موضوع ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾: اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کریں گے کہ کون صحیح تھا اور کون غلط؟ ابھی تو سب خود کو حق پر بتلاتے ہیں، پس وہ آیت اس آیت سے مختلف ہے، اس سے اشتباہ نہ ہو۔

اب زیر تفسیر آیت: کو سمجھیں، گذشتہ آیت میں بنی اسرائیل پر اللہ کی سخت ناراضگی کا ذکر ہے، یہاں کوئی سوال کر سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کو تو اللہ نے جہانوں (اقوامِ عالم) پر برتری بخشی ہے: پھر اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب اس آیت میں ہے کہ آسمانی کتابیں ماننے والے، خواہ مسلمان ہوں یا یہودی، عیسائی اور صابی: ان کی فضیلت ایمان صحیح اور عمل صالح کی حد تک ہے، جب تک ان کا اپنے نبی پر اور اس کے لائے ہوئے دین پر صحیح ایمان رہا، اور اس کے مطابق ان کا عمل بھی رہا: ان کو فضیلت حاصل رہی، پھر جب ان کا ایمان صحیح نہیں رہا یا عمل غلط ہو گیا یا وہ شریعت منسوخ ہو گئی تو اب ان کے لئے وہ فضیلت باقی نہیں رہی، اگر وہ اب بھی خیال کرتے ہیں کہ ان کی برتری نسلی ہے تو ان کا یہ خیال غلط ہے، اور یہ بات مسلمانوں کے لئے بھی ہے، وہ خیر امت ہیں، مگر ان کو یہ فضیلت ایمان صحیح اور عمل صالح کی حد تک حاصل ہے، جو فرقہ گمراہ ہو گئے اور جو مسلمان بد عمل ہو گئے، وہ ہرگز خیر امت نہیں، اور یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے (ان کا ارشاد حیات الصحابہ باب سوم میں ہے، اور رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۵۲ میں اس کی شرح ہے)

فائدہ: یہی بات مفسرین کرام نے: علیٰ اہل زمانہم کے ذریعہ سے سمجھائی ہے، ان کے زمانے کے لوگوں پر: یعنی جب تک ان کی شریعت باقی تھی، اور اس پر ان کا صحیح ایمان اور اس کے مطابق نیک عمل رہا وہ اقوامِ عالم پر چھائے رہے، نزول قرآن کے زمانہ کے اہل کتاب کے لئے یہ فضیلت نہیں، یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ جب تک ان کی اکثریت کا ایمان اور عمل صحیح رہا وہ دنیا پر چھائے رہے، اور جب ان میں گمراہی پھیلی اور اہل حق بھی بے عمل بلکہ بد عمل ہو گئے تو ان پر زوال آ گیا۔

آیت کریمہ کا ترجمہ: — بے شک جو لوگ (رسول اللہ ﷺ پر) ایمان لائے، اور جو لوگ یہودی ہوئے، اور عیسائی اور صابی (جو اپنے اپنے انبیاء پر ایمان لائے، ان میں سے) جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا (یعنی اپنے زمانہ میں) اور اس نے اچھے کام کئے تو ان کے لئے ان کے رب کے پاس — یعنی آخرت میں — ان کا صلہ ہے، اور ان کو نہ (آگے کا) کوئی ڈر ہوگا، نہ وہ (مافات پر) غم گیں ہونگے!

سوال: آیت میں رسول پر ایمان کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ رسالت کا عقیدہ بھی تو بنیادی عقیدہ ہے!

جواب: سب ملتوں کے انبیاء الگ الگ ہیں، اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا، علاوہ ازیں: ایمان باللہ میں ایمان بالرسول بھی داخل ہے، اسی لئے فرمایا: من کان آخر کلامہ: لا الہ الا اللہ دخل الجنة: اس لا الہ الا اللہ میں ایمان بالرسول بھی شامل ہے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۰۰﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۱۰۱﴾

وَإِذْ	اور (یا) کرو) جب	مَا آتَيْنَكُم	جو کتاب ہم نے تم کو دی	مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ	اس کے (لینے) کے بعد
أَخَذْنَا	لیا ہم نے	بِقُوَّةٍ	مضبوطی سے	فَلَوْلَا فَضْلُ	پس اگر نہ ہوتا فضل
مِيثَاقَكُمْ	تم سے قول و قرار	وَاذْكُرُوا	اور یاد کرو	اللَّهُ	اللہ کا
وَرَفَعْنَا	اور اٹھایا ہم نے	مَا فِيهِ	جو کچھ اس میں ہے	عَلَيْكُمْ	تم پر
فَوْقَكُمْ	تمہارے اوپر	لَعَلَّكُمْ	تا کہ تم	وَرَحْمَتُهُ	اور اس کی مہربانی
الطُّورَ	طور کو	تَتَّقُونَ	متقی بنو	لَكُنْتُمْ	تو ضرور ہوتے تم
خُذُوا	(کہا:) لو تم	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	پھر روگردانی کی تم نے	مِّنَ الْخَاسِرِينَ	گھانا پانے والے

۲- قول و قرار کے بعد بنی اسرائیل نے تورات کو ٹھکرا دیا!

بنی اسرائیل جب وادی سینا میں پہنچے، اور فرعون کی غلامی سے آزاد ہوئے تو انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لئے کوئی آسمانی کتاب لایئے، تا کہ ہم اس پر عمل کریں، یہ انھوں نے قول و قرار کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات دی، اس کو قبول کرنے میں ٹال مٹول کیا، کہنے لگے: ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ جب ستر منتخب آدمیوں نے براہ راست اللہ پاک سے سن لیا تو کہنے لگے: اس کے احکام سخت ہیں، ہمارے لئے ان پر عمل کرنا مشکل ہے! پس اللہ نے ان کا مرغا بنایا، کوہ طور کا ایک حصہ ان پر معلق کیا، اور کہا: لو، ورنہ سب دب مرو گے، مرتے کیانہ کرتے! لیا، مگر بعد میں اس پر عمل نہیں کیا، تاہم اللہ پاک نے ان کو کوئی سزا نہیں دی، رحم و کرم کا معاملہ فرمایا، ورنہ سب تباہ و برباد ہو جاتے۔

(۱) الطور: میں الف لام عہدی ہے، بعض حصہ مراد ہے (۲) ذکر سے مراد عمل ہے، کیونکہ گذشتہ کتابوں کو حفظ نہیں کیا جاتا تھا۔

فائدہ: یہ واقعہ سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۱) میں بھی آیا ہے، وہاں الفاظ ہیں: ﴿وَرَاذَ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اٹھایا، گویا وہ سائبان ہے، اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرے گا۔ دفع کے معنی ہیں: اٹھانا، اور نتق کے معنی ہیں: اٹھا کر ہلانا، جیسے نتق الشیء (ن، ض) نتقا: کسی چیز کو پھینکنے کے لئے اٹھانا، اور نتق الوعاء کے معنی ہیں: برتن کو خالی کرنے کے لئے اٹھا کر جھاڑنا، جھٹکنا، محض ہلانا اور کپکپانا اس کے معنی نہیں۔

اور یہ قدرتِ خداوندی کی نشانی ہے، جیسے سمندر کا پھٹنا اور اس میں راستوں کا نکل آنا، اسی کا نام معجزہ ہے، اور معجزہ خرقِ عادت اور مالوف (مانوس) سے بعید ہوتا ہے، پس جس طرح دیگر قدرت کی نشانیوں کو سمجھتے ہیں اس کو بھی سمجھنا چاہئے۔

سوال: پہاڑ سروں پر اٹھا کر تورات منوانا اکراہ فی الدین ہے، جبکہ دین میں اکراہ نہیں!

جواب: اذان سنت ہے اور ختنہ کرانا بھی سنت ہے، مگر کسی علاقہ کے مسلمان ان کو ترک کریں تو جنگ کر کے ان کو ان کاموں پر مجبور کیا جائے گا، اور یہ اکراہ فی الدین نہیں، اسی طرح بچوں کا مدرسہ میں داخلہ لینا اختیاری ہے، مگر جو داخل ہو گیا، وہ اگر سبق یاد نہیں کرے گا تو سزا پائے گا، یہ اکراہ فی الدین نہیں، اسی طرح بنی اسرائیل مؤمن تھے، انہوں نے خود تورات مانگی تھی، اب اگر نہیں لیں گے تو مجبور کیا جائے گا، پس یہ اکراہ فی الدین نہیں، دین میں اکراہ: دین کو قبول کرنے پر مجبور کرنے کا نام ہے، یہ دین پر عمل کرانے میں سختی کرنا ہے جو جائز ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۖ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّبَايِنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	کہم	ان سے	لِئَا	ان لوگوں کے لئے جو
عَلِمْتُمُ	جان لیا تم نے	كُونُوا	ہو جاؤ تم	بَيْنَ يَدَيْهَا	اس ہستی کے سامنے تھے
الَّذِينَ	ان کو جنہوں نے	قِرَدَةً	بندر	وَمَا	اور جو
اعْتَدُوا	زیادتی کی	خَاسِئِينَ	ذلیل	خَلْفَهَا	ان کے پیچھے تھے
مِنْكُمْ	تم میں سے	فَجَعَلْنَاهَا	پس بنایا ہم نے اس	وَمَوْعِظَةً	اور نصیحت
فِي السَّبْتِ	سنچر کے دن میں	نَكَالًا	واقعہ کو	لِّلْمُتَّقِينَ	ڈرنے والوں کے لئے
فَقُلْنَا	پس کہا ہم نے		عبرت		

۳- سینچر کی حرمت پامال کرنے والوں کو بندر بنا دیا!

سینچر کو عربی اور عبرانی میں 'سبت' کہتے ہیں، یہود کے لئے یہ دن عبادت کے لئے مقرر تھا، اس دن میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں، کہتے ہیں: حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں سمندر کے کنارے پر یہودیوں کی ایک بستی تھی وہ لوگ ماہی گیری تھے، مچھلیاں پکڑنا اور بیچنا ان کا دھندا تھا، اللہ نے ان کو آزمایا، سورۃ الاعراف (آیت ۱۶۳) میں اس کا ذکر ہے، ہفتہ کے دن مچھلیوں کی کثرت ہوتی، سطح دریا پر تیرتیں، دوسرے دنوں میں غائب ہو جاتیں، ان لوگوں نے حیلہ کیا، حوض بنائے اور ان کو سمندر سے جوڑ دیا، جمعہ کو دہانا کھول دیتے، مچھلیاں حوض میں آ جاتیں اور توار کو پکڑ لیتے، اللہ نے ان کو سزا دی، ان کی صورتیں مسخ ہو گئیں، اور ذلیل بندر بن گئے اور تین دن کے بعد مر گئے، یہ واقعہ معاصرین اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت کا سامان بن گیا، اور جن لوگوں نے ان کو اس حیلہ سے روکا تھا ان کے لئے یہ واقعہ نصیحت بن گیا۔

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کو تو بالیقین جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے سینچر کے دن میں حد سے تجاوز کیا، پس ہم نے ان کو (تکوینی) حکم دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ! — پس ہم نے اس واقعہ کو ان کے معاصرین کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے سامان عبرت اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنایا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبُحُوا بَقَرَةً ۗ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۗ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۖ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۗ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَائِضٌ وَلَا بِكْرٌ ۗ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۗ فافعلوا مَا تُمَرُونَ ۖ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْهَا ۗ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النُّظُرِينَ ۖ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۗ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا ۗ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۗ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۗ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۗ قَالُوا لئن جئناكَ بِالْحَقِّ فَدَبَحْنَاهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۗ

۱۰۰

وَإِذْ	اور (یاد کرو) جب	قَالَ مُوسَىٰ	کہا موسیٰ نے	لِقَوْمِهِ	اپنی قوم سے
--------	------------------	---------------	--------------	------------	-------------

اپنے رب سے	رَبَّكَ	اور زمین یا یہی (پچھڑی)	وَلَا يَكْفُرُ	بے شک اللہ تعالیٰ	إِنَّ اللَّهَ
صاف بیان کریں	يُبَيِّنُ	درمیانی	عَوَانٌ	حکم دیتے ہیں تمہیں	يَأْمُرُكُمْ
ہمارے لئے	لَنَا	ان کے درمیان	بَيْنَ ذَلِكَ	کمزوح کرو	أَنْ تَذْبَحُوا
وہ گائے کیسی ہے؟	مَا هِيَ	پس کرو	فَاعْمَلُوا	کوئی گائے	بَقْرَةً ^(۱)
بے شک گائیں	إِنَّ الْبَقْرَ	جو حکم دیئے گئے تم	مَا تَوْصَرُونَ	کہا انھوں نے	قَالُوا
مشتبہ ہو گئی ہیں ہم پر	تَشْبَهُ عَلَيْنَا	کہا انھوں نے	قَالُوا	کیا بتاتے ہیں آپ ہمارا	أَتَتَّخِذُنَا
اور بے شک ہم اگر	وَأَنَا إِنْ	دعا کیجئے ہمارے لئے	أَدْعُ لَنَا	ٹھٹھا	هَؤُلَاءِ
اللہ نے چاہا	شَاءَ اللَّهُ	اپنے رب سے	رَبَّكَ	کہا	قَالَ
ضرور راہ پانے والے ہیں	لَمْ يَهْتَدُوا	صاف بتائیں وہ ہمیں	يُبَيِّنُ لَنَا	اللہ کی پناہ لیتا ہوں میں	أَعُوذُ بِاللَّهِ
کہا	قَالَ	اس کا رنگ کیسا ہے؟	مَا لَوْنُهَا	(اس سے) کہ ہوؤں میں	أَنْ أَكُونَ
بیشک وہ فرماتے ہیں	إِنَّهُ يَقُولُ	کہا	قَالَ	نادانوں میں سے	مِنَ الْجَاهِلِينَ
بیشک وہ ایک گائے ہے	إِنَّهَا بَقْرَةٌ	بیشک وہ فرماتے ہیں	إِنَّهُ يَقُولُ	کہا انھوں نے	قَالُوا
نہ محنت کش	لَا ذَلُولُ	بیشک وہ ایک گائے ہے	إِنَّهَا بَقْرَةٌ	دعا کیجئے ہمارے لئے	أَدْعُ لَنَا
جو ترقی ہو وہ	تَشِيدُ	پہلی	صَفْرَاءُ	اپنے رب سے	رَبَّكَ
زمین کو	الْأَرْضِ	کھلنے والا ہے	فَاقْرَأْ ^(۲)	صاف بتائیں ہمیں	يُبَيِّنُ لَنَا
اور نہ پہنچتی ہو	وَلَا تَسْقِي	اس کا رنگ	لَوْنُهَا	وہ گائے کیسی ہے؟	مَا هِيَ
کھیتی کو	الْحَرثَ	خوش کرتی ہے	تَسْرُ	کہا	قَالَ
بے عیب ہو	مُسْلِمَةً	دیکھنے والوں کو	النَّظِيرِينَ	بیشک وہ فرماتے ہیں	إِنَّهُ يَقُولُ
کوئی دھبہ نہ ہو اس میں	لَا شَيْئَةَ فِيهَا ^(۳)	کہا انھوں نے	قَالُوا	بیشک وہ ایک گائے ہے	إِنَّهَا بَقْرَةٌ
کہا انھوں نے: اب	قَالُوا الظَّن	دعا کیجئے ہمارے لئے	أَدْعُ لَنَا	نہ بوڑھی	لَا قَارِضٌ ^(۲)

(۱) بقرة: گائے نیل (نر اور مادہ دونوں کے لئے) حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے نیل ترجمہ کیا ہے، عام مفسرین گائے ترجمہ کرتے ہیں (۲) قَرِضَ (ک) الحيوان: جانور کا بوڑھا ہونا (۳) فَقَعَ اللَرْنُ (ف): رنگ کا صاف چمکدار ہونا، اصفر کے لئے مستعمل ہے۔ (۴) الشية: نشان، دھبہ، پورے جسم کے رنگ کے برخلاف کوئی رنگ، مادہ و شئی۔

چِئْتِ بِالْحَقِّ	لائے آپ ٹھیک بات	قَدْ بَجَّوْهَا	پس ذبح کیا انھوں نے اس کو	وَمَا كَاذِبًا يَفْعَلُونَ	اور نہیں قریب تھے وہ (کہ) کرتے وہ
----------------------	---------------------	-----------------	------------------------------	-------------------------------	--------------------------------------

۴- گائے ذبح کرنے میں ٹال مٹول کی تو گائے مہنگی پڑی!

بنی اسرائیل میں ایک قتل ہوا، بھائی نے یا بھتیجوں نے میراث کی لالچ میں چچا کو جنگل میں لے جا کر قتل کر دیا، پھر گئے مگر چھ کے آنسو بہانے! اور موسیٰ علیہ السلام کے سر ہو گئے کہ قاتل بتائیے! موسیٰ علیہ السلام نے بہ حکم الہی بتایا کہ ایک گائے/بیل ذبح کرو، ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا، کہنے لگے: آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں! موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تو بہ تو بہ! نہ یہ میری شان، نہ یہ میرا کام! پھر انھوں نے گائے کے اوصاف پوچھنے شروع کئے، موسیٰ علیہ السلام وحی سے بتلاتے رہے، مگر معاملہ تنگ ہوتا گیا، آخر میں ایسی گائے ذبح کرنی پڑی جس کی کھال بھر کر سونا دینا پڑا، حدیث میں ہے کہ اگر وہ کوئی بھی گائے ذبح کرتے تو کام چل جاتا، مگر انھوں نے بال کی کھال نکالی تو یہ سزا ملی!

آیات پاک کا ترجمہ: اور (یہ واقعہ بھی یاد کرو): جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ کوئی گائے/بیل ذبح کرو! — لوگوں نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ مذاق کر رہے ہیں؟ موسیٰ نے کہا: اللہ کی پناہ اس سے کہ میں نادانوں میں سے ہوں!

لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں صاف بتائیں کہ وہ گائے کیسی ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، دونوں کے درمیان کی عمر کی ہو، پس کرو تم جو حکم دیئے جاتے ہو! لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں صاف بتائیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ گائے پیلی ہو، اس کا رنگ کھلا ہو، وہ دیکھنے والوں کو بھلی لگتی ہو!

لوگوں نے کہا: آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں صاف بتائیں کہ وہ گائے کیسی ہو؟ کیونکہ گائیں ہمیں یکساں مل رہی ہیں! اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور اس کو حاصل کر لیں گے! موسیٰ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ گائے/بیل محنت کش نہ ہو، نہ ہل میں جُتی ہو، نہ اس نے کوس کھینچا ہو، بے عیب ہو، اس میں کوئی داغ دھبہ نہ ہو! لوگوں نے کہا: اب آپ نے ٹھیک بات بتائی، پس ان لوگوں نے گائے ذبح کی، اور وہ ذبح کرتے ہوئے نظر نہیں آرہے تھے!

سوال: گائے تو دودھ کا جانور ہے، وہ ہل کوس نہیں کھینچتی؟ جواب: پھر آپ بیل ترجمہ کر لیں، بقرۃ: دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ اور یہاں مغربی یوپی میں بیل/بھینسے کے ساتھ بھینس کو بھی ہل اور بوگی میں جوڑتے ہیں، ممکن ہے بنی اسرائیل بھی گائے سے یہ محنت لیتے ہوں۔

فائدہ: گائے اور سنہری گائے کا انتخاب غالباً اس لئے فرمایا گیا کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل سونے کی خود ساختہ گائے ہی کی پرستش میں مبتلا ہو گئے تھے تو ایسی ہی گائے ان کے ہاتھوں ذبح کرائی گئی تاکہ گائے کی تقدیس ہمیشہ کے لئے ان کے دل سے نکل جائے (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی)

بلاوجہ غیر ضروری کھوج میں پڑنا ٹھیک نہیں، جو بات جتنی سادہ ہو اس پر اتنی ہی سادگی سے عمل کر لینا چاہئے (آسان ترجمہ قرآن مولانا تقی عثمانی صاحب)

وَأَذَقْتُمْ نَفْسًا قَادِرَةً تَمْ فِيهَا، وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۖ فَقُلْنَا اضْرِبُوهَا بِبَعْضِهَا، كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُزَكِّي الْأُمَّةَ ۗ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

وَأَذَقْتُمْ	اور (یاد کرو) جب	مُخْرِجٌ	نکالنے والے تھے	كَذَلِكَ	اس طرح
نَفْسًا	تم نے مار ڈالا	مَّا كُنْتُمْ	اس کو جو تم	يُبَيِّنُ اللَّهُ	زندہ کریں گے اللہ
تَكْتُمُونَ	ایک شخص کو	تَكْتُمُونَ	چھپا رہے تھے	الْبَاطِلَ	مردوں کو
قَادِرَةً (۱)	پس جھگڑنے لگے تم	فَقُلْنَا	پس حکم دیا ہم نے	وَيُرِيكُمْ	اور دکھلاتے ہیں تم کو
فِيهَا	اس (واقعہ) میں	اضْرِبُوهَا	مارو مردے کو	آيَاتِهِ	اپنی (قدرت کی) نشانیاں
وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِبَعْضِهَا	ایک پارہ سے	لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ	تاکہ تم سمجھو

۵- ناحق قتل کیا، پھر الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے!

گذشتہ آیات میں حکم شرعی میں ٹال مٹول کی قباحت سمجھائی تھی، اب اسی واقعہ میں چوری اور سینہ زوری دکھلاتے ہیں۔ بنی اسرائیل میں عامل نامی ایک شخص کا قتل ہوا، اس کا الزام ایک دوسرے پر دھرنے لگے، ایک تو ناحق قتل سنگین جرم تھا، پھر بے گناہ کو پھنسانا اس سے بھی بڑا جرم ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں، اس لئے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، جب اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے بدن سے لگایا تو وہ زندہ ہوا اور قاتل کا نام بتایا، پھر مر گیا، یہ ایک نظیر تھی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مردوں کو اسی طرح زندہ کریں گے، یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانی دکھائی، تاکہ لوگ بو جھیں! مادر (۱) اِذْأَرَأَ اَصْلَ فِي تَدَارُءَ تَهَا، تَاءُ كُوْدَالٍ بِنَا كِرَادَا مَ كَيَا، پھر ابتدا باسکون کی دشواری کی وجہ سے ہمزہ وصل لائے، تَدَارُءَ کے اصل معنی ہیں: تدافع، یعنی بات ایک دوسرے پر ڈالنا، جلالین میں اس کا ترجمہ تخصص کیا ہے۔

رحم میں جب جسم تیار ہوتا ہے تو فرشتہ عالم ارواح سے روح لا کر جسم سے لگاتا ہے تو جسم زندہ ہو جاتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن اجسام زمین سے نکلیں گے، پھر روحمیں برزخ سے لوٹ کر ان اجسام کو چھوئیں گی تو ابدان زندہ ہو جائیں گے، گائے ذبح کر کر اس کا ایک پارچہ میت سے لگا کر اس کو زندہ کر کے یہ حقیقت سمجھانی مقصود تھی، اور یہ بات پہلے بیان کی ہے کہ قرآن کریم کبھی ایک واقعہ کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، اور کبھی ان میں تقدیم و تاخیر کرتا ہے، تاکہ ایک واقعہ سے دوسری حاصل ہوں، یہاں ایسا ہی کیا ہے، تفصیل بیان القرآن میں ہے۔

آیت کریمہ: اور (یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا، پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے، اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والے ہیں اس کو جس کو تم چھپا رہے تھے، اس لئے ہم نے حکم دیا کہ میت کو گائے کا کچھ حصہ لگاؤ، اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریں گے، اور دکھلاتے ہیں وہ تمہیں اپنی نشانیاں تاکہ تم سمجھو!

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِن مِّنْ أَحْجَارَةٍ لَّمَّا يَنْفَجِّرْ مِنْهُ الْآنْهَارُ وَإِن مِّنْهَا لَمَّا يَشْفِقُ فَيَخْرِجُ مِنْهُ الْمَاءَ وَإِن مِّنْهَا لَمَّا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۳﴾

ثُمَّ قَسَتْ	پھر سخت ہو گئے	وَإِن	اور بے شک	مِنْهُ الْمَاءُ	اس سے پانی
قُلُوبُكُمْ	تمہارے دل	مِنَ الْحِجَارَةِ	بعضے پتھر	وَإِن مِّنْهَا	اور بے شک بعضے پتھر
مِنْ بَعْدِ	بعد	لَمَّا يَنْفَجِّرُ ^(۳)	یقیناً پھوٹتی ہے	لَمَّا يَهْبِطُ	یقیناً گر جاتے ہیں
ذَلِكَ ^(۱)	اس کے	مِنْهُ	اس سے	مِنْ خَشْيَةِ	ڈر سے
فَهِيَ	پس وہ (قلوب)	الْآنْهَارُ	نہریں	اللَّهُ	اللہ کے
كَالْحِجَارَةِ	پتھر جیسے ہیں	وَإِن مِّنْهَا	اور بے شک بعض پتھر	وَمَا اللَّهُ	اور نہیں ہیں اللہ
أَوْ أَشَدُّ ^(۲)	یا زیادہ	لَمَّا يَشْفِقُ	یقیناً پھٹ جاتے ہیں	بِغَافِلٍ	بے خبر
قَسْوَةً	سخت	فَيَخْرِجُ	پس نکلتا ہے	عَمَّا تَعْمَلُونَ	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو

(۱) ذلك: کا مشار الیہ وہ چار باتیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں (۲) أشد قسوة: اسم تفضیل ہے (۳) لَمَّا: میں لام ابتداء ہے، اس کا ترجمہ: البتہ، یقیناً ہے، اور ما: موصولہ بمعنی الذی ہے، اور منہ: کی ضمیر کا مرجع ما ہے، اور ان کے اسم پر لام ابتدا آتا ہے جب اس کی خبر مقدم ہو۔

شرارتوں سے دل پتھر ہو جاتا ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت!

گناہوں سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے: جب آدمی گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو مٹ جاتا ہے، اور اگر دوبارہ گناہ کرتا ہے تو پہلے کے پاس دوسرا سیاہ نقطہ لگتا ہے، اس طرح آہستہ آہستہ دل سیاہ ہو جاتا ہے، اور وہ اوندھی صراحی کی طرح ہو جاتا ہے، پھر اس میں کوئی خیر کی بات نہیں ٹھہرتی!

اور خباثوں اور شرارتوں سے دل سخت ہو جاتا ہے، پتھر جیسا بلکہ اس سے بھی سخت ہو جاتا ہے، اوپر بنی اسرائیل کی چار بے عنوانیوں کا ذکر آیا ہے، اس قسم کے واقعات سے ان کے دل سخت ہو گئے، پس ان سے امید کرنا کہ وہ قرآن پر اور حال قرآن ﷺ پر ایمان لائیں گے: فضول ہے۔

سوال: پتھر تو سب سے زیادہ سخت ہے، اس سے آگے سختی کا کیا تصور ہے؟

جواب: لوہا فولاد پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں، کیونکہ پتھر تین طرح کے ہیں:

(الف) بعض پتھروں سے نہریں نکلتی ہیں، زمزم: حجر اسود کی طرف سے بہ کر رہا ہے، اور جنوبی افریقہ میں صابری چشمہ پتھر سے نکل کر گرتا ہے۔

(ب) بعض پتھروں سے پانی رستا ہے، تھوڑا تھوڑا نکلتا ہے، پھر جمع ہو کر گنگا جمننا بہتی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے جس پتھر پر لاٹھی ماری تھی اس سے بھی بارہ جگہ سے پانی نکلنے لگا تھا، تاکہ بارہ قبائل میں پانی لینے میں نزاع نہ ہو۔

(ج) بعض پتھروں سے اگرچہ پانی نہیں نکلتا، مگر وہ اللہ کے ڈر سے گر جاتے ہیں، اور ایسا سمجھنا کہ پتھر جماد ہیں، ان میں خشیت کہاں؟ درست نہیں، جب وہ تسبیح اور نماز پڑھ سکتے ہیں تو ڈریں گے کیوں نہیں؟ سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۴۴) میں ہے: ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهَا وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾: ہر چیز اللہ کی خوبیوں کے ساتھ پاکی بیان کرتی ہے، گو تم نہ سمجھو! اور سورۃ النور (آیت ۴۱) میں ہے: ”سب نے بالیقین اپنی نماز اور اپنی تسبیح جان لی“ ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾: اور اللہ سے سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟ کسی کی نہیں!

مگر بنی اسرائیل کے دل ان کی خباثوں اور شرارتوں کی وجہ سے پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، وہ حق کے سامنے کسی طرح نہیں پیچھے! جس کے مظاہر آگے آرہے ہیں، اور اللہ کو ان کے سب کرتوت معلوم ہیں، وہ ان کے احوال سے بے خبر نہیں!

آیات پاک: — پھر اُس کے بعد — یعنی شرارتوں پر شرارتیں کرتے رہے، جن کے نتیجے میں —

تمہارے دل سخت ہو گئے، پس وہ پتھر جیسے ہیں یا اور زیادہ سخت! — اور بعض پتھر بالیقین ان سے نہریں پھوٹی ہیں، اور بعض پتھر بالیقین پھٹ جاتے ہیں، پس ان سے پانی رستا ہے، اور بعض پتھر بالیقین اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، اور اللہ

تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو!

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ
يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا
آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ
بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسْتُرُونَ وَمَا
يُغْلِبُونَ ۝ وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝
فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ۝ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ
ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝ وَقَالُوا لَنْ
تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۝ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ تُخْلَفَ اللَّهُ عَهْدَهُ
أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَاطِبَتُهُ
فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

۱۰۵

جانتے ہیں	يَعْلَمُونَ	اللہ کا کلام	كَلِمَ اللَّهِ	کیا پس امید رکھتے ہو تم	أَفَتَطْمَعُونَ ^(۱)
اور جب ملتے ہیں وہ	وَإِذَا لَقُوا	پھر رو بہ رو بدل کرتے ہیں	ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ	کہ مان لیں گے وہ	أَنْ يُؤْمِنُوا
ان لوگوں کو جو ایمان لائے	الَّذِينَ آمَنُوا	وہ اس میں	وَهُمْ يَعْلَمُونَ	تمہاری بات	لَكُمْ ^(۲)
کہتے ہیں	قَالُوا	بعد	مِنْ بَعْدِ	جبکہ تھی	وَقَدْ كَانَ ^(۳)
ہم ایمان لائے	آمَنَّا	اس کو سمجھنے کے	مَا عَقَلُوهُ	ان کی ایک جماعت	فَرِيقٌ مِّنْهُمْ
اور جب تنہا ہوتے ہیں	وَإِذَا خَلَا	اور وہ	وَهُمْ	سنتی ہے وہ	يَسْمَعُونَ

(۱) أفطمعون: استفہام انکاری ہے یعنی امید رکھنا فضول ہے، وہ مانیں گے نہیں (۲) آمن بہ اور آمن لہ میں فرق ہے، باء صلہ کے ساتھ معنی ہیں: کسی پر ایمان لانا، تصدیق کرنا اور لام کے ساتھ معنی ہیں: کسی کی بات ماننا، مثلاً: اللہ پر ایمان لانا، اور مسلمانوں کی بات ماننا کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، یعنی بلا واسطہ اور بالواسطہ کا فرق ہے (۳) جملہ حالیہ ہے

اور کہا انہوں نے ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ مگردن گنتی کے پوچھو	وَقَالُوا لَنْ نَمْسَسَكَ النَّارَ إِلَّا آيَاتِنَا مَعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلَفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَاحْتَاطَ بِهَا خَطِيئَتُهُ	البتہ آرزو میں ہیں اور نہیں ہیں وہ مگر انکل باندھتے پس بڑی کم سختی ہے ان لوگوں کے لئے جو کہتے ہیں اللہ کی کتاب اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے تا کہ مول لیں اس کے ذریعہ تھوڑی قیمت پس بڑی کم سختی ہے ان کے لئے اس جس کو وہ کہتے ہیں اپنے ہاتھوں سے اور بڑی کم سختی ہے ان کے لئے اس سے جو وہ کماتے ہیں	إِلَّا أَمَانِي ^(۲) وَلَنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ قَوْلِي ^(۱) لِلَّذِينَ يَكْتُوبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنَ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثُمَّ نَأْتِيهِمْ قَوْلِي ^(۱) لَهُمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ	ان کے بعض بعض کی طرف کہتے ہیں کیا بیان کرتے ہو تم ان سے وہ باتیں جو کھولی ہیں اللہ نے تم پر نیچے وہ حجت قائم کریں گے تم پر اس کے ذریعہ تمہارے رب کے پاس کیا پس تم سمجھتے نہیں کیا اور وہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو چھپاتے ہیں وہ اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ اور ان میں سے بعضے بے پڑھے ہیں نہیں جانتے وہ اللہ کی کتاب کو	بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتَّخَذْتُمْ بَيْنَنَا فِتْنَةً عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ ^(۱) بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسْرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ
---	--	---	---	--	---

(۱) لام عاقبت ہے (۲) امانی: اُمنیۃ کی جمع: آرزو، اور استثناء منقطع ہے (۳) سینۃ کی تثنیہ تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑی برائی، یعنی شرک و کفر۔

یہی لوگ	أُولَئِكَ	اور جو لوگ	وَالَّذِينَ	پس یہی لوگ	فَأُولَئِكَ
باغ والے ہیں	أَصْحَابُ الْجَنَّةِ	ایمان لائے	آمَنُوا	دوزخ والے ہیں	أَصْحَابُ النَّارِ
وہ اس میں	هُمْ فِيهَا	اور کئے انھوں نے	وَعَمِلُوا	وہ اس میں	هُمْ فِيهَا
ہمیشہ رہنے والے ہیں	خَالِدُونَ	نیک کام	الصَّالِحَاتِ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	خَالِدُونَ

یہود کی قساوتِ قلبی کے مظاہر

اوپر یہ مضمون آیا ہے کہ یہود کے دل پتھر ہو گئے ہیں، اب اس کے مظاہر (نظر آنے والی صورتیں) بیان فرماتے ہیں:

۱۔ یہود قرآن کریم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے!

نبی ﷺ نے اور مسلمانوں نے یہود سے کہا: قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، اس کو مانو: وہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں، اور امید بھی نہیں! اللہ پاک فرماتے ہیں: وہ تمہاری یہ بات کیسے مان لیں گے، ان کی ایک جماعت نے تو اللہ کا کلام براہِ راست سنا تھا، پھر جانتے بوجھتے اس میں تحریف کی، وہ تمہاری بات کیسے مانیں گے؟ ان کے دل سخت پتھر ہو گئے ہیں! تفصیل: جب موسیٰ علیہ السلام تورات لائے، اور قوم سے کہا: یہ اللہ کی کتاب ہے، اس کو مانو، تو انھوں نے اس میں: میکہ نکالی، کہنے لگے: ہمیں کیسے یقین آئے کہ یہ کتاب: اللہ کی ہے، آپ خود نہیں لکھ لائے! موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آؤ، اللہ تعالیٰ سے کہلوادوں! انھوں نے ستر آدمی منتخب کئے، جنھوں نے طور پر اللہ کا کلام سنا، مگر قوم سے آکر بات نقل کی تو اس میں اضافہ کیا: ”جتنا کر سکوان احکام پر عمل کرنا، ورنہ میں معاف کر دوں گا“ — یہ موجودہ یہود کے اسلاف کا عمل ہے، ان کے یہ خلاف بھی تو انہی کی روش پر چلیں گے، نبی ﷺ نے اللہ کا کلام سنا، پھر آپ نے صحابہ کو بتایا، اب صحابہ ان کو بتاتے ہیں تو وہ یہ واسطہ در واسطہ والی بات کیسے مان لیں گے، انھوں نے تو بلا واسطہ سنی ہوئی بات نہیں مانی تھی، اس میں ہیرا پھیری کر دی تھی۔

﴿أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾﴾

ترجمہ: کیا پس تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے — کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے — جبکہ ان

کی ایک جماعت نے اللہ کا کلام سنا، پھر اس میں سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر رد و بدل کر دیا!

فائدہ: تورات و انجیل اللہ کی کتابیں ہیں، اللہ کا کلام نہیں، اللہ کا کلام صرف قرآن کریم ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم

میں جہاں تورات و انجیل کا ذکر ہے وہاں ان کو کتاب اللہ کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا، اور اس آیت میں کلام اللہ سے ستر آدمیوں نے جو کلام سنا تھا وہ مراد ہے ﴿قَدْ بَيَّنَّا مِنْهُمْ﴾ اس کا واضح قرینہ ہے، اور یہ بات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے براہین قاسمیہ ص ۱۵ میں اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے قرآن کریم کے حواشی میں بیان فرمائی ہے، اور جن حضرات نے ان کو اللہ کا کلام کہا ہے وہ مجازاً کہا ہے، کیونکہ وہ اللہ کی کتابیں تو ہیں!

۲- تورات میں نبی ﷺ کی جو صفات ہیں یہود ان کے اظہار کے روادار نہیں!

مدینہ میں منافقین کی بڑی تعداد تھی اور ان میں سے اکثر یہودی تھے، جب وہ مسلمانوں سے ملتے تو اپنے ایمان کا اظہار کرتے، اور اپنی اعتباریت بڑھانے کے لئے بعض منافقین نبی ﷺ کی جو صفات تورات میں آئی ہیں مسلمانوں سے بیان کرتے، پھر جب منافقین تنہائی میں ملتے تو ان کے کثر: کمزوروں کو ڈانٹتے کہ تم مسلمانوں کو وہ باتیں کیوں بتلاتے ہو جو اللہ نے تم پر تورات میں کھولی ہیں، وہ قیامت کے دن تمہارے خلاف ان باتوں سے حجت قائم کریں گے کہ تم نبی آخر الزماں کو پہچانتے تھے، پھر بھی دل سے ایمان نہیں لائے تھے، پس تم کیا جواب دو گے؟ خدا را ایامت کرو! یہ ڈانٹنے والوں کی قساوت قلبی ہے کہ جو باتیں اللہ نے ظاہر کرنے کے لئے اتاری ہیں وہ ان کے اظہار کے روادار نہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: کیا وہ لوگ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، جو وہ چھپاتے ہیں اس کو بھی اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اس کو بھی؟ منافقین تورات میں بیان کئے ہوئے سارے اوصاف بیان نہیں کرتے تھے، بعض بیان کرتے تھے اور بعض چھپاتے تھے، اللہ کو وہ سب معلوم ہیں، اللہ وہ اوصاف بھی مسلمانوں پر کھول دیں گے، اور تمہاری انخفاء کی کوشش کی سزا تم کو قیامت میں ملے گی۔

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنُوا وَإِذَا خَلَا بِبَعْضِهِمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَنُحَدِّثُوكُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ٥٠ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ٥١﴾

ترجمہ: اور جب وہ (منافق یہودی) مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ”ہم ایمان لائے“ اور جب وہ تنہائی میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ”کیا تم مسلمانوں سے وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ان باتوں سے قیامت کے دن تم پر حجت قائم کریں گے، کیا پس تم سمجھتے نہیں!“

اللہ تعالیٰ اُن ڈانٹنے والوں کو ڈانٹتے ہیں: — کیا وہ لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو باتیں وہ چھپاتے ہیں اور جو باتیں وہ ظاہر کرتے ہیں۔

۳- عام یہودی جھوٹی آرزوں کا سہارا لئے ہوئے ہیں

ہر ملت کی اکثریت عوام پر مشتمل ہوتی ہے، اور عام لوگ دین سے ناواقف ہوتے ہیں، وہ دینی کتابیں براہ راست نہیں پڑھ سکتے، بڑوں کی باتوں پر تکیہ کرتے ہیں، اور جب کسی ملت پر لمبا زمانہ بیت جاتا ہے تو بڑے بگڑ جاتے ہیں، وہ لوگوں کو غلط سلط باتیں بتاتے ہیں، وہی عوام کا دینی سرمایہ ہوتا ہے، اہل کتاب (یہود و نصاری) کے علماء بھی بگڑ گئے تھے، جیسا کہ اگلے عنوان کے تحت آرہا ہے، انھوں نے اپنے عوام کو بہت سی غلط باتیں پکڑادی تھیں، مثلاً:

۱- انھوں نے اپنے عوام کو بتایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا دین آخری دین ہے، اور تورات اللہ کی آخری کتاب ہے، وہ کبھی منسوخ نہیں ہوگی، آج بھی یہودی یہی بات پکڑے ہوئے ہیں۔

۲- انھوں نے اپنے عوام کو بتایا تھا کہ کوئی یہودی جہنم میں نہیں جائے گا، کیونکہ وہ اللہ کے بیٹے، محبوب اور چہیتے ہیں، اس لئے ہر یہودی دوزخ سے بے خوف ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۳- عیسائیوں نے فدیہ کا عقیدہ چلایا ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ کے بیٹے پھانسی پا کر عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، اس لئے وہ مطمئن ہیں: جو چاہیں کریں، وہ بخشنے بخشنائے ہیں۔

یہی جھوٹی باتیں اہل کتاب کے اُن پڑھوں کا سرمایہ ہیں، وہ ان پر تکیہ کئے ہوئے ہیں، ان کو صحیح بات بتائی جائے تو وہ کسی قیمت پر ماننے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ ان کے دل پتھر ہو گئے ہیں۔

﴿ وَمَنْهُمْ أَقْبَتُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمْكِنِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴾

ترجمہ: اور ان میں سے — یعنی اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے — بعضے اُن پڑھ ہیں، وہ اللہ کی کتاب کو نہیں جانتے — یعنی خود اللہ کی کتاب نہیں پڑھ سکتے، ان کے علماء جو بتا دیتے ہیں اس کو پکڑ لیتے ہیں — البتہ کچھ آرزوئیں ہیں — جو انھوں نے باندھ رکھی ہیں — اور وہ بس اٹکل اڑا رہے ہیں — یعنی وہ جھوٹی آرزوئیں ہیں، کبھی پوری نہیں ہونگی۔

۴- اہل کتاب کے علماء اللہ کی کتابوں میں تبدیلی کرتے ہیں، پھر اس سے دنیا کماتے ہیں

پہلے کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں، چھپتی نہیں تھیں، ہر شخص اپنا نسخہ تیار کرتا تھا، یہود و نصاریٰ کے علماء اللہ کی کتابوں (تورات و انجیل) کا نسخہ تیار کرتے ہیں تو من مانی کرتے ہیں، عبارت میں حذف و اضافہ یا تبدیلی کرتے ہیں، پھر اس کے مطابق رشوت لے کر فتویٰ دیتے ہیں، یہ حرکت وہی عالم کرتا ہے جس کا دل پتھر ہو گیا ہو، ایسے علماء کے لئے ڈبل سزا

ہے: ایک: اللہ کی کتاب میں تبدیلی کرنے کی وجہ سے، دوسری: رشوت کھانے کی وجہ سے۔

﴿ قَوْلٌ لِلَّذِينَ يُكْتَبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ۖ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا قَوْلًا لَّهُمْ وَمَا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: پس بڑی تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی کتاب اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں — یعنی اپنا تورات کا نسخہ خود تیار کرتے ہیں، اور اس میں تحریف کرتے ہیں — پھر کہتے ہیں: یہ (محرف عبارت) اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑی پونجی کمائیں — یعنی اس محرف عبارت کے مطابق رشوت لے کر فتویٰ دیتے ہیں — پس بڑی تباہی ہے ان کے لئے اس سے جو ان کے ہاتھ لکھتے ہیں — یعنی تحریف کرنے کی وجہ سے — اور بڑی تباہی ہے ان کے لئے اس سے جو وہ کماتے ہیں — یعنی گناہ ڈبل ہو گیا، اس لئے ڈبل تباہی ہے۔

۵- یہود و نصاریٰ دوزخ کے عذاب سے نڈر ہو گئے ہیں

اللہ کے نیک بندے ہمیشہ دوزخ کے عذاب سے ڈرتے ہیں: ﴿ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ عَذَابٍ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ ﴾
 اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا مُنُونٍ ۝ ﴿ نمازی بندے اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک ان کے رب کے عذاب سے کسی کو نڈر نہ ہونا چاہئے [المعارج ۲۷-۲۸]

مگر یہود کہتے ہیں: ہمیں دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں! اور اگر ہمیں دوزخ میں جانا پڑا تو گنتی کے چند دن دوزخ میں رہیں گے، جتنے دن ہمارے اسلاف نے پچھڑے کو پوچھا ہے، پھر ہمارے بڑے ہمیں چھڑالیں گے اور عیسائی کہتے ہیں: اللہ کے بیٹے ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، اس لئے اب ہم جو کچھ کریں کوئی فکر نہیں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: ان سے پوچھو: کیا تمہارا اللہ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ضرور پورا کریں گے، یا تم بس یونہی بے پرکی اڑاتے ہو؟ — ظاہر ہے اللہ کے ساتھ ان کا کوئی معاہدہ نہیں، وہ محض گپ اڑاتے ہیں، ان کے دل سخت ہو گئے ہیں، اور وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔

﴿ وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۗ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا اَنْ لَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَكُمْ ۗ اَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: ہمیں ہرگز دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی، مگر گنتی کے چند دن! — پوچھو: کیا تم نے اللہ سے کوئی ایسا قول و قرار کر لیا ہے کہ اللہ اپنے قول و قرار کے خلاف ہرگز نہیں کریں گے یا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم جانتے نہیں؟ — یعنی اللہ کی طرف بے سند بات منسوب کرتے ہو!

جزاؤ سزا کا قاعدہ

یہودی بات غلط ہے کہ وہ چند دن ہی دوزخ میں رہیں گے، بلکہ وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہیں گے، کیونکہ جزاؤ سزا کا ضابطہ یہ ہے کہ جس نے عظیم ترین گناہ (کفر و شرک) کا ارتکاب کیا، اور ساتھ ہی دوسرے گناہ بھی کئے، جنہوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک کام کئے، وہ ہمیشہ رہنے کے باغات میں عیش کریں گے۔

جاننا چاہئے کہ ﴿سَيِّئَةٌ﴾ کی تین تعظیم کے لئے ہے، یعنی بہت بڑا گناہ کمایا، کفر و شرک کا ارتکاب کیا، اور ساتھ ہی دوسرے گناہ بھی کئے، ان کو بھی کفر و شرک کے ساتھ ملایا جائے گا، ان کی سزا بھی ان کو تا ابد بھگتنی ہوگی، اسی طرح جنت ایمان کا بدلہ ہے، اور ساتھ ہی جو نیک کام کئے ہیں، ان کو بھی ایمان کے ساتھ ملایا جائے گا، ان کا بدلہ بھی جنت میں ابد تک کے لئے ملے گا۔

﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ قَالَ لِيكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝﴾

ترجمہ: کیوں نہیں! — یعنی ہمیشہ جہنم میں رہنا کیوں نہیں ہوگا؟ جزاؤ سزا کا ضابطہ سنو: — جس نے بڑے گناہ (کفر و شرک) کا ارتکاب کیا، اور اس کو اس کے گناہوں نے گھیر لیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے — اور جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک کام کئے وہی لوگ باغ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے!

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ قَدْ وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۖ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ۝

وَإِذْ	اور (یاد کرو) جب	بَنِي إِسْرَائِيلَ	بنی اسرائیل سے	وَ بِالْوَالِدَيْنِ	اور (سلوک کرو) ماں
أَخَذْنَا	لیا ہم نے	لَا تَعْبُدُونَ ^(۱)	نہیں عبادت کرتے تم	إِحْسَانًا ^(۲)	باپ کے ساتھ
مِيثَاقَ	قول و قرار	إِلَّا اللَّهَ	مگر اللہ کی		اچھا سلوک کرنا

(۱) لا تعبدون: میں التفات ہے، مضارع منفی بمعنی فعل نہی ہے، ای لا تعبدوا: عبادت مت کرو (۲) عامل محذوف ہے ای أَحْسِنُوا، اور إحسانا: مفعول مطلق ہے۔

پھر روگردانی کی تم نے	ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ	اچھی بات	حُسْنًا	اور کنبہ والوں کے ساتھ	وَذِي الْقُرْبَىٰ
مگر تھوڑوں نے	إِلَّا قَلِيلًا	اور قائم کرو	وَأَقِيمُوا	اور یتیموں کے ساتھ	وَالْيَتَامَىٰ
تم میں سے	مِنكُمْ	نماز	الصَّلَاةَ	اور محتاجوں کے ساتھ	وَالْمَسْكِينِ
در انحالیکہ تم	وَأَنْتُمْ	اور دو	وَأَنْتُمْ	اور کہو تم	وَقُولُوا
روگردانی کرنے والے ہو	مُعْرِضُونَ	زکات	الزَّكَاةَ	لوگوں سے	لِلنَّاسِ

یہود کی دوسری برائیاں

یہود کی قساوت قلبی کے مظاہر بیان کر کے اب ان کے اسلاف کی دوسری برائیاں بیان فرماتے ہیں، ان سے اخلاف کو یہ بتانا ہے کہ تمہارے اسلاف کا یہ حال تھا، پس تمہارا حال ان سے مختلف کیسے ہو سکتا ہے؟

۱۔ قول و قرار کر کے پھر جانابی اسرائیل کا شیوہ ہے!

جب موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تو بنی اسرائیل سے اس پر عمل کرنے کا عہد لیا، پہلے تو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، مگر جب ان کے سروں پر پہاڑ لٹکایا تو قبول کئے بغیر چارہ نہ رہا، مگر بہت جلد کتے کی دم ٹیڑھی ہو گئی، معدودے چند کے علاوہ بنی اسرائیل قول و قرار سے پھر گئے، اور تورات کے احکام پر عمل چھوڑ دیا، تورات میں ان کو پانچ اہم احکام دیئے گئے تھے: (۱) صرف اللہ کی عبادت کریں یعنی کسی اور کی نہ عبادت کریں نہ اس کو عبادت میں شریک کریں (۲) ماں باپ کے ساتھ اور کنبہ والوں کے ساتھ، اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ حسن سلوک کریں (۳) لوگوں سے سلیقہ سے بات کریں، اکھڑنے سے خطاب نہ کریں (۴) نماز کا اہتمام کریں (۵) زکات ادا کریں — مگر معدودے چند کے علاوہ عام یہودیوں نے ان احکام پر عمل چھوڑ دیا، کیونکہ وعدے سے پھر جانانا کا شیوہ ہے!

آیت پاک: — اور (یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے قول و قرار لیا (اور تورات میں احکام دیئے کہ) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور لوگوں سے بھلے انداز سے بات کرو، اور نماز کا اہتمام کرو، اور زکات ادا کرو — پھر تم نے روگردانی کی — اور ان احکام پر عمل نہیں کیا — اور تم تو ہو ہی وعدہ سے پھرنے والے لوگ!

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ

وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ۝ ثُمَّ أَنْتُمْ لَهُوْلَاءُ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِشْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسْرَىٰ تَقْدُواهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

۱۱۳

وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ	اور (یاد کرو) جب	تَشْهَدُونَ ^(۱)	گواہی دے رہے تھے	عَلَيْهِمْ	ان پر
ثُمَّ أَنْتُمْ لَهُوْلَاءُ	لیا ہم نے	ثُمَّ أَنْتُمْ لَهُوْلَاءُ ^(۲)	پھر تم اے لوگو!	بِالْإِشْمِ ^(۳)	گناہ سے
تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ	تم سے قول و قرار	تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ	قتل کرتے ہو اپنے لوگوں کو	وَالْعُدْوَانِ	اور زیادتی سے
وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ	نہیں بہاؤ گے تم	وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ	اپنے لوگوں کو اور نکالتے ہو	وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسْرَىٰ ^(۵)	اور اگر آتے ہیں وہ تمہارے پاس قیدی بن کر
تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ	اپنے خونوں کو	تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ	ایک جماعت کو	تَقْدُواهُمْ ^(۶)	فدیہ سے چھوڑتے
أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ	اور نہیں نکالو گے تم	أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ	تم میں سے	وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ ^(۷)	چھڑاتے ہو ان کو حالانکہ حرام کیا گیا ہے تم پر
فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ مِنكُمْ	تمہارے گھروں سے	فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ مِنكُمْ	ان کے گھروں سے		
إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	پھر اقرار کیا تم نے	إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	بہت بولتے ہو تم		
وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ	در انحالیکہ تم	وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ			

(۱) شہادت میں قسم کے معنی ہوتے ہیں (۲) ہولاء: منادی ہے، حرف ندا محذوف ہے، پھر حرف ندا اور منادی مل کر جملہ معترضہ ہے، اور انتم: مبتدا اور تفتلون خبر ہے (۳) تظاہرون: میں ایک تاء محذوف ہے، اور باب تفاعل میں اشتراک کا خاصہ ہے (۴) بالاشم: میں باء سببیہ ہے (۵) اساری: اسیر کی جمع، حال ہے (۶) تفتادوا: باب مفاعلہ میں بھی اشتراک کا خاصہ ہے، مفاداة: چھوڑنا، چھڑانا۔ (۷) هو: ضمیر شان ہے۔

یہ لوگ	أُولَٰئِكَ	سوائے رسوائی کے	الْآخِزِيُّ	ان کا نکالنا	لَاخِرَاجُهُمْ
وہ ہیں جو	الَّذِينَ	دنیا کی زندگی میں	فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	کیا پس مانتے ہو تم	أَفْتَوْمُنُونَ
خریدتے ہیں	اشْتَرَوْا	اور قیامت کے دن	وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ	کچھ	بِبَعْضِ
دنیا کی زندگی کو	الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	لوٹائے جائیں گے وہ	يُرَدُّونَ	کتاب کو	الْكِتَابِ
آخرت کے بدل	بِالْآخِرَةِ	سخت عذاب کی طرف	إِلَىٰ أَشَدِّ	اور انکار کرتے ہو تم	وَكُفْرًا وَّنَ
پس نہیں ہلکا کیا جائے گا	فَلَا يُخَفَّفُ		الْعَذَابِ	کچھ کا	بِبَعْضِ
ان سے	عَنْهُمْ	اور نہیں ہیں اللہ	وَمَا اللَّهُ	پس کیا سزا ہے	فَمَا جَزَاءُ
عذاب	الْعَذَابِ	بے خبر	بِغَافِلٍ	اس کی جو کرے	مَنْ يَفْعَلُ
اور نہ وہ	وَكَا هُمْ	ان کاموں سے جو	عَمَّا تَعْمَلُونَ	یہ کام	ذَٰلِكَ
مدد کئے جائیں گے	يُنصَرُونَ	کرتے ہو تم		تم میں سے	مِنْكُمْ

۲- بنی اسرائیل نے تورات کے حصے بخرے کئے!

بنی اسرائیل کی برائیوں کا بیان ہے، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تو بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ وہ تورات کے سارے احکام پر عمل کریں گے، اور انہوں نے نہایت پختگی سے اس کا اقرار کیا، مگر بعد میں انہوں نے تورات کے احکام کے حصے بخرے کئے، بعض احکام پر عمل کیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔

تورات میں ان کو تین احکام ایک ساتھ دیئے گئے تھے: (۱) ایک دوسرے کو قتل نہ کریں یعنی باہم نہ لڑیں (۲) ایک دوسرے کو بے خانمان نہ کریں یعنی جلاوطن نہ کریں (۳) کوئی اسرائیلی دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے تو اس کو فدیہ (بدلہ) دے کر چھڑالیں۔

مگر یہود باہم خوب لڑتے تھے: ﴿بِأَسْهُمَ بَيْنَهُمْ شَدِيدًا﴾: ان کی لڑائی آپس میں سخت ہوتی ہے [الحشر] ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور گھروں سے نکالتے تھے، یعنی دو حکموں پر عمل نہیں کرتے تھے، مگر باہمی جنگ میں جو پکڑا جاتا اس کو فدیہ دے کر چھڑاتے تھے اور چھوڑتے بھی تھے، یعنی اس حکم پر ضرور عمل کرتے تھے، اور کہتے تھے: لڑنا اور قتل کرنا اور بے گھر کرنا تو مجبوری ہے، دشمن کو زیر تو کرنا ہوگا، اور اپنے قیدیوں کو چھڑانا اور چھوڑنا تورات کا حکم ہے، اس پر عمل کرنا ضروری ہے، یہ انہوں نے تورات کے احکام کے حصے بخرے کئے، اس کی دنیوی اور اخروی سزا بیان کرتے ہیں۔

متنبیہ: انصار کے قبائل اوس و خزرج اور یہود کے قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ کے باہمی تعلقات اور ان کی باہمی جنگوں کو ان آیات کی تفسیر میں زیر بحث لانا ضروری نہیں، اس سے تفسیر پیچیدہ ہو جاتی ہے، یہ تو عام بات ہے، جب بھی یہود باہم لڑتے ہیں تو یہ صورت ہوتی ہے، دو حکموں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور ایک حکم پر عمل کرتے ہیں۔

آیات پاک مع تفسیر: — اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا — یہ قول و قرار اس وقت لیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تھی، پس یہ تمہید لوٹائی ہے — تم اپنے لوگوں کا خون نہیں بہاؤ گے — یعنی اسرائیلی: اسرائیلی کو قتل نہیں کرے گا، بنی اسرائیل باہم نہیں لڑیں گے — اور اپنے لوگوں کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالو گے — یعنی ان کو بے خانمان نہیں کرو گے — پس تم نے اقرار کیا، گویا تم قسمیں کھا رہے تھے — یہ قول و قرار کا تمہ ہے، یعنی تم نے اللہ کے ساتھ مضبوط عہد باندھا تھا — پھر تم — اے لوگو! — اپنے آدمیوں کو قتل کرتے ہو، اور اپنے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، گناہ اور زیادتی سے ایک دوسرے پر ہلہ بولتے ہو — یعنی دو حکموں پر عمل نہیں کرتے!

اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی بن کر آتے ہیں تو فدیہ لے دے کر چھوڑتے چھڑاتے ہو — یعنی ایک حکم پر عمل کرتے ہو — حالانکہ ان کا نکالنا — اور ان کو قتل کرنا بدرجہ اولیٰ — تم پر حرام کیا گیا ہے، پس کیا تم تورات کے بعض احکام کو مانتے ہو، اور بعض کا انکار کرتے ہو؟

پس (بتلاؤ) اس شخص کی سزا کیا ہو جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے، سوائے دنیا میں رسوائی کے؟ — یعنی دنیا میں وہ ذلت و رسوائی سے دوچار ہوگا — اور قیامت کے دن وہ سخت عذاب میں پہنچائے جائیں گے! اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو — یعنی وہ ہر ایک کو واجب سزا دیں گے!

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی آخرت کے عوض مول لی، پس نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے — یعنی کوئی اللہ تعالیٰ سے لڑ جھگڑ کر بھی ان کو بچا نہیں سکے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ ۖ فَفَرِّقُوا كَذَّبْتُمْ ۖ وَفَرِّقًا تَقْتُلُونَ ۝

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	آتینا	دی ہم نے	موسے	موسیٰ کو
----------	-----------------	-------	----------	------	----------

الکِتَابِ وَقَفَّيْنَا ^(۱) مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ	آسانی کتاب اور پے بہ پے بھیجے ہم نے ان کے بعد رسولوں کو اور دیئے ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کو	الْبَيِّنَاتِ وَآيَاتِنَا بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِبَيِّنَاتٍ	واضح معجزات اور قوی کیا ہم نے اس کو پاکیزہ روح کے ساتھ کیا پس جب بھی آیا تمہارے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر	لَا تَهْوَى أَنْفُسَكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَقَعَرَيْقًا كَذَّابْتُمْ وَقَعَرَيْقًا تَقْتُلُونَ	نہیں بھایا تمہارے دلوں کو (تو) گھمنڈ کیا تم نے پس ایک جماعت کو جھٹلایا تم نے اور ایک جماعت کو قتل کرتے ہو تم
--	---	---	--	---	--

۳۔ یہود نے اسرائیلی انبیاء کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا

یہود کی قباحتیں بیان ہو رہی ہیں، یہ ان کی تیسری قباحت ہے، اس کے بعد گریز کی آیت ہے، پھر خاتم النبیین ﷺ اور آپ کی امت کے تعلق سے یہود کی قباحتوں کا ذکر شروع ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد چار ہزار اسرائیلی انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، ان کے آخر میں عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، وہ خاتم انبیائے بنی اسرائیل ہیں، وہ واضح معجزات کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے، مردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھے اور کوڑھیوں کو چنگا کرنا، غیب کی باتیں بتانا وغیرہ ان کے کھلے معجزات تھے، اور ان کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، تا کہ یہود باوجود کوشش کے ان کو قتل نہ کر سکیں۔

ان اسرائیلی انبیاء کے ساتھ یہود کا معاملہ کیا رہا؟ جب بھی کوئی رسول مبعوث ہوتا، اور وہ کوئی ایسا حکم لاتا جو یہود کو پسند نہ آتا تو وہ اینٹھ جاتے، اس کی تکذیب کرتے یا اس کو قتل کر دیتے، زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے، مگر اللہ نے ان کو بچالیا اور آسمان پر اٹھالیا، سو چو! یہ کیسی شرمناک حرکتیں ہیں!

آیاتِ پاک: — اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو تورات عطا فرمائی، اور ہم نے ان کے بعد پے بہ پے رسولوں کو بھیجا، اور — اس سلسلہ کے آخری رسول — مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے واضح معجزات عطا فرمائے، اور پاکیزہ روح — جبرئیل علیہ السلام — کے ذریعہ ان کو تقویت پہنچائی — کیا پس جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول ایسا حکم لایا جو تمہارے دلوں کو نہیں بھایا تو تم اڑ گئے! پس کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو تہ تیغ کرتے ہو!

(۱) قَفَّيْنَا: تَقْفِيَةٌ (باب تفعیل): پیچھے کرنا، قَفَّأ (گدی) سے بنا ہے، اور اس کے دو مفعول ہوتے ہیں، من بعدہ: مفعول اول کے قائم مقام ہے، ای قفیناہ (موسیٰ کے پیچھے بھیجا) اور بالرسول: مفعول ثانی حرف جر کے ساتھ آیا ہے یعنی دوسرے رسولوں کو۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ۝ وَكَلَّمَا
جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۖ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى
الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۖ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝
يَسْمَا اشْتَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَعِيًّا ۖ أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ مِنْ
فَضْلِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ
مُّهِينٌ ۝

وَقَالُوا	اور کہا انہوں نے	كِتَابٌ	عظیم الشان کتاب	فَلَمَّا جَاءَهُمْ ^(۳)	پس جب پہنچی ان کو
قُلُوبُنَا	ہمارے دل	مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ^(۳)	اللہ کے پاس سے	مَا عَرَفُوا	وہ کتاب جس کو پہنچانا
غُلْفٌ ^(۱)	محفوظ ہیں	مُصَدِّقٌ	سچ بتانے والی	كَفَرُوا بِهِ	انہوں نے انکار کر دیا انہوں نے
بَلْ لَعَنَهُمُ	بلکہ لعنت کی ان پر	لِّمَا مَعَهُمْ	اس کو جو ان کے پاس ہے	فَلَعْنَةُ اللَّهِ	پس اللہ کی پھینکا رہو
اللَّهُ	اللہ نے	وَكَانُوا	در انحالیکہ تھے وہ	عَلَى الْكَافِرِينَ	انکار کرنے والوں پر
يَكْفُرِهِمْ	ان کے انکار کی وجہ سے	مِّن قَبْلُ	اس کتاب کے آنے پہلے	يَسْمَا	بری ہے وہ چیز جو
فَقَلِيلًا مَّا ^(۲)	پس بہت ہی کم	يَسْتَفْتِحُونَ	کامیابی مانگا کرتے تھے	اشْتَرَوْا ^(۲)	خریدی/مولی انہوں نے
يُؤْمِنُونَ	ایمان لاتے ہیں وہ	عَلَى الَّذِينَ	ان لوگوں پر جنہوں نے		
وَكَلَّمَا جَاءَهُمْ	اور جب پہنچی ان کو	كَفَرُوا	انکار کیا		

(۱) غُلْف: اُغْلَف کی جمع: وہ چیز جو کسی غلاف میں بند ہو، لفافہ میں پیک ہو (۲) ما: زائدہ، قلت کی تاکید کے لئے ہے
(۳) من عند اللہ: کتاب کی پہلی صفت، مصدق: دوسری صفت، اور لما کا جواب کفروا بہ محذوف، اور قرینہ اگلے لما کا
جواب ہے۔ (۴) یہ دوسرا پہلے لما کی تکرار ہے (۵) یسما: فعل ذم، فاعل ضمیر مستتر، ما: نکرہ موصولہ تیز، اور جملہ اشتروا:
مخصوص بالذم (۶) بیع و شرا: اضداد میں سے ہیں: بیچنا خریدنا دونوں ترجمے ہیں، اور ان کے دو مفعول ہوتے ہیں اور ثمن پر براء
آتی ہے، مگر بیع میں ثمن مرغوب فیہ ہوتا ہے، اور شرا میں مرغوب عنہ، جیسے بعث الكتاب بمائة روبية اور اشتریت الكتاب
بمائة روبية، اول میں سو روپے مرغوب فیہ ہیں اور ثانی میں کتاب مرغوب فیہ ہے، اور سو روپے مرغوب عنہ، حضرت تھانوی رحمہ
اللہ نے ملا کر ترجمہ کیا ہے: اختیار کرنا اور بہ کا مرجع ما ہے، اور اس کی تفسیر ان بکفروا ہے

پس لوٹے وہ	فَبَاؤُوا	اس پر کہ اتارتے ہیں	أَنْ يُنَزَّلَ ^(۳)	اس کے عوض	يَا
بڑے غصہ کے ساتھ	بِعَضَبٍ	اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	اپنی ذاتوں کے لئے	أَنْفُسَهُمْ ^(۱)
بڑے غصہ پر	عَلَىٰ غَضَبٍ	اپنے فضل سے	مِنْ فَضْلِهِ	یعنی انکار کتے ہیں وہ	أَنْ يَكْفُرُوا ^(۲)
اور انکار کرنے والوں	وَاللَّكْفِرِينَ	جس پر	عَلَىٰ مَنْ	اس کتاب کا جس کو اتارا	بِمَا أَنْزَلَ
کے لئے		چاہتے ہیں	يَشَاءُ	اللہ نے	اللَّهُ
رسوا گن عذاب ہے	عَذَابٌ مُّهِينٌ	اپنے بندوں میں سے	مِنْ عِبَادِهِ	ضد میں	بَغِيًّا ^(۳)

۴- یہود تکذیب انبیاء کی جو وجہ بیان کرتے ہیں وہ مہمل ہے!

یہود: جب ان کے انبیاء کوئی ایسا حکم لاتے جو ان کو پسند نہ آتا تو انکار کرتے، اور وجہ بیان کرتے کہ ہمارے دل پیک ہیں، تمہاری بات دل میں نہیں اترتی، اس لئے ہم نہیں مانتے، وہ یہی بات نبی ﷺ اور قرآن کے تعلق سے بھی کہتے تھے، اللہ پاک ان کا رد کرتے ہیں کہ بات یہ نہیں، بلکہ تمہارے دل پتھر ہو گئے ہیں، اللہ نے تم کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اس لئے تم حق بات قبول نہیں کرتے، دل تو کھلے ہیں، مگر بے بہرہ ہیں!

﴿ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ، بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴾

ترجمہ: اور یہود نے کہا: ہمارے دل پیک ہیں! — بلکہ ان کو ان کی تکذیب کی وجہ سے اللہ نے اپنی رحمت سے

دور کر دیا ہے، اس لئے وہ نہ جیسا ایمان لاتے ہیں!

۵- یہود قرآن کا انتظار کر رہے تھے، مگر جب قرآن اتر اور انہوں نے اس کو پہچان بھی لیا تو انکار کر دیا

مدینہ میں یہود کے تین قبائل آباد تھے، ان کی نفی کم تھی اور مشرکین کی زیادہ تھی، جب ان میں جنگ ہوتی اور یہودی مغلوب ہو جاتے تو وہ اللہ سے دعا مانگتے: ”الہی! ہم کو نبی آخر الزماں اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما!“ مگر جب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوئے، اور ان پر قرآن کریم نازل ہوا، اور اس نے تورات کی تصدیق کی، کیونکہ دونوں کتابیں ایک ہی چشمہ سے نکلی ہوئی نہریں تھیں، تو انہوں نے قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کر دیا، اور ملعون ہوئے!

﴿ وَكَلَّمَا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ

(۱) انفسہم: مفعول ثانی ہے (۲) ان: تفسیر یہ ہے، جملہ ما کی تفسیر ہے یعنی تکذیب و انکار (۳) بغیا: یکفروا کا مفعول لہ ہے

(۴) ان سے پہلے علی مقدر ہے۔

كُفَرُوا۟ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا۟ كَفَرُوا۟ بِهِۦٓ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيۡنَ ﴿۝۶﴾

ترجمہ: اور جب ان کو (یہود کو) اللہ کی طرف سے وہ عظیم الشان کتاب پہنچی، جو اس کتاب کو سچا بتاتی ہے جو ان کے پاس ہے (یعنی تورات کو) درنحالیکہ وہ لوگ اس کتاب کے نازل ہونے سے پہلے (اس کے طفیل سے) کامیابی کی دعا کیا کرتے تھے، ان لوگوں کے خلاف جو اسلام کو نہیں مانتے ہیں، پھر جب پہنچی ان کو وہ کتاب جس کو انھوں نے پہچان (بھی) لیا تو اس کا انکار کر دیا، سو لعنت ہوا انکار کرنے والوں پر!

۶- یہود قرآن کریم کا انکار محض ضد اور ہٹ دھرمی سے کرتے ہیں!

بنی اسرائیل: حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے، وہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں، اور عرب: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لئے وہ ابنائے عم (چچا زاد) ہیں، اور بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، آخر دور میں خاتم النبیین ﷺ مبعوث ہوئے، اور ان پر اللہ کی عظیم الشان کتاب نازل ہوئی تو یہود جل بھن گئے کہ یہ نعمت ہم سے کیوں نکل گئی، اور ہمارے چچا زاد بھائیوں کو کیوں مل گئی! اس ضد اور جلن میں وہ قرآن کریم اور حال قرآن پر ایمان نہیں لائے، جیسے ہندو کلکی اوتار (خاتم النبیین) کا انتظار کر رہے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ رسول ہندوؤں میں مبعوث ہونگے، مگر وہ عربوں میں مبعوث ہوئے، اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ رد فرماتے ہیں کہ نبوت و رسالت فضل خداوندی ہے، اور اللہ کا اختیار ہے کہ وہ جس کو چاہیں اس فضل سے بہرہ ور کریں، یہود کی اس پراجارہ داری نہیں، پس یہ چیز ایمان کے لئے مانع نہیں بننی چاہئے، جو اس ضد میں ایمان نہیں لائے گا وہ اللہ کے غضب بالائے غضب کا مستحق ہوگا، اور آخرت میں وہ رسوا کن عذاب سے دوچار ہوگا!

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا اَلۡمَنُوۡۤا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًاۢ اَنْ يُّنۡزَلَ اللّٰهُ مِنْ فَضۡلِهٖ عَلٰۤى مَنۡ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ فَبَاۤءُو۟ بِغَضَبٍ عَلٰۤى غَضَبٍ ۗ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِۡنٌ ﴿۝۶﴾

ترجمہ: بری ہے وہ چیز (تکذیب) جس کو اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں، یعنی اس کتاب کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے (اور انکار بھی) محض ضد کی بنا پر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کچھ فضل جس بندے پر ان کو منظور ہوتا ہے (کیوں) نازل فرماتے ہیں، سو وہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے، اور ان منکرین کے لئے رسوا کن عذاب ہے!

فائدہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہوگا وہ ان کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوگا، جیسے کپڑا میلا ہو جاتا ہے اور دھوبی کی بھٹی میں جاتا ہے تو وہ صفائی کے لئے

جاتا ہے، اور صافی جب گندی ہو جاتی ہے اور اس کو چولہے میں ڈالتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے جلنے کے لئے ڈالتے ہیں، اسی طرح کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا (فوائد شیخ الہند مع اضافہ)

وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُوْمِنُۢ بِمَاۤ اُنزِلَ عَلَيْنَا وَنَكْفُرُوْنَۢ بِمَاۤ وَّرَآءَۤهَا ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًاۢ لِّمَاۤ مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُۙ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۱ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهَا وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۰۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَّرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَاۤ اَتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَّاَسْمَعُوْا ۗ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاَشْرَبُوْا فِىۡ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ يُهْرِكُمْۙ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳

وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُوْمِنُۢ بِمَاۤ اُنزِلَ عَلَيْنَا وَنَكْفُرُوْنَۢ بِمَاۤ وَّرَآءَۤهَا ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًاۢ لِّمَاۤ مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُۙ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۱ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهَا وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۰۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَّرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَاۤ اَتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَّاَسْمَعُوْا ۗ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاَشْرَبُوْا فِىۡ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ يُهْرِكُمْۙ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳	اور جب کہا جاتا ہے ان سے ایمان لاؤ اس کتاب پر جو اتاری اللہ نے جواب دیتے ہیں وہ ایمان رکھتے ہیں ہم اس کتاب پر جو اتاری گئی ہے ہم پر اور انکار کرتے ہیں وہ اس کے علاوہ کا حالانکہ وہ برحق ہے	مُصَدِّقًا لِّمَاۤ مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُۙ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۱ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهَا وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۰۲ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَّرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَاۤ اَتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَّاَسْمَعُوْا ۗ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاَشْرَبُوْا فِىۡ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ يُهْرِكُمْۙ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳	تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس پوچھو پس کیوں قتل کرتے رہے اللہ کے نبیوں کو قبل ازیں اگر ہو تم ایماندار اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس موسیٰ واضح معجزات کے ساتھ پھر بنایا تم نے	العجل من بعدہ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَّرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَاۤ اَتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ	ان کے جانے کے بعد درانحالیکہ تم نا انصافی کرنے والے تھے اور (یا د کرو) جب لیا ہم نے تم سے قول و قرار اور اٹھایا ہم نے تمہارے اوپر طور پہاڑ کو لو تم جو دیا ہم نے تم کو مضبوطی سے
--	---	---	---	--	--

وَأَسْمَعُوا ^(۱)	اور سنو تم	فِي قُلُوبِهِمْ	ان کے دلوں میں	يَا هُرِّكُوهُ	حکم دیتا ہے تم کو
قَالُوا	کہا انہوں نے	الْعَجَل ^(۳)	مچھڑا	بِهَا	ان باتوں کا
سَمِعْنَا	سنا ہم نے	بِكُفْرِهِمْ ^(۴)	ان کے کفر کی وجہ سے	لَا يُمَانُ لَكُمْ	تمہارا ایمان
وَعَصَيْبِنَا ^(۲)	اور نافرمانی کی ہم نے	قُلْ	کہو	إِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَأَنْتُمْ بُنَا	اور پلائے گئے وہ	بِئْسَمَا	بری ہیں وہ باتیں جو	مُؤْمِنِينَ	سچے

۷۔ یہود کا تورات کے بارے میں غلط عقیدہ ایمان کی راہ کا روڑا بنا!

موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے بارے میں یہود کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل الانبیاء ہیں، ان سے بڑا کوئی نبی نہیں، اور تورات اللہ نے ان کو املا کرائی ہے، تورات بدل نہیں سکتی، نہ اس میں حذف و اضافہ کیا جاسکتا ہے، یہود اسی عقیدے کی وجہ سے انجیل اور قرآن کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم صرف تورات کو مانتے ہیں، اس کے علاوہ کسی کتاب کو نہیں مانتے، جبکہ انجیل: تورات کا ضمیمہ تھی، وہ تورات کی تصدیق کرتی تھی، اور اس میں حسب ضرورت تبدیلی کرتی تھی، اور وہ اللہ کی برحق کتاب تھی، اسی طرح قرآن کریم بھی اللہ کی برحق کتاب ہے، تورات کی تصدیق کرتی ہے، مگر یہود کا تورات کے بارے میں غلط اعتقاد ایمان کی راہ کا روڑا بنا ہوا ہے۔

الزامی جواب: اللہ پاک فرماتے ہیں: یہود سے تین باتیں پوچھو:

۱۔ اگر تمہارا تورات پر ایمان تھا تو تم نے اسرائیلی انبیاء (زرکریا و یحییٰ علیہما السلام) کو قتل کیوں کیا؟ وہ تو تمہارے اعتقاد کے مطابق بھی سچے نبی تھے!

۲۔ جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تورات لینے گئے تو تم نے پیچھے مچھڑا کیوں بنایا؟ تم نے یہ کیا غضب ڈھایا! کیا نعمت تورات کے انتظار کا یہی تقاضا تھا؟

۳۔ جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے تو تم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، یہاں تک کہ طور پہاڑ کا ایک

(۱) اسمعوا: سنو تم یعنی تورات کے احکام (۲) زبان سے تو سنا، کہا، اور دل میں تھا کہ عمل کون کرتا ہے؟ (۳) العجل: ای حب العجل: مچھڑے کی محبت (۴) بکفرہم: یعنی پہلے جو اللہ کا انکار کیا اور مچھڑے کو معبود بنایا: یہ کفر دلوں سے پوری طرح نہیں نکلا تھا، جو مرتدین قتل سے بچ گئے تھے اور معاف کر دیئے گئے تھے: ان کے دلوں میں بھی مچھڑے کی محبت رہ گئی تھی، زائل نہیں ہوئی تھی، اور جنہوں نے مچھڑے کو نہیں پوجا تھا، مگر خاموشی اختیار کی تھی انہوں نے مد اہنت کی تھی، وہ جذبہ بھی دلوں میں باقی تھا۔

حصہ تمہارے سروں پر لٹکا کر قول و قرار لینا پڑا کہ تم اس پر مضبوطی سے عمل کرو گے، پھر تم نے زبان سے تو ہاں کہا، اور دلوں میں 'نا' تھا، اس طرح تم نے منافقانہ اقرار کیا، کیا یہی تورات پر ایمان ہے؟ — دراصل اس منافقانہ اقرار کی وجہ یہ تھی کہ سابقہ کفر کی وجہ سے کچھڑے کی محبت تمہارے دلوں میں پیوست ہو گئی تھی، وہ کسی طرح نکلی ہی نہیں! پس بری ہیں وہ باتیں جن کا تمہارا تورات پر ایمان تم کو حکم دیتا ہے!

آیاتِ پاک: — اور جب ان (یہود) سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب (قرآن) کو مانو جو اللہ نے اتاری ہے، تو وہ جواب دیتے ہیں: ہم صرف اس کتاب کو مانتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی ہے، اور وہ اس کے علاوہ (کتابوں) کا انکار کرتے ہیں، جبکہ وہ برحق کتاب ہے اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے۔

پوچھو: (۱) پھر تم قبل ازیں انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے، اگر تمہارا (تورات پر) ایمان تھا؟ — (۲) اور موسیٰ تمہارے پاس واضح دلائل کے ساتھ آئے، پھر تم نے کچھڑا بنا لیا، ان کے طور پر جانے کے بعد، درانحالیکہ تم غضب ڈھا رہے تھے! — (۳) اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا، اور ہم نے تم پر طور پہاڑ کو معلق کیا (اور کہا: مضبوطی سے لو اس کتاب کو جو ہم نے تم کو دی ہے، اور بات سنو (یعنی تورات کی باتوں پر عمل کرو) — تو تم نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی — یعنی زبان سے تو اقرار کیا، مگر دلوں میں نافرمانی کا جذبہ تھا — اور ان کے دلوں میں کچھڑا پیوست کر دیا گیا تھا ان کے کفر کی وجہ سے! — یعنی کچھڑے کی محبت دلوں سے نکلی ہی نہیں!

کہو: بری ہیں وہ باتیں جن کا تمہارا (تورات پر) ایمان حکم دیتا ہے، اگر تم سچے ہو کہ تمہارا تورات پر ایمان ہے!

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ إِلَيْهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۱۱﴾
وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِ ۗ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۗ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ
لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۗ وَمَا هُوَ بِمُرْجَزِهَا مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ
بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾

قُلْ	کہو	إِنْ كَانَتْ	اگر ہے	لَكُمْ	تمہارے لئے
------	-----	--------------	--------	--------	------------

(۱) لکم: کالت کی خبر مقدم ہے۔

ان کا ہر ایک	أَحَدُهُمْ	آگے بھیجے ہیں	قَدَّامَت	آخرت کا گھر	الذَّارِ الْآخِرَةَ
کاش زندہ رہتا وہ	لَوْ يُعَمَّرُ	ان کے ہاتھوں نے	أَيْدِيَهُمْ	اللہ کے یہاں	عِنْدَ اللَّهِ
ہزار سال	أَلْفَ سَنَةٍ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	مخصوص	خَالِصَةً ^(۱)
اور نہیں ہے وہ	وَمَا هُوَ ^(۳)	خوب جانتے ہیں	عَلِيمٌ	لوگوں کے سوا	مِن دُونِ النَّاسِ
اس کو دور کرنے والا	بِمَنْ حِزْبِهِ ^(۵)	نا انصافوں کو	بِالظَّالِمِينَ	پس آرزو کرو	فَاتَمَتُوا
عذاب سے	مِنَ الْعَذَابِ	اور ضرور پلے گا تو ان کو	وَلَتَجِدَنَّهُمْ	موت کی	الْمَوْتِ
یعنی زندہ رہنا	أَنْ يُعَمَّرَ ^(۶)	زیادہ حریص	أَحْرَصَ ^(۲)	اگر ہو تم	لِأَنْ كُنْتُمْ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	لوگوں میں	النَّاسِ	سچے	صَادِقِينَ
خوب دیکھنے والے ہیں	بَصِيرٌ	زندگی پر	عَلَى حَيَاتِهِ	اور ہرگز آرزو نہیں کریں	وَلَنْ يَتَمَتَّوْا
ان کاموں کو جو وہ	بِمَا يَعْمَلُونَ	اور ان لوگوں سے جنہوں نے	وَمِنَ الَّذِينَ ^(۳)	گے وہ اس کی	
کر رہے ہیں		شرک کیا	أَشْرَكُوا	کبھی بھی	أَبَدًا
		چاہتا ہے	يُودُّ	ان کاموں کی وجہ سے جو	بِمَا

۸- یہودی کی یہ خوش فہمی بھی ایمان کے لئے مانع بنی کہ آخرت میں وہی اللہ کے پاس مزے لوٹیں گے!

یہودی کہتے ہیں: وہی آخرت میں (دوسرے عالم میں) اللہ کے پاس مزے سے رہیں گے، اس لئے ان کو قیامت کا کوئی ڈر نہیں، وہ اللہ کے لاڈلے، چہیتے بیٹے ہیں، یہ ان کی خوش فہمی تھی جو ایمان کی راہ کا روڑا بنی!

اللہ پاک ان سے تین باتیں فرماتے ہیں:

۱- اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو وصل حبیب کے لئے ریزرویشن کرا لو، موت کی تمنا کرو، موت ہی وہ ٹیل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے۔

۲- پیشین گوئی سنو: یہودی ہرگز موت کی آرزو نہیں کریں گے، وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے کیا لچھن کئے ہیں، ان کو

(۱) خالصۃ: الدار کا حال ہے (۲) أحرص: لتجدن کا مفعول ثانی ہے (۳) من الذین کا عطف الناس پر ہے، ای: وأحرص من الذین دوسرا ترکیبی احتمال یہ ہے کہ من الذین: خبر مقدم، اور جملہ یود: مبتدأ مؤخر، اس لئے معانقہ بنایا ہے، مگر یہ احتمال صحیح نہیں (۴) هو: ضمیر مبہم ہے، اس کی تفسیر ان یعمرو ہے (۵) مؤزح: اسم فاعل، مؤزحہ (رباعی مجرد): ہٹانا، دور کرنا (۶) أن: مصدریہ، برائے تفسیر ای تعمیرہ: اس کا زندہ رہنا۔

حساب کا دھڑکا لگا ہوا ہے، اللہ پاک ان ظالموں کے احوال سے باخبر ہیں!

۳- وہ موت کی آرزو تو کیا کریں گے، وہ تو جینے کے انتہائی حریص ہیں، مشرکین سے بھی زیادہ جو آخرت کے قائل نہیں، آواگون کے قائل ہیں، ہر ایک یہودی ہزار سال جینا چاہتا ہے، پس کیا یہ لمبی زندگی اس کو دوزخ سے بچالے گی؟ ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں کی ان کو ضرور سزا دیں گے۔

تنبیہ: دین سے جاہل (نادان) مسلمان بھی اسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں، وہ کہتے ہیں: ہم محبوب کی امت ہیں، اور اللہ غفور رحیم ہیں، ہم دوزخ میں کیسے جائیں گے؟ یہ لوگ بھی جنت کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، اس لئے بدکردار ہیں، وہ موت کی تمنا کر کے دیکھیں! کبھی مرنے کے لئے تیار نہیں ہونگے!

آیات پاک: — (یہود سے) کہو: اگر آخرت کا گھر اللہ کے یہاں تمہارے لئے مخصوص ہے، بلا شرکتِ غیرے تو:

۱- موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو!

۲- اور وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے کبھی بھی، ان کے ان کاموں کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے

ہیں، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں!

۳- اور آپ ضرور ان کو زندگی کا سب سے زیادہ حریص پائیں گے، اور مشرکین سے بھی! ان میں سے ہر ایک امیدوار

ہے کہ کاش وہ ہزار سال زندہ رہے! اور وہ ہزار سالہ زندگی اس کو عذاب سے ہٹانے والی نہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں

سے خوب واقف ہیں!

فائدہ: میں لندن میں جس مسجد میں قیام کرتا ہوں (مسجد قبا) اس کا آدھا محلہ یہودیوں پر مشتمل ہے، مسلمانوں کا ان

کے ساتھ ملنا جلنا ہے، انھوں نے مجھے بتایا کہ یہودی موت کا لفظ سننا بھی پسند نہیں کرتے، سہم جاتے ہیں، وہ موت کی تمنا

کیا کریں گے؟

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرًا لِلْمُؤْمِنِينَ ٥٠ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ٥١ وَكَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ٥٢ أَوَكَلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ٥٣ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ٥٤ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

مَعَهُمْ نَبْدًا فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كَتَبَ اللَّهُ وِرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَانَتْهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ۝

ان کے اکثروں نے	اَكْتَرُهُمْ	اور جبریل کا	وَجِبْرِيلَ	کہو:	قُلْ
مانا ہی نہیں	لَا يُؤْمِنُونَ	اور میکائیل کا	وَمِيكَائِيلَ	جو ہے	مَنْ كَانَ ^(۱)
اور جب	وَلَمَّا	پس بیشک اللہ تعالیٰ	فَإِنَّ اللَّهَ	دشمن	عَدُوًّا
پہنچے ان کے پاس	جَاءَهُمْ	دشمن ہیں	عَدُوٌّ	جبریل کا	لِجِبْرِيلَ
عظیم الشان رسول	رَسُولٍ ^(۵)	نہ ماننے والوں کا	لِلْكَافِرِينَ	تو بے شک اس نے	فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ
اللہ کی طرف سے	مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ	اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ	وَلَقَدْ	اتارا ہے اس کو	عَلَى قَلْبِكَ
تصدیق کرنے والے	مُصَدِّقٍ ^(۶)	ہم نے اتاری ہیں	أَنْزَلْنَا	آپ کے دل پر	بِإِذْنِ اللَّهِ
اس کتاب کی جو	لِمَا	آپ کی طرف	إِلَيْكَ	بہ اذن الہی	مُصَدِّقًا ^(۲)
ان کے پاس ہے	مَعَهُمْ	واضح آیتیں	آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ	سچا بتانے والا	لِمَا بَيَّنَّ يَدَيْهِ
(تو) پھینک دیا	نَبْدًا	اور نہیں انکار کرتے	وَمَا يَكْفُرُوا	اس کو جو اس کے سامنے ہے	وَهُدًى ^(۲)
ایک جماعت نے	فَرِيقٌ	ان کا	بِهَتْأَ	اور راہ نما	وَأَبْشُرًا ^(۲)
ان میں سے جو	مِّنَ الَّذِينَ	مگر نافرمان لوگ	إِلَّا الْفَاسِقُونَ	اور خوش خبری	لِلْمُؤْمِنِينَ
دیئے گئے	أُوتُوا	کیا اور جب بھی	أَوْ كَلِمَاتٍ ^(۳)	ماننے والوں کے لئے	مَنْ كَانَ
کتاب	الْكِتَابَ	قول وقرار کیا انھوں نے	عَهْدًا	جو ہے	عَدُوًّا
اللہ کی کتاب کو	كَتَبَ اللَّهُ	پختہ قول وقرار	عَهْدًا	دشمن	لِلَّهِ
اپنی پیٹھ کے پیچھے	وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ	(تو) پھینک دیا اس کو	نَبْدًا ^(۳)	اللہ کا	وَمَلَكِيَّتِهِ
گویا وہ	كَانَتْهُمْ	ان کی ایک جماعت نے	فَرِيقٌ مِّنْهُمْ	اور اس کے فرشتوں کا	وَرُسُلِهِ
جانتے ہی نہیں!	لَا يَعْلَمُونَ	بلکہ	بَلْ	اور اس کے رسولوں کا	

(۱) مَنْ: موصولہ، مضمّن معنی شرط ہے، اور اس کا جواب محذوف ہے: اُمّی فلا وجہ لعداوتہ: تو ہوا کرے! (۲) نزولہ کے مفعول کے احوال ہیں (۳) استفہام انکاری ہے (۴) لہذا: کلمہ کا جواب ہے اور یہی استفہام انکاری کا محل ہے (۵) رسول کی تثنوین تعظیم کے لئے ہے، مراد نبی ﷺ ہیں (۶) مصدق: رسول کی صفت ہے۔

۹۔ یہود کی جبرئیل دشمنی بھی ایمان کے لئے مانع بنی!

یہود: حضرت میکائیل علیہ السلام کو پسند کرتے ہیں، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دشمنی رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میکائیل روزی، بارش اور خوش حالی اتارتے ہیں، اور جبرئیل عذاب اتارتے ہیں، ہمارے بڑوں کو ان سے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں، اس لئے ہم ان کی لائی ہوئی وحی نہیں مانتے، میکائیل وحی لاتے تو ہم مان لیتے۔

عبداللہ بن صوریہ (یہودی عالم) نے نبی ﷺ سے پوچھا: آپ کے پاس وحی کون لاتا ہے؟ آپ نے فرمایا: جبرئیل لاتے ہیں، اس نے کہا: ”وہ ہمارے (بنی اسرائیل کے) دشمن ہیں، میکائیل وحی لاتے تو ہم مان لیتے!“

اس کا جواب یہ ہے کہ جبرئیل تو محض واسطہ ہیں، وہ بہ حکم الہی وحی اتارتے ہیں، ان کا اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا، اسی طرح وہ عذاب بھی اتارتے ہیں، پھر ان سے دشمنی کے کیا معنی؟ اور سن لو! جو اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہے: اللہ تعالیٰ اس کے دشمن ہیں، اور جس کا دشمن اللہ ہو اس کا انجام کیا ہوگا؟ خوب سوچ لو!

اور ملائکہ میں جبرئیل و میکائیل علیہما السلام بھی شامل ہیں، پھر ان کا ذکر تسویہ کے لئے کیا ہے، یعنی دونوں سے دوستی اور دشمنی یکساں ہے، پس جب تم جبرئیل علیہ السلام کے دشمن ہو تو میکائیل علیہ السلام کے بھی دشمن ہوئے، لافرق بینہما! اور درمیان کلام میں قرآن کریم کے تعلق سے چار باتیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بہ اذن الہی قرآن کریم کی وحی نبی ﷺ کے دل پر اتارتے ہیں، قرآن کریم کی وحی ہمیشہ جبرئیل علیہ السلام لاتے تھے، اور آپ کے سامنے پڑھتے تھے، آپ کو نازل کیا ہوا قرآن یاد ہو جاتا تھا، اور دل بوجھ لیتا تھا، جبرئیل کا پڑھنا صرف کان میں نہیں پڑتا تھا، کیونکہ کان میں پڑی ہوئی بات تو دوسرے کان سے نکل بھی جاتی ہے، اور جب بات دل میں اتر جائے تو نکلنے کا سوال نہیں!

۲۔ قرآن کریم سابقہ تمام سماوی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، کیونکہ سب ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، اس میں تورات کی تصدیق بھی آگئی، آیت تورات کی تصدیق کے ساتھ خاص نہیں۔ ما: عام ہے۔

۳۔ قرآن کریم سبھی انسانوں کی راہ نمائی کے لئے نازل ہوا ہے: ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ہے، سب انسانوں کے لئے پیام رحمت ہے، یہ مسلمانوں ہی کی مبارک کتاب نہیں، آج کل لوگوں کو ایسی غلط فہمی ہو گئی ہے۔

۴۔ قرآن کریم ان لوگوں کو خوش خبری سناتا ہے جو اس کی بات مان لیتے ہیں، یہ آدھا مضمون ہے، اور جو لوگ اس کی دعوت نہیں مانتے گے ان کو برے دن سے سابقہ پڑے گا!

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرًا لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ۝﴾

ترجمہ: کہو: جو شخص جبرئیل کا دشمن ہے (تو ہوا کرے!) کیونکہ انھوں نے قرآن کو آپ کے قلب پر بہ اذن الہی نازل کیا ہے (ان کا قرآن میں کچھ دخل نہیں) جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور راہ نما ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے مژدہ ہے! — جو اللہ کا دشمن ہے، اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا، اور جبرئیل و میکائیل کا تو اللہ (قرآن پر) ایمان نہ لانے والوں کے دشمن ہیں!

۱۰۔ نقض عہد کی خصلت بھی یہود کے لئے مانع ایمان بنی!

تمام امتوں سے ان کے انبیاء کے توسط سے عہد الست میں قول و قرار لیا گیا ہے کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، اس عہد کا ذکر سورۃ آل عمران (آیت ۸۱) میں ہے، پس کیا بنی اسرائیل سے امید کی جائے کہ وہ اس پیمان کا لحاظ کر کے ایمان لائیں گے؟ نہیں! اس کی امید نہیں، وہ حد اطاعت سے نکلنے والے لوگ ہیں، وہ اس قول و قرار کا پاس و لحاظ نہیں کریں گے۔

اور نقض عہد ان کی پرانی عادت ہے، انھوں نے جب بھی اللہ سے کوئی عہد کیا ہے تو ان کی ایک جماعت نے اس کو پس پشت ڈال دیا ہے، اور زیادہ تر لوگوں نے تو اس کو قبول ہی نہیں کیا، مثلاً:

(۱) انھوں نے تورات کا مطالبہ کیا، یہ ایک عہد تھا کہ وہ اس کو قبول کریں گے مگر جب تورات دی گئی تو قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ ان کا مرغانا پڑا تب قبول کیا، اور وہ بھی صرف زبانی، دل تو ان کے انکاری تھے۔

۲۔ جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تورات لینے گئے تو ان کی ایک جماعت ایمان سے پھر گئی، اور چمٹھڑے کو خدا بنا لیا، جبکہ ایمان لانا ایک عہد تھا کہ وہ غیر اللہ کی پوجا نہیں کریں گے۔

۳۔ تورات قبول کرنے کے بعد چمٹیروں نے سبت کی حرمت پامال کی تو ان کو بندر بنا دیا، تاکہ مد اہنت کرنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔

غرض: نقض عہد ان کی پرانی خصلت ہے، اب ان کے پاس عظیم الشان رسول آئے ہیں، اور قرآن کریم لائے ہیں، جس کی آیتیں واضح ہیں، اور وہ تورات کی تصدیق کرتی ہے، اور تورات میں نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کا عہد ہے، مگر ان کی ایک جماعت نے اس کو پس پشت ڈال دیا، گویا وہ تورات کے اس حکم کو جانتے ہی نہیں، بس کچھ ہی خوش نصیب افراد ایمان لائے، باقی محروم رہے!

﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ۗ أَوَكَلَّمَا عَاهَدُوا عَاهِدًا نَبَذُوا فِرِينَ مِّنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۗ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ

نَبَدَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں اتاری ہیں، جن کا انکار حد اطاعت سے نکلنے والے ہی کریں گے — کیا ایسا نہیں ہے کہ جب بھی انھوں نے کوئی پختہ عہد کیا تو ان کی ایک جماعت نے ان کو پس پشت ڈال دیا؟ بلکہ ان کے اکثر نے تو اس کو (دل سے) مانا ہی نہیں! — اور جب ان کے پاس عظیم الشان رسول: اللہ کی طرف سے پہنچے جو اس کتاب کی تصدیق کرتے ہیں جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب (تورات) کو پس پشت ڈال دیا، گویا وہ اس کو جانتے ہی نہیں!

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرًا وَيُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ۖ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۖ وَمَا يُعَلِّمُونَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ ۖ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۖ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۖ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۗ وَلَيْئَسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّو كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۲﴾

وَاتَّبَعُوا	اور پیروی کی انھوں نے	سُلَيْمَانَ	سلیمان کی	كَفَرُوا	کفر کیا
مَا	اس کی جس کو	وَمَا كَفَرَ	اور نہیں کفر کیا	يُعَلِّمُونَ ^(۳)	سکھلاتے ہیں وہ
تَتْلُوا	پڑھتے تھے	سُلَيْمَانَ	سلیمان نے	النَّاسَ	لوگوں کو
الشَّيْطَانِ ^(۱)	شیاطین	وَلَٰكِنَّ	بلکہ	السِّحْرَ	جادو
عَلَىٰ مُلْكِ	بادشاہت میں	الشَّيْطَانِ	شیاطین نے	وَمَا أُنزِلَ ^(۴)	اور جو اتارا گیا

(۱) شیاطین سے شیاطین الجن والانس: دونوں مراد ہیں (۲) کفر: جادو پر کفر کا اطلاق کیا ہے، کیونکہ جادو کرنا کفر ہے (۳) يعلمون کی ضمیر فاعل کا مرجع شیاطین ہیں۔ (۴) وما انزل: کا عطف السحر پر ہے، یہی اقرب معطوف علیہ ہے، اور مفسرین کرام نے عام طور پر ما تعلقو پر عطف مانا ہے، اور واتبعوا سے جوڑا ہے، حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہے۔

کونسی حصہ	مِنْ خَلْقٍ	اور اس کی بیوی (کے	وَزَوْجِهِ	دو (زمینی) فرشتوں پر	عَلَى الْمَلَائِكَةِ
اور البتہ برا ہے	وَلَيْسَ	درمیان)		بائبل شہر میں	يَبَابِلَ
جو اختیار کیا انھوں نے	مَا شَرَوْا ^(۱)	اور نہیں ہیں وہ (ساحر)	وَمَا هُمْ	ہاروت	هَارُوتَ
اس کے عوض میں	بِهِ	نقصان پہنچانے والے	بِصَارَتَيْنِ	اور ماروت پر	وَمَا رُوتَ
اپنی ذاتوں کے لئے	أَنْفُسَهُمْ	اس (سحر) کے ذریعہ	بِهِ	اور نہیں سکھلاتے ہیں	وَمَا يَعْلَمِينَ
کاش ہوتے وہ	لَوْ كَانُوا	کسی کو بھی	مِنْ أَحَدٍ	وہ دونوں	مِنْ أَحَدٍ
جانتے	يَعْلَمُونَ	مگر اجازت سے	إِلَّا بِإِذْنِ	کسی کو بھی	حَتَّى يَقُولَ
اور اگر وہ	وَلَوْ آتَاهُمْ	اللہ کی	اللَّهُ	یہاں تک کہ کہتے ہیں	كَلِمَاتٍ
ایمان لاتے	أَمَنُوا	اور سیکھتے ہیں وہ	وَيَتَعَلَّمُونَ	دونوں	إِنَّمَا نَحْنُ
اور اللہ سے ڈرتے	وَأَتَّقُوا	جو نقصان پہنچائے انکو	مَا يَصْرُفُهُمْ	اس کے سوا نہیں کہ ہم	فِتْنَةٌ
البتہ بدلہ	لَمَثُوبَةٌ	اور نفع پہنچائے ان کو	وَلَا يَنْفَعُهُمْ	آزمائش ہیں	فَلَا تَكْفُرُ
اللہ کے پاس	مَنْ عِنْدَ اللَّهِ	اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ	وَلَقَدْ	پس تو کفر نہ کر	فَيَتَعَلَّمُونَ
بہتر تھا	خَيْرٌ	جانتے ہیں وہ	عَلِمُوا	پس سیکھتے ہیں وہ	وَمِنْهُمَا
کاش	لَوْ	البتہ جس نے خریدا اس	لَكِنَّ اشْتَرَاهُ	ان دونوں سے	مَا يُفْرَقُونَ
ہوتے وہ	كَانُوا	(سحر) کو	مَالَهُ	وہ جو جدائی کریں وہ	بِهِ
جانتے	يَعْلَمُونَ	نہیں ہے اس کے لئے	فِي الْآخِرَةِ	اس کے ذریعہ	بَيْنَ الْمَرْءِ
❁	❁	آخرت میں		آدمی کے درمیان	

۱۱۔ یہودی لایعنی علم میں مشغولیت بھی ایمان کے لئے مانع بنی!

یہ دو آیتیں اہم ہیں، پہلی آیت میں ضمنی باتیں بھی ہیں، اس لئے پہلے چند باتیں عرض ہیں:

۱۔ یہود میں جادو کا بڑا زور ہے، نبی ﷺ پر جادو ایک یہودی منافق نے کیا تھا، اور ان کا خیال ہے کہ ان کو یہ علم حضرت سلیمان علیہ السلام سے حاصل ہوا ہے، یہ افتراء ہے، قرآن کریم نے اس کی تردید کی ہے کہ جادو کفر ہے اور سلیمان (۱) شری: اصداد میں سے ہے، بیچنا اور خریدنا: دونوں معنی ہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے دونوں کو ملا کر اختیار کرنا ترجمہ کیا ہے، اور بہ کام جمع ما ہے، اور ما سے مراد جادو ہے۔

علیہ السلام پیغمبر تھے، وہ کفر کیسے کر سکتے ہیں؟

۲- یہود: حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام کو نبی نہیں مانتے، صرف بادشاہ مانتے ہیں، انہوں نے سلیمان علیہ السلام کی طرف شرک (مورتی پوجا) کی بھی نسبت کی ہے، اور ان کی حکومت کی عالم گیریت کو جادو کا کرشمہ قرار دیا ہے، مگر زبور اور امثال سلیمان کو بائبل میں شامل بھی کیا ہے، بائبل تو ان کے نزدیک آسمانی کتابوں کا مجموعہ ہے!

۳- ہاروت و ماروت: زمینی فرشتے ہیں، ان کو رجال الغیب بھی کہا جاتا ہے، ان سے تکوینی امور متعلق کئے جاتے ہیں، اور تکوینی امور شریعت کے چوکھٹے میں نہیں آتے، حضرت خضر علیہ السلام نے جو زمینی فرشتے تھے ایک بے گناہ بچے کو مار ڈالا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر شریعت کی رو سے اعتراض کیا تھا، مگر حضرت خضر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ قتل کی حکمت بیان کی، کیونکہ تکوینیات کا دائرہ الگ ہے اور تشریعیات کا الگ، چٹان گرتی ہے اور کوئی بے گناہ دب کر مر جاتا ہے تو کسی پر مقدمہ نہیں کیا جاتا، اسی طرح ہاروت و ماروت جو میاں بیوی میں جدائی کا افسوس سکھاتے تھے اس کو بھی شریعت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے، شرعاً ایسا تعویذ حرام ہے یہ بھی جادو ہے۔

۴- سلیمان علیہ السلام کا زمانہ تو بہت پہلے ہے، ان کا زمانہ موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہے، ان کی حکومت چرند و پرند اور جن و انس پر تھی، دربار سلیمانی میں آدمیوں کے ساتھ جنات بھی بیٹھتے تھے، اس زمانہ میں انسان اور جنات رلے ملے تھے، چنانچہ آدمیوں نے جنات سے جادو سیکھا، یہ شیاطین الجن ہیں، پھر جن انسانوں نے سیکھا انہوں نے آگے سکھایا، یہ شیاطین الانس ہیں، یہ جادو نسل در نسل یہود میں چلا آ رہا ہے۔

۵- ۶۸۶ قبل مسیح میں جب بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو بابل و نینوی کے تاجدار بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا، اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور ستر ہزار بنی اسرائیل کو قید کر کے بابل لے گیا، اور ان کو غلام بنا لیا، وہاں وہ سو سال غلامی میں رہے۔ پھر ۵۵۹ قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ دارائے اول نے حملہ کر کے بنی اسرائیل کو قید سے آزاد کرایا، اور ان کو لوٹ کر دوبارہ بیت المقدس آباد کرنے کی اجازت دی۔

اس اسارت کے زمانہ میں حضرت عزیر علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں، تو رات ضائع ہو گئی تھی، اس کو انہوں نے اپنی یادداشت سے لکھوایا، اس لئے بعض نے ان کو اللہ کا بیٹا مان لیا، اُس غلامی کے دور میں بنی اسرائیل کے آقا ان پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے، چین سے سونے بھی نہیں دیتے تھے، اللہ نے ان پر رحم فرمایا، اور دوزمینی فرشتوں ہاروت و ماروت کو مقرر کیا کہ وہ گھر گھر جا کر بنی اسرائیل کو ایک افسوس سکھلائیں، جس سے سیٹھ اور سیٹھانی میں بچے اور نوکر آرام سے سوائے! یہ کام نبی سے نہیں لیا گیا: ایک تو یہ کام ان کے منصب کے خلاف تھا، دوم: جب وہ سکھانے جائیں گے تو سیٹھ دیکھے گا، اور رجال

الغیب متعلقہ شخص ہی کو نظر آتے ہیں، دوسرے کو نظر نہیں آتے، اس لئے وہ سکھا سکتے ہیں، مگر فرشتے افسوس سکھانے سے پہلے آگاہ کرتے تھے کہ یہ افسوس دودھاری تلوار ہے، حسب ضرورت ہی استعمال کرنا، بے ضرورت یا بے محل استعمال کرے گا تو کفر ہوگا، یہ منتر بھی یہود میں نسل در نسل چلا آ رہا تھا۔

آیت کریمہ کی تفسیر: عنوان پر ایک نظر ڈال لیں:

جب اللہ کے عظیم الشان رسول مبعوث ہوئے، اور وہ ایک نسخہ کیمیا بھی ساتھ لائے، اور یہود نے ان کو خوب پہچان لیا تو چاہئے تھا کہ آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی مدد کرتے، کیونکہ تورات میں ان سے یہ عہد لیا گیا تھا، مگر انھوں نے تورات کو پس پشت ڈال دیا، گویا وہ اس کو جانتے ہی نہیں، اور ایمان نہیں لائے، وہ ایک لایعنی علم (جادو) میں لگ گئے، جو عہد سلیمانی میں شیاطین نے انسانوں کو سکھایا تھا، اور یہود جو اس کی نسبت سلیمان علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں: وہ افتراء ہے، سلیمان علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، وہ بھلا ایسا کفریہ عمل کیسے سکھا سکتے ہیں؟ جادو تو شیاطین نے لوگوں کو سکھایا ہے اور وہ افسوس بھی انھوں نے ہی لوگوں کو سکھایا ہے جو بابل شہر میں ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا۔ یہود اس لایعنی علم میں مشغول ہو گئے، وہ اس کے پیچھے پڑ گئے، اور تورات کے حکم کو نظر انداز کر دیا، اور ایمان نہیں لائے۔

فائدہ (۱): ہاروت و ماروت جب کسی کو وہ تعویذ سکھاتے تھے تو پہلے کان کھول دیتے تھے کہ ہم دودھاری تلوار ہی تیرے ہاتھ میں دے رہے ہیں، اس کو محل ہی میں استعمال کرنا، ورنہ کافر ہو جائے گا۔

وہ افسوس کیا تھا؟ وہ ایسا منتر تھا جس سے میاں بیوی میں تفریق ہو جاتی تھی، یہ ایک طرح کا جادو تھا۔

فائدہ (۲): جادو کے ذریعہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ جادو ایک سبب ہے، اور اسباب کا سر اسبب الاسباب کے پاس ہے۔

فائدہ (۳): جادو سیکھنا سکھانا حرام ہے، یہ علم سر اسر ضرر رساں ہے، نفع بخش بالکل نہیں، جادو گر پیسوں کی لالچ میں جادو کرتے ہیں، جبکہ بنی اسرائیل اس بات سے خوب واقف تھے کہ جادو گروں کا جنت میں کوئی حصہ نہیں، یعنی وہ جنت میں نہیں جائیں گے (یہ تہدید ہے) اور وہ لوگ جس جادو کے پیچھے خود کو تباہ کر رہے ہیں وہ بہت بری چیز ہے کاش وہ یہ بات سمجھتے!

یہود کو ایمان کی دعوت: دوسری آیت میں یہود کو ایمان کی دعوت دی ہے کہ اگر وہ ایمان لائیں، اور اللہ سے ڈریں، اور جادو چھوڑیں تو اللہ کے یہاں بہتر بدلہ پائیں گے، وہ دنیوی آمدنی کے بند ہو جانے کی فکر نہ کریں، کاش وہ سمجھ داری سے کام لیں!

ترجمہ: اور یہود نے اس علم کی پیروی کی جس کی عہد سلیمانی میں شیاطین تعلیم دیا کرتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، وہ لوگوں کو سکھاتے ہیں جادو اور وہ افسوں جو بابل میں ہاروت و ماروت نامی دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا۔

فائدہ (۱): — اور وہ دونوں کسی کو بھی وہ افسوں نہیں سکھاتے تھے جب تک اس سے کہہ نہیں دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہی ہیں، پس تو کفر نہ کر بیٹھنا (یعنی بے ضرورت یا غیر محل میں یہ افسوں استعمال مت کرنا) پس وہ (بنی اسرائیل) ان دونوں سے سیکھتے تھے ایسا افسوں جس کے ذریعہ وہ میاں بیوی میں جدائی کر دیتے تھے۔

فائدہ (۲): — اور جادوگر کسی کو بھی اذن خداوندی کے بغیر ضرر نہیں پہنچا سکتے،

فائدہ (۳): — اور جادوگر ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کے لئے ضرر رساں ہے، نفع بخش بالکل نہیں، اور وہ (بنی اسرائیل) اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے جادو اختیار کیا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بہت بری ہے وہ چیز (جادو) جس کے بدلے وہ اپنی جانیں بیچ رہے ہیں، کاش ان کو عقل ہوتی!

دعوتِ ایمان: — اور اگر وہ ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے تو اللہ کے یہاں (جادو کی آمدنی سے) بہتر بدلہ

پاتے کاش وہ سمجھ داری سے کام لیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ
عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ
يُنزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِمَّنْ رَزَقَكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو
الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اور کہو	وَقُولُوا	اور کہو!	رَاعِنَا ^(۱)
لَا تَقُولُوا	انظرنا	وَأَسْمَعُوا	مت کہو	راعتنا
رَاعِنَا ^(۱)	اور سنو	وَاللْكَافِرِينَ	اور منکرین کے لئے	
عَذَابٌ أَلِيمٌ	در دناک سزا ہے	مَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ	اہل کتاب سے	
مَا يَوَدُّ	نہیں پسند کرتے	الَّذِينَ كَفَرُوا	جنہوں نے انکار کیا	

(۱) رَاعِنَا: امر، واحد مذکر حاضر، نا: ضمیر جمع متکلم، مصدر: مُرَاعَاةً: رعایت کرنا، خیال کرنا (۲) انظرنا: امر، صیغہ واحد مذکر حاضر، نا: ضمیر جمع متکلم، باب نصر و سمع، نظر کرنا، دیکھنا، بصارت اور بصیرت دونوں طرح دیکھنے کے لئے ہے۔

جس کو چاہتے ہیں	مَنْ يَشَاءُ	تمہارے رب کی طرف سے	مِنْ رَبِّكُمْ	اور نہ مشرکین	وَلَا الْمُشْرِكِينَ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	کہ اتاری جائے	أَنْ يُنَزَّلَ ^(۱)
فضل والے ہیں	ذُو الْفَضْلِ	خاص کرتے ہیں	يَخْتَصُّ	تم پر	عَلَيْكُمْ
بڑا	الْعَظِيمِ	اپنی رحمت کے ساتھ	بِرَحْمَتِهِ	کوئی بھلائی	مِنْ خَيْرٍ ^(۲)

اہل کتاب اور مشرکین کے مسلمانوں کے ساتھ معاملات

اب تک قرآن کریم اور نبی ﷺ کے ساتھ اہل کتاب: یہود و نصاریٰ کے معاملات کا ذکر تھا، اب مسلمانوں کے ساتھ ان کے معاملات کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے، بعض معاملات میں اہل کتاب کے ساتھ مشرکین بھی شریک ہیں۔

۱۔ یہود شرارت سے راعنا کہتے ہیں، مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے روک دیا

یہود کبھی نبی ﷺ کی مجلس میں آ کر بیٹھتے تھے، اور دوران گفتگو بطور شرارت کہتے تھے: راعنا: ہمارا لحاظ کیجئے، یعنی بات ہمارے پلے نہیں پڑی، کچھ وضاحت کیجئے، اس لفظ کے معنی ان کی زبان میں 'احق' کے بھی ہیں، اور زبان دبا کر بولتے تو راعنا ہو جاتا، جس کے معنی ہیں: ہمارا چرواہا! مسلمان ان کی یہ شرارت نہیں سمجھ سکے، اور وہ بھی یہ لفظ استعمال کرنے لگے، اس لئے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا، اور فرمایا کہ ضرورت پیش آئے تو انظرنا کہو، اس کے بھی یہی معنی ہیں، ہمیں دیکھیے، یعنی ہماری رعایت کیجئے، بات کی کچھ وضاحت کیجئے، اور فرمایا کہ توجہ سے سنو تا کہ انظرنا کہنے کی نوبت نہ آئے، اور فرمایا: جو حکم نہیں مانے گا اور راعنا کہے گا اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔

فائدہ: ایسا لفظ جس میں غلط مفہوم کا احتمال ہو، یا اس سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو: استعمال نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح مقتدی کو ایسا کام بھی نہیں کرنا چاہئے جو عوام کی گمراہی کا سبب بنے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! راعنا مت کہو، اور انظرنا کہو، اور سنو، اور نہ ماننے والوں کے لئے دردناک سزا ہے!

۲۔ اہل کتاب اور مشرکین کو مسلمانوں کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی!

ہجرت کے بعد مسلمانوں کی ترقی شروع ہوئی، یہ بات مدینہ کے یہود کو اور مکہ کے مشرکین کو کھلتی تھی، وہ اسلام کو سرنگوں دیکھنا چاہتے تھے، آج بھی ان کا یہی حال ہے، مگر جسے اللہ بڑھائے اسے کون گھٹائے! اللہ کے فضل کو کوئی روک

(۱) ان: مصدریہ، ان ينزل: یو د کا مفعول بہ (۲) خیر: کوئی بھی بھلائی، خوبی، نعمت قرآن کو بھی شامل ہے۔

نہیں سکتا۔ اور اللہ کا فضل بے اندازہ ہے، ہر شخص فضل خداوندی سے بہرہ ور ہو سکتا ہے، مگر شرط استحقاق پیدا کرنے کی ہے، بے استحقاق کوئی چیز نہیں ملتی۔

﴿ مَا يَوْذُو الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِمَّن رَزَقْتُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴾ ﴿

ترجمہ: جن لوگوں نے دین اسلام قبول نہیں کیا، خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین: نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل کی جائے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ یعنی عنایت فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔ ان کے فضل سے ہر کوئی حصہ لے سکتا ہے، شرط استحقاق کی ہے، ایمان لائے اور عمل صالح کرے تو وہ دارین میں سرخ زو ہوگا۔

مَا نَسَخَ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَسِيهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِمَّا أَوْمِثَلَهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٠﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠١﴾ أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٢﴾

مَا نَسَخَ (۱)	جو ہٹاتے ہم	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	مِّنْ دُونِ اللَّهِ	اللہ سے ورے
مِنْ آيَةٍ	کوئی آیت	قَدِيرٌ	پوری قدرت والے ہیں	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی بھی کارساز
أَوْ نَسِيهَا (۲)	یا بھلاتے ہیں اس کو	أَلَمْ تَعْلَمْ	کیا نہیں جانتا تو	وَلَا نَصِيرٍ	اور نہ کوئی مددگار
نَأْتِ	لاتے ہیں ہم	أَنَّ اللَّهَ	کہ اللہ تعالیٰ	أَمْ تُرِيدُونَ	کیا چاہتے ہو تم
بِخَيْرٍ مِّمَّا	اس سے بہتر	لَهُ مُلْكُ	ان کے لئے سلطنت ہے	أَنْ تَسْأَلُوا	کہ سوال کرو
أَوْمِثَلَهَا	یا اس کے مانند	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	رَسُولَكُمْ	اپنے رسول سے
أَلَمْ تَعْلَمْ	کیا نہیں جانتا تو	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	كَمَا سَأَلَ	جس طرح سوال کئے گئے
أَنَّ اللَّهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَمَا لَكُمْ	اور نہیں ہے تمہارے لئے	مُوسَىٰ	موسیٰ

(۱) ما نَسَخَ: ما: موصولہ شرطیہ، نَأْتِ: جزاء..... نَسَخَ کے دو معنی ہیں: ہٹانا، منقل کرنا: جیسے نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ: دھوپ نے سایے کو ہٹایا، اور نَسَخَتِ الْكِتَابَ: میں نے کتاب نفل کی (۲) نَسِيَ: مضارع، جمع منکلم، مصدر انساء: بھلانا۔

مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَّبِعِ	اس سے پہلے اور جو بدل کر لے گا	الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ	كفرو ایمان سے	فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ	تو یقیناً وہ بہک گیا سیدھے راستہ سے
---------------------------------	-----------------------------------	----------------------------	------------------	------------------------------------	--

۳- یہود اور مشرکین نسخ کے مسئلہ کو لے کر مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کرتے تھے

نسخ کے لغوی معنی ہیں: ہٹانا، منتقل کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: ایک شریعت کو یا ایک حکم کو دوسری شریعت یا دوسرے حکم سے بدلنا، پس نسخ کی دو قسمیں ہیں: نسخ فی الشرائع اور نسخ فی الشریعہ:

۱- نسخ فی الشرائع: ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت نازل کرنا، آدم علیہ السلام کی شریعت کے بعد نوح علیہ السلام کی شریعت، پھر ابراہیم علیہ السلام کی شریعت، پھر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت، پھر عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت، اور آخر میں نبی ﷺ کی شریعت آئی، یہ نسخ فی الشرائع ہے۔ یہود اور برہمن اس نسخ کو نہیں مانتے، وہ اس طرح یہودیت اور برہمنیت (ہندوازم) کی تائید ثابت کرتے ہیں، تائید کے معنی ہیں: بیہنگلی، دائمی بنانا، یعنی ان کے مذاہب قیامت تک کے لئے ہیں، حالانکہ یہود سابقہ شریعتوں کا شریعت موسوی سے نسخ مانتے ہیں، مگر آگے وہ نسخ کے قائل نہیں!

۲- نسخ فی الشریعہ: ہر شریعت میں پہلے ایک حکم آتا ہے، پھر جب احوال بدلتے ہیں تو دوسرا حکم آتا ہے، جیسے پہلے دو نمازیں تھیں، پھر شبِ معراج میں پانچ کی گئیں یا جیسے تحویلِ قبلہ کا معاملہ، اس طرح کی تبدیلی شریعت میں ہوتی ہے۔ یہود پہلے مسئلہ کو لے کر مسلمانوں کا ذہن خراب کرتے تھے کہ سابقہ شریعت میں کیا کیڑے پڑ گئے جو دوسری شریعت نازل کرنی پڑی؟ اور مشرکین دوسرے مسئلہ کو لے کر اعتراض کرتے تھے کہ یہ روزِ روز کی تبدیلی کیسی؟ کیا اللہ کو بھی بد اواقع ہوتا ہے؟ ان کی بھی رائے بدلتی ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا نبی خود ہی احکام بدلتا ہے! قرآن کریم نے یہ مسئلہ دو جگہ بیان کیا ہے:

ایک: سورة الاعلیٰ (آیات ۷۶-۷۷) میں، فرمایا: ﴿سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ۗ (۱) اَلَا مَا شَاءَ اللّٰهُ مَرَاتًا ۗ يَعْلَمُ الْغَيْبُ وَمَا يُخْفَىٰ ۗ﴾: ہم آپ کو پڑھاتے ہیں یعنی آپ پر قرآن نازل کرتے ہیں، پس آپ بالیقین (نازل کیا ہوا قرآن) بھولیں گے نہیں، مگر اللہ کو جس کا بھلانا منظور ہو (کیونکہ یہ بھی نسخ کی ایک صورت ہے) بے شک اللہ تعالیٰ کھلے چھپے احوال سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ کونسا حکم ہمیشہ رہنا چاہئے، اور کونسا حکم احوال بدلنے کے بعد اٹھالینا چاہئے۔

دوم: یہاں بیان فرمایا ہے کہ احکام ہٹائے بھی جاتے ہیں یعنی شریعتیں بدلتی ہیں، اور احکام بھلائے بھی جاتے ہیں، یعنی شریعتیں مندرس بھی ہو جاتی ہیں، امتیں اپنی شریعتوں کو ضائع کر دیتی ہیں، تو ان کی جگہ ان سے بہتر یا ان کے مانند احکام دیئے جاتے ہیں، اسی طرح احوال بدلنے سے شریعت کے احکام میں بھی تبدیلی کی جاتی ہے، کوئی حکم بدل دیا جاتا

ہے اور کوئی آیت بھلا دی جاتی ہے، اور اس میں دو حکمتیں ہوتی ہیں:

ایک: اللہ قادر مطلق ہیں، ان کو احکام میں تبدیلی کا پورا اختیار ہے، تم بیچ میں ٹانگ اڑانے والے کون؟ یہ حاکمانہ حکمت ہے۔

دوم: کائنات پر حکومت اللہ کی ہے، اور بادشاہ اپنی مملکت میں حسبِ مصلحت تبدیلی کر سکتا ہے اور کرتا ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ شریعتوں کو بدلتے ہیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ کیا تمہارا کوئی اور کارساز اور مددگار ہے؟ نہیں! غرض: دونوں نسخ بندوں کی کارسازی ہے، یہ حکیمانہ حکمت ہے۔

احوال بدلنے سے احکام بدلنے کی مثال: حکیم/ ڈاکٹر کا نسخہ بدلتا ہے، جب مریض کے احوال بدلتے ہیں تو دواؤں میں تبدیلی کی جاتی ہے، اس کو حکیم کی حماقت نہیں، دانش مندی سمجھا جاتا ہے۔

﴿ مَا نُنسِئُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِئُهَا نَاتٍ بِخَيْرٍ مُنْهَا أَوْ مِثْلَهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝
 أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنۢ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝﴾

ترجمہ: ہم جو بھی آیت (حکم) بدلتے ہیں یا اس کو بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے مانند لاتے ہیں، کیا تجھے (اے معترض) معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں! کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے؟ اور تمہارے لئے ان کے سوا کوئی کارساز ہے نہ مددگار!

۳- یہود و مشرکین مہمل مطالبات کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کا ذہن پر اگندہ ہو

یہود کے چند سردار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور مطالبہ کیا کہ اگر آپؐ سچے نبی ہیں تو پورا قرآن یکبارگی لکھا ہوا آسمان سے اتاریں، جیسے موسیٰ علیہ السلام تورات لکھی ہوئی یکبارگی لائے تھے [سورۃ النساء آیت ۱۵۳] اور مشرکین کا مطالبہ تھا کہ آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لائیں تو ہم ایمان لائیں [الاسراء آیت ۹۲]

ایسے مہمل مطالبے پورے تو نہیں کئے جاسکتے، مگر کچا ذہن متاثر ہوتا ہے کہ اگر مطالبہ پورا کر دیا جاتا تو وہ ایمان لے آتے، اس لئے دونوں کو ڈانٹتے ہیں کہ ایسا مہمل مطالبہ تمہارے اسلاف موسیٰ علیہ السلام سے بھی کر چکے ہیں کہ ہم جب مانیں گے کہ اللہ تعالیٰ سامنے آ کر کہیں [البقرۃ ۵۵] اور اس کا وبال بھی وہ چکھ چکے ہیں، پس ایمان لانا ہو تو سیدھے سیدھے لاؤ، ورنہ گمراہی میں بھٹکتے رہو!

﴿ أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلِ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ

سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝﴾

ترجمہ: کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا موسیٰ سے پہلے سوال کیا گیا؟ اور جو کفر کو ایمان سے بدل لے گا وہ بالیقین راہِ راست سے بہک گیا! — نبی ﷺ کافروں کے لئے بھی رسول ہیں، وہ بھی آپ کی امتِ دعوت ہیں، اور کفر کو ایمان سے بدلنے کا مطلب ہے: ایمان نہ لانا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كَفَارًا ۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ
 أَنفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ
 إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِّنْ
 خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

وَدَّ (۱)	دل سے چاہتے ہیں	لَهُمُ الْحَقُّ	ان کے لئے ہدایت	الصلوة	نماز
كَثِيرٌ	بہت سے	فَاعْفُوا (۵)	پس معاف کرو	وَآتُوا الزَّكَاةَ	اور روزکات
مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ	اہل کتاب میں سے	وَاصْفَحُوا	اور درگزر کرو	وَمَا تُقَدِّمُوا	اور جو آگے بڑھاؤ گے
لَوْ يَرُدُّونَكُمْ (۲)	کاش پھیر دیں وہ تم کو	حَتَّىٰ يَأْتِيَ	یہاں تک کہ آئیں	لِأَنفُسِكُمْ	اپنی ذاتوں کے لئے
مِّنْ بَعْدِ	بعد	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	مِّنْ خَيْرٍ	کچھ بھی نیک کام
إِيمَانِكُمْ	تمہارے مسلمان ہونے کے	بِأَمْرِهِ	اپنے حکم کے ساتھ	تَجِدُوهُ	پاؤ گے تم اس کو
كَفَارًا	کفر میں	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	عِنْدَ اللَّهِ	اللہ کے پاس
حَسَدًا	جلتے ہوئے	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مِّنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ (۳)	اپنی طرف سے	قَدِيرٌ	قادر ہیں	بِمَا تَعْمَلُونَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ (۴)	واضح ہونے کے بعد	وَأَقِيمُوا	اور قائم کرو	بَصِيرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں

۵- یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو دین سے منحرف کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں

یہود و نصاریٰ مختلف تدبیروں سے، دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے میں لگے ہوئے

(۱) فعل وَدَّ: متعدی بدو مفعول ہے، کثیر من اهل الكتاب: فاعل ہے، اور جملہ لو يردونكم من بعد ايمانكم کفاراً مفعول ثانی کے قائم مقام ہے، اور حسداً: مفعول لہ ہے (۲) يردونکم کا پہلا مفعول کم ہے، دوسرا کفاراً ہے (۳) من عند انفسهم: حسداً کی پہلی صفت ہے (۴) من بعد ما تبين لهم الحق: حسداً کی دوسری صفت ہے (۵) عفو و صفاً تقریباً مترادف ہیں۔

ہیں، اور یہ بات اس جلن کی وجہ سے ہے جو ان کے دلوں میں پنہاں ہے، جبکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے، آج بھی مستشرقین کا یہی مشن ہے، وہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں میں دین کے تعلق سے بے اعتمادی اور بے اعتباری پیدا کریں، اللہ پاک مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے مکر و فریب سے بچیں!

مگر ابھی مدینہ کے یہود سے نمٹنے کا وقت نہیں آیا، اس لئے فرمایا کہ ابھی عفو و درگزر سے کام لو، اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا انتظار کرو، بعد میں حکم آیا، بنو نضیر جلا وطن کئے گئے، اور غدار قبیلہ بنو قریظہ تہ تیغ کیا گیا، آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پورے قادر ہیں، وہ ایک دن ان کا زور ضرور توڑیں گے۔

اور مسلمان ابھی نیک کاموں میں لگے رہیں، نماز کا اہتمام کریں، زکات ادا کریں، اور دوسرے جو بھی نیک کام کریں گے ان کو اللہ کے پاس موجود پائیں گے، کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا، اللہ بندوں کے اعمال سے خوب واقف ہیں!

آیات پاک: — بہت سے اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ وہ تم کو مسلمان ہونے کے بعد مرتد کر دیں، برہنائے حسد جو ان کے دلوں میں ہے، باوجودیکہ حق ان پر واضح ہو چکا ہے، سو عفو و درگزر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں! — اور نماز کا اہتمام کرو، اور زکات ادا کرو، اور جو بھی نیک کام اپنے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس موجود پاؤ گے، اللہ تعالیٰ بالیقین تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا ۗ تِلْكَ آمَانِيهِمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَةُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ قَالَ اللَّهُ يُحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

وَقَالُوا	اور انھوں نے کہا	إِلَّا مَنْ كَانَ	مگر جو ہے	تِلْكَ	یہ
لَنْ يَدْخُلَ	ہرگز نہیں جائے گا	هُودًا	یہودی	آمَانِيهِمْ	ان کی آرزوئیں ہیں
الْجَنَّةَ	جنت میں	أَوْ نَصْرًا	یا عیسائی	قُلْ	کہو

ہاتوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ بَلَىٰ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهًا لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَا اَجْرَ لَهٗ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ	لاۓ اپنی دلیل اگر ہو تم سچے کیوں نہیں؟ جس نے تابع کر دیا اپنا چہرہ اللہ کے در انحالیکہ وہ نیکو کار ہے پس اس کے لئے اس کا ثواب ہے اس کے رب کے پاس اور کوئی ڈر نہیں	عَلَيْهِمْ وَلَا لَهُمْ يُخْزَوْنَ وَقَالَتْ الْيَهُودُ كَيْسَتْ النَّصْرَةُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتْ النَّصْرَةُ كَيْسَتْ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ	ان پر اور نہ وہ غم گین ہو گئے اور کہا یہود نے نہیں عیسائی کسی چیز پر اور کہا عیسائیوں نے نہیں ہیں یہود کسی چیز پر حالانکہ پڑھتے ہیں وہ آسمانی کتاب	كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ قَالَ اللّٰهُ يُخْذِكُمْ بِيَدِهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ	اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے (آسمانی کتاب) ان کی سی بات پس اللہ تعالیٰ فیصلہ کریں گے ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں کہ تھے وہ اس میں اختلاف کرتے
--	---	--	--	--	---

۶- یہود مسلمانوں کو حیران کرنے کے لئے کہتے کہ جنت میں ہمیں جائیں گے!

یہود: مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ جنت میں یہودی ہی جائیں گے، یعنی مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے، یہی بات عیسائی بھی کہتے تھے، ان کا مقصد مسلمانوں کو مایوس کرنا ہے، تا کہ وہ اسلام سے کنارہ کش ہو جائیں!

اللہ پاک فرماتے ہیں: جو یہ بات کہتا ہے وہ اپنی سند پیش کرے، اپنی کتابوں سے حوالہ لائے، تورات و انجیل میں یہ بات کہیں نہیں لکھی، یہ ان کی دل بہلانے کی باتیں ہیں، اور مسلمان جنت میں کیوں نہیں جائیں گے؟ ضرور جائیں گے!

معیار یہ ہے کہ جس نے اپنی ذات اللہ کو سپرد کر دی، اللہ کا ہر حکم مانتا ہے، اور نیکو کار بھی ہے: وہی جنت میں جائے گا، اور اس معیار پر مسلمان ہی پورے اترتے ہیں، یہود و نصاریٰ پورے نہیں اترتے، یہود: عیسیٰ علیہ السلام، نبی ﷺ اور انجیل و قرآن کو نہیں مانتے، پس وہ مسلمان (خود کو اللہ کے سپرد کرنے والے) کہاں ہوئے؟ یہی حال عیسائیوں کا ہے، وہ بھی نبی آخر الزماں ﷺ اور قرآن کریم کو نہیں مانتے، اس لئے وہ بھی اللہ کے منقاد نہیں ہیں، اور مسلمان اس معیار پر پورے اترتے ہیں، وہ سب انبیاء کو اور ان کی کتابوں کو مانتے ہیں، اس لئے وہی جنت میں جائیں گے، وہاں ان کو نہ آگے

کا کوئی ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم! پس مسلمان ان کی باتوں سے مایوس نہ ہوں!

﴿ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا ۚ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَ كُمُورِ ۚ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ ۗ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے (یہود و نصاریٰ نے) کہا: جنت میں ہرگز نہیں جائیں گے مگر جو یہودی ہے یا عیسائی ہے! یہ ان کی تمنائیں (دل بہلانے والی باتیں) ہیں — کہو: اپنی بات کی سند لاؤ اگر تم سچے ہو! کیوں نہیں! — یعنی مسلمان جنت میں کیوں نہیں جائیں گے، ضرور جائیں گے، معیار سنو: — جس نے اپنی ذات اللہ کو سپرد کر دی، درانحالیکہ وہ نیکو کار بھی ہے تو اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا ثواب ہے، اور ان کو نہ کوئی ڈر ہوگا، نہ وہ غم گیں ہونگے!

۷۔ یہود و نصاریٰ بلکہ ہندو بھی کہتے ہیں: ہمیں برحق ہیں..... پر وہ کل قیامت کو ہٹے گا!

یہودی خود کو حق پر اور عیسائیوں کو غلط قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک عیسائی مشرک ہیں، یورپ کے ایک بڑے پادری نے مجھ سے کہا: جب میں نے اس کو مسجد میں آنے کی دعوت دی کہ ہم مسجد میں تو آسکتے ہیں، چرچوں میں نہیں جاسکتے، میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: وہاں شرک ہوتا ہے، مسجد میں شرک نہیں ہوتا یعنی عیسائی: عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، یہ شرک ہے۔

اور عیسائی بھی یہود کو غلط قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک یہود کافر ہیں، اس لئے کہ وہ خاتم انبیائے بنی اسرائیل اور ان کی کتاب انجیل کو نہیں مانتے۔

خیر ان دونوں کے پاس تو آسانی کتابیں ہیں، ہندو جن کے پاس کوئی آسانی کتاب نہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ان کا مذہب ہی برحق ہے، اور قرآن کہتا ہے کہ اسلام اور مسلمان برحق ہیں، اب اس اختلاف کا عملی فیصلہ کل قیامت کو ہوگا، جس کو جنت میں بھیجا جائے گا وہ برحق تھے، اور جن کو جہنم میں ڈالا جائے گا وہ غلط تھے، رہا علمی فیصلہ تو وہ قرآن نے ابھی دنیا ہی میں کر دیا ہے۔

اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہر مذہب والے خود کو حق پر سمجھتے ہیں، جبکہ مزعمومات اور عقائد مختلف ہیں، اور ہر ایک کا قبلہ توجہ (ڈائرکشن) بھی مختلف ہے، پھر سب ایک منزل (اللہ) تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟ عرب کا ایک بدواؤنٹ پر جا رہا تھا، کسی نے پوچھا: کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا: مکہ! سائل نے کہا: تو کبھی مکہ نہیں پہنچ سکتا، جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان کا راستہ ہے! یہودی جو موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر اٹک گئے، عیسائی جو عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر رک گئے، اور

ہندو جو بھگوان کو چھوڑ کر غیروں کی بھگتی میں لگ گئے وہ اللہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَةُ عَلٰی شَيْءٍ مِّنَّا وَقَالَتِ النَّصْرَةُ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰی شَيْءٍ ؕ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ۚ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ قَالَهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۗ ۝۱۴۱﴾

ترجمہ: اور یہود نے کہا: عیسائیوں کا مذہب باطل ہے، اور عیسائیوں نے کہا: یہود کا مذہب باطل ہے، جبکہ وہ لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو (اللہ کی کتاب) نہیں جانتے — یعنی مشرکین نے بھی کہی — پس اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن (عملی) فیصلہ کریں گے، اس بات میں جس میں وہ باہم مختلف ہیں — کہ کون حق پر ہے؟

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسْجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذَكَّرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَدْخُلُوْهَا اِلَّا خٰٓفِيْنَ ۗ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۴۲

وَمَنْ أَظْلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے	وَسَعَىٰ	اور کوشش کی اس نے	لَهُمْ	ان کے لئے
مِمَّن مَّنَعَ	اس سے جس نے روکا	فِي خَرَابِهَا	ان کو اجاڑنے کی	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
مَسْجِدَ اللّٰهِ	اللہ کی مسجدوں کو	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	خِزْيٌ	رسوائی ہے
اَنْ يُذَكَّرَ	(اس سے) کہ لیا جائے	مَا كَانَ لَهُمْ	نہیں تھا ان کے لئے	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
فِيهَا	ان میں	اَنْ يَدْخُلُوْهَا	کہ داخل ہوں ان میں	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
اسْمُهُ	اللہ کا نام	اِلَّا خٰٓفِيْنَ	مگر ڈرتے ہوئے	عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بڑا عذاب ہے

۸- مشرکین کیسے کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، انھوں نے مسلمانوں کو عمرہ تو کرنے نہیں دیا

۶ ہجری میں نبی ﷺ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لئے جا رہے تھے، کعبہ شریف سب لوگوں کی مشترک عبادت گاہ تھی، سب کوچ اور عمرہ کرنے کے لئے آنے کا حق تھا، مگر مشرکین مکہ (قریش) نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے میدان میں روک دیا، وہ روادار نہیں ہوئے کہ مسلمان عمرہ کریں، مجبوراً احرام کھول کر لوٹنا پڑا، ان مشرکین کا کیا منہ ہے کہ کہیں: ہم ہی حق پر ہیں، مسجدوں کو اللہ کی یاد سے روکنا تو بہت بڑا ظلم ہے، مسجدیں تو اللہ کی یاد کے لئے ہیں، عبادت

کرنے والوں کو ان سے روکنا تو ان کو ویران کرنا ہے، مسجدوں میں تو ان لوگوں کو خوف و خشیت سے داخل ہونا چاہئے تھا جو یہ حرکت کرتے ہیں، وہ دنیا میں رسوا ہونگے، اور آخرت میں عذابِ عظیم سے دوچار ہونگے۔

آیتِ پاک: — اور اس شخص سے بڑا عالم کون جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے روکے، اور اس کو ویران کرنے کے درپے ہو؟ ان کو تو چاہئے تھا کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے ہی ان میں داخل ہوتے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے!

وَاللّٰهِ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ۚ فَاَيُّمَا تَوَلَّوْا۟ فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ وَاَسِعَ عَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾
 وَقَالُوۡا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۗ سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ كُلُّ
 لَهٗ قٰنِیۡنُوۡنٌ ﴿۱۶﴾ ۗ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنْ
 فَيَكُوۡنُ ﴿۱۷﴾ ۗ وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعْلَمُوۡنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِنَاۤ اٰیٰةٌ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ
 الَّذِیۡنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۗ تَشٰبَهَتْ قُلُوۡبُهُمْ ۗ قَدْ بَیۡتْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ
 یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۸﴾ ۗ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّاُنذِیْرًا ۗ وَلَا تَسۡعَلُ عَنۡ اَصْحٰبِ الْجَحِیۡمِ ﴿۱۹﴾

وَاللّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہیں	وَقَالُوۡا	اور کہا انہوں نے	بَدِیْعٌ ^(۱)	انوکھے انداز سے پیدا
الْمَشْرِقِ	مشرق	اتَّخَذَ	بنائی	السَّمٰوٰتِ	کرنے والے ہیں
وَالْمَغْرِبِ	اور مغرب	اللّٰهُ	اللہ نے	وَالْاَرْضِ	آسمانوں کو
فَاَيُّمَا	پس جدھر بھی	وَلَدًا	اولاد	وَاِذَا قَضٰی	اور زمین کو
تَوَلَّوْا۟	منہ پھیرو تم	سُبْحٰنَهُ	وہ پاک ہیں	وَاَمْرًا	اور جب طے کرتے ہیں وہ
فَثَمَّ	پس اس جگہ	بَلْ لَهٗ	بلکہ ان کے لئے ہیں	فَاِنَّمَا	کسی بات کو
وَجْهَ اللّٰهِ	اللہ کا چہرہ ہے	مَا فِى السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں	يَقُوۡلُ	تو اس کے سوا نہیں کہ
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہیں	لَهٗ	فرماتے ہیں
وَاَسِعَ	بڑی کشادگی والے	كُلُّ لَهٗ	سب اس کے لئے	كُنْ	اس سے
عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	قٰنِیۡنُوۡنٌ	تابعدار ہیں		ہو جا

(۱) بَدَعَهُ (ف) بَدَعًا: بلا نمونہ نئی چیز بنانا، ایجاد کرنا۔

فَيَكُونُ وَقَالَ الَّذِينَ كَأَيُّكُمْ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ نَأْتِيَنَا آيَةٌ كَذَلِكَ	پس وہ ہو جاتی ہے اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم اللہ تعالیٰ یا (کیوں نہیں) آتی ہمارے پاس بڑی نشانی اسی طرح	قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الآيَاتِ لِقَوْمٍ يُؤْتُونَ	کہا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے ہوئے ان کی سی بات ایک سے ہو گئے ہیں ان کے دل تحقیق بیان کی ہم نے نشانیوں ان لوگوں کے لئے (جو) یقین کرتے ہیں	إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْحَجِّيرِ	بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے سچے دین کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور آپ سے نہیں پوچھا جائے گا دوزخیوں کے بارے میں
--	--	---	--	---	---

۹۔ مسلمانوں کو مشرکین نے عمرہ نہیں کرنے دیا تو ان کا کیا بگڑا؟ اللہ کی عبادت تو ہر جگہ سے کی جاسکتی ہے! ارشاد فرماتے ہیں: مشرق و مغرب کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اسی طرح شمال و جنوب کے بھی، کیونکہ یہ محاورہ ہے، مشرق و مغرب بول کر تمام جہتیں مراد لیتے ہیں — اور خود اللہ پاک لازمان و لامکان ہیں، العقائد النسفیۃ میں ہے: لا يتمکن فی مکان، ولا یجری علیہ زمان، زمان و مکان اور جہات مخلوق ہیں، اور خالق مخلوق میں نہیں ہوتا، ورنہ احتیاج لازم آئے گی۔

پس اللہ تعالیٰ کا ہر طرف رخ ہے، ان کی عبادت کسی بھی جانب رخ کر کے کی جاسکتی ہے، چنانچہ سفر میں جہت قبلہ معلوم نہ ہو تو تخری کر کے (سوچ کر کے) نماز پڑھ سکتا ہے، پھر اگر وقت میں یا وقت کے بعد غلطی ظاہر ہو تو اعادہ کی ضرورت نہیں، اسی طرح سفر میں سواری (اونٹ) پر نفل نماز پڑھ سکتا ہے، جدھر بھی سواری کا منہ ہو، قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں، اسی آیت کی وجہ سے: ﴿فَإِنَّمَا تُؤَلُّوا فَنَحْنُ وَجْهُ اللَّهِ﴾ تم جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ کی ذات ہے! اور فرض نمازوں میں عام حالات میں استقبال قبلہ کی شرط اور حج کے لئے کعبہ کی تعیین دو وجہ سے ہے:

۱۔ کعبہ شریف کو اسمبلی پونٹ مقرر کیا گیا ہے، وہ لوگوں کے اجتماع کی جگہ ہے تاکہ ساری دنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہوں، ابھی (آیت ۱۲۵) میں آرہا ہے: ﴿مَثَابَةٌ لِّلنَّاسِ﴾ کعبہ کو لوگوں کے واسطے اجتماع کی جگہ بنایا ہے۔

(۱) تَشَابَهَةُ الشَّبَابِ: یکساں اور ہم شکل ہونا، فرق نہ رہنا۔

۲- نمازوں میں استقبالِ قبلہ کا حکم طت کی شیرازہ بندی کے لئے ہے، تمام مساجد میں اور ساری دنیا میں مسلمان ایک رخ پر عبادت کریں، ان میں انتشار نہ ہو، ورنہ ہر بستی میں بلکہ ہر مسجد میں تماشا ہوگا۔

ورنہ حقیقت میں کعبہ شریف قبلہ نہیں، بلکہ 'قبلہ نما' ہے قبلہ اللہ کی ذات ہے، اور وہ وسعت والی ہے، ہر رخ سے اس کی عبادت کی جاسکتی ہے، مگر علیم بھی ہے، اس لئے لوگوں کی مصلحت سے عام حالات میں عبادت کے لئے کعبہ شریف کو پونٹ مقرر کیا ہے۔

اور یہاں کہنا یہ ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیا تو ان کا کیا نقصان ہوا؟ وہ تو ہر جگہ سے اللہ کی عبادت کر سکتے ہیں! بڑے ظالم تم ہی ٹھہرے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی مسجد سے روکا!

﴿وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُولُوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں، پس تم جدھر بھی منہ پھیرو اسی جگہ اللہ کا رخ ہے! بے شک وہ بڑی وسعت

والے خوب جاننے والے ہیں۔

۱۰- مشرکین اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں، پھر وہ کس منہ سے کہتے ہیں کہ ان کا دین ہی برحق دین ہے؟ مشرکین مکہ: مسلمانوں سے کہتے تھے: ہمارا دھرم ہی سچا ہے، تمہارا دین باطل ہے، اللہ پاک ان کو جواب دیتے ہیں کہ تم نے تو اللہ کے لئے اولاد تجویز کر رکھی ہے، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے ہو، حالانکہ ان کی ذات اولاد سے پاک ہے، اور کائنات کا کوئی فرد اللہ کی اولاد ہو بھی نہیں سکتا، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، ان میں مالک و مملوک کا رشتہ ہے، اور اولاد مملوک نہیں ہوتی، آزاد ہوتی ہے، نیز کائنات اللہ کے احکام کی تابعدار ہے، اور اولاد کی یہ شان نہیں۔

اور اللہ کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟ اولاد کی ضرورت بڑھاپے میں پڑتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کسی کی معاونت کے محتاج نہیں، وہ کائنات کے موجد ہیں، اکیلے ہی خالق ہیں، اور ان کی قدرت کن فیکونی ہے، پس ان کو اولاد کی کیا حاجت ہے؟ اور کہنا یہ ہے کہ تم جو شرک میں مبتلا ہو، اور اللہ کی شان میں اس سے بڑی کوئی گستاخی نہیں ہو سکتی: کس منہ سے کہتے ہو کہ تمہارا دھرم ہی سچا ہے؟ بلکہ سچے وہ لوگ ہیں جو ایک اللہ کے پرستار ہیں!

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۚ سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ كُلُّ لَّهُ قٰنِیْنٌ ۗ﴾

﴿بِدَیْعِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۗ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے (مشرکین نے) کہا: اللہ نے اولاد اختیار کی ہے، ان کی ذات (اولاد سے) پاک ہے! بلکہ

ان کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب ان کے تابعدار ہیں — وہ آسمانوں اور زمین کے موجد ہیں، اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتے ہیں تو بس ہو کہتے ہیں، پس وہ ہو جاتی ہے — ’ہو کہنا: ارادہ کی تعبیر ہے۔

۱۱۔ مشرکین کہتے ہیں: اللہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتے؟

یا ہماری مطلوبہ کوئی نشانی دکھائیں تو ہم مانیں!

مشرکین جن کے پاس آسمانی کتابوں کا کوئی علم نہیں دو باتیں کہتے ہیں:

۱۔ اللہ خود ہم سے کہیں کہ محمد میرے بھیجے ہوئے ہیں اور اسلام سچا مذہب ہے؟ تو ہم مان لیں — اس کا جواب ﴿كَأَيِّعِلْمُونَ﴾ میں ہے کہ ان کے پاس آسمانی کتابوں کا علم نہیں، اس لئے وہ یہ بات کہتے ہیں، تمام آسمانی کتابوں میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اس دنیا میں اللہ کا دیدار ممکن نہیں، پھر وہ خود کیسے ان سے کہیں گے؟

۲۔ ہم جن نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں، جن کا تذکرہ سورة الاسراء (آیات ۹۰-۹۳) میں ہے، ان میں سے کوئی نشانی دکھائیں تو ہم مان لیں۔ اللہ پاک ان کو جواب دیتے ہیں کہ یہی مطالبہ گذشتہ مشرک اقوام نے بھی اپنے رسولوں سے کیا ہے، یہ سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، سب بدقماشوں کی ایک فطرت ہے، اس لئے ایک طرح کی باتیں کرتے ہیں، رہی نشانیاں تو ایک نہیں کئی ایک نشانیاں ہم دکھا چکے ہیں، مگر ان کو دیکھے وہ جس کے پاس دیدہ بینا ہو! رہا مطلوبہ نشانی کا معاملہ: تو وہ اس لئے نہیں دکھائی جا رہی کہ اگر اس پر قوم ایمان نہیں لائے گی تو ہلاک کی جائے گی، اور مشرکین مکہ کو ہلاک کرنا مقدر نہیں، ان کے ایمان کی امید ہے، اس لئے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جا رہا، دوسری نشانیاں دکھائی جاتی ہیں۔

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَايَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِيلُنَا آيَةً ۗ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۗ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿١٠٠﴾﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے جن کے پاس آسمانی کتابوں کا علم نہیں: کہا: اللہ ہم سے بات کیوں نہیں کرتے؟ یا ہمارے پاس کوئی (مطلوبہ) نشانی آتی (تو ہم مان لیتے!) — ایسی ہی بات ان لوگوں نے بھی کہی جو ان سے پہلے گذرے، سب کے دل ایک جیسے ہو گئے ہیں، بالتحقیق ہم نے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دی ہیں!

۱۲۔ مشرکین کا قصہ ایک طرف کیجئے، اور اپنا فرض منصبی ادا کیجئے

آیت ۱۱۳ میں آیا ہے کہ یہود کہتے ہیں: عیسائی کچھ نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں: یہود کچھ نہیں، یہی بات مشرکین مکہ بھی کہتے ہیں، پھر مشرکین کا تذکرہ شروع ہوا ہے، جو اس آیت پر پورا ہو رہا ہے، آگے بنی اسرائیل (یہود و نصاری) کا ذکر ہے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: مشرکین کا معاملہ ایک طرف کیجئے، وہ جہنم میں جانا چاہیں تو جائیں، آپ سے ان کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا کہ وہ جہنم میں کیوں گئے؟ آپ نے ان کو کیوں نہیں بچایا! آپ کو ہم نے سچے دین کے ساتھ اس لئے بھیجا ہے کہ ماننے والوں کو خوش خبری سنائیں اور نہ ماننے والوں کو وارننگ دیں، باقی اللہ اللہ خیر سلا!

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ﴿۱۰۰﴾﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے آپ کو سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے، خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور آپ سے

دو چیزوں کے بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا!

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنْ هَدَىٰ
اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۖ مَا لَكَ
مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاوٍ ۖ وَلَا تَصِيرَ ۗ ۝ الَّذِينَ اتَّبَعُوا الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقًّا تِلَاوَتِهِ
أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ	اور ہرگز راضی نہیں ہوگئے آپ سے یہود اور نہ نصاریٰ	هُوَ الْهُدَىٰ ۗ	وہی راہ نمائی ہے اور بخدا! اگر	مِنَ وَاوٍ ۖ وَلَا تَصِيرَ ۗ	کوئی کارساز اور نہ کوئی مددگار وہ لوگ جن کو دی ہم نے ان کو آسمانی کتاب پڑھتے ہیں وہ اس کو جیسا حق ہے اس کے پڑھنے کا وہی لوگ
وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۖ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاوٍ ۖ وَلَا تَصِيرَ ۗ ۝	یہود اور نہ نصاریٰ تا آنکہ پیروی کریں آپ ان کے دین کی کہو بے شک راہ نمائی اللہ کی	بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۖ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ ۝	ان کی خواہشات کی بعد اس کے جو پہنچا آپ کو علم سے نہیں ہوگا آپ کیلئے اللہ کے عوض	يَتْلُونَهُ حَقًّا تِلَاوَتِهِ	پڑھتے ہیں وہ اس کو جیسا حق ہے اس کے پڑھنے کا وہی لوگ
أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝	وہی راہ نمائی ہے اور بخدا! اگر یہود اور نہ نصاریٰ تا آنکہ پیروی کریں آپ ان کے دین کی کہو بے شک راہ نمائی اللہ کی	أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝	ان کی خواہشات کی بعد اس کے جو پہنچا آپ کو علم سے نہیں ہوگا آپ کیلئے اللہ کے عوض	أُولَٰئِكَ	وہی لوگ

(۱) الذی: صلہ کے ساتھ بعد کا مضاف الیہ ہے، اور من العلم: الذی کا بیان ہے (۲) مالک: جواب قسم ہے (۳) من اللہ: من: عوض کا ہے، ای عوضاً من اللہ، جیسے دعا ہے: لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ: مالدار کے لئے آپ کے بالعوض مالداری نافع نہیں۔ (۴) الذین: مبتدأ، أولئك: خبر، اور جملہ يتلونہ: آتیناہم کے مفعول کا حال، اور حق: مفعول مطلق ہے

یُؤْمِنُونَ یہ	مان لیتے ہیں اسلام کو	وَمَنْ يَكْفُرْ یہ ^(۱)	اور جس نے انکار کیا اسلام کا	فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ	وہی لوگ گھائے میں رہنے والے ہیں
-------------------	--------------------------	--------------------------------------	---------------------------------	-----------------------------------	------------------------------------

۱۳- یہود و نصاریٰ تمہیں کافر کر کے چھوڑیں گے!

مشرکین بھی خود کو برحق دین پر کہتے تھے، ان سے گفتگو کے بعد اب یہود و نصاریٰ کا حال بیان کرتے ہیں، آیت ۱۱۴ میں گزرا ہے کہ یہ دونوں بھی خود کو حق پر مانتے ہیں، یہ دونوں بھی اپنی ضد پراڑے ہوئے ہیں، امر حق سے دونوں کو کوئی سروکار نہیں، پس وہ کبھی بھی دین اسلام قبول نہیں کریں گے، ان کی تو کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچیں، وہ مسلمانوں سے اسی وقت خوش ہونگے جب وہ یہودی یا عیسائی بن جائیں۔

﴿وَكُنْ تَرْضَاهُ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصْرَةَ حَتَّىٰ تَتَّبِعَهُ مِثْلَهُمْ﴾

ترجمہ: اور یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہونگے جب تک آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کریں — خطاب پیغمبر سے ہے، مگر سنا امت کو ہے۔

۱۴- ان سے ڈنگے کی چوٹ کہہ دو کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے!

فرماتے ہیں: مسلمانوں کو چاہئے کہ یہود و نصاریٰ سے صاف صاف کہہ دیں کہ اللہ کی راہ نمائی ہی معتبر راہ نمائی ہے یعنی اسلام ہی سچا دین ہے، تمہارا دین محرف اور منسوخ ہے، ہم اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتے، ان کو مایوس کر دو۔

﴿قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى﴾

ترجمہ: کہہ دو! اللہ کی راہ نمائی ہی راہ نمائی ہے! — اور وہ اسلام ہے!

۱۵- اگر کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ کے چکمہ میں آ گیا تو وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا

یہودیت تو نسلی مذہب ہے، وہ تو کسی کو یہودی نہیں بناتے، وہ تو مسلمانوں کی تباہی چاہتے ہیں، اور عیسائی مذہب بھی دراصل بنی اسرائیل کے لئے تھا، لیکن بعد میں پولس نے اس کو عالمی مذہب بنایا ہے، اور اب عیسائی پوری دنیا میں مشینری کا جال پھیلائے ہوئے ہیں، وہ لوگوں کو لالچ دے کر عیسائی بناتے ہیں، پس اگر کوئی مسلمان ان کے فریب میں آ گیا، اور اس نے عیسائیت قبول کر لی تو وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکے گا، مرتد کی سزا اسلامی حکومت میں قتل ہے، اور آخرت میں جہنم کا جیل خانہ!

(۱) دونوں جگہ بہ: کا مرجع ہُدٰى: اللہ کی راہ نمائی ہے یعنی اسلام۔

﴿وَلَمَّا اتَّبَعَتْ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّعِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

ترجمہ: اور بخدا! اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی — اور یہودیت یا عیسائیت کو اختیار کر لیا — اس علم کے بعد جو آپ کو پہنچ چکا ہے — قرآن وحدیث مراد ہیں جو تعلیمات اسلام پر مشتمل ہیں — تو اللہ کے بدل نہ کوئی آپ کا کارساز ہوگا نہ مددگار!

۱۶- یہود و نصاریٰ اگر کھلے ذہن سے اپنی کتابیں پڑھیں تو اسلام قبول کر لیں

اگر یہود و نصاریٰ کھلے ذہن سے، تعصب کی عینک اتار کر، تورات و انجیل پڑھیں، اور ساتھ ہی قرآن کریم کا مطالعہ کریں، مسلمانوں سے اسلامی معلومات حاصل کریں یا اسلامی کتابیں پڑھیں تو ضرور اسلام قبول کر لیں، ان کی کتابوں میں اسلام کی حقانیت کے دلائل اور نبی ﷺ کے اوصاف موجود ہیں، اور جب وہ اسلامی تعلیمات کے ساتھ اپنی تعلیمات کا موازنہ کریں گے تو اسلام کی خوبی ان کی سمجھ میں آ جائے گی۔

اور واقعہ یہ ہے کہ یہود تو تعصب کا چشمہ چڑھا کر ہی تورات پڑھتے ہیں، اور قرآن میں کیڑے ڈھونڈتے ہیں، اس لئے عام طور پر وہ ایمان سے محروم رہتے ہیں، مگر عیسائیوں کا معاملہ مختلف ہے، وہ کھلے ذہن سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، اور اسلامی کتابیں پڑھتے ہیں، پھر انجیل کی تعلیمات سے موازنہ کرتے ہیں، پس اسلام کی خوبی ان کی سمجھ میں آ جاتی ہے، اور وہ مسلمان ہو جاتے ہیں، یورپ اور امریکہ میں اسلام قبول کرنے والے زیادہ تر عیسائی ہیں۔

﴿الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلْوَٰتِهِ ۗ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب (تورات اور انجیل) عطا فرمائی ہے، جو اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس

طرح اس کو پڑھنے کا حق ہے: وہ اللہ کی راہ نمائی (اسلام) کو مان لیتے ہیں، اور جو اللہ کی راہ نمائی (اسلام) کو نہیں مانیں گے وہی لوگ گھانٹے میں رہنے والے ہیں!

فائدہ: ﴿يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلْوَٰتِهِ﴾: اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کو پڑھنے کا حق ہے: اس میں

عظیم فائدہ ہے، اللہ کی تمام کتابوں کا، خاص طور پر قرآن کریم کا مطالعہ خالی ذہن سے کرنا چاہئے، پہلے سے نظریہ قائم کر کے قرآن کو کھینچ تان کر اس کے مطابق نہیں کرنا چاہئے، یہی تفسیر بالرای ہے، جو حرام ہے، گمراہ فرقے اور متجددین اسی طرح قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں، اور ظاہر بات ہے عینک جس رنگ کی ہوگی چیزیں ویسی ہی نظر آئیں گی اور شیشہ سفید ہوگا تو چیزیں اصلی حالت میں نظر آئیں گی، یہ عظیم فائدہ ہے، اہل کتاب اپنی کتابوں کا مطالعہ تعصب کا چشمہ لگا کر کریں گے تو

وہ حق کی راہ نمائی قبول نہیں کریں گے، اور قرآن کا مطالعہ نظریہ قائم کر کے کیا جائے گا تو گمراہی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۸﴾
وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا
شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور نہیں قبول کیا جائیگا	وَلَا يُقْبَلُ	جہانوں پر	عَلَى الْعَالَمِيْنَ	اے یعقوب کی اولاد	يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ
اس کی طرف سے	مِنْهَا	اور ڈرو	وَاتَّقُوا	یاد کرو	اذْكُرُوْا
کوئی بدلہ	عَدْلٌ	اس دن سے	يَوْمًا	میرا وہ انعام	نِعْمَتِيْ
اور نہیں کام آئیگی اسکے	وَلَا تَنْفَعُهَا	نہیں کام آئے گا	لَا تَجْزِيْ	جو کیا میں نے	الَّتِيْ اَنْعَمْتُ
کوئی سفارش	شَفَاعَةٌ	کوئی شخص	نَفْسٌ	تم پر	عَلَيْكُمْ
اور نہ وہ	وَلَا هُمْ	دوسرے شخص کے	عَنْ نَفْسٍ	اور یہ کہ میں نے	وَاِنِّيْ
مدد کئے جائیں گے	يُنصَرُوْنَ	کچھ بھی	شَيْئًا	برتری بخشی تم کو	فَضَّلْتُكُمْ

بنی اسرائیل کے تفصیلی حالات جامع تمہید لوٹا کر پورے فرماتے ہیں

آیات ۲۷ و ۲۸ سے بنی اسرائیل کے احوال کا تفصیلی بیان شروع ہوا ہے، وہاں جو تمہید تھی اسی پر اختتام فرماتے ہیں، اس میں یہ سبق ہے کہ کسی چیز کا تفصیلی تذکرہ جامع تمہید سے شروع کرنا چاہئے، جیسے اصحاب کہف کا تذکرہ جامع خلاصہ سے شروع کیا ہے، پھر اگر وہ مفصل تذکرہ تمہید لوٹا کر پورا کیا جائے تو لطف دو بالا ہو جاتا ہے۔

آیات پاک: — اے اولادِ یعقوب! میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے ہیں، اور (خاص طور پر) یہ انعام یاد رکھو کہ میں نے تم کو جہاں والوں پر برتری بخشی ہے — یہ فضیلت اس وقت تک تھی جب تک وہ اپنے دین پر قائم تھے — اور اس دن سے ڈرو جس میں کوئی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا — قیامت کا دن مراد ہے — اور نہ اس کی طرف سے کوئی بدلہ لیا جائے گا — یعنی گناہ کا جرمانہ دے کر بھی سزا سے نہیں بچ سکے گا — اور نہ اس کے لئے کوئی سفارش مفید ہوگی، اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے — بلکہ وہ لامحالہ عذاب سے دوچار ہونگے!

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ

ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنْتَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۗ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ
وَأَمْنًا وَإِخْتِذَا وَمِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝

وَإِذْ	اور (یاد کرو) جب	قَالَ	فرمایا	مُصَلًّى	نماز کی جگہ
ابْتَلَانِي	آزمایا (امتحان کیا)	لَا يَنْتَالُ	نہیں پہنچے گا	وَعَهِدْنَا	اور قول و قرار کیا ہم نے
إِبْرَاهِيمَ	ابراہیم کو (کا)	عَهْدِي	میرا پیمان	إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ	ابراہیم سے
رَبِّهِ	ان کے رب نے	الظَّالِمِينَ	نافرمانوں کو	وَإِسْمَاعِيلَ	اور اسماعیل سے
يَكَلِّمَتِ	چند باتوں (احکام) سے	وَإِذْ	اور (یاد کرو) جب	أَنْ طَهِّرَا	کہ پاک صاف رکھیں
فَأَتَتْهُنَّ	پس پورا کیا اس نے ان کو	جَعَلْنَا	بنایا ہم نے	بَيْتِي	دو نوں
قَالَ	فرمایا	الْبَيْتِ	بیت اللہ کو	لِلطَّائِفِينَ	طواف کرنے والوں کیلئے
إِنِّي	بے شک میں	مَثَابَةٌ	جمع ہونے کی جگہ	وَالْعَاكِفِينَ	اور اع تکاف کرنے والوں
جَاعِلُكَ	بنانے والا ہوں آپ کو	لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	وَالرُّكَّعِ	اور رکوع کرنے والوں
لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	وَإِخْتِذَا	اور بناؤ تم	وَالرُّكَّعِ	اور رکوع کرنے والوں
إِمَامًا	پیشوا	وَأَمْنًا	کھڑے ہونے کی جگہ کو	السُّجُودِ	سجدہ کرنے والوں کیلئے
قَالَ	عرض کیا	مِنْ مَّقَامِ	ابراہیم کی		
وَمِنْ ذُرِّيَّتِي	اور میری اولاد سے	إِبْرَاهِيمَ			

بنی اسماعیل کا تذکرہ

بنی اسرائیل کے تذکرہ کے بعد اب بنی اسماعیل کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، اسماعیل علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے تھے، اسحاق علیہ السلام ان سے چھوٹے تھے، جن کے صاحبزادے یعقوب علیہ السلام ہیں، ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے، پس بنی اسماعیل کا تذکرہ پہلے آنا چاہئے تھا، مگر بنی اسرائیل کو نبوت سے پہلے سرفراز کیا (۱) جاعل: اسم فاعل: بناؤں گا (۲) مثابة: طرف مکان: لوٹنے کی جگہ، تاب (ن) ثوبًا: لوٹنا (۳) الركع: الركع کی جمع، السجود: الساجد کی جمع۔

ہے، اس لئے ان کا تذکرہ پہلے کیا، اور بنی اسماعیل کو آخر میں نبوت سے سرفراز کیا ہے اس لئے ان کا تذکرہ بعد میں کیا،

۱- ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسماعیل کے لئے امامت (دینی پیشوائی) کی دعا کی جو قبول ہوئی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑے سخت حالات سے گذرنا پڑا ہے اور ان کو بعض سخت احکام بھی دیئے گئے ہیں، مثلاً:

۱- وطن میں ظالم حکومت (نمرود کی حکومت) اور جاہل عوام کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، باپ بھی سخت دشمن ہو گیا، سب

نے مل کر آپ کو دہشتی آگ میں ڈالا، مگر اللہ نے بچالیا!

۲- بالآخر تنگ آ کر وطن چھوڑا، مصر پہنچے، وہاں جابر بادشاہ نے آپ کے حرم پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر اللہ نے ان کی عصمت

کی حفاظت کی۔

۳- آخر میں فلسطین میں جا بسے، وہاں بڑی تمناؤں اور دعاؤں کے بعد صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے،

ابھی وہ شیر خوار تھے کہ وہ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا حضرت سارۃ رضی اللہ عنہا کی آنکھ میں کانٹے کی طرح

کھٹکنے لگے، چنانچہ ان کے مطالبہ پر ماں بیٹے کو ایک لقمہ میدان میں چھوڑنا پڑا۔

۴- جب اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے تو ان کو قربان کرنے کا حکم ملا، جس کی ابراہیم علیہ السلام نے خوشی سے

تعمیل کی، اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کو فدیہ دے کر بچالیا۔

۵- جب اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو کعبہ شریف کی تعمیر کا حکم ملا، باپ بیٹے نے بے سرو سامانی کی حالت میں

کعبہ شریف تعمیر کیا، باپ معمار تھا اور بیٹا مزدور!

۶- بڑی عمر میں ختنہ کا حکم ملا، اس کی بھی تعمیل کی، خود ہی اپنی ختنہ کی۔

ایسے ایسے کاموں سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا، وہ امتحان میں کامیاب ہوئے تو صلہ ملا، وحی آئی کہ میں

آپ کو تمام لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، چنانچہ آپ کے بعد نبی ﷺ تک تمام انبیاء و رسل آپ کے خاندان سے آئے، اور دنیا

کے تینوں بڑے مذاہب (اسلام، عیسائیت اور یہودیت) آپ کی عظمت اور جلالتِ شان پر متفق ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ

کا وعدہ پورا ہوا۔

جب یہ وحی آئی تو ابراہیم علیہ السلام نے موقع غنیمت جانا، اور دعا کی: الہی! یہ اعزاز میری کچھ اولاد کو بھی عطا فرمایا

جائے، یہ دعا اسماعیل علیہ السلام کے حق میں قبول ہوئی، مگر ساتھ ہی بتلادیا کہ آپ کی اولاد میں سے جو نافرمان ہیں ان کو یہ

منصب حاصل نہیں ہوگا۔

اس کی نظیر: فقہ کی کتابوں میں ہے کہ شبِ معراج میں جب نبی ﷺ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے تو اس طرح

سلام عرض کیا: التحیات لله والصلوات والطیبات: تمام قوی، فعلی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں! پس بارگاہِ خداوندی سے جواب آیا: السلام علیک ایہا النبی ورحمة الله وبرکاتہ، تو آپ نے موقع غنیمت جانا اور عرض کیا: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین، یہ دعا قبول ہوئی، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب بندہ تشہد میں یہ کہتا ہے تو آسمان وزمین میں جو بھی نیک بندہ ہے اس کو سلام پہنچ جاتا ہے“ اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں استثناء فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ اصل دعا قبول فرمائی!

سوال: دعا میں تو لفظ ذریت ہے، جو عام ہے، بنی اسماعیل کے ساتھ خاص نہیں؟

جواب: بے شک عام ہے، مگر اس دعا کا تذکرہ اللہ پاک نے بنی اسماعیل کے تذکرہ میں کیا ہے، بنی اسرائیل کے تذکرہ میں نہیں کیا، یہ قرینہ ہے کہ یہ دعا خاص بنی اسماعیل کے حق میں قبول ہوئی ہے، چنانچہ خاتم النبیین ﷺ کو ان کی اولاد میں مبعوث کیا، اور رہتی دنیا تک امامت کا تاج ان کی امت کو پہنایا۔

فائدہ: ﴿لَا يَنْتَهِ عَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا: ینال عہدی الصالحین: فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے، جیسے سورۃ احزاب (آیت ۷۲): ﴿إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ کا آدھا: ینال عہدی الصالحین: محذوف ہے، اور سورۃ آل عمران (آیت ۲۶): ﴿بِبَيْدِكَ الْخَيْدُ﴾ کے بعد و الشکر کو چھوڑ دیا ہے، سامع خود سمجھ لے گا کہ شر بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

﴿وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۚ قَالَ لَا يَنْتَهِ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند باتوں کے ذریعہ آزمایا، پس انھوں نے ان باتوں کو پورا کیا (تو) اللہ نے فرمایا: ”میں آپ کو تمام لوگوں کا پیشوا بناؤں گا!“ ابراہیمؑ نے عرض کیا: ”اور میری اولاد میں سے!“ اللہ نے فرمایا: ”میرے پیمان سے نافرمان لوگ استفادہ نہیں کریں گے!“

۲- بیت اللہ کی تولیت بنی اسماعیل کے سپرد ہوئی

بیت اللہ شریف انسانوں کے لئے پہلی عبادت گاہ ہے، وہ پہلی تجلی گاہ ربانی ہے، وہ لوگوں کے لئے اسمبلی پونٹ (جمع ہونے کی جگہ) ہے، یہاں لوگ حج و عمرہ کے لئے ہر وقت آتے رہتے ہیں، وہ امن کی جگہ بھی ہے، اسی کی برکت سے اس کا صحن (حرم شریف) مامون ہے، جاہلیت میں بھی حرم میں کسی کو نہیں ستایا جاتا تھا، بیٹا: باپ کے قاتل سے ملتا تو کچھ تعرض نہ کرتا، اللہ کا یہ گھر بار تعمیر ہوا اور اجزاء، آخری مرتبہ اس کو حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا، اس کے بعد آج

تک نہیں اجزاء عمارت کی تجدید ہوتی رہی مگر وہ ہمیشہ آباد رہا، وہاں مسلسل اللہ کی عبادت ہو رہی ہے۔

پس موجودہ بیت اللہ کے پہلے معمار حضرت ابراہیم ہیں، وہاں ان کی ایک خاص یادگار آج بھی موجود ہے، اور وہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو چنا، کہتے ہیں: جب کعبہ کی دیوار اتنی اونچی ہو گئی کہ پاڑ باندھنے کی ضرورت پیش آئی، اور اس کے لئے کوئی سامان نہیں تھا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ پتھر لائے، جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ چنا، یہ پتھر خود بخود اونچے ہوتا تھا، اور روایت میں ہے کہ حجر اسود کی طرح یہ پتھر بھی جنت سے لایا گیا تھا۔

یہ پتھر پہلے کعبہ شریف کے اندر رکھا ہوا تھا، پھر زمانہ جاہلیت میں اس کو باہر نکال کر کعبہ شریف سے چند گز کے فاصلہ پر رکھا گیا، اس وقت سے آج تک وہ پتھر وہیں رکھا ہوا ہے، اس کے پاس طواف کا دو گانہ پڑھنا مسنون ہے۔
الحاصل: جب خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہوئی تو اس کی تولیت بنی اسماعیل کے سپرد ہوئی، جو بہت بڑی فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے سے قول و قرار کیا کہ وہ اللہ کے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے، اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور نماز پڑھنے والوں کے لئے تیار رکھیں، مسجد کو صاف رکھنا متولی کی ذمہ داری ہے، چنانچہ جب سے یہ نئی تعمیر ہوئی ہے، آج تک اس کی تولیت بنو اسماعیل کے پاس ہے۔

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّیٰ ۖ وَعِیْذًا ۖ لِّآلِ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَاسْمِعِیلَ ۖ إِنَّ طَیْهَرًا بَنَیْتِیَ لِّلطَّآئِفِیْنَ ۖ وَالْعَکِفِیْنَ ۖ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۖ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن کی جگہ بنایا، اور تم مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ، اور ہم نے ابراہیم و اسماعیل سے قول و قرار کیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے، اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو!

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمْتِعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۲۵﴾

وَإِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب دعا کی	إِبْرَاهِيمُ رَبِّ	ابراہیم نے اے میرے رب!	اجْعَلْ هَذَا	بنائیں اس کو
--------------	-------------------------	--------------------	------------------------	---------------	--------------

تھوڑے دنوں	قَلِيلًا	اللہ پر	بِاللَّهِ	امن والا شہر	بَلَدًا اٰمِنًا ^(۱)
پھر جبراً اسکو لے جاؤنگا	ثُمَّ اَضْطَرُّوْهُ ^(۳)	اور قیامت کے دن پر	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور روزی دیں	وَاَرْزُقْ
عذاب کی طرف	اِلَى عَذَابٍ	فرمایا	قَالَ	اس کے لوگوں کو	اَهْلَكَ
دوزخ کے	النَّارِ	اور جس نے کفر کیا	وَمَنْ كَفَرَ	پھلوں سے	مِنَ الثَّمَرَاتِ
اور بری ہے (وہ)	وَبِئْسَ	پس فائدہ پہنچاؤں گا	فَاَمْتِعَهُ ^(۲)	جو ایمان لایا	مَنْ اٰمَنَ
رہنے کی جگہ	الْمَصِيْرُ	میں اس کو		ان میں سے	مِنْهُمْ

۳- ابراہیم علیہ السلام نے بنی اسماعیل کے لئے پُر امن شہر اور روزی کی دعا فرمائی

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام: حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے لوق میدان میں چھوڑ کر واپس لوٹے تو پہاڑ کی اوٹ میں جا کر دو دعائیں کیں: الہی! یہ ویران جگہ پُر امن شہر بنے، اور یہاں کے لوگوں کو پھلوں کی روزی ملے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں، وہاں ہجر ہم قبیلہ آ کر بسا، اور رفتہ رفتہ وہاں شہر مکہ وجود میں آیا، اور طائف وغیرہ سے بکثرت پھل آنے لگے، کسی چیز کا ٹوٹا نہ رہا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا میں مسلمانوں کی تخصیص کی تھی، گذشتہ آیت میں آیا ہے کہ دینی امامت ظالموں کو نہیں ملے گی، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے احتیاط برتی، مگر امامت اور دنیوی رزق کا معاملہ مختلف ہے، اللہ رحمان ہیں، دنیا میں ہر کسی کو روزی عنایت فرماتے ہیں، البتہ آخرت کے اعتبار سے رحیم ہیں، آخرت میں رحمت مومنین کے لئے خاص ہوگی، اس لئے وحی آئی کہ اس تخصیص کی ضرورت نہیں، دنیا میں چند دن روزی کافروں کو بھی ملے گی، البتہ آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے!

آیت پاک: اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم نے دعا کی: ”اے میرے پروردگار! اس جگہ کو امن والا شہر بنا، اور اس کے باشندوں کو پھلوں سے روزی عنایت فرما، جو ان میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے“ — اللہ نے فرمایا: ”جو میرا دین قبول نہیں کرے گا اس کو بھی تھوڑے دنوں تک فائدہ پہنچاؤں گا، پھر اس کو کشاں کشاں دوزخ کے عذاب میں پہنچاؤں گا، اور وہ بری رہنے کی جگہ ہے!“

(۱) یہ دعا شہر بسنے سے پہلے کی ہے، اس لئے بلدًا: نکرہ ہے، اور سورة ابراہیم (آیت ۳۵) والی دعا شہر بسنے کے بعد کی ہے، اس لئے وہاں البلد معرفہ ہے (۲) اُمْتِعُ: تمتیع سے مضارع، واحد متکلم: تھوڑا بہت فائدہ پہنچانا (۳) اَضْطَرُّ: اضطرا د سے مضارع، واحد متکلم: مجبور کرنا۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۝ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۝ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

۱۵۵

وَإِذْ	اور (یا دیکرو) جب	وَاجْعَلْنَا	اور بنا ہمیں	التَّوَّابُ	بہت توجہ فرمانے والے
يَرْفَعُ	اٹھا رہے تھے	مُسْلِمَيْنِ ^(۲)	دونوں کو حکم بردار	الرَّحِيمُ	بڑے رحم فرمانے والے ہیں
إِبْرَاهِيمَ	ابراہیم	لَكَ	اپنا	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!
الْقَوَاعِدَ ^(۱)	بنیادیں	وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا	اور ہماری اولاد سے	وَابْعَثْ	اور مبعوث فرما
مِنَ الْبَيْتِ	بیت اللہ کی	أُمَّةً	ایک جماعت	فِيهِمْ	ان میں
وَإِسْمَاعِيلَ	اور اسماعیل	مُسْلِمَةً	حکم بردار	رَسُولًا ^(۳)	عظیم رسول
رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	لَكَ	آپ کی	مِنْهُمْ	ان میں سے
تَقَبَّلْ	قبول فرما	وَأَرِنَا	اور دکھا ہمیں	يَتْلُوا	(جو) پڑھے
مِنَّا	ہماری طرف سے	مَنَاسِكَنَا ^(۳)	ہمارے حج کے احکام	عَلَيْهِمْ	ان پر
إِنَّكَ أَنْتَ	بے شک آپ ہی	وَتُبْ	اور توجہ فرما	آيَاتِكَ	آپ کی آیتیں
السَّمِيعُ	خوب سننے والے	عَلَيْنَا	ہم پر	وَيُعَلِّمُهُمُ	اور سکھائے ان کو
الْعَلِيمُ	سب کچھ جاننے والے ہیں	إِنَّكَ أَنْتَ	بے شک آپ ہی	الْكِتَابَ	اللہ کی کتاب
رَبَّنَا	اے ہمارے رب!				

(۱) القواعد: القاعدة کی جمع: بنیادیں، دیوار کا وہ ابتدائی حصہ جو سطح زمین سے شروع ہو کر کچھ اوپر آجاتا ہے، جس پر پوری عمارت قائم ہوتی ہے، وہ چیز جس پر کوئی چیز قائم ہو، بیت اللہ کی بنیادیں پہلے سے بھری ہوئی تھیں، ان پر عمارت اٹھائی گئی تھی (۲) مسلمین: مشنہ، اسلام: سرافگندگی، انقیاد، حکم برداری (۳) مناسک: مناسک کی جمع، اسم ظرف: حج اور اس کے مقامات (۴) رسولاً: تنوین تعظیم کے لئے ہے

وَإِحْكَمَةٌ (۱) وَيُزَكِّيهِمْ	اور تمہہ کی باتیں اور سترہا کرے ان کو	إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ	بے شک آپ ہی زبردست	الْحَكِيمُ	بڑی حکمت والے ہیں
------------------------------------	--	------------------------------	-----------------------	------------	-------------------

۴- تعمیرِ کعبہ کے وقت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے چار دعائیں کیں

کعبہ شریف حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، اور آپ نے اس کا حج بھی کیا تھا، سورۃ آل عمران (آیت ۹۶) میں ہے: ”سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لئے مقرر کیا گیا وہ کعبہ شریف ہے“ انسانوں کی ابتدا آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے، پھر کعبہ شریف حوادث کا شکار ہو گیا، اور اس کی عمارے باقی نہ رہی اور حج کا سلسلہ بھی رک گیا، مگر اس کی بنیادیں باقی تھیں، برساتی نالے نے اس پر مٹی چڑھادی تھی، اور وہاں ٹیلہ بن گیا تھا۔

پھر جب حجر، ہم قبیلہ وہاں آ کر آباد ہوا، اور اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے، تو ملک شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعمیرِ کعبہ کا حکم ملا، وہ مکہ آئے، اور اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ تعمیر کیا، روایات میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر بنیادوں کی نشاندہی کی، ٹیلہ ہٹایا گیا تو نیچے بھری ہوئی نیونگی، چنانچہ اس پر دیواریں اٹھائی گئیں، اس لئے فرمایا: ”وہ بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے“

غرض: تعمیرِ کعبہ کے وقت دونوں حضرات نے چار دعائیں کیں:

(الف) قبولیتِ خدمت کی دعا — انبیاء علیہم السلام کبھی اپنے کسی کارنامہ پر ناز نہیں کرتے، وہ ہمیشہ اللہ کے سامنے سر نیاز خم کئے رہتے ہیں، نبی ﷺ کی سواری فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئی تو آپ کا سر مبارک کجاوے سے لگا ہوا تھا، اور اترتے ہی شکرانہ کی آٹھ رکعتیں پڑھیں۔

پھر آخر دعا میں عرض کیا ہے کہ آپ سمیع و علیم ہیں، ہماری دعا سن رہے ہیں، اور ہمارے دلوں کی کیفیت جان رہے ہیں، ہم اخلاص سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، اور اخلاص کی آپ کے یہاں قدر ہے، اس لئے ہماری یہ دعا قبول فرما!
(ب) اپنی اور اپنی اولاد کی اطاعت و فرمان برداری کی دعا — نیک بندے ہمیشہ اپنی اولاد کے دین کی فکر کرتے ہیں، اولاد ایماندار ہوگی تو ہی جنت میں ساتھ ہوگی، اس لئے اپنے ساتھ اپنی ذریت کے لئے بھی دعا کی ہے کہ ان کو بھی اپنا فرمان بردار بنا۔

سوال: حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام انبیاء تھے، اور پہلے سے پیکر طاعت تھے، پھر انہوں نے یہ دعا کیوں کی کہ ہمیں اپنا فرمان بردار بنا!

(۱) حکمت: تمہہ کی بات، دانشمندی کی بات، گُر کی بات، مراد احادیث شریفہ ہیں۔

جواب: یہ دعا ایسی ہے جیسے نماز میں دعا کرتے ہیں: ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾: (الہی!) ہمیں سیدھا راستہ دکھا، جبکہ وہ سیدھا راستہ دیکھے ہوئے ہیں، جیسا سرعبودیت خم کئے ہوئے ہیں، پس یہ استقامت کی دعا ہے، اسی طرح مذکورہ دعا مدت کی دعا ہے۔

فائدہ: ذریت کے عموم میں نبی ﷺ کی پہلی امت پھر ساری امت شامل ہے، سورۃ الحج کی آخری آیت میں ہے: ﴿هُوَ سَمْتَكُمْ الْمُسْلِمِينَ ۝ مَنْ قَبْلُ﴾: ابراہیم علیہ السلام قبل ازیں تمہارا نام امت مسلمہ رکھ چکے ہیں، اس آیت میں مذکورہ دعا کی طرف اشارہ ہے۔

(ج) حج کے مقامات بتانے کی اور اس کے احکام سکھانے کی دعا — کعبہ شریف کی تعمیر حج کے لئے ہوئی ہے، چنانچہ تعمیر سے فارغ ہوتے ہی حکم ملا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں، سورۃ الحج (۲۷) میں اس کا ذکر ہے، چنانچہ حج کی عبادت شروع ہو گئی، جو آج تک چل رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قائم و دائم رکھے!

اور اس دعا کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اب ورحیم ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ حج کی عبادت مغفرت کا ذریعہ ہے، حدیث ہے: الحج یهدم ما کان قبلہ: حج سابقہ گناہوں کو ڈھادیتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ جس نے حج کیا، اور رفٹ و فسوق و جدال نہیں کیا تو وہ ایسا گناہوں سے پاک صاف ہو کر لوٹتا ہے جیسا وہ بوقت ولادت تھا۔

البتہ توبہ شرط ہے، اور توبہ قبولی بھی ہوتی ہے اور فعلی بھی، فعلی توبہ یہ ہے کہ زندگی کا ورق پلٹ دے، بری زندگی لے کر گیا تھا، اچھی زندگی لے کر لوٹے، توبہ دلیل ہوگی کہ گناہ دھل گئے۔

(د) خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کی دعا — نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا ظہور ہوں“ یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی یہ دعا نبی ﷺ کے لئے تھی — پھر آپ نے نبی ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے:

(الف) وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب پڑھ کر سنائے — چنانچہ نبی ﷺ لوگوں کو نمازوں میں، نزول وحی کے ساتھ، اور مسلموں اور غیر مسلموں کے اجتماعات میں قرآن سناتے تھے، اور وہ چونکہ اہل لسان تھے، اس لئے قرآن کی دعوت سمجھتے تھے۔

(ب) لوگوں کو قرآن سکھائے: — قرآن کی بعض باتیں اہل لسان بھی نہیں سمجھ سکتے، جیسے قرآن میں نماز کا حکم ہے، مگر نماز کیا ہے؟ یہ قرآن میں نہیں، البتہ قرآن میں ارکان نماز کو متفرق جگہ بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے ان کو جمع کر کے نماز کی ہیئت ترکیبی بنائی، اور پڑھ کر دکھائی، یہ قرآن کی تعلیم ہے۔

(ج) حکمت سکھائے: حکمت کے معنی ہیں: تمہہ کی باتیں، قرآن کریم میں کچھ گہری باتیں ہیں، جو آیات کی تمہہ میں

ہیں، ان کو سکھانا بھی نبی ﷺ کی ذمہ داری تھی، مثلاً: قرآن میں رضاعت کے تعلق سے دو رشتوں کی حرمت کا بیان ہے، ایک: رضاعی ماں کا، دوسری: رضاعی بہن کا، جبکہ رضاعت سے وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو ناتے (نسب) سے حرام ہوتے ہیں، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: يَنْحُرُ مِنَ الرُّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوَالِدَةِ (رواہ البخاری) معلوم ہوا کہ قرآن میں دو رشتوں کا ذکر بطور مثال ہے، یہ حکمت کی تعلیم ہے۔

(د) تزکیہ کرے، ظاہر و باطن کو صاف کرے: — اسلام میں ظاہری پاکی کی بھی اہمیت ہے، فرمایا: الطهور شرط الایمان: پاکی آدھا ایمان ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے وضو و غسل اور پانی کی پاکی ناپاکی کے مسائل تفصیل سے بیان فرمائے — اور جس طرح آدمی کا ظاہر صاف اور ناصاف ہوتا ہے باطن بھی صاف اور ناصاف ہوتا ہے، باطن کی پاکی اخلاقی حسنہ ہیں اور ناپاکی اخلاقی سیئہ، پس اللہ کے رسول کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ امت کو سنوارے، برے اخلاق سے پاک کرے اور عمدہ اخلاق سے آراستہ کرے، فرمایا: بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ: میری بعثت اس لئے ہے کہ میں تمام اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیدوں، اسی کو قرآن کی اصطلاح میں تزکیہ کہتے ہیں۔

پھر آخر آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زبردست اور حکیم ہیں، وہ چاہیں تو بنی اسرائیل میں خاتم النبیین ﷺ کو مبعوث فرمائیں اور چاہیں تو بنی اسماعیل میں، البتہ وہ حکیم بھی ہیں، ان کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ خاتم النبیین ﷺ کو بنی اسماعیل میں مبعوث فرمائیں۔

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعثتِ نبوی کے جو چار مقاصد بیان کئے ہیں وہ اللہ پاک نے سورة آل عمران (آیت ۱۶۳) اور سورة الحج (آیت ۲) میں بھی بیان فرمائے ہیں، وہاں بھی ان مقاصد کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

آیاتِ پاک: — اور (یاد کرو) جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے — یعنی بھری ہوئی نیو پر دیوار چن رہے تھے — اور اسماعیل (بھی اور اس وقت دونوں دعا کر رہے تھے):

۱- اے ہمارے رب! ہمارے طرف سے (یہ خدمت) قبول فرما! بے شک آپ ہی خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں!

۲- اے ہمارے رب! اور ہمیں اپنا فرمان بردار بندہ بنا، اور ہماری اولاد میں سے (بھی) اپنی ایک فرمان بردار جماعت بنا!

۳- اور ہمیں ہمارے مناسک (حج کے مقامات بتا اور احکام) سکھا، بے شک آپ ہی بڑے توجہ فرمانے والے، بڑے مہربان ہیں۔

۴- اے ہمارے رب! اور ان میں انہیں میں سے ایک عظیم رسول مبعوث فرما: (الف) جو ان کو آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے (ب) اور ان کو کتاب اللہ کی تعلیم دے (ج) اور حکمت کی باتیں سکھائے (د) اور ان کو ستھرا کرے — بے شک آپ ہی زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّا فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ ۖ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ ۖ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ ۖ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَاللَّهُ أَبَاكَ إِبْرَاهِيمَ وَالسَّمْعِيلَ وَالشُّعْثَانَ وَآخِذًا ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

وَمَنْ (۱)	اور نہیں	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	أَسْلَمْتُ	مسلمان (منقاد) ہوا میں
يَرْغَبْ	اعراض کرتا	وَإِنَّا	اور بے شک وہ	لِرَبِّ الْعَالَمِينَ	جہاں کے رب کیلئے
عَنْ مِلَّةِ	مذہب سے	فِي الْآخِرَةِ	آخرت میں	وَوَصَّى بِهَا	اور وصیت کی اس
إِبْرَاهِيمَ	ابراہیم کے	لَمِنَ الصَّالِحِينَ	یقیناً نیکوں میں سے ہے	إِبْرَاهِيمَ	(ملت) کی
إِلَّا مَنْ	مگر جس نے	إِذْ	(یا دیکرو) جب	بَنِيهِ	ابراہیم نے
سَفِهَ (۲)	نادان ٹھہرایا	قَالَ لَهُ	فرمایا اس سے	وَيَعْقُوبُ	اپنے بیٹوں کو
نَفْسَهُ	اپنے آپ کو	رَبُّهُ	اس کے رب نے	يَلْبِنِيَّ	اور یعقوب نے
وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	أَسْلِمَ	مسلمان (منقاد) ہو	إِنَّ اللَّهَ	اے میرے بیٹو!
اصْطَفَيْنَاهُ	برگزیدہ کیا ہم نے اس کو	قَالَ	جواب دیا اس نے		بے شک اللہ نے

(۱) مَنْ: برائے استفہام انکاری ہے، اس لئے نہیں ترجمہ کیا ہے (۲) سَفِهَ نَفْسَهُ: بے وقوفی اور نادانی کا مرتکب ہونا، ذرا بھی عقل نہ ہونا۔

اور ہم اس کے لئے ہونگے مسلمان وہ ایک جماعت تھی تحقیق گذر چکی اس کے لئے ہے جو کمایا اس نے اور تمہارے لئے ہے جو کمایا تم نے اور نہیں پوچھے جاؤ گے تم ان کاموں سے جو وہ تھے کرتے	وَنَحْنُ لَكَ مُسْلِمُونَ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهُمَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ	اپنے بیٹوں سے کس کی عبادت کریں گے تم میرے بعد؟ جواب دیا انہوں نے عبادت کریں گے ہم آپ کے معبود کی اور آپ کے اسلاف کے معبود کی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کی ایک معبود کی	لِبَدِينِهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا تَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالِآلِهَةِ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا ^(۱)	منتخب کیا ہے تمہارے لئے ایک مذہب پس ہرگز نہ مرنا تم مگر در انحالیکہ تم مسلمان ہوؤ کیا تھے تم موجود جب قریب آئی یعقوب کے موت جب پوچھا اس نے	اصْطَفَى لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ المَوْتُ إِذْ قَالَ
--	--	---	--	---	--

۵- عظیم رسول کا مذہب اسلام ہے، وہی ابراہیم اور ان کے دونوں

صاحبزادوں کا مذہب تھا، اس کو اختیار کرو، اسی میں نجات ہے

جاننا چاہئے کہ صحیح یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چلی ہے، اور موجودہ یہودیت: معلوم نہیں کب بگڑی ہے؟ یہی حال عیسائیت کا ہے، صحیح عیسائیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چلی ہے، اور آج کی عیسائیت بعد میں لوگوں نے بگاڑی ہے، اور موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کا زمانہ یعقوب علیہ السلام کے بہت بعد ہے، اور بنی اسرائیل (یہود و نصاری) یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا نام ہے، پس یعقوب علیہ السلام اور ان کے اسلاف کا مذہب یہودیت و نصرانیت نہیں تھا، ان کا مذہب اسلام تھا، یہی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے دونوں صاحبزادوں کا مذہب تھا، اسی مذہب کو عظیم الشان رسول ﷺ پیش کر رہے ہیں، جن کی بعثت کے لئے ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بنائے کعبہ کے وقت دعا کی ہے، لہذا ان کے مذہب کو اختیار کرو، اسی میں نجات ہے، تمہارے اسلاف کے اعمال سے تمہاری نجات نہیں ہوگی!

یہ آیات کا خلاصہ ہے، اب جاننا چاہئے کہ ان آیات میں بالترتیب پانچ باتیں ہیں:

(۱) (إِلَهًا وَاحِدًا: إِلَهَكَ سے بدل ہے۔

۱- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب سے جو روگردانی کرتا ہے وہ اپنی عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑتا ہے — ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل (یہود و نصاری) کے جدا مجد ہیں، عظیم پیغمبر ہیں، دنیا میں بھی اللہ نے ان کو مقتدی بنایا ہے اور آخرت میں بھی وہ سرفراز ہونگے، ایسے پیغمبر کے مذہب سے جو منہ مورٹا ہے وہ ہر لے درجہ کا نادان ہے، اس کی عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔

﴿ وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَكَيِّنُ الصَّالِحِينَ ﴾

ترجمہ: اور ابراہیم کے مذہب سے وہی شخص اعراض کرتا ہے جس میں ذرا بھی عقل نہیں، اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس کو دنیا میں برگزیدہ کیا، اور وہ آخرت میں بالیقین نیکوں کے زمرہ میں ہے!

۲- ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اسلام تھا — حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ اللہ کے دین کے سامنے سراقندہ رہے، اسی کا نام اسلام ہے۔ مسلمان میں الف نون زائد تان ہیں، اور مسلم کے معنی ہیں: سراقندہ، مطیع و فرمان بردار، جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو قبول کرے وہ مسلمان ہے، اور دین ہمیشہ اللہ کے یہاں سے اسلام ہی آیا ہے: ﴿ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ﴾: بے شک دین اللہ کے پاس اسلام ہی ہے [آل عمران ۱۹] دیگر ادیان لوگوں کے بگاڑے ہوئے یا خود ساختہ ہیں۔

﴿ إِذْ قَالَ لِي رَبُّهُ أَسْلِمُ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب اس کو اس کے رب نے حکم دیا کہ مسلمان (منقاد) ہو! (تو فی الفور) اس نے جواب دیا: میں جہانوں کے پالنے والے کا حکم بردار ہوں! — یعنی مسلمان ہوں، اور یہ انقیاد کی تعبیر ہے کہ ہمیشہ سے تابع فرمان ہوں، پس یہاں یہ سوال فضول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کب مسلمان ہوئے؟ اور اس سے پہلے کیا تھے؟ انبیاء پر بددینی (کفر و شرک) کا ایک لمحہ بھی نہیں گذرتا!

۳- ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو اسلام ہی پر جینے مرنے کی وصیت کی ہے — ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی جس چیز کو اپنے لئے پسند کرے اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرے: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (متفق علیہ) اور اولاد تو بھائی سے بھی قریب ہے، اس لئے دونوں بزرگوں نے اپنی اولاد کو اسلام کی رسی مضبوط پکڑے رہنے کی وصیت کی تھی۔

﴿ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾

ترجمہ: اور اسی مذہب کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے بھی: اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لئے ایک دین (اسلام) منتخب کیا ہے، پس تم ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ہونے کی حالت میں!

۴- یہود و نصاری غلط کہتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہودیت یا نصرانیت کی وصیت کی تھی، نہیں، بلکہ انہوں نے مسلمان رہنے کی وصیت کی تھی — اللہ تعالیٰ یہود و نصاری سے پوچھتے ہیں: کیا تم یعقوب کی وفات کے وقت موجود تھے، جب انہوں نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی؟ نہیں تھے! پھر تم یہ بات کیسے کہتے ہو؟ محض سنی سنائی اڑا رہے ہو یا گھڑ کر چلا رہے ہو! — دیکھو! اللہ پاک اس وقت موجود تھے، وہ بتا رہے ہیں کہ جب یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے سب بیٹوں کو بلایا، اور پوچھا: میرے بچو! میرے بعد تمہارا مذہب کیا رہے گا؟ سب نے کہا: اسلام ہمارا مذہب ہوگا جو آپ کا اور آپ کے جد امجد ابراہیم کا اور ان کے دونوں صاحبزادوں اسماعیل و اسحاق کا مذہب ہے، جس میں ایک اللہ کی عبادت کی جاتی ہے، اور ہم مسلمان مریں گے!

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ ۗ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۗ قَالُوا نَعْبُدُ الْهٰكِ وَاللهَ اٰبَائِكَ اَبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ الْهٰٓا وَاِحْدًا ۗ وَنَحْنُ لَكَ مُسْلِمُونَ ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: کیا تم موجود تھے جب موت یعقوب کے قریب آئی، جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: ”میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟“ انہوں نے جواب دیا: ”ہم آپ کے اور آپ کے اسلاف ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے ایک معبود کی عبادت کریں گے، اور ہم اس کے لئے فرمان بردار رہیں گے!“

سوال: یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادوں نے ’آباء میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی ذکر کیا ہے، جبکہ وہ یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے، باپ یا دادا نہیں تھے، نیز ان کا ذکر اسحاق علیہ السلام سے پہلے کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: آباء بمعنی اسلاف ہے، اور چچا بمنزلہ باپ ہوتا ہے، حدیث میں ہے: نَعْمُ الرَّجُلِ صِنُوْ اٰبِيْهِ: چچا اور باپ ایک جڑ سے نکلنے والے دو درخت ہیں، اور اسماعیل علیہ السلام: اسحاق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے ہیں، اور بڑے کا حق بڑا ہے، اس لئے ان کا تذکرہ پہلے کیا ہے، اور دونوں صاحبزادوں کے تذکرہ میں اشارہ ہے کہ دونوں خانوادوں کا مذہب اسلام تھا، بعد میں بنی اسرائیل نے اپنی راہ الگ کر لی، اور بنی اسماعیل اپنی راہ پر رہے۔

۵- اسلاف کے مذہب کے صحیح ہونے سے گمراہ اخلاف کی بخشش نہیں ہو سکتی — یہود و نصاری کا گمان ہے کہ چونکہ ان کے اسلاف جلیل القدر انبیاء ہیں، اس لئے وہ سفارش کر کے ان کو بخشوا لیں گے، ان کا یہ خیال غلط ہے، قیامت کے دن نہ تو کسی کی نیکیاں کسی کو ملیں گی نہ کسی کا گناہ کسی پر ڈالا جائے گا، اسلاف کی نیکیاں اسلاف کے لئے

ہیں اور اخلاف کی اخلاف کے لئے، اسی طرح اسلاف کے گناہ ان کے ذمہ ہونگے، اخلاف سے ان کے بارے میں سوال نہیں ہوگا، یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے کہ اخلاف کے گناہوں کی ذمہ داری انہی پر ہوگی، اسلاف ان کو نہیں ڈھونڈیں گے، قرآن کریم میں چار پانچ جگہ ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾: کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا [الانعام ۱۶۴]

فائدہ: اسلاف کی نیکیوں سے اخلاف کو فائدہ پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ مؤمن ہوں، گمراہوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور گناہ تو کسی کے کوئی نہیں ڈھونڈے گا، یہ قاعدہ مؤمنین و کفار سب کے لئے نام ہے، رہی سفارش تو وہ دوسرا مسئلہ ہے۔

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

ترجمہ: وہ (اسلاف) ایک جماعت ہے جو گزر چکی، اس کے لئے مفید وہ (نیک عمل) ہے جو اس نے کیا، اور تمہارے لئے مفید وہ (نیک عمل) ہے جو تم نے کیا، اور تم سے ان کاموں (گناہوں) کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے — یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: اور جو گناہ تم کر رہے ہو اس کے وہ (اسلاف) ذمہ دار نہیں، تمہیں خود ان کی جواب دہی کرنی ہوگی!

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٠﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفَرِقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣١﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٢﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً رَوْحُنُ لَهُ عِبَادُونَ ﴿١٣٣﴾ قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ وَكُنَّا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٤﴾ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمْرًا اللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٣٥﴾ تِلْكَ

۱۶۴
۱۶۳
۱۶۲
۱۶۱
۱۶۰
۱۵۹
۱۵۸
۱۵۷
۱۵۶
۱۵۵
۱۵۴
۱۵۳
۱۵۲
۱۵۱
۱۵۰
۱۴۹
۱۴۸
۱۴۷
۱۴۶
۱۴۵
۱۴۴
۱۴۳
۱۴۲
۱۴۱
۱۴۰
۱۳۹
۱۳۸
۱۳۷
۱۳۶
۱۳۵
۱۳۴
۱۳۳
۱۳۲
۱۳۱
۱۳۰
۱۲۹
۱۲۸
۱۲۷
۱۲۶
۱۲۵
۱۲۴
۱۲۳
۱۲۲
۱۲۱
۱۲۰
۱۱۹
۱۱۸
۱۱۷
۱۱۶
۱۱۵
۱۱۴
۱۱۳
۱۱۲
۱۱۱
۱۱۰
۱۰۹
۱۰۸
۱۰۷
۱۰۶
۱۰۵
۱۰۴
۱۰۳
۱۰۲
۱۰۱
۱۰۰
۹۹
۹۸
۹۷
۹۶
۹۵
۹۴
۹۳
۹۲
۹۱
۹۰
۸۹
۸۸
۸۷
۸۶
۸۵
۸۴
۸۳
۸۲
۸۱
۸۰
۷۹
۷۸
۷۷
۷۶
۷۵
۷۴
۷۳
۷۲
۷۱
۷۰
۶۹
۶۸
۶۷
۶۶
۶۵
۶۴
۶۳
۶۲
۶۱
۶۰
۵۹
۵۸
۵۷
۵۶
۵۵
۵۴
۵۳
۵۲
۵۱
۵۰
۴۹
۴۸
۴۷
۴۶
۴۵
۴۴
۴۳
۴۲
۴۱
۴۰
۳۹
۳۸
۳۷
۳۶
۳۵
۳۴
۳۳
۳۲
۳۱
۳۰
۲۹
۲۸
۲۷
۲۶
۲۵
۲۴
۲۳
۲۲
۲۱
۲۰
۱۹
۱۸
۱۷
۱۶
۱۵
۱۴
۱۳
۱۲
۱۱
۱۰
۹
۸
۷
۶
۵
۴
۳
۲
۱

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ^(۲) وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَوْلُوا أَمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ	اور انھوں نے کہا ہو جاؤ یہودی یا عیسائی راہ پا لو گے تم کہو بلکہ مذہب ابراہیم کا یکسو ہونے والا اور نہیں تھا وہ مشرکوں میں سے کہو تم ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور اس پر جو اتارا گیا ابراہیم پر	وَاسْمِعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ ^(۳) وَمَا أُوْتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوْتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ فَإِنِ آمَنُوا بِعِشْرَتِنَا آمَنَّا بِهِم	اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور نبیروں پر اور اس پر جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور اس پر جو دیئے گئے انبیاء ان کے رب کی طرف سے نہیں تفریق کرتے ہم کسی کے درمیان ان میں سے اور ہم اس کے منقاد ہیں پس اگر ایمان لائیں وہ اس طرح جس طرح ایمان لائے ہو تم اس پر	فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِن تَوَلَّوْا فَأَنبَأَهُمُ فِي شِقَاقِ ^(۵) فَسَيَكْفِيكَهُمُ ^(۶) اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ صِبْغَةَ اللَّهِ ^(۷) وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَبِيدُونَ قُلْ إِن حَاجُّونَنَا	تو یقیناً راہ پالی انھوں نے اور اگر روگردانی کریں وہ تو اس کے سوا نہیں کہ وہ ضد میں ہیں پس اب نمٹ لیں گے آپ کی طرف سے ان سے اللہ تعالیٰ اور وہ خوب سننے والے ہر بات جاننے والے ہیں اللہ کا رنگنا! اور کون اچھا ہے اللہ سے رنگنے میں؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں کہو کیا بحث کرتے ہو ہم سے
---	---	---	--	---	--

(۱) تہتدوا: جواب امر ہے (۲) حنیفا: ابراہیم کا حال ہے، حنیف: تمام باطل ادیان سے یکسو ہو کر دین حق کی طرف مائل ہونے والا، حَنَفَ (ض) حَنَفًا عن الشيء: ایک طرف کو جھکتنا (۳) وما: اللہ پر عطف ہے (۴) سببط: پوتے نواسے، نبیرہ۔ (۵) شقاق: ضد، شدید اختلاف..... اور بمثل میں مثل: تجسیمین کلام کے لئے زائد ہے (۶) اس میں مفعول کی دو ضمیریں ہیں: کاف اور ہم، کفی یکفی: کافی ہونا (۷) صِبْغَةَ اللَّهِ: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، جس کا حذف واجب ہے ای صِبْغَنَا اللَّهُ صِبْغَةً..... اور صبغۃ تمیز ہے

ان کاموں سے جو تم کرتے ہو	عَمَّا تَعْمَلُونَ	اور یعقوب اور پوتے نواسے	وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ	اللہ (کی رحمت) میں درانحالیکہ وہ ہمارا رب ہے	فِي اللَّهِ (۱) وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ
وہ ایک جماعت ہے تحقیق گذر گئی	تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ	تھے وہ یہودی یا عیسائی کہو	كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى	اور ہمارے لئے ہمارے کام ہیں	وَلَكُنَّا أَعْمَالُنَا
اس کے لئے ہے جو کمایا اس نے اور تمہارے لئے ہے جو کمایا تم نے	لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ	تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ اور کون بڑا ظالم ہے	ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ	اور تمہارے لئے تمہارے کام ہیں اور ہم اسی کے لئے	وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ
اور نہیں پوچھے جاؤ گے تم ان گناہوں کے بارے میں جو تھے وہ کرتے	وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا فِي سَبِيلِهِم	اس سے جس نے چھپائی اللہ کی گواہی اس کے پاس اللہ کی طرف سے اور نہیں ہیں اللہ بے خبر	مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَ اللَّهِ	اخلاص سے کام کرنے والے ہیں کیا کہتے ہو تم بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق	مُخْلِصُونَ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

یہود و نصاریٰ مسلمان ہونے کے بجائے مسلمانوں کو اپنی طرف بلا تے ہیں!

یہود و نصاریٰ اپنے مذاہب کو برحق سمجھتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں: یہودی کہتے ہیں: ہمارا دین اختیار کر لو، یہی ہدایت کا راستہ ہے، یہی بات عیسائی بھی کہتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے: ہدایت کا راستہ ابراہیم کا راستہ ہے، ابراہیم تمام باطل ادیان سے یکسو ہو کر اللہ کے دین کی طرف مائل تھے، لہذا ان کا دین اختیار کرو، وہی ہدایت کا راستہ ہے، اور ان کی ملت پر اب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، لہذا مسلمان ہو جاؤ، یہی برحق دین ہے، تمہارے ادیان ابراہیم کی ملت نہیں، اور مشرکین کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہم ملت ابراہیم پر ہیں، ابراہیم مشرک کہاں تھے! وہ تو موحد ایک اللہ کے پرستار تھے۔

(۱) فی اللہ: مضاف محذوف ہے یعنی اللہ کی رحمت کے بارے میں۔ (۲) عنده: اللہ کی پہلی صفت ہے (۳) من اللہ: اللہ کی دوسری صفت ہے۔

﴿ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارًا تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: یہودیت اختیار کر لو یا عیسائیت راہِ راست پا لو گے! — بلکہ یکسو ہونے والے ابراہیم کی ملت (اختیار کرو وہی راہِ راست ہے) اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

ملتِ ابراہیم پر ایمان لانے کے لئے تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے

تمام انبیاء علیہم السلام اللہ کے نمائندے ہیں، سب پر اللہ کی طرف سے وحی آتی تھی، کتابیں بھی اللہ نے نازل فرمائی ہیں، پس مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انبیاء کی وحی پر اور رسولوں کی کتابوں پر بلا تفریق ایمان لائے، رہا عمل کا معاملہ تو وہ ناخِ شریعت پر ہوگا، منسوخ شریعتوں پر عمل نہیں ہوگا، جیسے پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً قانون بدلتی ہے، پس عملِ آخری قانون پر ہوتا ہے، سابقہ قوانین پر نہیں ہوتا، اگرچہ وہ بھی برحق تو انین تھے۔

﴿ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ ۗ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴾

ترجمہ: کہو: ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس کتاب پر جو ہماری طرف اتاری گئی، اور ان وحیوں پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے نبیوں پر — یعنی انبیائے بنی اسرائیل پر — اتاری گئیں، اور ان کتابوں پر جو موسیٰ اور عیسیٰ دیئے گئے، اور ان کتابوں پر جو دیگر انبیاء ان کے پروردگار کی طرف سے دیئے گئے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور ہم اللہ کے احکام کے پابند ہیں!

اگر یہود و نصاری تمہاری طرح ایمان نہ لائیں تو ان کے شر کا خوف مت کھاؤ

ایمان وہی معتبر ہے جس کا ذکر بھی آیا، اگر یہود و نصاری اس طرح ایمان لاتے ہیں تو وہ مسلمان ہیں، اور تمہارے بھائی ہیں، ورنہ وہ تمہارے کٹر دشمن ہیں، مگر تم ان کی دشمنی کا خوف مت کرو، اللہ ان کے شر سے تمہاری حفاظت کریں گے، وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے ہیں، سب احوال سے باخبر ہیں۔

﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۗ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۗ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾

ترجمہ: پس اگر وہ اُس طرح ایمان لائیں جس طرح تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو یقیناً انھوں نے راہِ راست پائی، اور

اگر وہ روگردانی کریں تو وہی لوگ ضد میں ہیں — اور تم حق پر ہو — پس اب اللہ آپ کی طرف سے ان سے نمٹ لیں گے، اور وہ خوب سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں!

اللہ کے دین کا رنگ سب سے اچھا رنگ ہے!

عیسائی شیخی بگارتے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے پاس ایک زرد پانی ہے، جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے یا کوئی ہمارے دین میں داخل ہوتا ہے تو ہم اس کو اس پانی میں غوطہ دیتے ہیں، جس سے وہ گناہوں سے پاک اور پکا نصرانی بن جاتا ہے، مسلمانوں کے پاس ایسا پانی نہیں!

اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ محض رسم ہے، اس سے کیا ہوتا ہے؟ حقیقی رنگ اللہ کے دین کا رنگ ہے، اسے اپنے اوپر چڑھاؤ، اور صرف اللہ کی بندگی کرو، یہی کامیابی کا راستہ ہے، باقی سب رنگ بے کار ہیں۔

﴿صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً رَوْحُنْ لَّهُ عِبْدُونَ﴾

ترجمہ: اللہ کا رنگنا! اور اللہ سے اچھا رنگنے والا کون ہے؟ اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں!

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: ہم ہی اللہ کی رحمت کے حقدار ہیں

یہود و نصاریٰ: مسلمانوں سے جھگڑا کرتے ہیں، کہتے ہیں: ہم ہی اللہ کی رحمت کے حقدار ہیں، کیونکہ ہم ہی اللہ کے دین پر ہیں، مسلمانوں کا اللہ کی رحمت میں کوئی حصہ نہیں، ان کا دین اللہ کا دین نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان سے کہو: اللہ جیسا تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے، ایک وقت میں اللہ نے تم کو اپنا دین دیا، اب ہم کو دیا ہے، اور ہم جو اعمال کرتے ہیں خالص اللہ کے لئے کرتے ہیں، اور تم پرانی لکیر پیٹ رہے ہو، پھر کیا وجہ ہے کہ تمہارے اعمال تو مقبول ہوں اور ہمارے اعمال مقبول نہ ہوں؟

﴿قُلْ أَتُحِبُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ، وَلِنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ، وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ﴾

ترجمہ: کہو: کیا تم ہم سے اللہ (کی رحمت) کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ دراصل ایک وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے، اور

ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں، اور ہم خالص اسی کے لئے کام کرتے ہیں!

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: ہمارے اسلاف یہودی یا عیسائی تھے

وہی مرغ کی ایک ٹانگ! یہود کہتے ہیں: ہمارے اسلاف یہودی تھے، یہی بات عیسائی بھی کہتے ہیں، اللہ پاک

فرماتے ہیں: ان سے پوچھو! تم زیادہ جاننے ہو یا اللہ پاک؟ اللہ پاک تو فرماتے ہیں: ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا

وَلَا تَصَدَّقُوا بِنَبِيٍّ وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۷﴾: ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی، بلکہ یکسو ہونے والے مسلمان تھے، اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے [آل عمران ۶۷] کیونکہ یہودیت اور عیسائیت تو بہت بعد کے مذاہب ہیں، اصل دین تو اسلام ہے، سب انبیاء مسلمان تھے — اور یہ بات ان کی کتابوں میں بھی ہے، مگر وہ اس کو چھپاتے ہیں، پس اس سے بڑا ظالم (ناانصاف) کون جو اللہ کی بات جو ان کے پاس ان کی کتابوں میں ہے اس کو چھپائے؟ ظالمو! سن لو! اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں سے بے خبر نہیں!

﴿۱۰۷﴾ اَمْ تَقُولُونَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاَلْسَبٰطَ كَانُوْا هٰنِدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ؕ اَنْ تُمْ اَعْلَمُوْا اَمْرَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کے نبیرے یہودی تھے یا نصرانی؟ پوچھو: تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اس سے بڑا ظالم کون جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے؟ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں!

بزرگ زادگی کام نہیں آئے گی!

بنی اسرائیل کے دل میں بزرگ زادگی کا خیال جم گیا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ ان کے اعمال کیسے ہی برے ہوں: ان کے باپ دادا ان کو ضرور بخشوا لیں گے، اس لئے سابقہ آیت کو مکرر لاکر گفتگو ختم فرماتے ہیں۔

﴿۱۰۸﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ؕ وَلَا تَسْءَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: وہ (تمہارے اسلاف) ایک جماعت تھی جو بالتحقیق گزر گئی — اور تم علاحدہ جماعت ہو — اس (جماعت) کے لئے وہ ہے جو اس نے کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کیا — یعنی ہر ایک کی نیکی اس کے لئے ہے — اور تم سے ان گناہوں کا سوال نہیں ہوگا جو وہ کیا کرتے تھے — اسی طرح تمہارے گناہ وہ نہیں اوڑھیں گے، تمہیں ہی ان کی جواب دہی کرنی ہوگی۔



سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ
 لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ
 أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا وَمَا
 جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ
 عَلَى عَقْبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ
 لِيُضَيِعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

سَيَقُولُ	اب کہیں گے	مُسْتَقِيمٍ	سیدھی	الَّتِي كُنْتَ	جو تھے آپ
السُّفَهَاءُ	بے وقوف	وَكَذَلِكَ	اور اس طرح	عَلَيْهَا	اس پر
مِنَ النَّاسِ	لوگ	جَعَلْنَاكُمْ	بنایا ہم نے تم کو	إِلَّا لِنَعْلَمَ	مگر تاکہ جانیں ہم
مَا وَلَّهُمْ	کس چیز نے پھیر دیا ان کو	أُمَّةً	امت	مَنْ يَتَّبِعُ	کون پیروی کرتا ہے
عَن قِبَلَتِهِمْ	ان کے اس قبلے سے	وَسَطًا	معتدل (میانہ)	الرَّسُولَ	رسول کی
الَّتِي كَانُوا	جو تھے وہ	لِتَكُونُوا	تاکہ ہو دو تم	مِمَّنْ	اس سے (جدا کر کے) جو
عَلَيْهَا	اس پر	شُهَدَاءَ	گواہ	يَنْقَلِبُ	پلٹ جاتا ہے
قُلْ	کہو	عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	عَلَى عَقْبَيْهِ	اپنی ایڑیوں پر
لِلَّهِ	اللہ کے لئے ہیں	وَيَكُونَ	اور ہوں	وَإِنْ كَانَتْ	اور بیشک تھی (یہ بات)
الْمَشْرِقُ	مشرق	الرَّسُولَ	رسول	لِكَبِيرَةٍ	البتہ بھاری
وَالْمَغْرِبُ	اور مغرب	عَلَيْكُمْ ^(۱)	تمہارے لئے	إِلَّا عَلَى الَّذِينَ	مگر ان پر جن کو
يَهْدِي	دکھاتے ہیں	شَهِيدًا	گواہ	هَدَى اللَّهُ	راہ دکھائی اللہ نے
مَنْ يَشَاءُ	جسے چاہتے ہیں	وَمَا جَعَلْنَا	اور نہیں بنایا ہم نے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے
إِلَى صِرَاطٍ	راہ	الْقِبْلَةَ	اس قبلے کو	اللَّهُ	اللہ

(۱) علیکم: مشاکلہ فرمایا ہے، لکم کے معنی میں ہے (۲) إن: مخففہ ہے اس کا اسم ضمیر ہے جو محذوف ہے، اس کا مرجع الامر (بات) ہے۔

لَيُضَيِّعَنَّ إِيمَانَكُمْ	کہ ضائع کرتے تمہارے ایمان کو	إِنَّ اللَّهَ بِالْثَّائِبِينَ	بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر	لَرَّوْفٌ رَّحِيمٌ	یقیناً نہایت شفیق بڑے مہربان ہیں
--------------------------------	---------------------------------	-----------------------------------	-------------------------------	-----------------------	-------------------------------------

۶۔ بنی اسماعیل کا اصلی قبلہ کعبہ شریف ہے، بیت المقدس عارضی قبلہ تھا، اور تحویل کی حکمتیں

بیت اللہ اور بیت المقدس: دونوں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کئے ہیں، اول کو بنی اسماعیل کے لئے اور دوم کو بنی اسرائیل کے لئے قبلہ بنایا ہے، اول: سارے عالم کے لئے قبلہ ہے اور دوم: صرف بنی اسرائیل کے لئے، سورۃ آل عمران (آیت ۹۶) میں بیت اللہ کے تعلق سے ہے: ﴿هُدًى مَّ لِّلْعَالَمِينَ﴾: وہ سارے جہانوں کے لئے ہدایت ہے، مگر اس کا ظہور خاتم النبیین ﷺ کے دور میں ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے بیت اللہ تعمیر کیا، پھر چالیس سال کے بعد بیت المقدس، متفق علیہ روایت میں ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کونسی مسجد میں میں سب سے پہلے رکھی گئی؟ آپ نے فرمایا: مسجد حرام! انھوں نے پوچھا: پھر کونسی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ! انھوں نے پوچھا: دونوں کے درمیان کتنی مدت تھی؟ فرمایا: چالیس سال (بخاری حدیث ۳۳۶۶ تحفۃ القاری ۶: ۵۷۸)

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں لائے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ دونوں مسجدیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنائی ہیں، اور دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے، اور یہ جو مشہور ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سلیمان علیہ السلام نے کی تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کو شاندار بنایا، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کو شاندار بنایا، مگر بیت المقدس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی ہے، اور اس کو اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد کا قبلہ بنایا۔

شش جہات کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کریں

ہجرت سے پہلے قبلہ بیت اللہ تھا، پھر جب نبی ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا (یہ حکم وحی غیر منلو سے دیا تھا) چنانچہ مسلمان سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، اس کے بعد کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے کا حکم آیا (یہ حکم وحی منلو سے آیا تھا) پس یہود نے اعتراض کیا کہ اب بیت المقدس میں کیا خرابی آگئی جو اس سے منہ پھیر لیا؟ یہ محض مذہبی تعصب ہے، بیت المقدس انبیاء کا قبلہ ہے، اس کو چھوڑنا محض ہماری (یہود کی) عداوت و حسد کی وجہ سے ہے، حالانکہ ایسا نہیں تھا، ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا قبلہ بیت اللہ تھا، اور نبی ﷺ ملت ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث فرمائے گئے تھے، اس لئے آپ کی امت کا قبلہ بیت اللہ

ہے، اور بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنایا تھا، اور اس میں ایک مصلحت تھی، مگر اعتراض کرنے والوں کو تو اعتراض سے مطلب تھا، چنانچہ وہ کیا گیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کا حاکمانہ جواب دیا، فرمایا: ”ابھی بے وقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر وہ تھے؟ آپ کہیں: مشرق و مغرب یعنی ساری جہات اللہ کے لئے ہیں، وہ جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں“

یہ حاکمانہ جواب ہے کہ شش جہات اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں، اور ان کو مالکانہ اختیار ہے کہ جس سمت کو چاہیں قبلہ مقرر کریں، کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ اور وہ جس کو چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں اس میں بیت اللہ کی افضلیت کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: (جاہلانہ اعتراض): اب بے وقوف لوگ کہیں گے: کس چیز نے ان (مسلمانوں) کو پھیر دیا ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے؟ (یعنی بیت المقدس سے) (حاکمانہ جواب): کہو: مشرق و مغرب اللہ ہی کے لئے ہیں، جسے چاہتے ہیں راہِ راست دکھاتے ہیں!

تحویل قبلہ پر اعتراض کے حکیمانہ جوابات

پہلی حکمت: بیت المقدس کو عارضی قبلہ اس لئے بنایا تھا کہ اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا تھا اس امت کا اصل قبلہ بیت اللہ ہے، مگر ہجرت کے بعد عارضی طور پر بیت المقدس کو قبلہ بنایا، تاکہ اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا ہو، تعصب و دشمنی دلوں سے نکل جائے، تاکہ وہ قیامت کے دن انبیاء کے حق میں اور ان کی امتوں کے خلاف گواہی دے سکیں — اس کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کی بڑی تعداد بنی اسرائیل میں سے ہے، جن کا قبلہ بیت المقدس تھا، پس جب اس امت کے لئے عارضی طور پر بیت المقدس کو قبلہ بنایا تو اس امت کو بالیقین بیت المقدس سے لگاؤ ہو گیا، اور اس کے واسطے سے بنی اسرائیل کے ساتھ اور ان کی امتوں کے ساتھ بھی لگاؤ ہو گیا، ان کے ساتھ مذہبی تعصب اور دشمنی باقی نہیں رہی، جیسی دشمنی یہود و نصاریٰ کو نبی ﷺ سے ہے، کیونکہ آپ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، یہ بات اس امت میں انبیاء بنی اسرائیل اور ان کی امتوں کے تعلق سے نہیں ہے۔

اور اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے

دربار میں نبیوں کے اور ان کی امتوں کے مقدمات پیش ہونگے، اور یہ امت انبیاء کے حق میں اور ان کی امت دعوت کے خلاف گواہی دے گی، اور گواہوں کے لئے شرط ہے کہ مدعی سے اس کا غایت درجہ محبت کا تعلق نہ ہو، چنانچہ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی معتبر نہیں، اور یہ بھی شرط ہے کہ مدعی علیہ سے بغض و عداوت بھی نہ ہو، چنانچہ اگر گواہ کے بارے میں مدعی علیہ ثابت کر دے کہ اس کے اور گواہ کے درمیان بغض و عداوت چلی آرہی ہے تو اس مدعی علیہ کے خلاف اس گواہ کی گواہی معتبر نہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اس امت کو غایت درجہ محبت تو اپنے نبی سے ہے، اور دیگر انبیاء سے محض محبت و تعلق ہے، اس لئے ان کے حق میں اس امت کی گواہی معتبر ہوگی، اور ان کی امتوں سے بھی عداوت اور دشمنی نہیں، کیونکہ ان کے انبیاء کے ساتھ تعلق ہے، اس لئے ان کے خلاف بھی اس امت کی گواہی معتبر ہوگی، چنانچہ میدان قیامت میں امتیں جو گواہوں پر جرح کریں گی تو یہ کریں گی کہ یہ لوگ ہمارے زمانہ کے نہیں، ان کو ہمارے احوال کی کیا خبر؟ یہ نہیں کہیں گی کہ یہ امت ہماری دشمن ہے، اس لئے ان کی گواہی معتبر نہیں — یہ وہ حکمت ہے جس کے پیش نظر بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنایا گیا تھا۔

﴿وَكذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شٰهِيْدًا ۝﴾

ترجمہ: یوں ہم نے تم کو معتدل امت بنایا، تاکہ تم لوگوں کے خلاف گواہ بنو، اور رسول تمہارے لئے گواہ بنیں!

دوسری حکمت: بیت المقدس کو عارضی طور پر قبلہ بنانے سے مومنین کا امتحان مقصود تھا

اس امت کا اصل قبلہ کعبہ شریف تھا، اور ہجرت کے بعد چند روز کے لئے جو بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا گیا وہ امتحان کے لئے تھا کہ کون تابعداری پر قائم رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرتا ہے؟ اور امتحان اس چیز کے ذریعہ ہوتا ہے جو نفس پر شاق ہو، روایات میں ہے کہ بعض لوگ مرتد ہو گئے، انہوں نے کہا: عربی نبی اور قبلہ یہود کا: یہ کیا بات ہوئی؟ اور یہود نے کہنا شروع کیا کہ محمد ہمارے دین کے قریب آرہے ہیں، وہ جلد یہودیت قبول کر لیں گے، اس سے بھی مسلمان پریشان ہوئے، مگر ان کی اکثریت سمعاً و طاعتاً کہہ کر بخوشی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتی رہی!

﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنُعَلِّمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقْبَيْهِ ۝﴾

وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلٰى الَّذِيْنَ هَدٰى اللّٰهُ ۝﴾

ترجمہ: اور نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ کو جس پر آپ تھے مگر اس لئے کہ ہم جانیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون

اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے، اور بے شک یہ بات یقیناً بھاری تھی مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے راہ راست دکھائی!

فائدہ: ﴿إِلَّا لِنَعْلَمَ﴾ میں ایک مشہور اشکال ہے، اس سے علم باری کا حادث (نیا) ہونا سمجھ میں آتا ہے، جبکہ اللہ کا علم ازلی قدیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علم: اللہ کی صفت ہے، اور اللہ کی تمام صفات متشابہات ہیں، صفات ذاتیہ بھی متشابہات ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ بات بیان کی ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۱: ۶۴۳) پس صفت علم بھی صفت متشابہ ہے، اور متشابہات کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، پوری طرح ان کو نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ یہ درحقیقت بندوں کی صفات ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے بیان کے لئے اختیار فرمایا ہے، نیز بندوں کے محاورات کے مطابق استعمال کیا ہے، جیسے: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد تخت نشین ہوئے، یہ بندوں کا محاورہ ہے کہ فلاں بادشاہ گزر گیا اور اس کا بیٹا تخت نشین ہوا، یعنی اس نے ملک کا کنٹرول سنبھالا، اسی طرح: ﴿لِنَعْلَمَ﴾ بھی بندوں کے محاورات کے مطابق فرمایا ہے، پس حادث علم کا شبہ نہ کیا جائے۔

یہود کے پیدا کئے ہوئے ایک خلجان کا جواب

جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویل ہوئی تو یہود نے کمزور مسلمانوں کے ذہنوں میں وسوسہ ڈالا کہ جو لوگ بیت المقدس کے قبلہ مقرر ہونے کے بعد مسلمان ہوئے اور تحویل قبلہ سے پہلے وفات پا گئے یا شہید ہو گئے، اور انہوں نے ایک نماز بھی اصل قبلہ کی طرف نہیں پڑھی: ان کا کیا ہوگا؟ ان کی تو سب نمازیں ضائع ہو گئیں، پھر وہ جنت میں کیسے جائیں گے؟ آخر آیت میں اللہ پاک نے یہ خلجان دور کیا کہ جنت تو حقیقت میں ایمان کا صلہ ہے، نماز وغیرہ طاعات پر دخول جنت موقوف نہیں، پس:

اول: تو ان کی بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں محفوظ ہیں، کیونکہ اس وقت وہی قبلہ تھا، جیسے غزوہ احد میں بعض صحابہ شراب پی کر میدان میں اترے اور شہید ہو گئے تو کوئی بات نہیں، شراب اس وقت حلال تھی۔

ثانیاً: اگر یہود کی بکواس مان لی جائے تو ان کے ایمان پر تو کوئی حرف نہیں آیا، ان کا ایمان تو محفوظ ہے، وہ کیسے ضائع ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم ہیں، وہ ضرور ان کو جنت عطا فرمائیں گے۔

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ أَيْمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دیں، بے شک وہ لوگوں پر بڑے شفیق بڑے رحیم ہیں!

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ، فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ

أَوْتُوا الْكِتَابَ لِيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۰﴾
 وَلِئِنْ آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَتَّبِعُوا قِبَلَتَكَ، وَمَا أَنْتَ
 بِتَابِعٍ قِبَلَتِهِمْ، وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبَلَةَ بَعْضٍ، وَلِئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ
 بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۶۱﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ
 كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۶۲﴾ الْحَقُّ
 مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۶۳﴾

ہزنشانی (دلیل) کے ساتھ نہیں پیروی کریں گے وہ آپ کے قبلہ کی اور نہیں ہیں آپ پیروی کرنے والے ان کے قبلہ کی اور نہیں ہیں ان کے بعض پیروی کرنے والے بعض کے قبلہ کی اور بخدا اگر پیروی کریں آپ ان کی خواہشات کی بعد آپ کے پاس آنے	بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَتَّبِعُوا قِبَلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبَلَتِهِمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبَلَةَ بَعْضٍ وَلِئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ	پس پھیر لو اپنے چہرے اس کی جانب اور بے شک جو لوگ دیئے گئے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ وہ برحق ہیں ان کے رب کی طرف سے اور نہیں ہیں اللہ بے خبر ان کا مول سے جو تم کرتے ہو اور بخدا اگر آئیں آپ ان کے پاس جو دیئے گئے آسانی کتاب	قَوْلُوا وَجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ وَلِئِنْ آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ	تحقیق ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف پس ضرور پھیریں گے ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں پس پھیر لیں آپ اپنا چہرہ جانب مسجد حرام کے اور جہاں بھی ہو و تم	قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهَكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنَوَلِّيَنَّكَ قِبَلَةً تَرْضَاهَا قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ
---	---	---	--	--	---

(۱) (تقلب) (باب تفاعل): التناقل، بار بار پھرنا (۲) لنولين: مضارع، جمع متکلم، لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ، قولیۃ مصدر، ک:
ضمیر مفعول: ہم ضرور پھیریں گے (۳) جملہ ترضی: قبلہ کی صفت ہے۔

مِنَ الْعِلْمِ	علم کے	كَمَا يَعْرِفُونَ	جیسا پہچانتے ہیں وہ	يَعْلَمُونَ	جانتے ہیں
إِنَّكَ إِذَا	بے شک آپ تو	أَبْنَاءَهُمْ	اپنے بیٹوں کو	الْحَقُّ	حق بات
لَيَمَنَّ الظَّالِمِينَ	ناانصافوں سے ہو گئے	وَأَنَّ قَرِيبًا	اور بیشک ایک جماعت	مِن رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف
الَّذِينَ	جن کو	مِنْهُمْ	ان میں سے	سے ہے	سے ہے
أَتَيْنَهُمْ	دی ہے ہم نے ان کو	لَيَكْتُمُونَ	البتہ چھپاتی ہے وہ	فَلَا تَكُونَنَّ	پس ہرگز نہ ہو تو
الْكِتَابَ	آسمانی کتاب	الْحَقُّ	حق بات کو	مِن	شک کرنے والوں
يَعْرِفُونَ ^(۱)	پہچانتے ہیں وہ اس کو	وَهُمْ	در انحالیکہ وہ	الْمُتَتَرِّينَ	میں سے

تحویل قبلہ کا حکم

اب آپ اور مسلمان ہر جگہ مسجد حرام کی طرف نماز پڑھیں

اس امت کا اصل قبلہ کعبہ شریف ہے، بیت المقدس کو عارضی قبلہ بنایا تھا، اس لئے نبی ﷺ چاہتے تھے کہ اصل قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آئے، یہ بات عربوں کے ایمان کے لئے مفید تھی، اس لئے آپ شوق سے آسمان کی طرف دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ وحی لے کر آ رہا ہو، جیسے آدمی کو کسی چیز کا انتظار ہوتا ہے تو بار بار اس کی راہ تکتا ہے، چنانچہ بنو سلمہ کی مسجد میں آپ طہر کی نماز پڑھا رہے تھے، دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف پڑھا چکے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، اور آپ نمازیوں کے ساتھ کعبہ شریف کی طرف گھوم گئے، اور باقی دو رکعتیں بیت اللہ کی طرف ادا کیں۔ کعبہ شریف بیت المقدس سے مخالف جانب میں تھا، پس رخ کی تبدیلی کے لئے نماز میں جو چلنا پڑا وہ تشریح (قانون سازی) کے وقت کی ترجیح (سہولت) تھی۔

فائدہ: کعبہ ہی دراصل مسجد حرام ہے، حرام بمعنی محترم ہے، پہلے کعبہ کے اندر نماز پڑھی جاتی تھی، وہی مسجد تھی، پھر قریش نے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے کعبہ کا ایک دروازہ کر دیا، پہلے کعبہ کے آمنے سامنے دو دروازے تھے، اور اس ایک دروازہ کو بھی دو ڈھائی میٹر اونچا کر دیا، تاکہ جس کو چاہیں داخل ہونے دیں، پس لوگ باہر نماز پڑھنے لگے۔

﴿ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ ﴾

(۱) یعرفونہ: ضمیر غائب کا مرجع نبی ﷺ ہیں، اور آپ کے اوصاف میں تحویل قبلہ کا ذکر بھی یہود کی کتابوں میں موجود تھا
(۲) لا تكونن: فعل نہی، صیغہ واحد مذکر حاضر، بانون تاکید ثقیلہ۔

ترجمہ: بے شک ہم بار بار آپؐ کا آسمان کی طرف منہ پھیرنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم ضرور آپؐ کو اس قبلہ کی طرف پھیریں گے جس کو آپؐ پسند کرتے ہیں، پس (لیجئے) آپؐ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور آپؐ لوگ جہاں کہیں ہوں اپنے چہروں کو اس کی طرف پھیریں!

اہل کتاب تحویل قبلہ پر اعتراض کریں تو کرنے دیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ برحق قبلہ ہے اہل کتاب کی کتابوں میں یہ بات موجود تھی کہ بنی اسماعیل کا قبلہ بیت اللہ ہے، ابراہیم علیہ السلام نے انہی کے لئے یہ گھر تعمیر کیا ہے، اور بیت المقدس بنی اسحاق کے لئے تعمیر کیا ہے، پھر بھی وہ تحویل کے حکم پر اعتراض کریں تو کرنے دیں، اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بے خبر نہیں!

اور آپؐ خواہ کتنے ہی دلائل سے کعبہ کی افضلیت ثابت کریں وہ تسلیم نہیں کریں گے، اور ایمان نہیں لائیں گے، پس آپؐ ان کے مفضول قبلہ کی پیروی کیوں کریں؟ یہود و نصاریٰ خود تو بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر متفق نہیں، ایک اس سے مشرق کی طرف منہ کرتا ہے دوسرا مغرب کی طرف، پس اگر آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی کریں اور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھیں جبکہ آپؐ کے پاس وحی آچکی ہے تو اس سے بڑی ناانصافی کیا ہوگی؟

﴿وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾
وَلَكِنَّ الَّذِينَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ
بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَكِنَّ الشَّعْبَ أَهْوَاءَهُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۱﴾﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں کو آسمانی کتاب دی گئی وہ بالیقین جانتے ہیں کہ وہ (تحویل) برحق ہے ان کے پروردگار کی جانب سے، اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان (حکمتوں) سے جو وہ کرتے ہیں!

اور بخدا! اگر لے آئیں آپؐ ان لوگوں کے سامنے جو آسمانی کتاب دیئے گئے ہیں سارے ہی دلائل (کعبہ کی افضلیت کے) پھر بھی وہ آپؐ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے — یعنی اسلام قبول نہیں کریں گے — اور نہ آپؐ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں — یہ ان کو مایوس کیا کہ اب پھر بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنے کا سوال ہی نہیں — اور نہ ان کے بعض بعض کے قبلہ کی پیروی کرتے ہیں — یعنی وہ اپنے گھر کی خبر لیں، وہ دونوں بیت المقدس کے قبلہ ہونے پر متفق نہیں!

اور بخدا! اگر آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی کریں — اور بیت المقدس کی طرف رخ کریں — آپؐ کے پاس علم کے پہنچ جانے کے بعد — یعنی تحویل قبلہ کا حکم آنے کے بعد — تو یقیناً آپؐ ناانصافوں میں سے ہونگے

— جس کی آپ سے قطعاً توقع نہیں!

اہل کتاب نبی ﷺ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں

یہود و نصاریٰ نبی ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح آدمی بہت سے لڑکوں میں اپنے لڑکے کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے، آپ کے اوصاف، جائے ولادت، مقام ہجرت اور آپ کے قبلہ کا ان کو بخوبی علم تھا، تورات و انجیل میں باوجود تحریفات کے اب تک یہ باتیں بکثرت موجود ہیں، کوئی انصاف پسند یہودی یا عیسائی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

مگر اس امر حق کو بعض تو ظاہر کرتے ہیں، اور مسلمان ہو جاتے ہیں، اور بعض چھپاتے ہیں گویا وہ جانتے ہی نہیں! مگر ان کے اخفاء سے کیا ہوتا ہے؟ حق بات اللہ کی طرف سے آگئی ہے، قبلہ کا معاملہ کلیہ کر دیا ہے، پس مسلمانوں کو قبلہ کے معاملہ میں ذرا تردد نہیں ہونا چاہئے۔

﴿الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۰﴾
الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۰۱﴾﴾

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب دی ہے وہ ان کو پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچان لیتے ہیں، اور ان کی ایک جماعت حق بات کو چھپاتی ہے دراصل ایک وہ جانتے ہیں (بیت اللہ کا قبلہ ہونا) برحق بات ہے، آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے، پس آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں! — یہ امت کو سنایا ہے۔

وَلِكُلِّ وِجْهَةٍ هُوَ مَوْلِيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۗ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمْ اللَّهُ جَمِيعًا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۗ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۗ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۗ وَلَا تَمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۲﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

وَيَعْلَمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۷۸﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۷۹﴾

۱۷۸

وَلِكُلِّ وَجْهَةٍ ^(۱) هُوَ مُؤَيَّبَهَا	اور ہر ایک کے لئے ہے ایک جہت وہ اس کی طرف منہ کرنے والا ہے	شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ	طرف مسجد حرام کے اور بے شک وہ البتہ برحق ہے آپ کے رب کی طرف سے اور نہیں ہیں اللہ بے خبر ان کاموں سے جو تم کرتے ہو	إِنَّمَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَإَخْشَوْنِي وَلَا تَمَ نِعْتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ	تا کہ نہ ہو لوگوں کے لئے تم پر کوئی حجت (جھگڑے کا موقع) مگر جن لوگوں نے نا انصافی کی ان میں سے پس مت ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے اور تا کہ پوری کروں میں اپنی نعمت تم پر اور تا کہ تم راہ راست پاؤ جس طرح بھیجا ہم نے تم میں عظیم رسول تم ہی میں سے
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمْ اللَّهُ جَمِيعًا ^(۲) إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتُمْ قَوْلًا وَجْهَكَ	پس سبقت لے جاؤ نیکیوں میں جہاں بھی ہوؤ گے تم لائیں گے تم کو اللہ تعالیٰ اکٹھا بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت والے ہیں اور جہاں سے نکلیں آپ پس پھیریں اپنا رخ	وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتُمْ قَوْلًا وَجْهَكَ	اور جہاں سے نکلیں آپ پس پھیریں اپنے چہرے اس کی طرف	مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَإَخْشَوْنِي وَلَا تَمَ نِعْتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ	ان میں سے پس مت ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے اور تا کہ پوری کروں میں اپنی نعمت تم پر اور تا کہ تم راہ راست پاؤ جس طرح بھیجا ہم نے تم میں عظیم رسول تم ہی میں سے
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتُمْ قَوْلًا وَجْهَكَ	اور جہاں سے نکلیں آپ پس پھیریں اپنا رخ	وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتُمْ قَوْلًا وَجْهَكَ	اور جہاں سے نکلیں آپ پس پھیریں اپنے چہرے اس کی طرف	مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَإَخْشَوْنِي وَلَا تَمَ نِعْتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ	ان میں سے پس مت ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے اور تا کہ پوری کروں میں اپنی نعمت تم پر اور تا کہ تم راہ راست پاؤ جس طرح بھیجا ہم نے تم میں عظیم رسول تم ہی میں سے

(۱) وجہ اور جہۃ ایک ہیں (۲) جمیعاً: کم کا حال ہے۔

یَسْتَلُوا عَلَيْكُمْ أَيُّنَا وَيُزَيِّدُكُمْ وَيُعَلِّمُكُمْ	پڑھتا ہے وہ تمہارے سامنے ہماری آیتیں اور سہرا کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو	الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ	اللہ کی کتاب اور دانشمندی کی باتیں اور سکھاتا ہے تم کو وہ باتیں جو تم نہیں جانتے	فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَأَشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ	پس یاد کرو مجھے یاد کروں گا میں تم کو اور شکر بجالاؤ میرا اور ناشکری مت کرو میری
--	---	---	--	--	--

مستقل امت کے لئے مستقل قبلہ

بنی اسماعیل: بنی اسرائیل کی طرح مستقل امت ہیں، اور ہر مستقل امت کا قبلہ الگ ہوتا ہے، بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا، پس بنی اسماعیل کے لئے مستقل قبلہ متعین کیا گیا تو اس میں قابل اعتراض کیا بات ہے؟ قبلہ کا معاملہ قربانی کے معاملہ کی طرح ہے، مسلمانوں کے لئے قربانی کا طریقہ اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا ہے، اس میں ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ پیش نظر رکھا ہے، اور اہل کتاب کے یہاں سوختی قربانی کا طریقہ تھا، غرض ہر قوم کا قربانی کا طریقہ الگ ہے، سورۃ الحج (آیت ۳۳) میں ہے: ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا﴾ اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی (کا طریقہ) تجویز کیا ہے، یہی معاملہ قبلہ کا ہے، بنی اسرائیل کا قبلہ الگ ہے، بنی اسماعیل کا الگ، پس مسلمان نیک کاموں میں لگاؤ کریں، کعبہ کی طرف نماز پڑھنے میں خوب محنت کریں، یہود و نصاریٰ کو اعتراض کرنے دیں، اللہ تعالیٰ تم کو اور ان کو میدانِ حشر میں اکٹھا کریں گے، وہ ہر چیز پر قادر ہیں، اس دن فیصلہ ہوگا، ابھی جھگڑا فضول ہے۔

﴿وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مَوْلَاهَا فَاَسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۗ اِنَّ مَا تَكُونُوا اَيَاتٍ بِكُمْ اللّٰهُ جَمِيعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

ترجمہ: اور ہر ایک (امت) کے لئے ایک جہت (قبلہ) ہے، وہ اس کی طرف منہ کرنے والی ہے، پس تم (اے مسلمانو!) نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، جہاں بھی ہوو گے تم لائیں گے تم کو اللہ تعالیٰ اکٹھا کر کے میدانِ حشر میں) بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

اسفار میں بھی بیت اللہ قبلہ ہے

تحویل قبلہ کی آیت حضر میں نماز ظہر میں نازل ہوئی تھی، پس کوئی خیال کر سکتا تھا کہ یہ حکم حضر ہی کے لئے ہے، اس لئے فرماتے ہیں کہ اسفار کے لئے بھی یہی حکم ہے، ہر جگہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم برحق ہے، یہ حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، اس کی تعمیل کی جائے، اب تم کیا کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں!

﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴾

ترجمہ: اور جہاں سے بھی آپ (سفر میں) نکلیں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیریں، اور بے شک وہ (بیت اللہ کا قبلہ ہونا) برحق ہے، آپ کے رب کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرو گے!
تحویل کے بعد یہود و مشرکین کے لئے اعتراض کرنے کا منہ نہیں رہا!

تورات میں مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا قبلہ بیت اللہ ہے، اور نبی آخر الزماں کا قبلہ بھی وہی ہے، پس اگر تحویل کا حکم نہ ہوتا تو یہود ضرور الزام لگاتے، اور مشرکین بھی کہتے کہ ملت ابراہیمی کا دعویٰ اور قبلہ میں خلاف! اب دونوں کو حجت کرنے کا حق نہ رہا، مگر ظالموں (ناانصافوں) کا منہ کوئی بند نہیں کر سکتا، یہود کہیں گے: ہمارے قبلہ کی حقانیت ظاہر ہونے کے بعد محض حسد سے ہمارا قبلہ چھوڑ دیا، اور مشرکین کہیں گے: ان کو ہمارے قبلہ کا حق ہونا اب معلوم ہوا، اسی طرح ہماری (مشرکین کی) اور باتیں بھی رفتہ رفتہ منظور کر لیں گے، فرمایا: ایسے بے انصافوں کے اعتراض کی کچھ پرواہ مت کرو، اور ہمارے حکم کے تابع رہو۔

﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلَا تَمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴾

ترجمہ: اور جس جگہ سے بھی آپ (سفر میں) نکلیں تو (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کریں، اور آپ لوگ جہاں کہیں ہوں اپنا چہرہ اس کی طرف کیا کریں — یہ بطور تمہید سابق کلام لوٹایا ہے — تاکہ مخالف لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو کی مجال نہ رہے، ہاں ان میں سے جو ناانصاف ہیں (وہ مرغ کی ایک ٹانگ گاتے رہیں گے) پس تم ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو (یعنی میرے حکم کی خلاف ورزی مت کرو) اور تاکہ میں تم پر اپنا انعام تام کر دوں، اور تاکہ تم راہ راست پاؤ — یعنی یہ قبلہ اللہ کا تم پر ایک انعام ہے اور یہی راہ راست ہے، لہذا اس کی پیروی کرو۔

سوال: تحویل قبلہ کا حکم مگر رسد کر کیوں بیان کیا ہے؟

جواب: مقاصد مختلف تھے، اس لئے ہر مقصد کے بیان کے وقت اس حکم کا اعادہ کیا گیا ﴿ قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ ﴾ میں یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ تحویل قبلہ کا حکم رسول اللہ ﷺ کی رضا جوئی اور اظہار تکریم کے لئے ہے، اور ﴿ لِكُلِّ وَجْهَةٌ هُوَ صَوِّبَہَا ﴾ سے یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ عادت اللہ یہ جاری ہے کہ ہر ایک ملت اور ہر ایک رسول صاحب شریعت

مستقل کے لئے اس کے مناسب ایک قبلہ مقرر ہونا چاہئے، اور ﴿لِيَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ﴾ سے یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ تحویل قبلہ پر مخالفین کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ اور یہ قرآن کریم کا اسلوب ہے، ہر مقصد کے بیان کے وقت تمہیدی مضمون مکرر لایا جاتا ہے، جیسے سورۃ العنکبوت کی آیت ۵۳ ہے: ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ، وَلَوْ لَا أَجَلٌ مُّسْتَقَرٌّ لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ، وَلِيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں، اور اگر معاد معین نہ ہوتی تو ان پر عذاب آچکا ہوتا، اور وہ عذاب ان پر دفعہ آچھنے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ پھر آیت ۵۴ میں دوسری بات کہی گئی تو تمہید مکرر لائی گئی، ارشاد پاک ہے: ﴿يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ، وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ اور وہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں، اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے (الی آخرہ)۔ اسی طرح تحویل قبلہ کے تین مقاصد بیان کرنے تھے اس لئے تمہید میں تحویل کا حکم مکرر کر لایا گیا۔ اس کی نظیر: قرآن کریم ڈبل استثناء نہیں کرتا، اس سے کلام میں تعقید پیدا ہو جاتی ہے اور کلام فصاحت سے گر جاتا ہے، حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک جگہ ڈبل استثناء کیا ہے تو عبارت پیچیدہ ہو گئی ہے، عرصہ تک اسے کوئی نہیں سمجھا، اسی طرح کافیہ میں عدل کے بیان میں ابن حاجب رحمہ اللہ نے ڈبل استثناء کیا ہے، وہ عبارت بھی پیچیدہ ہو گئی ہے، چنانچہ قرآن کریم کو جب ڈبل استثناء کرنا ہوتا ہے تو مستثنیٰ منہ مکرر لاتا ہے جیسے سورۃ النور کی آیت (۳۱) میں ہے: ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ﴾: عورت صرف اپنے وہ اعضاء ظاہر کرے جو عام طور پر کھلے رہتے ہیں یعنی چہرہ، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں ٹخنوں سے نیچے، پھر دوسرا استثناء کیا ہے ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾: عورت مذکورہ اعضاء محارم کے سامنے اور محارم جیسوں کے سامنے کھلے رکھ سکتی ہے، پھر بارہ شخصوں کا تذکرہ ہے جو معاشرہ میں عام طور پر ساتھ رہتے ہیں ان کے سامنے عورت چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہے، باقی بدن نہ کھولے، سینہ پر بھی اوڑھنی ڈالے رہے، پیر بھی زمین پر نہ پٹخے کہ کپڑے میں چھپا ہوا زیور بچے، اور اس کا پتہ چل جائے، پس اس آیت کا تعلق اصلاح معاشرہ سے ہے اگر عورت اپنے محارم وغیرہ کے درمیان اس طرح سلیقہ سے رہے گی تو معاشرہ میں فساد پیدا نہیں ہوگا۔ غرض یہ حجاب کی آیت نہیں ہے حجاب کی آیات سورۃ الاحزاب میں ہیں (آیات ۵۳-۶۰) اسی طرح جب ایک سلسلہ میں دو یا زیادہ باتیں بیان کرنی ہوں تو قرآن مسلسل بیان نہیں کرتا بلکہ تمہید میں اس چیز کو مکرر لاتا ہے، چنانچہ ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾: تمہید میں مکرر لایا گیا، پس یہ تکرار نہیں۔

مستقل قبلہ کی نظیر: مستقل امت کے لئے مستقل نبی کا بھیجنا

مستقل امت کے لئے مستقل قبلہ کی نظیر: مستقل امت کے لئے مستقل نبی کا ہونا ہے، بنی اسرائیل ایک علاحدہ

امت تھے، اس لئے ان میں بہت سے انبیاء مبعوث کئے گئے، اور بنو اسماعیل مستقل امت تھے، اس لئے ان کو بنی اسرائیل کے انبیاء کے تابع نہیں کیا، بلکہ ان میں انہی میں سے ایک عظیم الشان نبی کو مبعوث کیا، جو ان کو اللہ کی آیتیں (قرآن کریم) پڑھ کر سنائے، اخلاقِ رذیلہ سے پاک صاف کرے، اور قرآن سکھائے اور اس کے اسرار سمجھائے، اور دیگر بہت سی وہ باتیں بتائے جسے لوگ نہیں جانتے، لہذا امت مسلمہ اللہ کو یاد کرے، اللہ ان کو یاد کریں گے، وہ اللہ کا احسان مانے، ناشکری نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان کو نوازیں گے۔ اس آیت پر تحویلِ قبلہ کی بحث پوری ہو گئی، آگے متعلقات کا بیان ہے۔

﴿ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ٥٠ ۞ فَاذْكُرُونِي أَنزَلْتُكُمْ وَالشُّكْرُ لِلَّهِ وَلَا تَكْفُرُونَ ٥١ ۞﴾

ترجمہ: (تمہارے لئے مستقل قبلہ بنایا) جس طرح ہم نے تم میں تمہیں میں سے عظیم رسول بھیجا، جو تمہارے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے ہیں، اور تمہیں سنواتے ہیں، اور تمہیں کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں، اور وہ باتیں بتاتے ہیں جو تم نہیں جانتے، پس مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا، اور میری نعمتوں کا شکر، بجالاؤ، اور میری ناشکری مت کرو!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ٥٠ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لَّا تَشْعُرُونَ ٥١ وَلَنَبِّئُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ٥٢ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ٥٣ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ٥٤ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ٥٥ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ٥٦ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ٥٧ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا ٥٨ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ٥٩

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے وہ لوگو جو	بِالصَّبْرِ	صبر کے ذریعہ	مَعَ الصَّابِرِينَ ^(۲)	صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں
اسْتَعِينُوا ^(۱)	مدد طلب کرو	وَالصَّلَاةِ	اور نماز کے ذریعہ	وَلَا تَقُولُوا	اور مت کہو
		إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ		

(۱) استعینوا کے بعد من اللہ مقدر ہے (۲) معیت: مدد کی معیت ہے زمانی یا مکانی معیت نہیں۔

بے شک صفا اور مردہ نشانیوں میں سے ہیں	إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرَّةَ مِنْ شَعَائِرِ ^(۲)	اور خوش خبری دیں صبر کرنے والوں کو وہ لوگ کہ جب ان کو پہنچتی ہے	وَلْيَسِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ مُرْجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ ^(۱)	ان لوگوں کو جو مارے گئے راہ میں اللہ کے مردے بلکہ (وہ) زندہ ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں اور ضرور آزمائیں گے ہم تم کو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور کمی سے مالوں کی اور جانوں کی اور پھلوں کی	لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَالْقِصَصِ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالشَّهْرِاتِ
بیت اللہ کا یا عمرہ کیا تو کوئی گناہ نہیں اس پر کہ سعی کرے دونوں کے درمیان اور جو شخص خوشی سے کرے کوئی نیک کام پس بے شک اللہ تعالیٰ قدر دان سب کچھ جاننے والے ہیں	اللہ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ	کہتے ہیں پیشک ہم اللہ کیلئے ہیں اور پیشک ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی لوگ ان پر بے پایاں رحمتیں ہیں ان کے رب کی طرف سے اور بڑی مہربانی اور یہی لوگ وہ راہ یاب ہیں	وَلْيَسِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ مُرْجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ ^(۱) مِنَ الرَّحْمَةِ وَأُولَئِكَ هُمْ الْمُهْتَدُونَ	ان لوگوں کو جو مارے گئے راہ میں اللہ کے مردے بلکہ (وہ) زندہ ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں اور ضرور آزمائیں گے ہم تم کو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور کمی سے مالوں کی اور جانوں کی اور پھلوں کی	لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَالْقِصَصِ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالشَّهْرِاتِ

آیات تحویل کے متعلقات اور آگے کے مضامین

جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی ہوئی تو اعتراضات کی بھرمار ہوئی، یہود الگ اعتراضات

(۱) صلوات: صلاۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: غایت، انعطاف یعنی آخری درجہ کا میلان، اسی کو درود کہتے ہیں، اور رحمة کی تین تعظیم کے لئے ہے، یعنی خصوصی رحمت، پس یہ صلاۃ کا مترادف ہے، اور اللہ کے لئے بندوں پر صلوٰۃ بھیجتا جائز ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کون اس کا مستحق ہے، اور بندوں کے لئے انبیاء کے علاوہ پر درود بھیجتا جائز نہیں (۲) شعائر: شعیرۃ کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: وہ خاص علامت جس سے کوئی چیز پہچانی جائے، جیسے مسجد کے مینارے، اور اسلام کے بڑے شعائر چار ہیں: قرآن، کعبہ، نبی، اور نماز (حجۃ اللہ)

کر رہے تھے اور مشرکین الگ، مسلمان پریشان تھے، اس لئے آگے ان کو ہمت دلاتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ وہ صبر (ہمت) سے کام لیں اور کعبہ کی طرف نماز میں لگیں، اس سے مصیبت ہلکی ہو جائے گی۔

پھر صبر کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

ایک: اعلیٰ درجہ کے صابرین شہداء ہیں، جو دین کی سر بلندی کے لئے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیتے ہیں۔

دوم: عام صابرین ہیں، جو چھوٹے چھوٹے مصائب سے دوچار ہوتے ہیں، اور صبر کرتے ہیں۔

پھر صبر کرنے کا فارمولہ ہے، اور صبر کرنے والوں کو مژدہ سنایا ہے، پھر صبر کا ثمرہ بیان کیا ہے کہ صفا و مروہ جو شعائر اللہ بنے ہیں وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے صبر کا ثمرہ ہے۔

پھر ان یہود کو لتاڑا ہے جن کی کتابوں میں شہادت تھی، نبی ﷺ اور بنی اسماعیل کے قبلہ کا ذکر تھا، یہ باتیں ان کی کتابوں میں اس لئے نازل کی گئی تھیں کہ وہ وقت پر ان کو لوگوں کے سامنے بیان کریں، مگر وہ ناہنجاران کو چھپاتے تھے، ان پر خدا کی پھٹکارا!

یہاں سلسلہ بیان پورا ہوگا، آگے بنی اسماعیل کے لئے یعنی آخری امت کے لئے احکام ہیں، سب سے پہلے تو حیدکا بیان ہے، پھر آگے دوسرے احکام ہیں۔

بھاری مصیبت آئے تو سہارنے کا فارمولہ: ہمت سے کام لینا اور نماز میں لگنا!

بعض مرتبہ مصیبت بھاری ہوتی ہے، پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے، اس وقت نفس کو جزع فزع سے روکنا اولوالعزیز کا کام ہے، پختہ ارادہ والا ہی یہ کام کر سکتا ہے، اس وقت صبر کے ساتھ ذکر خداوندی سے بھی مدد لینی چاہئے، اور اعلیٰ درجہ کا ذکر نماز ہے، نبی ﷺ کو جب کوئی اہم بات پیش آتی: آندھیاں چلتیں، کڑا کے پڑتے تو آپ نماز شروع کر دیتے، نماز سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَطْبِئِنُ الْقُلُوْبُ ۗ﴾: سنو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے، اور صبر سے بھی قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے: الصبر ضياء: صبر ایک روشنی ہے، صبر کرنے والا اللہ کے فیصلہ پر راضی ہو جاتا ہے، یہی وہ روشنی ہے جو صبر سے حاصل ہوتی ہے۔

بھاری مصیبت کو سہارنے کا یہ فارمولہ سورۃ البقرۃ (آیت ۴۵) میں بھی بیان ہوا ہے، اور یہاں اور وہاں صبر کو پہلے ذکر کیا ہے اور نماز کو بعد میں، اس سے صبر کی اہمیت واضح ہوتی ہے، نیز نماز وہی شخص پڑھے گا جو ہمت سے کام لے گا، اور جو صبر نہیں کر سکتا وہ نماز بھی نہیں پڑھے گا۔

آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں، یہ آدھا مضمون ہے، کیونکہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ اللہ

تعالیٰ بدرجہ اولیٰ ہیں، وہ صبر سے بڑی عبادت ہے، اور یہ معیت زمانی اور مکانی نہیں، اللہ تعالیٰ لازمان و لامکان ہیں، بلکہ یہ نصرت و مدد کی معیت ہے یعنی اللہ ایسے بندوں کی مدد کرتے ہیں، اور ان کی مشکل آسان کرتے ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ (اللہ سے) مدد طلب کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں!

شہیدوں کو مراً ہوا مت کہو، وہ زندہ ہیں، اور یہ صبر کا نتیجہ ہے

اعلیٰ درجہ کے صابر شہداء ہیں، جو لوگ اسلام کی سر بلندی کے لئے اعدائے اسلام سے لوہا لیتے ہیں، اور بارگاہِ خداوندی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں وہ شہید (گواہ) ہیں، وہ قیامت کو اللہ کی کورٹ میں گواہی دیں گے کہ وہ دعوت لے کر گئے تھے، مگر ان کے ساتھ خونی معاملہ کیا گیا، ظاہر ہے جو میدان میں ڈٹ جاتا ہے وہی مقام شہادت سے سرفراز ہوتا ہے، یہی اعلیٰ درجہ کا صبر ہے، ان حضرات کو مراً ہوا خیال مت کرو، وہ زندہ جاوید ہیں، مگر تم لوگ ان کی حیات کو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ وہ حیاتِ برزخی ہے۔

غزوہ بدر میں چودہ صحابہ شہید ہوئے تھے، چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے، ان کے بارے میں منافقین اور بعض مشرکین کہنے لگے: ”ان لوگوں نے خواہ مخواہ محمد کی حمایت میں جان گنوائی! اور زندگی کے لطف و آرام سے محروم ہو گئے!“ اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ وہ مرے نہیں، زندہ جاوید ہو گئے ہیں، ان کی روہیں سبز رنگ کے پرندوں (کے پوٹوں) میں ہوتی ہیں، اور وہ جنت کے پھلوں میں سے کھاتی ہیں (رواہ الترمذی حدیث ۱۶۳۲) یہ شہداء کی خصوصیت ہے، ان کو ابھی سے جنت میں جانے کا موقع دیا جاتا ہے، پھر ان کی روہیں عرش کے نیچے فانوسوں میں بسیرا کرتی ہیں، جنت میں مستقل داخلہ ان کا بھی قیامت کے دن ہوگا۔

فائدہ (۱): شہداء کی حیاتِ برزخی ہے، دیگر اقوال بھی روح المعانی میں ہیں، اور حیاتِ برزخی کچھ نہ کچھ ہر مرنے والے کو حاصل ہوتی ہے، اسی لئے وہ مرنے کے بعد (برزخ میں) ثواب و عقاب کو محسوس کرتا ہے، لیکن شہداء میں یہ حیاتِ نسبیہ زیادہ قوی ہوتی ہے، حتیٰ کہ کبھی ان کا جسم بھی محفوظ رہتا ہے، اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت تو نہیں، البتہ واقعات ہیں، جواز قبیل کرامت ہیں۔

فائدہ (۲): اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ دلالت النص سے ثابت ہوتی ہے، جیسے ماں باپ کو فوت کہنے کی ممانعت سے ضرب و شتم کی حرمت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتی ہے، انبیاء کا مقام و مرتبہ چونکہ شہداء سے بلند و بالا ہے اس

لئے وہ بھی وفات کے بعد زندہ جاوید ہیں، اور یہ اجماعی مسئلہ ہے، اور ان کی حیات برزخی ہے یا دنیوی؟ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں تحفۃ القاری (۷: ۱۹۸)

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کو جو راہِ خدا میں مارے گئے مردے مت کہو، وہ زندہ ہیں، مگر تم سمجھتے نہیں!

مؤمن کو کچھ نہ کچھ مصائب و تکالیف سے آزما یا جاتا ہے اور صبر کا فارمولہ اور اس کا ثواب

اعلیٰ درجہ کے صابریں کے ذکر کے بعد دوسرے درجہ کے صابریں کا ذکر کرتے ہیں، یہ عام مؤمنین ہیں، ان کا تھوڑی تھوڑی تکلیف اور مصیبت کے ذریعہ وقتاً فوقتاً امتحان کیا جاتا ہے، اور ان کے صبر کو دیکھا جاتا ہے، اگر وہ کھرا سونا ثابت ہوتے ہیں تو ان کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

حدیث میں ہے: ”مؤمن کا حال تروتازہ کھیتی جیسا ہے، جس کو ہوائیں پہنچتی ہیں، کبھی اس کو پچھاڑتی ہیں، اور کبھی اس کو سیدھا کرتی ہیں، یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے، اور منافق کا حال سیدھے کھڑے ہوئے درختِ صنوبر جیسا ہے، جس کو کوئی چیز نہیں پہنچتی، یہاں تک کہ وہ یکبارگی اکھڑ جاتا ہے“ یعنی جب گرتا ہے تو جڑ سے اکھڑ کر گرتا ہے۔

(مشکاۃ حدیث ۱۵۴۱)

دوسری حدیث میں ہے: ”جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، خواہ بیماری ہو یا اس کے علاوہ، تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو جھاڑتے ہیں، جیسے درخت (پت جھڑ کے موسم میں) اپنے پتے جھاڑتا ہے“ (مشکاۃ حدیث ۱۵۳۸) یہ منفی پہلو سے تکالیف و مصائب کا فائدہ ہے، اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور مثبت پہلو سے بشارت آگے آ رہی ہے۔

صبر کا فارمولہ: جب کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچے تو دو باتیں پیش نظر رکھے: ایک: یہ کہ پوری کائنات اللہ کی ملک ہے، اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر تصرف کا حق ہے، دوسری: یہ کہ ہر کسی کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پس جدائی عارضی ہے اور تکلیف فانی ہے۔ مثلاً: کسی کا لاڈلا بچہ مر گیا یا دکان جل گئی تو یہ بات سوچے کہ بچہ اللہ کی ملک تھا اور دکان بھی اسی کی تھی، اگر اس نے اپنی چیز لے لی تو غم کیسا؟ پھر بچہ ہمیشہ کے لئے جدا نہیں ہوا، جہاں وہ گیا ہے کل ہمیں بھی وہاں جانا ہے، جدائی عارضی ہے، جیسے باپ بیٹے کو مہمی کے لئے رخصت کرتا ہے اور باپ کو بھی ایک ہفتہ کے بعد مہمی جانا ہے تو بوقت رخصت رونا کیسا؟ اور مال گیا ہے تو اس کا اس سے بہتر عوض ملے گا۔ پس جو اس عقیدہ کو ملحوظ رکھے اور کہے: ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ﴾ تو اس کا غم ہلکا پڑ جائے گا اور صبر کرنا آسان ہو جائے گا۔

صبر کا ثواب: ارشادِ پاک ہے: ﴿أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾: ان صابریں پر ان کے پروردگار کی طرف سے بے پایاں رحمتیں اور خصوصی رحمت ہے اور یہی لوگ راہِ یاب ہیں۔
تفسیر: صلوٰۃ اور رحمت دو عدل ہیں، اونٹ پر جب سامان باندھتے ہیں تو دونوں طرف بالکل برابر لاتے ہیں، اگر ایک طرف زیادہ ہوگا تو اس جانب کا بورا لٹک جائے گا، پس صلوٰۃ اور رحمت دو عدل ہیں یعنی دونوں تقریباً مترادف ہیں، اور صلوٰۃ کے معنی ہیں: غایتِ انعطاف، یعنی آخری درجہ کا میلان، اسی کو فارسی میں درود کہتے ہیں، اس کا ترجمہ: بے پایاں رحمت کیا ہے اور رحمت کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، یعنی خصوصی مہربانی، یہ بھی وہی درود ہے۔

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں بورے بھر جاتے ہیں اور کچھ جنس بچ جاتی ہے تو اس کی پوٹلی باندھ کر بوروں کے بیچ میں رکھ دیتے ہیں، یہ علاوہ ہے، (اردو میں عین کے زبر کے ساتھ علاوہ کہتے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو عدل کتنے شاندار ہیں اور علاوہ کتنا شاندار ہے۔ صابریں کے لئے تین فضیلتیں ہیں: صلوٰۃ، رحمت اور ہدایت، صلوٰۃ اور رحمت عدلان ہیں اور ہدایت علاوہ (مزید برآں) مگر یہ صدمہ اولیٰ پر صبر کرنے کا ثواب ہے جب مصیبت دل کے ساتھ نکلے اسی وقت جو صبر کرے اس کے لئے یہ فضیلت ہے۔

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالشَّمْرِ ۖ وَبَشِيرٍ الصَّابِرِينَ ۗ﴾
الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۗ ﴿۱۸۷﴾
﴿رَبِّهِمْ وَرَحْمَةً ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۗ﴾

ترجمہ: اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے قدرے خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے، اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنادیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ کی ملک ہیں، اور بے شک ہم ان کی طرف لوٹنے والے ہیں، انہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے بے پایاں رحمتیں اور خصوصی رحمت ہے، اور یہی لوگ راہِ یاب ہیں!

صفا و مروہ مقامات حج میں سے ہیں، بے تکلف ان کی سعی کرو

اب صبر کا دنیوی ثمرہ بطور مثال بیان فرماتے ہیں، صفا: کعبہ شریف سے پانچ سو گز کے فاصلہ پر مشرق شمال میں ایک پہاڑی تھی، اب برائے نام ہے، اور مروہ: اس سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر کعبہ سے شمال مغرب میں ایک پہاڑی تھی، وہ بھی اب برائے نام رہ گئی ہے، ان کے درمیان سعی (سات چکر لگانا) حج اور عمرہ میں امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک فرض ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سنت مستحبہ ہے، ان

دونوں پہاڑیوں کو یہ اہمیت حضرت ہاجرۃ رضی اللہ عنہا کے صبر کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، اور ان کو مناسک میں اس وقت سے شامل کیا ہے جب تعمیر کعبہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے پہلا حج کیا تھا، پھر زمانہ جاہلیت میں ان پر اساف و نائلہ نامی دو مورتیاں رکھ دی گئیں، مشرکین جب حج کرتے تھے تو سعی میں ان بتوں کو ہاتھ لگاتے تھے، مگر مدینہ کے مشرکین ان کو معبود نہیں مانتے تھے، اس لئے وہ سعی بھی نہیں کرتے تھے، پھر جب اسلام کا زمانہ آیا، اور وہ مورتیاں وہاں سے ہٹا دی گئیں تو بھی انصار کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے میں تکلف محسوس ہوا، پس یہ آیت نازل ہوئی، اور ان کو بتایا کہ بے تکلف ان کے درمیان سعی کرو، یہ تو مناسک (مقامات حج) میں شامل ہیں، ان کی سعی ان مورتیوں کی وجہ سے نہیں ہے۔

جب سعی واجب ہے تو ﴿لَا جُنَاحَ﴾ کی تعبیر کیوں ہے؟

﴿لَا جُنَاحَ﴾ کی تعبیر اباحت کی تعبیر ہے، اور سعی واجب ہے، پھر یہ تعبیر کیوں ہے؟ یہ سوال حضرت عروہ رحمہ اللہ نے جب وہ طالب علم تھے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا، انہوں نے وہی وجہ بیان کی جو اوپر ذکر کی کہ انصار زمانہ جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے (الی آخرہ) پھر جب اسلام کا زمانہ آیا، اور انصار کو سعی کرنے میں حرج محسوس ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی، اور ان کے دلوں کا بوجھ ہٹایا، پس یہ اباحت کی تعبیر نہیں، اباحت کی تعبیر ان لَّا يَطْوُفُ بِهِمَا ہے، یعنی جو حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں کی سعی نہ کرے (یہ روایت بخاری شریف میں کئی جگہ آئی ہے، تحفۃ القاری ۹: ۹۱)

ایسی ہی تعبیر سورۃ النساء (آیت ۱۰۱) میں ہے: ﴿وَإِذَا حَضَرْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلْيَسَّ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾: جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (رباعی) نماز سے کم کرو، یعنی بے تکلف قصر پڑھو، اس میں کچھ حرج نہیں، یہ اباحت کی تعبیر نہیں، اباحت کی تعبیر ان ائموں ہے، چنانچہ سفر میں احناف کے نزدیک قصر واجب ہے، اتمام جائز نہیں۔

﴿إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنَ شَعَائِرِ اللَّهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا، وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا، فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: بے شک صفا و مروہ اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں کے درمیان سعی کرے، اور جو اپنی خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ قدر دان سب کچھ جاننے والے ہیں — یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے، واجب اور غیر واجب سب عبادتوں کو شامل ہے، ہر نیکی کے کام کی اللہ تعالیٰ قدر فرماتے ہیں، مگر اخلاص شرط ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۖ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعِينُونَ ۖ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُّوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۖ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۖ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا ۖ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۖ خُلِدُوا فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۖ

انکار کیا	کُفَرُوا ^(۳)	لعنت بھیجنے والے	اللَّعِينُونَ	بے شک جو لوگ	إِنَّ الَّذِينَ
اور مردے وہ	وَمَاتُوا	مگر جن لوگوں نے	إِلَّا الَّذِينَ	چھپاتے ہیں	يَكْتُمُونَ
درانحالیکہ وہ منکر تھے	وَهُمْ كُفَّارًا	تو بے کی	تَابُوا	اس کو جو اتارا ہم نے	مَا أَنْزَلْنَا ^(۱)
یہی لوگ	أُولَٰئِكَ	اور اصلاح کی	وَأَصْلَحُوا	واضح دلائل سے	مِنَ الْبَيِّنَاتِ
ان پر	عَلَيْهِمْ	اور بیان کیا	وَبَيَّنُّوا	اور راہ نمائی سے	وَالْهُدَىٰ
اللہ کی پھٹکار ہے	لَعْنَةُ اللَّهِ ^(۴)	پس یہ لوگ	فَأُولَٰئِكَ	بعد	مِنْ بَعْدِ ^(۲)
اور فرشتوں کی	وَالْمَلَائِكَةِ	رحمت سے متوجہ ہوتا	آتُوبُ	اس کو بیان کرنے کے	مَا بَيَّنَّاهُ
اور انسانوں کی	وَالنَّاسِ	ہوں میں	أَعْلَيْهِمْ	لوگوں کے لئے	لِلنَّاسِ
سبھی کی	أَجْمَعِينَ	اس کی طرف	وَأَنَا التَّوَّابُ	آسانی کتاب میں	فِي الْكِتَابِ
وہ ہمیشہ رہنے والے	خُلِدُوا ^(۵)	اور میں ہی بڑا تو بہ	وَأَنَا التَّوَّابُ	یہی لوگ	أُولَٰئِكَ
ہیں اس میں	فِيهَا	قبول کرنے والا	وَأَنَا التَّوَّابُ	لعنت بھیجتے ہیں ان پر	يَلْعَنُهُمُ
نہیں ہلکا کیا جائے گا	لَا يُخَفَّفُ	بڑا رحم کرنے والا ہوں	الرَّحِيمُ	اللہ تعالیٰ	اللَّهُ
ان سے	عَنْهُمْ	پیشک جن لوگوں نے	إِنَّ الَّذِينَ	اور لعنت بھیجتے ہیں ان پر	وَيَلْعَنُهُمُ

(۱) ما أنزلنا: موصول صلہ کر یکتمون کا مفعول بہ ہیں، اور من البينات میں من بیانہ ہے، ما کا بیان ہے (۲) من بعد: یکتمون سے متعلق ہے، اور ما بیناہ میں ما: مصدر یہ ہے اور مضاف الیہ ہے۔ (۳) کفروا: کتمو اسے عام ہے، پس آیت اہل کتاب کے ساتھ خاص نہیں (۴) لعنت کی نسبت جب اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں: رحمت سے دور کرنا، اور غیر اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو اس کے معنی ہیں: بددعا کرنا (۵) فیہا: کا مرجع لعنت ہے اور دوزخ متلازم ہیں۔

العَذَابُ	عذاب	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	يُنظَرُونَ	ڈھیل دیئے جائیں گے
-----------	------	------------	-----------	------------	--------------------

تحویل قبلہ کے متعلقات کا بیان پورا ہوا

ان آیات پر تحویل قبلہ کے متعلقات کا بیان پورا ہوگا، پھر نیا مضمون شروع ہوگا، ان آیات میں سے پہلی آیت میں ان اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو لٹاڑا ہے جو ان کی کتابوں میں نبی ﷺ کی صفات اور ان کے قبلہ کے تعلق سے جو باتیں ہیں ان کو چھپاتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے، ان پر اللہ کی پھٹکار ہے اور مومنین ان کے لئے بددعا کرتے ہیں۔

پھر دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں یعنی مسلمان ہو جائیں، اور کتمانِ حق سے جو بگاڑ پیدا ہوا ہے اس کی اصلاح کریں، اور ان کی کتابوں میں جو باتیں ہیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان کریں تو پھر وہ اللہ کے پیارے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو نظرِ رحمت سے دیکھیں گے، اور اللہ تعالیٰ تو توبہ قبول کرنے کے خوگر ہیں، اور بڑے رحم فرمانے والے ہیں، کوئی ان کے درپے آ کر تو دیکھے!

پھر آخری دو آیتیں گریز کی ہیں، اب موضوع بدلے گا، اسی لئے کھموا کے بجائے کفروا عام لفظ آیا ہے، اہل کتاب اور مشرکین وغیرہ سب کو شامل ہے، جو بھی دین اسلام کا انکار کرتا ہے، اور انکار ہی پر مرتا ہے تو وہ لوگ اللہ کے، فرشتوں کے اور لوگوں کے پھٹکارے ہوئے ہیں، اس طرح اہل کتاب کے علاوہ کاذک شامل ہو گیا، اور آگے دوسرے کفار (مشرکین) سے گفتگو ہوگی، اور فرمایا: لعنت ان کی ابدی سزا ہے، جہنم میں نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی، نہ وقت آجانے پر مہلت ملے گی!

آیاتِ پاک: — بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں اُن واضح دلائل اور ہدایت کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے اس کے بعد کہ ہم نے ان کو لوگوں کے فائدے کے لئے آسانی کتابوں میں بیان کر دیا: ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کریں گے، اور ان کے لئے بددعا نہیں کرنے والے بھی بددعا کریں گے — مگر جو لوگ توبہ کریں اور اصلاح کریں اور بیان کریں تو ان لوگوں کی طرف میں توجہ کروں گا، اور میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم کرنے والا ہوں،

بے شک جن لوگوں نے (قبولِ اسلام سے) انکار کیا، اور وہ انکار ہی پر مرے تو انہی لوگوں پر اللہ کی پھٹکار ہے اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سبھی کی بددعا نہیں ہیں! وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ وہ ڈھیل دیئے جائیں گے!

وَالْهٰكُمُ اللّٰهُ وَاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۗ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

وَ الْأَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَ تَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾

وَ الْهَكْمُ	اور تمہارا معبود	وَ الْفُلْكِ ^(۳)	اور کشتیوں میں	بَعْدَ مَوْتِهَا	اس کے مرنے کے بعد
إِلَهُ وَاحِدٌ	ایک معبود ہے	الَّتِي	جو	وَ بَثَّ ^(۷)	اور پھیلانے میں
لَا إِلَهَ	کوئی معبود نہیں	تَجْرِي	چلتی ہیں	فِيهَا	اس میں
إِلَّا هُوَ	مگر وہ	فِي الْبَحْرِ	سمندر میں	مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ	ہر قسم کے جانوروں کو
الرَّحْمَنُ ^(۱)	(وہ) نہایت مہربان	بِمَا	اس چیز کے ساتھ جو	وَ تَصْرِيفِ	اور ادلنے بدلنے میں
الرَّحِيمُ	بڑا رحم والا ہے	يَنْفَعُ	نفع پہنچاتی ہے	الرِّيْحِ	ہواؤں کو
إِنَّمَا فِي خَلْقِ	پیشک پیدا کرنے میں	النَّاسِ	لوگوں کو	وَ السَّحَابِ	اور بادل میں
السَّمَوَاتِ	آسمانوں	وَ مَا أَنْزَلَ ^(۴)	اور اتارنے میں	الْمُسَخَّرِ	بیگار میں لگا ہوا
وَ الْأَرْضِ	اور زمین کے	اللَّهُ	اللہ کے	بَيْنَ السَّمَاءِ	آسمان کے درمیان
وَ اخْتِلَافِ ^(۲)	اور یکے بعد دیگرے	مِنَ السَّمَاءِ ^(۵)	آسمان سے	وَ الْأَرْضِ	اور زمین کے
	آنے میں	مِنْ مَّاءٍ ^(۶)	پانی	لآيَاتٍ	یقیناً نشانیاں ہیں
	رات	فَأَحْيَا بِهِ	پس زندہ کیا اس ذریعہ	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
	اور دن کے	الْأَرْضِ	زمین کو	يَعْقِلُونَ	جو سمجھتے ہیں

(۱) الرحمن: مبتدا محذوف ہو کی خبر ہے اور موجود ہو کی خبر بن کر جملہ مستثنیٰ بنے: یہ بھی جائز ہے (۲) اختلاف: خلق پر معطوف ہے، اسی طرح آگے کے جملے بھی خلق پر معطوف ہیں (۳) الفلك: جمع ہے، التی: موصول صلہ الفلك کی صفت ہیں، اور بما: تجری سے متعلق ہے (۴) ما أنزل: ما: مصدر یہ ہے اور أنزل: بتاویل مصدر ہو کر خلق پر معطوف ہے (۵) من السماء: من: ابتدائیہ ہے (۶) من ماء: من: بیانہ، ما کا بیان ہے (۷) بث کا أنزل پر عطف ہے، پھر بتاویل مصدر ہو کر خلق پر معطوف ہے (۸) بیگار: مفت میں کام لینا، مراد: تابع فرمان۔

ملتِ ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات

۱- توحید کا بیان

اب توحید کا مضمون شروع کرتے ہیں، توحید: اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور رسالت کا عقیدہ اوپر ضمناً آ گیا ہے، تحویلِ قبلہ کے ضمن میں عموماً، اور ﴿مَّا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ﴾ میں خصوصاً نبی ﷺ کا ذکر آ گیا ہے، اس لئے آگے اس کا ذکر نہیں آئے گا۔

ایک اللہ کے معبود ہونے پر قدرت کے سات کارناموں سے استدلال

مضمون کا سرنامہ ہے: ”تمہارا معبود ایک معبود ہے، اُس رحمان و رحیم کے سوا کوئی معبود نہیں!“ — اللہ تعالیٰ دنیا کے اعتبار سے رحمان ہیں، ہر ایک کی پرورش کرتے ہیں، مؤمن کی بھی اور کافر کی بھی، اور آخرت کے اعتبار سے رحیم ہیں، وہاں رحمت مؤمنین کے لئے خاص ہوگی، سورة الفاتحہ میں: ﴿الزَّكِيْنَ الرَّحِيْمِ﴾ کی تفسیر دیکھیں۔

اس مدعی پر اللہ پاک اپنے سات کارناموں سے استدلال کرتے ہیں:

۱- یہ دنیا جو ہمیں نظر آ رہی ہے، جس میں ہم موجود ہیں: آسمانوں اور زمین کا مجموعہ ہے، اس کے نظامِ شمسی میں ہم سانس لے رہے ہیں، یہ سارا جہاں اللہ نے پیدا کیا ہے، اس کی بناوٹ میں غور کرو، ہر ورق دفترے است از معرفتِ کردگار پتے پتے سے اس کی کارگیری عیاں ہے، عیاں را چہ بیان! عقل دنگ رہ جائے گی کہ اللہ نے کیسا کچھ یہ جہاں بنایا ہے؟ کیا ان کے سوا بھی کوئی معبود ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!

۲- شب و روز وقفہ وقفہ سے آتے ہیں، جس سے ہم پنپ رہے ہیں، اگر رات ہی رات ہوتی تو سوچو کیا حال ہوتا؟ ہر چیز ٹھہر جاتی! اور دن ہی دن ہوتا تو ہر چیز جھلس جاتی! رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے سے گرمی سردی کا توازن ہے، رات میں مخلوقات آرام کرتی ہیں اور دن میں مشغول ہو جاتی ہیں۔

۳- سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی موجوں میں لاکھوں ٹن کے جہاز رواں دواں ہیں، ایک ڈھیلا پانی پر نہیں رکتا مگر جہاز نہیں ڈوبتا، اور لوگوں کو اور ان کے مال و متاع کو لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچتا ہے اور لوگ نفع حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح ہزاروں ٹن کا ہوائی جہاز فضا کو چیرتا ہوا چلا جا رہا ہے اور گرتا نہیں، یہ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے؟ اللہ کا! پس وہی معبود برحق ہے!

۴- بادل سمندر سے پانی اٹھاتے ہیں، اور جگہ جگہ برستے ہیں، جس سے ویران پڑی ہوئی زمین سرسبز و شاداب

ہو جاتی ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ مخلوقات کی معیشت کا انتظام کرتے ہیں، وہی مہربان اللہ معبود ہیں، ان کے سوا کون معبود ہے؟

۵- زمین میں بھانت بھانت کے حیوانات بکھرے پڑے ہیں، ہر جگہ میں اس خطہ کے مناسب جانور پیدا کئے ہیں، اتنی بے شمار مخلوقات کے خالق ہی معبود ہیں، اور کون خالق ہے؟

۶- اللہ تعالیٰ ہواؤں کو رخ بدل بدل کر چلاتے ہیں، کبھی پروا کبھی پچھوا، کبھی شمالی کبھی جنوبی ہوا میں چلتی ہیں، اگر ایک رخ کی ہوا چلتی تو ہر چیز جھک جاتی، کوئی چیز سیدھی کھڑی نہ رہتی!

۷- فضاء میں اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو روک رکھا ہے، وہ پانی سے بوجھل اور تابع حکم ہیں، جہاں حکم ہوتا ہے برستے ہیں، مجال ہے کہ کوئی قطرہ دوسری جگہ گر جائے!

یہ سب کام جو ہستی کرتی ہے وہی معبود برحق ہے مشرکین بھی جو اہر (بڑی چیزوں) کا خالق اللہ ہی کو مانتے ہیں، پھر وہ دوسروں کے درپے جبہ سائی کیوں کرتے ہیں!

آیات پاک: — اور تمہارا معبود ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا

ہے۔ بے شک: (۱) آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں (۲) اور شب و روز کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں

(۳) اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں لوگوں کے لئے مفید چیزیں لے کر (۴) اور آسمان سے اللہ کے پانی برسانے

میں، پس سرسبز کیا اس کے ذریعہ زمین کو ویران ہو جانے کے بعد (۵) اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے میں (۶) اور

ہواؤں کے ادا کرنے میں (۷) اور آسمان وزمین کے درمیان مسخر (تابع حکم) بادلوں میں — یقیناً عقل مندوں

کے لئے نشانیاں ہیں! — اگر وہ غور کریں تو جان لیں گے کہ جس نے یہ کام کئے ہیں وہی معبود برحق ہے، ان کے سوا

کوئی معبود نہیں ہو سکتا!

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ
 آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا
 وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ اذ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ
 وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ
 مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ

بِخُرْجَيْنِ مِنَ النَّارِ

۱۹۴

پلٹنا	كَرَّةً	ساری	جَمِيعًا	اور بعض لوگ	وَمِنَ النَّاسِ
پس بے تعلق ظاہر کرتے ہم	فَقَتْنَا بَرًا	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	وَأَنَّ اللَّهَ	جو بناتے ہیں	مَنْ يَتَّخِذُ
ان سے	مِنْهُمْ	سخت مزاجینے والے ہیں	شَدِيدُ الْعَذَابِ	ورے (نیچے)	مِن دُونِ
جس طرح	كَمَا	(یا دیکرو) جب	إِذْ	اللہ کے	اللَّهُ
بے تعلق ظاہر کی	تَبَرَّؤًا	بے تعلق ظاہر کریں گے	تَبَرَّؤًا	ہم سر (برابر)	أَنْدَادًا
انہوں نے		وہ لوگ جو	الَّذِينَ	وہ ان سے محبت کرتے ہیں	يُحِبُّونَهُمْ
ہم سے	مِنَّا	پیروی کئے گئے	اتَّبَعُوا	اللہ کی محبت جیسی	كَحُبِّ اللَّهِ
اس طرح	كَذَلِكَ	ان لوگوں سے جنہوں نے	مِنَ الَّذِينَ	اور جو لوگ ایمان لائے	وَالَّذِينَ آمَنُوا
دکھائیں گے ان کو	يُبْرِيهِمْ	پیروی کی	اتَّبَعُوا	بڑھے ہوئے ہیں محبت میں	أَشَدُّ حُبًّا
اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	اور دیکھا انہوں نے	وَرَأَوْا	اللہ کی	لِلَّهِ
ان کے اعمال (شرکیہ)	أَعْمَاءَهُمْ	عذاب	الْعَذَابِ	اور اگر دیکھیں	وَلَوْ يَرَى
پچھتاوا	حَسْرَتٍ ^(۵)	اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے	وَتَقَطَّعَتْ	وہ لوگ جنہوں نے	الَّذِينَ
ان پر	عَلَيْهِمْ	ان کے	بِهِمْ	شرک کیا	ظَلَمُوا
اور نہیں ہیں وہ	وَمَا هُمْ	تعلقات	الْأَسْبَابُ ^(۴)	جب دیکھیں وہ	إِذْ يَرُونَ ^(۲)
ٹکنے والے	بِخُرْجَيْنِ	اور کہا جنہوں نے	وَقَالَ الَّذِينَ	عذاب کو	الْعَذَابِ
دوزخ سے	مِنَ النَّارِ	پیروی کی	اتَّبَعُوا	کہ طاقت	أَنَّ الْقُوَّةَ ^(۳)
		کاش ہوتا ہمارے لئے	لَوْ أَنَّ كُنَّا	اللہ کی ہے	لِلَّهِ

(۱) من الناس: خبر مقدم ہے اور من يتخذ مبتدا مؤخر، اور من دون الله: يتخذ سے متعلق ہے، اور انداداً: مفعول بہ، یند: ہم سر، برابر کا مخالف (۲) إذ یرون: إذ ظرفیہ، یروی کا ظرف ہے (۳) أن القوة: معطوف کے ساتھ یروی کا مفعول بہ ہے، اور لو کا جواب محذوف ہے، ای لیری امرأ عجیباً، اور حذف کا قرینہ إذ تبرأ ہے (۴) الأسباب: السبب کی جمع: کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ، مراد عابدین و معبود کے درمیان کے تعلقات اور روابط ہیں۔ (۵) حسرات: مفعول ثالث ہے اگر یروی سے رویت قلبی مراد ہے، اور اعمال کا حال ہے اگر رویت بصری مراد ہے۔

رذائراک

مشرکین اعمالِ شرکیہ پر دوزخ میں پھرتائیں گے

اشراک: کے معنی ہیں: شریک ٹھہرانا، اور رذّ کے معنی ہیں: ابطال، ابطالِ شرک بھی توحید کا مضمون ہے، مشرکین اللہ کے بندوں کو جن کو وہ بھی اللہ سے کم درجہ سمجھتے ہیں، اللہ کے برابر گردان کران کی عبادت کرتے ہیں، جو بہت بڑا ظلم (ناانصافی) ہے، کیونکہ عبادت اللہ ہی کا حق ہے، اس کو غیر محل میں رکھنا ظلم ہے۔

اور شرک کا سبب محبت میں غلو ہے: — غلو کے معنی ہیں: حد سے بڑھنا، اللہ کے بندوں میں جو قابلِ محبت ہیں ان سے محبت ضروری ہے، ملائکہ، اولیاء اور انبیاء سب قابلِ محبت ہیں، اور سب سے زیادہ محبت سرور کونین محبوب رب العالمین ﷺ سے ضروری ہے، مگر اس کی بھی ایک حد ہے، اس پر رکنا ضروری ہے، اگر اس سے آگے بڑھے گا تو مخلوق کو خالق سے ملا دے گا، اور عبادت جو خالص اللہ کا حق ہے اس کی نذر کرے گا، اور اس سے مرادیں مانگے گا، جبکہ مخلوق کے اختیار میں کچھ نہیں، مشرکین اپنے معبودوں کی محبت میں حد سے بڑھ گئے ہیں، وہ ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں، اس لئے وہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔

مؤمنین اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں: — مؤمنین کو اللہ سے انتہائی محبت ہوتی ہے، اس لئے وہ شرک سے بچے رہتے ہیں، ان کے دلوں میں غیر اللہ کی آخری درجہ کی محبت کی گنجائش نہیں، اور مشرکین اگرچہ اللہ کو مانتے ہیں، مگر اللہ کی محبت غایت درجہ ان کے دلوں میں نہیں، اس لئے وہ شرک کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، ایک دل میں دو کی انتہائی محبت جمع نہیں ہو سکتی، مجنون: لیلیٰ سے بھی ٹوٹ کر محبت کرے اور اس کے علاوہ سے بھی: یہ ناممکن ہے، البتہ ایک کی قوی اور دوسرے کی ضعیف محبت جمع ہو سکتی ہے، مشرکین کی اللہ سے محبت ضعیف ہے اور مورتیوں سے محبت قوی ہے، اس لئے وہ اللہ کو چھوڑ کر مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں، اور مؤمنین چونکہ اللہ تعالیٰ سے بے حد محبت کرتے ہیں، اس لئے کسی اور کو اس کے برابر نہیں گردانتے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ﴿﴾ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے!

اور مشرکین جب دوزخ کے عذاب سے دوچار ہوں گے، اور وہ جان لیں گے کہ زور سارا اللہ کا ہے، ان کے معبودوں کی کچھ نہیں چل رہی، اور دوزخ کا عذاب بہت سخت ہے تو ان کا عجیب حال ہوگا!

ان کے معبودان سے بے تعلقی کا اظہار کریں گے، اور ان کے باہمی تعلقات پارہ پارہ ہو جائیں گے: اس وقت مشرکین تمنا کریں گے کہ اگر ان کا دنیا کی طرف پلٹنا ہو تو وہ بھی ان معبودوں سے بے تعلق ہو جائیں، یوں مشرکین کے

اعمال (پوجا) حسرتیں بنیں گے، مگر فائدہ کچھ نہیں کہ وہ اب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، اب کفِ افسوس ملنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

آیاتِ پاک: — اور بعض لوگ اللہ سے کم مرتبہ کو اللہ کا ہم سر بناتے ہیں، وہ ان سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں، اور مؤمنین اللہ کی محبت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں — اور اگر ظالم (مشرکین) دیکھیں جب وہ عذاب کو دیکھیں کہ سارا زور اللہ کا ہے، اور یہ کہ اللہ سخت سزا دینے والے ہیں (تو ان کا عجیب حال ہوگا! یاد کرو:) جب وہ لوگ جو پیروی کے گئے (معبود) بے تعلقی ظاہر کریں گے ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی (مشرکین سے) اور وہ عذاب کو دیکھیں گے، اور ان کے تعلقات پارہ پارہ ہو جائیں گے، اور جنہوں نے پیروی کی ہے کہیں گے: کاش ہمارے لئے پلٹنا ہو تو ہم (بھی) ان سے بے تعلقی ظاہر کریں جیسی انہوں نے ہم سے بے تعلقی ظاہر کی، یوں اللہ تعالیٰ ان کے لئے ان کے اعمال (شرکیہ) حسرت در حسرت بنائیں گے، اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں!

کاف (حرفِ تشبیہ) اور مثل میں فرق

کاف کے ذریعہ تشبیہ میں من وجہِ مشابہت ہوتی ہے، یعنی بعض اوصاف میں شرکت ہوتی ہے، جیسے زید کا لاسد: زید شیر کی طرح ہے یعنی بہادری اور قوت میں، یہ مطلب نہیں کہ اس کے بھی چار پیر اور دم ہے۔ اور مثل میں مشابہت من جمیع الوجوہ ہوتی ہے، اسی وجہ سے امام اعظم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں ایمانی کا ایمان جبرئیل تو کہتا ہوں، مگر ایمانی مثل ایمان جبرئیل نہیں کہتا، کیونکہ کاف سے تشبیہ میں مو من بہ میں برابری کافی ہے، تمام اوصاف میں برابری ضروری نہیں۔ اور مثل میں ہر اعتبار سے مساوات ضروری ہے، اور مؤمنین ایمان میں کیفیت کے اعتبار سے متفاوت ہیں، اس لئے مثل ایمان جبرئیل کہنا درست نہیں۔

اور سورۃ الشوری (آیت ۱۱) میں ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اس میں کاف اور مثل دونوں کو جمع کیا ہے، اور کوئی زائد نہیں، اور مطلب یہ ہے کہ کوئی مخلوق اللہ کے ساتھ نہ تمام صفات میں برابر ہے نہ بعض صفات میں، خالق اور مخلوق کی صفات میں کوئی جوڑ نہیں۔

اور یہاں آیت میں: ﴿كَحُبِّ اللَّهِ﴾ ہے، یعنی مشرکین بعض اوصاف میں اپنے معبودوں کو اللہ کے برابر گردانتے تھے، اور وہ وصفِ معبودیت ہے، وہ ان صورتوں کو بھی معبود مانتے تھے، ہر اعتبار سے وہ ان کو اللہ کے برابر نہیں مانتے، وہ بھی جو اہر (امورِ عظام) کا خالق اللہ ہی کو مانتے تھے، اس لئے حرفِ تشبیہ کاف آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ

إِنَّ لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَإِنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَحْتَدُونَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۝ صُمُّ بَكُمْ عَنِّي فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ رَائِيَاءَ تَعْبُدُونَ ۝

ہمارے باپ دادوں کو	ابائنا	اور بے حیائی کا	وَالْفَحْشَاءِ ^(۳)	اے لوگو	يَا أَيُّهَا النَّاسُ ^(۱)
کیا اگرچہ ہوں	أَوْ لَوْ كَانَ	اور کہنے کا تمہیں	وَأَنْ تَقُولُوا	کھاؤ	كُلُوا
ان کے باپ دادا	أَبَاؤُهُمْ	اللہ پر	عَلَى اللَّهِ	اس سے جو	مِمَّا
نہ سمجھتے ہوں	لَا يَعْقِلُونَ	جو نہیں جانتے تم	مَا لَا تَعْلَمُونَ	زمین میں ہے	فِي الْأَرْضِ
کچھ	شَيْئًا	اور جب کہا جاتا ہے	وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ	حلال پاکیزہ	حَلَالًا طَيِّبًا ^(۲)
اور نہ راہ یاب ہوں	وَلَا يَحْتَدُونَ	ان سے	كَلِمَةٍ	اور مت پیروی کرو	وَلَا تَتَّبِعُوا
اور حالت	وَمَثَلُ	پیروی کرو	اتَّبِعُوا	قدموں کی	خُطْوَاتِ
ان کی جنھوں نے	الَّذِينَ	اس کی جواتارا	مَا أَنْزَلَ	شیطان کے	الشَّيْطَانِ
اسلام قبول کیا	كَفَرُوا	اللہ نے	اللَّهُ	بے شک وہ تمہارا	إِنَّ لَكُمْ
جیسے حالت اس کی جو	كَمَثَلِ الَّذِي	کہتے ہیں وہ	قَالُوا	کھلا دشمن ہے	عَدُوًّا مُّبِينًا
چیخ کر ڈالتا ہے	يَنْعِقُ ^(۳)	بلکہ پیروی کرتے ہیں ہم	بَلْ نَتَّبِعُ	اس کے سوا نہیں کہ	إِنَّمَا
اس جانور کو جو نہیں سنتا	بِمَا لَا يَسْمَعُ	اس کی جو پایا ہم نے	مِمَّا أَلْفَيْنَا	حکم دیتا ہے تم کو	يَأْمُرُكُمْ
مگر پکارنا	إِلَّا دُعَاءً	اس پر	عَلَيْهِ	برائی کا	بِالسُّوءِ

(۱) یا ایہا الناس: خطاب عام ہے، مگر رو سے سخن کفار کی طرف ہے (۲) حلالاً: ما: کا حال ہے، اور طیباً: اس کی تاکید ہے، اور اس میں حلت کی علت کی طرف اشارہ ہے (۳) ان تقولوا: ان: مصدر یہ ہے، اور جملہ بتاویل مصدر ہو کر السوء پر معطوف ہے (۴) نَعَقَ (ض) نَعَقًا: چیخنا چلانا، نَعَقَ بَغْنَمًا: بکریوں کو چیخ کر ڈالتا۔

وَنِدَاءٌ	اور بلانا	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اے لوگو جو	وَاشْكُرُوا	اور شکر بجالاؤ
صُمُّ بِكُمْ	بہرے گونگے	أَمْثُوا	ایمان لائے	لِلَّهِ	اللہ کا
عُنَى	اندھے (ہیں)	كَلُوا	کھاؤ	إِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
فَهُمْ	پس وہ	مِنْ طَيِّبَاتٍ	پاکیزہ چیزوں سے	إِيَّاهُ	اسی کی
لَا يَعْقِلُونَ	نہیں سمجھتے	مَا رَزَقْنَاكُمْ	جو روزی دی، ہم نعم کو	تَعْبُدُونَ	عبادت کرتے

حلال کو حرام کرنا شرک ہے مگر مشرکین باز نہیں آئیں گے، البتہ مومنین ایسا نہ کریں

مشرکین، بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے، اور ان سے فائدہ اٹھانا حرام سمجھتے تھے، یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے، تحلیل و تحریم کا اختیار اللہ کا ہے، اس سلسلہ میں کسی کی بات ماننا اس کو اللہ کے برابر ٹھہرانا ہے، جو شرک ہے، ان آیات میں اس کی ممانعت ہے۔

فرماتے ہیں: زمین میں جو کچھ ہے، اس میں سے جو حلال پاکیزہ ہے اس میں سے کھاؤ، شیطان کی پیروی میں اس کو حرام مت کرو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے، وہ برائی، بے حیائی اور اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرنے ہی کا حکم دیتا ہے جس کا تمہیں کچھ علم نہیں، مگر مشرکین اللہ کے احکام کے مقابلہ میں باپ دادوں کی پیروی کرتے ہیں، قوم کی ریت اپنائے ہوئے ہیں، حالانکہ ان کے اسلاف نا سمجھ اور ناہدایت یافتہ تھے، پس ان کی پیروی کا کیا جواز ہے؟ مگر کفار بات کہاں سنیں گے، ان کو ہدایت کی طرف بلانا ایسا ہے جیسے کوئی جانور کو ڈانٹ پکارے، جو آواز کے سوا کچھ نہیں سنے گا، اسی طرح کافر بھی بہرے ہیں، حق بات نہیں سنیں گے، گونگے ہیں، حق بات نہیں بولیں گے، اندھے ہیں، راہ ہدایت نہیں دیکھیں گے، یہی تین علم و فہم کے ذرائع ہیں، جو انہوں نے کھو دیئے، پس وہ تو کچھ نہیں سمجھیں گے، البتہ مسلمان سمجھیں، اللہ کا حلال پاکیزہ رزق کھائیں اور اللہ کا شکر بجالائیں، اگر وہ موحد ہیں، کھرے ایماندار ہیں تو نبیوں و ولیوں اور درگاہوں پر جانور چھوڑنے سے اور غیر اللہ کی نیاز بھرنے سے باز آئیں، یہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے، شرک کبھی نہیں بخشا جائے گا!

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُرْ

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں ان میں سے کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔

یعنی ان کو حرام مت کرو۔ وہ بالیقین تمہارا کھلا دشمن ہے!

فائدہ: ﴿حَلَالًا﴾ کے بعد ﴿طَيِّبًا﴾ آیا ہے، اس میں حلت کی علت کی طرف اشارہ ہے، کھانے پینے کی چیزوں

میں سے وہی چیزیں حلال ہیں جو ستھری پاکیزہ ہیں، خبیث (گندی) چیزیں حرام ہیں۔ سورۃ الاعراف (آیت ۱۵۶) میں ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ﴾: وہ حلال کرتے ہیں لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتے ہیں ان پر گندی چیزیں — یہی حلت و حرمت کی بنیادیں ہیں۔

پھر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں کس کے ذوق کا اعتبار ہے: نبی ﷺ کے ذوق کا یا عربوں کے ذوق کا؟ احناف ذوقِ نبوی کا اعتبار کرتے ہیں، اسی لئے انھوں نے گوہ کو حرام کہا ہے، اور دوسرے ائمہ عربوں کے ذوق کا اعتبار کرتے ہیں، ابنِ قدامہ کی المغنی میں اس کی صراحت ہے، اس لئے انھوں نے گوہ کو حلال کہا ہے، حنفیہ کہتے ہیں: نبی ﷺ کی نبوت عام ہے، پس ایک خاص قوم کا ذوق تمام انسانوں کے حق میں معتبر نہیں، نبی ﷺ کا ذوق ہی سب لوگوں کے لئے قابلِ قبول ہے۔

﴿إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالشُّبُهَاتِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾

ترجمہ: وہ تمہیں برائی اور بے حیائی اور اللہ کے نام ایسی بات لگانے ہی کا حکم دے گا جسے تم نہیں جانتے — یعنی دروغ بیانی کا حکم دے گا کہ ان جانوروں کو اللہ نے حرام کیا ہے، جس کا تمہیں کچھ علم نہیں!

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَشْبِعُ مَا الْفَيْئَا عَلَيْهِ أَبَاءُ نَا أَوْلُو كَانِ
أَبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَحْتَدُونَ﴾

ترجمہ: اور جب ان (مشرکین) سے کہا جاتا ہے کہ تم اس (وحی) کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کی ہے — جس میں ان جانوروں کی حلت کا بیان ہے — تو وہ کہتے ہیں: ہم اس (طریقہ) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے — یعنی ہم اپنی قومی ریت کو اپنائے رہیں گے — کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ وہ راہ یاب ہوں — یعنی ایسوں کی پیروی کا کیا نیک ہے!

﴿وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمُّ بُكُمْ
عُمَى فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کا حال جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا اس شخص جیسا ہے جو ڈانٹتا ہے اس جانور کو جو چیخ پکار کے سوا کچھ نہیں سنتا — یعنی مشرکین کا لانا عام ہیں — وہ بہرے گونگے اندھے ہیں، اس لئے وہ سمجھتے نہیں!

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾

ترجمہ: اے مسلمانو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ، جو ہم نے تم کو بطور روزی دی ہیں — مراد سائبہ وغیرہ

حیوانات ہیں جن کو مشرکین نے حرام کیا ہے — اور اللہ کا شکر بجالاؤ، اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو — بندگی کے معنی ہیں: فرمان برداری، تعمیل حکم۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخَيْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥٠ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَا هُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥١ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ٥٢ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اٰخْتَفَوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ٥٣

إِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	بہ	اس کے ذریعہ	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
حَرَّمَ	حرام کیا (اللہ نے)	لِغَيْرِ اللَّهِ	اللہ کے علاوہ کو	عَفُورٌ	بڑے بخشنے والے
عَلَيْكُمْ	تم پر	فَمَنْ	پس جو شخص	رَّحِيمٌ	بڑے رحم والے ہیں
الْمَيْتَةَ	مردار کو	اضْطُرَّ ^(۲)	مجبور ہو گیا	إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ
وَالدَّمَ	اور خون کو	غَيْرَ بَاغٍ ^(۳)	نہ چاہنے والا	يَكْتُمُونَ	چھپاتے ہیں
وَلَحْمَ	اور گوشت کو	وَلَا عَادٍ ^(۴)	اور نہ حد سے بڑھنے والا	مَا أَنْزَلَ	اس کو جو اتارا
الْخَيْزِيرِ	سور کے	فَلَا إِثْمَ	پس کوئی گناہ نہیں	اللَّهُ	اللہ نے
وَمَا أُهْلٌ ^(۱)	اور اس کو جو پکارا گیا	عَلَيْهِ	اس پر	مِنَ الْكِتَابِ	کتاب (تورات) سے

(۱) ما اهل: ما: موصولہ: صلہ کے ساتھ المیتہ پر معطوف، اهل: ماضی مجہول، اهل کے اصل معنی ہیں: چاند دیکھتے وقت آواز لگانا اور پکارنا، پھر ہر آواز لگانے کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا (۲) اضطر: ماضی مجہول: بے اختیار اور لاچار کیا گیا، کسی ضرر رساں چیز پر مجبور کیا گیا (۳) باغ: اسم فاعل: بغی (ض) الشیء بغیۃ: چاہنا، طلب کرنا، اور بغی (ض) بغیاً: تجاوز کرنا، زیادتی کرنا، ظلم کرنا (۴) عاد: اسم فاعل: عدی علیہ: زیادتی کرنا۔

وَيَشْتَرُونَ یہ	اور خریدتے ہیں وہ	يُذَكِّرُهُمْ وَأَلَّهُمْ عَذَابَ آلِيمٍ أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الصُّلَّةَ بِالْهُدَى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا	پاک کریں گے ان کو اور ان کے لئے سزا ہے دردناک یہی لوگ ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو ہدایت کے بدل اور عذاب کو مغفرت کے بدل پس کس قدر	أَصَابَهُمْ عَلَى النَّارِ ذَلِكَ بِإِنَّ اللَّهَ نَزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اِخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ	صبر کرنے والے ہیں وہ دوزخ پر یہ بات بائیں وجہ ہے کہ اللہ نے اتاری کتاب (قرآن) دین حق پر مشتمل اور بیشک جنہوں نے اختلاف کیا کتاب (قرآن) میں یقیناً مخالفت میں ہیں دور کے
---------------------	-------------------	--	---	---	--

اللہ نے چار چیزیں حرام کی ہیں، مشرکین ان کو حلال کرتے ہیں، یہ بھی شرک ہے

جس طرح حلال کو حرام کرنا شرک ہے: حرام کو حلال کرنا بھی شرک ہے، اس لئے کہ یہ بھی تحلیل و تحریم کا اختیار غیر اللہ کے لئے تسلیم کرنا ہے، مشرکوں نے بحیرہ، سائبہ، واصلہ اور حام کو حرام کیا تھا، جو حلال جانور تھے، اور چار چیزوں کو جن کو اللہ نے قطعی حرام کیا ہے حلال کرتے تھے اور کھاتے تھے، اب اس شرک کا بیان ہے، وہ مردار کھاتے تھے، اب بھی چہار اس کو کھاتے ہیں، وہ بہتا خون جو زخ کے وقت نکلتا ہے استعمال کرتے تھے، وہ سور کا گوشت کھاتے تھے، اسی طرح استھانوں پر جو جانور جھٹکا کئے جاتے ہیں ان کو بھی کھاتے تھے، جبکہ یہ چاروں چیزیں اللہ کی شریعتوں میں قطعاً حرام ہیں، تورات میں بھی اس کا ذکر ہے، مگر یہ ہوداس کو چھپاتے ہیں۔

وہ چار حلال جانور جن کو مشرکین نے حرام کر رکھا تھا:

۱- بحیرہ: وہ جانور جس کے کان چیر کر اس کا دودھ بتوں کے نام پر وقف کرتے تھے۔

۲- سائبہ: وہ جانور جو بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔

۳- واصلہ: وہ اونٹنی جو لگاتار مادہ بچے جنے، درمیان میں نہ بچے نہ ہو، ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

۴- حامی: وہ زاونٹ جو ایک خاص تعداد میں جھتی کر چکا ہو، اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

وہ چار چیزیں جو اللہ کی شریعتوں میں قطعی حرام ہیں:

۱- مردار: جو جانور خود بخود مر جائے، ذبح کی نوبت نہ آئے، یا غیر شرعی طریقہ پر ذبح یا شکار کیا جائے، مثلاً: گلا گھونٹا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل اور بندوق سے مارا جائے یا اوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے، یا درندہ پھاڑ ڈالے یا ذبح کے وقت قصداً تکبیر کو ترک کیا جائے: یہ سب مردار اور حرام ہیں، البتہ دو جانور بہ حکم حدیث شریف اس حرمت سے مستثنیٰ ہیں اور ہم کو حلال ہیں: مچھلی اور ٹڈی (فوائد شیخ الہند)

۲- خون: جو رگوں سے بہتا ہے اور ذبح کے وقت نکلتا ہے، البتہ جو خون گوشت پر لگا رہتا ہے وہ پاک ہے، اگر گوشت کو بغیر دھوئے پکا لیا جائے تو اس کا کھانا درست ہے، مگر نظافت کے خلاف ہے، اور کلبھی اور تلی جو منجمد خون ہیں بہ حکم حدیث شریف حلال ہیں۔

۳- خنزیر کا گوشت: اگرچہ اس کو باقاعدہ ذبح کیا گیا ہو، اسی طرح اس کے تمام اجزاء، پوست (چمڑا) چربی، ناخن، بال، ہڈی، پٹھا: سب ناپاک ہیں، ان سے نفع اٹھانا اور کسی کام میں لانا حرام ہے۔

۴- غیر اللہ کے نامزد کیا ہوا جانور: اگرچہ اس کو تکبیر کے ساتھ ذبح کیا گیا ہو: مردار سے بھی انجسٹ ہے، البتہ ناظر (نامزد کرنے والا) توبہ کرے، پھر اللہ کے نام پر ذبح کرے تو حلال ہے، مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے یا کسی استھان پر جھٹکا کرتے تھے، پھر اس کو کھاتے تھے، اس کی حرمت کا ذکر ہے۔
لا چاری اور مجبوری کا حکم:

اگر بھوک مری کی نوبت آجائے یا اکراہ ملجی ہو، یعنی جان جانے کا غالب گمان ہو تو مردار وغیرہ استعمال کر سکتا ہے، جبکہ لذت اندوز ہونا مقصود نہ ہو، نہ ضرورت سے زیادہ کھائے، بس جان بچالے، سد رمق کے بقدر کھائے۔

اور آخر آیت میں ایک خلیجان کا جواب ہے کہ بھوک سے مرتے ہوئے آدمی کو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ کتنا کھائے جو جان بچ جائے، اس لئے فرمایا: اللہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں، یہ سہولت کر دی۔

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَيْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵﴾﴾

ترجمہ: اللہ نے تم پر مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور ہی حرام کیا ہے جس پر اللہ کے سوا کا نام پکارا گیا ہو، پس جو مجبور کیا گیا، چاہنے والا نہ ہو اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے

رحم کرنے والے ہیں!

فائدہ (۱): انما: کلمہ حصر ہے، اور حصر اضافی ہے، مشرکین نے چار حلال جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ کر حرام کیا تھا، اور دوسری چار حرام چیزوں کو حلال کیا تھا، بایں اعتبار حصر کیا ہے کہ وہ چار جانور حرام نہیں یہ چار چیزیں حرام ہیں، تمام حرام جانوروں کا بیان مقصود نہیں، حدیث سے کچلی دار درندے اور پنچے سے شکار کرنے والے پرندے بھی حرام ہیں، اور دیگر حشرات الارض (چوہا گوہ وغیرہ) بھی حرام ہیں۔

فائدہ (۲): خنزیر کا ہر جزء حرام ہے، مگر اس موقع پر چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر تھا اس لئے گوشت کی تخصیص کی، خنزیر میں بے غیرتی، بے حیائی، حرص و آرزو اور نجاست کی طرف میلان سب جانوروں سے زیادہ پایا جاتا ہے، اس لئے وہ رجس، خبیث اور نجس العین ہے، اس کے کسی جزء سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔

فائدہ (۳): ﴿غَيْثٍ بَاغٍ وَلَا عَادٍ﴾ کی تفسیر میں اختلاف ہے:

۱- ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری، اور مسروق رحمہما اللہ نے تفسیر کی ہے: غیو باغ: چاہنے والا نہ ہو، یعنی مردار سے لطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو، ولا عاد: اور کھانے میں حد سے نہ بڑھے، یہ تفسیر احناف اور مالکیہ نے لی ہے، ان کے نزدیک ہر لاچار کے لئے رخصت ہے، حکومت کے باغیوں کے لئے اور گناہ کا سفر کرنے والے کے لئے بھی ضرورت پڑ جانے پر مردار وغیرہ کھانا جائز ہے۔

۲- مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ نے تفسیر کی ہے: غیو باغ: امام المسلمین سے بغاوت کرنے والا نہ ہو، ولا عاد: اور اس کا سفر معصیت کا نہ ہو تو رخصت ہے، اور باغی اور معصیت کا سفر کرنے والے کے لئے رخصت نہیں، یہ تفسیر امام شافعی رحمہ اللہ نے لی ہے۔

ملفوظہ: پہلی تفسیر کی ترجیح احکام القرآن بھصا ص میں ہے۔

مذکورہ چیزوں کی حرمت تورات میں بھی ہے، مگر یہود اور باتوں کی

طرح اس کو بھی چھپاتے ہیں، اس لئے وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔

مذکورہ امور اربعہ کی حرمت کا بیان تورات میں بھی ہے، مگر یہود نبی ﷺ کے اوصاف کی طرح اس مضمون کو بھی چھپاتے ہیں، تاکہ قرآن کی تائید نہ ہو، اور ان کی تو عادت ہے رشوت لے کر احکام تورات چھپانے کی، وہ لوگ جو رشوت کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں جہنم کے انگارے ہی بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے ملاطفت کے ساتھ

بات نہیں کریں گے، نہ ان کو گناہوں سے پاک کر کے جنت میں داخل کریں گے، وہ ہمیشہ دردناک عذاب میں رہیں گے، انہوں نے ہدایت کے بدل گمراہی اور مغفرت کے بدل عذاب خریداہے، دیکھو وہ دوزخ کا عذاب سہنے میں کس قدر حوصلہ مند ہیں! دوزخ کے عذاب سے بچنے کی ان کو ذرا فکر نہیں، اور یہ سزا ان کو اس لئے ملے گی کہ اللہ پاک نے قرآن کریم اتارا، وہ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے، اور ضد میں بہت دور نکل گئے!

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتُرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا، أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۗ وَلَا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ، فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب (تورات) کو چھپاتے ہیں — یہ ارشاد امور اربعہ کی تحریم کو چھپانے سے عام ہے، وہ تورات کی دیگر باتوں کو بھی چھپاتے تھے، مثلاً: نبی ﷺ کے اوصاف جو تورات میں ہیں ان کو ظاہر نہیں کرتے تھے — اور اس (احکام تورات) کے بدل تھوڑی پونجی وصول کرتے ہیں — یعنی رشوت لے کر احکام تورات چھپاتے یا بدلتے ہیں — وہ اپنے پیٹوں میں جہنم کے انگاروں کے سوا کچھ نہیں بھر رہے، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے (ملاطفت کے ساتھ) بات نہیں کریں گے، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک صاف کریں گے (جس طرح گنہگار مومنین کو پاک صاف کر کے جنت میں داخل کریں گے — اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے!) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدل گمراہی اور مغفرت کے بدل عذاب مول لیا، پس وہ دوزخ کا عذاب سہنے میں کس قدر با حوصلہ ہیں! — یہ سزا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین حق پر مشتمل کتاب اتاری — قرآن کریم نازل کیا — اور جن لوگوں نے اس کتاب کی مخالفت کا رویہ اختیار کیا وہ ضد میں بہت دور جا پڑے! — اس لئے ان کی یہی سزا ہے۔

فائدہ: ﴿لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ کی دھمکی سے معلوم ہوا کہ ہر کسی کے دل میں اللہ کی محبت راسخ ہے، مگر چنگاری راہ کے نیچے دبی ہوئی ہے، جب موانع مرتفع ہونگے تو محبت کا ظہور ہوگا، ورنہ یہ دھمکی بے سود ہے، جیسے کفار قیامت میں جمالی خداوندی کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے: ﴿إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَّحُجُونَ﴾، معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر سینہ اللہ کی محبت سے ایسا لبریز ہوگا کہ ادنیٰ بے التفاتی بھی ان کے لئے دوزخ کے عذاب سے زیادہ جاں کاہ ہوگی!

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ
الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ
وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۰۰﴾

لَيْسَ الْبِرُّ ^(۱)	نہیں ہے نیکی	وَالْكِتَابِ ^(۳)	اور تمام کتابوں پر	وَأَقَامَ ^(۸)	اور اہتمام کیا
أَنْ تُوَلُّوا	کہ پھیرو تم	وَالنَّبِيِّينَ ^(۴)	اور تمام نبیوں پر	الصَّلَاةَ	نماز کا
وُجُوهَكُمْ	اپنے چہرے	وَآتَى ^(۵)	اور دیا اس نے	وَآتَى	اور دی اس نے
قِبَلَ ^(۲)	جانب	الْمَالَ	مال	الزَّكَاةَ	زکات
الْمَشْرِقِ	مشرق کے	عَلَى حُبِّهِ ^(۶)	اس کی محبت میں	وَالْمُوفُونَ ^(۹)	اور پورا کرنے والے
وَالْمَغْرِبِ	اور مغرب کے	ذَوِي الْقُرْبَىٰ	رشتہ داروں کو	بِعَهْدِهِمْ	اپنے قول و قرار کو
وَلَكِنَّ الْبِرَّ	بلکہ نیکی	وَالْيَتَامَىٰ	اور یتیموں کو	إِذَا عَاهَدُوا	جب بیان بانگیا انھوں نے
مَنْ آمَنَ	جو ایمان لایا	وَالْمَسْكِينِ	اور غریبوں کو	وَالصَّابِرِينَ ^(۱۰)	اور برداشت کرنے والے
بِاللَّهِ	اللہ پر	وَابْنَ السَّبِيلِ	اور مسافر کو	فِي الْبَأْسَاءِ ^(۱۱)	مختاجی میں
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	اور آخری دن پر	وَالسَّائِلِينَ	اور مانگنے والوں کو	وَالضَّرَّاءِ ^(۱۲)	اور بیماری میں
وَالْمَلَائِكَةِ	اور فرشتوں پر	وَفِي الرِّقَابِ ^(۷)	اور گردنوں میں	وَحِينَ الْبَأْسِ ^(۱۳)	اور سخت جنگ کے وقت

(۱) البر: ال: جنس کا یا عہد کا ہے، اور لیس کی خبر مقدم ہے اور ان تولوا: بتاویل مصدر ہو کر اسم مؤخر ہے (۲) قِبَلَ: تولوا کا ظرف ہے (۳) الکتب: ال: جنس کا ہے، تمام آسمانی کتابیں مراد ہیں (۴) النبیین: ال: استغراقی ہے، تمام انبیاء مراد ہیں (۵) آتی: آمن پر معطوف ہے (۶) علی حبہ: المال کا حال ہے (۷) فی الرقاب: آتی سے متعلق ہے (۸) اقام کا آمن پر عطف ہے (۹) الموفون: اسم فاعل، من آمن پر معطوف ہے، مصدر ایفاء: پورا کرنا، اس کے مفعول پر باء آتی ہے (۱۰) الصابریں: منصوب علی المدح ہے، اخص یا امدح محذوف کا مفعول بہ ہے، یعنی خاص طور پر صابریں کا ذکر کرتا ہوں یا ان کی تعریف کرتا ہوں (۱۱) البأساء: اسم مؤنث ہے، بؤس سے مشتق ہے: محتاجی، غریبی، فقر (۱۲) الضراء: اسم مؤنث ہے، نعاء کی ضد: بیماری، تکلیف، پریشانی (۱۳) الباس: سخت جنگ، گھمسان کارن۔

اُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا	یہی لوگ جنہوں نے سچ کہا	وَ اُولَئِكَ هُم	اور یہ ہی لوگ	الْمُتَّقُونَ	پرہیزگار ہیں
---------------------------------	----------------------------	---------------------	------------------	---------------	--------------

عقائد و اعمال اسلام

توحید کا بیان پورا ہوا، اس کے آخر میں یہ بات آئی ہے کہ اہل کتاب آسمانی کتابوں کی باتیں چھپاتے ہیں، جس کی ان کو سخت سزا ملے گی، اس پر وہ کہنے لگے: ہم میں بہت سے اسباب مغفرت موجود ہیں، ہم اپنے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، نصاری: بیت المقدس سے مشرق کی طرف (بیت لحم کی طرف) منہ کرتے ہیں، اور یہود مغرب کی طرف (حجرہ کی طرف) منہ کرتے ہیں، پھر ہم عذاب کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں؟ آیت کریمہ کے شروع میں ان پر ڈھب ہے کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنا ہی ساری نیکی نہیں، جو ہدایت و مغفرت کے لئے کافی ہو، بلکہ اس کے لئے عقائد صحیحہ اور اعمال ضروریہ پر کار بند ہونا ضروری ہے۔

بنیادی عقائد: ۱- اللہ تعالیٰ پر ان کی تمام صفات و اسماء کے ساتھ ایمان لانا۔ ۲- دنیا کے آخری دن (قیامت) کو ماننا۔ ۳- فرشتوں کو ماننا۔ ۴- اللہ کی تمام کتابوں کو (مع قرآن کریم) ماننا۔ ۵- اللہ کے تمام پیغمبروں کو (مع خاتم النبیین ﷺ) ماننا — جبکہ یہود و نصاریٰ قرآن کریم اور آخری نبی ﷺ کو نہیں مانتے، پھر وہ ہدایت پر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور ان کی مغفرت کا کیا سوال ہے؟

اعمال اسلام: اس آیت میں پانچ اعمال کا ذکر ہے، باقی کا تذکرہ آگے ہے:

۱- صدقہ خیرات کرنا، مال کی چاہت کے باوجود جوہ خیر میں خرچ کرنا، مثلاً: صلہ رحمی کرنا یعنی رشتہ داروں کو دینا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، یتیموں، غریبوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دینا، اور غلاموں کو آزاد کرنے کرانے میں مال خرچ کرنا۔

۲- نماز کا اہتمام کرنا، فرائض، واجبات اور مستحبات کا خیال رکھ کر اور ممنوعات و مکروہات سے بچ کر پابندی سے وقت میں نماز ادا کرنا، قضا نہ ہونے دینا، اور ہو جائے تو تلافی کرنا۔

۳- مال کی زکات نکالنا، اور اس کو محتاجوں تک پہنچانا۔

۴- جب کسی سے کوئی وعدہ کیا جائے تو قول و قرار کا پاس کرنا، وعدہ پورا کرنا۔

۵- اور خاص طور پر محتاجی، فقر و فاقہ اور بیماری اور تکالیف میں صبر کرنا، برداشت کرنا، اور جب گھمسان کا رن پڑے تو

ڈٹ کر مقابلہ کرنا، پیٹھ نہ پھیرنا۔

وہی لوگ جو ان عقائد کے حامل اور ان اعمال پر عامل ہیں دعویٰ ایمان میں سچے ہیں، وہی پرہیزگار ہیں، وہی ہدایت یافتہ اور مغفرت کی امید باندھ سکتے ہیں۔

آیت کریمہ: — تمہارا مشرق کی طرف اور مغرب کی طرف منہ پھیرنا ساری نیکی نہیں، بلکہ نیکی کا کام اللہ پر، آخری دن پر، فرشتوں پر، سب آسمانی کتابوں پر اور تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ہے، اور اپنا محبوب مال رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسافر کو، اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں دینا ہے، اور اس نے نماز کا اہتمام کیا اور زکات ادا کی، اور اپنے قول و قرار کو پورا کرنے والے جب انہوں نے کسی سے کوئی وعدہ کیا، اور (خاص طور پر) محتاجی اور بیماری میں صبر کرنے والے اور سخت معرکہ میں جمنے والے — یہی لوگ ایمان میں سچے ہیں، اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۗ أَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۗ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ
إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ
فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے لوگو جو	فَمَنْ عُفِيَ لَهُ	پس جو معاف کیا گیا	تَخْفِيفٌ	آسان کرنا ہے
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ	ایمان لائے	مِنْ رَّبِّكُمْ	اس کے لئے	مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے
فِي الْقَتْلِ	لکھا گیا تم پر	وَرَحْمَةٌ	اس کے بھائی کی طرف سے	وَرَحْمَةٌ	اور بڑی مہربانی ہے
أَلْحُرُّ بِالْحُرِّ	جان کے بدل جان لینا	فَمَنِ اعْتَدَىٰ	کچھ	فَمَنِ اعْتَدَىٰ	پس جس نے زیادتی کی
وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ	مقتولوں میں	بَعْدَ ذَلِكَ	پس پیروی کرنا ہے	بَعْدَ ذَلِكَ	اس کے بعد (معاف کرنے کے بعد)
وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ	آزاد کے بدل آزاد	وَأَدَاءٌ إِلَىٰ	دستور کے موافق	وَأَدَاءٌ إِلَىٰ	پس اس کے لئے
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ	غلام کے بدل غلام	بِإِحْسَانٍ	اور اس تک پہنچانا ہے	عَذَابٌ أَلِيمٌ	دردناک سزا ہے
فِي الْقَتْلِ	اور عورت	ذَلِكَ	یہ (معافی کا حکم)	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے

(۱) القصاص: اسم ہے: برابری کرنا، جان کے بدل جان لینا (۲) القتل: القتل کی جمع ہے: مقتول (۳) رحمة: تنوین تعظیم کے لئے ہے۔

فی الْقِصَاصِ	جان کے بدل جان لینے میں	حَيَوةً بِأُولِي الْأَلْبَابِ	زندگانی ہے اے غلمندو!	لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ	تا کہ تم بچے رہو
---------------	-------------------------	----------------------------------	--------------------------	---------------------------	---------------------

۱۔ قتلِ عمد میں قصاص لازم ہے

رابطہ: گذشتہ آیت کا آخری حکم تھا: ﴿وَالصُّبْرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالصُّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ﴾ اور برداشت کرنے والے سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت، اب اسی قبیل کے چند احکام دیتے ہیں، مثلاً حکم ہے: قتلِ عمد میں قصاص کا، اور دونوں احکام میں مناسبت یہ ہے کہ جب کسی خاندان کا کوئی شخص قتل کیا جاتا ہے تو وارث آپے سے باہر ہو جاتا ہے، قاتل کے قبیلہ کا جو بھی آدمی مل جاتا ہے اس کو قتل کر دیتا ہے، بلکہ کبھی ایک کے بدلے ایک سے زیادہ کو قتل کر دیتا ہے، یہ جائز نہیں، ایسی صورت میں برداشت سے کام لینا چاہئے، اور قاتل ہی کو پکڑنا چاہئے، اسی کو کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہئے، اس لئے اب قتلِ عمد میں قصاص کا حکم دیتے ہیں۔

شانِ نزول: زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو، اور عورت کے بدلے مرد کو، اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے، اس لئے اس آیت میں بدلے میں برابری کرنے کا حکم دیا ہے۔

قصاص: کے لغوی معنی ہیں: برابری کرنا، مجرم سے برابر کا بدلہ لینا، زیادتی نہ کرنا، یعنی مقتول کے مخصوص اوصاف، جیسے عقل و فہم، حسن و جمال، چھوٹا بڑا ہونا، مقتول کا معزز یا مالدار ہونا وغیرہ امور کا لحاظ نہ کیا جائے، کیونکہ سب جانیں برابر ہیں، مرد: مرد برابر ہیں، غلام: غلام برابر ہیں، اور عورت: عورت برابر ہیں، اگرچہ اوصاف میں تفاوت ہو، پس قصاص کے معنی ہیں: برابری کرنا، دو شخصوں کو ایک ہی حکم میں رکھنا، ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دینا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۚ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ

بِالْأُنثَىٰ ۚ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر مقتولوں میں قصاص فرض کیا گیا (یعنی قصاص شریعت کا لازمی حکم ہے) آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت — قتل کی جائے، یہ برابری کرنے کا بیان ہے۔

تفسیر: یہاں تک آیت میں دو حکم ہیں: پہلا حکم یہ ہے کہ قتلِ عمد میں قصاص فرض اور لازم ہے، اس میں تساہل یا تغافل نہ برتا جائے، دوسرا حکم: قصاص میں برابری کرنے کا ہے، یہ بات ﴿الْحُرُّ بِالْحُرِّ﴾ الآية سے بیان کی گئی ہے، پس آیت کے دونوں ٹکڑوں میں دو الگ الگ باتیں ہیں، ایک: قصاص کی فرضیت اور لزوم، دوسری: قصاص میں برابری کرنا۔

قصاص حد نہیں، اسے معاف کیا جاسکتا ہے

حد: وہ سزائیں ہیں جو قرآن، حدیث یا اجماع سے ثابت ہیں، اور جو حق اللہ کے طور پر واجب ہوتی ہیں، اور حق اللہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ سزائیں مفاد عامہ کے طور پر مشروع کی گئی ہیں، یعنی لوگوں کے انساب، اموال، عقول اور اعراض کی حفاظت کے لئے مقرر کی گئی ہیں، یہ سزائیں گناہ کرنے سے پہلے گناہ سے روکنے والی اور گناہ کرنے کے بعد سرزنش ہوتی ہیں، ان میں سفارش کی گنجائش نہیں، ثبوت ہو جانے کے بعد معاف بھی نہیں کی جاسکتیں۔ ایسے سنگین جرائم پانچ ہیں: زنا، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی اور زنا کی تہمت۔

اور قصاص: حد نہیں، اس لئے اس کو مقتول کے ورثاء معاف کر سکتے ہیں، پورا قصاص بھی معاف کر سکتے ہیں اور بعض حصہ بھی، اور ورثاء چند ہوں تو بعض ورثاء بھی اپنا حصہ معاف کر سکتے ہیں، اور بغیر عوض کے بھی معاف کر سکتے ہیں اور دیت وغیرہ کے بدل بھی معاف کر سکتے ہیں، اب تمام صورتوں میں قاتل کو قصاصاً قتل کرنا جائز نہیں، کیونکہ قصاص میں تجزی نہیں۔

پھر اگر دیت وغیرہ کے بدل معاف کیا ہے تو ورثاء بدل کا معقول طریقہ پر مطالبہ کریں، کیونکہ یہ بدل قاتل دے گا، عاقلہ شریک نہیں ہونگے، اس لئے وہ حسب گنجائش دے گا، اور قاتل کو بھی چاہئے کہ ٹال مٹول نہ کرے، ممنونیت کے ساتھ ادا کرے، اور یہ قصاص کو معاف کرنے کی گنجائش اللہ کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے، پھر اگر ورثاء قصاص معاف کرنے کے بعد قاتل کو قتل کریں تو یہ ان کی طرف سے تعدی (زیادتی) ہوگی، جس کی ان کو داریں میں سزا ملے گی، دنیا میں وہ وارث قصاصاً قتل کیا جائے گا، اور آخرت میں سزا الگ ملے گی۔

فائدہ: اس آیت میں وارث کو قاتل کا بھائی، کہہ کر رحم کی اپیل کی ہے کہ قاتل اگر چہ وقتی اشتعال اور غلبہ شیطان کی وجہ سے قتل کا ارتکاب کر بیٹھا ہے، لیکن بہر حال قاتل تمہارا بھائی ہے، اور تم اس کے بھائی ہو، اور بھائی پر مہربان ہوتا ہے، پس وارث کو درگزر سے کام لینا چاہئے۔

﴿فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعُ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: پس جس (قاتل) کو اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ بھی معافی مل جائے تو (وارث کو) معقول طریقہ پر (عوض کے) مطالبہ کا حق ہے، اور (قاتل کے ذمہ) خوش اسلوبی سے وارث کو (خون بہا) پہنچانا ہے، یہ (قصاص معاف کرنا) تمہارے پروردگار کی طرف سے آسانی اور بڑی مہربانی ہے، پھر جو اس کے بعد یعنی قصاص

معاف کرنے کے بعد زیادتی کرے یعنی قاتل کو قتل کر دے تو اس کے لئے دردناک سزا ہے!

قصاص قتل در قتل نہیں، بلکہ اس میں انسانی زندگی کا تحفظ ہے

بہ ظاہر ایسا لگتا ہے کہ قصاص ایک قتل کے بعد دوسرا قتل ہے، لیکن غور کیا جائے تو اپنے نتائج و اثرات کے اعتبار سے اس میں زندگی کا تحفظ ہے، اول تو قانون قصاص کے خوف سے کسی کو جلدی ارتکاب قتل کی ہمت ہی نہ ہوگی، اور کسی نے اس کا ارتکاب کر لیا، اور مقتول کے ورثاء کو بدلہ لینے کا موقع دیدیا گیا تو آتش انتقام بجھ جائے گی، اور ممکن ہے معاف کر دے، اور قصاص لے بھی لے تو اب یکے بعد دیگرے انتقام لینے کا سلسلہ قائم نہ ہوگا، اور بے قصوروں کی جان نہ جائے گی، معاملہ یہیں رفع دفع ہو جائے گا، اس طرح قانون قصاص میں حیات انسان کا تحفظ ہے (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ زید مجدہ)

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤ اُولِيۤ الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

ترجمہ: اور تمہارے لئے اے عقلمندو! قصاص (جان کے بدل جان لینے) میں زندگی ہے، تاکہ تم (قتل سے) بچو۔
فائدہ: سزا سے سزا کا ہوا (خوف) بہتر ہے، جب میں راندر میں مدرس تھا تو ”سورت نیویگ کالج“ کے ایک پروفیسر میرے پاس ایک انگریزی رسالہ لے کر آئے، اس میں کسی کا مضمون تھا کہ اسلام میں بھیانک سزائیں ہیں جو بربریت ہے، پروفیسر صاحب اس کا جواب لکھنا چاہتے تھے، ان کو معلومات درکار تھیں، میں نے ان سے کہا: آپ ایک سال کے امریکہ اور سعودیہ کے اعداد و شمار لائیں، زنا، چوری، قتل اور ڈکیتی کی واردات کتنی ہوئی ہیں؟ وہ دس سال کا چارٹ بنا کر لائے، امریکہ میں ہر دس منٹ میں ایک ناحق قتل ہوتا ہے، اور سعودیہ میں دس سال میں پندرہ آدمی قصاصاً قتل کئے گئے، یعنی پندرہ ناحق قتل ہوئے، اور زنا چوری کے واقعات تو بے حد و حساب تھے، میں نے ان سے کہا: اس مضمون کا یہ جواب ہے، سزا سے سزا کا خوف بہتر ہے، اور سنگساری کا تو دس سال میں ایک واقعہ ہی پیش آیا تھا، اور ہر عورت کی عزت محفوظ ہوگئی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۗ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ
وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ ۗ حَقًّا عَلٰى الْمُتَّقِيْنَ ۗ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ
فَاِثْمًا ۗ اِثْمُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۗ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَّوْصٍ
جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۗ

کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ^(۱) الْوَصِيَّةَ ^(۲) لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ^(۳) حَقًّا ^(۴)	لکھی گئی تم پر جب آمو جو ہو تو میں سے کسی کے پاس موت اگر چھوڑا ہو اس نے بہت مال وصیت ماں باپ کے لئے اور رشتہ داروں کے لئے جانے پہچانے طریقہ پر لازم ہے	عَلَى الْمُتَّقِينَ ^(۵) فَمَنْ بَدَّلَهُ ^(۶) بَعْدَ مَا سَمِعَهُ ^(۷) فَأَنتَأَثَمُ ^(۸) عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ^(۹) إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ	ڈرنے والوں پر پس جو بدلے اس کو بعد اس کو سنے کے تو اس کے سوا نہیں کہ اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اس کو بدلتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں	فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ ^(۱۰) جَنَفًا ^(۱۱) أَوْ إِثْمًا ^(۱۲) فَأَصْلَحَ ^(۱۳) بَيْنَهُمْ ^(۱۴) فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ^(۱۵) إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ	پس جو شخص ڈرا وصیت کرنے والے کی طرف سے طرف داری سے یا گناہ سے پس اصلاح کی اس نے ان کے درمیان تو کوئی گناہ نہیں اس پر بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں
--	--	--	---	---	--

۲- آیت کریمہ منسوخ بھی اور غیر منسوخ بھی

قرآن کریم میں نسخ ہوا ہے، یعنی بعض احکام میں تبدیلی آئی ہے، شروع میں دو نمازیں تھیں، پھر شبِ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں، پھر جو احکام بالکلیہ منسوخ کئے گئے ان کی آیتیں اٹھائیں یا بھلا دیں، اور جو احکام فی الجملہ منسوخ کئے گئے وہ آیتیں قرآن میں باقی ہیں، تاکہ بعض مواد میں ان پر عمل ہو سکے، جیسے ابتداء میں دس گنا دشمن سے مقابلہ ضروری تھا، پھر مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور طبائع میں ضعف آیا تو دو گنا سے مقابلہ ضروری ہوا، مگر دس گنا کی آیت باقی ہے، کیونکہ آئندہ ایسی صورت پیش آسکتی ہے کہ مسلمان کم ہو جائیں تو دس گنا سے مقابلہ ضروری ہوگا، اسی طرح زیر تفسیر آیت منسوخ بھی

(۱) خَيْرًا: تنوین تعظیم کے لئے ہے ای ما لا کثیراً (۲) الوصیۃ: کُتِبَ کا نائب فاعل ہے اور ان ترک کے محذوف جواب پر دال ہے ای: فَلْيُوصِ (۳) بالمعروف: دستور کے موافق: یعنی حسبِ حصص شرعیہ (۴) حَقًّا: فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای يَحِقُّ حَقًّا (۵) بَدَّلَهُ: ضمیر کا مرجع الإیصاء (وصیت کرنا) ہے، جو الوصیۃ سے مفہوم ہوتا ہے (۶) ما: مصدر یہ ہے (۷) اِثْمُهُ کی ضمیر کا مرجع تبدیل ہے، جو بَدَّلَهُ سے مفہوم ہوتا ہے (۸) يُبَدِّلُونَهُ: ضمیر کا مرجع ایصاء ہے (۹) جَنَفًا: باب سجع کا مصدر ہے: مائل ہونا، طرف داری کرنا۔

ہے اور بعض حالات میں اس پر عمل ہے، اس لئے آیت باقی ہے۔

جاہلیت میں دستور تھا کہ مردہ کا مال اس کی بیوی اور اولاد کو، بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا، ماں باپ اور دیگر اقارب محروم رہتے تھے، اس لئے مرنے والے پر ماں باپ وغیرہ اقرباء کے لئے وصیت فرض کی گئی، پھر میراث کی آیتیں اتریں، اور ماں باپ اور بعض اقرباء کے حصے متعین کر دیئے، اور حدیث میں حکم دیدیا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، مگر دو صورتیں اب بھی باقی ہیں:

۱- ذوی الارحام: جن کا ذوی الفروض اور عصباء کی طرح حصہ متعین نہیں، اور وہ حاجت مند ہیں، ان کو دینا ضروری ہے، جیسے بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم ہوتا ہے، مگر کبھی پوتے کو دینا مصلحت ہوتا ہے تو ان کے لئے تہائی ترکہ میں سے وصیت کی جاسکتی ہے۔

۲- کبھی میت کے پیچھے ترکہ کا بڑا جھمیلا ہوتا ہے، اور اندیشہ ہوتا ہے کہ زبردست سب ترکہ دہالیں گے اور کمزور دیکھتے رہ جائیں گے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ املاک کی ایک لسٹ بنادی جائے، اور ورثاء کے لئے حسبِ حصص شرعیہ وصیت کی جائے، اور اس کو کورٹ میں رجسٹر بھی کرادیا جائے، تاکہ پیچھے بدعنوانی نہ ہو۔ اور ضعیف ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کو ان کا حصہ ملے، اور غیر وارث اقرباء کو بھی حسبِ وصیت ملے۔

ان دو صورتوں میں زیر تفسیر آیت پر عمل ہوگا، اس لئے اس کو تلاوت میں باقی رکھا ہے، پس آیت فی الجملہ منسوخ ہے، اور بعض مواد میں اس پر عمل ہے۔

رابط: قتل عمد میں مقتول کا وارث پریشان ہوتا ہے، اس لئے اس کی اشک شوقی کے لئے قصاص مشروع کیا، اور جب کوئی بڑا مالدار مرتا ہے، اور بڑا ترکہ چھوڑتا ہے، اور زبردست ہر چیز پر قابض ہو جاتے ہیں، اور کمزور دیکھتے رہ جاتے ہیں تو ان کی پریشانی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اس لئے ان آیات میں ان کی پریشانی کا مداوا ہے۔

چند ضروری مسائل:

۱- وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، یہ حکم حدیثِ حسن سے ثابت ہے (ترمذی حدیث ۲۱۴۰ کتاب الوصایا) اس لئے کہ شریعت نے خود ان کے حصے مقرر کر دیئے ہیں، پہلے مرنے والا بے عنوانی کرتا تھا، کسی کے لئے کم اور کسی کے لئے زیادہ کی وصیت کرتا تھا، اس لئے شریعت نے خود ورثاء کے حصے متعین کر دیئے، تاکہ بے عنوانی کا سد باب ہو جائے، البتہ غیر وارث کے لئے تہائی ترکہ سے وصیت جائز ہے۔

۲- وصیت تہائی ترکہ تک ہی جائز ہے، زائد کی وصیت یا وارث کے لئے وصیت ورثاء کی رضامندی پر موقوف رہتی

ہے، اگر ورثاء عاقل بالغ ہوں تو وہ وصیت کو نافذ کر سکتے ہیں، اور بعض ورثاء نابالغ یا پاگل ہوں تو عاقل بالغ اپنے حصہ سے نافذ کر سکتے ہیں۔

۳- وصیت کرنا واجب نہیں، مستحب ہے، البتہ کسی کے ذمہ حقوق واجبہ ہوں، کسی کا قرض ہو یا نماز، زکات، روزے اور حج فرض باقی ہو تو تہائی ترکہ سے وصیت کرنا واجب ہے، زائد کی وصیت عاقل بالغ ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گی۔

۴- اگر اندیشہ ہو کہ مورث کی موت کے بعد زبردست کمزوروں کا حق ماریں گے تو مناسب ہے کہ مورث تمام املاک کی لسٹ بنا دے، اور ورثاء کے لئے حسبِ حصص شرعیہ وصیت کرے اور غیر وارث کے لئے تہائی ترکہ سے وصیت کرے، پھر اس کو کورٹ سے رجسٹرڈ بھی کرادے، تاکہ بعد میں کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

۲- حسبِ حصص شرعیہ والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا

اگر کوئی شخص بڑا ترکہ چھوڑ رہا ہو، اور اندیشہ ہو کہ والدین اور دیگر وارث یا غیر وارث اقرباء محروم رہ جائیں گے، بیوی بچے سب دبائیں گے تو اخلاقی فریضہ ہے کہ مورث معروف طریقہ پر والدین اور دیگر اقرباء کے لئے وصیت نامہ لکھے، اور معروف طریقہ کا مطلب یہ ہے کہ ورثاء کے لئے حسبِ حصص شرعیہ اور غیر وارث رشتہ داروں کے لئے تہائی ترکہ سے وصیت کرے، جیسے پوتے وارث نہ ہوں اور ان کو دینا ضروری ہو تو تہائی ترکہ سے ان کے لئے وصیت کرے، اور وصیت نامہ پر گواہ بنا لے، اور کورٹ سے رجسٹرڈ بھی کرادے تو اور بھی اچھی بات ہے، تاکہ بعد میں کوئی حق تلفی نہ ہو۔

﴿ كَتَبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ٥٧ ﴾

ترجمہ: فرض کی گئی تم پر، جب تم میں سے کسی کو موت آئے، اور اس نے بڑا مال چھوڑا ہو، وصیت کرنا حسبِ دستور والدین اور رشتہ داروں کے لئے (حق تلفی سے) بچنے والوں پر لازم ہے۔

وصیت میں تبدیلی کرنے کا گناہ تبدیلی کرنے والوں پر ہے

مرنے والا تو انصاف سے وصیت کرے، بعد میں وارثوں/گواہوں نے اس میں تبدیلی کی اور حسبِ وصیت نہ دیا تو مورث پر کوئی گناہ نہیں، وہ تو اپنا فرض ادا کر گیا، اب سارا گناہ تبدیلی کرنے والوں پر ہوگا، وہی اس کے ذمہ دار ہونگے، اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے ہیں اور سب کچھ جان رہے ہیں۔

﴿ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ٥٨ ﴾

ترجمہ: پس جو وصیت کو سننے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدلتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ

سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔

مورث کی حیات میں یا موت کے بعد وصیت نامہ میں مناسب تبدیلی کرنا ناجائز ہے کسی نے وصیت نامہ میں بے جا طرف داری کی، اور دانستہ یا نادانستہ حکم الہی کی خلاف ورزی کی، پھر کسی وارث/ورثاء یا گواہ نے مورث سے شریعت کے حکم کے مطابق وصیت نامہ میں تبدیلی کرائی، اور وصیت نامہ ٹھیک کر دیا، یا عاقل بالغ ورثاء نے باہمی رضامندی سے آپس میں وصیت نامہ ٹھیک کر لیا، تو اس میں کچھ حرج نہیں، امید ہے اللہ تعالیٰ مورث کی غلطی معاف فرمائیں گے، اور اس پر مہربانی فرمائیں گے۔

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصِيٍّ جَبْهَةً أَوْ لِسَانًا فَاصْلَحْ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

ترجمہ: پس جس کو وصیت کرنے والے کی طرف سے طرف داری کا یا گناہ کا اندیشہ ہو، پس اس نے ان کے درمیان اصلاح کر دی تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۰۱﴾ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ ۗ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۗ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۰۲﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۗ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۰۳﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے	كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ^(۱)	لکھا گیا تم پر روزے رکھنا	كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ	جس طرح لکھا گیا ان لوگوں پر جو
--------------------------------	--------------------------	---	---------------------------	------------------------------	--------------------------------

(۱) الصيام: الصوم کی طرح مصدر ہے اور ال جنسی ہے۔

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ آيَاتَنَا ^(۱) مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخْرٍ وَعَلَى الَّذِينَ يُطَبِّقُونَ ^(۲) فِدْيَةٌ طَعَامُ	تم سے پہلے ہوئے تا کہ تم پرہیز گار بنو دن گنتی کے پس جو ہو تم میں سے بیمار یا سفر میں تو گنتی ہے دنوں سے دوسرے اور ان لوگوں پر جو بہ مشقت اس کی طاقت رکھتے ہیں بدلہ ہے کھانے کا	مَسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَإِنْ تَصُومُوا ^(۳) خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى ^(۴) لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ ^(۴)	ایک غریب کے پس جو خوشی سے کرے کوئی نیک کام تو وہ بہتر ہے اس کے لئے اور روزہ رکھنا بہتر ہے تمہارے لئے اگر ہو تم سمجھتے! مہینہ رمضان کا جو اتاری گی اس میں پڑھنے کی کتاب راہ نما لوگوں کے لئے اور واضح دلیلیں	مِنْ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ ^(۵) فَمَنْ شَهِدَ ^(۶) مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيُصِمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخْرٍ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ	ہدایت کی اور جدا کرنے والی پس جو پائے (دیکھے) تم میں سے مہینہ کو پس چاہئے کہ وہ اس کا روزہ رکھے اور جو ہو بیمار یا سفر میں تو گنتی ہے دنوں سے دوسرے چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی اور نہیں چاہتے
--	---	---	---	---	--

(۱) آیات: کُتِبَ کا مفعول ثانی ہے، اور اس ترکیب پر اشکال کا جواب روح المعانی میں ہے (۲) يطبقونه: مفعول کی ضمیر کا مرجع الصیام ہے، اور علی الدین: خبر مقدم ہے، طاق (ن) طوقا: کسی چیز پر قادر ہونا، طاقت رکھنا، اور أطاق (باب افعال) کے معنی میں 'مشقت' کا مفہوم ہے، چنانچہ اِنِّیْ أُطِيقُ رَفَعَ هَذَا الْقَلَمَ نَمِیْسُ كَتَبْتُ، کیونکہ اس میں کوئی مشقت نہیں، اور بھاری پتھر کے لئے کہیں گے: اِنِّیْ أُطِيقُ رَفَعَ هَذَا الْحَجَرِ (یہ فرق حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہ نے ارکان اربعہ (عربی) میں بیان کیا ہے) (۳) أَنْ تَصُومُوا: أَنْ: مصدر یہ اور جملہ مبتدأ ہے (۴) هُدًى اور بینات: القرآن کے احوال ہیں (۵) الفرقان کا عطف القرآن پر ہے: حق کو باطل سے جدا کرنے والی کتاب، دودھ اور پانی کو جدا کرنے والی کتاب، حق اور باطل میں خط امتیاز کھینچنے والی کتاب۔ (۶) شہد کے معنی میں دیکھنے کا مفہوم ہے، اور اسی سے حدیث صوموا لرؤیتہ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلِیْسَ لَکُمْ اَلْعُدَّةُ	تمہارے ساتھ دشواری (سختی) اور تاکہ پورا کرو تم	اَلْعِدَّةُ وَلِیْسَ لَکُمْ اَلْعُدَّةُ	اور تاکہ بڑائی بیان کرو تم اللہ کی	کنتی	عَلٰی مَا هَدٰۤا لَکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ	راہ دکھانے پر تم کو اور تاکہ تم شکر بجالاد
--	--	---	---------------------------------------	------	--	--

رابطہ سختی میں صبر کی صورتیں بیان ہو رہی ہیں، روزہ بھی ایک سخت عمل ہے، جس نے کبھی روزے نہیں رکھے اس کے لئے روزہ ہوا ہے، عام لوگ بھی جو نفل روزے نہیں رکھتے، جب رمضان آتا ہے، اور موسم سخت گرم ہوتا ہے، تو روزہ ان کو بھاری معلوم ہوتا ہے، پھر جب شروع کرتے ہیں تو صبر آجاتا ہے، اور روزہ معمول بن جاتا ہے۔

۳- روزے بھاری عمل ہیں اس لئے پہلے ذہن سازی کی

جب اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کئے تو اولاً سات طرح سے ذہن سازی کی فرمایا: ﴿يٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے! اس خطاب میں ذہن سازی ہے، خطاب کا طبیعتوں پر اثر پڑتا ہے، اگر طالب علم سے کہا جائے: پیارے! پانی لاتو وہ خوش خوش لائے گا، اور اگر کہا جائے: اونالائق پانی لا! تو لائے گا مگر شوق سے نہیں لائے گا، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے!“ تو اب مومنین کو جو بھی حکم دیا جائے گا خوشی خوشی قبول کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان دار فرمایا ہے، پھر فرمایا ﴿کَتِبَ عَلَیْکُمُ الصَّیَامُ﴾ تم پر روزے لکھ دیئے گئے، یہ دوسری بار ذہن سازی ہے، اس طرح کہ حدیث میں ہے: جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ: قیامت تک جو کچھ پیش آنا ہے وہ لکھا جا چکا ہے اور قلم خشک ہو گیا ہے، یعنی اب اس میں تبدیلی ممکن نہیں، پس جب روزے لکھ دیئے گئے اور کوئی تبدیلی ممکن نہیں تو اب روزے رکھنے ہی پڑیں گے، اس طرح روزوں کے لئے ذہن تیار کیا گیا۔ پھر فرمایا: ﴿کَمَا کَتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ﴾ یہ تیسری مرتبہ ذہن سازی ہے کہ روزے صرف تم پر فرض نہیں کئے گئے، پچھلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، مرگ انبوہ جھٹنے دارو! دس بیس جنازے ایک ساتھ اٹھیں تو وہ جنازے معلوم نہیں ہونگے بلکہ جشن معلوم ہونگے۔ اس طرح روزوں کا بوجھ ہلکا کیا۔ پھر فرمایا: ﴿لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ تم پرہیزگار بنو، یہ چوتھی بار ذہن سازی ہے، کیونکہ پرہیزگار بننا ہر مومن کی آخری آرزو ہے، اور یہ مقصد روزوں سے حاصل ہوتا ہے، پس ہر شخص روزہ رکھنے کے لئے تیار ہو جائے گا، پھر فرمایا: ﴿اٰیٰتًا مَّا مَعْدُوْدٰتٍ﴾ کنتی کے چند دن۔ یہ پانچویں مرتبہ ذہن سازی ہے، روزے اگر بہت زیادہ ہوتے تو مشکل ہوتے، کنتی کے چند روزے رکھنے میں کیا دشواری ہے؟ اور یاد رکھنا چاہئے کہ کتنے بھی دن ہوں چند ہی دن ہیں۔

پھر دو خلیجان ہیں: ایک واقعی ہے اور ایک ہوا۔ جو واقعی ہے وہ یہ ہے کہ عرب گرم ملک ہے اور لوگوں کی معیشت سفر سے وابستہ ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی معیشت نہیں، لوگ شام وغیرہ جاتے تھے اور وہاں سے اشیاء خرید کر لاتے تھے اور بیچتے تھے، یہی ان کی معیشت تھی، اس لئے ذہن پر بوجھ پڑ سکتا تھا کہ اس گرم ملک میں سفر میں روزے کیسے رکھیں گے، پس فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ یعنی سفر میں اور بیماری میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے، یہ روزے بعد میں رکھ لئے جائیں اور جتنے رہ گئے ہیں اتنے ہی رکھنے ہو گئے زائد نہیں پس یہ چھٹی مرتبہ ذہن سازی ہے۔

اور ہوا یہ ہے کہ چونکہ روزے کبھی نہیں رکھے، پس کیسے رکھیں گے، نہ کھانا نہ پینا دن کیسے گزرے گا! یہ صرف ہوا ہے واقعی بات نہیں ہے، پس فرمایا: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ فِدْيَةَ طَعَامٍ مِّسْكِينٍ﴾ یعنی جس کو روزے نہایت بھاری معلوم ہوں وہ بجائے روزہ کے فدیہ دے سکتا ہے، یہ ساتویں اور آخری مرتبہ ذہن سازی کی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ روزے کا فدیہ (بدلہ) صرف ایک غریب کا کھانا ہے، البتہ اگر کوئی رضا کارانہ خیر کا کام کرے اور ایک سے زیادہ مساکین کو کھلائے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور اس سے بھی بہتر ہمت کر کے روزہ رکھنا ہے، اگر تم صدقہ اور روزہ کے عواقب جان سکو تو یہ بات بوجھ سکتے ہو کہ فدیہ سے (جس سے بخل کا ازالہ ہوتا ہے) روزہ (جس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے) بہتر ہے۔ تقویٰ کی مزیت ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔

مذکورہ سات طریقوں سے ذہن سازی کرنے کے بعد اُس مہینے کی اہمیت بیان کی جس کا روزہ فرض کرنا ہے کہ وہ ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن اترا ہے اور قرآن وہ کتاب ہے جو تمام لوگوں کے لئے راہنما ہے اور اس میں ہدایت کی واضح دلیلیں ہیں، اور وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ ماہ رمضان کی اس طرح اہمیت بیان کر کے فرمایا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ یعنی جو تم میں سے اس مہینے کو دیکھے اسے چاہئے کہ اس مہینے کے روزے رکھے، شہد کے معنی ہیں دیکھنا۔ اور گواہ کو ”شاہد“ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس نے واقعہ چشم خود دیکھا ہے، اور حدیث: صوموا لرؤیتہ وأفطروا لرؤیتہ یہاں سے مستنبط کی گئی ہے۔ غرض اس آیت پاک کے ذریعہ ان دو باتوں میں سے اس بات کو منسوخ کر دیا جو محض ہوا تھی، حضرت سلمۃ بن الاکوع نے یہی بات بیان کی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اور جو واقعی عذر تھا اس کو باقی رکھا، چنانچہ مکرر فرمایا: ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ تاکہ ایک کے نسخ سے دوسرے کے نسخ کا وہم پیدا نہ ہو، یعنی مریض اور مسافر کے لئے رخصت بدستور قائم ہے، یہ سہولت منسوخ نہیں کی گئی۔

جاننا چاہئے کہ قرآن کریم میں احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، تذکیر کی، ترغیب و ترہیب کی اور خاصہ کی آیات میں تکرار ہوتا ہے، کیونکہ ان کا مقصد رنگ چڑھانا ہے اور احکام کی آیات کا مقصد مسائل بتلانا ہے۔ اس لئے صرف تین جگہ احکام کی آیات میں تکرار ہے اور اس کی مصلحت ہے جیسے یہاں کی مصلحت بیان کی گئی۔

غرض آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ﴾ منسوخ ہے مگر بعض افراد میں منسوخ ہے، تمام افراد میں منسوخ نہیں، صرف وہ لوگ جن کے لئے روزہ ہوا تھا کہ ہائے اہائے روزہ کیسے رکھیں گے ان کے حق میں آیت منسوخ ہے، اور شیخ فانی جس کے لئے روزہ رکھنا واقعی دشوار ہے اس کے حق میں حکم باقی ہے، اس لئے آیت تلاوت میں باقی رکھی گئی ہے کہ حکم بعض افراد میں باقی ہے۔

حدیث: سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آیت: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ فِدْيَةَ طَعَامِ مَسْكِينٍ﴾ نازل ہوئی تو اختیار تھا کہ جو روزہ رکھنا چاہے روزہ رکھے اور جو فدیہ دینا چاہے فدیہ دے۔ یہاں تک کہ وہ آیت نازل ہوئی جو اس کے بعد ہے یعنی ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ پس اس نے سابقہ آیت کو منسوخ کر دیا (ناسخ آیت ایک وقت کے بعد نازل ہوئی تھی)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝
 أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ
 فِدْيَةَ طَعَامِ مَسْكِينٍ ۚ فَمَنْ تَطَوَّءَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝
 شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ ۚ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ
 شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۚ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم متقی بنو! گنتی کے چند دنوں کے، پس جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے وہ تعداد پوری کرے، اور جو لوگ بہ مشقت روزہ رکھ سکتے ہیں وہ ایک غریب کے کھانے کا فدیہ دیں — یعنی آدھا صاع گیہوں یا اس کی قیمت دیں — اور جو خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے، اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم سمجھو!

ماہ رمضان: جس میں قرآن اتارا گیا، جو لوگوں کے لئے راہ نما ہے، اور ہدایت کی واضح دلیل ہے، اور حق و باطل کو جدا کرنے والی کتاب ہے، پس جو تم میں سے اس مہینہ کو پائے وہ اس کا روزہ رکھے، اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے — ایک ساتھ ہونے یا متفرق ہونے کی کوئی قید نہیں، اور ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔

احکام کی تشریح میں سہولت کا لحاظ

اور یہ جو بوجہ عذر مریض اور مسافر کو افطار کرنے کی اجازت دی، اس میں اس کا لحاظ ہے کہ لوگوں پر آسانی ہو، تنگی نہ ہو، احکام کی تشریح میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے، جیسے نماز فرض کی تو کھڑے ہو کر فرض نماز ادا کرنا بھی فرض کیا، اور بیماری وغیرہ عذر سے کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے، اور بیٹھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے، لیکن نماز ہر حال میں فرض ہے، اسی طرح روزوں کی تعداد پوری کرنی ضروری ہے، خواہ رمضان میں پوری کرے یا غیر رمضان میں، رمضان کی تخصیص اس ماہ کی اہمیت کی وجہ سے تھی، جو عذر کی صورت میں ملحوظ نہیں رکھی گئی، یہ سہولت کر دی۔

پھر جب رمضان کے روزے پورے ہو جائیں تو تم اس طریقہ سر اسر خیر و ہدایت پر اللہ کی بڑائی بیان کرو، اور عید الفطر کا دو گانہ ادا کرو، نبی ﷺ نے اسی آیت سے نماز عید الفطر و عید الاضحیٰ میں زائد تکبیریں مشروع کی ہیں، اور علاوہ ازیں بھی مدام اللہ کا شکر بجالاتے رہو، اللہ تعالیٰ تم سے قریب ہیں، تمہاری پکار سن رہے ہیں (جیسا کہ اگلی آیت میں ہے)

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِيُثَبِّتُوا الْعِدَّةَ وَلِيُتُكِّبُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ

تَشْكُرُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں، اور تم پر دشواری نہیں ڈالنا چاہتے، اور تاکہ تم گنتی پوری کرو، اور اللہ کی بڑائی (عظمت) بیان کرو کہ اس نے تمہیں راہ راست دکھائی، اور تاکہ تم شکر بجالو!

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۚ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۗ
فَلْيَسْتَجِيبُوا إِلَيَّ وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿٥١﴾

وَأِذَا	اور جب	أُجِيبُ	قبول کرتا ہوں	بِي	میرا
سَأَلَكَ	آپ سے پوچھیں	دَعْوَةَ	دعا	وَلْيُؤْمِنُوا ^(۳)	اور یقین رکھیں
عِبَادِي	میرے بندے	الدَّاعِ	دعا مانگنے والے کی	بِي	مجھ پر
عَنِّي	میرے بارے میں	إِذَا دَعَانِ ^(۱)	جب وہ مجھ سے دعا مانگا،	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
فَلْيَسْتَجِيبُوا	تو بیشک میں نزدیک ہوں	فَلْيَسْتَجِيبُوا ^(۲)	پس چاہئے کہ وہ حکم مانیں	يَرْشُدُونَ ^(۴)	نیک راہ پائیں

(۱) دَعَانِ: نون کا کسرہ می محذوف کی علامت ہے (۲) اِسْتَجِيبُوا: اِسْتَجَابَةً سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے: حکم ماننا، بات قبول کرنا (۳) اِيْمَانِ کے لغوی معنی ہیں (۴) رُشْدًا و فلاح: نیک راہ۔

اللہ تعالیٰ ہر شکر گزاری سنتے ہیں

عنوان میں ارتباط کی طرف اشارہ ہے، بعض صحابہ نے پوچھا: کیا ہمارے پروردگار دور ہیں کہ ہم ان کو زور سے پکاریں، یا نزدیک ہیں کہ ہم مناجات (سرگوشی) کریں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور بتلایا کہ وہ علم و قدرت کے اعتبار سے قریب ہیں، ہر بات سنتے ہیں، خواہ آہستہ کہو یا پکار کر۔ اور جن مواقع میں جبراً تکبیر کہنے کا حکم ہے اس کی دوسری وجہ ہے، یہ نہیں کہ وہ آہستہ بات نہیں سنتے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ لازمان و لامکان ہیں: لا یتَمَكَّنُ فی مکان ولا یجری علیہ زمان [العقائد النسفیة] زمان و مکان: مخلوق ہیں، اور خالق: مخلوق میں نہیں ہوتا، ورنہ احتیاج لازم آئے گی، اور سوال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس مخلوق کے وجود سے پہلے کہاں تھے؟ یہی سوال عرش کے تعلق سے ہوگا، اس لئے مفسرین کرام نے قرب سے علم و قدرت کی نزدیکی مراد لی ہے یعنی اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، وہ شہ رگ سے بھی قریب ہیں، اور جو چاہیں کر سکتے ہیں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اور بعض حضرات نے جو حاضر و ناظر کہا ہے وہ مجازی تعبیر ہے۔

آیت کریمہ: — اور جب آپ سے میرے بندے (مؤمنین) میرے بارے میں پوچھیں — کہ میں نزدیک ہوں یا دور؟ — تو — آپ ان کو بتلا دیں کہ — میں نزدیک ہوں — علم و قدرت کے اعتبار سے، نہ کہ مکان (جگہ) کے اعتبار سے — دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے — اس میں دعا کرنے کا حکم مضمر ہے — پس ان کو چاہئے کہ میرا حکم مانیں — اور مجھ سے دعا مانگیں — اور مجھ پر یقین رکھیں — میں ان کی دعائیں ضائع نہیں کروں گا — تاکہ وہ نیک راہ پائیں — نیک راہ یہی ہے کہ اللہ سے یقین کے ساتھ خوب مانگیں، دعا عبادت ہے اور عبادت اللہ کو بہت پسند ہے، اور جو عبادت سے اعراض کرتا ہے اللہ اس کو جہنم میں ڈالیں گے۔

فائدہ: قرآن وحدیث میں یہی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر دعا قبول کرتے ہیں، کوئی دعا رد نہیں کرتے، یہ نہیں فرمایا کہ ہر بندے کو اس کی مانگی ہوئی چیز دیدیتے ہیں، یہ بات بندے کی مصلحت کے تابع ہے، جیسے کسی کا اکلوتا بیٹا بخار میں مبتلا ہوا، دوپہر میں قلفی (برف) بیچنے والا سڑک پر آیا، اس نے ٹن ٹن گھنٹی بجائی، لڑکا بے تاب ہو گیا، وہ قلفی کھانے کا عادی ہے، اس نے باپ سے کہا: ابو! میں قلفی کھاؤں! پس باپ اس کا دل نہیں توڑے گا، نوکر کو آواز دے گا، جلدی جا، قلفی لا، نوکر ادا شناس ہے وہ غائب ہو جائے گا، لاری والا آگے بڑھ جائے گا، اور بچہ بھول جائے گا، باپ اس کو برف اس وقت دے گا جب ڈاکٹر اجازت دے، کیونکہ باپ کو بچے کی جان سے نہیں کھیلنا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر دعا قبول فرمالتے ہیں اور مانگی ہوئی چیز اس وقت دیتے ہیں جب بندوں کی مصلحت ہوتی ہے، ورنہ دعا کو عبادت بنا کر اس کے نلمہ

اعمال میں لکھ دیتے ہیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ قَالَتُنَّ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتَمُوا الصِّيَامَ إِلَى الْبَيْلِ وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِنَاسٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۲۰﴾

اور کھاؤ	وَكُلُوا	کہ تھے تم	أَنَّكُمْ كُنْتُمْ	حلال کی گئیں	أُحِلَّ
اور پیو	وَاشْرَبُوا	خیانت کرتے	تَخْتَانُونَ	تمہارے لئے	لَكُمْ
یہاں تک کہ صاف	حَتَّى يَتَبَيَّنَ	اپنی ذاتوں سے	أَنْفُسَكُمْ	رات میں	لَيْلَةَ
جد نظر آئے	لَكُمْ	پس توجہ فرمائی	فَتَابَ	روزے کی	الصِّيَامِ
تمہیں	لَكُمْ	تم پر	عَلَيْكُمْ	زن و شوئی کی باتیں	الرَّفَثُ ^(۱)
سفید دھاگا	الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ	اور درگزر کیا تم سے	وَعَفَا عَنْكُمْ	تمہاری بیویوں سے	إِلَى نِسَائِكُمْ
دھاگے سے	مِنَ الْخَيْطِ	پس اب	قَالَتُنَّ	وہ پہناوا ہیں	هُنَّ لِبَاسٌ
کالے	الْأَسْوَدِ	تم ہم خوابی کرو ان ماتھ کے	بَاشِرُوهُنَّ	تمہارا	لَكُمْ
فجر سے	مِنَ الْفَجْرِ ^(۲)	اور طلب کرو	وَابْتَغُوا	اور تم پہناوا ہو	وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ
پھر پورا کرو تم	ثُمَّ أَتَمُوا	جو لکھ دیا ہے	مَا كَتَبَ	ان کا	لَهُنَّ
روزہ	الصِّيَامَ	اللہ نے تمہارے لئے	اللَّهُ لَكُمْ	جانا اللہ نے	عَلِمَ اللَّهُ

(۱) الرفث: باب نصر کا مصدر ہے: فحش باتیں کرنا، گندی باتیں کرنا، زُجاج (امام لغت) کہتے ہیں: یہ ایسا کلمہ ہے جو ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی مرد: عورتوں سے خواہش کرتے ہیں (لغات القرآن) (۲) من الفجر: من بیانہ ہے، الخیط الابيض کا بیان ہے، اور الخیط الأسود کا بیان من اللیل چھوڑ دیا گیا، سامع خود نکال لے گا۔

کھول کر بیان کرتے ہیں	يُبَيِّنُ	مسجدوں میں	فِي الْمَسْجِدِ	رات تک	إِلَى الْبَيْلِ
اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	یہ	تِلْكَ	اور شہوت سے اپنا بدن	وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ
اپنے احکام	أَيُّسِرُهُ	اللہ کی سرحدیں ہیں	حُدُودُ اللَّهِ	عورتوں کے بدن سے	(۱)
لوگوں کے لئے	لِلنَّاسِ	پس نہ	فَلَا	ندگاہ	وَأَنْتُمْ
تا کہ وہ	لَعَلَّهُمْ	قریب جاؤ ان کے	تَقْرُبُوهَا	در اٹھا لیکہ تم	غَافِقُونَ
بچیں	يَتَّقُونَ	اس طرح	كَذَلِكَ	اعتکاف کرنے والے ہوؤ	

رمضان کی راتوں میں بیوی سے زین و شوئی کا معاملہ کرنے کی اجازت

شروع میں یہ حکم تھا کہ رات کو جب نیند آجائے تو آنکھ کھلنے کے بعد کھانا پینا اور بیوی سے مقاربت کرنا ممنوع تھا، اگلا روزہ شروع ہو جاتا تھا، یہ حکم وحی غیر منلو سے دیا گیا تھا، جیسے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم بھی وحی غیر منلو سے دیا گیا تھا، پھر بعض صحابہ سے اس حکم کے امتثال میں کوتاہی ہو گئی، انھوں نے نام ہو کر نبی ﷺ کو اپنے فعل کی اطلاع دی تو وحی منلو نازل ہوئی اور اس حکم کو اٹھادیا، اور رمضان کی راتوں میں بیوی سے زین و شوئی کا معاملہ کرنا حلال کیا گیا، یہی حکم کھانے پینے کا بھی ہے، اور وجہ نسخ یہ بیان کی کہ لوگ رات میں بیوی سے لپٹ کر لیتے ہیں، پھر بیدار ہونے کے بعد مقاربت کر لیتے ہیں، یہ اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں پر مہربانی کی نظر فرمائی، سابقہ گناہ معاف کر دیا، اور دوسرا حکم بھیج دیا کہ اب کپڑے نکال کر لیتو، اور صحبت بھی کر سکتے ہو، مگر مباشرت سے مطلوب اولاد ہونی چاہئے، محض شہوت رانی مقصود نہیں ہونی چاہئے، اس میں عزل کی کراہیت اور اغلام کی حرمت بھی آگئی۔

آیت پاک: تمہارے فائدے کے لئے روزے کی شب میں — یعنی رمضان کی راتوں میں — تمہاری عورتوں کے ساتھ زین و شوئی کا معاملہ کرنا حلال کیا گیا، وہ تمہارا پہناوا ہیں اور تم ان کا پہناوا ہو — یعنی کپڑوں کی طرح لپٹ کر لیتے ہو — اللہ تعالیٰ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہو — یعنی بیدار ہونے کے بعد مقاربت کر لیتے ہو، یہ حکم شریعت کی خلاف ورزی ہے، اور اپنے پیروں پر پیشہ زنی ہے — اس لئے اللہ تعالیٰ نے تم پر مہربانی کی نظر فرمائی، اور تمہارا گناہ معاف کر دیا، لہذا اب ان عورتوں کے ساتھ بے پردہ اپنا بدن لگاؤ، اور اللہ نے جو کچھ تمہارے لئے مقدر کیا ہے اس کو چاہو۔

(۱) المباشرة (باب مفاعله) بَشْرَةً (کھال) سے ماخوذ ہے: کھال کا کھال سے لگنا، کھلے بدن کا کھلے بدن سے لگنا، مجامعت ضروری نہیں، پس مباشرت: مجامعت سے عام ہے مگر اردو میں مترادف ہیں، اعتکاف میں دو اعمیٰ صحبت بھی جائز نہیں، ان سے بھی اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

روزے کا وقت صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہے

اور کھاؤ پیو — اور صحبت کرو — یہاں تک کہ صاف نظر آئے صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے
پھر روزہ پورا کرو رات تک — یہی روزے کا وقت ہے۔

اعتکاف میں صحبت اور اس کے اسباب بھی جائز نہیں

اور عورتوں کے بدن سے شہوت کے ساتھ بدن مت لگاؤ، جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہوؤ — یعنی روزے میں تو رات میں مباشرت بھی جائز ہے، مگر اعتکاف میں رات میں بھی دواعی جماع جائز نہیں، پس جماع تو بدرجہ اولیٰ جائز نہیں، دونوں سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے — یہ یعنی اعتکاف میں صحبت اور اسباب صحبت کی ممانعت اللہ کی باندھی ہوئی حدیں (باؤنڈری) ہیں، پس تم ان کے نزدیک بھی مت جاؤ — اور صحبت کے دواعی اختیار کرنا قریب جانا ہے، اس لئے ان کی بھی ممانعت ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنے احکام پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تاکہ لوگ (خلاف ورزی سے) بچیں — اور پرہیزگار بنیں!

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآءِ الْحُكْمِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ
أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

۲۲۳

اموال کا	مِنْ أَمْوَالِ	ان (اموال) کو	بِهَآءِ	اور نہ کھاؤ	وَلَا تَأْكُلُوا
لوگوں کے	النَّاسِ	فیصلہ کرنے والوں کی	لِأَنَّ الْحُكْمِ	اپنے مال	أَمْوَالَكُمْ
گناہ (ظلم) کے ذریعہ	بِالْإِثْمِ	طرف	لِتَأْكُلُوا	باہم	بَيْنَكُمْ
در انحالیکہ تم	وَأَنْتُمْ	تاکہ کھاؤ تم	فَرِيقًا	ناحق طور پر	بِالْبَاطِلِ
جانتے ہو	تَعْلَمُونَ	کچھ حصہ		اور لٹکاتے ہو تم	وَتُدْلُوا ^(۱)

۴- حرام مال کھانے کی اور حج کو رشوت دینے کی ممانعت

ابھی وہی سلسلہ بیان ہے: ﴿الضَّالِّينَ فِي الْبَاسَاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾: سختی اور بیماری میں صبر کرنے والے (قابل

(۱) تدلوا: مضارع، صیغہ جمع مذکر حاضر، اذلی: ڈول کو بھرنے کے لئے کنویں میں ڈالنا، بطور استعارہ: پہنچانا، دینا۔

تعریف ہیں) اس آیت میں اس سلسلہ کے دو حکم ہیں:

پہلا حکم: حرام مال کھانے کی ممانعت، غلط طریقہ پر مال ہتھیانے سے بچنے کا حکم۔ اور اس کی بہت صورتیں ہیں: چوری، خیانت، دغا بازی، غصب (لوٹ) قمار (سٹہ) رشوت ستانی (لینا) اور ناجائز خرید و فروخت سے مال حاصل کرنا، ان سب صورتوں میں ایک فریق کو سخت تکلیف پہنچتی ہے، مثلاً: کوئی بڑا مال چرائے تو مال کا مالک کتنا پریشان ہوتا ہے؟ اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے! مگر حاصل کیا؟ گیا ہو مال واپس تھوڑے آئے گا؟ صبر و برداشت سے کام لے، البتہ چور کو پکڑنے کی اور اس کو سبق سکھانے کی کوشش کرے، تاکہ دوسرے لوگ اس کی آفت سے بچیں، اور اسی پر دیگر معاملات کو قیاس کریں۔ دوسرا حکم: قاضی کو رشوت دینے کی ممانعت: مکان یا زمین کا جھوٹا مقدمہ دائر کیا، اور جج کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرایا، پس جس کا حق مارا ہے اس پر کیا بیتے گی؟ مگر صبر کے سوا چارہ کیا ہے؟

فائدہ: قاضی کا فیصلہ دنیا میں ظاہر اوباطناً نافذ ہوگا، پولس قابض سے مکان خالی کرا کر مدعی کو سونپے گی، مگر آخرت کی سزا سے وہ کیسے بچے گا؟ مدعی نے مکان نہیں قبضایا ہے، بلکہ جہنم کا ایک ٹکڑا خریدا ہے!

آیت کریمہ: (۱) ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق مت کھاؤ (۲) اور تم اموال کو فیصلہ کرنے والوں تک پہنچاتے ہو، تاکہ لوگوں کے اموال کا کچھ حصہ گناہ کے ذریعہ کھالو، جبکہ تم جانتے ہو — کہ مکان یا گھر تمہارا نہیں: ایسا مت کرو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ، وَكَيْسَ الْبُرْجَانِ تَأْتُوا
الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبُرْجَانَ اتَّقَى، وَاتُّوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا، وَاتَّقُوا اللَّهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

یَسْأَلُونَكَ	پوچھتے ہیں لوگ آپ سے	مَوَاقِيتُ ^(۲)	اوقات ہیں	الْبُيُوتَ	گھروں میں
عَنِ الْاَهْلَةِ ^(۱)	نئے چاندوں کے بارے میں	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مِنْ ظُهُورِهَا	ان کی پیٹھوں سے
قُلْ	بتائیں	وَالْحَجِّ	اور حج کے لئے	وَلَكِنَّ الْبُرْجَانَ ^(۳)	بلکہ نیکی
هِيَ	وہ	وَكَيْسَ الْبُرْجَانِ ^(۳)	اور نیکی نہیں ہے	مِنْ اتَّقَى ^(۳)	جو ڈرا (اللہ سے)
		بِاَنَّ تَأْتُوا	کہ آؤ تم	وَآتُوا	اور آؤ تم

(۱) الأهلۃ: الهلال کی جمع: نیا چاند (۲) مواقیت: میقات کی جمع: وقت (۳) البر: لیس کا اسم اور بیان تاتوا: خبر، خبر پر بقاء زائد آتی ہے (۴) من اتقى: لکن کی خبر۔

البیوت مِنَ ابْنَائِهَا	گھروں میں ان کے دروازوں سے	وَاتَّقُوا اللَّهَ	اور ڈرو اللہ سے	لَعَلَّكُمْ تُقْلِحُونَ	تاکہ تم کامیاب ہوؤ
----------------------------	-------------------------------	-----------------------	--------------------	----------------------------	-----------------------

۵- حج: جان و مال سے مرکب عبادت ہے

ابھی سابقہ سلسلہ کلام چل رہا ہے: ﴿الصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾: سختی اور تکلیف میں برداشت کرنے والے (قابل تعریف ہیں) اس کے ذیل میں پانچ احکام بیان فرمائے ہیں، ان میں سے یہ آخری حکم ہے۔

وہ پانچ احکام یہ ہیں:

- ۱- قتلِ عمد میں قصاص (برابری کرنے) کا حکم، طیش میں یہ بھاری حکم ہے۔
- ۲- پیچھے تر کے کا بڑا جھمیلا ہو تو حسبِ حصص شرعیہ وصیت کرنا، تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔
- ۳- رمضان کے روزے رکھنا، ایک نہیں مسلسل تیس، نہ کھانا نہ پینا، یہ بھی بھاری حکم ہے۔
- ۴- حرام مال نہ کھانا اور رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ نہ کرانا۔

۵- حج کی فرضیت، حج اب تو آسان ہو گیا ہے، پہلے اتنا آسان نہیں تھا، حج میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا تھا، یہ جان و مال سے مرکب عبادت ہے، اس میں بڑا مال خرچ ہوتا ہے، آدمی زندگی بھر جوڑتا ہے تب حج کرتا ہے، اور چھ ماہ میں حج سے واپس آتا ہے، اور ”حاجی صاحب“ کہلاتا ہے، اب ہفتہ دس دن میں آجاتے ہیں، اس لئے کوئی اس معزز لقب سے نہیں نوازتا۔

صحابہ کا ایک سوال: عرب کا ملک بے آب و گیاہ ہے، معیشت کا فقدان ہے، زندگی کا مدار اسفار پر تھا، گرمیوں میں ملکِ شام جاتے تھے اور سردیوں میں یمن، اور ضرورت کی چیزیں خرید لاتے تھے، اور علاقہ پہاڑی تھا، اور ملک گرم تھا، دن میں سفر ممکن نہیں تھا، صبح و شام چلتے تھے، زیادہ سفرات میں کرتے تھے، چاندنی راتوں میں سفر سہولت سے ہوتا ہے، اس لئے صحابہ نے پوچھا کہ چاند سورج کی طرح ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا؟ رات بھر روشن رہے تو سفر میں مزہ آجائے، یہ گھٹنا بڑھتا کیوں ہے؟ اس میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: چاند کی یہ صورت حال اس لئے ہے کہ لوگ آسانی سے قمری کلینڈر بنائیں، سورج سے بھی کلینڈر بنتا ہے، مگر وہ دقیق حساب پر مبنی ہے، ہر شخص نہیں بنا سکتا، اور چاند سے تاریخیں جاہل سے جاہل بھی متعین کر سکتا ہے۔

جواب کی تفصیل: چونکہ مطالع مختلف ہیں، اور اعتبار آنکھ سے دیکھنے کا ہے، اس لئے چاند کی تاریخیں ایک نہیں ہوتیں، جہاں سب سے پہلے چاند نظر آتا ہے مہینہ شروع ہو جاتا ہے، اور جہاں اگلی رات میں نظر آتا ہے وہاں قمری مہینہ ایک دن بعد

شروع ہوتا ہے، البتہ حج کا وقت مکہ مکرمہ کے افق کا ہلال متعین کرتا ہے، مکہ کے افق پر جب نیا چاند نظر آتا ہے تو ذی الحجہ کی پہلی تاریخ ہوتی ہے، پھر نویں تاریخ کو قوف عرفہ ہوتا ہے، یہی حج کا سب سے بڑا فرض ہے، دنیا بھر کے لوگوں کو اپنی قمری تاریخیں چھوڑ کر اس تاریخ میں حج کے لئے آنا ہوتا ہے، اس لئے ﴿لِلنَّاسِ﴾ کے بعد حج کا الگ ذکر کیا۔

فائدہ: توحید اہلہ یعنی ساری دنیا کا ایک چاند نہیں ہو سکتا، حج کے علاوہ دیگر دینی اور دنیوی معاملات میں چاند کی تاریخیں مختلف ہونگی، صرف حج میں توحید اہلہ ہو سکتا ہے، اگر یہ تعبیر مناسب ہو، اور نیومون (القمر الجدید) پر مدار رکھ کر پوری دنیا میں قمری تاریخیں ایک کرنا غیر شرعی نظر یہ ہے۔

بوجھ در بوجھ: ایک توحج کی عبادت ہی بھاری تھی، پھر جاہلیت نے اس کو اور بھاری کر رکھا تھا، ریت یہ کر رکھی تھی کہ جب حج کا احرام باندھتے تو گھر میں دو ازے سے داخل نہیں ہوتے تھے، پشت سے سیڑھی سے چڑھ کر آتے تھے، یہ خود ساختہ پابندی تھی، قرآن کریم اس کی تردید کرتا ہے کہ یہ کوئی نیکی کا کام نہیں، نیکی کے کام: حج کے احکام کی تعمیل ہے، پس احرام میں گھر میں آنا پڑے تو دروازے سے آؤ، اور حج میں ممنوعات شرعیہ سے بچو، تاکہ فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہوؤ۔

آیت کریمہ: لوگ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ — کبھی سوال کی تفصیل جواب سے معلوم ہوتی ہے، سال میں بارہ ہلال (نئے چاند) ہوتے ہیں، سوال یہ ہے کہ چاند کا یہ نظام کیوں ہے؟ سورج کی طرح وہ ایک حالت پر کیوں نہیں رہتا؟ — آپ بتائیں: وہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات (متعین کرتے) ہیں — اور نیکی کا کام یہ نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت سے آؤ، بلکہ نیکی کا کام (حج میں) اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا ہے، اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۰﴾
 وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ، وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ﴿۸۱﴾ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۲﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۸۳﴾ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۰﴾ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ
وَاحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۱﴾

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ ^(۱) يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا	اور لڑو راستے میں اللہ کے ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور نہ زیادتی (ابتدا) کرو تم	مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَأَقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكُفْرِينَ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونُوا فِتْنَةً	قتل سے اور نہ لڑوان سے پاس مسجد حرام کے یہاں تک کہ لڑیں وہ تم سے اس میں پس اگر لڑیں وہ تم سے تو قتل کرو ان کو یہی سزا ہے دین نہ ملنے والوں کی پھر اگر باز آجائیں وہ تو بے شک اللہ بڑے بخشنے والے بڑے رحم والے ہیں اور لڑوان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد (دین سے روکنا)	وَيَكُونَ الَّذِينَ اللَّهُ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرْمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِشْرِلِ	ہو جائے دین اللہ کے لئے پھر اگر باز آجائیں وہ تو نہیں بے حد سے بڑھنا مگر ظلم پیشہ لوگوں پر مہینہ حرمت والا بدل ہے مہینہ حرمت والے کا اور ادب و احترام میں برابری ہے پس جو زیادتی کرے تم پر تو زیادتی کرو تم اس پر مانند
---	--	--	---	---	--

(۱) الذین: صلہ کے عساتھ قاتلوں کا مفعول بہ ہے (۲) تَقَفَ (س) تَقَفَا الشَّيْءُ: کوشش کے بعد پالینا، قابو پانا، تَقَفَ العلم: ماہر ہونا، الثقافة: علم و ہنر، تہذیب، کلچر۔

مَا اعْتَدَلِي ^(۱)	زیادتی کرنے اس کے	مَعَ الْمُتَّقِينَ	ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں	بِأَيِّدِيكُمْ	اپنے ہاتھوں کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	وَأَنْفِقُوا	اور خرچ کرو	لِالتَّهْلُكَةِ	ہلاکت میں
وَاتَّقُوا اللَّهَ	اور ڈرو اللہ سے	فِي سَبِيلِ	راستے میں	وَأَحْسِنُوا	اور نیکی کرو
وَأَعْلَمُوا	اور جان لو	اللَّهِ	اللہ کے	إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ	بیشک اللہ پسند کرتے ہیں
أَنَّ اللَّهَ	کہ اللہ تعالیٰ	وَلَا تُنْفِقُوا	اور نہ ڈالو	الْمُحْسِنِينَ	نیکی کاروں کو

رَبط: ﴿الضَّيِّبِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالصَّرَاءِ﴾: سے تعلق رکھنے والے پانچ احکام پورے ہوئے، اب ﴿وَجِينَ الْبَأْسِ﴾ کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، یعنی سخت جنگ میں صبر کرنے والے اور جرم کر لڑنے والے بھی قابل تعریف ہیں۔

قرآن کریم کبھی واقعہ کے اجزاء کو مقدم و مؤخر کرتا ہے

پہلے (آیات ۶۷-۷۳) میں گائے ذبح کرنے کا واقعہ آیا ہے، اس کا ابتدائی حصہ: ﴿وَأَذَقْتُمْ نَفْسًا﴾ مؤخر ہے، اور ایسا اس لئے کیا ہے کہ ابتدائی حصہ مستقل حیثیت حاصل کر لے، ورنہ سارا واقعہ ایک ہو کر رہ جائے گا، یہاں بھی آئندہ آیت جو صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی ہے: اس کو مؤخر کیا ہے، اور زیر تفسیر آیات کو جو ایک سال بعد عمرہ القضاء کے موقع پر نازل ہوئی ہیں: مقدم کیا ہے، تاکہ دونوں آیتوں کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے۔

آیات زیر تفسیر اور آئندہ آیت کا پس منظر (شان نزول)

جب غزوہ احزاب سے کفار کا لشکر نامراد واپس لوٹا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کر سکیں گے“ اس کے بعد نبی ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے، اور بہ اطمینان عمرہ ادا کیا، اس سے شوق بھڑکا، کعبہ شریف عربوں کی مشترک عبادت گاہ تھی، ہر ایک کو حج اور عمرہ کرنے کے لئے آنے کی اجازت تھی، اس لئے آپ نے اور صحابہ نے خیال کیا کہ اگر وہ عمرہ کرنے کے لئے جائیں گے تو مکہ والے نہیں روکیں گے، چنانچہ آپ سنہ ۶ ہجری میں پندرہ سو صحابہ کے ساتھ ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر اور قربانیاں ساتھ لے کر مکہ کے لئے روانہ ہوئے، ادھر مکہ والوں کو بھی خبر ہو گئی کہ مسلمان عمرہ کرنے آرہے ہیں، انھوں نے طے کیا کہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر مکہ میں داخل نہیں ہونے دینا۔

قصہ مختصر: نبی ﷺ صحابہ کے ساتھ حدیبیہ میں رک گئے اور سفارتوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور اس بات پر صلح ہو گئی کہ

(۱) ما اعتدی: ما: مصدر یہ ہے: ای مثل الاعتداء۔

مسلمان اس سال عمرہ کے بغیر واپس جائیں اور اگلے سال آئیں، مگر ہتھیار ساتھ نہ لائیں، صرف تلوار لائیں اور وہ بھی تھیلے میں ہو، اور مکہ میں صرف تین دن ٹھہریں، پس آئندہ آیت (نمبر ۱۹۶) نازل ہوئی، جس میں احصار کا حکم ہے، پس آپ اور صحابہ قربانیاں کر کے احرام کھول کر لوٹ گئے۔

واپسی میں راستے میں سورۃ الفتح نازل ہوئی، اس کی (آیت ۲۷) میں فرمایا کہ خواب سچا ہے، اگلے سال بہ اطمینان عمرہ کرو گے، مگر ﴿إِنْ شَاءَ اللَّهُ﴾ کی تعلیق بھی کی، یہ قید اس لئے بڑھائی کہ اگلے سال صحابہ بے خوف ہو کر نہ جائیں، پھر ایک سال کے بعد جب آپ نے عمرۃ القضاء کا ارادہ فرمایا تو زیر تفسیر آیات نازل ہوئیں، ان میں اشارہ تھا کہ مکہ والے وعدہ خلافی کر سکتے ہیں اور جنگ کی نوبت آسکتی ہے، اگر ایسا ہو تو صحابہ بڑھ کر مقابلہ کریں، اور کفار کو مکہ سے کھد بڑھیں، چنانچہ فوج ہتھیار ساتھ لے کر چلی، اور مکہ سے آٹھ میل پر یاجج مقام میں ان کو رکھ دیا، اور دو سو آدمی ان کی حفاظت کے لئے رک گئے، باقی صحابہ صرف تلواریں خورجی میں رکھ کر مکہ میں داخل ہوئے، اور مکہ والوں نے حسب وعدہ تین دن کے لئے مکہ خالی کر دیا اور جنگ کی نوبت نہیں آئی۔

۶۔ مسلمان مکہ پہنچ کر جنگ نہ چھیڑیں البتہ کفار جنگ چھیڑیں تو ان کو نہ بخشیں

جہاد: دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی، لیکن اس خاص موقع پر مسلمان مکہ پہنچ کر جنگ نہ چھیڑیں، کیونکہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہوگی، البتہ کفار مکہ جنگ پر ٹل جائیں تو ترکی بہ ترکی جواب دیں، ان کو جہاں پائیں قتل کریں، خواہ حرم میں پائیں یا حرم سے باہر، اور ان کو مکہ سے کھد بڑھیں جس طرح انھوں نے تم کو مکہ سے نکال دیا ہے، کیونکہ فتنہ (دین اسلام سے روکنا) بھاری گناہ ہے، اس لئے بھاری گناہ کے مقابلہ میں ہلکا گناہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں، اور زیادتی (ابتدا) مت کرو، بالیقین اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اور ان کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ، اور ان کو اس جگہ سے نکالو جہاں سے انھوں تم کو (مہاجرین کو) نکالا ہے، اور فتنہ (دین سے روکنا) قتل سے زیادہ سنگین ہے — ﴿كَاتَعْتَدُوا﴾ عام حکم ہے اور اس خاص موقع پر ابتداء کرنے کی ممانعت تھی بوجہ صلح حدیبیہ۔

حرم شریف میں دفاعی جنگ جائز ہے

سوال: حرم شریف میں مسلمانوں کے لئے جنگ کیسے جائز ہوگی حرم تو محترم ہے، وہاں قتل و قتال جائز نہیں!

جواب: حرم میں اقدامی جنگ جائز نہیں، دفاع کر سکتے ہیں، اور مسلمانوں کو اوپر کی آیت میں ابتدا کرنے سے منع کیا ہے، صرف دفاع کی اجازت دی ہے، اور نبی ﷺ نے فتح مکہ میں جو اقدام کیا تھا وہ آپ کی خصوصیت تھی۔

﴿وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُفْتَلُوهُ فِيهِ؛ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَمَا كُنْتُمْ جَزَاءً

الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور تم ان سے مسجد حرام کے پاس (حرم شریف میں) مت لڑو جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں، پس اگر وہ تم سے لڑیں تو ان کو قتل کرو، کافروں کی یہی سزا ہے!

جنگ کے دوران دشمن ایمان لے آئے تو جنگ روک دینا ضروری ہے

دشمن اگر جنگ کے دوران ایمان لے آئیں تو جنگ بند کر دینا ضروری ہے، خواہ انھوں نے مسلمانوں کو کتنا ہی نقصان پہنچایا ہو، اور جس طرح یہ حکم دشمن قوم کے لئے ہے، فرد کے لئے بھی ہے، اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں، یہ بات متفق علیہ حدیث میں بھی آئی ہے:

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، پس جب انھوں نے یہ کام کئے تو انھوں نے مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لئے، مگر حق اسلام کی وجہ سے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے“

اس حدیث میں جنگ کرنے کا نہیں، بلکہ جنگ بندی کا بیان ہے، لیکن اگر آدھی حدیث پڑھی جائے تو غلط فہمی ہوگی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، لیکن اگر پوری حدیث پیش نظر رکھی جائے تو یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہوگی۔

﴿فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ باز آجائیں — یعنی اسلام قبول کر لیں — تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم والے ہیں!

جہاد اس لئے ہے کہ ظلم ر کے اور اللہ کا دین پھیلے

جہاد: دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی، اگر دشمن مسلمانوں پر چڑھ آئیں تو ان کو ہٹانا ضروری ہے، جیسے غزوہ احزاب تک مکہ کے کافر مدینہ پر چڑھ چڑھ آتے تھے، اور ان کا مقابلہ کیا جاتا تھا، یہ دفاعی جہاد تھا، اور اگر دشمن اسلام کی گاڑی میں روڑا اٹکائیں، دعوت کا کام نہ کرنے دیں یا مسلمانوں پر مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم و ستم ڈھائیں تو بھی ان کا دماغ درست کرنا ضروری ہے، یہ اقدامی جہاد ہے، جیسے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کر کے قریش نے اپنے حلیف قبیلہ بنو بکر

کی مدد کی، اور انھوں نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر ظلم ڈھایا، ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے تو نبی ﷺ نے اقدام کیا اور مکہ فتح کر لیا۔

غرض: جہاد فتنہ فرو کرنے کے لئے ہے، اگر کفار ایمان کی راہ نہ روکیں یا مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ نہ بنائیں تو جہاد کی ضرورت نہیں، ملک گیری کے لئے جہاد نہیں، دعوت کا کام کافروں کے ملک میں بھی جاری رہے گا اور اہل سعادت ایمان سے بہرہ ور ہونگے، اور کوئی اکاڈکاً شرارت کرے یا ظلم پر کمر باندھے اور کافر حکومت اس کی پشت پناہ نہ ہو تو اسی کا دماغ درست کیا جائے گا، کافر ملک پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ اتَّخَذُوا فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ الظَّالِمِينَ﴾

ترجمہ: اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ فرو ہو جائے، اور دین اللہ کے لئے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں ہی پر زیادتی ہے۔

اشہر حرام کا پاس و لحاظ دو طرفہ ہونا چاہئے

سوال: مسلمان عمرہ کی قضا کرنے کے لئے ذی قعدہ میں جا رہے تھے، یہ محترم مہینہ تھا، ملتِ ابراہیمی میں چار ماہ قابلِ احترام قرار دیئے گئے تھے: ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، پس اگر مکہ والوں کے ساتھ جنگ کی نوبت آئی تو مسلمان کیسے جنگ کریں گے؟

جواب: محترم مہینوں کا ادب اور پاس و لحاظ دو طرفہ ہونا چاہئے، ایک طرفہ نہیں، مشرکین لحاظ کریں گے تو مسلمان بھی لحاظ کریں گے، اور وہ لحاظ نہیں کریں گے اور آمادہٴ پیکار ہو جائیں گے تو مسلمان جواب دیں گے، ہاتھ نہیں روکیں گے، اسلام میں تو ان مہینوں میں قتل و قتال جائز ہے، اس لئے فرمایا کہ اگر مشرکین زیادتی کریں تو مسلمان برابر کا جواب دیں، زیادتی نہ کریں، اللہ سے ڈریں، اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾

ترجمہ: ادب والا مہینہ ادب والے مہینہ کے عوض ہے، اور ادب و لحاظ میں برابری ہے، پس جو تم پر زیادتی کرے اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

جہاد کے لئے دل کھول کر خرچ کرو، ہاتھ نہ روکو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے

دور اول میں نہ فوج تھی نہ حکومت کے پاس فنڈ تھا، ہر شخص لڑنا جانتا تھا، اور ہتھیار بھی رکھتا تھا، پھر چھوٹے لشکر اپنی رسد

اور ہتھیار ساتھ لے کر چلتے تھے، اور بڑے لشکر کے خور و نوش کا انتظام حکومت کرتی تھی، اور اس کے لئے چندہ کیا جاتا تھا، اسی طرح جس کے پاس سواری نہیں ہوتی اور سفر دور کا ہوتا یا غریب ہوتا اور ہتھیار بھی نہیں ہوتے تو اس کے لئے زکات سے خرچ کیا جاتا یا چندہ کیا جاتا۔

مدینہ سے مکہ دس دن کے فاصلہ پر ہے، اور عمرۃ القضاء میں ہتھیار بھی ساتھ لے جانے تھے اور پندرہ سو کے خور و نوش کا انتظام بھی کرنا تھا، اس لئے لوگوں کو ترغیب دی کہ جہاد کے لئے دل کھول کر خرچ کرو، ہاتھ نہ روکو، ورنہ تمہارا نقصان ہوگا، کیونکہ مسلمانوں کی سرفرازی جہاد میں ہے، اور اس کے لئے خرچ کرنا ضروری ہے۔

فائدہ: جہاد میں خرچ کرنے کا ثواب کم از کم سات سو گنا ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، نیز جہاد میں خرچ کرنا اللہ کو قرض دینا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ غنیمت کی شکل میں کئی گنا بڑھا کر لوٹاتے ہیں۔

﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں — یعنی جہاد کے لئے — خرچ کرو، اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت پڑو — مسلمانوں کی سرخ روئی جہاد جاری رہنے میں ہے، اور ذلت و کبت جہاد رک جانے میں ہے، اور جب فتنہ نہیں ہوگا تو جہاد رک جائے گا، یہی خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے — اور نیک کام کرو — یعنی دل کھول کر خرچ کرو، اور دوسرے نیک کام بھی کرو، چندہ دیا اور نماز نہیں پڑھتا تو کیا فائدہ ہوا! احسان: باب افعال کے معنی ہیں: نیکو کردن: ہر کام عمدہ کرنا، اور عمدہ چندہ دینا یہ ہے کہ اس کے بعد احسان جتا کر دل آزاری نہ کرے — بے شک اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ساتھ ہیں — یعنی اگر مجاہدین نیک بندے ہوئے تو کامیابی ان کے قدم چومے گی!

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ، فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

وَأَنْتُمْ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ ^(۱) فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَجْلَهُ ^(۲) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بَرِيحًا أَوْ بَرِيحًا أَوْ بَرِيحًا مِنْ رَأْسِهِ	اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے لئے پس اگر تم روکے جاؤ تو جو میسر ہو قربانی سے (پیش کرو) اور نہ منڈاؤ اپنے سر یہاں تک کہ بچے قربانی اس کی جگہ پھر جو کوئی ہو تم میں سے بیمار یا اس کو تکلیف ہو اس کے سر میں	فَقَدِيئَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَوْصِيَامًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةَ	تو بدلہ دے روزے سے یا خیرات سے یا قربانی سے پس جب مطمئن ہو جاؤ تم تو جس نے فائدہ اٹھایا عمرہ سے حج کے ساتھ تو جو میسر ہو قربانی سے (پیش کرے) پس جو نہ پائے (قربانی) تو روزے ہیں تین دن کے حج میں اور سات دن کے	إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةَ كَامِلَةً ^(۳) ذَلِكَ لِيَمُنَّ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرًا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَأَتَقُوا اللَّهَ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ	جب تم لوٹو یہ دس پورے ہیں یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جو نہ ہوں اس کے گھر والے موجود مسجد حرام کے پاس اور ڈرو اللہ سے اور جانو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں
---	---	--	---	--	---

رابطہ: یہ آیت گذشتہ آیات سے ایک سال پہلے نازل ہوئی ہے، اور اس کو مؤخر اس لئے کیا ہے کہ اس کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے، نیز اس لئے بھی کہ اس میں حج کے دیگر مسائل بھی ہیں، اور آگے بھی حج کے مسائل ہیں، پس ان کے ساتھ اتصال ہو جائے گا۔

(۱) أُحْصِرْتُمْ: ماضی مجہول، جمع مذکر حاضر، إحصار: بیماری یا خوف کا روکنا (۲) مَجْلٌ: ظرف مکان: قربانی (ہدی) کے ذبح کرنے کی جگہ، حرم شریف۔ (۳) کاملہ: عشرہ کی صفت ہے، خبر نہیں ہے۔

اور آیت میں تین مسائل ہیں، اور ان میں ربط ہے، سب سے پہلے احصار کا حکم بیان کیا ہے، احصار میں مجبوراً احرام کھولنا پڑتا ہے، پھر کسی مجبوری میں احرام میں ممنوعات کے ارتکاب کا حکم بیان کیا ہے، اس میں احرام کھلتا تو نہیں مگر احرام میں ممنوعات کے ارتکاب سے فدیہ واجب ہوتا ہے اور فدیہ تین چیزیں ہیں، ان میں قربانی بھی ہے، یہ قربانی حج تمتع اور قرآن میں بھی واجب ہے، اس طرح تیسرا مسئلہ تمتع اور قرآن کا بیان ہوا ہے۔

۷۔ احصار (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد کوئی مانع پیش آنے) کا حکم

بات یہاں سے شروع کی ہے کہ دیگر عبادات کی طرح حج اور عمرہ بھی اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہونے چاہئیں، کوئی دوسری فاسد نیت نہیں ہونی چاہئے، اور شروع کرنے سے دونوں واجب ہو جاتے ہیں، دونوں کو پورا کرنا ضروری ہے، درمیان میں چھوڑ نہیں سکتے، اگر ان کو توڑ دیا تو قضا واجب ہے، اگرچہ حج نفل ہو، اور عمرہ تو احناف کے نزدیک سنت ہی ہوتا ہے، پھر بھی اس کی قضا واجب ہے، البتہ احصار واقع ہو تو قربانی کر کے احرام کھول سکتے ہیں، پھر احناف کے نزدیک جب عذر ختم ہو جائے تو اس کی بھی قضا واجب ہے، دوسرے ائمہ کے نزدیک قضا واجب نہیں۔

تفصیل: کسی شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا (احرام باندھنے سے پہلے احصار متحقق نہیں ہوتا) پھر کوئی حادثہ پیش آیا، ایکسڈنٹ ہو گیا اور ہسپتال میں جانا پڑا، یا کسی شدید مرض میں مبتلا ہو گیا، یا کسی جرم کے ارتکاب کی وجہ سے جیل میں چلا گیا، یا سب مال و اسباب چوری ہو گیا، یا دشمن نے روک دیا: ان سب صورتوں میں احناف کے نزدیک احصار متحقق ہوگا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک احصار صرف دشمن کے روکنے سے متحقق ہوتا ہے، دیگر اعذار سے احصار متحقق نہیں ہوتا۔

اور احصار میں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: جہاں احصار ہوا ہے محصر وہیں قربانی کر کے اور سر منڈا کر احرام کھول دے، اور اس پر اس حج یا عمرہ کی قضا واجب نہیں، اور چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دشمن کے علاوہ اعذار کی صورت میں احصار متحقق نہیں ہوتا اس لئے ان اعذار کی صورت میں اُسے بہر حال مکہ پہنچنا ہوگا، پھر عمرے کا احرام تو ارکانِ عمرہ ادا کرنے سے کھلتا ہے اور حج کا احرام ارکانِ حج ادا کرنے سے بھی کھلتا ہے اور حج کے دن گزر چکے ہوں تو عمرہ کے افعال کرنے سے بھی کھل جائے گا۔ اس کے علاوہ ان کے نزدیک احرام سے نکلنے کی دوسری کوئی صورت نہیں۔

اور احناف کے نزدیک: ہر عذر سے احصار متحقق ہوتا ہے اور احرام ختم کرنے کے لئے ہدی (قربانی) حرم میں بھیجی ضروری ہے، جب وہاں ہدی ذبح ہوگئی تو احرام کھل گیا، اور اس حج یا عمرہ کی قضا واجب ہوگی، اور احرام کھولنے کے لئے سر منڈانا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کی طرح باقاعدہ سر منڈا کر احرام کھولنا ضروری ہے، اور طرفین کے نزدیک جب حرم میں ہدی ذبح ہوگئی تو خود بخود احرام کھل گیا، سر منڈانے کی

ضرورت نہیں۔

﴿وَأَنِتُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۗ﴾

ترجمہ: اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔ یہ مسئلہ احصار کی تمہید ہے۔ پھر اگر تم روکے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو۔ وہ پیش کرو، کم سے کم بکری یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ۔ اور اپنے سروں کو نہ منڈاؤ جب تک ہدی قربان گاہ (حرم میں) نہ پہنچ جائے۔ یعنی وہاں تک احرام میں رہو، ممنوعات احرام کا ارتکاب نہ کرو، قربانی ہو جانے کے بعد احرام ختم ہو جائے گا۔

عذر کی وجہ سے احرام میں ممنوعات کے ارتکاب کا حکم

حدیبیہ کے میدان میں نبی ﷺ حضرت کعب بن عجرہ کے پاس سے گذرے، وہ ہانڈی پکار رہے تھے، آپ نے دیکھا: ان کے سر سے جوئیں جھڑ رہی ہیں، آپ نے پوچھا: ”کیا تمہیں یہ کیڑے پریشان کرتے ہیں؟“ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! بہت پریشان کرتے ہیں! پس آیت نازل ہوئی: اور آپ نے ان سے فرمایا: سر منڈا دو اور فدیہ دیدو، کیونکہ جب تک سر نہیں منڈائے گا بالوں کی جڑوں میں سے میل ختم نہیں ہوگا اور جوؤں کی پیدائش بند نہیں ہوگی۔ اور فدیہ تین چیزیں ہیں: تین روزے رکھے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا جانور ذبح کرے، تینوں میں سے جو چاہے کرے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص عذر کی وجہ سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرے تو اس پر فدیہ واجب ہے اور فدیہ یہی ہے: تین روزے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا قربانی کرنا۔ آدمی کو تینوں میں اختیار ہے جو چاہے کرے، اور بغیر عذر کے ممنوعات احرام کا ارتکاب کرے تو دم واجب ہوگا۔ اب روزے رکھنے اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے کام نہیں چلے گا، قربانی ہی کرنی ہوگی۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِإِذَىٰ مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۗ﴾

ترجمہ: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو۔ وہ سر منڈا کر۔ اس کا فدیہ دے، روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔

حج تمتع و قرآن میں قربانی واجب ہے، اور یہ دونوں حج آفاقی کر سکتا ہے

حج کی تین قسمیں ہیں: افراد، تمتع اور قرآن، جو مکہ یا داخل میقات کا باشندہ ہے وہ تمتع اور قرآن نہیں کر سکتا، وہ صرف حج افراد کرے گا، اور اس پر قربانی اور طواف وداع واجب نہیں۔ اور آفاقی تینوں قسم کا حج کر سکتے ہیں۔

حج تمتع کا طریقہ: آفاقی حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہنچے، اور اپنا عمرہ پورا کرے اور احرام کھول

دے، پھر حلال ہونے کی حالت میں مکہ میں رہے، یعنی وطن نہ لوٹے، پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ ہی سے حج کا احرام باندھے، اور حج ادا کرے، متمتع پر قربانی واجب ہے۔

حج قرآن کا طریقہ: آفاقی میقات سے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے، پھر احناف کے نزدیک: مکہ پہنچ کر پہلے طواف قدم کرے، یہ سنت ہے، پھر عمرہ کا طواف کرے، اور اس کے بعد عمرہ کی سعی کرے، یہ افعال عمرہ ہیں۔ پھر احرام کی حالت میں مکہ میں ٹھہرا رہے اور نفل طواف وغیرہ عبادتیں کرتا رہے، پھر حج کرے اور وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت کرے اور اس کے بعد حج کی سعی کرے، یہ حج کا طواف اور سعی ہیں، پس قارن پر احناف کے نزدیک دو طواف اور دو سعی لازم ہیں، ایک عمرہ کا طواف اور سعی دوسرا حج کا طواف اور سعی۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قارن مکہ میں پہنچ کر صرف طواف قدم کرے، یہ سنت طواف ہے، پھر احرام کی حالت میں ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ حج کرے اور ذی الحجہ کو طواف کرے اور اس کے بعد سعی کرے، یہ طواف و سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کے افعال میں تداخل ہو جاتا ہے اور قارن پر بالا جماع قربانی واجب ہے۔

تمتع اور قرآن صرف آفاقی کا حق ہے، حرم اور حل کے رہنے والے تمتع اور قرآن نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ قریب ہیں جب چاہیں عمرہ کر سکتے ہیں، اس لئے ان کو حج الگ کرنا چاہئے اور عمرہ الگ۔ اور جو دور کے رہنے والے ہیں ان کے لئے حج اور عمرہ کے لئے الگ الگ سفر کرنے میں پریشانی ہے، اس لئے ان کے لئے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کرنے کی اجازت ہے، اللہ عز و جل فرماتے ہیں: یہ یعنی حج اور عمرہ ایک سفر میں کرنا اس شخص کے لئے ہے جس کی فیملی مسجد حرام میں نہیں رہتی، یعنی جو مکہ کا یا اس کے ارد گرد کا باشندہ نہیں ہے وہی تمتع اور قرآن کر سکتا ہے۔

اور اگر تمتع اور قارن کے پاس قربانی نہ ہو، تو اس کو دس روزے رکھنے ہونگے، تین روزے حج میں اور سات روزے گھر لوٹ کر، اور جو تین روزے حج سے پہلے رکھنے ہیں وہ اشہر حج میں حج کا احرام باندھ کر رکھنے ہیں، مگر مستحب یہ ہے کہ سات تا نو ذی الحجہ کے روزے رکھے، اور باقی سات روزے حج کے بعد مکہ میں بھی رکھ سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿بَلِّغْ عَشْرَةَ كَامِلَةً﴾: یہ دس روزے کامل ہیں، بلك مبتدا ہے اور عشرة كاملة مرکب توصیفی خبر ہے، اور عشرة کا معدود صیام محذوف ہے (جمل حاشیہ جلالین) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو تین روزے مکہ میں رکھے ہیں اور جو سات روزے وطن میں رکھے ہیں: سب کامل ہیں، ان میں ناقص کوئی نہیں، اور یہ بات اس لئے فرمائی کہ کوئی خیال کر سکتا تھا کہ جو تین روزے مکہ میں حج کا احرام باندھ کر رکھے ہیں وہ تو کامل ہیں اور جو سات روزے وطن آ کر رکھے ہیں وہ اس کے برابر نہیں، پس کیوں نہ سب روزے حج میں رکھے جائیں، اس لئے فرمایا کہ دسوں روزے

کامل ہیں، ان میں کوئی روزہ ناقص نہیں، پس یہ خیال ذہن سے نکال دو اور حکم شرعی کے مطابق عمل کرو۔
اور تمتع کے لئے ضروری ہے کہ اشہر حج میں عمرہ کیا ہو، کسی نے رمضان میں عمرہ کیا پھر مکہ میں رہ گیا اور موسم حج میں حج کیا تو وہ حج تمتع نہیں، کیونکہ اس نے اشہر حج میں عمرہ نہیں کیا، اس لئے اس پر نہ قربانی ہے نہ دس روزے۔

﴿فَإِذَا آمَنْتُمْ فَمَنْ تَسْتَعِينُ بِالْعُدَّةِ إِلَى الْحَجِّ فَلَمَّا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرًا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵﴾﴾

ترجمہ: پھر جب تمہیں اطمینان نصیب ہو جائے — یعنی مانع ختم ہو جائے یا مانع نہ ہو — تو جو عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ اٹھائے — دونوں کو ساتھ ملا کر کرے جیسے قرآن میں یادوں کو علاحدہ علاحدہ کرے جیسے تمتع میں — تو جو ہدی میسر ہو — پیش کرے، یہ دم شکر ہے، قربانی کرنے والا اس سے کھا سکتا ہے — پھر جو ہدی نہ پائے تو حج میں — یعنی حج کے احرام میں — تین روزے رکھے، اور سات جب تم لوٹ جاؤ، یہ دس روزے پورے ہیں — ان میں ناقص کوئی نہیں — یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں — یعنی آفاقی ہو، میقات سے باہر کا باشندہ ہو، حرمی یا حلی نہ ہو — اور اللہ سے ڈرو — یعنی احکام کی خلاف ورزی مت کرو — اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں!

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ، فَمَنْ قَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ، وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ، وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ، وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى، وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۵﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ، فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَأذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، وَاذْكُرُوا كَمَا هَدَاكُمْ، وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ ﴿۶﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۷﴾

الْحَجُّ أَشْهُرٌ	حج (کا وقت) مہینے ہیں	مَّعْلُومَةٌ فَمَنْ قَرَضَ	جانے پہچانے پس جس نے لازم کیا	فِيهِنَّ الْحَجَّ	ان میں حج
----------------------	--------------------------	-------------------------------	----------------------------------	----------------------	--------------

اور یاد کرو اس کو	وَ اذْكُرُوهُ	اور ڈرو مجھ سے	وَ اتَّقُونِ	تو نوزن و شوئی کی باتیں	فَلَا رَفِثَ
جس طرح تم کو راہ دکھائی	كَمَا هَدَاكُمْ	اے عظمتدو!	يَاۤوْلِيۤ اَلْاَلْبَابِ	کرتا ہے	وَلَا فُسُوۡقَ
اگر چہ تم	وَ اِنْ كُنْتُمْ	نہیں ہے تم پر	لَيْسَ عَلَيْكُمْ	اور نہ بے حکمی کرتا ہے	وَلَا جِدَالَ
قبل ازیں	مِنْ قَبْلِهِ	کوئی گناہ	جُنَاحٌ	اور نہ جھگڑانا ہے	فِي الْحَجِّ
تا وقتوں میں سے	لَيْسَ الصَّٰلِحِيْنَ	کہ چاہو تم	اَنْ تَبْتَغُوْا	حج میں (احرام میں)	وَمَا تَفْعَلُوْا
پھر پھر تم (طواف کیلئے)	ثُمَّ اٰفِيْضُوْا	روزی	فَضْلًا	اور جو کرتے ہو تم	مِنْ خَيْرٍ
جہاں سے	مِنْ حَيْثُ	اپنے رب سے	مِنْ رَّبِّكُمْ	کوئی اچھا کام	يَعْلَمُهٗ
پھریں	اَفَاصُ	پس جب	فَاِذَا	جانتے ہیں اس کو	اللّٰهُ
لوگ	التَّاسِ	لو تو تم (طواف کیلئے)	اَفَضْتُمْ	اللہ تعالیٰ	وَتَزَوَّدُوْا
اور گناہ بخشو اور	وَ اسْتَغْفِرُوْا	عرفات سے	مِنْ عَرَفٰتٍ	اور توشہ لے لو	فَاِنَّ خَيْرَ
اللہ سے	اللّٰهُ	تو یاد کرو اللہ کو	فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ	پس بے شک بہتری	الزَّادِ
بے شک اللہ تعالیٰ	اِنَّ اللّٰهَ	پاس مشعر	عِنْدَ الْمَشْعَرِ	تو شہ کی	التَّقْوٰى
غفور رحیم ہیں	عَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	حرام کے	الْحَرَامِ	سوال سے بچنا ہے	

۸- حج کے احکام

ربط: تمتع اور قرآن میں قربانی کا ذکر آیا تھا، اس لئے اب حج کے احکام بیان فرماتے ہیں:

۱- حج کا وقت: حج کے لئے دو میقاتیں ہیں: زمانی اور مکانی: میقات کے معنی ہیں: احرام باندھنے کا مقررہ وقت، اور جگہ، میقات زمانی: شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس بارہ دن ہیں، حج کے پانچ دن ہیں، آٹھ ذی الحجہ سے بارہ ذی الحجہ تک حج ہوتا ہے، مگر حج کا احرام مقدم باندھ سکتے ہیں، البتہ شوال سے پہلے باندھنا مکروہ ہے، اور میقات مکانی: مکہ میں داخل ہونے والے راستوں پر پانچ جگہیں متعین کی ہیں، وہاں سے حج اور عمرے کا احرام باندھتے ہیں، اور تقدیم جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

﴿ الْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَةٌ ﴾

ترجمہ: حج: چند جانے پہچانے مہینے ہیں — یعنی حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں، ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور عمرہ کے لئے جو چھوٹا حج ہے کوئی وقت متعین نہیں، وہ حج کے ایام کے علاوہ سال بھر ہو سکتا ہے۔

۲- ممنوعاتِ احرام: جب حج کا یا عمرہ کا احرام باندھ لیا تو چند پابندیاں لگ جاتی ہیں، ان کا بیان احادیث و فقہ کی کتابوں میں ہے، البتہ تین کام خاص طور پر ممنوع ہیں: ایک: بیوی سے زین و شوئی کی باتیں کرنا، اشارہ کنایہ میں بھی کوئی بات نہ کرے، دوم: شرعی احکام کی خلاف ورزی نہ کرے، کوئی بھی گناہ کا کام نہ کرے، سوم: کسی سے جھگڑانہ کرے، حج میں بات بات میں جھگڑا ہو جاتا ہے، اس سے بچے، برداشت کرے۔

﴿فَمَنْ قَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾

ترجمہ: پس جو ان (مہینوں) میں حج کو لازم کرے — یعنی حج کا احرام باندھے — تو (بیوی سے) زین و شوئی کی باتیں نہ کرے، اور اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، اور جھگڑانہ کرے حج (کے احرام) میں۔

فائدہ: اب تو سواریاں تیز رفتار ہیں، مہینوں کا سفر دنوں میں اور دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے، پہلے یہ صورت نہیں تھی، ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے تھے، اور دس دن میں مکہ پہنچتے تھے، پھر پانچ دن حج میں لگتے تھے، اس لئے اگر آدمی جوان ہو اور بیوی ساتھ ہو تو زین و شوئی کی باتیں ہو سکتی ہیں، اس لئے خاص طور پر اس کی ممانعت کی۔

اور فسوق: مصدر اور اسم فعل ہے، عموماً عملی گناہ کو فسق کہا جاتا ہے اور ضروریات دین کے انکار کو کفر، جیسے ڈاڑھی منڈانا فسق ہے اور ختم نبوت کا انکار کفر، احرام میں ہر گناہ سے بچنا چاہئے، مسجد میں کوئی شخص بیڑی پیئے تو کتنی بری بات ہے، اسی طرح احرام میں بد نظری کرے تو کتنی بری بات ہے!

اور جدال کے معنی ہیں: جھگڑا کرنا، حج میں کسی سے جھگڑا ہو جاتا ہے تو اس کا اثر زندگی بھر رہتا ہے اور دوستی ہو جاتی ہے تو اس کا اثر بھی ہمیشہ رہتا ہے، اس لئے حج کے سفر میں ساتھیوں سے بنائے رکھے، بگاڑے نہیں۔

۳- احرام میں کرنے کے کام: احرام میں سب سے بہتر تلبیہ کی کثرت ہے، علاوہ ازیں ہر نیک کام کرے، نماز کا اہتمام کرے، نفل طواف کرے، نفل نماز پڑھے، قرآن کی تلاوت کرے اور دعاؤ استغفار میں لگا رہے، وقت ضائع نہ کرے، بندہ جو بھی نیک کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں، وہ اس کا بدلہ دیں گے۔

﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ﴾

ترجمہ: اور تم جو بھی اچھا کام کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں۔

۴- حاجی خرچ ساتھ لے کر چلے: زمانہ جاہلیت میں یمن کے لوگ خود کو متوکل کہتے تھے، اور خرچ لئے بغیر حج کے لئے آتے تھے، پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے تھے، ان کا یہ طریقہ غلط تھا، توکل: ترک اسباب کا نام نہیں، اسباب اختیار کر کے اللہ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے، اس لئے حکم دیا کہ حاجی خرچ ہمراہ لے کر چلے، تاکہ مانگنے کی نوبت نہ آئے، پھر اس

حکم کی تاکید کے لئے فرمایا: ”اے عقلمندو! مجھ سے ڈرو!“ یعنی اس حکم کی خلاف ورزی مت کرو، اگر عقل ہو تو اس کی اہمیت سمجھ میں آئے گی، اس کو معمولی حکم نہ سمجھو۔

﴿ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ، وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴾

ترجمہ: اور توشہ ساتھ لے لو، اس لئے کہ توشہ ساتھ لینے کا فائدہ سوال سے بچنا ہے، اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرو!
۵- نقد ساتھ نہ لے کر اسباب تجارت ساتھ لینا بھی کافی ہے: بعض حاجی وطن سے قابل فروخت سامان ساتھ لاتے ہیں، اور حجام استرہ لے کر آتا ہے، پھر سامان بیچ کر یا حجامت بنا کر خوب کماتے ہیں، یہ بھی توشہ ساتھ لینا ہے، حج کے سفر میں تجارت، کاریگری اور مزدوری ممنوع نہیں، لوگوں کو اس میں شبہ ہوا تھا کہ شاید تجارت کرنے سے حج میں نقصان آئے، اس لئے اس کی اجازت دی کہ یہ کوئی گناہ نہیں، مقصود اصلی حج ہو، اور ضمناً تجارت کرے تو ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

﴿ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ ﴾

ترجمہ: تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔

۶- وقوف مزدلفہ واجب ہے، اور وقوف کا وقت فجر کے بعد طلوع سے کچھ پہلے تک ہے: حاجی آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ میں جمع ہوتے ہیں، پھر وہاں سے نو ذی الحجہ کو عرفہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، وقوف عرفہ کا وقت نو ذی الحجہ کے زوال سے دس ذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے، اور وقوف میں دن کے ساتھ رات کا ایک حصہ ملا نا ضروری ہے، پھر غروب کے بعد لوگ عرفہ سے لوٹتے ہیں، راستہ میں مزدلفہ پڑتا ہے، وہاں رات گزارتے ہیں، اور صبح صادق کے بعد فجر کی نماز اول وقت پڑھ کر دعاؤں میں مشغول ہوتے ہیں، یہ وقوف مزدلفہ ہے، اور غیر معذوروں پر واجب ہے۔

مزدلفہ میں مشعر حرام نامی پہاڑ ہے، نبی ﷺ نے اس کے پاس وقوف فرمایا تھا، مگر وقوف مزدلفہ میں ہر جگہ کر سکتے ہیں، اور وقوف سورج نکلنے سے کچھ پہلے ختم کر کے منیٰ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، زمانہ جاہلیت میں لوگ سورج نکلنے کے بعد روانہ ہوتے تھے، نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کی، اور طلوع آفتاب سے کچھ پہلے وقوف ختم کر دیا اور منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے، یہی اسلامی طریقہ اور ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، جاہلیت کے لوگ اس سے ناواقف تھے، ان کا طریقہ خود ساختہ تھا، اس کی پیروی نہ کی جائے، نیز وہ شرک کے ساتھ ملا کر اللہ کا ذکر کرتے تھے، اس سے بھی بچا جائے اور ایک اللہ کا ذکر کیا جائے۔

﴿ فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَيْتُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ

مِّن قَبْلِهِ لَمِن الصَّالِينَ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم عرفہ سے (طواف زیارت کے لئے) لوٹو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو، اور اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو راہ دکھائی، اگرچہ تم پہلے (صحیح طریقہ سے) ناواقف تھے!

۷۔ وقوف عرفہ ہر حاجی پر فرض ہے، اور وہ گناہ بخشوانے کی جگہ ہے: زمانہ جاہلیت میں حج میں جو خرابیاں در آئی تھیں ان میں سے ایک خرابی یہ تھی کہ قریش اور ان کے ہم مذہب حج میں عرفہ نہیں جاتے تھے، مزدلفہ میں رک جاتے تھے، مزدلفہ حرم میں ہے، باقی لوگ عرفات سے لوٹتے تھے، عرفات حرم سے باہر ہے، قریش کہتے تھے: ہم خمس (دین میں مضبوط) ہیں، اور ہم قسطن اللہ (اللہ کے گھر کے باسی) ہیں، ہم حرم سے نہیں نکلیں گے، حالانکہ وہ تجارت کے لئے شام اور یمن جاتے تھے، اس لئے حکم دیتے ہیں کہ جہاں سے (عرفات سے) سب لوگ طواف زیارت کے لئے لوٹتے ہیں تم بھی وہاں جا کر لوٹو، یہ خطاب خاص قریش سے ہے۔

پھر آخر آیت میں وقوف عرفہ کے فائدہ کا بیان ہے کہ وہ گناہ بخشوانے کی جگہ ہے، تم خود کو اس سے کیوں محروم کرتے ہو، مسلم شریف کی روایت ہے کہ عرفہ کے دن جتنے لوگ جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں اتنے کسی اور دن آزاد نہیں کئے جاتے، اللہ تعالیٰ اس دن قریب ہوتے ہیں، پھر حاجیوں کے ذریعہ ملائکہ پرفخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ”میرے یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟“ (مغفرت چاہتے ہیں) وقوف عرفہ حج کا سب سے اہم رکن ہے، وہاں خاص دعا مغفرت طلبی کی ہونی چاہئے۔

﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٥﴾﴾

ترجمہ: پھر لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں، اور (عرفہ میں) اللہ سے گناہ بخشو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے گناہ

بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ﴿٣٦﴾
وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٣٧﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٨﴾
وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ
وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ لِمَنِ التَّقِيُّ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ
تُحْشَرُونَ ﴿٣٩﴾

اور یاد کرو	وَادْكُرُوا	اور ان میں سے بعضا	وَمِنْهُمْ	پس جب	قَادًا
اللہ کو	اللَّهِ	جو کہتا ہے	مَنْ يَقُولُ	پورے کر لو تم	قَضَيْتُمْ
دنوں میں	فِي آيَاتِهِ	اے ہمارے رب!	رَبِّنَا	اپنے حج کے کام	مَنَاسِكِكُمْ ^(۱)
کنٹی کے	مَعْدُودَاتٍ	دیتے ہیں	اِتِنَا	تو یاد کرو	قَادْكُرُوا
پس جس نے جلدی کی	فَمَنْ تَعَجَّلَ	دنیا میں	فِي الدُّنْيَا	اللہ کو	اللَّهِ
دو دنوں میں	فِي يَوْمَيْنِ	خوبی	حَسَنَةً	تمہارے یا کرنے کی طرح	كَذِكْرِكُمْ
تو کوئی گناہ نہیں	فَلَا لَكُمْ	اور آخرت میں	وَفِي الْآخِرَةِ	اپنے باپ دادوں کو	آبَاءَكُمْ
اس پر	عَلَيْهِ	خوبی	حَسَنَةً	یا اس سے بھی زیادہ	أَوْ أَشَدَّ
اور جس نے تاخیر کی	وَمَنْ تَأَخَّرَ	اور پچائیے ہمیں	وَقِينَا	یاد کرنا	يَذْكُرًا
پس کوئی گناہ نہیں	فَلَا لَكُمْ	عذاب	عَذَابِ	پس بعض آدمی	فِي النَّاسِ
اس پر	عَلَيْهِ	دوزخ سے	النَّارِ	جو کہتا ہے	مَنْ يَقُولُ
اس کے لئے جوڑے	لِمَنْ اشْفَى	انہی لوگوں کے لئے	أُولَئِكَ لَهُمْ	اے ہمارے رب!	رَبِّنَا
اور ڈرو	وَاتَّقُوا	حصہ ہے	نَصِيبٌ	دیتے ہیں	اِتِنَا
اللہ سے	اللَّهِ	ان کی کمائی سے	مِمَّا كَسَبُوا ^(۲)	دنیا میں	فِي الدُّنْيَا
اور جان لو	وَأَعْلَمُوا	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اور نہیں ہے اس کیلئے	وَمَا لَهُ
کہ تم اس کی طرف	أَنْتُمْ رَالِيهِ	جلدی	سَرِيعٌ	آخرت میں	فِي الْآخِرَةِ
جمع کئے جاؤ گے	تُحْشَرُونَ	حساب لینے والے ہیں	الْحِسَابِ	کوئی حصہ	مِنْ خَلْقٍ

۸- حج کے باقی احکام

۸- منیٰ میں کرنے کے کام: دس ذی الحجہ کو مزدلفہ سے منیٰ آ کر پہلے حاجی حجرہ عقبہ کی رمی کرتے ہیں، اس کا وقت دس کی صبح صادق سے گیارہ کی صبح صادق تک ہے، مگر سب لوگ اول وقت رمی کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اثر دھام ہو جاتا ہے اور حادثات پیش آتے ہیں، پس جلدی نہیں کرنی چاہئے، جب چھیڑ ہو جائے تب رمی کرے۔

پھر قارن اور متمتع قربانی کرتے ہیں، ان پر قربانی واجب ہے، مفرد پر قربانی واجب نہیں، پھر سر منڈوا کر یا زلفیں بنوا کر

(۱) مناسک: مَنْسِكْ کی جمع: اعمال حج۔ (۲) مِمَّا كَسَبُوا: ما: مصدر یہ ہے۔

احرام کھول لیتے ہیں، اور نہادھو کر سلعے ہوئے کپڑے پہن لیتے ہیں، اب احرام کھل گیا، احرام کی پابندیاں ختم، مگر بیوی ابھی حلال نہیں ہوئی، پھر دس ہی کو مکہ جاتے ہیں اور طواف زیارت کرتے ہیں، یہ حج کا دوسرا اہم رکن ہے، اس کے بعد حج کی سعی کرتے ہیں، اب بیوی بھی حلال ہو گئی، پھر منیٰ لوٹ آتے ہیں اور رات منیٰ میں گزارتے ہیں، طواف زیارت کا وقت بارہ کی شام تک ہے، اور منیٰ کے ایام میں راتیں منیٰ میں گزارنا سنت ہے، اب حج کے اہم کام پورے ہو گئے۔

پھر گیارہ، بارہ ذی الحجہ، اور چاہیں تو تیرہ بھی ایام منیٰ ہیں، گیارہ بارہ میں زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے، یہ رمی واجب ہے، اور کوئی تیرہ کو بھی منیٰ میں رک جائے تو زوال سے پہلے بھی رمی کر سکتا ہے۔

اور منیٰ کے دنوں میں تکبیریں کہنا، اللہ کا ذکر کرنا اور دعاؤں میں مشغول رہنا ہے، فرض نمازوں کے بعد ایک مرتبہ جہراً تکبیر تشریح کہنا واجب ہے، عورتیں آہستہ کہیں، اور ایک سے زیادہ مرتبہ تین تک تکبیریں کہنے کا ذکر بھی فقہ کی کتابوں میں ہے، اور رمی کرتے وقت ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہنا سنت ہے۔

علاوہ ازیں: شب و روز تکبیر کہنا بھی سلف سے مروی ہے، اور دیگر اذکار، نماز، تلاوت اور اوراد میں مشغول رہنا چاہئے، زمانہ جاہلیت میں منیٰ میں بازار لگتا تھا، مشاعرے ہوتے تھے اور خوب فخریہ قصیدے پڑھے جاتے تھے، اس کی جگہ اسلام نے اللہ کا ذکر رکھا، اس کا غلغلہ: فخریہ قصائد سے بھی بلند ہونا چاہئے۔

اور منیٰ کے ایام کا ایک خاص کام دعا کرنا ہے، جاہلیت میں کفار اور آج کے دنیا پرست صرف دنیا مانگتے ہیں، ان کو جو دنیا مقدر ہوتی ہے ملتی ہے، مگر آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اور مومن بندے دنیا کی خوبی بھی مانگتے ہیں اور آخرت کی خوبی (جنت) بھی، اور دوزخ کے عذاب سے پناہ چاہتے ہیں، ان کی دنیا کی مراد بھی پوری ہوتی ہے اور آخرت کا ثواب بھی جلد ملنے والا ہے، اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں، قیامت بس آیا ہی چاہتی ہے۔

ان کی جو دعا قرآن میں آئی ہے وہ ایک جامع دعا ہے، نبی ﷺ بھی یہ دعا مانگتے تھے، ہمیں بھی یہ دعا بکثرت مانگنی چاہئے: ﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾: اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی (جنت) عطا فرما، اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا (آمین)

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مِّنْ اَسْئَلِكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشْدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلٰقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝﴾

ترجمہ: پھر جب تم (دس ذی الحجہ کو) اپنے حج کے کام پوری کر لو تو (منیٰ میں ایام منیٰ میں) اللہ کو یاد کرو، جیسے (جاہلیت میں) تم اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے تھے (یعنی مشاعرہ میں فخریہ قصائد پڑھتے تھے) یا اس سے بھی زیادہ یاد کرو (اور دعا کرو) پس بعضا انسان (جاہلیت میں) کہتا تھا: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دیجئے! — اس نے حَسَنَةً نہیں کہا، اس کو دنیا میں 'خوبی' نہیں چاہئے، بس دنیا ہی چاہئے — اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں — اور دنیا میں جو مقدر ہے وہ ملے گا۔

اور بعضا انسان (مؤمن) کہتا ہے: "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (بھی) خوبی دیجئے، اور آخرت میں (بھی) خوبی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیے!" — انہی لوگوں کے لئے ان کی کمائی کا بڑا حصہ ہے — یعنی دنیا میں کئے ہوئے نیک کاموں کا دوچند بدلہ ملے گا — اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں — یعنی آخرت کا صلہ ملنے میں کچھ دیر نہیں، بس قیامت آیا ہی چاہتی ہے، اس دن ان کے وارے نیا رے ہو جائیں گے۔

۹- تیرہ ذی الحجہ کی رمی اختیاری ہے: گیارہ، بارہ ذی الحجہ کی رمی تو واجب ہے اور اس کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے، اور اگلی رات کی صبح صادق تک رہتا ہے، اور تیرہ ذی الحجہ کی رمی اختیاری ہے، جو شخص بارہ کو غروب شمس سے پہلے منیٰ سے نکل جائے اس پر تیرہ کی رمی نہیں، اور تیرہ کی رات شروع ہو جائے تو اب تیرہ کی رمی کر کے جائے، البتہ تیرہ کو زوال سے پہلے بھی رمی کر سکتا ہے۔

اور زمانہ جاہلیت میں دورائیں تھیں: ایک: تیرہ کی رمی ضروری ہے، بارہ کو چل دینا گناہ ہے، دوسری: رمی صرف بارہ تک ہے، تیرہ کی رمی گناہ ہے — قرآن نے فیصلہ کیا کہ بارہ تک ہی رمی ضروری ہے، البتہ کوئی تیرہ کو رکے اور رمی کرے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں، بشرطے کہ اللہ سے ڈرے اور گناہ سے بچے، کیونکہ تیرہ کو منیٰ خالی ہو جاتا ہے، اس لئے بدعنوانی کا اندیشہ ہے، مثلاً: معلمین کے ملازمین خیمے اکھاڑ لیتے ہیں، اس لئے ان سے لڑنے لگے، یہ ٹھیک نہیں، ان سے بہتر بارہ کو روانہ ہو جانا ہے۔

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ. فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ لِمَنِ الشَّقِيُّ﴾

ترجمہ: اور اللہ کو یاد کرو گنتی کے چند دنوں میں — یعنی ایام منیٰ میں جمرات کی رمی کرو، اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہو، اور دیگر اذکار بھی کرو — پس جو دو دنوں میں جلدی لوٹ گیا — یعنی بارہ کی شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے منیٰ سے نکل گیا — تو اس پر کوئی گناہ نہیں — کیونکہ تیرہ کی رمی ضروری نہیں — اور جس نے تاخیر کی —

اور منیٰ میں رکارہا۔ اس پر بھی کوئی گناہ نہیں، اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے۔ اور کوئی بد عنوانی نہ کرے۔

ملاحظہ: اونٹوں کے چرواہوں کو دو دن کی رمی جمع کرنے کی جو سہولت دی ہے وہ حکم حدیث سے ثابت ہے، اس آیت سے اس کا تعلق نہیں۔

۱۰۔ تقویٰ (اللہ سے ڈرنا) ہر حال میں ضروری ہے: حج کی خصوصیت نہیں، اللہ سے ہر کام میں، ہر حال میں اور ہر وقت ڈرنا ضروری ہے، کیونکہ سب قبوروں سے نکل کر اللہ کے پاس جمع ہونا ہے، اس وقت کا خیال رکھنا ہر وقت ضروری ہے۔

﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو! اور جان لو کہ تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے!

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ ۖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۗ وَإِذَا تَوَلَّى سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۗ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْبِهَادُ ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۗ

پینٹھ پھیرتا ہے	تَوَلَّى	اللہ کو	اللہ	اور بعضا انسان	وَمِنَ النَّاسِ
دوڑتا ہے	سَعَىٰ	اس بات پر جو	عَلَىٰ مَا	(وہ ہے) جو پسند آتی	مَنْ يُعْجِبُكَ
زمین میں	فِي الْأَرْضِ	اس کے دل میں ہے	فِي قَلْبِهِ	ہے آپ کو	قَوْلُهُ
تا کہ فساد مچائے	لِيُفْسِدَ	اور وہ	وَهُوَ	اس کی بات	فِي الْحَيَاةِ
اس میں	فِيهَا	سخت	أَلَدُّ ^(۲)	زندگی میں	الدُّنْيَا
اور تباہ کرے	وَيُهْلِكَ	جھگڑا لو ہے	الْخِصَامِ ^(۳)	دنیا کی	وَيُشْهَدُ ^(۱)
کھیتی	الْحَرْثَ	اور جب	وَإِذَا	اور گواہ بناتا ہے وہ	

(۱) شہادت میں قسم کے معنی ہیں (۲) أَلَدُّ: سخت جھگڑا لو، لَدُّ سے اسم تفضیل یا صفت مشبہ (۳) الْخِصَامِ: یا تو مصدر ہے یا خصم کی جمع ہے، اس کے معنی بھی ہیں: جھگڑا کرنا، اور اضافت بمعنی فی ہے، یعنی جھگڑا کرنے میں سخت۔ قاعدہ: جب مضاف مضاف الیہ ہم معنی ہوں تو مضاف میں تجرید کرتے ہیں، پس أَلَدُّ کے معنی ہو گئے: سخت۔

وَالنَّسْلُ ^(۱)	اور اولاد کو	أَخَذَتْهُ	(تو) پکڑتی ہے اس کو	مَنْ يَشْرِي ^(۳)	(وہ ہے) جو خریدتا ہے
وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	العِزَّةُ ^(۲)	نخوت (غرور)	نَفْسُهُ	اپنی جان
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	بِالْإِثْمِ	گناہ کے ساتھ	ابْتِغَاءً ^(۴)	چاہتے ہوئے
الْفَسَادَ	فساد (بگاڑ) کو	فَحَسْبُهُ	پس کافی ہے اس کو	مَرْضَاتٍ ^(۵)	خوشنودی
وَإِذَا قِيلَ	اور جب کہا جاتا ہے	جَهَنَّمَ	دوزخ	اللَّهُ	اللہ کیا
لَهُ	اس سے	وَلَيْسَ	اور البتہ برا ہے (وہ)	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
إِثْقَ	خوف کر	الْبِهَادُ	گہوارا	رَوْفًا	نہایت مہربان ہیں
اللَّهُ	اللہ کا	وَمِنَ النَّاسِ	اور بعضا انسان	بِالْعِبَادِ	(اپنے) بندوں پر

منیٰ کی دعائیں اور ان کے مختلف اثرات

منیٰ میں کفار اور منافقین نے دعا کی تھی: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں دے!“ یعنی دنیا میں مالا مال کر دے، اور مومنین دعا کرتے ہیں: ”اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں خوبی عطا فرما اور آخرت میں بھی خوبی عطا فرما!“ اب دو مثالیں ذکر فرماتے ہیں، اور دونوں دعاؤں کے زندگی پر مرتب ہونے والے مختلف اثرات دکھاتے ہیں:

۱۔ جس نے دنیا مانگی اور مقدر کی ملی اس کا حال: انخس بن شریق ایک منافق تھا، مالدار، عزت دار اور فصیح و بلیغ، خدمت نبوی میں آتا تو قسمیں کھا کر اسلام کا دعویٰ کرتا، آپ اس کی چکنی چھری باتوں سے متاثر ہو کر قریب بٹھاتے، پھر جب وہ مجلس نبوی سے اٹھ کر جاتا تو فساد، شرارت اور لوگوں کو ستانے میں لگ جاتا، کسی کی کھیتی اجاڑتا، کسی کے گدھے مار دیتا، اور جب اس سے لوگ کہتے کہ خدا کا خوف کر تو پارہ چڑھ جاتا، اور ضد میں بھر جاتا، یہ صرف دنیا مانگنے والوں کا حال ہے، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ بہت برا پالنا ہے!

۲۔ دارین کی خوبیاں مانگنے والے کا حال: حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے، راستہ میں کفار قریش کی ایک جماعت نے راستہ روکا، حضرت صہیبؓ سواری سے اتر کر کھڑے ہو گئے، اور ان کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب نکال لئے، اور کہا: تم جانتے ہو میں تیر اندازی میں ماہر ہوں، تم میرے پاس اس وقت

(۱) النَّسْلُ کے معنی ہیں: اولاد، اور آیت میں شان نزول کے قرینہ سے مویشی (گدھے) مراد ہیں (۲) الْعِزَّةُ: عَزَّ يَعْزُؤُكَ مصدر ہے: غلبہ، زور، بزرگی، غرور، بڑائی (۳) شَرِيٌّ (ض) شِرَاءٌ: بیچنا، خریدنا، اضداد میں سے ہے۔ (۴) ابْتِغَاءً: مفعول لہ ہے (۵) مَرْضَاتٍ: اسم مصدر: خوشنودی، رضامندی۔

تک نہ پہنچ سکو گے جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے، اور تیروں کے بعد تلوار سے کام لوں گا، اور اگر تم نفع کا سودا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتہ بتا دیتا ہوں، جو مکہ میں رکھا ہے، تم وہ مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو، وہ راضی ہو گئے اور حضرت صہیبؓ صحیح سلامت مدینہ پہنچ گئے، جب انہوں نے نبی ﷺ کو یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا: ”تمہارا سودا نفع بخش رہا! تمہارا سودا نفع بخش رہا!“

اور یہ تو ایک واقعہ ہے، مفسرین نے دیگر صحابہ کے ایسے کئی واقعات لکھے ہیں، یہ دنیا دے کر دین بچانا ہے، یہی دنیا کی خوبی ہے، جو اللہ تعالیٰ مومنین کو عطا فرماتے ہیں۔

آیات کریمہ: ۱- اور بعضا انسان ایسا ہوتا ہے کہ آپؐ کو اس کی بات پسند آتی ہے دنیا کی زندگی کے بارے میں — یعنی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے — اور اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہے — یعنی قسم کھا کر ایمان کا اور اسلام سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے — حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے — جھگڑنے پر آتا ہے تو کسر نہیں چھوڑتا — اور جب (مجلس نبوی سے) اٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا ہے تاکہ فساد مچائے اور کھیتی اور مویشی کو تلف کرے، اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا خوف کر! تو اس کو نخوت (گھمنڈ) گناہ پر اور بھی ابھارتی ہے — یعنی منع کرنے سے اس کو اور زیادہ ضد چڑھتی ہے — سو اس کے لئے دوزخ کافی ہے، اور وہ بہت بری آرام گاہ ہے! — اور بعضا انسان ایسا ہوتا ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے (مال دے کر) اپنی جان خریدتا ہے — یعنی بچاتا ہے — اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں پر نہایت مہربان ہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۗ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٠﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠١﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢٠٢﴾ سَلَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَاتٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٠٣﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	آمَنُوا	ادْخُلُوا	إِيمَانِ لَائِي	آمَنُوا	اے وہ لوگو جو
------------------------	---------	-----------	-----------------	---------	---------------

پوچھ	سَلَّ	زبردست	عَزِيزٌ	اسلام میں	فِي السَّلَامِ ^(۱)
بنی اسرائیل سے	بَنِي إِسْرَائِيلَ	بڑی حکمت والے ہیں	حَكِيمٌ	پورے پورے	كَافَةٌ ^(۲)
کتی دیں، ہم نے ان کو	كَمْ أَتَيْنَهُمْ	نہیں راہ دیکھتے وہ	هَلْ يَنْظُرُونَ ^(۳)	اور نہ پیروی کرو	وَلَا تَتَّبِعُوا
نشانیوں	مِّنْ آيَاتِنَا	مگر اس بات کی کہ	إِلَّا أَنْ	پیروں کی	خَطَوَاتِ
کھلی	بَيِّنَاتٍ	آئیں ان کے پاس	يَأْتِيَهُمْ	شیطان کے	الشَّيْطَانِ
اور جو بدل دے	وَمَنْ يُبَدِّلْ	اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	پیشک وہ تمہارے لئے	إِنَّهُ لَكُمْ
نعمت	نِعْمَةً	ساتبانوں میں	فِي ظُلْمٍ ^(۴)	کھلا دشمن ہے	عَدُوٌّ مُّبِينٌ
اللہ کی	اللَّهُ	بادل کے	مِنَ الْعَمَامِ	پھر اگر	فَإِنْ
بعد	مِنْ بَعْدِ	اور فرشتے	وَالْمَلَائِكَةِ	پیر پھسل جائیں تمہارے	زَلَّكْتُمْ
اس کے آنے کے	مَا جَاءَتْهُ	اور طے کر دیا جائے	وَقَضَىٰ	بعد	مِنْ بَعْدِ
تو اللہ تعالیٰ یقیناً	فَإِنَّ اللَّهَ	معاملہ	الْأَمْرُ	تمہارے پاس آنے	مَا جَاءَتْكُمْ
سخت	شَدِيدٌ	اور اللہ کی طرف	وَأَلَى اللَّهِ	واضح دلائل کے	الْبَيِّنَاتِ
سزا والے ہیں	الْعِقَابِ	لوٹیں گے	تُرْجَعُ	پس جان لو	فَاعْلَمُوا
		تمام معاملات	الْأُمُورِ	کہ اللہ تعالیٰ	أَنَّ اللَّهَ

سچے پکے مسلمان خوبی سے ہم کنار ہوتے ہیں

جو مومنین منیٰ میں یا دوسرے مواقع میں حَسَنَةً کی دعائیں کرتے ہیں ان کو خوبی اس وقت حاصل ہوگی جب وہ سو فیصد مسلمان بنیں، نام کے مسلمان ہونے سے اور محض دعائیں مانگنے سے خوبی حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اللہ تعالیٰ مومنین سے فرماتے ہیں: ”اسلام میں پورے پورے آ جاؤ“ یعنی احکام اسلام کی پوری طرح پیروی کرو، اسلام محض ایک مذہب نہیں، بلکہ پورا نظام حیات ہے، اعتقادات، عبادات، معاشرت، شخصی زندگی، معاشی اور اقتصادی نظام، سیاست اور طریق حکومت، بین ملکی تعلقات اور اخلاقی تعلیمات، غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ نہیں، جس میں اسلام نے راہ نمائی نہ کی ہو، ان سب امور میں اسلامی احکام پر عمل کرنا اسلام میں پورا پورا داخل ہونا ہے، اور بعض احکام پر عمل کرنا اور بعض پر عمل نہ کرنا شیطان کی

(۱) سَلَّمَ (سین کا زبر اور زیر) بمعنی مصالحت بھی آتا ہے اور بمعنی اسلام بھی، یہاں اسلام کا مترادف ہے (۲) کافۃ: ادخلوا کے فاعل سے حال ہے۔ (۳) هل: استفہام انکاری ہے (۴) ظلم: ظلۃ کی جمع: ساتبان۔

پیروی ہے، اور وہ انسان کا کھلا دشمن ہے، خواہشات کے پیچھے لگا دیتا ہے، اور احکام اسلام سے غافل کر دیتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّلَامِ كَاقْتِسَافٍ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠﴾﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے آ جاؤ — ایمان: تصدیق (دل سے ماننے) کا نام ہے، اور اسلام: اعمال کا نام ہے، ایمان بیخ ہے اور اسلام اس سے نکلنے والا درخت، بیخ سے اگر درخت نہ نکلے تو پھل کہاں سے کھائے گا — اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو — شیطان نے تعمیل حکم سے انکار کیا اور راندہ درگاہ ہوا، مومن بھی احکام اسلام کا انکار کرے گا تو اللہ کا پیرا کیسے ہوگا — بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے — اس کی دشمنی ڈھکی چھپی نہیں، پھر مومن اس کے چکمہ میں کیوں آئے!

بے عمل مسلمانوں کو انتباہ

شریعت کے احکام صاف صاف قرآن و حدیث میں بیان کر دیئے گئے ہیں، اب بھی جو مسلمان ان پر عمل نہیں کرتے وہ خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، کوئی بھی سزا دے سکتے ہیں، مگر بڑے حکمت والے بھی ہیں، مصلحت کے موافق سزا دیتے ہیں، مسلمانوں سے وعدہ ہے: ﴿أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہوئے [آل عمران ۱۳۹] مگر آج صورت حال بدل گئی ہے، رسوائی ان کا مقدر بن گئی ہے، یہ ان کی بے عملی کی سزا ہے، آج مسلمان ذلت کا رونا تو روتا ہے، مگر ملت کی بے عملی پر نظر نہیں ڈالتا۔

﴿فَإِنْ زُلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢١﴾﴾

ترجمہ: پھر اگر تم پھسل جاؤ تمہارے پاس واضح دلائل آنے کے بعد تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں!

فائدہ: مسلمانوں کی بے عملی کی کتنی خوبصورت تعبیر ہے: ”تم پھسل جاؤ!“ یعنی بے خبری میں دین سے دور جا پڑو!

بد عمل مسلمانوں کو سخت انتباہ

جو لوگ اسلام کے صاف صاف احکام کے بعد بھی اپنی کج روی سے باز نہیں آتے: ان کو سخت دھمکی دیتے ہیں کہ کیا صرف اس کی کسر ہے کہ اللہ پاک خود ابر کے سائبان میں اور جلو میں فرشتے اتر آئیں، اور ان کی سزا کا فیصلہ کر دیا جائے! اگر ان کو اسی کا انتظار ہے تو وہ بھی ہو کر رہے گا!

﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَىٰ

اللَّهُ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢٢﴾﴾

ترجمہ: وہ لوگ (بد دین مسلمان) صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں اور (ان کے جلو میں) فرشتے ان پر اتریں، اور معاملہ (سزا کا) نمٹا دیا جائے، اور اللہ ہی کی طرف سارے کام لوٹیں گے — یعنی کوئی بھاگ کر کہاں جائے گا؟ اور سزا سے کیسے بچے گا؟ سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے، اس وقت ان بد عملوں کو ان کی بد عملی کی قرار واقعی سزا ملے گی!

فائدہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو جمع فرمائیں گے اور سب حساب و کتاب کے منتظر ہونگے کہ اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کرسی کی طرف اتریں گے، اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ان سائبان کے گرد اگر دلائکہ ہونگے — اللہ تعالیٰ کا آنا مشابہات میں سے ہے، اور صفات مشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع التوفیض ہے، پس بالا جمال اس صفت کا اعتقاد رکھنا چاہئے، کیفیت جاننے کی کوشش نہ کرے کہ وہ عقل سے بالاتر ہے۔

کسی نعمت سے محرومی بھی ایک طرح کی سزا ہے

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتوں سے نوازا، جلیل القدر پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) کو ان کی طرف مبعوث کیا، اپنی عظیم کتاب تورات ان کو عنایت فرمائی، اور دنیا جہاں کے لوگوں پر ان کو برتری بخشی، مگر انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کو سخت سزا دی، ان کی اقوام عالم پر برتری ختم ہو گئی، اور وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے — آج کے مسلمان اس سے سبق لیں، اللہ نے اس امت کو بھی سر بلندی عطا فرمائی تھی، مگر وہ بے عملی بلکہ بد عملی میں مبتلا ہو گئے تو ان کی عظمت قصہ پارینہ بن گئی، پس کیا اس سزا سے ان کی آنکھ کھلے گی؟

ایک واقعہ: بھائی پاڑیا رحمہ اللہ (ساؤتھ افریقہ کے تبلیغی جماعت کے امیر) نے مجھے واقعہ سنایا کہ وہ فلسطین میں قریہ خلیل (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گاؤں) میں جماعت لے کر گئے، گاؤں کی مسجد بند تھی، کوڑے سے بھری ہوئی تھی، جماعت والوں نے اس کو کھولا اور صاف کیا، پھر گاؤں میں گشت کیا، لوگوں سے مسجد میں آنے کے لئے کہا، انھوں نے جواب دیا: ”اللہ نے ہمارا قبلہ (بیت المقدس) ہمارے دشمنوں (یہود) کو دیدیا ہے، پہلے اللہ ہمارا قبلہ واپس کریں تب ہم مسجد میں آئیں گے“ — حالانکہ مسلمانوں کا وہ قبلہ ان کے دشمنوں کو اس لئے دیا تھا کہ وہ اس کے اہل نہیں رہے تھے، اور یہ ان کے لئے ایک سزا تھی، مگر انھوں نے اس کو دوسرے معنی پہنادیئے، فیا للْعَجَب!

﴿سَلِّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِّنْ آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ ۚ وَمَنْ يُبَدِّلِ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا

جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: بنی اسرائیل سے پوچھو: ہم نے ان کو کتنی کھلی کھلی نشانیاں دیں؟ اور جو اللہ کی نعمت کو اس کے آنے کے بعد بدل دے تو اللہ تعالیٰ یقیناً سخت سزا دینے والے ہیں!

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ كَانِ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ قَهَدَ عَلَّمَهُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِآدَانِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ كَانِ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ قَهَدَ عَلَّمَهُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِآدَانِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝	دل کش بنائی گئی	ان لوگوں کیلئے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا	زندگی	دنیا کی	اور ہنسی اڑاتے ہیں وہ	ان لوگوں کی جو ایمان لائے اور جو لوگ	ان سے بالاتر ہونگے	قیامت کے دن اور اللہ تعالیٰ روزی دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں بے گنے (بے شمار)	تھے لوگ	ایک جماعت	پس بھیجے اللہ نے انبیاء خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری ان کے ساتھ آسمانی کتابیں دین حق پر مشتمل
--	-----------------	---	-------	---------	-----------------------	--------------------------------------	--------------------	--	---------	-----------	---

(۱) فبعث سے پہلے فاختلوا محذوف ہے، اور حذف کا قرینہ مبشرین و منذرین ہے، اور یونس (آیت ۱۹) میں یہ محذوف مصرح ہے (۲) مبشرین اور منذرین: النبیین کے احوال ہیں (۳) الكتاب میں الف لام جنسی ہیں، سب کتابیں مراد ہیں (۴) بالحق: الكتاب کا حال ہے۔

اس بات کی جو اختلاف	لِمَا اٰخْتَلَفُوْا ^(۴)	بعد	مِنْ بَعْدِ	تاکہ فیصلہ کرے وہ	لِيَحْكُمَ ^(۱)
کیا انہوں نے	رفیہ	ان کے پاس آنے	مَا جَاءَتْهُمْ ^(۲)	لوگوں کے درمیان	بَيْنَ النَّاسِ
اس میں	مِنْ الْحَقِّ ^(۵)	واضح دلائل کے	الْبَيِّنَاتِ	ان باتوں میں جو	فِيْمَا
یعنی حق بات کی	بِاٰذِنِهِ ^(۶)	بڑائی جتاتے ہوئے	بَغِيًّا ^(۳)	اختلاف کرتے ہیں وہ	اٰخْتَلَفُوْا
اپنے حکم سے	وَاللّٰهُ يَهْدِي	آپس میں	بَيْنَهُمْ	اس میں	فِيْهِ
اور اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں	مَنْ يَّشَاءُ	پس راہ دکھائی	فَهَدٰى	اور نہیں اختلاف کیا	وَمَا اٰخْتَلَفَ
جسے چاہتے ہیں	لِىْ صِرَاطٍ	اللہ نے	اللّٰهُ	اس میں	فِيْهِ
راہ	مُسْتَقِيْمٍ	ان لوگوں کو جو	الَّذِيْنَ	مگر ان لوگوں نے جو	اِلَّا الَّذِيْنَ
سیدھی		ایمان لائے	اٰمَنُوْا	دیئے گئے وہ کتاب	اَوْثُوْهُ

۹۔ مسلمانوں کی پستی کا سبب مال کی کمی یا عمل کی کمی؟

مکہ کے مشرکین اور مدینہ کے یہود اقتصادیات میں مسلمانوں سے بڑھے ہوئے تھے، اور شروع میں اسلام قبول کرنے والے کمزور تھے، اس لئے کفار نادار مسلمانوں کی ہنسی اڑاتے تھے، کہتے تھے: تم نے نیامدہب اختیار کر کے کیا پایا؟ آج بھی دانشور اور سیاسی مسلمان: مسلمانوں کی پستی کا سبب ان کی اقتصادی کمزوری کو قرار دیتے ہیں، بے عملی اور بد عملی کی طرف ان کی نظر نہیں جاتی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: دین اسلام قبول نہ کرنے والوں کے نزدیک چونکہ مال ہی بڑا کمال ہے اس لئے وہ غریب مسلمانوں کا ٹھٹھول کرتے ہیں، مگر وہ نہیں جانتے کہ اصل زندگی آگے ہے، آخرت میں یہ کھوٹے سکے ان سے برتر و بالا ہونگے، پس اگر دنیا میں چند روزیہ کم تر ہوئے تو کیا حرج ہے؟ — اور دنیا میں روزی صرف کافروں کو نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے گنہ دیتے ہیں، آج عام مسلمانوں اور حکومتوں کے پاس دولت کی کیا کمی ہے؟ مگر پستی گہری ہو رہی ہے!

﴿ زَيْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اٰتَقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ

(۱) لیحکم کا فاعل: اللہ، کتاب اور نبی تینوں ہو سکتے ہیں۔ (۲) ما: مصدر یہ ہے اور جملہ مضاف الیہ ہے (۳) بغیاً: مفعول لہ یا حال ہے اور بغی: باب ضرب کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: ضد، سرکشی، زیادتی، میانہ روی سے تجاوز کرنا اور بینہم: بغیاً کی صفت یا حال ہے (۴) لما اختلفوا: ہدی سے متعلق ہے اور ما: مصدر یہ ہے (۵) من الحق: من بیان یہ ہے، اور یہ لہما کے ما کے حال کی جگہ میں ہے اور محذوف سے متعلق ہے (۶) بإذنه: ہدی سے متعلق ہے۔

الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

ترجمہ: کافروں کے لئے دنیا کی زندگی دل کش بنائی گئی، اور وہ ایمان لانے والوں کی ہنسی اڑاتے ہیں، اور متقی مسلمان قیامت کے دن ان سے بالاتر ہونگے، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے شمار روزی دیتے ہیں — قرآن کریم نیک مسلمانوں کو خوش خبری سناتا ہے، عام مسلمانوں کو بشارت نہیں سناتا، لہذا مسلمان نیک بننے کی کوشش کریں تاکہ بشارت کے حقدار بنیں!

پستی کا ایک سبب گمراہ فرقے ہیں

شروع میں سب لوگ دین حق پر تھے

جاننا چاہئے کہ پہلا انسان پہلا نبی ہے، پھر آدم علیہ السلام کی نسل ایک عرصہ تک اللہ کے دین پر قائم رہی، پھر شیطان کے ورغلانے سے اور طبائع کے اختلاف سے اختلافات شروع ہوئے، کچھ لوگ دین پر قائم رہے اور کچھ لوگ دین سے نکل گئے، پس اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ قائم فرمایا، انبیاء نے دین داروں کو خوش خبری سنائی اور بے دینوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا، اور اللہ نے نبیوں پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں، جو دین کی تعلیمات پر مشتمل تھیں، ان کے ذریعہ حق و باطل کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔

﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ سَوَّأْنَزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ﴾

ترجمہ: لوگ ایک جماعت تھے — یعنی سب لوگ دین حق پر قائم تھے، پھر ان میں پھوٹ پڑی — پس اللہ نے نبیوں کو مبعوث فرمایا، خوش خبری دینے کے لئے اور ڈرانے کے لئے، اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں، جو دین حق پر مشتمل تھیں، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں وہ مختلف ہو رہے تھے۔

پھر ملتی اختلافات شروع ہوئے اور حقیقت گم ہو گئی!

پھر ملتی اختلافات شروع ہوئے، یعنی ایک ملت کے ماننے والوں میں اختلافات شروع ہوئے، یہود و نصاریٰ میں اختلافات ہوئے، اور مختلف فرقے وجود میں آئے، فرماتے ہیں: پھر جن لوگوں کو آسمانی کتاب دی گئی، ان میں اختلافات شروع ہوئے، ان کے پاس صریح دلائل آنے کے بعد، اور اختلاف بڑائی جتانے کی وجہ سے ہوا، کچھ لوگوں نے اپنی چلانی چاہی، اور انھوں نے نئی راہ نکالی، اس طرح یہود و نصاریٰ میں گمراہ فرقے وجود میں آئے اور حقیقت گم ہو گئی، کوئی فرقہ حق پر

باقی نہ رہا، سب جہنم میں گئے۔

﴿ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ ﴾

ترجمہ: اور دین میں انہی لوگوں نے اختلاف کیا جو وہ (دین) دیئے گئے تھے، ان کے پاس واضح دلائل آجانے کے بعد، ایک دوسرے پر بڑائی جتاتے ہوئے — ملت میں اختلاف کا یہی سبب ہوتا ہے، طالع آزما اپنی چلانا چاہتے ہیں اور نئی راہ نکالتے ہیں اور چونکہ ان ملتوں کے لئے بقاء مقدر نہیں تھا، اس لئے کوئی فرقہ حق کا حامل نہ رہا۔

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک جماعت ہمیشہ حق پر برقرار رہے گی

یہودیت اور نصرانیت کے اختلافات اس حد تک پہنچ گئے کہ مذہب کی حقیقت گم ہو گئی، کوئی فرقہ صحیح دین پر باقی نہ رہا، حدیث میں ہے کہ یہود کے اکہتر فرقے ہوئے اور نصاریٰ کے بہتر، اور سب دوزخ میں گئے، یعنی ملتی اختلاف میں عیسائی، یہود سے ایک ہاتھ آگے نکل گئے، اور ان میں سے کوئی حق پر نہ رہا، اس لئے سب دوزخ میں گئے۔

پھر اسلام کا زمانہ آیا، مسلمانوں میں بھی ملتی اختلافات شروع ہوئے، اور وہ پیش رو فرقوں سے آگے نکل گئے، ان کے ہتھتر فرقے ہوں گے، مگر حقیقت گم نہیں ہوگی، ایک جماعت ہمیشہ دین حق پر ثابت رہے گی، کیونکہ یہ آخری دین ہے، اور قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے، اس کی روشنی قیامت تک باقی رہنی ضروری ہے، اس لئے اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے، اور قرآن کی دعوت کا ماڈل (نمونہ) بھی باقی رہنا ضروری ہے، تاکہ بے پڑھے ماڈل دیکھ کر اسلام کو سمجھیں، یہی حق پر باقی رہنے والی جماعت اہل السنہ والجماعہ ہیں، مخالفت کی آندھیاں چلیں گی مگر اس کا چراغ نہیں بجھے گا۔

﴿ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے مومنین کو دین کے مختلف فیہ مسائل میں حق کی راہ دکھائی، اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں سیدھی راہ دکھاتے ہیں — اس طرح ملت کے ریوڑ میں سے بھیڑیا (شیطان) بڑی تعداد اچک لے گیا، یہ بھی پستی کا ایک سبب بنا، آج اہل حق کی مخالفت سب سے زیادہ یہی گمراہ فرقے کرتے ہیں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۗ
مَسَّهُمُ الْبَاسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا
مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝

اور جو لوگ	وَالَّذِينَ	تم سے پہلے	مِنْ قَبْلِكُمْ	کیا خیال کیا تم نے	أَمْ حَسِبْتُمْ
ایمان لائے ان کے ساتھ	أَمَّنُوا مَعَهُ	چھو یا ان کو	مَشَتْهُمْ	کہ پہنچ جاؤ گے تم	أَنْ تَدْخُلُوا
کب مدد (آئے گی)	مَتَى نَصْرُ	سختی	الْبِئْسَاءِ	جنت میں	الْجَنَّةَ
اللہ کی!	اللَّهُ	اور تکلیف نے	وَالضَّرَّاءِ	حالانکہ اب تک نہیں	وَلَكِنَّا يَا بَنِي كَلْبَةَ
سنو! بیشک	أَلَا إِنَّ	اور ہلائے گئے وہ	وَزَلِيلُوا	آئے تم پر	مَثَلُ الَّذِينَ
اللہ کی مدد	نَصَرَ اللَّهُ	یہاں تک کہ کہنے لگے	حَتَّى يَقُولَ	ان لوگوں جیسے حالات جو	الَّذِينَ
نزدیک ہے	قَرِيبٌ	اللہ کے رسول	الرَّسُولُ	گذر چکے	خَلَقُوا

اہل حق پیش آنے والی مشکلات سے نہ گھبرائیں

اوپر کی آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں بھی ملتی اختلاف ہونگے، گمراہ فرقے وجود میں آئیں گے، مگر ہمیشہ سواد اعظم (بڑی جماعت) حق پر قائم رہے گی، نہ اسلام کی تعلیمات نابود ہونگی نہ اس کا ماڈل (نمونہ) ختم ہوگا، البتہ ابتدا اور انتہا میں مسلمانوں کی حالت کمزور ہوگی، حدیث میں ہے: **إِنَّ الْإِسْلَامَ بَدَأَ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ!** اسلام کس پرسی کی حالت میں شروع ہوا، اور آگے چل کر پھر یہی صورت ہوگی، پس خوش نصیب ہیں بے چارے مسلمان! ابتدائے اسلام میں دشمنوں کے ہاتھ سے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو بہت ایذائیں پہنچی ہیں، مکی دور کے احوال پڑھتے ہیں تو رو نگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور ہجرت کے بعد بھی مکہ والے بار بار مدینہ پر چڑھائی کرتے تھے، مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی ٹھان کر آتے تھے، سکون سے سونا حرام تھا، پھر اللہ کی مدد آئی، مکہ مکرمہ فتح ہوا اور چین نصیب ہوا۔

ایسے ہی حالات اہل حق پر آخر زمانہ میں بھی آئیں گے، مسلمان ان حالات سے نہ گھبرائیں، یہ تو ان کو گندن (خالص سونا) بنانے کے لئے ہیں، کیا مسلمان یہ سوچتا ہے کہ وہ محض کلمہ پڑھ کر جنت میں پہنچ جائے گا! نہیں! گزشتہ اہل حق کو بھی سخت حالات سے گذرنا پڑا ہے، حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو آرے سے چیر دیا جاتا، ایک کی لوہے کی کنکپوں سے کھال کھینچ لی جاتی، مگر یہ چیز اس کو ایمان سے نہیں پھیرتی تھی، اور حالات اتنے سنگین ہو جاتے تھے کہ اس زمانہ کے رسول اور مومنین بہ مقتضائے بشریت پریشان ہو کر پکاراٹھتے تھے کہ الہی! مدد کب آئے گی! تب دریائے رحمت جوش میں آتا اور وحی آتی کہ گھبراؤ نہیں، اللہ کی مدد آیا چاہتی ہے۔

اسی طرح ہر زمانہ کے مسلمانوں کو دشمنوں کے غلبہ اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں سے گھبرانا نہیں چاہئے،

برداشت کریں، اور ہمت نہ ہاریں:

تیزی باو مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ﴿۱۰﴾ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

آیت پاک: کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ جنت میں پہنچ جاؤ گے، حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آچکے ہیں، ان کو سختی اور تکلیف پیش آئی اور وہ ہلا کر رکھ دیئے گئے، یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے کہنے لگے: ”اللہ کی مدد کب آئے گی؟“ سنو! اللہ کی مدد آیا چاہتی ہے!

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى
وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۰﴾

يَسْأَلُونَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	مِنْ خَيْرٍ ^(۱)	مال فراواں سے	وَابْنِ السَّبِيلِ	اور مسافروں کیلئے ہے
مَاذَا	کیا	فَلِلَّوَالِدِينَ	پس ماں باپ کے لئے	وَمَا تَفَعَّلُوا	اور جو خرچ کرو گے تم
يُنْفِقُونَ	خرچ کریں؟	وَالْأَقْرَبِينَ	اور رشتہ داروں	مِنْ خَيْرٍ ^(۱)	بہت مال سے
قُلْ	کہیں	وَالْيَتَامَى	اور یتیموں	فَإِنَّ اللَّهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ
مَا أَنْفَقْتُمْ	جو خرچ کیا تم نے	وَالْمَسْكِينِ	اور محتاجوں	بِهِ عَلِيمٌ	اس کو خوب جانتے ہیں

۱۰۔ مال فراواں سے خرچ کرنے کی جگہیں (مالی قربانی)

جب مسلمانوں کے حالات کمزور ہوں یا اسلام کا کوئی سرپرست نہ ہو تو مصائب سہنے کے علاوہ مال کثیر سے انفاق بھی ضروری ہے، سوال کیا گیا کہ کیا خرچ کریں؟ جواب دیا کہ جس کے پاس مال فراواں ہو، اس کی ضروریات سے زیادہ ہو تو وہ ماں باپ پر، رشتہ داروں پر، یتیموں پر، غریبوں پر اور مسافروں پر خرچ کرے، اور دیگر وجوہ خیر میں خرچ کرے گا تو اس سے بھی اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں! اس کا ثواب بھی ضرور عطا فرمائیں گے۔

فائدہ (۱): یہ انفاق: زکات سے عام ہے، ماں باپ کو زکات دینا جائز نہیں۔

فائدہ (۲): غیر اسلامی ملک میں، بلکہ اب تو مسلمانوں کے ملک میں بھی ملتی کاموں میں خرچ کرنا ضروری ہے، ملت کی گاڑی اسی سے چلے گی، البتہ لوگ مال خوروں سے ہوشیار رہیں۔

آیت کریمہ: لوگ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ بتادیں: جو بھی مال فراواں خرچ کرو تو وہ ماں باپ،

(۱) خیر: بھلائی، ہر اچھا کام، جو چیز سب کو پسند ہو، شر اس کی ضد ہے، اور جب مال کے لئے خیر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ مال ہوتا ہے جو کثیر ہو اور حلال طریقہ پر حاصل کیا گیا ہو۔

رشتہ داروں، یتیموں، غریبوں اور مسافروں پر خرچ کرو، اور تم جو بھی حلال بہت مال (وجوہ خیر میں) خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہیں!

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ، وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ،
وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٥٠

اور وہ	وَهُوَ	کہ ناپسند کرو تم	أَنْ تَكْرَهُوا	لکھا گیا	كُتِبَ
بری ہو تمہارے لئے	شَرٌّ لَّكُمْ	کسی چیز کو	شَيْئًا	تم پر	عَلَيْكُمْ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اور وہ	وَهُوَ	لڑنا	الْقِتَالُ
جانتے ہیں	يَعْلَمُ	بہتر ہو تمہارے لئے	خَيْرٌ لَّكُمْ	در انحالیکہ وہ	وَهُوَ
اور تم	وَأَنْتُمْ	اور ہو سکتا ہے	وَعَسَىٰ	ناگوار ہے	كُرْهٌ
نہیں جانتے	لَا تَعْلَمُونَ	کہ پسند کرو تم	أَنْ تُحِبُّوا	تمہیں	لَّكُمْ
❁	❁	کسی چیز کو	شَيْئًا	اور ہو سکتا ہے	وَعَسَىٰ

جہاد میں فوائد ہیں، اگرچہ یہ حکم لوگوں کو بھاری معلوم ہو! (جانی قربانی)

مال کی قربانی کی طرح جان کی قربانی بھی ضروری ہے، ملت کی سربلندی اسی میں ہے، یہ حکم اگرچہ لوگوں کو ناگوار ہوگا، مگر ان کے لئے مفید ہے، کیونکہ آدمی کی پسند یا ناپسند کا اعتبار نہیں، بیمار کا جی ایک چیز کو چاہتا ہے مگر حکیم منع کرتا ہے تو حکیم کی بات ماننا ضروری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ جہاد میں فوائد ہیں، لوگ اس کو نہیں جانتے، پس وہ اللہ کے حکم کو قبول کریں، اور جان کی بازی لگانے کے لئے تیار رہیں۔

فائدہ: شرعی جہاد کے لئے اجتماعیت اور امارت ضروری ہے، مکی دور میں امارت تھی مگر اجتماعیت نہیں تھی، اس لئے جہاد کا حکم نہیں آیا، پھر جب مدنی دور میں دونوں باتیں حاصل ہوئیں تو جہاد کی اجازت ملی، پہلے دفاعی جہاد کی اجازت ملی، پھر اقدامی جہاد کی نوبت آئی۔

آیت کریمہ: تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے، جبکہ وہ تمہیں ناگوار ہے، اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، اور وہ تمہارے حق میں بری ہو، اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے — اس سے یہ اصولی بات معلوم ہوئی کہ احکام کی مصلحتوں اور حکمتوں کا جاننا ضروری نہیں، بے چوں و چرا

احکام پر عمل کرنا ضروری ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن
سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ
وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يِزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَن
دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَن دِينِهِ فَمَا لَهُ مِن شَيْءٍ إِنَّهُ
كَافِرٌ وَأُولَئِكَ هِيَ سَيِّئَاتُ أَعْمَالِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ أُولَئِكَ يُرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٥٩﴾

یَسْأَلُونَكَ	پوچھتے ہیں وہ آپ سے	وَكَفْرٌ بِهِ	اور اس کو نہ ماننا	أَكْبَرُ	زیادہ بڑا ہے
عَنِ الشَّهْرِ	محترم مہینہ کے	وَالْمَسْجِدِ	اور (روکنا) مسجد	مِنَ الْقَتْلِ	مار ڈالنے سے
الْحَرَامِ	بارے میں	الْحَرَامِ	حرام سے	وَلَا يِزَالُونَ	اور برابر وہ
قِتَالٍ فِيهِ ^(۱)	اس میں لڑنے کے بارے میں	وَإِخْرَاجُ ^(۲)	اور نکالنا	يُقَاتِلُونَكُمْ	لڑیں گے تم سے
قُلْ	کہو	أَهْلِهِ مِنْهُ ^(۵)	اس کے باشندوں کو	حَتَّى يَرُدُّوكُمْ	یہاں تک کہ پھیر دیں تم کو
قِتَالٍ فِيهِ	اس میں لڑنا	عَنِ	اس سے	عَنِ دِينِكُمْ	تمہارے دین سے
كَبِيرٌ	بڑا ہے	إِنِ اسْتَطَاعُوا	زیادہ بڑا ہے	وَكَفْرٌ بِهِ	اگر طاقت رکھیں وہ
وَصَدٌّ ^(۲)	اور روکنا	وَمَنْ يَرْتَدِدْ	اللہ کے نزدیک	عِنْدَ اللَّهِ	اور جو شخص پھر جائے گا
عَنِ سَبِيلِ	راہ	وَالْفِتْنَةُ	اور فتنہ (اللہ کے دین	وَالْفِتْنَةُ	تم میں سے
اللَّهُ	خدا سے	عَنِ دِينِهِ	سے روکنا)	عَنِ دِينِهِ	اپنے دین سے

(۱) قتال فیہ: الشہر الحرام سے بدل اشتمال ہے (۲) صد: مبتدا اور اکبر خیر ہے (۳) المسجد کا عطف سبیل پر ہے
(۴) إخراج کا عطف صد پر ہے (۵) منہ کا مرجع المسجد ہے (۶) اکبر: بڑا، بہت بڑا، اس کا مفہوم کبیرہ گناہ نہیں، البتہ
اس کے مفہوم میں برائی ہے، اور یہ مماشات مع الخصم ہے۔

قِيَمَتْ	پس مرے گا	أَصْحَابُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	فِي سَبِيلِ اللَّهِ	راہِ خدا میں
وَهُوَ كَافِرٌ	در انحالیکہ وہ منکر ہے	هُمْ فِيهَا	وہ اس میں	أُولَئِكَ	وہی لوگ
فَأُولَئِكَ	تو وہی لوگ	خَالِدُونَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	يَزُجُّونَ	امید رکھتے ہیں
حَبِطَتْ	اکارت گئے	إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	رَحِمَتْ	رحمت
أَعْمَانَهُمْ	ان کے کام	أَمَنُوا	ایمان لائے	اللَّهُ	خداوندی کی
فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	وَالَّذِينَ	اور جو لوگ	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَالْآخِرَةِ	اور آخرت میں	هَاجَرُوا	انہوں نے ہجرت کی	عَفُورٌ	بڑے بخشنے والے
وَأُولَئِكَ	اور وہی لوگ	وَجُهَدُوا	اور لڑے وہ	رَّحِيمٌ	بڑے رحم والے ہیں

رجب میں قتل کو کیا روتے ہو، اپنے کروتو تودیکھو!

رابطہ: گذشتہ آیت میں قتال کی فرضیت کا بیان تھا، اب ماہِ رجب میں بے خبری میں ہونے والے ایک قتل کو لے کر مشرکین مکہ نے جو آسمان سرپے اٹھالیا تھا، اس کا جواب ہے۔ جاننا چاہئے کہ جہاد بارہ مہینے جائز ہے، دفاعی بھی اور اقدامی بھی، سورت التوبہ (آیت ۳۶) کی تفسیر میں بہت سے غزوات و سرایا کا ذکر ہے جو اشہر حرام میں پیش آئے۔

شانِ نزول: غزوہ بدر سے پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک دس نفری سریرہ روانہ کیا گیا، اس کو مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ مقام میں قیام کرنا تھا، اور مکہ والوں کی نقل و حرکت سے مدینہ والوں کو مطلع کرنا تھا، اس سریرہ کی ایک تجارتی قافلہ سے ٹکھیر ہو گئی، اس میں عمرو بن الحضرمی مارا گیا، اور دو شخص گرفتار ہوئے، یہ واقعہ اتفاق سے رجب کی پہلی تاریخ میں پیش آیا، پھر جب مشرکین قیدیوں کو چھڑانے کے لئے مدینہ آئے تو انہوں نے شور مچایا کہ مسلمانوں نے حرام مہینوں کا خیال نہیں کیا، رجب میں ہمارے آدمی کو مار ڈالا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں دو باتیں کہی گئی ہیں:

پہلی بات: رجب میں قتل کو کیا روتے ہو تم اپنی حرکتوں پر تو غور کرو، وہ قتل سے سنگین ہیں، ان کی بہ نسبت قتل ہلکی بات ہے۔ مشرکین کی چار حرکتیں: (۱) وہ لوگوں کو دینِ اسلام سے روکتے تھے (۲) خود بھی دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے (۳) لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے تھے، ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو کعبہ شریف کے پاس نماز نہیں پڑھتے دیتے تھے (۴) مہاجرین کو پہلے ہجرتِ حبشہ پر مجبور کیا، پھر ہجرتِ مدینہ پر۔

اللہ کے نزدیک مشرکین کے یہ کام قتل سے زیادہ سنگین ہیں، فتنہ (اللہ کے دین سے روکنا، اور اللہ کا دین قبول کرنے

والوں پر ظلم کرنا) قتل سے بھاری گناہ ہے، کیونکہ قتل سے تو دنیا کی زندگی ختم ہوتی ہے، اور اللہ کے دین سے روکنے سے آخرت برباد ہوتی ہے، اور اشد کے مقابلہ میں اخف کو اختیار کیا جاتا ہے، پس تم اپنی حرکتوں سے رجب میں پیش آنے والے واقعہ کا موازنہ کرو، تمہاری سمجھ میں اس کا جواز آجائے گا۔

دوسری بات: بشرکین مکہ اشہر حرام کا پاس دلچاظ نہیں کریں گے، وہ برابر تمہارے ساتھ لڑیں گے یہاں تک کہ ان کا مقصد حاصل ہو جائے، ان کا مقصد تمہیں دین اسلام سے پھیر دینا ہے، مگر یہ بات ان کے بس میں کہاں ہے؟ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ایمان کی برکت سے کلمہ طیبہ پر مومنین کو دنیا و آخرت میں ثابت قدم رکھتے ہیں، ان کے نہ دنیا میں ایمان سے قدم ڈگمگاتے ہیں، نہ محشر میں وہ جو اس باختہ ہونگے، نہ آگے ان کو کوئی گھبراہٹ پیش آئے گی۔

پھر بات آگے بڑھائی ہے:

فرماتے ہیں: فرض کرو تم میں سے کوئی دین اسلام سے پھر جائے، پھر اس کی موت کفر کی حالت میں آئے تو اس کی دنیا بھی برباد ہوگی اور آخرت بھی، دنیا میں اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی، مسلمان مورث کا وارث نہیں ہوگا، حالت اسلام کی نمازیں اور روزے کا عدم ہو جائیں گے، نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اور آخرت میں ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جائے گا۔

فائدہ: اگر وہ شخص پھر مسلمان ہو جائے، اور وہ فرض حج کر چکا ہو تو بشرط وسعت دوبارہ حج کرنا امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے، اور گذشتہ نماز روزوں کا ثواب نہیں ملے گا (فائدہ ختم ہوا)

پھر جہنمیوں کے بالمقابل مومنین کا ذکر ہے، یہ قرآن کریم کا اسلوب ہے، وہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، فرماتے ہیں: اور جنہوں نے دین اسلام قبول کیا، اور اس کی خاطر وطن چھوڑ دیا اور راہ خدا میں دشمنوں سے لوہالیا وہی لوگ رحمت خداوندی کے سزاوار ہیں، اور اللہ بڑے بخشنے والے ہیں، وہ ان کی کوتاہیوں سے درگزر کریں گے، اور وہ بڑے مہربان ہیں، آخرت میں نعمتوں سے مالا مال کر دیں گے۔

آیات کریمہ: لوگ آپ سے محترم مہینہ (رجب) میں لڑنے کے بارے میں پوچھتے ہیں — کہ مسلمانوں نے اس کا لحاظ کیوں نہیں کیا؟ اور ہمارے آدمی کو قتل کیوں کیا؟ — آپ کہیں: اس میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے — کیونکہ جہاد قبیح لذاتہ اور حسن لغیرہ ہے، جہاد میں لوگوں کو مارا جاتا ہے اس لئے برا ہے، لیکن اس میں اللہ کے دین کی سر بلندی ہے، اس لئے اچھا ہے، پس قتل فی نفسہ برا ہے، یہ مماشات مع الخصم ہے — اور اللہ کے راستے سے (دین اسلام سے) روکنا، اور اس دین کو نہ ماننا، اور مسجد حرام (میں نماز پڑھنے) سے روکنا، اور وہاں کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے

نزدیک سنگین ہے، اور فتنہ (اللہ کے دین سے بچلانا) قتل سے بھی سنگین ہے — یہ تھپڑ مارا کہ تمہارے ان کرتوتوں کے جواب میں رجب میں قتل برا نہیں!

(دوسری بات:) اور مشرکین تم سے برابر لڑیں گے — یعنی وہ محترم مہینوں کا لحاظ نہیں کریں گے — یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، اگر ان کا بس چلے! — یعنی اشہر حرم کا لحاظ دو طرفہ ہونا چاہئے، کافر تو ہر وقت لڑیں اور مسلمان اشہر حرم میں ہاتھ روک لیں تو نقصان کس کا ہوگا؟

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے، پھر بحالت کفر اس کی موت آئے تو ان کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے، اور وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور اللہ کے دین کے لئے دشمنوں سے لوہا لیا وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٠٦﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتْمٰنِ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَآخِوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْتَبْتُمْ إِنْ اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٧﴾

يَسْأَلُونَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	فِيهِمَا	دونوں میں	أَكْبَرُ	بڑا ہے
عَنِ الْخَمْرِ	شراب کے بارے میں	إِثْمٌ كَبِيرٌ	بڑا گناہ ہے	مِنْ نَّفْعِهِمَا	دونوں کے فوائد سے
وَالْمَيْسِرِ	اور سٹے (جوئے) کے	وَمَنَافِعُ	اور فائدے ہیں	وَيَسْأَلُونَكَ	اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں
قُلْ	بارے میں	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مَاذَا	کیا
	کہو	وَإِثْمُهُمَا	اور دونوں کا گناہ	يُنْفِقُونَ	خرچ کریں

(۱) خمر: اصل میں انگور کے کچے پانی کا نام ہے جبکہ نشہ آور ہو جائے، پھر مجازاً ہر نشی شراب کو خمر کہہ دیتے ہیں (۲) المیسر: اسم مصدر: مجوا، مجوا کھیلنا، ہر وہ کھیل جس میں جوئے کی طرح بازی لگائی جائے، یسر (ض، س، ک) یسراً: آسان ہونا، سٹے میں آسانی سے مال مل جاتا ہے اس لئے اس کو میسر کہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اور آخرت میں	وَالْآخِرَةِ	کہو	قُلْ
جانتے ہیں	يَعْلَمُ	اور لوگ آپ سے	وَيَسْئَلُونَكَ	جو اپنے خرچ سے بچے	الْعَفْوُ ^(۱)
بگاڑنے والے کو	الْمُفْسِدِ	پوچھتے ہیں	عَنِ الْيَتَامَى	اس طرح	كَذَلِكَ
سنوارنے والے سے	مِنَ الْمَصْلِحِ	تیموں کے بارے میں	قُلْ	کھول کر بیان کرتے ہیں	يُبَيِّنُ
اگر چاہتے	وَلَوْ شَاءَ	کہو	إِصْلَاحٌ لَّهُمْ	اللہ تعالیٰ	اللَّهُ
اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	سنوارنا ان کے لئے	خَيْرٌ	تمہارے لئے	لَكُمْ
تو دشواری میں ڈالتے تم کو	لَاَعْنَتَكُمْ ^(۳)	بہتر ہے	وَأَنْ	احکامات	الْآيَاتِ
بے شک اللہ تعالیٰ	إِنَّ اللَّهَ	اور اگر	تُخَالِفُوا ^(۲)	تا کہ تم	كَعَلَّكُمْ
زبردست	عَزِيزٌ	ملاؤ تم ان کو	فَأَخْوَانَكُمْ	سوچو	تَتَفَكَّرُونَ
بڑی حکمت والے ہیں	حَكِيمٌ	پس وہ تمہارے بھائی ہیں		دنیا میں	فِي الدُّنْيَا

احکام میں مصالح و مفاسد کی رعایت کی جاتی ہے

رابط: ابھی (آیت ۲۱۶) میں جہاد کی فرضیت کا بیان تھا، اس میں فرمایا تھا کہ یہ حکم لوگوں کو بھاری معلوم ہوگا، مگر وہ ان کے لئے مفید ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور وہ نہیں جانتے، پھر (آیت ۲۱۷) میں رجب میں قتال کا جواز بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿الْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾: لوگوں کو دین سے ہٹانا رجب میں قتل سے بھاری گناہ ہے، اور اشد کے مقابلہ میں اخف کو برداشت کیا جاتا ہے، اب دور تک ایسے احکام بیان فرماتے ہیں جن میں مصالح و مفاسد کی رعایت ہے، زیر تفسیر آیات میں ایسے تین احکام ہیں۔

۱۔ شراب اور سٹہ اس لئے حرام ہیں کہ ان کی خرابی ان کے فوائد سے بڑھی ہوئی ہے

شراب اور سٹہ میں اگرچہ لوگوں کے لئے فوائد ہیں، اسی لئے لوگ شراب پیتے ہیں، عقلمند بھی پیتے ہیں، اور سٹہ کھیلتے ہیں، حکومتیں بھی کھیلتی ہیں، مگر دونوں کی خرابی ان کے فوائد سے بڑھی ہوئی ہے، سنار کی سوا اور لوہار کی ایک ہے، اس لئے اللہ کی شریعت میں دونوں حرام ہیں۔

(۱) العفو: اسم و مصدر: حاجت سے زیادہ، بقدر طاقت جو بن پڑے عَفَا يَعْفُو: معاف کرنا۔ (۲) خَالَطَ مُخَالَطَةً: دو چیزوں کو باہم ملانا۔ (۳) إِعْنَاتٌ: مشقت میں ڈالنا۔ الْعَنْتُ: مشقت۔

زیر تفسیر آیت ذہن سازی کے دوسرے مرحلہ کی ہے

شراب: عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ہر شخص اس کا رسیا تھا، اسی طرح سٹہ اور زنا بھی، اس لئے شراب کی حرمت نازل کرنے سے پہلے ذہن تیار کیا گیا، پہلے سورۃ النحل کی (آیت ۶۷) میں ایک لطیف اشارہ کیا، موضع امتنان میں خمر کا ذکر چھوڑ دیا، چنانچہ لوگوں نے خمر کے بارے میں سوال کیا تو زیر تفسیر آیت نازل ہوئی، اس میں لوگوں کو بتایا کہ شراب اور سٹہ میں کچھ فوائد ہیں، مگر ان میں ایک بہت بڑا ضرر ہے، اس سے سمجھدار لوگ سمجھ گئے کہ دیر سویر دونوں کی حرمت نازل ہوگی، پھر سورۃ النساء کی (آیت ۴۳) نازل ہوئی، اور نماز کے اوقات میں پینے کی ممانعت کر دی، اس طرح لوگ کم پینے کے عادی ہو گئے پھر سورۃ المائدہ کی (آیات ۹۰ و ۹۱) نازل ہوئیں، اور دونوں کو قطعاً حرام کر دیا، پس لوگ فوراً رک گئے (تفصیل تحفۃ اللمعی ۵: ۲۰۳ میں ہے)

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِّنْ نَّفْعِهِمَا﴾

ترجمہ: لوگ آپ سے خمر (انگوری شراب) اور جوئے (سٹہ) کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ آپ بتادیں کہ دونوں

میں بڑا گناہ (خرابی) ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد ہیں، اور دونوں کا گناہ: دونوں کے فائدے سے بڑھا ہوا ہے — لہذا اس کا لحاظ کر کے آئندہ دونوں کی حرمت نازل ہوگی۔

۲- چھوٹے چندہ میں برکت ہے

پہلے (آیت ۲۱۵) میں مال فراواں سے خرچ کرنے کا حکم دیا تھا، یہ بڑا چندہ تھا، اب غفو (خرچ سے بچے ہوئے) سے خرچ کرنے کا حکم ہے، یہ چھوٹا چندہ ہے، یہ بھی ضروری ہے، بلکہ اس میں برکت ہے، جب برصغیر پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، اور اس نے اسلامی حکومت ختم کر دی تو لمحہ فکر یہ پیدا ہوا کہ اب دین کیسے باقی رہے گا؟ سر پرست تو کوئی رہا نہیں! اس وقت اللہ تعالیٰ نے وقت کے اکابر کے ذہن میں یہ بات ڈالی کہ چندہ کے مدارس قائم کئے جائیں، اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے دارالعلوم دیوبند کے ”اصول ہشت گانہ“ میں لکھا کہ عوامی چندہ کیا جائے، اور کسی امیر کبیر کے وعدہ محکم پر بھروسہ نہ کیا جائے، نہ حکومت سے ایڈ (مدد) لی جائے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں دین کی بقاء کا سامان کیا۔

﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ﴾

ترجمہ: اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ آپ بتائیں: اپنے خرچ سے جو بچے — اس کو خرچ کرو،

یہ جُہدِ المقل (نادار کی کوشش) ہے، لوگوں کو یہ حکم بھاری معلوم ہوگا، مگر اس میں طلت کا فائدہ ہے، قطرے قطرے سے تالاب بھرتا ہے، اور کنکر کنکر مل کر پہاڑ بنتا ہے۔

دونوں حکموں کے مصالح اور مضرتیں

اوپر جو دو باتیں بیان کی ہیں وہ واضح ہیں، ان کے مصالح اور مفاسد غور کرنے سے سمجھ میں آسکتے ہیں، دنیا کے فوائد اور مضرتیں اور آخرت کے فوائد اور مضرتیں واضح ہوں گی:

شراب پینے سے سرور حاصل ہوتا ہے، آدمی دوسری دنیا میں پہنچ جاتا ہے، اور ہر نشہ آور چیز کا یہی حال ہے، بلکہ جتنا نشہ قوی ہوتا ہے زیادہ مگن ہو جاتا ہے، جیسے بھنگ، حشیش اور ہیروئن میں چار طبق روشن ہو جاتے ہیں، یہ دنیا کے فوائد ہیں۔ اور شراب سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے، آدمی کر دنی ناکر دنی کرنے لگتا ہے، کبھی لڑائی جھگڑا بھی ہو جاتا ہے، اور بے خبری میں بیوی کو طلاق بھی دیدیتا ہے، اور مختلف قسم کے روحانی اور جسمانی امراض الگ پیدا ہوتے ہیں، یہ دنیوی نقصانات ہیں۔

اور مجوا کھیلنے میں اکثر پونجی ہاتھ سے جاتی ہے، اور کبھی حرام مال ہاتھ آ جاتا ہے، اور سٹے بازوں میں دشمنی بھی ہو جاتی ہے، اور کبھی قتل کی بھی نوبت آتی ہے، یہ دنیوی نقصانات ہیں، اور آخرت میں کبیرہ گناہوں کا وبال بھگتنا ہوگا۔ اور خرچ سے تھوڑا تھوڑا بچا تا رہے تو دنیا میں ایک دن مالدار ہو جائے گا، اور خرچ کرتا رہے تو آخرت میں مالداروں سے آگے نکل جائے گا، اور دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْآيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۰۱ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۝۱۰۲ ﴾

ترجمہ: اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام بیان فرماتے ہیں، تاکہ تم دنیا و آخرت (کے منافع اور مضرتوں) کو سوچو! — اس کا تعلق دونوں باتوں سے ہے۔

۳۔ یتیموں کا کھانا سا تھر رکھنے کی اجازت ان کی مصلحت سے ہے

احکام میں مصالح و مفاسد کے رعایت کی یہ تیسری مثال ہے، جن لوگوں کی پرورش میں یتیم بچے ہوتے تھے وہ احتیاط نہیں برتتے تھے، چنانچہ سورة النساء (آیت ۱۰) میں سخت وعید آئی کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں، اس پر صحابہ محتاط ہو گئے، اور ان کا کھانا پینا الگ کر دیا، اس سے یتیموں کا نقصان ہونے لگا، کبھی کھانا بچ جاتا، کبھی کم پڑ جاتا، پس سوال ہوا، اس کا جواب دیا کہ مقصود یتیم کے مال کی اصلاح ہے، اگر ان کی چیزیں الگ

رکھنے میں مصلحت ہو تو ایسا کیا جائے، اور ساتھ ملانے میں ان کا فائدہ ہو تو ملا سکتے ہیں، کیونکہ وہ تمہارے نسبی یا دینی بھائی ہیں، اور بھائیوں کا کھانا پینا ساتھ ہوتا ہے، البتہ یتیموں کی اصلاح کا پورا خیال رکھا جائے، اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں کہ کس کا مقصد افساد ہے اور کس کا اصلاح، اگر نفع رسانی منظور ہے تو ملانا جائز ہے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بھاری حکم دے سکتے تھے کہ ان کا کھانا پینا الگ رکھو، مگر وہ حکیم بھی ہیں اس لئے یتیموں کی مصلحت پیش نظر رکھ کر جواز کا حکم دیا۔

﴿ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ذُلِّ اَصْلَاحٍ لَهُمْ خَيْرٌ ۗ وَاِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَاٰخِوَانُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاعْتَدْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ — سوال کی تفصیل جواب سے معلوم ہوگی —

کہیں: ان کے کام کا سنوارنا بہتر ہے، اور اگر (ان کا کھانا پینا) اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے جانتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو مشقت میں ڈالتے — یعنی کھانے پکانے کا الگ انتظام ضروری قرار دیتے اور تمہیں دو بار پکانا پڑتا — بیشک اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں۔

وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۗ وَوَلَامَةٌ مِّنْهُ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ ۗ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ
وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۗ وَلِعَبْدٌ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ مُّشْرِكٍ ۗ وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ
اُوْلٰئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۗ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ
وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۷۱﴾

۷۱ =

وَلَا تُنكِحُوا ^(۱)	اور نکاح مت کرو	خَيْرٌ	بہتر ہے	يُؤْمِنُوْا	ایمان لائیں وہ
الْمُشْرِكِيْنَ	مشرک عورتوں سے	مِّنْ مُّشْرِكَةٍ	مشرک عورت سے	وَلِعَبْدٌ	اور البتہ غلام
حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ	اگرچہ بھلی لگے وہ تم کو	مُّؤْمِنٍ	مسلمان
يُؤْمِنَنَّ	ایمان لائیں وہ	وَلَا تُنكِحُوا ^(۲)	اور نکاح نہ کرو	خَيْرٌ	بہتر ہے
وَلَامَةٌ	اور البتہ باندی	الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں سے	مِّنْ مُّشْرِكٍ	مشرک مرد سے
مُّؤْمِنَةٌ	مسلمان	حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ	اگرچہ پسند آئے وہ تم کو

(۱) نَكَّحَ يَكْنَحُ: سے فعل نَمَى، صیغہ جمع مذکر حاضر: نَكَحَ مَت كَرُو (۲) اَنْكَحَ اِنْكَاخًا (افعال) سے فعل نَمَى، صیغہ جمع مذکر حاضر: نَكَحَ مَت كَرُو، عقد مت کر دو۔

اُوْلٰئِكَ يَدْعُوْنَ لِئَلَيْهِ التَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا	وہ لوگ بلا تے ہیں دوزخ کی طرح اور اللہ تعالیٰ بلا تے ہیں	اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ يَاذُنِهِ ^(۱) وَيُبَيِّنُ	جنت کی طرف اور بخشش کی طرف اپنی اجازت سے اور کھول کر بیان کرتے ہیں	اٰیٰتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ	اپنے احکامات لوگوں کے لئے تا کہ وہ نصیحت پذیر ہوں
---	---	--	---	---	--

۴۔ مشرکوں کے نہ مردوں سے نکاح جائز ہے نہ عورتوں سے

احکام میں مصالح و مفاسد کے رعایت کی یہ چوتھی مثال ہے، مسلمان مرد کا نکاح کافر عورت سے درست نہیں۔ البتہ اگر کافر عورت کتابی (یہودی یا نصرانی) ہو تو درست ہے۔ اور مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر سے، خواہ وہ کتابی ہو، درست نہیں۔ اور یہ احکام دو اصول پر مبنی ہیں: اول: عورت مرد کے تابع اور زیر اثر ہوتی ہے۔ دوم: اہل کتاب کا کفر (دین اسلام کا انکار) مشرکین و مجوس وغیرہ کے کفر سے اخف ہے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ دین سماوی کے قائل ہیں۔ اور شریعت کے اصول و کلیات سے واقف ہیں۔ اس لئے وہ دین اسلام سے اقرب ہیں۔ پس مسلمان مرد کا نکاح کتابیہ سے درست ہے۔ وہ شوہر کا اثر قبول کر کے مسلمان ہو جائے گی۔ دوسری کافر عورتوں سے نکاح درست نہیں کہ ان کے ایمان کی امید کم ہے۔ اور مسلمان عورت کا نکاح کتابی مرد سے بھی درست نہیں۔ کیونکہ مرد کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے اس کے دین کے بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں نکاح و طلاق کے بیان میں فرماتے ہیں:

سورة البقرة آیت ۲۲۱ میں ارشاد پاک ہے: ”اور مسلمان عورتوں کو مشرکین کے نکاح میں مت دو، یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔ اور مسلمان غلام مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ وہ (مشرک) تمہیں اچھا معلوم ہو۔ یہ لوگ دوزخ کی طرف بلا تے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلا تے ہیں“۔ اس آیت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اس حکم میں ملحوظ مصلحت یہ ہے کہ مسلمانوں کی کفار کے ساتھ معیت و صحبت، اور مسلمانوں اور کافروں میں ہمدردی اور نمگساری کا رواج، خاص طور پر ازدواجی معاملات میں: دین کو خراب کرنے والا ہے۔ اور اس بات کا سبب ہے کہ مسلمان کے دل میں دانستہ یا نادانستہ کفر سرایت کر جائے۔ اس لئے مسلمان عورت کا نکاح کسی بھی کافر مرد سے حرام کیا گیا۔ اور مسلمان مرد کا نکاح بھی کافر عورت سے حرام کیا گیا۔ البتہ کتابیہ سے جائز رکھا گیا۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ دین سماوی کے پابند ہیں۔ اور شریعت کے اصول و کلیات کے بھی قائل ہیں۔ دیگر کفار میں یہ بات نہیں۔ اس لئے اہل کتاب

(۱) یا ذنہ: اٰی بتوفیقہ تعالیٰ۔

کی صحبت و معیت ان کے علاوہ کی بہ نسبت ہلکی ہے۔ اور شوہر بیوی پر غالب اور حاکم ہوتا ہے۔ اور عورتیں شوہروں کے ہاتھوں میں محض قیدی ہوتی ہیں۔ اس لئے ایک مسلمان کتابی عورت سے نکاح کرے گا تو فساد ہلکا ہوگا۔ پس اس ہلکے ضرر کا حق یہ ہے کہ اس کی اجازت دی جائے۔ اور دوسری صورتوں کی طرح اس صورت میں سختی نہ برتی جائے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ آیت ۵ میں اس کی صراحتاً اجازت دی گئی۔

فائدہ: کتابی عورتوں سے نکاح کے سلسلہ میں اب صورت حال بدل گئی ہے۔ خاص طور پر غیر مسلم ممالک (یورپ و امریکہ) میں عورتیں مردوں کے زیر اثر نہیں رہیں۔ اور کتابی عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرتے ہیں وہ بھی عام طور پر دین آشنا نہیں ہوتے۔ اس لئے ان عورتوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات بہت ہی کم ہیں۔ عام طور پر مرد ہی عورت کا اثر قبول کر لیتا ہے۔ اور بچے تو ماں کے زیر اثر ہی پروان چڑھتے ہیں۔ اس لئے اب یہ نکاح باعث فتنہ ہے۔ پس اس سے احتراز ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے ہلکے فتنہ کی وجہ سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو، جب انھوں نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کیا: تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ اس کو فوراً چھوڑ دو۔ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یہ نکاح حرام ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا و لکنی أخاف أن یغاطوا المؤمنات منهن: لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ ان کی وجہ سے مسلمان عورتوں کو سخت غصہ آئے گا۔ اور ایک روایت میں ہے: فإلانی أخاف أن یقتدی بك المسلمون، فیختاروا نساء أهل الذمۃ لجمالهن، و کفی بذلك فتنة لنساء المسلمات: مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان آپ کی پیروی کریں گے۔ اور ذمیوں کی عورتوں کو ان کی خوبصورتی کی وجہ سے ترجیح دیں گے۔ اور یہ بات مسلمان عورتوں کے فتنہ کے لئے کافی ہے یعنی لوگوں کی توجہ مسلمان عورتوں سے ہٹ جائے گی۔

(ازالۃ الخفا: ۲: ۱۱۱، رسالہ مذہب عمرؓ)

آیت پاک: مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں، اور مسلمان باندی یقیناً مشرک (آزاد) عورت سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تم کو پسند ہو، اور مشرک مرد سے (مسلمان عورت کا) نکاح مت کرو، یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں، اور مسلمان غلام یقیناً مشرک مرد سے بہتر ہے، اگرچہ وہ تم کو پسند آئے، وہ لوگ دوزخ کی طرف بلا تے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے جنت اور مغفرت کی طرف بلا تے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ نصیحت پذیر ہوں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى ۖ فَاعْتِزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَظْهَرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

اللَّهُ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٥٠﴾ نِسَاءُكُمْ حَرَّتْ لَكُمْ فَاتُوا حَرَثَكُمْ
 أَنْتُمْ شِئْتُمْ زَوْجًا مَوْلَا أَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ قُلُوبُهُمْ وَبَشِّرِ
 الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

پس آؤ تم	فَاتُوا	وہ خوب پاک ہو جائیں	تَطَهَّرْنَ ^(۴)	اور لوگ آپ سے	وَيَسْئَلُونَكَ
اپنے کھیت میں	حَرَثَكُمْ	تو آؤ ان کے پاس	فَاتَوْهُنَّ	پوچھتے ہیں	عَنِ الْمَحِيضِ ^(۱)
جس طرح چاہو	أَنْتُمْ شِئْتُمْ ^(۶)	جہاں سے	مِنْ حَيْثُ	حیض کے متعلق	قُلْ
اور آگے بھجیو	وَقَدِّمُوا	حکم دیا تم کو	أَمْكُكُمْ ^(۵)	کہیں	هُوَ أَذًى ^(۲)
اپنے لئے	لَا نَفْسِكُمْ	اللہ نے	اللَّهُ	وہ گندگی ہے	فَاعْتَزِلُوا
اور ڈرو	وَاتَّقُوا	بے شک اللہ تعالیٰ	إِنَّ اللَّهَ	پس جدا رہو	النِّسَاءَ
اللہ سے	اللَّهُ	محبت کرتے ہیں	يُحِبُّ	عورتوں سے	فِي الْمَحِيضِ ^(۱)
اور جان لو	وَاعْلَمُوا	توبہ کرنے والوں سے	التَّوَّابِينَ	حیض میں	وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ
کہ تم	أَنْتُمْ	اور محبت کرتے ہیں	وَيُحِبُّ	اور نہ نزدیک ہوؤ ان سے	حَتَّى
اس سے ملنے والے ہو	قُلُوبُهُمْ	خوب پاک رہنے والوں سے	الْمُتَطَهِّرِينَ	یہاں تک کہ	يَطَهَّرْنَ ^(۳)
اور خوش خبری دیں	وَبَشِّرِ	تمہاری عورتیں	نِسَاءُكُمْ	پاک ہو جائیں وہ	فَإِذَا
ماننے والوں کو	الْمُؤْمِنِينَ	تمہاری کھیتی ہیں	حَرَثٌ لَكُمْ	پس جب	

۵- حالت حیض میں جماع کی ممانعت مضرت اور گندگی کی وجہ سے ہے

شان نزول: حالت حیض میں بیوی سے معاملہ کرنے میں امتیں مختلف تھیں، یہود اور مجوس حالت حیض میں عورت کے ساتھ کھانے اور ایک گھر میں رہنے کو بھی جائز نہ سمجھتے تھے، اور نصاریٰ اور مشرکین مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے،

(۱) مَحِيضٌ: اسم بمعنی حیض ہے، اس میں دیگر احتمالات بھی ہیں (دیکھیں تحفۃ القاری ۲: ۷۷) (۲) اذی کے اصل معنی ہیں: تکلیف دہ، ضرر رساں، گندگی تکلیف دہ ہوتی ہے، اس لئے گندگی ترجمہ کرتے ہیں (۳) طَهَّرَ (ک) طَهْرًا: پاک صاف ہونا (۴) تَطَهَّرَ: میں مبالغہ ہے: خوب پاک صاف ہونا (۵) یہ حکم اگلی آیت میں ہے (۶) اُنّی: بمعنی کیف ہے بمعنی این نہیں۔

چنانچہ نبی ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور بتایا کہ جماعت تو اس حالت میں حرام ہے، اور اس کے ساتھ کھانا پینا، رہنا سہنا درست ہے، یہود و نصاریٰ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں، دونوں کا طریقہ غلط ہے۔

اور حالت حیض میں صحبت کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس وقت بیوی سے ملنا ضرر رساں اور گندگی میں لت پت ہونا ہے، اس کی مضرت پر اطباء کا اتفاق ہے اور نجاست سے تلطُّح (لت پت ہونا) شیاطین سے قریب کرتا ہے۔ اور حرمت کی ان وجہوں کی طرف لفظ اذی میں اشارہ ہے، اذی: کے دو معنی ہیں: اصلی اور کنائی، اصلی معنی ہیں: ضرر رساں، اور کنائی معنی ہیں: گندگی (قرطبی)

اور حیض میں بیوی سے دور رہنے اور نزدیک نہ ہونے کا مطلب ہے جماعت نہ کرنا، دیگر امور جائز ہیں، اور کہاں تک نزدیک جاسکتے ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام احمد اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک صرف فرج سے بچنا ضروری ہے، باقی بدن کو ہاتھ وغیرہ لگا سکتے ہیں، کپڑے کے اوپر سے بھی اور بغیر کپڑے کے بھی، اور جمہور کے نزدیک ناف اور گھٹنے کے درمیانی بدن سے بچنا ضروری ہے، اس حصہ کو کپڑے کی آڑ کے بغیر ہاتھ وغیرہ لگانا جائز نہیں، باقی بدن سے بدن لگا سکتے ہیں (تحفۃ القاری ۲: ۸۶)

اور پاک ہونے کا مطلب ہے: حیض کا ختم ہو جانا، اور اس کی دو صورتیں ہیں:

۱- مدت حیض (دس دن) سے کم میں عادت پر پاک ہو تو جب تک وہ نہانہ لیوے صحبت جائز نہیں، اگر غسل نہ کرے تو جب تک ایک نماز کا وقت نہ گزر جائے یعنی جب تک ایک نماز کی قضا اس پر واجب نہ ہو جائے: صحبت کرنا درست نہیں، اس کے بعد جائز ہے (بہشتی زیور)

۲- حیض کی پوری مدت پر پاک ہو تو اسی وقت صحبت کرنا درست ہے، چاہے نہائی ہو یا نہ نہائی ہو۔

اور جہاں سے اللہ نے حکم دیا: کا بیان اگلے عنوان کے تحت آ رہا ہے، اور آخر میں فرمایا کہ اگر کسی سے گناہ ہو جائے، حالت حیض میں صحبت کر بیٹھے تو توبہ کرے، اللہ کو توبہ کرنے والے بندے بہت پسند ہیں، اور دوسری صورت میں بھی جبکہ خون مدت حیض پر بند ہوا ہو صحبت کرنے میں جلدی نہ کرے، جب عورت نہالے تب صحبت کرے، اللہ تعالیٰ کو وہ بندے پسند ہیں جو خوب پاک رہتے ہیں، اسی لئے ہمیشہ با وضوء رہنا مستحب ہے۔

آیت پاک: اور لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں؟ آپ بتلائیں: وہ (حیض) گندگی ہے، پس تم حیض

میں عورتوں سے علاحدہ رہو، اور ان کے نزدیک نہ جاؤ، جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، پس جب وہ خوب پاک ہو جائیں

یعنی نہالیں — تو ان کے پاس آؤ جہاں سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں

سے محبت رکھتے ہیں، اور پاک صاف رہنے والوں سے (بھی) محبت رکھتے ہیں۔

عورتیں کھیتی ہیں، پس کھیت میں جہاں سے چاہے آئے

یہود: عورت کی پشت کی طرف سے اگلی راہ میں طمی کرنے کو ممنوع کہتے تھے، وہ کہتے تھے کہ اس سے بچہ بھیںگا پیدا ہوتا ہے، ان کا یہ خیال غلط تھا، قرآن نے بتایا: عورتیں بہ منزلہ کھیتی ہیں، نطفہ بیج ہے اور اولاد پیداوار ہے، پس آدمی کو اختیار ہے: آگے سے یا کروٹ سے یا پشت پر پڑ کر یا بیٹھ کر جس طرح چاہے مجامعت کرے، مگر یہ ضروری ہے کہ صحبت تخم ریزی کی جگہ میں ہو، جہاں سے پیداوار کی امید ہے، اغلام حرام ہے۔

اور بیوی کو کھیتی کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحبت صرف لذت کے لئے نہیں ہونی چاہئے، طلب اولاد مقصود ہونی چاہئے، کاشتکار: کھیت میں بیج پیداوار کے لئے ڈالتا ہے۔

﴿ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاتُوا حَرْثَكُمْ أَنْتُمْ شِئْتُمْ ذَوَقُوا لَكُمْ أَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوُونَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾

ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں، پس جدھر سے چاہو اپنے کھیت میں آؤ، اور اپنے لئے (اعمال) آگے بھیجو — یعنی رات بھر اس میں مشغول مت رہو — اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ تمہارا اللہ سے پالا پڑنے والا ہے، اور ماننے والوں کو خوش خبری سنا دیں — یعنی ناجائز طریقہ پر بیوی سے فائدہ مت اٹھاؤ، کل حساب دینا ہوگا، اور جو تعمیل حکم کرے گا وہ مزے میں رہے گا۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمْ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۚ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

وَلَا تَجْعَلُوا	اور مت بناؤ تم	اللہ	اللہ (کے نام) کو	عُرْضَةً ^(۱)	نشانہ (بہانہ)
------------------	----------------	------	------------------	-------------------------	---------------

(۱) عُرْضَةُ: تیر اندازی کا نشانہ، مرادی معنی: بہانہ، حیلہ، ٹال مٹول

اپنی بیویوں سے	مِنْ نِسَائِهِمْ	لیکن	وَلٰكِنْ	اپنی قسموں کے لئے	لَا يَمَانِكُمْ
انتظار کرنا ہے	تَرْبُصٌ	دارو گیر کریں گے	يُؤَاخِذُكُمْ	یعنی حسن سلوک کرنے کیلئے	أَنْ تَبْرُوا ^(۱)
چار ماہ	أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ	تمہاری	بِمَا	اور اللہ سے ڈرنے کیلئے	وَتَتَّقُوا
پھر اگر لوٹ جائیں وہ	فَإِنْ قَاءُوا ^(۳)	ان قسموں کی وجہ سے جو	كَسَبَتْ	اور اصلاح کرنے کیلئے	وَتُصْلِحُوا
تو اللہ تعالیٰ یقیناً	فَإِنَّ اللَّهَ	کماٹی ہیں	قُلُوبَكُمْ	لوگوں کے درمیان	بَيْنَ النَّاسِ
غفور و رحیم ہیں	عَفُورٌ رَّحِيمٌ	تمہارے دلوں نے	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ
اور اگر پختہ ارادہ کر لیا	وَأِنْ عَزَمُوا	اور اللہ تعالیٰ	عَفُورٌ	ہر بات سننے والے	سَمِيعٌ
انہوں نے	الطَّلَاقِ	بڑے بخشنے والے	حَلِيمٌ	سب کچھ جاننے والے ہیں	عَلِيمٌ
طلاق کا	فَإِنَّ اللَّهَ	بڑے بردبار ہیں	لِلَّذِينَ ^(۲)	نہیں دارو گیر کریں تمہاری	لَا يُؤَاخِذُكُمْ
تو اللہ تعالیٰ یقیناً	سَمِيعٌ	ان لوگوں کے لئے جو	يُؤْلُونَ	اللہ تعالیٰ	اللَّهُ
سب سننے والے	عَلِيمٌ	صحبت نہ کرنے کی	فِي آيَمَانِكُمْ	تمہاری بیہودہ قسموں	بِاللَّغْوِ
سب جاننے والے ہیں		قسمیں کھائیں		میں	

رابطہ: ابھی گذشتہ سلسلہ بیان چل رہا ہے کہ احکام: مصلحت پر مبنی ہیں، ان آیتوں میں تین باتیں ہیں:

۶- اللہ کی قسم کو نیک کام نہ کرنے کا بہانہ مت بناؤ

بعض لوگ کوئی اچھا کام نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں، مثلاً: ماں باپ یا بھائی بہن سے نہیں بولے گا، یا مطلق غریب کو یا کسی خاص غریب کو نہیں دے گا، یا لوگوں کے کسی نزاع میں مصالحت نہیں کرائے گا، ایسی قسموں سے اللہ کے نام کو نیک کام نہ کرنے کا بہانہ بناتا ہے، کہتا ہے: چونکہ میں نے قسم کھائی ہے اس لئے میں یہ کام نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسا ہرگز مت کرو، اور حدیث میں ہے کہ اگر کسی نے ایسی قسم کھائی تو اس کو توڑ دے اور کفارہ دیدے۔

﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِآيَمَانِكُمْ أَنْ تَبْرُوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ

عَلِيمٌ﴾

(۱) ان تبروا: ان مصدریہ، تینوں فعلوں کو بہ تاویل مصدر کرے گا، اور ایمانکم پر معطوف ہے، اور یہ عطف بیان ہے، جو متبوع کی وضاحت کرتا ہے، اس میں حرف عطف نہیں ہوتا، جیسے قال ابو حفص عمر، عطف بیان اعلام میں بہت ہوتا ہے، اور غیر اعلام میں بھی ہوتا ہے (روح) (۲) للذین: خبر مقدم ہے اور تربص: مبتدا مؤخر (۳) لفاء یقیی فیئنا: لوٹنا، جیسے لفاء الفیی: سایہ لوٹنا۔

ترجمہ: اور تم اللہ کے نام سے کھائی ہوئی اپنی قسموں کو بہانہ مت بناؤ، حسن سلوک کرنے، اور اللہ سے ڈرنے، اور لوگوں میں اصلاح کرنے کے لئے، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں — یعنی اگر کوئی ایسی قسم کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سنتے ہیں اور اس کی نیت کو جانتے ہیں کہ اس کا مقصد نیک کام نہ کرنے کا بہانہ بنانا ہے، انسان کی کوئی بات اور نیت اللہ سے مخفی نہیں، لہذا ایسی قسم سے ہٹ جاؤ اور کفارہ دیدو۔

۷۔ یٰمِیْنِ لَعْنُوْۤا مِیْنَ کُوْنِیْ پَکْرِیْمِیْنَ، مَکْرِیْمِیْنَ عَمُوْسٍ مِیْنَ پَکْرِیْمِیْنَ

یَمِیْنِ کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ یَمِیْنِ لَعْنُوْۤا (بیہودہ قسم) اس کی دو صورتیں ہیں: (الف) بول چال میں قسم کے ارادے کے بغیر: ہاں بخدا! اور نہیں بخدا! کہنا (ب) کسی گذشتہ بات پر اپنی معلومات کے مطابق قسم کھانا، جبکہ واقع میں ایسا نہ ہو، جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب آگئے، اس پر اعتماد کر کے قسم کھالی، پھر ظاہر ہوا کہ نہیں آئے تو یہ بھی یَمِیْنِ لَعْنُوْۤا ہے، اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ، مگر لَعْنُوْۤا (بیہودہ) ہے، اس لئے ایسی قسموں سے بھی بچنا چاہئے — سورۃ المائدہ (آیت ۸۹) میں اس کے بالمقابل یَمِیْنِ مَنعِقِدَہ آئی ہے: ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاٰیْمَانَ﴾: لیکن پکڑیں گے اس قسم پر جس کو تم نے مضبوط باندھا ہے، پھر کفارہ یَمِیْنِ کا ذکر ہے۔

۲۔ یَمِیْنِ مَنعِقِدَہ: قسم کھا کر آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا، جیسے بخدا! کل وہ روزہ رکھے گا یا نہیں رکھے گا، اس میں کفارہ ہے، اگر قسم توڑ دے گا تو کفارہ واجب ہوگا، اس کا ذکر سورۃ المائدہ (آیت ۸۹) میں ہے۔

۳۔ یَمِیْنِ عَمُوْسٍ: گذشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا، یہ کبیرہ گناہ ہے، اس کا ذکر یہاں ہے، یہ بھی یَمِیْنِ لَعْنُوْۤا کی مقابل قسم ہے، احناف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں، اس لئے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا ذکر نہیں کیا، یہ سخت گناہ ہے، تو بہ لازم ہے۔

﴿لَا يُوَاخِذُكُمْ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اٰیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوْبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُوْرٌ

حَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری بیہودہ قسموں میں تمہاری (آخرت میں) دارو گیر نہیں کریں گے، لیکن ان قسموں پر دارو گیر کریں گے جو تمہارے دلوں نے کمائی ہیں — یعنی جان بوجھ کر تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے — اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں، بڑے بردبار ہیں — یعنی توبہ کر لو گے تو آخرت میں بخش دیں گے، اور بردبار ہیں اس لئے دنیا میں کوئی سزا نہیں دیں گے۔

۸- بیوی سے چار ماہ یا زیادہ صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا

ایلاء: باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: قسم کھانا۔ اور ایلاء کی دو قسمیں ہیں: ایلاء لغوی اور ایلاء شرعی۔ چار مہینے یا اس سے زیادہ بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا ایلاء شرعی ہے اور چار مہینے سے کم کسی بھی مدت تک بیوی سے علاحدہ رہنے کی قسم کھانا ایلاء لغوی ہے۔

اور ایلاء لغوی کا حکم یہ ہے کہ بیوی سے علحدہ رہنے کی جتنی مدت مقرر کی ہے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر بیوی سے صحبت کر لی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا، اور اگر وہ مدت پوری کر لی پھر صحبت کی تو کچھ واجب نہیں۔ اور ایلاء شرعی میں چار مہینے سے پہلے قسم توڑنا اور بیوی سے صحبت کرنا ضروری ہے اور اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر چار مہینے تک بیوی سے علحدہ رہا تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایک طلاق بائنہ خود بخود واقع ہو جائے گی۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت قاضی کے پاس جائے گی، قاضی شوہر کو بلائے گا اور حکم دے گا کہ یا تو قسم توڑ دو یعنی بیوی سے صحبت کرو اور کفارہ ادا کرو، ورنہ اپنی بیوی کو طلاق دو، یعنی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق خود بخود واقع نہیں ہوگی بلکہ قاضی طلاق دلوائے گا۔

﴿لِلَّذِينَ يُؤْتُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصًا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: ان لوگوں کے لئے جو اپنی بیویوں سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھاتے ہیں: چار ماہ انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ (بیوی کی طرف) لوٹیں تو اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں، اور اگر انھوں نے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ یقیناً سب باتیں سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔

وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنْنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

۴۵۷۱

وَالْمُطَلَّاتُ	اور مطلقہ عورتیں	يَتَرَبَّصْنَ	انتظار میں رکھیں	بِأَنْفُسِهِنَّ ^(۱)	خود کو
-----------------	------------------	---------------	------------------	--------------------------------	--------

(۱) بانفسہن: میں باعزائد ہے، اور انفسہن: بتربصن کی ضمیر کی تاکید ہے (جمل)

ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنْنَ	تین حیض اور نہیں جائز ہے ان کے لئے کہ چھپائیں جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے ان کی بچہ دانوں میں اگر ہوں وہ ایمان رکھتیں	بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرِّدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ ^(۱)	اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور ان کے خاوند زیادہ حقدار ہیں ان کو پھیر لینے کے اُس (عدت) میں اگر چاہیں وہ اصلاح (سنوارنا) اور ان عورتوں کے لئے	مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللِّبِّجَالِ عَلَيْهِنَّ ذَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ	اس کے مانند ہے جو ان کے ذمہ ہے دستور کے موافق اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں
---	--	---	---	--	--

۹- طلاق کے بعد عورت فوراً دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، عدت ضروری ہے

رابطہ: گذشتہ آیت میں ایلاء شرعی کا حکم تھا، اگر شوہر نے ایلاء کر کے طلاق کا پختہ ارادہ کر لیا، اور چار ماہ تک بیوی سے صحبت نہ کی تو چار ماہ گزرتے ہی ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی، اب رجوع تو نہیں کر سکتا، مگر نئے مہر سے نیا نکاح کر سکتا ہے، اور طلاق کے بعد فوراً عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، عدت لازم ہے، اس عرصہ میں شوہر کے لئے سوچنے کا موقع ہوگا، اگر رکھنے کی رائے ہے تو عدت میں یا عدت کے بعد نیا نکاح کر لے، اس طرح طلاق کے تذکرہ کے بعد عدت کا بیان شروع ہو گیا، اس آیت میں عدت کے دو فائدے بیان کئے ہیں، پھر طلاق رجعی کی عدت میں شوہر کو جو ایک طرفہ رجوع کا حق ہے اس پر ایک اشکال کا جواب ہے۔

عدت دو مقصد سے ہے: استبرائے رحم کے لئے اور اس لئے کہ شوہر رجوع کر سکے

جب عورت کو طلاق ہو جائے تو وہ فوراً دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، عدت ضروری ہے، تین ماہ واریوں تک عورت دوسرے نکاح سے رکی رہے، عام طور پر تین ماہ واریاں تین ماہ میں آتی ہے، اتنی مدت دو مصلحتوں سے رکھی گئی ہے:

پہلی مصلحت: عدت یہ بات جاننے کے لئے ہے کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں؟ اور یہ جاننا اس لئے ضروری ہے کہ

(۱) لام: انتفاع کے لئے اور علی ضرر کے لئے آتا ہے یعنی عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں اور ان پر ذمہ داریاں بھی ہیں، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: مردوں کے لئے بھی حقوق ہیں اور ان پر بھی ذمہ داریاں ہیں اور حذف کا قرینہ: ﴿وَاللِّبِّجَالِ عَلَيْهِنَّ ذَرَجَةٌ﴾ ہے یعنی مردوں کا عورتوں سے ایک درجہ بڑھا ہوا ہے۔

انساب میں اختلاط نہ ہو، کسی کا بچہ کسی کی طرف منسوب نہ ہو جائے، نسب نوع انسانی کی خصوصیت ہے، اسی سے انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے، اور اسی لئے عورت پر لازم ہے کہ اپنی بچہ دانی کا حال بیان کرے، وہ حاملہ ہے یا حاملہ (غیر حاملہ) — اور استبراء کے لئے ایک حیض بھی کافی تھا، مگر دوسری مصلحت سے لمبی مدت ضروری تھی، تاکہ شوہر سوچ کر نقصان کی تلافی کر سکے — اور تین حیض سے زیادہ مدت لازم کرنے میں عورت کا ضرر ہے۔

دوسری مصلحت: اگر شوہر طلاق پر پشیمان ہو تو طلاق رجعی کی عدت میں ایک طرفہ رجوع کر سکتا ہے، عورت راضی ہو یا نہ ہو شوہر کو رجوع کا حق ہے۔

سوال: نکاح دو طرفہ رضامندی سے منعقد ہوتا ہے، اور رجوع بھی ایک طرح کا نکاح ہے، پھر اس میں عورت کی رضامندی کا لحاظ کیوں نہیں کیا گیا؟ تنہا شوہر کو رجوع کا حق کیوں دیا؟

جواب: پہلے دو باتیں سمجھ لیں:

۱- اسلام میں بھی مرد و زن میں مساوات ہے، مگر اسلامی مساوات دوسروں کی مساوات سے مختلف ہے، دوسروں کی مساوات صرف 'حقوق' کا نام ہے، اور اسلامی مساوات حقوق اور ذمہ داریوں کے تبادلہ کا نام ہے، مثلاً: سربراہ مملکت کے رعیت پر کچھ حقوق ہیں تو اس کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں، پھر حقوق میں اس کا ایک درجہ بڑھا ہوا ہے، اسی طرح ماں باپ اور اولاد، استاذ پیر اور متعلم و مرید، ہر ایک کے حقوق بھی ہیں اور ذمہ داریاں بھی، اور ماں باپ اور استاذ و پیر کا ایک درجہ بڑھا ہوا ہے۔

اسی طرح عورتوں کے لئے کچھ حقوق ہیں اور ان کی کچھ ذمہ داریاں ہیں، اور مردوں کے لئے بھی کچھ حقوق ہیں اور کچھ ذمہ داریاں ہیں، اور مردوں کا ایک درجہ بڑھا ہوا ہے، یہ زبردست اللہ کی حکمت کی تقسیم ہے، اور جو عورتوں کے حقوق ہیں وہ مردوں کی ذمہ داریاں ہیں، اور جو عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں وہ مردوں کے حقوق ہیں، مثلاً: نان و نفقہ اور اخلاقی برتاؤ عورتوں کا حق ہے، پس یہ شوہروں کی ذمہ داری ہے، اور تعظیم شوہروں کا حق ہے پس یہ عورتوں کی ذمہ داری ہے۔

۲- خاندانی زندگی کو پروان چڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ مرد و زن میں سے کوئی ایک بالادست اور دوسرا زیر دست ہو، بالادست کہے اور زیر دست مانے تو گھر جنت کا نمونہ بنے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے مرد کو بالادست بنایا ہے اور عورتوں کو زیر دست، اس پر اعتراض کرنا اللہ کی حکمت پر اعتراض کرنا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کا حق صرف مرد کو دیا، کیونکہ یہ حق (رائٹ) نہیں ہے، بلکہ ایمر جنسی ایگزیزٹ (الباب الطواری) ہے، اور آگ لگنے پر بھاگنے کا راستہ اُدھر ہی بنایا جاتا ہے جدھر ہموار جگہ ہوتی ہے، عورت کو طلاق کا اختیار دیا

جائے گا تو وہ جذباتی ہوتی ہے، روز گھر ٹوٹیں گے، ہاں اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے، پس اس کا اختیار قاضی کے ہاتھ میں دیا ہے، وہ گھر نہ بناہ سکتی ہو تو قاضی کے پاس جائے، وہ اس کا مسئلہ حل کرے گا۔

اسی طرح رجعت کا اختیار بھی صرف شوہر کو دیا ہے، کیونکہ یہ نیا نکاح نہیں ہے، سابقہ نکاح کی بحالی ہے، اور سابقہ نکاح میں عورت کی رضامندی شامل تھی۔

آیت کریمہ: اور مطلقہ عورتیں خود کو انتظار میں رکھیں تین ماہ اور یوں تک، اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ چھپائیں جو کچھ اللہ نے ان کی بچہ دانیوں میں پیدا کیا ہے (حمل اور حیض سے) اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتی ہیں (یہ عدت کی پہلی مصلحت کا بیان ہے) اور ان کے شوہران کو لوٹا لینے کا زیادہ حق رکھتے ہیں اس (عدت) میں، اگر وہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں (یہ عدت کی دوسری مصلحت کا بیان ہے) اور ان عورتوں کے لئے حقوق ہیں جیسے ان پر ذمہ داریاں ہیں (اسی طرح مردوں کے لئے بھی حقوق ہیں اور ان پر بھی ذمہ داریاں ہیں) دستور کے موافق (اس کی تفصیل احادیث میں ہے) اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں (یہ اعتراض کا جواب ہے)

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَاَمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحًا بِاِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
تَاْخُذُوْا مِمَّا اَنْتُمْ مَوْهُنٌ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ فَاِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ
اللّٰهِ ۗ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۗ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۳۰ فَاِنْ
طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدِ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا
لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ۝۳۱

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ^(۱)	طلاق دو بار ہے	فَاَمْسَاكَ بِمَعْرُوفٍ	پھر روکنا ہے بھلے طریقے سے	اَوْ تَسْرِيحًا بِاِحْسَانٍ	یا چھوڑنا ہے حسن سلوک کے ساتھ
--	-------------------	----------------------------	-------------------------------	--------------------------------	----------------------------------

(۱) مرتان: ای مرتہ بعد مرتہ: دو بار یعنی ایک ساتھ نہیں۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا ^(۱) أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعَذَابًا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا ^(۳) فَلَاحُنَاحٌ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا ^(۳) إِنْ ظَنَنْتُمْ أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ	اور جائز نہیں تمہارے لئے کہ تو تم اس میں سے جو دیا ہے تم نے ان کو کچھ بھی مگر یہ کہ ڈریں دونوں کہ نہیں قائم رکھیں گے وہ اللہ کے حکموں کو پس اگر ڈرو تم (لئے حکموں) کہ نہیں قائم رکھیں گے دونوں اللہ کے ضابطوں کو تو کوئی گناہ نہیں	عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعَذَابٌ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا ^(۳) فَلَاحُنَاحٌ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا ^(۳) إِنْ ظَنَنْتُمْ أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ	دونوں پر اس میں جو جان چھڑائے عورت اس کے ذریعہ یہ اللہ کے احکام ہیں پس نہ آگے بڑھوان سے اور جو آگے بڑھے گا اللہ کے ضابطوں سے تو وہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں پھر اگر (تیسری) طلاق دی شوہر نے عورت کو تو حلال نہیں عورت اس شوہر کے لئے اس کے بعد	یہاں تک کہ نکاح کرے وہ کسی شوہر پر پہلے شوہر کے علاوہ پھر اگر طلاق کرے وہ اس کو تو کوئی گناہ نہیں دونوں پر کہ باہم مل جائیں (نکاح کر لیں) اگر خیال ہو دونوں کا کہ قائم کریں گے اللہ کے ضابطوں کو اور یہ اللہ کے احکام ہیں واضح کرتے ہیں ان کو ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں
--	--	---	---	--

ربط اور خلاصہ: گذشتہ آیت میں شوہر کو عدت میں رجعت کا اختیار دیا تھا، اب یہ بیان ہے کہ رجعت کرنے کا اختیار صرف ایک صورت میں ہے اور دو صورتوں میں رجعت نہیں ہو سکتی، جب ایک یا دو رجعی طلاقیں دی ہوں تو عدت میں رجعت جائز ہے، اور اگر مال کے عوض طلاق دی ہے یا تین طلاقیں دی ہیں تو رجعت جائز نہیں، البتہ خلع (طلاق علی المال) میں جدید نکاح ہو سکتا ہے، اور تین طلاقوں میں حلالہ ضروری ہے۔

اور ان آیات میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) یخافا: یعنی زوجین، اور خفتم: یعنی حکمین (۲) من بعد: مضاف الیہ محذوف منوی ہے، اس لئے مبنی ہے ای: بعد الثالثة۔ (۳) تراجع (تفاعل): ایک دوسرے کی طرف لوٹنا، دوبارہ نکاح کر لینا۔

- ۱- رجعت کا حق دور جمع طلاقوں تک ہے، بائناہ طلاق میں رجعت نہیں ہو سکتی، البتہ نیا نکاح ہو سکتا ہے۔
- ۲- اگر شوہر: عورت کو چھوڑنا چاہتا ہے، عورت نہیں چاہتی، وہ نباہ کرنا چاہتی ہے تو بوقت طلاق سارا مہر یا اس کا کوئی جزء واپس لینا جائز نہیں۔
- ۳- اگر کشاکشی دنوں جانب سے ہے، نباہ دونوں کے لئے مشکل ہے تو طلاق کا عوض لے سکتے ہیں، مگر مہر سے زیادہ کا مطالبہ درست نہیں۔
- ۴- تیسری طلاق ہرگز نہیں دینی چاہئے، اس سے معاملہ تنگ ہو جائے گا، عورت مغلطہ ہو جائے گی اور حلالہ ضروری ہوگا۔
- ۵- حلالہ کے بعد پہلے شوہر سے نکاح درست ہے۔

۱۰- رجعت کا حق دور جمع طلاقوں تک ہے

گذشتہ آیت میں شوہر کو رجعت کا حق دیا ہے، یہ حق دور جمع طلاقوں تک ہے، طلاق دینے کا وقت: ایسا طہر ہے جس میں صحبت نہ کی ہو، اور بہتر یہ ہے کہ صریح (واضح) لفظ سے ایک طلاق دے، پھر عدت گزارنے دے، عدت کے بعد عورت نکاح سے نکل جائے گی، اور دوسرا نکاح کر سکے گی۔ اور اگر چاہے تو اگلے طہر میں دوسری صریح طلاق دے، تیسری طلاق ہرگز نہ دے، ورنہ معاملہ تنگ ہو جائے گا۔

غرض: شوہر کا رجعت کا حق دور جمع طلاقوں تک ہی ہے، پھر اگر رجعت کرے تو نباہ کرنے کی نیت سے کرے، عورت کو پریشان کرنا یا عدت کو لمبا کرنا مقصود نہ ہو، بھلے طریقہ کا یہی مطلب ہے، اور اگر نہ رکھنی ہو تو عدت پوری ہونے دے، پھر حسن سلوک کر کے رخصت کرے، آگے (آیت ۲۳۱) میں آ رہا ہے کہ طلاق والیوں کو جوڑا دینا مستحب ہے، اور مطلقہ عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں عدت گزارے، وہاں سے شوہر خوش کر کے رخصت کرے۔

﴿الطَّلَاقُ مَدْرَسَةٌ ۖ فَاِمْسَاكُ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيَةٌ بِاِحْسَانٍ﴾

ترجمہ: طلاق دوبارہ ہے، پھر بھلے طریقہ سے روک لینا ہے — یعنی رجعت کرنا ہے — یا حسن سلوک کر کے رخصت کرنا ہے۔

۱۱- طلاق کے وقت مہر واپس لینا جائز نہیں

اگر شوہر چھوڑنا چاہتا ہے، عورت کی طرف سے طلاق کی کوئی چاہت نہیں تو بوقت طلاق سارا مہر یا اس کا کوئی حصہ واپس لینا جائز نہیں، کیونکہ شوہر: عورت سے استفادہ کر چکا ہے، مہر: اس کا عوض بن گیا ہے، اور عورت کا کوئی قصور نہیں، شوہر کی نظر پھر گئی ہے، اس لئے سارا مہر یا اس کا کوئی حصہ واپس لینا جائز نہیں۔

﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا ﴾

ترجمہ: اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اس (مہر) میں سے کچھ بھی (واپس) لو جو تم نے ان کو دیا ہے — اس میں اشارہ ہے کہ مہر نکاح میں کیش (نقد) ہونا چاہئے، اور ادھار ہو تو بوقت طلاق پورا مہر ادا کیا جائے، کچھ روکا نہ جائے۔

۱۲- طلاق علی المال (خلع) کی صورت میں سارا مہر یا کچھ مہر واپس لینا جائز ہے

اگر عدم موافقت جائنہن سے ہو، نہ شوہر بیوی کو چاہتا ہے، نہ بیوی شوہر کو، تو سورۃ النساء (آیات ۳۴ و ۳۵) میں ترتیب وار چار حل آئے ہیں، فہمائش کرنا، خواب گاہ میں الگ کرنا، تادیب کرنا اور پنچایت، بٹھانا، اگر ان سے معاملہ قابو میں نہ آئے، اور میاں بیوی کو اندیشہ ہو کہ وہ ساتھ رہ کر ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے، اور جو رشتہ دار حکم (ثالث) بن کر بیچ میں پڑے ہیں ان کو بھی ڈر ہو کہ اب دونوں کا نباہ مشکل ہے، تو ایسی صورت میں شوہر سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس لے سکتا ہے، کیونکہ اس صورت میں قصور عورت کا بھی ہے۔

پھر آیت کے آخر میں نصیحت کی ہے کہ یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں، ان کو بجالانا چاہئے، اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا، اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

ملحوظہ: طلاق علی المال اور خلع ایک ہیں، اگر معاملہ نمٹاتے وقت لفظ طلاق استعمال کیا ہے تو وہ طلاق علی المال ہے، اور لفظ خلع استعمال کیا ہے تو وہ خلع ہے، اگر یوں کہا کہ میں تجھے مہر کے عوض طلاق دیتا ہوں اور عورت نے قبول کیا تو ایک طلاق بائنہ پڑے گی، اور اگر کہا کہ میں مہر کے عوض خلع دیتا ہوں اور عورت نے قبول کیا تو بھی ایک طلاق بائنہ پڑے گی، اب رجعت تو نہیں ہو سکتی، مگر عدت میں یا عدت کے بعد نیا نکاح ہو سکتا ہے۔

﴿ إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۖ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۚ إِنَّكَ مُدْرِكُ الْوَعْدِ اللَّهُ ۚ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ وَهَآءِ ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: (مہر میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں) لیکن اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کے حکموں کی پابندی نہیں کر سکیں گے — یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے، نہ ذمہ داریاں نباہ سکیں گے — تو اگر تمہیں — اے پنچو اور رشتہ دارو — خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کے احکام کی پابندی نہیں کریں گے، تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں، اس (مال کے لینے دینے) میں جس کے ذریعہ عورت اپنی جان چھڑائے!

(نصیحت: یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے احکام ہیں، پس ان کی خلاف ورزی مت کرو، اور جو اللہ کے احکام کی خلاف

ورزی کرے گا وہ اپنے ہی پیروں پر کلبھاڑی مارے گا!

۱۳- تیسری طلاق ہرگز نہ دے، ورنہ معاملہ تنگ ہو جائے گا

شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے، مگر شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنا سارا حق استعمال نہ کرے، ایک یا دو طلاقوں پر اکتفا کرے، اگر تیسری طلاق دے گا تو عورت مغفلہ ہو جائے گی، اب نہ رجوع ہو سکے گا نہ نکاح، عورت کو دوسرے شخص سے نکاح کرنا پڑے گا، جس کو شوہر کی غیرت کیسے گوارا کرے گی!

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ ﴾

ترجمہ: پھر اگر شوہر نے اس کو (تیسری) طلاق دی تو وہ عورت اس کے لئے تیسری کے بعد حلال نہیں، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ شوہر سے نکاح کرے!

۱۴- حلالہ کے بعد پہلے شوہر کا اس عورت سے نکاح درست ہے

جو عورت تین طلاقیں دینے کی وجہ سے مغفلہ ہوگئی وہ عدت کے بعد کسی اور شوہر سے نکاح کرے، پھر اگر دوسرا شوہر صحبت کرنے کے بعد مر جائے یا طلاق دیدے تو اس کی عدت کے بعد پہلا شوہر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

حلالہ اگرچہ شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے، مگر اس کا اثر مرتب ہوگا، جیسے حیض میں طلاق دینا ناپسندیدہ ہے، مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک ساتھ تین طلاقیں دینا برا ہے، مگر وہ واقع ہو جاتی ہیں، جیسے زہر کھانا حرام ہے اور کسی کو ناحق قتل کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے، مگر جو زہر کھائے گا وہ مر جائے گا، اور ناحق گولی مارے گا تو بھی مر جائے گا۔

فائدہ (۱): اسکیم بنا کر حلالہ کرنا کرانا نہایت برا ہے، حدیث میں دوسرے شوہر کو التیسُّ الْمُسْتَعَار (بکری گا بھن کرنے کے لئے مانگا ہوا بکرا) کہا ہے، اور حدیث میں دونوں شوہروں پر لعنت بھیجی ہے، تاہم اگر ایجاب و قبول میں حلالہ کا ذکر نہیں، اور دوسرا شوہر صحبت کرنے کے بعد طلاق دے تو اس کی عدت کے بعد عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی، جس حدیث میں لعنت بھیجی گئی ہے اس میں دوسرے شوہر کو مُحِلٌّ اور پہلے شوہر کو مُحِلُّ لَہُ کہا ہے یعنی حلال کرنے والا اور جس کے لئے حلال کیا، معلوم ہوا کہ حلالہ برا فعل ہے، مگر عورت حلال ہو جائے گی۔

اور حلالہ میں دوسرے شوہر کی صحبت کی شرط حدیث عُسَيْلَةَ سے لگی ہے، اور ﴿ حَتَّى تَنْكِحَ ﴾ میں نکاح کے لغوی معنی بھی ملاپ کے ہیں۔ پس آیت کے اشارے سے بھی صحبت کی شرط نکلتی ہے۔

فائدہ (۲): اور اگر پہلا شوہر اور مطلقہ بے خبر ہوں، اور کوئی بھلا مانس اس نیت سے اس سے نکاح کرے کہ صحبت کر کے طلاق دیدے گا، تا کہ وہ پہلے شوہر سے نکاح کر کے اپنے بچوں میں مل جائے تو ایسا کرنا مستحب ہے اور سلف سے ثابت ہے۔

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ فُتِنَا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴾ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) اس کو طلاق دیدے تو دونوں پر (پہلے شوہر اور اس کی مطلقہ پر) کوئی گناہ نہیں کہ دونوں (نکاح کر کے) باہم مل جائیں، اگر دونوں کا خیال ہو کہ وہ اللہ کے ضابطوں کی پابندی کریں گے اور یہ اللہ کے احکام ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ان لوگوں کے لئے واضح کرتے ہیں جو جانتے ہیں! — یعنی جانا چاہتے ہیں، بالقوة جانا مراد ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تَسِيكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَةَ اللَّهِ هُزُورًا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۱﴾

۳۰/۳۱

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تَسِيكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَةَ اللَّهِ هُزُورًا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۱﴾	اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پس پینچیں وہ اپنی مدت کو پس روکوان کو حسب دستور یا چھوڑوان کو حسب دستور	وَلَا تَسِيكُوهُنَّ ضِرَارًا ^(۱) لِتَتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ^(۲) فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَةَ اللَّهِ هُزُورًا	اور نہ روکوان کو نقصان پہنچانے کیلئے تاکہ زیادتی کرو تم اور جو کرے گا ایسا تو اس نے نقصان کیا اپنا اور نہ بناؤ اللہ کے احکام کو	هُزُورًا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ ^(۳) عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ	ٹھٹھا (کھلونا) اور یاد کرو اللہ کے احسانات تم پر اور جو اتارا اس نے تم پر قرآن سے اور احادیث سے نصیحت کرتے ہیں وہ تم کو
---	--	--	---	--	---

(۱) ضِرَارًا: مفعول لہ ہے (۲) ذَلِكَ: کا مشار الیہ ضِرَارًا ہے (۳) مَا أَنْزَلَ کا عطف نعمت اللہ پر ہے۔

بہ (۱)	اس کے ذریعہ	وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ	اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ	بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ	ہر چیز سے خوب واقف ہیں
--------	-------------	------------------------------	------------------------------	---------------------------	---------------------------

۱۵- عورت کو پریشان کرنے کے لئے رجعت کرنا شریعت کے ساتھ کھلوڑا ہے!

طلاق رجعی کے بعد دو صورتیں ہیں، یا تو رجعت کرے اور بیوی کو نکاح میں لوٹالے، یا عدت پوری ہونے دے، عدت کے بعد وہ نکاح سے نکل جائے گی اور دوسرا نکاح کر سکے گی، اس دوسری صورت میں تو کوئی مسئلہ نہیں، البتہ رجعت کی صورت میں: بعض لوگوں کا مقصد عورت کو پریشان کرنا ہوتا ہے، وہ اس کو نکاح میں لوٹا کر سیدھا کرنا چاہتے ہیں، اس آیت میں اس کی سخت ممانعت ہے، یہ اللہ کے احکام کے ساتھ یعنی رجعت کی اجازت کے ساتھ کھلوڑا ہے، پس ایسا ہرگز نہ کیا جائے، سلیقہ سے رکھنا مقصود ہو تو رجعت کرے، ورنہ حکم شریعت کے مطابق چھوڑ دے۔

آیت پاک: اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دیدی، پھر ان کی عدت پوری ہونے کو آئی، پس یا تو ان کو حسب دستور روک لو یا حسب دستور چھوڑ دو — یہ نئی بات بیان کرنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے، تکرار نہیں ہے، یہ قرآن کریم کا اسلوب ہے — اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے مت روکو کہ تم زیادتی کرو — یہ مقصود کلام ہے — اور جو یہ کام کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اور تم اللہ کے احکام کو کھلونا مت بناؤ — یعنی جواز رجعت کی رخصت سے غلط فائدہ مت اٹھاؤ — اور تم اپنے اوپر اللہ کے احسانات کو اور قرآن وحدیث کو یاد کرو — عطف تفسیری ہے، قرآن وحدیث اللہ کی نعمتیں ہیں، ان کو پڑھو اور ان کے احکام کی کما حقہ تعمیل کرو — اللہ تعالیٰ تم کو ہر ایک کے ذریعہ نصیحت کرتے ہیں — یعنی قرآن وحدیث تمہارے فائدے کے لئے نازل کی گئی ہیں — اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہیں!

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ
إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمُ آذَانٌ لَكُمْ وَأَطَّهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵﴾

وَإِذَا	اور جب	طَلَقْتُمُ	طلاق دی تم نے	النِّسَاءَ	عورتوں کو
---------	--------	------------	---------------	------------	-----------

(۱) بہ: کام جمع کل واحد من الکتب والحکمة ہے، اور مفرد کی ضمیر اس لئے ہے کہ کتاب وسنت ایک ہیں، دونوں وحی ہیں۔

فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ ^(۱) أَنْ يَتَّكِيْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ	پس پہنچ گئیں وہ اپنی مدت کو پس نہ روکوان کو کہ شادی کریں وہ اپنے شوہروں سے جب خوش دل ہو جائیں وہ باہم	بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	دستور کے موافق (یہ حکم) نصیحت کی جاتی ہے اس سے اس کو جو تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت پر	ذَلِكُمْ ^(۳) أَزْكَى لَكُمْ وَإِظْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ	یہ (حکم) ستھرائی ہے تمہارے لئے اور زیادہ پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے
--	---	--	---	---	--

۱۶۔ اگر عورت پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو اولیاء نہ روکیں

طلاق رجعی کی عدت میں شوہر کو رجعت کرنے کا حق ہے، لیکن ختم عدت کے بعد یہ حق نہیں، البتہ نیا نکاح ہو سکتا ہے، اور طلاق بائنہ میں عدت میں اور عدت کے بعد نکاح کی تجدید ہو سکتی ہے، پس اگر مطلقہ عورت پہلے شوہر ہی سے نکاح کرنا چاہے تو اولیاء اس کو نہ روکیں، اس میں مصلحت ہے، اور شان نزول کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا ایک شخص سے نکاح کر دیا، اس نے رجعی طلاق دیدی، اور عدت میں رجوع نہیں کیا، عدت ختم ہونے کے بعد دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیغام دیا، عورت بھی اس پر راضی تھی، مگر عورت کے بھائی حضرت معقلؓ کو غصہ آ گیا، انھوں نے بہنوئی کو نکاسا جواب دیدیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، بھائی فوراً تیار ہو گئے، اور بہن کا اس سے نکاح کر دیا۔

آیت کریمہ: اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر ان کی عدت پوری ہو جائے، پس ان کو ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو، جب وہ باہم خوش دل ہو جائیں، جائز طریقہ پر — یعنی ان سے نکاح جائز ہو، عورت مغلظہ نہ ہو گئی ہو — یہ ناصحانہ حکم ہے ان کے لئے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں — ناصحانہ: یعنی خیر خواہانہ، قربان جائیے رب کریم کی عنایتوں کے! کیسا پیار بھرا انداز ہے! — اس حکم میں تمہارے لئے ستھرائی اور پاکیزگی ہے! — کیونکہ عورت کی پہلے خاوند کی طرف رغبت ہے، پس اگر اس کے ساتھ نکاح نہیں کرنے دو گے تو راہ و رسم پیدا ہوگی، اور برائی کا اندیشہ ہے، پس اس کے ساتھ نکاح ہونے میں ستھرائی اور پاکیزگی ہے، دونوں گناہ سے بچیں گے —

(۱) عَضُلُ (باب نصر) سختی کے ساتھ روکنا، عَضْلَةٌ سے ماخوذ ہے، پس عَضُلُ کے معنی ہوئے: بازو پکڑ کر باندھ دینا (۲) اَنْ يَتَّكِيْنَ يَنْكِحْنَ: ہن سے بدل اشتمال ہے یا اس سے پہلے مِّنْ مَّحْذُوفٍ ہے اور مَعْلُقٌ لَا تَعْضُلُوهُنَّ ہے (۳) ذَلِكُمْ: میں کم ضمیر خطاب ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے — یہ دوسری مرتبہ پیار و محبت سے تعمیل حکم کی ترغیب دی ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ
الرِّضَاعَةَ، وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ
إِلَّا وُسْعَهَا، لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَالِدَيْهِ، وَعَلَى الْوَارِثِ
مِثْلُ ذَلِكَ، فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَأَلْتُمْ مَّا آتَيْتُمْ
بِالْمَعْرُوفِ، وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۷۰﴾

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرِّضَاعَةَ ^(۱) وَعَلَى الْمَوْلُودِ ^(۲) لَهُ	اور جننے والیاں (مائیں) دودھ پلائیں اپنے بچوں کو دو سال پورے اس کے لئے جو چاہتا ہے کہ پورا کرے دودھ پینا اور اس پر جو جانا گیا بچہ اس کے لئے	رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ ^(۳) وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ	ان کی روزی اور ان کا کپڑا ہے عرف کے مطابق نہیں حکم دیا جاتا کوئی شخص مگر اسکی گنجائش کے بقدر نہ نقصان پہنچائی جائے جننے والی اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ جو جانا گیا	لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ ^(۴) مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ ^(۵) فَلَا جُنَاحَ	اس کے لئے اس کے بچے کی وجہ سے اور (بچے کے) وارث پر اس کے مانند ہے پھر اگر چاہیں دونوں دودھ چھڑانا رضامندی سے باہمی اور باہمی مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں
--	---	---	--	---	--

(۱) الرِّضَاعَةُ: باب ضرب، سمع اور فتح کا مصدر ہے: پستان سے دودھ پینا (۲) مَوْلُودٌ لَهُ: جس کے لئے بچہ جانا گیا ہے یعنی باپ، اس میں اشارہ ہے کہ نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے (۳) تُضَارُّ: مُضَارَّةٌ سے مضارع مجہول، صیغہ واحد مؤنث غائب: تنگ کرنا، نقصان پہنچانا (۴) تَرَاضٍ: مصدر باب تفاعل: باہمی رضامندی، ایک کا دوسرے سے راضی ہونا، اصل میں تَرَاضِيٌّ تھا (۵) تَشَاوُرٍ: مصدر باب تفاعل: آپس میں مشورہ کرنا

اللہ سے	اللہ	تم پر	عَلَيْكُمْ	دونوں پر	عَلَيْهِمَا
اور جان لو	وَاعْلَمُوا	جب سپرد کرو	إِذَا سَأَلْتُمْ	اور اگر چاہو تم	وَأَنْ أَرَدْتُمْ
کہ اللہ تعالیٰ	أَنَّ اللَّهَ	جو دینا طے کیا ہے تم نے	مَّا أَتَيْتُمْ	کہ دودھ پلواؤ	أَنْ تَسْتَرْضِعُوا ^(۱)
ان کاموں کو جو تم کرتے ہو	بِمَا تَعْمَلُونَ	عرف کے مطابق	بِالْمَعْرُوفِ	اپنے بچوں کو	أَوْلَادِكُمْ
خوب دیکھ رہے ہیں	بَصِيرَةً	اور ڈرو	وَاتَّقُوا	تو کوئی گناہ نہیں	فَلَا جُنَاحَ

۱-۱- عدت کے بعد رضاعت کے احکام

عدت کا بیان ابھی باقی ہے، درمیان میں رضاعت کا بیان ہے، اس لئے کہ عدت کے بعد کبھی بچوں کی پرورش کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، اور اس آیت میں چھ باتیں ہیں:

- ۱- رضاعت (دودھ پلانے) کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، اس مدت تک دودھ پلانا جائز ہے، اس کے بعد دودھ پلانا حرام ہے، احناف کے یہاں بھی فتویٰ اسی پر ہے، اور یہ صاحبین کا قول ہے، امام صاحب کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے، اتنی عمر میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی، فتویٰ اسی پر ہے، اس میں احتیاط ہے۔
- ۲- عدت کے بعد ماں دودھ پلائے تو بچہ کے خرچ کے علاوہ ماں کا خرچ بھی باپ پر واجب ہے۔
- ۳- خرچ ماں باپ کی حیثیت کے لحاظ سے دیا جائے گا، شریعت کا ضابطہ ہے کہ حکم بقدر وسعت دیا جاتا ہے، پس نہ خرچ کم دے کر ماں کو نقصان پہنچایا جائے، نہ زیادہ کا مطالبہ کر کے باپ کو الجھن میں ڈالا جائے۔
- ۴- اگر باپ کی وفات ہوگئی ہو تو بچہ کے وارث پر دونوں کا خرچہ واجب ہے، اور چند وارث ہوں تو بقدر حصص خرچہ اٹھائیں۔

- ۵- ماں باپ باہم مشورہ کر کے دو سال سے پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں اور ڈاکٹر کا مشورہ بھی شامل کر لیں تو واہ واہ!
 - ۶- ماں کے علاوہ دوسری اتا سے دودھ پلوانا بھی جائز ہے، اور اس کو بھی طے شدہ نفقہ دینا ضروری ہے۔
- پھر آخر میں نصیحت ہے کہ اللہ سے ڈرو، اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، وہ تمہارے سب کاموں سے خوب واقف ہیں۔

- ۱- رضاعت کی مدت دو سال ہے: ارشاد فرماتے ہیں: اور ماں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو دودھ پینے کی مدت پوری کرنا چاہتا ہے — یعنی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، اس (۱) تستر ضعوا: استر ضاع سے مضارع، جمع مذکر حاضر: دودھ پلوانا۔

کے بعد دودھ پلانا حرام ہے، البتہ کسی مصلحت سے پہلے دودھ چھڑا سکتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۲- عدت کے بعد ماں دودھ پلائے تو خرچ باپ کے ذمہ ہے: — اگر بچہ کی ماں نکاح میں ہو تو دودھ پلانے کا خرچ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ بیوی کا خرچہ شوہر پر ہے ہی، اسی طرح ماں طلاق کی عدت میں ہو تو بھی خرچہ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ معتدہ کا خرچہ بھی شوہر پر ہے، البتہ عدت کے بعد ماں دودھ پلائے، اور بچہ کی پرورش کرے تو بچہ کے خرچ کے علاوہ ماں کا خرچ بھی دینا ہوگا، ارشاد فرماتے ہیں: — اور باپ پر (جس کے لئے بچہ جنا گیا ہے) ماؤں کا کھانا کپڑا ہے۔

۳- خرچ ماں اور باپ کی حیثیت کے لحاظ سے دیا جائے گا: ارشاد فرماتے ہیں: عرف کے لحاظ سے — یعنی ماں اور باپ کی حیثیت کا لحاظ کر کے، اس لئے کہ شریعت کا ضابطہ ہے کہ — کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا حکم نہیں دیا جاتا (پس) نہ ماں نقصان پہنچائی جائے اس کے بچہ کی وجہ سے، اور نہ باپ نقصان پہنچایا جائے، اس کے بچہ کی وجہ سے — یعنی باپ کے ساتھ ماں کی حیثیت کا بھی لحاظ کیا جائے۔

۴- باپ نہ ہو تو وارث خرچہ دیں: ارشاد فرماتے ہیں: اور (بچہ کے) وارث پر اسی کے بقدر وجوب ہے — اگر باپ کا انتقال ہو گیا، اور بچہ مالدار ہے تو اس کے مال سے دودھ پلانے کی اجرت دی جائے گی، ورنہ جو محرم رشتہ دار اس کی میراث کے حقدار ہیں ان پر اجرت واجب ہوگی اور اگر متعدد ورثاء ہوں تو اپنے حصہ میراث کے تناسب سے خرچہ دیں۔

۵- دو سال سے پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں: ارشاد فرماتے ہیں: — پھر اگر دونوں (ماں باپ) باہمی رضامندی اور مشورہ سے (دو سال سے پہلے) دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں — بچہ عام طور پر ایک سال کے بعد روٹی پکڑ لیتا ہے یا باہر کا دودھ لینے لگتا ہے، اور ماں کا دودھ بھی کم ہو جاتا ہے، پس اگر مصلحت ہو تو پہلے بھی دودھ چھڑایا جاسکتا ہے، البتہ جب تک ماں کو پرورش کا حق ہے بچہ ماں کے پاس رہے گا، اور اس کا خرچہ دیا جائے گا، اور دودھ چھڑانے کے بعد ماں کا نفقہ نہیں دیا جائے گا۔

۶- دوسری اتا سے دودھ پلوانا بھی جائز ہے: ارشاد فرماتے ہیں: اور اگر تم — اس میں باپ کے ساتھ ورثاء کو بھی ملحوظ رکھا ہے — اپنے بچوں کو (کسی اتا سے) دودھ پلوانا چاہو تو (بھی) تم پر کوئی گناہ نہیں، جب تم ان کے حوالے کرو جو اجرت عرف کے لحاظ سے طے پائی ہے — یعنی ان سے بھی اجرت پر دودھ پلوانا سکتے ہو۔

نصیحت: اور اللہ سے ڈرو — یعنی احکام خداوندی کی خلاف ورزی مت کرو — اور جان لو کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہے ہیں!

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸﴾

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ ^(۱) مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ ^(۲) أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ	اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں انتظار میں رکھیں وہ اپنے آپ کو	أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	چار ماہ اور دس دن پس جب پہنچ جائیں وہ اپنی مدت کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر	فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ	اس میں جو کیا انہوں نے اپنے حق میں شریعت کے موافق اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو پورے باخبر ہیں
---	--	---	---	--	---

۱۸- حائلہ (غیر حاملہ) کی عدتِ وفات چار ماہ دس دن ہے

اگر عورت حاملہ نہ ہو تو شوہر کی موت کی عدت چار ماہ دس دن ہیں، اور حاملہ ہو تو وضع حمل ہے، پھر وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، مرحوم کے ورثاء کا اس پر کوئی حق نہیں، جاہلیتِ قدیمہ اور جدیدہ میں عورت بھی میراث سمجھی جاتی ہے، ورثاء جہاں چاہتے ہیں اس کا نکاح کرتے ہیں یا وہ ایک دو بچوں کو لے کر بیٹھی رہتی ہے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں، عدت تک نکاح سے رکن ضروری ہے، پھر اگر نکاح کے قابل ہے تو نکاح کرے، اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اولیاء کی ہے، ماں کی نہیں۔

آیت کریمہ: اور تم میں سے جو لوگ انتقال کر جائیں، اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ خود کو چار ماہ دس دن تک انتظار میں رکھیں، پھر جب وہ اپنی مقررہ مدت کو پہنچ جائیں تو تم پر (ورثاء پر) کچھ گناہ نہیں اس میں جو انہوں نے اپنے حق میں کیا، حکم شریعت کے مطابق، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے پورے باخبر ہیں جو تم کرتے ہو!

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عِلْمَ

(۱) يُتَوَفَّوْنَ: مضارع مجہول، جمع مذکر غائب، تَوَفَّى: مصدر باب تَفَعَّلَ: مرجانہ، وفات پانا (۲) يَذُرُونَ: مضارع، جمع مذکر غائب، وَذَّرَ يَذِّرُ وَذَرًا: چھوڑنا۔

اللَّهُ أَنْتُمْ سَتَذَكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا
وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابَ أَجَلَهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ
مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

۳۰۲

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِيمَ اللَّهِ أَنْتُمْ سَتَذَكُرُونَهُنَّ	اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں جو اشارہ کنایہ میں کہو تم وہ بات پیام سے عورتوں کے یا چھپائی تم نے تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے جانا کہ تم اب ذکر کرو گے ان کا	وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابَ	لیکن ان سے وعدہ مت ٹھہراؤ پوشیدگی میں مگر یہ کہ کہو تم بات بھلی (جائز) اور نہ پکی کر لو ستمھی نکاح کی یہاں تک کہ پہنچے	أَجَلَهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۗ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ	اس کی مقررہ مدت کو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو تمہارے دلوں میں ہے پس ڈرو ان سے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں
--	---	--	--	---	---

۱۹- عدت میں نہ نکاح جائز نہ پیام نکاح، ہاں دل میں ارادہ رکھ سکتے ہیں اور اشارہ بھی کر سکتے ہیں

جب عورت نکاح سے جدا ہوگئی، خواہ شوہر کی وفات ہوگئی یا طلاق بائنہ پڑگئی، اور عورت عدت میں بیٹھ گئی، تو اب جب تک وہ عدت میں ہے نہ نکاح جائز نہ پیام نکاح اور نہ صاف وعدہ لینا، ہاں دل میں نیت رکھ سکتے ہیں، اور اشارہ کنایہ میں مطلب بھی ظاہر کر سکتے ہیں، تا کہ کوئی اور پہل نہ کر بیٹھے۔ اور اشارہ کنایہ کو لوگ سمجھتے ہیں، اور قوموں کے محاورات بھی مختلف ہیں، اردو میں گوری اور عربی میں حیاتی اور انگریزی میں ڈارنگ سے خطاب میں ایک اشارہ ہے۔

(۱) تعویض: بغیر کھولے بات کہنا (۲) اِكْتِنَان: دل میں رکھنا (۳) مُوَاعِدَةٌ: ایک دوسرے سے وعدہ کرنا (۴) عَزَمَ (ض) محکم کرنا، پکا کرنا۔

آیت کریمہ: اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ اشارہ کنایہ میں عورتوں کو نکاح کا پیام دو، یا اپنے دلوں میں (نکاح کا ارادہ) چھپاؤ۔ اور وجہ اجازت یہ ہے کہ۔۔۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے۔۔۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کا خواہش مند ہو تو ذکر کئے بغیر نہیں رہتا۔۔۔ مگر چپکے سے ان سے وعدہ مت ٹھہراؤ، ہاں بھلی بات کہہ سکتے ہو۔۔۔ وہی اشارہ کنایہ میں بات کہنا مراد ہے۔۔۔ اور نکاح کی گہرہ مضبوط مت باندھو جب تک نوشتہ اس کی مدت کو نہ پہنچ جائے۔۔۔ یعنی عدت میں نکاح جائز نہیں۔۔۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتے ہیں، لہذا ان سے ڈرو۔۔۔ یعنی ناجائز بات کا دل میں ارادہ بھی مت کرو۔۔۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں۔۔۔ یعنی اگر کسی ناجائز بات کا ارادہ کیا، پھر توبہ کر لی تو وہ معاف کر دیں گے، اور توبہ نہیں کی اور فوراً سزا نہیں ملی تو وہ ان کی بردباری ہے، دھوکہ مت کھاؤ، آخرت میں سزا ملے گی۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ
وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرًا وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدَرًا ۖ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى
الْمُحْسِنِينَ ۝ وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ
فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ
عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۖ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ
إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

کچھ مقرر کرنا	فَرِيضَةً	جب تک	مَا ^(۱)	کچھ گناہ نہیں	لَا جُنَاحَ
اور کچھ مال وغیرہ دو ان کو	وَمَتَّعُوهُنَّ	نہ چھو یا ہونے ان کو	لَمْ تَمْسُوهُنَّ	تم پر	عَلَيْكُمْ
مقدور پر	عَلَى الْمَوْسِعِ	یا (نہ) مقرر کیا ہو	أَوْ تَفْرِضُوا ^(۲)	اگر طلاق دو تم	إِنْ طَلَقْتُمُ
اس کی حیثیت سے	قَدَرًا	ان کے لئے	لَهُنَّ	عورتوں کو	النِّسَاءَ

(۱) ما: مصدر یہ ظرفیہ ہے، جیسے مَا دُمْتُ حَيًّا: اسی مدد دو امی حیا: جب تک میں زندہ ہوں (۲) تفرضا کا عطف تمسوهن پر ہے، پس لم یہاں بھی آئے گا اور او: مانعہ الخلو کا ہے۔ مانعہ الخلو میں دو باتیں جمع ہو سکتی ہیں، مرفوع نہیں ہو سکتیں۔

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدْرَهُ مَتَاعًا ^(۱) بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا ^(۲) عَلَى الْمُحْسِنِينَ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ	اور تنگ دست پر اس کی حیثیت سے فائدہ پہنچانا حسب دستور لازم ہے نیوکاروں پر اور اگر طلاق دو تم ان کو پہلے ان کو ہاتھ لگانے کے در انحالیکہ تحقیق	فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَوَصَّفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِينَ بَيَّيْنَا	مقرر کیا ہے تم نے ان کے لئے کچھ مقرر کرنا تو آدھا ہے اس کا جو تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ معاف کریں عورتیں یا معاف کرے وہ شخص جو اس کے ہاتھ میں ہے	عُقْدَاتُهُ الذِّكَاةُ وَإِنْ تَعَفَّوْا ^(۳) أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ	گرہ نکاح کی اور (مرد کا) معاف کرنا زیادہ قریب ہے پر ہیزگاری سے اور مت بھولو احسان کرنا آپس میں بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والے ہیں
--	---	--	--	--	--

۲۰۔ خلوت صحیحہ اور مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دینا جائز ہے، اور اس صورت میں متعہ واجب ہے

خلوت صحیحہ: کسی ایسی جگہ میاں بیوی کا جمع ہونا جہاں صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہو، اور مجامعت کے لئے تنہائی شرط نہیں، اور نکاح کی صحت کے لئے مہر کا مقرر ہونا یا اس کا تذکرہ ہونا ضروری نہیں، بعد میں بھی مقرر کیا جاسکتا ہے، البتہ نکاح میں مہر ضروری ہے۔

اور متعہ کے معنی ہیں: فائدہ پہنچانا، برتنے کے لئے مال سامان دینا، اور متعہ کی کم سے کم مقدار چار کپڑے ہیں، کرتا، پاجامہ، اوزھنی اور بڑی چادر جس میں سر سے پیر تک لپٹ سکے (برقعہ) (بہشتی زیور) اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مطلقہ کو دس ہزار درہم دیئے ہیں۔

اگر نکاح ہو گیا اور کوئی مہر مقرر نہیں ہوا، پھر مجامعت یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دینا چاہے تو جائز ہے، اور اس صورت میں شوہر پر متعہ واجب ہے، اور یہ شوہر اپنی حیثیت کے لحاظ سے دے گا، بیوی کی حیثیت کا اس میں لحاظ نہیں ہوگا، اور جوڑے کی قیمت مہر مثل کے آدھے سے نہ بڑھے، یعنی ایسا قیمتی جوڑا مرد پر واجب نہیں، یوں خوشی سے بڑھیا کپڑے

(۱) متاعاً: متعہ کا مفعول مطلق ہے، اور بالمعروف: متاعاً (مصدر) سے متعلق ہے (۲) حقاً: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے: أى يَحِقُّ حَقًّا: چکی بات ہے (۳) ان تعفوا: مبتدا اور اقر ب خبر ہے، اور ان مصدر یہ ہے۔

دے تو اس کی مرضی۔

﴿لَا جُنَامَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۖ وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَىٰ الْمُسَبِّحِ قَدَارَهُ وَعَلَىٰ الْمَقْتَرِ قَدَارَهُ ۖ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَىٰ الْحُسَيْنِينَ ۝﴾

ترجمہ: تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دو، جب تک تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو، یا ان کے لئے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو — یہ ایک وہم دفع کیا ہے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب نکاح ہوا تو مہر بھی ہوگا اور عورت سے استفادہ بھی ہوگا، ان امور سے پہلے طلاق تو ایک کھیل ہوا! — جواب یہ ہے کہ ایسی ضرورت پیش آتی ہے، اس لئے طلاق دینا جائز ہے، رہا مہر کا معاملہ تو اس کی جگہ متعہ دے گا، کیونکہ استفادہ نہیں کیا، فرماتے ہیں: — اور ان کو متعہ (برتنے کی چیز) دو، مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق، یہ عرف کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے، یہ نیکو کاروں پر لازم ہے! — یعنی واجب ہے، اور دلیل وجوب ساتھ ہے کہ جو شوہر متعہ دے گا وہ نیک مسلمان ہے اور جو نہیں دے گا وہ گنہگار ہے۔

۲۱۔ خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دی، اور مہر مقرر ہوا تھا تو آدھا مہر واجب ہے

گذشتہ آیت میں مانعہ الخلو کا ﴿أَوْ﴾ آیا تھا، اور اس میں دونوں باتیں جمع تھیں، خلوتِ صحیحہ بھی نہیں ہوئی تھی اور مہر بھی مقرر نہیں ہوا تھا، اب اس آیت میں دوسری صورت ہے، اس میں ایک بات ہے، خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی، مگر مہر مقرر ہوا ہے، اور طلاق کی نوبت آگئی تو آدھا مہر واجب ہے، یاد رہے کہ مانعہ الخلو میں دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں، دونوں مرتفع نہیں ہو سکتیں، ایک کا باقی رہنا ضروری ہے، اور وہ یہی دوسری صورت ہے۔

﴿وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَرَضْتُمْ مَا فَرَضْتُمْ﴾

ترجمہ: اور اگر تم ان کو طلاق دو، ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے، اور تم نے ان کے لئے بطور مہر کچھ مقرر کیا ہے، تو مقرر کئے ہوئے کا آدھا دو۔

۲۲۔ بیوی اور شوہر آدھا مہر چھوڑ سکتے ہیں، اور شوہر کا چھوڑنا بہتر ہے

خلوت سے پہلے طلاق ہو جانے کی صورت میں چونکہ شوہر نے بیوی سے فائدہ نہیں اٹھایا اس لئے اگر عورت آدھا مہر چھوڑ دے تو ایسا کرنا چاہئے، اور اگر شوہر دریا دلی کا مظاہرہ کرے اور پورا مہر دے یا آدھا مہر واپس نہ لے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے، اور یہ دوسری صورت بہتر ہے، اس سے شوہر کا بڑکپن ظاہر ہوگا، اور تعلقات مزید ہموار ہونگے، اور لوگوں کو باہم

احسان کرنا نہیں بھولنا چاہئے، اس سے معاشرہ پروان چڑھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے سب کاموں کو دیکھ رہے ہیں، جو بھی آدھا چھوڑے گا اس کو جزائے خیر دیں گے۔

﴿إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِينَ بِيَدِهِ عِقْدَةُ الزُّكْرِ ۖ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَنسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

ترجمہ: (آدھا مہر واجب ہے) مگر یہ کہ عورتیں معاف کریں، یا وہ شخص معاف کرے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے — یعنی شوہر معاف کرے، وہی نکاح کی گرہ کھولنے کا یعنی طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے — اور شوہر کا معاف کرنا پرہیزگاری سے قریب تر ہے، اور تم باہم احسان کرنا مت بھولو، بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہے ہیں!

حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ ۖ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينًا ۖ قَانَ خِفْتُمْ فِرْجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝

حَفِظُوا	پابندی کرو	قَنِينًا ^(۱)	پادب	قَادْكُرُوا	تو یاد کرو
عَلَى الصَّلَوَاتِ	نمازوں کی	قَانَ خِفْتُمْ	پھر اگر ڈرو تم	اللَّهُ	اللہ کو
وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ	اور درمیانی نماز کی	فِرْجَالًا ^(۲)	تو پیادہ	كَمَا عَلَّمَكُم	جس طرح سکھایا تم کو
وَقَوْمُوا	اور کھڑے ہوؤ	أَوْ رُكْبَانًا	یا سواری پر (پڑھو)	مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ	جو نہیں تھے تم
لِلَّهِ	اللہ کے لئے	فَإِذَا أَمِنْتُمْ	پھر جب مطمئن ہو جاؤ تم	تَعْلَمُونَ	جاننے

رابط: طلاق، رجعت، عدت اور مہر کے مسائل پورے ہوئے، یہ سب احکام مصاحح پر مبنی تھے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخُمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ سے ایسے ہی احکام کا بیان شروع ہوا ہے جن میں مصاحح اور مفاسد کی رعایت ہے، اب احکام آگے بڑھاتے ہیں، اب یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر خطرہ شدید ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اور یہ جواز بھی برہنائے مصلحت ہے۔ اور ان آیتوں میں نماز کے تعلق سے چار باتیں ہیں، مقصود تیسری بات ہے، پہلی دو باتیں تمہید ہیں اور آخری بات تنبیہ ہے۔

(۱) قانت: اسم فاعل، قننت (ن) قنوتنا کے متعدد معانی کئے گئے ہیں، فرمان برداری کرنا، اظہارِ عاجزی کرنا، حضرت شاہ عبد القادر صاحب نے باادب ترجمہ کیا ہے (۲) رجالات: رجالات کی جمع ہے: پیادہ، رجالات کی جمع نہیں۔

۲۳- نماز کی پابندی کا حکم

نماز کے اوقات مقرر ہیں، انہی اوقات میں نماز پڑھنا ضروری ہے، سورۃ النساء (آیت ۱۰۳) میں ہے: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾: بے شک نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اوقات کا لحاظ کر کے، یعنی نماز کے اوقات مقرر ہیں، انہی اوقات میں نماز پڑھنا ضروری ہے، اور حدیث میں ہے: إِنَّ لِلصَّلَاةِ أَوْلًا وَآخِرًا: نماز کے اوقات کی ابتدا اور انتہا ہے (ترمذی) اور یہاں حکم دیا ہے کہ کبھی نمازوں کی پابندی کرو، یعنی نمازیں ان کے اوقات میں پڑھو، قضا مت کرو، خاص طور پر درمیانی نماز جو مشغولیت کے دوران آتی ہے اس کا خاص خیال رکھو، پس یہ تیسری بات کی تمہید ہے کہ شدید خطرہ میں بھی نماز بروقت پڑھنا ضروری ہے، ہیئت و حالت میں تبدیلی ہوگی مگر وقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى﴾

ترجمہ: سب نمازوں کی (عام طور پر) اور درمیانی نماز کی (خاص طور پر) پابندی کرو۔

درمیانی نماز کونسی ہے؟

متعدد صحیح احادیث میں صلوٰۃ وسطیٰ کی تفسیر نماز عصر سے آئی ہے، کیونکہ اس کے ایک طرف میں دن کی دو نمازیں فجر اور ظہر ہیں، اور دوسری طرف میں رات کی دو نمازیں مغرب اور عشاء ہیں، اور حضرت عائشہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ درمیانی نماز ظہر کی نماز ہے، اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ درمیانی نماز صبح کی نماز ہے۔

سوال: مرفوع احادیث کی موجودگی میں ان حضرات نے دوسری تفسیر کیوں کی؟

جواب: نبی ﷺ نے نماز عصر کو صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق اس لئے نہیں قرار دیا تھا کہ وہ عصر کی نماز ہے، بلکہ اس نماز میں لوگوں کے غفلت برتنے کا امکان تھا اس لئے اس کو مصداق بنایا تھا، بعد میں جب لوگ ظہر اور فجر میں غفلت برتنے لگے تو مذکور صحابہ نے ان کو مصداق بنایا، جیسے مدارس میں طالب علم فجر اور ظہر میں سوتے رہتے ہیں، جب ان کے سامنے آیت کی تفسیر کی جائے گی تو انہیں نمازوں کو صلوٰۃ وسطیٰ کا مصداق قرار دیا جائے گا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ کبھی آیت میں امر کئی مذکور ہوتا ہے، جس کے مصداق متعدد ہو سکتے ہیں، ایسی صورت میں آیت کی متعدد تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب نمازیں پانچ ہیں تو ہر نماز درمیانی نماز ہو سکتی ہے اور خصوصیت سے اس کے اہتمام کا حکم برناتے غفلت دیا گیا ہے، پس مختلف زمانوں میں لوگ جس نماز میں غفلت برتنے لگے صحابہ نے اسی کو آیت کا مصداق قرار دیا، تاکہ لوگوں کی غفلت دور ہو۔

آیت سے پانچ نمازوں کا ثبوت:

یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نمازیں پانچ ہیں، کیونکہ ”صلوٰۃ وسطیٰ“ کا عطف ”صلوات“ ہے، عربی قواعد کی رو سے یہ بات ضروری ہے کہ ”صلوٰۃ وسطیٰ“ صلوات میں شامل نہ ہو، کیونکہ عطف مغایرت یعنی دونوں کے الگ الگ ہونے کو ظاہر کرتا ہے، ”صلوات“ کا اطلاق جمع ہونے کی وجہ سے کم سے کم تین پر ہوگا، لیکن اگر اس سے تین نمازیں مراد ہوں تو ”صلوٰۃ وسطیٰ“ چوتھی نماز ہوگی اور چار نمازوں میں کوئی نماز بیچ کی نماز نہیں ہو سکتی، بیچ کی نماز اسی وقت ہو سکتی ہے جب طاق عدد ہو، اس لئے ماننا پڑے گا کہ ”صلوات“ سے چار نمازیں اور ”صلوٰۃ وسطیٰ“ سے پانچویں نماز مراد ہے، لہذا پانچ نمازوں کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہے، منکرین حدیث — جو اپنے کو ”اہل قرآن“ کہتے ہیں — پانچ نمازوں کے قائل نہیں، تین کے قائل ہیں، وہ دراصل حدیث ہی کے نہیں، قرآن کے بھی منکر ہیں۔ واللہ هو الہادی۔

(آسان تفسیر: ۱/۲۰۳ از مولانا خالد سیف اللہ صاحب زید مجدہ)

دوسری بات: — نماز میں باادب کھڑے رہو — نماز کے لئے فرائض، واجبات، سنن اور آداب ہیں، اسی طرح نواقض اور مکروہات ہیں، نماز میں سب کی رعایت ضروری ہے، لفظ ادب عام استعمال کیا ہے، فرض نہیں رہے گا تو نماز باطل ہو جائے گی، واجب چھوٹ جائے گا تو سجدہ سہو کرنا پڑے گا، سنت چھوڑ دے گا تو نماز میں کمی آئے گی، اور ادب کی رعایت نہیں کرے گا تو نماز بے رونق ہو جائے گی، اسی طرح نواقض سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، نماز میں کھانے پینے اور بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، اور مکروہ کے ارتکاب سے نماز ناقص ہوتی ہے، غرض یہ بھی اگلے حکم کی تمہید ہے، نماز باقاعدہ پڑھنا ضروری ہے، مگر شدید خوف میں بعض چیزوں میں چھوٹ دی گئی ہے، مگر بروقت نماز پڑھنا ضروری ہے۔

﴿ وَتَوَمُّواْ لِلّٰہِ قَدِّتَیْنِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اللہ کے سامنے باادب کھڑے رہو! — یعنی ما مورات و منہیات کی رعایت کر کے بروقت نماز ادا کرو۔ نماز میں کلام کی ممانعت: پہلے نماز میں ضروری بات چیت کرتے تھے، سلام کا جواب بھی دیتے تھے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں کو نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اب نماز میں کلام کی مطلق گنجائش نہیں، اس مسئلہ میں تین حدیثیں ہیں جو تخریج القاری (۵۲۱:۳) میں ہیں۔

تیسری بات: — خوف شدید ہو اور صلوٰۃ الخوف پڑھنے کی کوئی صورت نہ ہو تو نماز کیسے پڑھیں؟ — اگر دشمن کا یا درندہ وغیرہ کا ڈر ہو، اور زمین پر اتر کر جماعت کرنا اور صلوٰۃ الخوف پڑھنا مشکل ہو تو پھر ہر شخص تنہا تنہا نماز پڑھے، سوار سواری پر اور پیادہ زمین پر، حقیقہً اسی کے قائل ہیں کہ اگر جنگ ہو رہی ہو یا جنگ تو نہیں ہو رہی مگر خطرہ شدید ہے تو ہر

شخص تنہا نماز پڑھے، لیکن نماز رک کر پڑھنا ضروری ہے، چل بھی رہا ہو اور نماز بھی پڑھ رہا ہو یا سواری چل رہی ہو اور نماز پڑھ رہا ہو یہ صحیح نہیں، نماز نہیں ہوگی۔

﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ﴾

ترجمہ: پھر اگر تم کو اندیشہ ہو تو پیدل یا سواری پر چڑھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو — مگر وقت میں پڑھو، اور اس کی بھی صورت نہ ہو تو نماز قضا پڑھیں گے، غزوہ احزاب میں نبی ﷺ نے نمازیں قضا پڑھی ہیں، اور یہی حکم بیان کرنا اس آیت میں مقصود ہے۔

چوتھی بات: — جب امن ہو جائے تو باقاعدہ نماز پڑھی جائے — یہ تشبیہ ہے کہ جب امن ہو جائے تو نیچے اتر کر رکوع سجدہ کے ساتھ قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کی جائے، اوپر خوف و خطرہ کی حالت کا حکم تھا کہ جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرے، زمین پر کھڑے یا سواری پر بیٹھے، رکوع سجدہ کے ساتھ یا اشارہ سے، قبلہ کی طرف رخ کر کے یا جدھر رخ کر سکے: نماز پڑھے، پھر جب خوف جاتا رہے تو معمول کے مطابق نماز ادا کی جائے۔

﴿ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو — یعنی نماز پڑھو — جس طرح تم کو سکھلایا ہے وہ طریقہ جو تم نہیں جانتے تھے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَوَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا
لِّالْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ، فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي
أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۳﴾

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ	اور جو لوگ	أَزْوَاجًا	بیویاں	لِّالْحَوْلِ ^(۲)	ایک سال تک
مَاتُوا	مر جائیں	وَوَصِيَّةً ^(۱)	وصیت کرنا ہے	غَيْرِ إِخْرَاجٍ ^(۳)	نکالے بغیر
مِنْكُمْ	تم میں سے	لِّأَزْوَاجِهِمْ	اپنی بیویوں کے لئے	فَإِنْ خَرَجْنَ	پھر اگر وہ نکل جائیں
وَيَذَرُونَ	اور چھوڑیں	مَّتَاعًا	فائدہ اٹھانا	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں

(۱) وصیۃ: فعل محذوف فلیؤصوا کا مفعول مطلق ہے (۲) متاعاً: فعل محذوف یعطوہن کا مفعول بہ ہے (۳) غیر اخراج: ازواج کا حال ہے۔

اور اللہ تعالیٰ	وَاللّٰهُ	اپنے حق میں	فِيْ اَنْفُسِهِنَّ	تم پر	عَلَيْكُمْ
زبردست حکمت والے ہیں	عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	چار طریقہ سے	مِنْ مَّعْرُوْفٍ	اس کام میں جو کیا انھوں نے	فِيْ مَا فَعَلْنَ

۲۳- بیوی کے لئے ایک سال کے سکنی کی وصیت کرنا

یہ بھی مصلحت پر مبنی حکم ہے، عدتِ طلاق میں تو مطلقہ کا نفقہ اور سکنی شوہر پر واجب ہے، کیونکہ عورت اس کے حق میں محبوس ہے، اور عدتِ وفات میں معتدہ کے لئے نہ نفقہ ہے نہ سکنی، کیونکہ اس کو کس پر واجب کریں گے؟ شوہر کا ذمہ تو موت کے بعد وجوب کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور اس کا ترکہ میراث بن گیا ہے، اور میت کے ورثاء پر بھی نفقہ اور سکنی واجب نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ نکاح سے اجنبی ہیں، ہاں میراث میں بیوی کا حصہ ہے، پس وہ اپنے حصہ میراث میں سے خرچ کرے، مگر کبھی صورت نازک ہوتی ہے، شوہر نادار ہوتا ہے اور عورت کے لئے کوئی ٹھکانہ (میکہ وغیرہ) نہیں ہوتا، ایسی صورت میں شوہر کو وصیت کرنی چاہئے کہ ورثاء بیوی کو سال بھر مکان میں رہنے دیں، وہ وہاں عدت گزارے گی، پھر دوسرا نکاح کر کے چلی جائے گی، مگر وہ ایک سال تک اس مکان میں رہنے کی پابند نہیں، عدت کے بعد جلدی نکاح ہو جائے تو جلدی چلی جائے گی، اور وصیت اموال کی طرح منافع کی بھی ہو سکتی ہے۔

فائدہ: قرآن کریم نے لفظ سکنی استعمال نہیں کیا، لفظ متاع استعمال کیا ہے، متاع کے معنی ہیں: اسباب زندگی، پس اس کے مفہوم میں نفقہ بھی ہے، میت کے ورثاء ایک سال تک رضا کارانہ بیوی کا نفقہ بھی دیں اور اگر وہ نہ دیں تو معتدہ اپنے جیب سے خرچ کرے اور غریب ہو تو دن میں کام کاج کے لئے نکلے اور کما کر گزارہ کرے یا مسلمانوں کا صالح معاشرہ اس کا تعاون کرے۔

ضمنی مسئلہ: شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو چاہئے کہ وہ اسی گھر میں عدت گزارے جس میں وہ شوہر کے ساتھ رہا کرتی تھی، شدید ضرورت کے بغیر کسی اور جگہ (میکہ وغیرہ میں) جا کر عدت گزارنا درست نہیں البتہ حضرت عطاء اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ کے نزدیک جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

آیت کریمہ: اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں، اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک مکان سے فائدہ اٹھانے دیا جائے، ان کو وہاں سے نکالنا نہ جائے، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اُس میں جو انھوں نے اپنے حق میں قاعدہ کے مطابق کیا، اور اللہ تعالیٰ زبردست صاحب حکمت ہیں — وہ عورت کا دوسرا انتظام کر سکتے ہیں، مگر اسی میں مصلحت ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ مَتَاءٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۳﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ

اٰیٰتِہٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۷

وَالْمُطَلَّغَاتِ مَتَّاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا	اور طلاق والیوں کو فائدہ پہنچانا ہے معروف طریقہ پر برحق ہے	عَلَى الْمُتَّقِينَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ	پر ہیزگاروں پر اس طرح کھول کر بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ	لَكُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	تمہارے لئے اپنے احکامات تا کہ تم سمجھو
--	---	---	--	---	---

۲۵- طلاق والیوں کو تحفہ تحائف دے کر رخصت کرنا

ایک مطلقہ کو تو متعہ دینا واجب ہے، اس کا ذکر (آیت ۲۳۶) میں آیا ہے، باقی مطلقات کو چونکہ مہر ملتا ہے اس لئے متعہ واجب نہیں، البتہ ان کو بھی تحفہ تحائف دے کر رخصت کرنا مستحب ہے، ترک تعلقات بھی ہوں تو خوشی کے ساتھ! مطلقہ عورت شوہر کے گھر میں عدت گزارتی ہے، اس لئے جب وہ عدت پوری کر کے رخصت ہو تو اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے، اور یہ حکم بھی بر بنائے مصلحت ہے۔

ایک واقعہ: ایک مولانا صاحب پر دیسی تھے، ان کا نکاح ہوا، بیوی سے موافقت نہیں ہوئی، انھوں نے خسر کو بلایا اور صورت حال ان کے سامنے رکھی، انھوں نے کہا: آپ میری بیٹی کو طلاق دیدیں، چنانچہ وہ ایک رجعی طلاق دے کر بستر اٹھا کر مسجد میں چلے گئے، جس میں وہ نماز پڑھاتے تھے، خسر اپنی لڑکی کے ساتھ رہے، جب عدت پوری ہوئی تو مولانا صاحب گھر آئے، اور بیوی سے کہا: آپ گھر میں سے جو لے جانا چاہیں لے جائیں، اس نے ماچس بھی نہیں چھوڑی، چلتے وقت خسر نے کہا: آپ ہفتہ دس دن کے بعد تشریف لائیں، مولانا صاحب گئے تو انھوں نے چھوٹی لڑکی ان کے نکاح میں دیدی، وہ بیوی لے کر گھر آئے اور وہ ہمیشہ ان کے نکاح میں رہی، یہ حسن سلوک کا فائدہ ہے۔

آیات پاک: اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو فائدہ پہنچانا ہے ریت رواج کے مطابق، پر ہیزگاروں پر لازم ہے، یوں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ تم سمجھو! — اس میں اشارہ ہے کہ آگے نہج بدلے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حٰذِرَ الْمَوْتِ ۙ
فَقَالَ لَهُمْ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۷ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ

عَلِيمٌ مَّنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً
وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۰﴾

قرض دے	يُقْرِضُ	لوگوں پر	عَلَى النَّاسِ	کیا نہیں دیکھتا تو	أَلَمْ تَرَ
اللہ کو	اللَّهُ	لیکن	وَلَكِنَّ	ان لوگوں کو جو	إِلَى الَّذِينَ
قرض	قَرْضًا	اکثر لوگ	أَكْثَرُ النَّاسِ	نکلے	خَرَجُوا
اچھا	حَسَنًا	شکر نہیں بجالاتے	لَا يَشْكُرُونَ	اپنے گھروں سے	مِنْ دِيَارِهِمْ
پس بڑھائیں وہ اس کو	فَيُضِعُّهُ	اور لڑو تم	وَقَاتِلُوا	در انحالیکہ وہ	وَهُمْ
اس کے لئے	لَهُ	راستے میں	فِي سَبِيلِ	ہزاروں تھے	الْوَفَى
گنا	أَضْعَافًا	اللہ کے	اللَّهُ	موت کے ڈر سے	حَذَرَ الْمَوْتِ (۱)
بہت	كَثِيرَةً	اور جان لو تم	وَاعْلَمُوا	پس کہا ان سے	فَقَالَ لَهُمْ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	کہ اللہ تعالیٰ	أَنَّ اللَّهَ	اللہ نے	اللَّهُ
سکیڑتے ہیں	يَقْبِضُ	خوب سننے والے	سَمِيعٌ	مرو تم	مُوتُوا
اور کشادہ کرتے ہیں	وَيَبْصُطُ	خوب جاننے والے ہیں	عَلِيمٌ	پھر زندہ کیا ان کو	ثُمَّ أَحْيَاهُمْ
اور اسی کی طرف	وَإِلَيْهِ	یہ کون ہے	مَنْ ذَا	بے شک اللہ تعالیٰ	إِلَّا اللَّهُ
لوٹائے جاؤ گے تم	تُرْجَعُونَ	جو	الَّذِي	فضل والے ہیں	لَدُنْهُ وَقَضَىٰ

جہاد کا بیان

اب جہاد کا بیان شروع فرماتے ہیں، یہ حکم بھی مصاحح پر مبنی ہے، لوگوں کو جہاد میں موت نظر آتی ہے، مگر موت سے تو بچا نہیں جاسکتا، وہ تو مضبوط قلعوں میں بھی آئے گی، ایک قوم جو ہزاروں کی تعداد میں تھی موت سے بچنے کے لئے گھروں سے نکلی، حالانکہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں تھی، وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، تھوڑے تو دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ہزاروں کو کوئی کیا زیر کرے گا؟ مگر موت نے ان کو دبوچ لیا، اللہ کا حکم مرگِ مناجات ثابت ہوا، پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا، اللہ بڑے مہربان ہیں، مگر شکر گزار کون ہوتا ہے! — یہ کون لوگ تھے؟ جہاد سے بھاگے تھے یا طاعون سے؟ اس کی تعیین کی کیا

(۱) حذر الموت: خروج کا مفعول لہ ہے۔

ضرورت ہے؟ بس موت سے بھاگے تھے، قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں، وہ عبرتوں کی کتاب ہے اور مرنا جینا حقیقی تھا، رمزی نہیں تھا، رمزی موت: یعنی بزدلی اور زندہ ہونا یعنی بہادر ہو جانا، یہ مرنا نہیں بلکہ واقعہ وہ مر گئے تھے، پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا۔ آگے (آیات ۲۵۹ و ۲۶۰) میں اس کے نمونے آرہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے اس عالم میں ایسے کرشمے دکھانا کچھ مشکل نہیں۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِنَّ الدِّينَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوْفٌ حَدَّسَ الْمَوْتِ ۗ فَقَالَ لَهُمْ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے، درنحالیکہ وہ ہزاروں تھے، پس اللہ نے ان سے فرمایا: ”مر جاؤ!“ پھر ان کو زندہ کیا، بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی فرمانے والے ہیں، مگر اکثر لوگ شکر بجا نہیں لاتے!

جہاد کے لئے جانی مالی قربانی ضروری ہے

جہاد کے لئے جانی مالی قربانی ضروری ہے، جہاد فوج کے بل بوتے پر نہیں ہوتا، جب مجاہد اللہ سے کو لگا کر میدان میں اترتا ہے تو کامیابی اس کے قدم چومتی ہے، بدر میں مجاہد ۳۱۳ تھے، اور ان کے پاس ڈھنگ کے ہتھیار بھی نہیں تھے، اور سامنے ایک ہزار دشمن ہتھیاروں سے لیس تھے، مگر پلک جھپکتے مجاہدین نے پالا مار لیا، بارہا ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آتی ہے، مجاہدین کی دعائیں اللہ نے سنیں اور ان کے جذبات کی قدر کی۔

اور اگر جہاد کے لئے فنڈ نہ ہو تو مجاہدین ہی چندہ دیں، یہ اللہ کو قرض دینا ہے، اور قرض حسنہ دیں، امیر پر احسان نہ رکھیں، اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ یہ قرض بصورتِ غنیمت کئی گنا بڑھا کر لوٹائیں گے، اور اگر مسلمان نادار ہوں تو جان لیں کہ کشادگی کرنے والے بھی اللہ ہیں، اور تنگی کرنے والے بھی وہی ہیں، جیسے انھوں نے انسانوں کو زمین میں پھیلا یا ہے اپنے پاس سمٹیں گے بھی۔

﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَيَبِيْعُ عَلَيْنَا ۗ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعُّهُ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۗ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ ۗ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ ﴿۲۶۰﴾

ترجمہ: اور اللہ کے راستہ میں لڑو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں، وہ کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے؟ پس وہ اس کو کئی گنا اس کے لئے بڑھائیں، اور اللہ تعالیٰ روزی سکیڑتے ہیں اور کشادہ کرتے ہیں، اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے — وہاں اپنے خرچ کا صلہ لگ پاؤ گے!

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لَهُمْ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۱۲۹﴾

اور ہمارے بیٹوں سے	وَأَبْنَاءِنَا	ہوسکتا ہے تم	هَلْ عَسَيْتُمْ	کیا نہیں دیکھا تو نے	أَلَمْ تَرَ
پس جب فرض کیا گیا	فَلَمَّا كُتِبَ	اگر فرض کیا جائے	إِنْ كُتِبَ	ایک جماعت کو	إِلَى الْمَلَا
ان پر	عَلَيْهِمْ	تم پر	عَلَيْكُمْ	بنی اسرائیل کی	مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ
جہاد	الْقِتَالُ	جہاد	الْقِتَالُ	موسیٰ کے بعد	مِنْ بَعْدِ مُوسَى
(تو) پیٹھ پھیری انھوں نے	تَوَلَّوْا	کہ نہ لڑو تم؟	أَلَّا تُقَاتِلُوا	جب کہا انھوں نے	إِذْ قَالُوا
مگر تھوڑوں نے	إِلَّا قَلِيلًا	کہا انھوں نے	قَالُوا	اپنے پیغمبر سے	لِنَبِيِّ لَهُمْ
ان میں سے	مِنْهُمْ	ہمیں کیا ہوا	وَمَا لَنَا	مقرر کیجئے ہمارے لئے	أَبْعَثْ لَنَا
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	کہ نہیں لڑیں گے ہم	أَلَّا نُقَاتِلَ	کوئی بادشاہ	مَلِكًا
خوب جانتے ہیں	عَلَيْكُمْ	راہِ خدا میں	فِي سَبِيلِ اللَّهِ	جہاد کریں ہم	نُقَاتِلُ
اپنا نقصان کرنے	بِالظَّالِمِينَ	حالانکہ نکالے گئے ہیں ہم	وَقَدْ أُخْرِجْنَا	راہِ خدا میں	فِي سَبِيلِ اللَّهِ
والوں کو		ہمارے گھروں سے	مِنْ دِيَارِنَا	کہا اس نے	قَالَ

بنی اسرائیل نے جب جہاد کا حکم ملا تو کتنی کاٹی!

اب پارہ کے ختم تک ایک ہی سلسلہ بیان ہے۔ سورۃ الصف کے شروع میں ہے کہ آدمی کو کردار کا غازی بننا چاہئے گفتار کا نہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ آدمی ایک بات کہے اور کرے نہیں، بنی اسرائیل گفتار کے غازی تھے، جب عمل کا موقع آیا تو پیچھے ہٹ گئے۔

سورۃ مائدہ (۵: ۲۴) میں ہے کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان عمالقہ

سے جہاد کرنے کی دعوت دی جو بنی اسرائیل کے وطن فلسطین پر قابض ہو گئے تھے، مگر بنی اسرائیل نے انکار کیا، جس کی سزا میں ان کو صحرائے سینا میں محصور کر دیا، اور اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گئی، بعد میں بنی اسرائیل نے اپنے نبی کی قیادت میں فلسطین کو فتح کیا، اور وہاں جا بسے، مگر آس پاس کی قومیں ان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں، آخر میں فلسطین کی بت پرست قوم نے ان پر حملہ کر کے انہیں سخت شکست دی، اور وہ متبرک صندوق بھی اٹھالے گئے جس میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متروکات تھے، بنی اسرائیل جنگ کے موقع پر اس کو آگے رکھا کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک عرصہ بعد بنی اسرائیل نے اپنے زمانہ کے پیغمبر سے درخواست کی کہ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کیا جائے جس کے جھنڈے تلے وہ مشرک اقوام سے جہاد کریں اور اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لیں، اور اپنے لڑکوں کو غلامی سے چھڑائیں، پیغمبر نے فرمایا: اگر اللہ نے کوئی بادشاہ مقرر کیا اور جہاد کا حکم دیا تو تم پیٹھ تو نہیں پھیرو گے؟ انہوں نے جواب دیا: ہرگز نہیں! ہم گریز کیوں کریں گے، ہمارا علاقہ چھین لیا گیا ہے اور ہمارے لڑکے غلام بنائے گئے ہیں، ہم ضرور اللہ کے راستہ میں لڑیں گے اور اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لیں گے اور اپنے لڑکوں کو غلامی سے چھڑائیں گے! مگر جب ان پر طاقت کو بادشاہ مقرر کیا گیا تو اولاً تو انہوں نے اس کی سربراہی ماننے ہی سے انکار کر دیا، پھر جب ان کو دلائل سے اور کرشمہ دکھا کر قائل کیا گیا تو جہاد کے لئے نکلے۔ مگر جب طاقت نے ایک نہر پر کھرے کھوٹے کا امتحان کیا تو سب کھوٹے ثابت ہوئے، صرف ۳۱۳ کھرے نکلے، جنہوں نے جہاد کیا اور جالوت کو مار گرایا اور اپنا علاقہ دوبارہ حاصل کیا اور اپنے لوگوں کو غلامی سے چھڑایا۔

اللہ پاک اسی کا ذکر فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ڈینگیں تو بہت مارتے تھے مگر جب وقت آیا تو سب نے پیٹھ پھیر لی! ایسے مجاہدین سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ میدان سر کریں گے! جہاد کے لئے کردار کی ضرورت ہے، محض باتیں بنانے سے قلعہ فتح نہیں ہوتا۔

آیاتِ پاک: کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد — تقریباً چار سو سال کے بعد — بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے احوال نہیں جانتے: جب انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا — بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، یہ پیغمبر کون ہیں؟ ان کا نام قرآن میں نہیں آیا — کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کیجئے کہ ہم راہِ خدا میں جہاد کریں — شرعی جہاد کے لئے اجتماعیت اور امارت ضروری ہے — پیغمبر نے کہا: اگر تم پر جہاد فرض کیا گیا تو ہو سکتا ہے تم جہاد نہ کرو! — پھر بادشاہ مقرر کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ — انہوں نے کہا: ہم راہِ خدا میں کیوں جہاد نہیں کریں گے، جبکہ ہم اپنے گھربار اور بیٹوں سے نکال دیئے گئے ہیں؟ — یعنی ہمارے علاقے پر دشمن نے قبضہ کر لیا ہے،

اور ہمارے افراد کو غلام بنا لیا گیا ہے، ہم ان کی واگذاری کے لئے کیوں تن کی بازی نہیں لگائیں گے؟
 پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا — اور ان پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا — تو انھوں نے چند کے سوا —
 ۳۱۳ کے سوا — سب نے پیٹھ پھیری، اور اللہ تعالیٰ اپنا نقصان کرنے والوں کو خوب جانتے ہیں — یعنی انھوں نے
 جہاد سے کئی کئی تو نقصان کس کا ہوا؟ وہی ثواب سے محروم رہے!

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ
 الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ
 اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مَلَكَةً
 مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ
 التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ
 تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُم مِّنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

۳۰۲

اور بڑھایا ہے اس کو	وَزَادَهُ	اور ہم	وَنَحْنُ	اور ان سے کہا	وَقَالَ لَهُمْ
پھیلاؤ	بَسْطَةً	زیادہ حقدار ہیں	أَحَقُّ	ان کے پیغمبر نے	نَبِيُّهُمْ
علم میں	فِي الْعِلْمِ	حکومت کے	بِالْمُلْكِ	بے شک اللہ تعالیٰ نے	إِنَّ اللَّهَ
اور جسم میں	وَالْجِسْمِ	اس سے	مِنْهُ	بالتحقیق بھیجا ہے	قَدْ بَعَثَ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اور نہیں دیا گیا وہ	وَلَمْ يُؤْتَ	تمہارے لئے	لَكُمْ
دیتے ہیں	يُؤْتِي	گنجائش	سَعَةً	طالوت کو	طَالُوتَ
اپنا ملک	مُلْكَةً	مالی	مِنَ الْمَالِ	بادشاہ	مَلِكًا
جس کو چاہتے ہیں	مَنْ يَشَاءُ	کہا (پیغمبر نے)	قَالَ	کہا انھوں نے	قَالُوا
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	بے شک اللہ نے	إِنَّ اللَّهَ	کیسے ہوگی	أَنَّى يَكُونُ
وسعت والے	وَاسِعٌ	چنا ہے اس کو	اصْطَفَاهُ	اس کے لئے حکومت	لَهُ الْمُلْكُ
خوب جاننے والے ہیں	عَلِيمٌ	تم پر	عَلَيْكُمْ	ہم پر	عَلَيْنَا

فرشتے	الْمَلَائِكَةُ	جس میں تسلی ہے	فِيهِ سَكِينَةٌ	اور کہا ان سے	وَقَالَ لَهُمْ
بے شک اس میں	إِنَّ فِي ذَلِكَ	تمہارے رب کی طرف سے	مِّن رَّبِّكُمْ	ان کے پیغمبر نے	نَبِيَّهُمْ
البتہ بڑی نشانی ہے	لَايَةً	اور سچی ہوئی چیزیں ہیں	وَبَقِيَّتُهُ	بے شک نشانی	إِنَّ آيَةَ
تمہارے لئے	لَكُمْ	ان میں سے جو چھوڑی ہیں	مِمَّا تَرَكَ	اس کی حکومت کی	مُلْكِهِ
اگر ہو تم	إِنْ كُنْتُمْ	خاندان موسیٰ نے	أَلِ مَوْسَىٰ	(یہ ہے) کہ آئے	أَنْ يَأْتِيَكُمُ
یقین کرنے والے	مُؤْمِنِينَ	اور ہارون نے	وَأَلِ هَارُونَ	تمہارے پاس	التَّابُوتَ
❁	❁	اٹھالائیں گے اس کو	تَحْمِلَهُ	(وہ) صندوق	

بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ ماننے سے انکار کیا

وقت کے پیغمبر نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا﴾: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، یہ بات انھوں نے نبی سے براہ راست سنی، کوئی سند نہیں تھی جس کی تحقیق ضروری ہو، پھر کیا کمی رہی؟ مؤمن کا اعتماد عقل پر نہیں ہوتا، اللہ ورسول کے حکم پر ہوتا ہے، عقل تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے، اور اللہ کے رسول: اللہ کے رسول ہیں، مؤمن کو حکم رسول کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی، مگر بنی اسرائیل نے نبی کے حکم کو محل اعتراض قرار دیا، انھوں نے کہا: طالوت ہم پر کیسے حکومت کر سکتا ہے، وہ کوئی بڑا مالدار تو ہے نہیں! گویا ان کے نزدیک بادشاہ کے لئے بڑا مالدار ہونا ضروری تھا، نبی نے ان کو سمجھایا کہ یہ چیز بادشاہ کے لئے ضروری نہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہاں بڑے مالدار تھے؟ ان کے یہاں تو کھانے کے بھی لالے تھے، مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلافت ان کے حوالے کی تھی۔

ہاں بادشاہ کے لئے علم سیاست اور قدرت جسمانی ضروری ہے، علم: تدبیر و انتظام کے لئے اور جسامت: رعب و قار کے لئے، اور یہ دونوں باتیں طالوت کو حاصل ہیں، پھر تم اللہ کا انتخاب کیوں نہیں مانتے؟ ملک درحقیقت اللہ کا ہے، وہ جسے چاہیں اپنا ملک بخشیں، ان کی بخشش میں کوئی تخصیص نہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ حکومت کا اہل کون ہے؟ انھوں نے طالوت کو بادشاہ نامزد کیا ہے، پھر تم کیوں چوں چرا کرتے ہو!

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا. قَالُوا أَلَيْسَ إِنَّهُ الْمَلِكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمَلِكِ مِنْهُ وَكَمْ يَأْتِي سَعَةً مِنَ الْمَالِ. قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ. وَاللَّهُ يُؤْتِي مَلَكَةً مَّن يَشَاءُ. وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: اور ان سے ان کے پیغمبر نے کہا: بالتحقیق اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، انھوں نے کہا: وہ

ہم پر کیسے حکومت کر سکتا ہے، جبکہ ہم اس سے حکومت کے زیادہ حقدار ہیں۔ بنی اسرائیل میں عرصہ سے لاوی کی نسل میں نبوت اور یہود کی نسل میں بادشاہت چلی آرہی تھی، طالوت: دونوں خاندانوں میں سے کسی سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اور اس کے پاس مالی وسعت تو ہے نہیں! — یعنی وہ معاشی اعتبار سے اہل ثروت میں شمار نہیں ہوتا، پس ہم اس کی فرماں روائی کیسے قبول کریں؟

پیغمبر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بالیقین اس کو تم میں سے چھانٹا ہے، اور علم و جسم میں اس کو برتری بخشی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے چاہتے ہیں عنایت فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کرشمہ دکھایا تب بنی اسرائیل نے مانا

بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا، اس میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تمیرات تھے، بنی اسرائیل کے نزدیک وہ صندوق بڑا متبرک سمجھا جاتا تھا، جہاد میں اس کو آگے رکھتے تھے، جب بنی اسرائیل نے عمالقمہ سے شکست کھائی تھی تو انھوں نے اس صندوق پر بھی قبضہ کر لیا تھا، پیغمبر نے فرمایا: طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق تمہارے پاس پہنچ جائے، اس سے تم کو سکون خاطر نصیب ہوگا، اس کو دشمن قوم کے پاس سے فرشتے اٹھالائیں گے، یہ تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ماننے والے ہو، جب انھوں نے یہ معجزہ دیکھا تب کتے کی دم سیدھی ہوئی!

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٧﴾﴾

ترجمہ: اور پیغمبر نے ان سے کہا: اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے جس میں تمہاری تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی طرف سے اور اس میں موسیٰ اور ہارون کے متروکات ہیں: — آل کا لفظ مقم (زائد) ہے۔ اٹھالائیں گے اس کو فرشتے — یعنی بطور معجزہ آئے گا۔ اس میں بالیقین بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم ماننے والے ہو! — فرشتے اس کو کیسے اٹھالائے؟ اس کی وضاحت قرآن کریم میں نہیں، مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو اس کی واپسی منظور ہوئی تو ایسا ہوا کہ جہاں وہ تابوت رکھتے تھے وہاں پھوٹ پڑتی تھی، اس لئے انھوں نے اس صندوق کو بتیل گاڑی پر رکھ کر بنی اسرائیل کی طرف ہنکا دیا، فرشتے اس کو ہانک کر طالوت کے گھر پہنچا گئے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ

عُرْفَةً بِيَدِهِمْ، فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
 قَالُوا لَاطِقَةٌ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ؕ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا
 اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ؕ وَاللَّهُ مَعَ
 الصَّابِرِينَ ﴿۵۰﴾

اور اس کے لشکر سے (لڑنے کی)	وَجُنُودِهِ	جس نے چلو بھرا ایک چلو	مِنْ اعْتَرَفَ عُرْفَةً	پس جب جدا ہوئے طالوت	فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ
کہا ان لوگوں نے جو خیال کرتے ہیں	قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ	اپنے ہاتھ سے پس یہ انہوں نے	بِيَدِهِمْ فَشَرِبُوا	لشکر کے ساتھ کہا انہوں نے	بِالْجُنُودِ قَالَ
کہ وہ ملنے والے ہیں اللہ سے	أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللَّهِ	اس سے مگر تھوڑوں نے	مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا	بے شک اللہ تعالیٰ جانچنے والے ہیں تم کو	إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ
بارہا جماعت	كَمْ مِنْ فِئَةٍ	ان میں سے پس جب بڑھا وہ اس	مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ	ایک ندی سے پس جس نے پیا	بِنَهْرٍ فَمَنْ شَرِبَ
تھوڑی غالب آتی ہے	قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ	وہ اور جو لوگ ایمان لائے اسکے ساتھ	هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ	اس سے تو وہ میرا نہیں	مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي
زیادہ جماعت پر بہ حکم الہی	فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ	کہا انہوں نے نہیں طاقت	قَالُوا لَاطِقَةٌ	اور جس نے نہیں چکھا اس کو	وَمَنْ لَمْ يَطْعَمَهُ
اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں	وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ	ہمارے اندر آج جالوت	لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ	تو بیشک وہ میرا ہے مگر	فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا

طالوت نے فوج کا امتحان کیا تو تین سو تیرہ ہی کھرے نکلے

جب طالوت لشکر کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلے تو راستہ میں انہوں نے فوج کا امتحان کیا، تاکہ کم حوصلہ لوگ پہلے ہی چھٹ جائیں، ان کی جنگ میں شرکت نقصان رساں ہوتی ہے۔ چنانچہ راستہ میں ایک ندی آئی، طالوت نے حکم دیا: نہر سے کوئی پانی نہ پیئے، ہاں ایک چلو بھر سکتا ہے، جو نہر سے پیئے گا وہ میرا نہیں، جب لوگ اس ندی پر پہنچے تو سخت

پیا سے تھے، بے تحاشا اس پر لوٹ پڑے اور پیٹ بھر کر پیا، صرف ۳۱۳ فرمان بردار نکلے، جب فوج اس ندی سے آگے بڑھی تو پانی پینے والوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور کہا: آج ہم جالوت اور اس کے لشکر سے لوہا نہیں لے سکتے، یہ کہہ کر وہ خود ہی لوٹ گئے، صرف کھرے مؤمنین ہی ساتھ رہ گئے، یہ نہر کونسی تھی؟ معلوم نہیں! تعین کر کے کیا کرو گے؟ بس اتنی بات کافی ہے کہ ایک نہر پر امتحان کیا۔

آیاتِ کریمہ: پھر جب طالوت لشکر کے ساتھ (وطن سے) جدا ہوئے تو انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کرنے والے ہیں ایک نہر کے ذریعہ، پس جو اس سے پیئے گا وہ میرا نہیں، اور جو اس کو نہیں چکھے گا وہ میرا ہے، البتہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرنے کی اجازت ہے — منی اور لیس منی مجاورہ ہے، یعنی میرا ہم مزاج نہیں۔

پس ان (سب نے) نہر سے پیا، تھوڑے لوگوں کے علاوہ، پھر جب طالوت اور وہ لوگ جنھوں نے ان کی بات مانی تھی اس نہر سے آگے بڑھے تو ان لوگوں نے کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں — یہ کہہ کر وہ راستہ سے لوٹ گئے۔

اور ان لوگوں نے کہا جن کا خیال تھا کہ وہ اللہ سے ملنے والے ہیں: بارہا چھوٹی جماعت بہ حکم الہی بڑی جماعت پر غالب آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں — یہ کہہ کر انھوں نے قدم آگے بڑھائے!

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا
وَاصْرِنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ
جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ
اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى
الْعَالَمِينَ ۝ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝

وَلَمَّا بَرَزُوا	اور جب ظاہر ہوئے وہ	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	أَقْدَامَنَا	ہمارے پیر
لِجَالُوتَ	جالوت کے لئے	أَفْرِغْ عَلَيْنَا	ریڑھ ہم پر	وَاصْرِنَا	اور مدد دہاری
وَجُنُودِهِ	اور اس کے لشکر کے لئے	صَبْرًا	صبر	عَلَى الْقَوْمِ	لوگوں پر
قَالُوا	دعا کی انھوں نے	وَوَثِّبْتَ	اور جما	الْكَافِرِينَ	انکار کرنے والے

قَهَرْمُوهُمْ	پس شکست دی انھوں نے ان کو	مِمَّا يَشَاءُ	اس میں سے جو چاہا اس نے	ذُو فَضْلٍ	مہربانی والے ہیں
بِإِذْنِ اللَّهِ	اللہ کی اجازت سے	وَلَوْلَا	اور اگر نہ	عَلَى الْعَالَمِينَ	جہانوں پر
وَقَتَلَ	اور مار ڈالا	دَفَعُ اللَّهُ	ہٹاتے اللہ	تِلْكَ	یہ
دَاوُدَ	داؤد نے	النَّاسَ	لوگوں کو	آيَاتِ اللَّهِ	اللہ کی آیتیں ہیں
جَالُوتَ	جالوت کو	بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	نَتَلُوهَا	پڑھتے ہیں، ہم ان کو
وَأَشْرَهُ اللَّهُ	اور دی ان کو اللہ نے	بِبَعْضٍ	بعض کے ذریعہ	عَلَيْكَ	آپ کے سامنے
الْمَلِكِ	حکومت	لَفَسَدَتِ	البتہ خراب ہو جاتی	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک
وَالْحِكْمَةِ	اور حکمت	الْأَرْضِ	زمین	وَأَنَّكَ	اور بے شک آپ
وَعِلْمَهُ	اور سکھلایا ان کو	وَلَكِنَّ اللَّهَ	اور لیکن اللہ تعالیٰ	لَيَسِّرَنَّ	البتہ رسولوں میں سے
				لِلرَّسُولِينَ	ہیں

طالوت کے ساتھیوں نے دعا کر کے جنگ شروع کی اور جالوت کو مار گرایا

طالوت کے تین سوتیرہ ساتھیوں نے جب دونوں طرف کی صفیں درست ہو گئیں دعا کی: ”اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر انڈیل دے، اور ہمارے قدم جمادے، اور ہمیں اسلام کا انکار کرنے والوں پر فتح نصیب فرما!“ پھر جنگ شروع ہوئی، سب سے پہلے بادشاہ جالوت خود میدان میں آیا، اور مبارز (آگے بڑھ کر لڑنے والا) طلب کیا، ادھر سے حضرت داؤد علیہ السلام نکلے (اس وقت وہ نبی نہیں تھے) اور انھوں نے جالوت کو مار گرایا، پھر کیا تھا؟ جالوت کی فوج شکست کھا گئی، اور مجاہدین نے پالا مار لیا!

جیسے بدر میں ۳۱۳ مجاہد تھے، سامنے ایک ہزار کاشکر جزار تھا، اور بخاری شریف میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ طالوت کے ساتھی بھی ۳۱۳ تھے، جب دونوں طرف صفیں درست ہو گئیں تو نبی ﷺ چھپر میں تشریف لے گئے، اور دعا میں مشغول ہو گئے، اس لئے کہ دعا: دواء سے زیادہ کارگر ہوتی ہے، پھر جنگ شروع ہوئی اور ابو جہل (امیر لشکر) کا دو نوجوانوں نے کام تمام کر دیا، پھر کیا تھا؟ فوج سراسیمہ ہو گئی، ستر مارے گئے اور ستر قید میں آئے، اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

﴿وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا آفِرْهُ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ٥٠ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ ۝﴾

ترجمہ: اور جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے آمنے سامنے ہوا تو انھوں نے دعا کی: ”اے ہمارے رب! ہم پر صبر

اٹھیل دے، اور ہمارے پیر جمادے، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما!“ پس انھوں نے ان کو بہ اذن الہی شکست دی، اور داؤد نے جالوت کو مار گرایا۔

طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے، اور وہ نبوت سے بھی سرفراز کئے گئے کہتے ہیں: اس کا نامہ کی وجہ سے طالوت نے اپنی بیٹی حضرت داؤد علیہ السلام کے نکاح میں دیدی، اس طرح آئندہ حضرت داؤد علیہ السلام حکمراں ہوئے، اور نبوت سے بھی سرفراز کئے گئے، ملک سے بادشاہت اور حکمت سے نبوت کی طرف اشارہ ہے، اور علوم نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام میں حکومت اور نبوت دونوں کو جمع فرمادیا — اس سے معلوم ہوا کہ جہاد ہمیشہ سے انبیاء کی سنت ہے، پس یہ کہنا صحیح نہیں کہ جہاد انبیاء و رسل کا کام نہیں۔

﴿ وَ اِنَّهُ اللّٰهُ الْمَلِكُ وَالْحَكِيْمَةُ وَعَلِمَةٌ مِّمَّا يَشَاءُ ﴾

ترجمہ: اور اللہ نے اس کو (داؤد علیہ السلام کو) حکومت اور حکمت دی، اور اس کو جو چاہا سکھایا۔

جب کوئی ملت نئی ابھرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاوادیتے ہیں

اس کے بعد ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ طالوت نے چٹ پٹ جنگ کیسے جیت لی؟ جالوت: جو میدان میں اس دعویٰ کے ساتھ اتر اٹھا کہ میں تمہا سب کے لئے کافی ہوں: اس کو حضرت داؤد علیہ السلام نے اکیلے کیسے مار گرایا؟ جبکہ مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام سب بھائیوں میں ناتواں تھے!

اس کے ساتھ اگر بدر کی مثال ملا لیں تو بات اور واضح ہوگی، ۳۱۳ ہجرت کس طرح دن بھر میں ہزار کے لشکر سے نمٹ لئے؟ اور دونوں نصاریٰ لڑکوں نے امیر لشکر ابو جہل کو کیسے مار گرایا؟ یہ عجوبے کیسے پیش آئے؟ کہیں یہ افسانے تو نہیں!

جواب: نہیں، یہ حقائق ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زمین شرفساد اور کفر و شرک سے بھر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتے ہیں، شروع میں ان کے ماننے والے تھوڑے ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کو بڑھاوادیتے ہیں، جب ان کی دشمنوں سے آویزش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتے ہیں، اور ان کے ذریعہ دشمنوں کو دفع کرتے ہیں، تاکہ حق کا بول بالا ہو، اور زمین میں رشد و ہدایت پھیلے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں تو زمین کا حال برا ہو جائے، کفر و شرک اور شرفساد کا راج ہو جائے، اور کبھی صورت حال میں تبدیلی نہ آئے، اس لئے یہ اللہ کی سنت ہے، اسی کے مطابق طالوت نے جنگ جیت لی، اور اسی سنت کا بدر میں ظہور ہوا، فرشتے اترے اور میدان مجاہدین نے مار لیا!

اس کی ایک مثال: سورۃ الصف کی آخری آیت میں ہے، عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے، مگر شروع میں ان کی دعوت قبول نہیں کی گئی، بنی اسرائیل سخت مخالف ہو گئے، قتل کے درپے ہوئے، اللہ نے ان کو تور سوائی سے بچالیا، اپنی طرف اٹھالیا، مگر ان کے بعد ان کا دین غالب ہو کر رہا، یارانِ مسیح (حواری) تھوڑے تھے، وہ حسب و نسب کے اعتبار سے بھی کچھ معزز نہیں تھے، مسیح علیہ السلام نے ان کو پکارا، انہوں نے لبیک کہا، رفع عیسیٰ کے بعد انہوں نے بڑی قربانیاں دے کر بنی اسرائیل میں دعوت پھیلانی، ایک جماعت تیار ہوئی، پھر کش مکش شروع ہوئی، اور جہاد کی نوبت آئی، پس اللہ نے اہل حق کی مدد کی تو ان کا ہاتھ اوپر ہو گیا۔

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى

الْعَالَمِينَ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعہ نہ ہٹایا کرتے تو زمین خراب ہو جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ جہانوں پر مہربانی فرمانے والے ہیں! — یعنی جہاد انسانیت کی تباہی کے لئے نہیں، بلکہ انسانوں کے تحفظ اور زمین والوں کی اصلاح کے لئے ہے، اگر ظالموں کی سرکوبی نہ ہو، اور ان کے مقابلہ میں کوئی طاقت نہ ابھرے تو انسانوں کے لئے جینا دو بھر ہو جائے!

نبی ﷺ گذشتہ رسولوں سے افضل ہیں

رابط: اب گریز کی آیت ہے، موضوع بدلے گا، اب تک ان احکام کا بیان تھا جو مبنی بر مصلحت تھے، اب رسالت، آخرت اور توحید کا بیان شروع ہوگا، یہاں ترتیب برعکس ہے، یہ سلسلہ بیان کا تقاضا ہے۔

فرماتے ہیں: بنی اسرائیل کا یہ واقعہ جو نبی ﷺ بیان فرما رہے ہیں: آپ کے سچے رسول ہونے کی پکی دلیل ہے، یہ اللہ کی آیتیں ہیں، جو آپ پر نازل کی جا رہی ہیں، ان میں واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کیا گیا ہے، جبکہ نبی ﷺ اس زمانہ میں موجود نہیں تھے، پھر آپ وہ واقعہ کیسے بیان کر رہے ہیں؟ آپ نہیں بیان کر رہے، اللہ تعالیٰ بیان فرما رہے ہیں، پس یہ آیات دلیل ہیں کہ آپ بھی گذشتہ پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں، بلکہ آپ گذشتہ رسولوں سے بھی افضل رسول ہیں، جس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔

﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾

ترجمہ: یہ اللہ کی آیتیں ہیں، ہم ان کو آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں اور (یہ دلیل ہیں کہ) آپ یقیناً رسولوں

میں سے ہیں۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ
 دَرَجَاتٍ ۗ وَآتَيْنَا عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ وَلَوْ شَاءَ
 اللَّهُ مَا أَقْتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ
 اخْتَلَفُوا فَيَنْهَمُ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلْتُمْ وَلَكِنْ اللَّهُ
 يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷

تِلْكَ الرُّسُلُ	وہ پیغمبر	ابنِ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	وَلَكِنْ	لیکن
فَضَّلْنَا	برتری بخشی ہم نے	الْبَيِّنَاتِ	واضح معجزات	اخْتَلَفُوا	اختلاف کیا انھوں نے
بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	وَأَيَّدْنَاهُ	اور قوی کیا ہم نے اس کو	فَيَنْهَمُ	پس ان میں سے بعض
عَلَىٰ بَعْضٍ	بعض پر	بِرُوحِ الْقُدُسِ	پاکیزہ روح سے	مَنْ آمَنَ	جو ایمان لائے
مِنْهُمْ	ان میں سے بعض	وَلَوْ شَاءَ	اور اگر چاہتے	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعض
مَنْ كَلَّمَ	جن سے گفتگو فرمائی	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	مَنْ كَفَرَ	جو ایمان نہیں لائے
اللَّهُ	اللہ نے	مَا أَقْتَلَ	(تو) نہ لڑتے	وَلَوْ شَاءَ	اور اگر چاہتے
وَرَفَعَ	اور بلند کیا	الَّذِينَ	جو لوگ	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ
بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کے	مِنْ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد ہوئے	مَا أَقْتَلُوا	(تو) نہ لڑتے وہ
دَرَجَاتٍ	درجات	مِنْ بَعْدِ	بعد	وَلَكِنَّ اللَّهَ	مگر اللہ تعالیٰ
وَآتَيْنَا	اور دیئے ہم نے	مَا جَاءَتْهُمُ	ان کے پاس آنے	يَفْعَلُ	کرتے ہیں
عِيسَىٰ	عیسیٰ کو	الْبَيِّنَاتِ	واضح دلائل کے	مَا يُرِيدُ	جو چاہتے ہیں

رسالت کا بیان

رسولوں کے مراتب متفاوت ہیں اور نبی ﷺ کے درجات سب سے بلند ہیں

سبھی انبیاء و رسل برگزیدہ اور اللہ کے مقبول بندے ہیں، سب کا احترام ہر مومن پر واجب ہے، کسی کی ادنیٰ اہانت

ایمان سے محرومی کا باعث ہے، پھر رسولوں کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہے، رسول: صاحب شریعت ہوتا ہے اور نبی تابع

شریعت، موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت رسول ہیں اور ان کے بعد چار ہزار انبیاء تالیح شریعت ہوئے ہیں، پھر رسولوں میں بھی تقاضل (مراتب کا فرق) ہے، پانچ اولوالعزم رسول (نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہم اجمعین) دیگر رسولوں سے بلند مرتبہ ہیں، پھر ان میں بھی تفاوت مراتب ہے، اور سب سے افضل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، آپ پر نبوت کا سلسلہ پورا ہو گیا، اور آپ کی بعثت دوہری ہے، آپ کی امت بھی مبعوث ہے اور وہ خیر امت ہے۔

(رحمۃ اللہ الواسعہ ۲: ۵۰)

فضیلت کلی اور فضیلت جزئی:

فضیلت کی دو قسمیں ہیں: کلی اور جزئی، فضیلت کلی: یعنی ہمہ وجوہ فضیلت، اور فضیلت جزئی: یعنی کسی خاص بات میں فضیلت، مثلاً: ایک طالب علم دورہ میں اول آیا اور دوسرے کے بخاری شریف میں زیادہ نمبر ہیں، پس اول کو فضیلت کلی حاصل ہے، اور ثانی کو فضیلت جزئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جزئی فضیلتیں حاصل ہیں، اور نبی ﷺ کو کلی فضیلت، موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، اللہ نے ان سے زمین میں فرشتہ کے توسط کے بغیر کلام فرمایا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو کئی جزئی فضیلتیں حاصل ہیں، اللہ نے ان کو کئی معجزات دیئے تھے، وہ مادر زاد اندھے کو بینا کرتے تھے، کوزھی کو چنگا کرتے تھے، مردے کو زندہ کرتے تھے، مٹی کی چڑیا بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو جاتی تھی۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام یا کوئی اور فرشتہ ہر وقت ان کی اردلی میں رہتا تھا، یہ سب جزئی فضیلتیں ہیں، اور ہمارے نبی ﷺ کے درجات اللہ نے سب سے بلند کئے، یہ کلی فضیلت ہے، آپؐ آخری پیغمبر ہیں، آپ کی بعثت دوہری ہے، آپ کی امت بھی مبعوث ہے، آپؐ پر اللہ نے اپنا کلام نازل فرمایا، جو آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے، سابقہ کتابیں: اللہ کی کتابیں تھیں، اللہ کا کلام نہیں تھیں، کلام یا تو فرشتہ کا ہوتا تھا یا نبی کا، اور قرآن سارا اللہ کا کلام ہے (تفصیل تحفۃ القاری ۹: ۴۵ میں ہے)

اب یہاں دو سوال ہیں:

پہلا سوال: جب انبیاء و رسل میں تقاضل ہے، اور نبی ﷺ سب سے افضل رسول ہیں: تو آپؐ نے اپنی برتری بیان کرنے سے کیوں منع کیا؟ ایک حدیث میں ہے: ”مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح مت دو“ (بخاری) اور دوسری حدیث میں ہے کہ مت کہو کہ میں یونس علیہ السلام سے بہتر ہوں (بخاری) اس ممانعت کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کسی نبی یا رسول کی اس طرح فضیلت بیان کرنا کہ دوسرے نبی یا رسول کی تنقیص (توہین) لازم آئے جائز

نہیں، مذکورہ دونوں حدیثوں میں اسی طرح کی تفصیل کی ممانعت ہے (تفصیل تحفۃ القاری ۷: ۲۷۷ میں ہے) ورنہ فی نفسہ فضیلت بیان کرنا جائز ہے، اور تقابل کے بغیر فضیلت بیان کرنا بھی جائز ہے۔

ملاحظہ: جزئی فضیلت میں خاص فضیلت کا ذکر کیا جاتا ہے، اور کلی فضیلت میں تفصیل نہیں کی جاتی، مثلاً: کہا جائے گا کہ فلاں طالب علم کے بخاری شریف میں سب سے زیادہ نمبر ہیں، اور جو اول نمبر آیا ہے اس کے حق میں صرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پوزیشن لایا ہے، اس کے نمبرات ذکر نہیں کئے جاتے، چنانچہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے جزئی فضائل بیان کئے، اور نبی ﷺ کے حق میں فرمایا: ﴿وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ یعنی بعض رسولوں کو سب سے اونچا درجہ دیا۔

سوال دوم: جب ﴿رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ میں نبی ﷺ کی فضیلت کلی کا بیان ہے تو اس کو مؤخر کیوں نہیں لائے؟ پہلے موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے جزئی فضائل بیان کئے جاتے، پھر آپ کی فضیلت کلی بیان کی جاتی، آپ کا تذکرہ درمیان میں کیوں آیا؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام کی جزئی فضیلت کے بعد آپ کی فضیلت کلی کا تذکرہ بطور استدراک آیا ہے۔ استدراک کے معنی ہیں: کلام سابق سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنا، موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ کے کلام فرمانے سے ان کی فضیلت کلی کا خیال پیدا ہو سکتا تھا، اس لئے بات آگے بڑھائی کہ فضیلت کلی تو کسی اور کو حاصل ہے، پھر باقی کلام پورا کیا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے جزئی فضائل بیان کئے ہیں۔

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَرَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۗ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ﴾

ترجمہ: ہم نے ان پیغمبروں کو بعض کو بعض پر برتری بخشی — یہ قاعدہ کلیہ کا بیان ہے کہ انبیاء و رسل میں تفاضل ہے — ان میں سے بعض سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا — یہ موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت جزئی کا بیان ہے — اور ان میں سے بعض کے مراتب بلند کئے — یہ نبی ﷺ کی فضیلت کلی کا بیان ہے، اور معاً یہ بات استدراک کے طور پر آئی ہے — اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو — یعنی وہ مریم کے بیٹے تھے، اللہ کے بیٹے نہیں تھے — کھلے معجزات دیئے — ان معجزات کا ذکر اوپر آ گیا — اور ہم نے ان کو پاک روح کے ذریعہ قوی کیا — پاک روح سے جبرئیل علیہ السلام مراد لئے گئے ہیں، مگر عام ملا اعلیٰ بھی مراد لے سکتے ہیں، جو کبھی کبھی اترتے ہیں اور انسانوں کو تعلیم دیتے ہیں اور ان سے باتیں کرتے ہیں، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے نبی ﷺ نے دعا کی تھی: ”الہی! پاکیزہ روح کے ذریعہ حسان کو تقویت پہنچا!“ (بخاری) (رحمۃ اللہ: ۲: ۲۷۷)

نبی ﷺ کو دلاسا (تسلی)

آگے ایک سوال کا جواب ہے، اور اس میں نبی ﷺ کی دلداری اور تسلی بھی ہے، سوال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سب سے بڑے رسول ہیں تو آپ کی مخالفت کیوں ہو رہی ہے؟ کوئی ایمان لاتا ہے کوئی نہیں لاتا، چاہتے تھا کہ سب لوگ آپ کی بات مان لیتے اور ایمان لے آتے؟

اس کے جواب: میں دو باتیں فرمائی ہیں، اور قرآن کریم کا اسلوب ہے کہ جب وہ کیسی تمہید پر دو باتیں متفرع کرتا ہے تو تمہید لوٹا کر دوسری بات کہتا ہے، پس یہ تکرار نہیں۔

پہلی بات: گذشتہ رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آتا رہا ہے، کوئی ایمان لاتا تھا کوئی نہیں لاتا تھا، پھر فریقین میں آویزش ہوتی تھی، اور مخالفت اس حد تک بڑھتی کہ جنگ و پیکار کی نوبت آتی، جبکہ رسول واضح معجزات کے ساتھ مبعوث کئے جاتے تھے، پھر بھی سب لوگ ایمان نہیں لاتے تھے، پس آج یہ کوئی نئی بات نہیں، آپ اس سے دل گیر نہ ہوں۔

دوسری بات: دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے، یہاں نیکی اور برائی کی آزادی ہے، اور اسی کی بنیاد پر آخرت میں جزا و سزا قائم ہوگی، اور اس اختلاف کے پیچھے مشیت الہی کا فرما ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے تو غیب کو شہود کر دیتے، اور جو باتیں غیب کے پردے میں چھپی ہیں ان کو انسان سر کی آنکھوں سے دیکھ لیتا، اور کوئی انکار ہی نہ رہتا، سب ایمان لے آتے، نہ کفر رہتا نہ رسولوں کی مخالفت، مگر اللہ نے جیسا چاہا ویسا ہو رہا ہے۔

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَنَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ نَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَبُيِّنَتْ مِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَفْتَنَّاوَا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ نہ لڑتے جو ان (رسولوں) کے بعد ہوئے، ان کے پاس واضح دلائل آجانے کے بعد، لیکن انھوں نے (لوگوں نے رسولوں سے) اختلاف کیا، پس ان میں سے کوئی ایمان لایا اور کسی نے انکار کیا۔ پھر فریقین میں آویزش شروع ہوئی، پھر جنگ کی نوبت آئی، یہ پہلی بات ہے۔

اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ باہم نہ لڑتے۔ یہ تمہید لوٹائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ یہ

دوسری بات ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ يَوْمًا لَا يَبِيعُ فِيهِ
وَلَا خَلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۰۷﴾

اور نہ دوستی	وَلَا حُلَّةٌ	پہلے	مِّنْ قَبْلِ	اے وہ لوگو جو	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
اور نہ سفارش	وَلَا شَفَاعَةٌ	اس سے کہ آئے	أَنْ يَأْتِيَ	ایمان لائے	أَمْثُوا
اور حکم نہ ماننے والے	وَالْكَافِرُونَ	وہ دن	يَوْمَ	خرچ کرو	أَنْفِقُوا
ہی	هُمْ	نہیں سودا ہے	لَا يَبِيعُ	اس میں سے کچھ جو	رِمْتَا
اپنا نقصان کرنے والے ہیں	الظَّالِمُونَ	اس میں	فِيهِ	بطور روزی دیا، ہم نے تم کو	رَزَقْنَاكُمْ

آخرت کا بیان

رسالت کے بعد اب آخرت کا بیان ہے، گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسا چاہا ہے کہ عالم (دنیا) دو ہوں: عالم مشاہد اور عالم غیب، پہلے انسانوں کو عالم مشاہد (نظر آنے والی دنیا) میں پیدا کیا جائے، اور وہاں اس کو عمل و اعتقاد کی آزادی دی جائے، اور دونوں عالموں کے درمیان گاڑھا پردہ ڈال دیا جائے، پھر اس دنیا کا آخری دن آئے، جو قیامت کا دن ہو، اس میں انسان کے بھلے برے کا حساب ہو، پھر اس کو آخرت میں منتقل کیا جائے، جہاں اس کو جزا و سزا سے سابقہ پڑے، اس لئے اس دنیا کو آخرت سے مختلف بنایا ہے، پس ضروری ہے کہ انسان اس دنیا میں آنے والی دنیا کے لئے تیاری کرے۔

اور عبادتیں دو ہیں: بدنی اور مالی، دونوں ضروری ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، مگر مالی عبادت نفس پر زیادہ شاق (بھاری) ہے، انسان چھڑی دے سکتا ہے دمڑی نہیں دیتا، اس لئے ایمان لانے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ تمہارے پاس جو کچھ مال و منال ہے وہ تمہارا نہیں، ہم نے تم کو بطور روزی (بھٹکا) دیا ہے، اس میں سے کچھ خرچ کرو، زکات دو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو حساب کا دن آرہا ہے، اس دن نہ کوئی سودا بازی چلے گی، نہ دوستی کام آئے گی، نہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کر سکے گا، پس حکم مانو اور زکات ادا کرو، جو حکم نہیں مانیں گے وہ پچھتائیں گے۔

آیت کریمہ: اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو بطور روزی دیا ہے — مالک نہیں بنایا —

اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ سودا ہوگا، نہ دوستی اور نہ سفارش کام آئے گی، اور جو لوگ حکم نہیں مانیں گے وہی اپنا نقصان کریں گے!

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۗ
 وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۗ وَهُوَ الْعَلِيُّ
 الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾

اللہ	اللہ پاک	فِي الْأَرْضِ	زمین میں ہے	مِّنْ عِلْمِهِ	اس کے علم سے
لَا إِلَهَ	کوئی معبود نہیں	مَنْ ذَا	کون ہے یہ	إِلَّا بِمَا شَاءَ	مگر جتنا چاہے وہ
إِلَّا هُوَ	مگر وہی	الَّذِي	جو	وَسِعَ	کشادہ ہے
الْحَيُّ	زندہ	يَشْفَعُ	سفارش کرے	كُرْسِيِّهِ ^(۲)	اس کی کرسی
الْقَيُّومُ ^(۱)	تھامنے والا	عِنْدَكَ	اس کے پاس	السَّمَاوَاتِ	آسمانوں کو
لَا تَأْخُذُكَ	نہیں پکڑتی اس کو	إِلَّا بِإِذْنِهِ	مگر اس کی اجازت سے	وَالْأَرْضِ	اور زمین کو
سِنَةٌ	اونگھ	يَعْلَمُ	جانتا ہے	وَلَا يَئُودُهُ ^(۳)	اور نہیں تھکاتا اس کو
وَلَا تَوَمُّ	اور نہ نیند	مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ	جو ان کے سامنے ہے	حِفْظَهُمَا	ان دونوں کی حفاظت کرنا
لَهُ مَا	اس کی ملک ہے جو	وَمَا خَلْفَهُمْ	اور جو ان کے پیچھے ہے	وَهُوَ	اور وہ
فِي السَّمَاوَاتِ	آسمانوں میں ہے	وَلَا يُحِيطُونَ	اور نہیں گھیرتے وہ	الْعَلِيُّ	برتر
وَمَا	اور جو کچھ	بِشَيْءٍ	کسی چیز کو	الْعَظِيمُ	عظمت والا ہے

توحید کا بیان

اب ایک آیت میں توحید کا بیان ہے، اور اللہ تعالیٰ کی شہون و صفات کا ذکر ہے، اس آیت کا نام آیت الکرسی ہے۔ احادیث میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں، ایک حدیث میں اس کو افضل آیات فرمایا ہے، اور نسائی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد اس کو پڑھے گا اس کے جنت میں داخل ہونے کے لئے موت کے سوا کوئی مانع نہیں ہوگا (معارف القرآن) اور بخاری شریف کی روایت ہے کہ جو شخص رات میں سوتے وقت اس آیت کو پڑھے تو صبح تک (۱) القیوم: قائم سے صیغہ مبالغہ: وہ ذات جو خود رہنے والی اور دوسری کو رکھنے والی ہے (۲) كان الحسن يقول: الكرسي هو العرش (درمنثور: ۱: ۳۲۸) اصحاب طواہر کے نزدیک: بیٹھنے کی کرسی مراد ہے (لغات القرآن) (۳) يؤد: مضارع، واحد مذکر غائب: آد (ن) أَوْ ذَا الشَّيْءِ حَامِلَهُ: تھکا دینا، بوجھ سے جھکا دینا، بوجھل بنا دینا، مفعول بہ، حفظہما: فاعل ہے۔

شیطان سے اس کی حفاظت ہوگی۔ اس آیت کے پہلے جملہ میں توحید کا بیان ہے یعنی معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، باقی نو جملوں میں صفات کا بیان ہے:

۱- ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں — یعنی قابلِ عبادت اللہ کی ذات کے سوا کوئی چیز نہیں۔

۲- ﴿الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾: وہ زندہ جاوید، کائنات کو تھامنے والے ہیں — یعنی وہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عدم اور موت سے بالاتر ہیں، اور قیوم: اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، کائنات اللہ نے پیدا کی ہے اور وہی اس کو سنبھالے ہوئے ہیں، کوئی دوسرا ان کا شریک و سہیم نہیں۔

ملفوظہ: ﴿الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾: یہ دو صفتیں بہت سے حضرات کے نزدیک اسمِ اعظم ہیں، پس ان کا ورد رکھنا چاہئے۔
۳- ﴿لَا تَأْخُذُكَ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾: ان کو نہ اونگھ دباتی ہے نہ نیند — اگر اللہ تعالیٰ کو اونگھ آجائے یا نیند تو کائنات کو کون سنبھالے گا؟ پلک جھپکتے عالم برباد ہو جائے گا! اور قرآن میں دوسری جگہ ہے کہ تھکان ان کو چھو کر بھی نہیں گئی، وہ ان عوارض سے بالاتر ہیں، مخلوقات پر ان کو قیاس نہ کیا جائے۔

۴- ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾: ان کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں — بندوں کی ملکیت مجازی ہے، ہر چیز کے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اس لئے کہ سب چیزیں انھوں نے پیدا کی ہیں، پس وہی مالک ہیں، دوسرا جو بھی مالک بنا ہوا ہے وہ برائے نام مالک ہے۔

۵- ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾: ایسا کون ہے جو سفارش کرے ان کے سامنے ان کی اجازت کے بغیر؟ — ایسا کوئی نہیں! کیونکہ جب وہ مالکِ حقیقی ہیں تو اپنی ملکیت میں جو چاہیں تصرف کریں، ان سے باز پرس کا کسی کو کیا حق ہے؟ کوئی دخل در معقولات نہیں کر سکتا، البتہ مقبولانِ بارگاہِ بہ اذنِ الہی لب کشائی کر سکتے ہیں، قیامت کے دن نبی ﷺ تمام امتوں کے لئے سفارش فرمائیں گے۔

۶- ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾: جانتے ہیں وہ جو کچھ مخلوقات کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے — ﴿مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾: محاورہ ہے یعنی مخلوقات کے تمام احوال جانتے ہیں، ان کا علم سب چیزوں کو محیط ہے، کیونکہ اس کے بغیر نہ سب چیزوں کو سنبھال سکتے ہیں نہ ان کے حق میں مناسب فیصلہ کر سکتے ہیں۔

۷- ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾: اور مخلوقات احاطہ نہیں کر سکتی ان کے علم میں سے کسی بھی حصہ کا، مگر جتنا وہ چاہیں — یعنی تمام مخلوقات (انسان اور ان کے علاوہ) اللہ کے علم کے کسی بھی حصہ کا احاطہ

نہیں کر سکتی، مگر خود اللہ تعالیٰ جس کو اپنے علم کا جتنا حصہ عطا فرمائیں وہ جان سکتی ہے، اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے، کوئی انسان یا کوئی مخلوق اس میں اللہ کی شریک نہیں۔

۸- ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾: ان کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے — یعنی اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اور کرسی کے معنی ہیں تخت، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک: عرش اور کرسی ایک ہیں، تخت نشینی اور چیر مینی کا ایک مطلب ہے — دوسرے حضرات کہتے ہیں: کرسی ایک مخلوق ہے، عرش سے چھوٹی اور آسمانوں سے بڑی — پھر اصحاب ظواہر (سلفی) کہتے ہیں: کرسی کے حقیقی معنی مراد ہیں، یعنی بیٹھنے کی کرسی، مگر اس کی نوعیت مجہول (انجانی) ہے — اور حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ (تابعی) نے اس کی تاویل 'علم الہی' سے کی ہے، اور وہ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بھی کرتے ہیں۔

۹- ﴿وَلَا يُوَدُّهُ حٰقِقُہُمْ﴾: اور ان کے لئے دونوں کی حفاظت کچھ مشکل نہیں — یعنی اس قادر مطلق کے لئے آسمانوں اور زمین کی نگہبانی نہایت آسان ہے۔

۱۰- ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾: اور وہ برتر اور عظیم المرتبت ہیں — یعنی وہ عالی شان اور عظیم المرتبہ ہیں! ان دس جملوں میں توحید کا مضمون اور صفات کمالیہ کا بیان پوری وضاحت کے ساتھ آ گیا ہے، ان کو سمجھ لینے کے بعد ہر شخص یقین کر لے گا کہ ہر عزت و عظمت اور بلندی و برتری کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، دوسرا کوئی ان کا ہم سر نہیں۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُوْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اَسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا اَنْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰﴾

لَا اِكْرَاهَ	نہیں زبردستی	مِنَ الْغَيِّ	گمراہی سے	بِاللّٰهِ	اللہ کا
فِي الدِّيْنِ ^(۱)	دین میں	فَمَنْ يَكْفُرْ	پس جو انکار کرے	فَقَدْ	تو بالتحقیق
قَدْ تَبَيَّنَ	بے شک واضح ہو گئی	بِالطَّاغُوْتِ ^(۲)	گمراہ کرنے والے کا	اَسْتَمْسَكَ	تھام لیا اس نے
الرُّشْدُ	ہدایت	وَ يُوْمِنُ	اور یقین کرے	بِالْعُرْوَةِ	کڑا (حلقہ)

(۱) الدین: سے مراد دین اسلام ہے، جس کی بنیادی تعلیم توحید ہے۔ (۲) الطاغوت: اسم مفرد، جمع طاغوت، مذکر مؤنث، اور مفرد جمع یکساں: گمراہ کرنے والا، خواہ معبود باطل ہو، خواہ گمراہ کرنے والا انسان، جن یا بت ہو۔ فعل: طغى (ف) طغياً و طغياناً: حد سے بڑھ جانا، سرکشی کرنا۔

خوب سننے والے	سَمِيعٌ	اس کے لئے	لَهَا	مضبوط	الْوُثْقَى
خوب جاننے والے ہیں	عَلِيمٌ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	نہیں ٹوٹنا	لَا انْفِصَامَ

لوگ دین اسلام کو خوشی سے قبول کریں، وہی مضبوط دین ہے

آیت الکرسی سے توحید کا مضمون اچھی طرح واضح ہو گیا، معبود بحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اسلام اسی توحید کی دعوت دیتا ہے، اب لوگوں کو چاہئے کہ اس کو اپنی مرضی سے قبول کریں، زور زبردستی نہیں، عقیدہ: دل سے ماننے کا نام ہے، اس میں زبردستی نہیں ہو سکتی، البتہ حق بات واضح کرنی ضروری ہے جو کر دی گئی، اب جو اللہ کے دین کو اختیار کرے گا، اور دوسرے ادیانِ باطلہ سے کنارہ کشی اختیار کرے گا وہ مزے میں رہے گا، دارین میں کامیاب ہوگا، یہ ایسا مضبوط کڑا ہے جو کبھی دھوکہ نہیں دے گا، دوسرے تعلقات آخرت میں ٹوٹ جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی بات سن رہے ہیں اور اس کا حال جان رہے ہیں کہ کون صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے اور کون طاغوت کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔

آیت کریمہ: دین (قبول کرنے) میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت: گمراہی سے جدا ہو چکی ہے، پس جو شخص گمراہ کرنے والوں سے کنارہ کشی اختیار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے بالیقین مضبوط کڑا تھام لیا، جو کبھی ٹوٹے گا نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

فائدہ: اس سے اسلام کا ایک اہم اصول معلوم ہوا کہ کسی کو مجبور کر کے اس کا مذہب تبدیل کرانا درست نہیں، کیونکہ مذہب کا تعلق دل کے اعتقاد و یقین سے ہے، جبر کے ذریعہ زبان سے تو اقرار کر لیا جاسکتا ہے، دل کی دنیا نہیں بدلی جاسکتی، اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اسلام کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے، محض پروپیگنڈہ ہے، اسلام جب دنیا میں آیا تو ایک ہی شخص تھا، جو مسلمان تھا، وہی اسلام کا داعی اور خدا کا پیغمبر تھا، مکہ کا چپہ چپہ اس کا مخالف تھا، پھر تیرہ سال تک اسلام ان چند کمزور، نہتے اور مظلوم لوگوں کا مذہب تھا، جن پر کوئی ظلم و ستم نہیں تھا جو روانہ رکھا گیا ہو، اُس وقت اسلام کے پاس نہ تلوار تھی، نہ فوج، نہ سپاہ، آخر کوئی طاقت تھی جس کے ذریعہ اسلام نے چند ہی سال میں پورے جزیرہ عرب کو سخر کر لیا؟ یہ یقیناً اس کی عدل و انصاف پر مبنی، فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور عقل و دانش سے مطابقت رکھنے والی تعلیمات تھیں نہ کہ تلوار! (آسان تفسیر: ۲۱۴)

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا، يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
أُولَئِكَ الظُّلُمَاتُ إِلَى النُّورِ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۰﴾

اللَّهُ وَلَهُ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ	اللہ تعالیٰ کارساز ہیں ان لوگوں کے جنھوں نے مان لیا نکالتے ہیں وہ ان کو اندھیروں سے	إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ الطَّاغُوتُ ^(۲) يُخْرِجُونَهُمْ	روشنی کی طرف اور جن لوگوں نے نہیں مانا ان کی کارساز گمراہ کن طاقتیں ہیں نکالتی ہیں وہ ان کو	مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ	روشنی سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں
---	--	---	--	---	---

کارسازی اور کارسازی میں فرق

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ کو پکڑو، یہ وہ مضبوط کڑا ہے جو کبھی ٹوٹے گا نہیں، اس پر منکرینِ اسلام کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے بھی اولیاء ہیں، معبود ہیں، ان کی طرف دعوت دینے والے گورو ہیں، وہ ہمارے کارساز ہیں، وہ ہماری بگڑی بنا نہیں گے، اس کا جواب دیتے ہیں کہ کارسازی اور کارسازی میں فرق ہے، اللہ تعالیٰ تو مؤمنین کو تاریکیوں سے اجالے میں لاتے ہیں، ان کی زندگیوں کو سنوارتے ہیں، اور آخرت میں ان کو جنت میں داخل کریں گے، اور منکرینِ اسلام کے کارساز (بت اور گرو) ان کو روشنی سے تاریکی میں پہنچا رہے ہیں، ان کی زندگیاں بگاڑ رہے ہیں اور آخرت میں ان کو جہنم کے دائمی عذاب میں پہنچائیں گے۔ لہذا ان کو چھوڑو اور اسلام کے حلقہ بگوش بنو۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے کارساز ہیں، وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں لاتے ہیں، اور جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان کے کارساز گمراہ کرنے والی قوتیں ہیں، وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں میں لے جاتے ہیں، یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَبُوا بِرِهْمٍ فِي رَيْبِهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ مَرَادًا قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ، قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ، قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالسَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ، وَاللَّهُ لَا

(۱) ہدایت کا نور ایک ہے، اس لئے النور: مفرد لائے، اور گمراہیاں طرح طرح کی ہیں، اس لئے الظلمات جمع لائے

(۲) الطاغوت: میں مفرد جمع یکساں ہیں، یہاں جمع مراد ہے۔

يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٨﴾

سورج کو	بِالشَّمْسِ	میرا رب	رَبِّي	کیا تو نے دیکھا نہیں	الْمُرْتَدَّ
مشرق سے	مِنَ الْمَشْرِقِ	(وہ ہے) جو	الَّذِي	اس کو جس نے	إِلَى الَّذِي
پس لا تو اس کو	فَأْتِ بِهَا	جلاتا ہے	يُجِي	کٹ جیتی کی	حَاجَةً (۱)
مغرب سے	مِنَ الْمَغْرِبِ	اور مارتا ہے	وَيُؤِيدُ	ابراہیم سے	لِإِبْرَاهِيمَ
پس ہکا بکارہ گیا	فَبُهِتَ (۳)	کہا اس نے	قَالَ	اس کے رب میں	فِي رَبِّيَّةٍ
جس نے انکار کیا	الَّذِي كَفَرَ	میں (بھی) جلاتا ہوں	أَنَا أُجِي	(اس وجہ سے) کہ وہی اس کے	أَنْ أَتُهُ (۲)
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اور مارتا ہوں	وَأُصِيدُ	اللہ نے	اللَّهُ
راہ نہیں دیتے	لَا يَهْدِي	کہا ابراہیم نے	قَالَ لِإِبْرَاهِيمَ	حکومت	الْمُلْكِ
لوگوں کو	الْقَوْمَ	پس بے شک اللہ	فَإِنَّ اللَّهَ	جب کہا	إِذْ قَالَ
نا انصاف	الظَّالِمِينَ	لاتے ہیں	يَأْتِي	ابراہیم نے	لِإِبْرَاهِيمَ

نمرود نے توحید کی دلیل پر اعتراض کیا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کو دوسری دلیل سے چپکا کیا

نمرود (بروزن امرود) ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ کا خود سر بادشاہ تھا، خدائی کا دعوے دار بھی تھا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے خداؤں (مورتیوں) کی گت بنائی تو قوم نے ان کو نذر آتش کرنے کا فیصلہ کیا (سورۃ الانبیاء آیات ۵۷-۶۸) مگر چونکہ یہ قانون کو ہاتھ میں لینا تھا، اس لئے قوم یہ مقدمہ بادشاہ کے پاس لے گئی، تاکہ حکومت ابراہیم کو یہ سزا دے، بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام کو طلب کیا اور سوال کیا کہ اگر تو ان مورتیوں کو خدا نہیں مانتا تو تیرا خدا کون ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: میرا خدا وہ ہے جو جلالتا اور مارتا ہے یعنی وجود بخشتا ہے، پھر ایک وقت کے بعد وجود واپس لے لیتا ہے، یہ توحید کی سچی دلیل تھی، کیونکہ یہ کام اللہ کے سوانہ کوئی کرتا ہے نہ کر سکتا ہے، مگر نمرود نے کہا: یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں، اور ایک پھانسی کے مجرم کو آزاد کر دیا اور بے گناہ قتل کر دیا، اور کہا: دیکھ! میں نے پہلے کو زندہ کر دیا اور دوسرے کو ختم کر دیا۔ یہ اس نے توحید کی سچی دلیل میں فیہ نکالی، وہ غبی تھا، جلالتا اور مارنے کی حقیقت ہی نہیں سمجھا۔ ابراہیم علیہ السلام

(۱) حَاجٌ مُّحَاجَّةً: بے جا بحث کرنا (۲) ان: سے پہلے لام جارہ یا باء جارہ محذوف ہے (۳) بُهِتَ: ماضی مجہول، باب سمع و کرم: شش در ہونا، حیران رہ جانا، مجہول: معروف کے معنی میں ہے۔

نے سوچا: اس خردماغ کے ساتھ کون مغز چینی کرے، کھٹ سے تو حید کی دوسری دلیل پیش کی کہ میرا پروردگار روز سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو اس کو مغرب سے نکال؟ اس پر وہ مبہوت ہو گیا اور چرمی کیم میں پڑ گیا، مگر ایمان نہیں لایا، اللہ تعالیٰ نا انصافوں کو ہدایت سے نہیں نوازتے!

پھر کیا ہوا؟ — ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا ہوگا کہ اگر ایمان لائے گا تو جنت (باغ) میں جائے گا، ورنہ دوزخ (آگ) میں ڈالا جائے گا۔ اس نے کہا: میں آگ میں ڈالا جاؤں گا؟ تجھے آگ میں ڈالوں گا! اور قوم کو حکم دیا: سوختہ (جلانے کی لکڑیاں) جمع کرو، قوم نے چھ ماہ تک سوختہ ڈھویا اور لکڑیوں کا ڈھیر لگا دیا، دوسری طرف حکومت کے کرپچاریوں کو حکم دیا کہ میرے لئے جنت (باغ) تیار کرو، میں اپنی جنت میں جاؤں گا، مگر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو باغ بنا دیا، اور نمرود کے دماغ میں مچھر گھس گیا، اس نے دماغ چاٹ لیا، اور وہ اسی میں مر گیا، اور اس کو اپنے باغ میں جانا نصیب نہ ہوا۔

آیت پاک: کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا نہیں جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں کٹ جتی کی، اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت دی تھی؟ جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے (پس) اس نے کہا: میں (بھی) جلاتا اور مارتا ہوں! ابراہیم نے کہا: پس اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے نکالتے ہیں، تو اس کو مغرب سے نکال؟ پس اللہ کا منکر ہکا بکارہ گیا، اور اللہ تعالیٰ نا انصافوں کو ہدایت نہیں دیتے!

فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز عمل سے ایک سبق ملا کہ مناظرہ کو طول نہیں دینا چاہئے، چٹ پٹ قصہ نمٹانا چاہئے، اگر مخاطب کوئی بات نہ سمجھے تو دلیل بدل دے، پہلے پہ دہلہ رکھے اور چت کر دے۔

سوال: اگر کوئی جھک کرے اور کہے کہ نمرود یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ مشرق سے روزانہ میں سورج نکالتا ہوں، ابراہیم تو اپنے خدا سے کہہ کہ آئندہ کل وہ سورج مغرب سے نکالے؟ تو ابراہیم علیہ السلام کیا کرتے؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام ہاتھ اٹھاتے اور اللہ سے عرض کرتے اور اگلے دن سورج مغرب سے نکلتا اور قیامت قائم ہو جاتی، پھر نمرود کیا کرتا؟ دراصل وہ جانتا تھا کہ ابراہیم ٹھیک کہتا ہے، خدا وہ نہیں، خدا کوئی اور ہے، مگر اس کو ماننا نہیں تھا، فرعونوں کے حق میں سورۃ النمل (آیت ۱۴) میں ہے: ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ﴾: ان لوگوں نے معجزات کا انکار کیا، درانحالیکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا، اس لئے وہ یہ احتمالہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا، قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا، فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ، قَالَ كَمْ لَبِثْتُ، قَالَ لَبِثْتُ

يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمِهِ قَالَ بَلْ لَيْسَتْ مِائَةٌ عَامٍ فَاَنْظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ
لَمْ يَتَسَنَّهٗ ۚ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَىٰ الْعِظَامِ
كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۗ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۖ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۵﴾

پس دیکھو تو	فَاَنْظُرْ	اللہ نے	اللہ	(جلانا مارنا یہ ہے) یا	أَوْ
تیرے کھانے کو	إِلَىٰ طَعَامِكَ	سوسال	مِائَةٌ عَامٍ	جیسے وہ شخص جو	كَالَّذِي
اور تیرے پینے کو	وَشَرَابِكَ	پھراٹھا یا اس کو	ثُمَّ بَعَثَهُ	گذرا	مَرَّ
نہیں بدلا ہے	لَمْ يَتَسَنَّهٗ (۲)	پوچھا	قَالَ	ایک بستی پر	عَلَىٰ قَرْيَةٍ
اور دیکھو تو	وَانظُرْ	کتنا ٹھہرا تو؟	كَمْ لَيْسَتْ	در انحالیکہ وہ	وَهِيَ
تیرے گدھے کو	إِلَىٰ حِمَارِكَ	جواب دیا	قَالَ	ڈھسی پڑی تھی	خَاوِيَةً (۲)
اور تاکہ بنائیں ہم تجھے	وَلِنَجْعَلَكَ	ٹھہرائیں	لَيْسَتْ	اپنی ٹٹیوں پر	عَلَىٰ عُرُوشِهَا (۳)
لوگوں کے لئے نشانی	آيَةً لِلنَّاسِ	ایک دن	يَوْمًا	کہا اس نے کیسے	قَالَ أَتَىٰ
اور دیکھو تو	وَانظُرْ	یا ایک دن سے کچھ کم	أَوْ بَعْضَ يَوْمِهِ	زندہ کریں گے	يُحْيِي
ہڈیوں کو	إِلَىٰ الْعِظَامِ	فرمایا	قَالَ	اس کو اللہ تعالیٰ	هَذِهِ اللَّهُ
بھارتے ہیں ہم ان کو	كَيْفَ نُنشِزُهَا (۵)	بلکہ ٹھہرا تو	بَلْ لَيْسَتْ	اس کے مرنے کے بعد	بَعْدَ مَوْتِهَا
پھر پہناتے ہیں ان کو	ثُمَّ نَكْسُوهَا	سوسال	مِائَةٌ عَامٍ	پس مارے رکھا اس کو	فَأَمَاتَهُ

(۱) او: حرف عطف، احد الامرین کے لئے ہے، معطوف علیہ محذوف ہے، ای هذا او هذا؟ ای الاحیاء والاماتة كذلك
او كالذی مر الآیة، یعنی جلانا اور مارنا وہ ہے جو نمرود نے کر دکھایا یا جیسا اس مثال میں ہے؟ (۲) خاویة: افتادہ، گری ہوئی،
خواء سے جس کے معنی ہیں: گھر کا خالی ہونا، گر پڑنا، ڈھجانا (۳) عروش: عرش کی جمع: چھت، اس کا اکثر استعمال بانس کے
چھپر کے لئے ہوتا ہے۔ ٹٹی: بانس یا سرکنڈوں کا بنا ہوا چھپر جس پر ٹیلیں پڑھاتے ہیں۔ (۴) لم يتسنه: برسوں گزرنے پر بھی
خراب نہیں ہوا، بعض کے نزدیک ہائے سکتہ ہے، اور فعل تسن يتسن ہے، جس کی اصل يتسنی ہے، جازم کی وجہ سے یاہ گری
ہے، اور بعض کے نزدیک ہا اصلی ہے، اس صورت میں ماخوذ من سنة ہوگا، جس کی اصل سنہة ہے، کیونکہ تصغیر سنہة آتی ہے
(۵) إنشاز (افعال) جوڑنا، حرکت دینا، اٹھانا، ابھارنا، مجازی معنی: زندہ کرنا۔

کہ اللہ تعالیٰ	اِنَّ اللّٰهَ	اس کے لئے	لَهُ	گوشت	لَحْمًا
ہر چیز پر	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	کہا اس نے	قَالَ	پس جب	فَلَمَّا
قادر ہیں	قَدِيرٌ	جان لیا میں نے	اَعْلَمُ	واضح ہو گیا	تَبَيَّنَ

جلانا اور مارنا کیا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے سامنے توحید کی جو دلیل پیش کی تھی کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے، یعنی جس نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے، پھر ایک وقت کے بعد وہ وجود واپس لے لیتا ہے، یہ توحید کی نہایت مضبوط دلیل تھی، یہ کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، اس لئے وہی معبود ہے — مگر نمرود نے اس دلیل پر اعتراض کیا کہ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں، اور اس نے کر دکھایا، ایک پھانسی کے مجرم کو آزا کر دیا، اور ایک بے گناہ کو قتل کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے اس بوجس اعتراض کا جواب نہیں دیا، بلکہ دلیل بدل دی، جس سے وہ ہکا بکارہ گیا، یہاں کوئی خیال کر سکتا ہے کہ شاید پہلی دلیل کمزور ہوگی، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے دلیل بدل دی، اس لئے اللہ پاک کلام آگے بڑھاتے ہیں، اور ایک مثال بیان فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوگا کہ مارنا جلانا وہ نہیں جو نمرود نے کر دکھایا، بلکہ مارنا جلانا وہ ہے جو اس واقعہ میں ہے۔

واقعہ: اللہ کا ایک نیک بندہ ایسی بستی سے گذرا جو ویران پڑی تھی، مکانات چھتوں سمیت مٹی کا ڈھیر ہو گئے تھے، اس نے دل میں سوچا کہ یہ ویران بستی کس طرح دوبارہ آباد ہوگی! بظاہر آباد ہونے کے آثار نظر نہیں آرہے! وہ یہ سوچتے سوچتے آگے بڑھے، آگے ایک جگہ سستانے کے لئے گدھے سے اترے اور سو گئے، اللہ نے ان کی روح قبض کر لی، لٹن پاس رکھا رہا اور گدھا بھوکا پیاسا مر گیا، سوسال بعد اللہ نے ان کو زندہ کیا، اس عرصہ میں وہ شہر آباد ہو گیا تھا۔

اللہ نے ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں ٹھہرے؟ وہ دن چڑھے لیٹے تھے اور دن ڈھلے اٹھے، اس لئے جواب دیا: دن بھریا اس سے بھی کم! اللہ نے فرمایا: تم یہاں سوسال ٹھہرے ہو، اور دیکھو: تمہارا لٹن ویسا ہی ہے، اور گدھا مر چکا ہے، کھانا جلدی بگڑ جاتا ہے وہ ویسا ہی ہے، اور گدھا بیس سال زندہ رہتا ہے وہ مر چکا ہے، اب دیکھو، ہم اس کو تمہارے سامنے زندہ کرتے ہیں، تاکہ تم احیائے موتی کے چشم دید گواہ بنو، دیکھتے رہو: ہڈیاں کس طرح ترکیب پاتی ہیں، پھر ان پر کس طرح گوشت چڑھتا ہے، دیکھتے دیکھتے گدھا زندہ ہو گیا اور اپنی بولی بولا، تب اس بندے نے کہا: مجھے علم الیقین تو حاصل تھا، اب عین الیقین حاصل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں یعنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ مارتے جلاتے ہیں — یہ ہے مارنا جلانا، نہ وہ جو نمرود نے کر دکھایا۔

سوال: یہ حضرت کون تھے؟ اور وہ بستی کونسی تھی؟ اور یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے؟

جواب: یہ باتیں قرآن کریم نے بیان نہیں کیں، اور کوئی مستند روایت بھی ایسی نہیں جس کے ذریعہ یقینی طور پر ان باتوں کا تعین کیا جاسکے، قرآن کوئی تاریخی کتاب نہیں، وہ ہندو مواعظ کی کتاب ہے، اور نصیحت پذیری کے لئے ان چیزوں کی تعین کی ضرورت نہیں، قرآن کریم کا مقصد اس کے بغیر بھی حاصل ہے۔

آیت پاک: (جلانا نارنا وہ ہے) یا جیسے ایک شخص ایک بستی پر گذرا، جو اپنی چھتوں پر ڈھبھی پڑی تھی، اس نے سوچا: اللہ تعالیٰ اس کو ویران ہو جانے کے بعد کس طرح آباد کریں گے! پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مارے رکھا، پھر اس کو اٹھایا، پوچھا: کتنا ٹھہرے؟ جواب دیا: ایک دن یا اس سے بھی کم، فرمایا: (نہیں) بلکہ تم سو سال تک ٹھہرے ہو، اب دیکھو: اپنے کھان پان کو وہ نہیں بدلا، اور اپنے گدھے کو دیکھو (وہ مر گیا ہے، ہم اس کو تمہاری آنکھوں کے سامنے زندہ کرتے ہیں) اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک (چشم دید) نشانی بنائیں، اور ہڈیوں کو دیکھو، ہم ان کو کیسے جوڑتے ہیں، پھر ہم ان کو گوشت پہناتے ہیں — پس جب (مردے کا زندہ ہونا) واضح ہو گیا تو اس نے کہا: میں نے (مشاہدہ سے) جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

وَإِذْ قَالَ لِأَبْرَاهِيمَ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ
وَلَكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ۖ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ
اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۖ وَاعْتَمِدْ
أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۵۷﴾

وَإِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب کہا	قَالَ أَوْ	پوچھا: کیا اور	قَالَ	فرمایا
لِأَبْرَاهِيمَ	ابراہیم نے	لَمْ تُؤْمِنْ	نہیں یقین آیا تجھے؟	فَخُذْ أَرْبَعَةً	پس لے چار
رَبِّ	اے میرے رب!	قَالَ بَلَىٰ	جواب دیا: کیوں نہیں	مِّنَ الطَّيْرِ	پرندے
أَرِنِي	دکھلا مجھے	وَلَكِن	لیکن	فَصُرْهُنَّ ^(۱)	پھر ہلا لے (مانوس کر لے) ان کچ
كَيْفَ تُحْيِي	کیسے زندہ کریں گے آپ	لِيَطْمَئِنَّ	تسکین پائے	إِلَيْكَ	اپنے سے
الْمَوْتَىٰ	مردوں کو؟	قَلْبِي	میرا دل	ثُمَّ اجْعَلْ	پھر گردن (رکھ)

(۱) صُورًا: امر حاضر، صَارَ (ان رض) صُورًا الشَّيْءِ إِلَيْكَ: جھکانا، نزدیک کرنا، ہلانا، هُنَّ: ضمیر جمع مؤنث غائب۔

کہ اللہ تعالیٰ	اِنَّ اللّٰهَ	آئیں گے تیرے پاس	يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	ہر پہاڑ پر	عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ
زبردست	عَزِيْزٌ	دوڑتے ہوئے	سَعِيًّا	ان میں سے ایک حصہ	فَمِنْهُنَّ جُزْءًا
حکمت والے ہیں	حَكِيْمٌ	اور جان لے	وَاعْتَدْنَا	پھر بلا ان کو	مِنْهُمۡ اَذْعٰنَۃً

ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے جو بات کہی تھی وہ ان کی آنکھوں دیکھی حقیقت تھی

جاننا چاہئے کہ یہ دنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے یہاں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے، انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ پس پردہ جو حقیقتیں ہیں ان کو آنکھوں سے دیکھے بغیر دلائل کی بنیاد پر مان لے، البتہ انبیائے کرام علیہم السلام کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہے، اللہ تعالیٰ ان کو غیب کی بعض چیزیں دکھادیتے ہیں، تاکہ وہ علی وجہ البصیرت لوگوں کو ان چیزوں کی دعوت دیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی کا معاملہ، ایک پیغمبر کو گدھا زندہ کر کے دکھانا، اور نبی ﷺ کو معراج میں عجائب قدرت دکھانا، سورۃ الاسراء کی پہلی آیت میں ہے: ﴿لِنُؤَيِّدَ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ تاکہ ہم ان کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، عالم بالا کی سیر کرائیں، آسمانوں کے احوال سے واقف کیا، جنت و جہنم کا مشاہدہ کرایا، اور ان گنت عجائب قدرت دکھائے، تاکہ آپ اپنی امت کو دوسری دنیا کا آنکھوں دیکھا حال بتلائیں، اور آپ کا بیان صرف شنیدہ نہ ہو بلکہ دیدہ ہو۔

اسی حضرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھلا دی تاکہ وہ اہل یقین میں سے ہوں، سورۃ الانعام کی (آیت ۷۵) ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُوْحِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلٰكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝﴾ یعنی آسمانوں اور زمین کی یہ وسیع حکومت جو ہر شخص ہر وقت دیکھتا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رموز و اسرار بتادیئے، تاکہ کائنات ارضی و سماوی سے وہ توحید اور اللہ کی ربوبیت پر استدلال کریں۔ اسی سلسلہ کا یہ واقعہ بھی ہے کہ آپ نے درخواست کی: پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ پوچھا: کیا تمہیں یقین نہیں؟ عرض کیا: یقین کیوں نہیں! میرا مقصد تسکین قلب حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ آنکھوں سے دیکھنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، اس سے نہ صرف طمانیت قلبی حاصل ہوتی ہے، بلکہ میں دوسروں سے بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں!

خیر! اللہ نے فرمایا: کوئی بھی چار پرندے لو، اور ان کو اپنے سے مانوس کر لو، تاکہ آواز دینے پر دوڑے آئیں، پھر ان کو ذبح کر کے قیمہ بنا لو، اور چار پہاڑوں پر چار حصے رکھ آؤ، پھر درمیان میں کھڑے ہو کر ایک ایک کو آواز دو، چاروں تمہارے پاس دوڑے آئیں گے، اور جان لو کہ اللہ کی قدرت کامل ہے، وہ ہر ایک کو مردہ زندہ کر کے مشاہدہ کرا سکتے ہیں، مگر ان کی

حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کو یہ مشاہدہ نہ کرایا جائے۔

آیت کریمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے دکھلائیں: آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ پوچھا: کیا آپ کو یقین نہیں؟ جواب دیا: کیوں نہیں! لیکن تا کہ میرا دل تسکین پائے! فرمایا: تو لیں آپ چار پرندے، پھر ان کو اپنے سے مانوس کر لیں، پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دیں، پھر ان کو بلائیں، وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ زبردست بڑے حکمت والے ہیں!

فائدہ (۱): یہ مشاہدہ غالباً نمود کے سامنے بات رکھنے سے پہلے کا ہے، پس دلیل دیدہ تھی، اس میں کوئی کمزوری نہیں تھی، مگر کوڑمغز کے ساتھ جھک کون کرے؟ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے دلیل بدل دی۔

فائدہ (۲): بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام سے شک کے زیادہ حقدار ہیں، یعنی علم الیقین کو حق الیقین بنانے کی خواہش ہر مؤمن کی ہوتی ہے، پس ایسی درخواست کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ ۗ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۹۰﴾
الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى
لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۹۱﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ
وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى ۗ وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۹۲﴾

مَثَلُ الَّذِينَ	ان لوگوں کی حالت جو	مَثَلُ الَّذِينَ	ہر بال میں	عَلِيمٌ	خوب جاننے والے ہیں
يُنْفِقُونَ	خرچ کرتے ہیں	يُنْفِقُونَ	سودانے ہیں	الَّذِينَ	جو لوگ
أَمْوَالَهُمْ	اپنے مال	يُنْفِقُونَ	اور اللہ تعالیٰ	يُنْفِقُونَ	خرچ کرتے ہیں
فِي سَبِيلِ اللَّهِ	اللہ کے راستے میں	أَمْوَالَهُمْ	دوچند کریں گے	فِي سَبِيلِ اللَّهِ	اپنے مال
كَمَثَلِ حَبَّةٍ	جیسے حالت ایک دانے کی	فِي سَبِيلِ اللَّهِ	جس کیلئے چاہیں گے	اللَّهُ	اللہ کے راستے میں
أَنْبَتَتْ	اگائی اس نے	ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ	اور اللہ تعالیٰ	ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ	پھر نہیں پیچھے لاتے
سَبْعَ سَنَابِلٍ	سات بائیں	مَا أَنْفَقُوا	گنجائش والے	مَا أَنْفَقُوا	اپنے خرچ کرنے کے

جس کے پیچھے آئے	يَتَّبِعُهَآ	اور نہ	وَلَا هُمْ	احسان کو	مَنَّا
تکلیف دہی	أَذَّه	غم گیس ہونگے	يَحْزَنُونَ	اور نہ تکلیف دہی کو	وَلَا أَذَّه
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	مناسب بات کہنا	قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ	ان کیلئے ان کا ثواب ہے	لَهُمْ أَجْرُهُمْ
بے نیاز	عَنِّي	اور معذرت چاہنا	وَمَغْفِرَةٌ	ان کے پروردگار کے پاس	عِنْدَ رَبِّهِمْ
بردبار ہیں	حَلِيمٌ	بہتر ہے	حَيِّزٌ	اور نہیں ہے کوئی ڈر	وَلَا خَوْفٌ
		ایسی خیرات سے	مِّنْ صَدَقَاتِكُمْ	ان پر	عَلَيْهِمْ

جہاد میں خرچ کرنے کا تفصیلی تذکرہ

رابطہ: آیت ۲۳۳ سے جہاد کا بیان شروع ہوا ہے، اور بات یہاں سے شروع کی تھی کہ موت سے بچا نہیں جاسکتا، وہ تو مضبوط قلعوں میں بھی آئے گی، پھر اس کے بعد کی دو آیتوں میں جہاد میں جان اور مال خرچ کرنے کا اجمالی تذکرہ تھا، پھر آیت ۲۳۶ سے بنی اسرائیل کے واقعہ کے ضمن میں جہاد کا تفصیلی تذکرہ شروع ہوا ہے، پھر آیت ۲۵۲ سے کلام کا رخ رسالت، قیامت اور توحید کی طرف مڑ گیا ہے، یہ بیان آیت ۲۶۰ پر پورا ہو گیا، اب ان آیات میں جہاد کے لئے خرچ کرنے کا تفصیلی بیان ہے، پھر انفاق خاص کے بعد انفاق عام (صدقہ خیرات) کا بیان آئے گا۔

جہاد کے لئے جو خرچ کیا جاتا ہے اس کا کم از کم ثواب سات سو گنا ہے، اور زیادہ کی کوئی حد نہیں اعمال کے ثواب کا ضابطہ: یہ ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے، مگر دو عمل اس سے مستثنیٰ ہیں: ایک: انفاق فی سبیل اللہ، یعنی جہاد کے کاموں میں خرچ کرنا، اس کا تذکرہ اس آیت میں ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعہ بیان کی ہے: گندم کا ایک دانہ زمین میں بویا اس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سودانے ہیں، پس ایک دانے کے سات سودانے ہونگے (یہ محض تمثیل ہے، ایک دانے سے سات سودانے پیدا ہونے ضروری نہیں) اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا بھی ایسا ہی ہے جو کچھ خرچ کیا جائے گا اس کا سات سو گنا ثواب ملے گا ﴿وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ اور اللہ جس کے لئے چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں یعنی اخلاص کی برکت سے اور موقعہ کے لحاظ سے یہ ثواب بڑھتا ہے اور زیادتی کی کوئی حد نہیں۔

دوسرا عمل: روزہ ہے اس کا کم از کم ثواب عام ضابطہ کے مطابق ہے یعنی دس گنا ثواب ملتا ہے۔ یہاں استثناء نہیں ہے

اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں (یہاں استثناء ہے) اللہ کا ارشاد ہے: الصوم لی وأنا أجزی بہ: روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا ثواب دوں گا یعنی روزوں کا ثواب کتنا ہے؟ یہ بات اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتائی حتیٰ کہ کرنا کاتبین بھی نہیں جانتے۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ڈکلیں کریں گے اسی وقت پتہ چلے گا کہ کس کو اس کے روزے کا کتنا ثواب ملا۔ اس دنیا میں تو بالاجمال اتنی بات بتائی ہے کہ جب ثواب ملے گا روزہ دار خوش ہو جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی، یعنی جب روزے کا ثواب بتایا جائے گا تو روزہ دار خوش خوش ہو جائے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ قرآن کی اصطلاح ہے، اس کے لغوی معنی مراد نہیں، سورة التوبة (آیت ۶۰) میں مصارفِ زکات کے بیان میں جو ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ آیا ہے اس کا ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ”جہاد میں“ کیا ہے، اور فتویٰ بھی اسی پر ہے کہ اس سے منقطع الخراة مراد ہیں، اس لئے یہاں بھی ”جہاد میں“ ترجمہ ہوگا۔ اور متعدد صحابہ سے مروی ہے: من أرسل بنفقة في سبيل الله، وأقام في بيته، فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله تعالى، وأنفق في وجهه ذلك، فله بكل درهم يوم القيامة سبع مائة ألف درهم“ ثم تلا هذه الآية (روح)

ترجمہ: جس نے جہاد کے لئے کوئی چندہ بھیجا، اور خود گھر رہا، اس کو ایک درہم کے سات سو درہم ملیں گے، اور جس نے بذاتِ خود جہاد کیا، اور اس کے لئے حسبِ تقاضا خرچ بھی کیا تو اس کو قیامت کے دن ہر درہم کے بدل سات لاکھ درہم ملیں گے، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی، معلوم ہوا کہ اس آیت میں خاص انفاق (جہاد کے لئے خرچ کرنے کا ذکر ہے، عام انفاق (وجوہ خیر میں خرچ کرنے) کا ذکر نہیں۔

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: ان لوگوں کا حال جو اللہ کے راستے میں — یعنی جہاد کے لئے — اپنا مال خرچ کرتے ہیں ایسا ہے جیسے گیہوں کا ایک دانہ، اس نے سات بالیں اگائیں، ہر بال میں سو دانے ہیں — یعنی کم از کم سات سو گنا ثواب ہے — اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے کئی گنا بڑھادیں گے — یعنی زائد کی کوئی حد نہیں، موقع محل اور اخلاص کے لحاظ سے ثواب بڑھتا ہے، حدیث میں ہے کہ میرے صحابہ نے جو چار سو گرام جو خرچ کئے ہیں، بعد کے لوگ اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کریں تو بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ابتداء میں اسلام کے پودے کو آبیاری کی ضرورت تھی، بعد

میں جب وہ تناور درخت بن گیا تو اس کی ضرورت نہ رہی، اب کوئی پانی پلاتا ہے تو وہ درخت کا پھل کھانے کے لئے پلاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ گنجائش والے، خوب جاننے والے ہیں۔ یعنی ان کے یہاں کمی کس چیز کی ہے؟ اور وہ اخلاص اور حاجت کو خوب جانتے ہیں، ان کے لحاظ سے ثواب عنایت فرمائیں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ کا حادثات سے بچا ہوا ہونا ضروری ہے

حادثات: یعنی زخمی کرنے والی چیزیں، جہاد کے لئے خرچ کرنے کا مذکورہ ثواب جب ہے کہ انفاق حادثات سے محفوظ ہو، حادثات دو ہیں: احسان جتلانا اور تکلیف پہنچانا، جہاد کے لئے چندہ دیا پھر اس کو امیر کے منہ پر مارا کہ میں نے اتنا دیا، یا مسلمانوں پر احسان رکھا کہ میرا یہ کارنامہ ہے، تو ثواب برباد ہو گیا، دیا تھا تو کس کے لئے دیا تھا؟ اپنے دارین کے نفع کے لئے دیا تھا، پھر کسی پر کیا احسان!

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبِعُونَ مِمَّا انْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى، لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ، وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

ترجمہ: جو لوگ اپنے اموال اللہ کے راستے میں۔ یعنی جہاد کے لئے۔ خرچ کرتے ہیں، پھر وہ اپنے خرچ کئے پیچھے احسان اور تکلیف دہی نہیں لاتے، ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس، نہ ان کو کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے!

خیرات دے کر ستانے سے بہتر مناسب بات کہنا اور معذرت کرنا ہے

یہ گریز کی آیت ہے، اب موضوع بدلے گا، انفاق خاص سے کلام انفاق عام کی طرف منتقل ہوگا، ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں: جہاد کے لئے چندہ دے کر یا خیرات کر کے تکلیف پہنچانے سے بہتر یہ ہے کہ مناسب بات کہہ دی جائے، اپنا کوئی عذر بیان کرے، یا کہہ دے کہ بابا! معاف کرو! اصرار کے جواب میں بھی بد خوئی سے پیش نہ آئے، اور یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، کسی کے مال کی ان کو حاجت نہیں، جو چندہ دیتا ہے یا خیرات کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لئے کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ حلیم و بردبار ہیں، ایذا رسانی پر فوراً گرفت نہیں کرتے۔

﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى، وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ﴾

ترجمہ: مناسب بات کہنا اور معذرت چاہنا ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے ایذا رسانی آئے، اور اللہ تعالیٰ

بے نیاز بردبار ہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِينَ
يُنْفِقُ مَالَهُ رِيقًا تَالِيسَ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ
عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا
كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ٥٠ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ
ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا
وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلَّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
بَصِيرٌ ٥١ أَيُّوذا أَحَدِكُمْ أَنَّ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّتُهُ
ضِعْفًا ٥٢ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ٥٣

۳۳۰

پس پہنچی اس کو	فَأَصَابَهُ	اپنا مال	مَالَهُ	اے وہ لوگو	يَا أَيُّهَا
موسلا دھار بارش	وَابِلٌ	دکھانے کو لوگوں کے	رِيقًا تَالِيسَ	جو	الَّذِينَ
پس کر چھوڑا اس کو	فَتَرَكَهُ	اور نہیں یقین رکھتا	وَلَا يُؤْمِنُ	ایمان لائے	آمَنُوا
سپاٹ	صَلْدًا	اللہ پر	بِاللَّهِ	نہ ضائع کرو	كَالَّذِينَ
نہیں قادر وہ	لَا يَقْدِرُونَ	اور آخری دن پر	وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	اپنی خیراتوں کو	صَدَقَاتِكُمْ
کسی چیز پر	عَلَىٰ شَيْءٍ	پس اس کا حال	فَمَثَلُهُ	احسان جتلا کر	بِالْمَنِّ
اسے جو کمایا انھوں نے	مِّمَّا كَسَبُوا	جیسا حال	كَمَثَلِ	اور تکلیف پہنچا کر	وَالْأَذَىٰ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	چکنی چٹان کا	صَفْوَانٍ	جیسے وہ شخص جو	كَالَّذِينَ
نہیں راہ دیتے	لَا يَهْدِي	جس پر کچھ مٹی ہو	عَلَيْهِ تُرَابٌ	خرچ کرتا ہے	يُنْفِقُ

(۱) کالذی: ای ابطالاً کإبطال الذی: یعنی کالذی: مصدر محذوف کی صفت ہے۔

اس کے لئے اس میں	لَهُ فِيهَا	پس اگر نہ	قَالَ لَمْ	لوگوں کو	الْقَوْمَ
ہر طرح کا پھل ہو	مِنْ كُلِّ الشَّجَرِ	پہنچے اس کو	يُضْبِعُهَا	نہ ماننے والے	الْكَافِرِينَ
اور پہنچا ہو اس کو	وَاصَابُهُ	موسلا دھار بارش	وَإِبِلٌ	اور حال ان کا جو	وَمَثَلُ الَّذِينَ
بڑھاپا	الْكِبَرُ	تو ہلکی پھوار	قَطَلٌ	خرچ کرتے ہیں	يُنْفِقُونَ
اور اس کی اولاد ہو	وَلَهُ ذُرِّيَّتُهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اپنے اموال	أَمْوَالَهُمْ
کمزور	ضُعَفَاءُ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو	بِمَا تَعْمَلُونَ	چاہنے کے لئے	ابْتِغَاءَ
پس پہنچا اس کو	فَاصَابَهَا	خوب کھینے والے ہیں	بَصِيرٌ	اللہ کی خوشنودی	مَرْضَاتِ اللَّهِ
گولا	أَعَصَابٌ	کیا پسند کرتا ہے	أَيُّودٌ	اور جمانے کے لئے	وَتَشِينًا ^(۱)
جس میں آگ ہے	فِيهِ نَارٌ	تم میں سے کوئی	أَحَدُكُمْ	اپنے دلوں میں	مِنْ أَنْفُسِهِمْ
پس جل گیا وہ	فَأَحْتَرَقَتْ	کہ ہو	أَنْ تَكُونَ	جیسے حال	كُنُفُلٍ
اس طرح	كَذَلِكَ	اس کے لئے ایک باغ	لَهُ جَنَّةٌ	ایک باغ کا	جَنَّةٍ
واضح کرتے ہیں	بَيِّنٌ	کھجور کا	مِنْ تَخِيلٍ	کسی اونچائی پر	بِرَبْوَةٍ
اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	اور انگور کا	وَآعْتَابٍ	پہنچی اس کو	اصَابَهَا
تمہارے لئے اپنی باتیں	لَكُمْ الْآيَاتِ	بہتی ہوں	تَجْرِي	موسلا دھار بارش	وَإِبِلٌ
تا کہ تم	تَعْلَمُوهُنَّ	اس کے نیچے سے	مِنْ تَحْتِهَا	پس لایا وہ اپنا پھل	فَاتَتْ أَكْلَهَا ^(۲)
غور و فکر کرو	تَتَفَكَّرُونَ	نہیں	الْأَنْهَارُ	دو چند	ضُعَفَيْنِ

عام انفاق کا بیان

صدقہ کر کے احسان جتلانا اور آزار پہنچانا صدقہ کو باطل کر دیتا ہے

عام نفاق: یعنی وجوہ خیر میں خرچ کرنا، جہاد کے لئے خرچ کرنا بھی اس میں شامل ہے، پہلے خاص انفاق کا ذکر تھا، یعنی جہاد میں خرچ کرنا، دونوں انفاقوں کا من و واہی سے پاک ہونا ضروری ہے، دونوں سے انفاق باطل ہو جاتا ہے۔ اور من و واہی میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، من عام ہے اور واہی خاص، احسان کر کے منہ پر مارنے سے کبھی تکلیف پہنچتی ہے کبھی نہیں پہنچتی، بات سرسری ہو تو تکلیف نہیں پہنچتی، پس وہ صرف من (احسان جتلانا) ہے اور اگر بات سنجیدگی (۱) تَبَّتْ تَفِيئًا: جمانا، پختہ کرنا، خوگرینا (۲) آتی فلانا الشیء: کسی کے پاس کوئی چیز لانا۔

سے ہو تو تکلیف پہنچتی ہے، پس من کے ساتھ اذی بھی ہوگا، اور دونوں سے حسن سلوک کا ثواب باطل ہو جاتا ہے، اس لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

تشبیہ اور محسوس مثال سے قباحت کی وضاحت

تشبیہ: احسان جتلانا اور تکلیف پہنچانا کس درجہ برا ہے؟ اس کو ریاء و سُمعہ (دکھلانے سنانے) کے لئے خرچ کرنے کی برائی کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھاتے ہیں، اور تشبیہ میں مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے، اس لئے من و اذی سے صدقہ کو باطل کرنے کی ممانعت کا مخاطب مؤمنین کو بنایا، اور دکھلانے سنانے کے لئے خرچ کرنے کا ذکر منافق کے تعلق سے بیان کیا، اعتقادی منافق درپردہ کافر ہوتا ہے، مؤمن کی یہ شان نہیں کہ دکھلانے کے لئے صدقہ کرے، یہ کام تو منافق کرے گا، جو نہ اللہ کو مانتا ہے نہ قیامت کے دن کو، اسی طرح احسان جتلانا اور آزار پہنچانا اگرچہ مؤمن سے صادر ہو سکتا ہے، مگر ان سے بھی ثواب باطل ہو جاتا ہے، پس یہ بھی ریاء و سُمعہ کی طرح ہیں، دونوں سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے، بس فرق اتنا ہے کہ من و اذی سے ملا ہوا ثواب ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور ریاء و سُمعہ میں ثواب ملتا ہی نہیں۔

محسوس مثال: احسان جتلانے اور ایذا پہنچانے سے ثواب کس طرح باطل ہوتا ہے اس کو محسوس مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ایک چکنا پتھر ہے، اس پر کچھ مٹی آگئی، اس سے امید بندھی کہ اس پر کچھ کاشت ہو سکتی ہے، پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے جو مٹی کو بالکل صاف کر دے، اسی طرح احسان جتلانے والوں کو اور ایذا پہنچانے والوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہیں آئے گی، مگر جو حکم مانے گا وہی راہ یاب ہوگا، اور جو حکم نہیں مانے گا اس کو اللہ تعالیٰ توفیق نہیں دیں گے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِينَ يُنْفِقُوا مَالَهُمْ رِجَاءً
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ
فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدَرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ ۗ فَمَا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنی خیراتوں کو احسان جتلانا اور تکلیف پہنچا کر ضائع مت کرو، (تشبیہ) جیسے وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ کا اور آخری دن کا یقین نہیں رکھتا — یعنی اعتقادی منافق ہے۔

محسوس مثال: پس اس کا حال اس چکنی چٹان جیسا ہے جس پر کچھ مٹی ہو، پھر اس پر موسلا دھار بارش پڑی، پس اس کو سپاٹ کر کے رکھ دیا، وہ لوگ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکیں گے — یعنی من و اذی سے سارا ثواب ختم ہو جائے گا — اور اللہ تعالیٰ منکرین کو راہ ہدایت نہیں دیتے!

خیرات اللہ کی رضا جوئی اور نفس میں پختگی پیدا کرنے کے لئے ہونی چاہئے

(محسوس مثال سے افادیت کی وضاحت)

اسلام کا قطب الرّحی (چٹکی کا کیلا) رضائے الہی ہے، سورۃ التوبہ (آیت ۷۲) میں ہے: ﴿وَرَضَوَانِ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بڑی غرض ہے، پس ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیش نظر ہونی چاہئے، وہ حاصل ہو جائے تو سب کچھ حاصل ہو جائے گا، پس صدقہ خیرات میں بھی جذبہ ہونا چاہئے۔ دوسرا فائدہ: نفس کو رزیدہ بخل سے پاک کرنا ہے، جب انسان بار بار خیرات کرے گا تو نفس عالی ظرف ہوگا، سخاوت کا خوگر ہوگا، جس کا اثر دوسرے اعمال پر بھی پڑے گا۔

محسوس مثال: اور اللہ کی رضا جوئی اور نفس میں سخاوت پیدا کرنے کے لئے خرچ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کسی بلندی پر کوئی باغ ہو، اس پر زور کی بارش برے تو باغ دونوں پھل دے گا، اور اگر زور کا مینہ نہ برے تو ہلکی پھوار بھی کافی ہو جائے گی (سطح مرتفع پر بارش بھی زیادہ ہوتی ہے اور شبنم بھی زیادہ گرتی ہے) یعنی بہت خرچ کرے گا تو بہت ثواب ملے گا، اور تھوڑی خیرات بھی سود مند ہوگی، محروم نہیں رہے گا، اور بندوں کے کاموں کو اللہ پاک خوب دیکھ رہے ہیں، کس نے کتنا خرچ کیا اور نیت کیا تھی؟ اس سے اللہ تعالیٰ واقف ہیں، اس کے مطابق صلہ عنایت فرمائیں گے۔

﴿وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ اَبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَغْيِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَاِبِلٌ فَاَتَتْ اُكْلَهَا ضَعْفَيْنِ ، فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَاِبِلٌ فَطَلَّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ﴿۷۰﴾﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں کا حال جو اپنے اموال اللہ کی خوشنودی اور اپنے دل میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے

ہیں: اس باغ جیسا ہے جو سطح مرتفع پر ہو، اس پر موسلا دھار بارش برسی، پس وہ اپنا پھل دو چند لایا، اور اگر اس پر موسلا دھار بارش نہ برے تو ہلکی پھوار — کافی ہو جائے گی، باغ پھل دے گا — اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہے ہیں!

شیطان: انسان کے اعمال کو ناکارہ کر دیتا ہے

(مثال سے وضاحت)

مالدار آدمی صدقہ خیرات کرتا ہے یا کوئی اور فرمان برداری والا کام کرتا ہے تو شیطان آتا ہے اور اس کے اعمال پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے، وہ احسان جتلا کر یا آزار پہنچا کر اپنا صدقہ باطل کر دیتا ہے، یا اعمال صالحہ میں ریاء

سمعہ کا جذبہ شامل کر کے ان کو ناکارہ بنا دیتا ہے، اس کی ایک محسوس مثال بیان فرماتے ہیں:

محسوس مثال: ایک شخص کا کھجور اور انگور کا باغ ہے، اس میں نہریں رواں ہیں، جو اس کی سرسبزی کی ضامن ہیں، اور اس کے لئے اس باغ میں اور بھی ہر طرح کے میوے ہیں، آم اور امرود کے بھی درخت ہیں، اور اس کا بڑھاپا آ گیا ہے، وہ دوسرا باغ لگانے کی پوزیشن میں نہیں، اور اس کے کمزور بچے ہیں یعنی اس پر خرچ کا دوہرا بوجھ ہے کہ اچانک بگولہ آیا، جس میں آگ (گرمی) تھی، اس سے وہ باغ خاکستر ہو گیا، کیا کوئی اس بات کو پسند کرے گا؟ نہیں! پھر وہ من اذی کے ذریعہ یا ریا و سمعہ کے ذریعہ اپنے اعمال کو باطل کرنا کیسے گوارا کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان کی ہے تاکہ لوگ سوچیں اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کریں۔

آیت کا یہ مطلب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، بخاری شریف میں حدیث (نمبر ۲۵۳۸) ہے، آپ نے صحابہ سے پوچھا: آیت کریمہ ﴿ اَيُّوْذُ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ یعنی مقصد کلام کیا ہے؟ کسی نے نہیں بتایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کچھ بتایا، حضرت عمرؓ نے فرمایا: لرجل غنی، يعمل بطاعة الله عزوجل، ثم بعث الله له الشيطان، فعمل بالمعاصي حتى أغرق أعماله: یعنی ایک مالدار آدمی کے عمل کی مثال بیان کی ہے، جس نے اللہ کی فرمان برداری والا کام کیا، یعنی صدقہ خیرات کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے شیطان کو بھیجا (اس نے ورغلا یا) پس اس نے گناہ کا کام کیا، یعنی احسان جتلا یا یا آزار پہنچا یا یا ریا و سمعہ کا جذبہ شامل کر لیا، یہاں تک کہ اس کے اعمال صالحہ کو ڈبایا یعنی ناکارہ کر دیا۔

﴿ اَيُّوْذُ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ۗ لَهُ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۗ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهُ ذُرِّيَةٌ ضَعْفَاءٌ ۗ فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کا کھجور کا اور انگور کا باغ ہو، جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس کے لئے اس باغ میں اور بھی میوے ہوں، اور اس کا بڑھاپا آ گیا ہو، اور اس کی کمزور اولاد ہو، پس اس پر بگولہ آئے، جس میں آگ (گرمی) ہو، اور وہ خاکستر ہو جائے؟ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی باتیں وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ تم سوچو!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ ۗ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَاَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّا اَنْ تُغِيْضُوْا فِيْهِ ۗ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿ ۲۶۹ ﴾ الشَّيْطٰنُ يَعْزُبُ عَنْكُمْ الْفَقْرَ وَاٰمُرُكُمْ

بِالْفَحْشَاءِ ۚ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۷﴾
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا
يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۲۸﴾

اور مہربانی کا	وَفَضْلًا	مگر	إِلَّا	اے وہ لوگو جو	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ	أَنْ تُغِيضُوا	ایمان لائے ہو	أَمَنُوا
کشادگی والے	وَاسِعٌ	اس (لینے) میں	فِيهِ	خرچ کرو	أَنْفِقُوا
خوب جاننے والے ہیں	عَلِيمٌ	اور جان لو	وَأَعْلَمُوا	عمدہ چیزوں سے	مِنْ طَيِّبَاتِ
دیتے ہیں	يُؤْتِي	کہ اللہ تعالیٰ	أَنَّ اللَّهَ	جو تم نے کمائی ہیں	مَا كَسَبْتُمْ
سمجھ بوجھ	الْحِكْمَةَ	بے نیاز خوبیوں والے ہیں	عَزِيزٌ حَسِيدٌ	اور ان میں سے جو	وَمِمَّا
جسے چاہتے ہیں	مَنْ يَشَاءُ	شیطان	الشَّيْطَانُ	نکالی ہیں ہم نے	أَخْرَجْنَا
اور جو شخص	وَمَنْ	وعدہ کرتا ہے تم سے	يَعِدُكُمْ	تمہارے لئے	لَكُمْ
دیا گیا	يُؤْتِ	تنگی دستی کا	الْفَقْرَ	زمین سے	مِنَ الْأَرْضِ
سمجھ بوجھ	الْحِكْمَةَ	اور حکم دیتا ہے وہ تم کو	وَيَأْمُرُكُمْ	اور نہ قصد کرو	وَلَا تَيَمَّمُوا
تو یقیناً دیا گیا وہ	فَقَدْ أُوتِيَ	بے حیائی کا	بِالْفَحْشَاءِ	ناکارہ چیز کا	الْحَيْثُ
بہت خوبی	خَيْرًا كَثِيرًا	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اس میں سے	مِنَهُ
اور نہیں نصیحت قبول کرتے	وَمَا يَذَّكَّرُ	وعدہ کرتے ہیں تم سے	يَعِدُكُمْ	خرچ کرتے ہو تم	تَنْفِقُونَ
مگر	إِلَّا	بخشش کا	مَغْفِرَةً	حالانکہ نہیں ہو تم	وَكُنْتُمْ
خالص عقل والے	أُولُو الْأَلْبَابِ	اپنی طرف سے	مِنَهُ	اس کو لینے والے	بِأَخْذِ يَدِهِ

راہِ خدا میں عمدہ چیز خرچ کی جائے

انفاق (خرچ کرنے) کی دو صورتیں ہیں:

ایک: — اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا — یعنی غریب کی حاجت روائی پیش نظر نہ ہو، اس

صورت میں اچھی چیز خرچ کرنے کا حکم ہے، اس آیت میں یہی خرچ کرنا مراد ہے، اور سورۃ آل عمران (آیت ۲۲) میں بھی

یہی خرچ کرنا مراد ہے۔ فرمایا: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ﴾ تم خیر کامل کبھی حاصل نہ کر سکو گے جب تک تم اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔

دوسری: — کسی غریب کا تعاون کرنا — یعنی اس کی حاجت روائی کرنا، مثلاً: کوئی حاجت مند سردی کے زمانہ میں لحاف یا چادر مانگتا ہے تو ضروری نہیں کہ گھر میں جو عمدہ لحاف یا چادر ہو وہ دے، جو ضرورت سے زائد ہو وہ بھی دے سکتا ہے، اس کا بھی اجر و ثواب ہے، ابھی (آیت ۲۱۹) گزری ہے ﴿وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلِ الْعَفْوَ﴾ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ کہیں: جو ضرورت سے زائد ہو، جلالین میں العفو کا ترجمہ الفاضل عن الحاجة کیا ہے، پھر جلالین ہی میں یہ بھی ہے: لا تُنْفِقُوا مِمَّا تَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ، تُضَيِّعُوا أَنْفُسَكُمْ: اپنی ضرورت کی چیزیں خرچ مت کرو، ورنہ خود کو برباد کر لو گے۔

آیت کا شان نزول: ترمذی میں حدیث (نمبر ۳۰۱۰) ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے، انصار حسب استطاعت کھجور کے خوشے لا کر مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کے لئے لٹکاتے تھے، بعض لوگ خیر کے کاموں میں رغبت نہیں رکھتے تھے، وہ ایسا خوشہ لاتے جس میں ردی اور سوکھی کھجوریں ہوتی تھیں، پس یہ آیت نازل ہوئی، اس میں فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کو ہدیہ میں ایسی کٹی چیز دی جائے تو وہ اس کو نہیں لے گا، ہاں چشم پوشی کر جائے یا شرم کر لیلے تو اور بات ہے، چنانچہ لوگ اس کے بعد کارآمد خوشے لانے لگے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۚ وَلَا تَبْهَمُوا الْخَبِيثَاتِ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخِيذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغِيثُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز خرچ کیا کرو، اور اس میں سے (بھی) جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے، اور اس (کمائی اور پیداوار) میں سے کٹی چیز کا قصد مت کیا کرو، تم (وہ کٹی چیز) خرچ کرتے ہو جبکہ تم اس کو لینے کے روادار نہیں ہوتے، مگر یہ کہ تم چشم پوشی کر جاؤ (تو اور بات ہے) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ستودہ صفات ہیں — یعنی وہ تمہارے انفاق کے محتاج نہیں، اور وہ خوبیوں والے ہیں، جو بہتر چیز پیش کرتا ہے اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

شیطانی خیال اور اللہ کا الہام

جب کوئی خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو شیطان تنگ دستی کا ہوا کھڑا کرتا ہے دل میں خیال آتا ہے کہ خرچ کرے گا تو تنگ دست رہ جائے گا، ہاں گناہ کے کاموں میں، ریت رواج اور فحاشی و عیاشی میں خوب خرچ کرواتا ہے، اس وقت تنگ

دستی کا خیال نہیں آتا، پس جان لے کہ دل میں یہ خیال شیطان کی طرف سے آیا ہے۔

اور اللہ کا یہ پکا وعدہ ہے کہ خیرات کرو تمہارے گناہ معاف ہونگے، حدیث میں ہے: الصِدْقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ: خیرات: اللہ کی ناراضگی کو دور کرتی ہے، اور اللہ راضی ہونگے تو بیڑا پار ہوگا، اور خیرات کرنے سے مال میں ترقی اور برکت ہوتی ہے، حدیث میں ہے: روزِ دو فرشتے اترتے ہیں، ایک دعا کرتا ہے: اللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا: الہی! خرچ کرنے والے کو عوض دے! دوسرا فرشتہ آمین کہتا ہے، پھر دوسرا کہتا ہے: اللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْسِغًا تَلْفًا: الہی! روکنے والے کا مال تباہ کر! دوسرا آمین کہتا ہے، پھر دونوں فرشتے آسمان میں چڑھ جاتے ہیں، پس اگر وہ خیر میں خرچ کرنے کا خیال آئے تو اس کو اللہ کی طرف سے الہام سمجھے، اور اللہ کا شکر بجالائے، اللہ کے خزانے میں کمی نہیں، وہ گنجائش والے ہیں، بندوں کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں، نیت کے مطابق ثواب عنایت فرمائیں گے۔

اور اس آیت کی تفسیر میں ترمذی میں درج ذیل حدیث (نمبر ۳۰۱۱) آئی ہے:

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے، اور فرشتہ الہام کرتا ہے، رہا شیطان کا وسوسہ تو وہ برائی (بدحالی) سے ڈرانا ہے، اور دین حق (اجر کے وعدے) کو جھٹلانا ہے، اور رہا فرشتہ کا الہام تو وہ بھلائی کا وعدہ کرتا ہے اور دین حق کی تصدیق کرتا ہے..... پس جو شخص یہ باتیں (اپنے دل میں) پائے: وہ جان لے کہ وہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، پس وہ اللہ کا شکر بجالائے، اور جو شخص دوسرا خیال پائے وہ شیطان سے اللہ کی پناہ چاہے، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۗ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: شیطان تم سے محتاجگی کا وعدہ کرتا ہے، اور وہ تمہیں بری بات کا حکم دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی طرف سے

گناہ معاف کرنے کا اور زیادہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ وسعت والے خوب جاننے والے ہیں!

دین کی سمجھ ہر کسی کو نہیں ملتی، اور جسے مل گئی اس کے وارے نیارے!

وارے نیارے: یعنی خوب نفع، خیرات کرنے کی اور دوسرے نیک کاموں کی سمجھ بوجھ ہر کسی کو نہیں ملتی، یہ خوبی اللہ جس کو چاہتے ہیں عنایت فرماتے ہیں۔ اگر کسی کو یہ خوبی مل گئی تو اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں! دنیا کی کوئی نعمت اس کے برابر نہیں، مگر نصیحت وہی قبول کرتا ہے جس کی عقل خالص ہے، اس پر تھلکے چڑھے ہوئے نہیں، ایسے شخص کے عقائد درست ہو جاتے ہیں، اس کو اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے، اور آخرت میں اجر و ثواب سے اس کا دامن بھر جاتا ہے، دنیا کی

کوئی نعمت: اجر و ثواب اور نجات کی برابری نہیں کر سکتی۔

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ٥٠﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں سمجھ بوجھ عطا فرماتے ہیں، اور جسے سمجھ بوجھ مل گئی اس کو یقیناً بڑی خوبی مل گئی، اور نصیحت خالص عقل والے ہی قبول کرتے ہیں!

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذْرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ٥١ ۚ إِنَّ شُبُهَةَ وَالصَّدَقَاتِ فَنِعْمًا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُوتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ٥٢ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ هُدُومٌ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُنْفِسْكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّؤْفَ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ٥٣ ۚ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِحْفَاءَ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ٥٤ ۚ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ٥٥

وَمَا أَنْفَقْتُمْ ^(۱)	اور جو خرچ کیا تم نے	فَإِنَّ اللَّهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ	مِنْ أَنْصَارٍ	کوئی مددگار
مِّنْ نَّفَقَةٍ	کوئی سا خرچ	يَعْلَمُهُ	اس کو جانتے ہیں	إِنَّ شُبُهَةَ	اگر ظاہر کرو تم
أَوْ نَذْرْتُمْ	یا منت مانی تم نے	وَمَا لِلظَّالِمِينَ	اور نہیں ہے اپنا نقصان	الصَّدَقَاتِ	خیراتیں
مِّنْ نَّذْرٍ	کوئی سی منت	كِرْنِي وَالْوَالِدِينَ	کرنے والوں کے لئے	فَنِعْمًا ^(۲)	پس بہت اچھی ہیں

(۱) ما: موصولہ، من نفقة: اس کا بیان ہے (۲) نِعْمًا: نِعْمَ مَا هِيَ، مِمَّ كَامِمٌ مِّنْ اِدْعَامِ هُوَا هِيَ اور مَا: بمعنی شئی ہے۔

پچھائیں گے آپ ان کو	تَعْرِفُهُمْ	اور نہیں خرچ کرتے تم	وَمَا تَنْفِقُونَ	وہ (خیراتیں)	هِيَ (۱)
ان کے چہروں کی	يَسْتَمِهُمُ	مگر	إِلَّا	اور اگر چھپاؤ تم ان کو	وَرَأَن تَخْفَوْهَا
علامتوں سے		چاہنے کے لئے	ابْتِغَاءَ	اور دو تم ان کو	وَتَوْتُوَهَا
نہیں مانگتے وہ	لَا يَسْأَلُونَ	اللہ کا چہرہ (خوشنودی)	وَجْهَ اللَّهِ	غریبوں کو	الْفُقَرَاءَ
لوگوں سے	النَّاسِ	اور جو خرچ کرتے ہو تم	وَمَا تَنْفِقُوا	تو وہ	فَهُوَ
پٹ کر	الْحَافِئًا	کوئی بھی بھلائی	مِنْ حَيْرٍ	بہتر ہے تمہارے لئے	خَيْرٌ لَّكُمْ
اور جو خرچ کرو گے تم	وَمَا تَنْفِقُوا	پورا پورا دیا جائے گا	يُؤَفِّ	اور مٹائیں گے وہ	وَيَكْفُرُ
کوئی بھی بھلائی	مِنْ حَيْرٍ	تمہیں	إِلَيْكُمْ	تم سے	عِنْدَكُمْ
پس بیشک اللہ تعالیٰ	فَإِنَّ اللَّهَ	اور تم	وَأَنْتُمْ	تمہاری برائیوں میں سے	مَنْ سَيِّئَاتِكُمْ (۲)
اس کو خوب جانتے ہیں	بِهِ عَلَيْهِمُ	حق نہیں مائے جاؤ گے	لَا تُظَلَمُونَ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ
جو لوگ	الَّذِينَ	محتاجوں کے لئے	لِلْفُقَرَاءِ (۳)	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو	بِمَا تَعْمَلُونَ
خرچ کرتے ہیں	يُنْفِقُونَ	جو	الَّذِينَ	خوب جانتے ہیں	خَيْرٌ
اپنے اموال	أَمْوَالَهُمْ	روکے گئے ہیں	أُحْصِرُوا	نہیں ہے آپ پر	لَيْسَ عَلَيْكَ
رات میں	بِاللَّيْلِ	راہ خدا میں (جہاد کیلئے)	فِي سَبِيلِ اللَّهِ (۴)	ان کو راہ پر لانا	هُدَاهُمْ
اور دن میں	وَالنَّهَارِ	نہیں طاقت رکھتے وہ	لَا يَسْتَطِيعُونَ	اور لیکن اللہ تعالیٰ	وَلَكِنَّ اللَّهَ
چھپا کر	سِرًّا	(پیر) مارنے کی	صَهْرَبًا	راہ پر لاتے ہیں	يَهْدِي
اور علانیہ	وَعَلَانِيَةً	زمین میں	فِي الْأَرْضِ	جس کو چاہتے ہیں	مَنْ يَشَاءُ
پس ان کے لئے ہے	فَلَهُمْ	خیال کرتا ہے ان کو	يُحْسِبُهُمْ	اور جو خرچ کرتے ہو تم	وَمَا تَنْفِقُوا
ان کا بدلہ ہے	أَجْرُهُمْ	تا واقف	الْجَاهِلُ	کوئی بھلائی	مِنْ حَيْرٍ
ان کے رب کے پاس	عِنْدَ رَبِّهِمْ	مالدار (بے نیاز)	أَغْنِيَاءَ	تو وہ تمہاری ذاتوں	فَلَا نَفْسِكُمْ
اور نہیں ہے ڈر	وَلَا خَوْفٌ	سوال سے بچنے کی وجہ سے	مِنَ التَّعَفُّفِ	کے لئے ہے	

(۱) ہی: مخصوص بالمدح ہے، اور مرجع الصدقات ہے (۲) من: تبعیضیہ ہے، صدقہ سے صغائر معاف ہوتے ہیں (۳) للفقراء: مبتدا محذوف کی خبر ہے جو الصدقات ہے (۴) اصحاب صدقہ (چھوٹے والے) علم حاصل کرتے تھے اور جب ضرورت پڑتی تو جہاد کے لئے بھیجے جاتے، جلالین میں ہے: حَبَسُوا أَنْفُسَهُمْ عَلَى الْجِهَادِ الْبِخِ -

عَلَيْهِمْ	ان پر	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	يَحْزَنُونَ	غم گین ہو گئے
------------	-------	------------	-----------	-------------	---------------

انفاقات کی تفصیل

ان آیات میں انفاق کے تعلق سے پانچ باتیں بیان کی ہیں:

۱- واجب انفاق (زکات، صدقہ، فطر اور منت) کا پورا کرنا ضروری ہے

غریبوں پر خرچ کرنے کی دو قسمیں ہیں: واجب اور نفل، پھر واجب کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ جس کو شریعت نے واجب کیا ہے، وہ زکات اور صدقہ فطر ہیں۔ دوم: وہ جس کو بندے نے خود اپنے اوپر واجب کیا ہے، وہ منت ہے، اور نفل انفاق: وہ ہے جو بندہ اپنی مرضی سے کرتا ہے، وہ امداد، لُذَّ اور صدقہ نافلہ کہلاتا ہے، پہلی آیت میں واجب انفاق کا ذکر ہے، اور آخری آیت میں نفل انفاق کا، ارشاد فرماتے ہیں: واجب انفاق کی دونوں قسموں کو پورا کرنا ضروری ہے، دونوں کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، پورا کرو گے تو ثواب پاؤ گے، نہیں کرو گے تو سزا پاؤ گے، اور کوئی سزا سے بچا نہیں سکے گا۔

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهَا وَمَا لِلظَّالِمِينَ

مِنَ أَنْصَارٍ﴾

ترجمہ: اور تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا — زکات یا صدقہ فطر ادا کیا — یا تم نے جو بھی منت مانی — تھوڑی مانی یا زیادہ، مالی مانی یا غیر مالی — تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں — اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں، ان کی تعمیل کرو گے تو ثواب عنایت فرمائیں گے — اور اپنا نقصان کرنے والوں کے لئے — یعنی ان واجبات کی ادائیگی نہ کرنے والوں کے لئے — کوئی مددگار نہیں — جو سزا سے بچا سکے۔

۲- برملا خرچ کرے تو واہ وا، اور غریب کو چھپا کر دے تو بہتر ہے

ملی کاموں میں دونوں طرح خرچ کرنا جائز ہے، کبھی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ برملا خرچ کیا جائے، تاکہ دوسروں کو شوق اور رغبت ہو یا اپنی ذات سے الزام ہٹے، پس اگر لوگوں کو دکھانے کی نیت نہ ہو تو ایسا کرنا بھی خوب ہے، مگر غریب کو چھپا کر دینا بہتر ہے، تاکہ وہ شرمندہ نہ ہو، اور غریب کو دینے سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، حدیث میں ہے: صدقۃ السُّرِّ تطفی غضب الرب: پوشیدہ خیرات اللہ کی ناراضگی کو ختم کرتی ہے، اور بندے جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں، لہذا نیت کی حفاظت کرو۔

﴿إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ، وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اگر تم خیراتیں ظاہر کرو تو واہ وا! اور اگر ان کو چھپاؤ اور غریبوں کو دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے، اور وہ تمہارے کچھ گناہ مٹائیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو باخبر ہیں۔

۳۔ غیر مسلم رعایا پر بھی خرچ کرو، اس میں بھی فائدہ ہے

اگر کوئی غیر مسلم ضرورت مند ہو تو اس کو بھی خیرات دو، کافر ہونے کی وجہ سے اس کو صاف جواب مت دو، کیونکہ ہدایت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، مؤمنین کو تو چاہئے کہ اگر مسائل ضرورت مند ہو تو اس کی امداد کریں، اس کے تین فائدے ہیں: (۱) مؤمن جو کچھ خرچ کرے گا اس کا فائدہ اس کو حاصل ہوگا (۲) مؤمن جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے (۳) مؤمن کو اس کے خرچ کا بے کم و کاست بدلہ مل جائے گا۔ پھر وہ کیوں سوچے کہ مسائل غیر مسلم ہے؟ اس حکم سے اسلام کی وسعت اور رواداری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس حد تک انسانوں سے محبت اور احسان کا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

مسئلہ: خیرات سے نفلی خیرات مراد ہے، وہ ذمی غیر مسلم کو دینا بھی جائز ہے، صدقہ واجبہ (زکات) مراد نہیں، کہ وہ سوائے مسلمان کے کسی دوسرے غریب کو دینا جائز نہیں (معارف القرآن)

تنبیہ: اس موقع پر یہ تنبیہ ضروری ہے کہ ضرورت مند مسائل کی امداد ایک الگ چیز ہے اور اس کا مسلمانوں کو حکم ہے اور کفر کی براہ راست اعانت ایک الگ چیز ہے جس سے مسلمانوں کو سختی سے روک دیا گیا ہے خصوصاً جب اس کا مقصد کافروں کو خوش کرنا ہو، مثلاً ایک غیر مسلم مسائل آپ کے دروازے پر آواز دے رہا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ وہ ضرورت مند ہے یا آپ کے محلہ میں ایک بے کس غیر مسلم بستا ہے یا غیر مسلم یتیم خانے کی جانب سے آپ سے اپیل کی جا رہی ہے، یا کسی غیر مسلم علاقہ پر کوئی آفت ناگہانی آپڑی ہے، ان صورتوں میں یا اس جیسی دوسری صورتوں میں آپ امداد کریں، لیکن مندروں کی تعمیر کے لئے، ہیلوں اور کھیلوں کے لئے، یا تیوہاروں مثلاً ہولی، دیوالی کے لئے ایک پائی خرچ کرنے کی آپ کو اجازت نہیں۔ (ہدایت القرآن کاشفی پارہ ۳ ص ۲۲)

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُفْسِدُكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّؤْتِ الْبِكْمَ وَأَنْتُمْ لَا تظَلُمُونَ ﴿۲۳﴾﴾

ترجمہ: آپ کے ذمہ ان کو راہ پر لانا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں راہ پر لاتے ہیں — انصار میں سے کچھ

لوگ اپنے مشرک رشتہ داروں کی مدد سے گریز کرتے تھے، تاکہ وہ ان کے ایمان کا باعث بنے، اس پر تنبیہ کی کہ ہدایت تمہارے ہاتھ میں نہیں، اللہ کے ہاتھ میں ہے، تم اس غرض سے مدد مت روکو، ان پر بھی خرچ کرو، تمہیں تین فائدے حاصل ہونگے — (۱) اور جو بھی بھلائی تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے فائدے کے لئے ہے (۲) اور تم صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہو (۳) اور جو بھی بھلائی تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تم کو دیا جائے گا، اور تمہارا حق نہیں مارا جائے گا — یہ قرآن کا اسلوب ہے: وہ متعدد باتیں تمہیں لوٹا کر کہتا ہے، پس ﴿مَا تَنْفِقُوا﴾ مکر نہیں۔

۴- جہاد وغیرہ دینی کاموں میں مشغول حاجت مندوں پر خرچ کرنا

ایسے لوگوں کو دینے میں بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اور اس کے دین کے کام میں مقید ہو کر چلنے پھرنے، کھانے کمانے سے رک رہے ہیں، اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے، جیسے اہل صفہ نے گھر بار چھوڑ کر نبی ﷺ کی صحبت اختیار کی تھی، علم دین سیکھنے کے لئے، اور مفسدین فتنہ پھیلانے والوں سے جہاد کرنے کے لئے، اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ ان کی مدد کریں (اخوذوا من ذلک ما یغنیکم عنہم)

اور آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ راہِ خدا میں لڑنے کے لئے وقف ہو گئے ہیں یا دینی کاموں میں مشغول ہیں، اس لئے کما نہیں سکتے، اور ان کی خودداری کا حال یہ ہے کہ ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے، اس لئے ناواقف لوگ ان کو مالدار سمجھتے ہیں مگر ان کے چہرے بشرے سے ان کی محتاجگی اور حاجت کا اندازہ ہو جاتا ہے، یہی لوگ واقعی اعانت کے مستحق ہیں، ان پر خرچ کرنا بڑا کارِ ثواب ہے، پس لوگوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کریں اور ان کی امداد و اعانت کریں۔

﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ لِلْحَافَاءِ وَمَا تَنْفَقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: (صدقات دراصل) ان حاجت مندوں کے لئے ہیں جو راہِ خدا میں (جہاد اور تحصیل علم کے لئے) روکے گئے ہیں، ان کو زمین میں سفر کرنے کی فرصت نہیں، کسی سے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف ان کو مالدار خیال کرتا ہے، آپ ان کا حال ان کے چہروں کی علامتوں سے جان لیں گے — فاقہ کے اثرات چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں — وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے — ہاں اشارہ کنایہ سے مانگتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فاقہ سے ہوتے اور بھوک برداشت سے باہر ہو جاتی تو اکابر صحابہ سے کسی آیت کی تفسیر پوچھتے، تاکہ وہ ان کے فاقہ کا اندازہ کریں، اور کھانے

کے لئے گھر لے جائیں۔ اور تم جو بھی بھلائی خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔ یعنی واجب انفاق کے علاوہ بھی جو خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بھی اجر جزیل عنایت فرمائیں گے، اس طرح کلام کار خ واجب انفاق سے عام انفاق کی طرف ہو جائے گا۔

۵۔ ہر وقت اور ہر طرح خرچ کرنے والوں کے لئے مُردہ

جو لوگ اللہ کے لئے خرچ کرنے کے عادی ہیں، رات ہو یا دن، خفیہ ہو یا علانیہ، ہر طرح خرچ کرتے رہتے ہیں: ان کو خوش خبری سناتے ہیں کہ ان کا معاوضہ ان کے پروردگار کے پاس محفوظ ہے، وہاں ان کو نہ آگے کا کوئی ڈر ہوگا، اور نہ وہ وفات پر غم گین ہونگے۔ اس آیت پر انفاق (غریبوں پر خرچ کرنے) کا بیان پورا ہوا، آگے انفاق کی ضد سود (غریبوں کا خون چوسنے) کا بیان شروع ہوگا، ضد سے ضد اچھی طرح پہچانی جاتی ہے۔

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَأَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾

ترجمہ: جو لوگ اپنے اموال شب و روز چھپا کر اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے، اور ان پر نہ کوئی ڈر ہے، اور نہ وہ غم گین ہونگے۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِينَ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ۗ فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ ۗ وَأَمْرٌ إِلَىٰ اللَّهِ ۗ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۰﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَاقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ ۗ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۱﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۳﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

وَإِنْ تُبْتِغُوا فَلَکُمْ رِئُوسٌ أَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ وَإِنْ کَانَ
ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَیْسَرَةٍ ۚ وَإِنْ تَصَدَّقُوا خَیْرًا لَّکُمْ إِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾
وَآتَقُوا یَوْمًا تُرْجَعُونَ فِیهِ إِلَى اللَّهِ تَوَفَّیٰ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ
وَهُمْ لَا یُظْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

۳۰

وہ اس میں	ہم فیہا	اور حلال کی ہے	وَاحِلٌ	جو لوگ	الَّذِیْنَ
ہمیشہ رہنے والے ہیں	خَلِدُونَ	اللہ نے	اللَّهُ	کھاتے ہیں	یَا کُلُّوْنَ
مٹاتے ہیں	یَمْحَقُ	بیچ	الْبَیْعِ	سود	الرِّبْوَا
اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	اور حرام کیا ہے	وَحَرَّمَ	نہیں کھڑے ہونگے	لَا یَقُومُونَ
سود کو	الرِّبْوَا	سود	الرِّبْوَا	مگر جس طرح	إِلَّا کَمَا
اور بڑھاتے ہیں	وَبِزْرٍ	پس جسے پہنچی	فَمَنْ جَاءَهُ	کھڑا ہوتا ہے	یَقُومُ
خیراتوں کو	الصَّدَقَاتِ	نصیحت (حکم)	مَوْعِظَةً	وہ شخص	الَّذِیْ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اس کے رب کی طرف	مِّن رَّبِّهِ	جسے پاگل بنا دیا ہو	یَتَخَبَّطُهُ ^(۱)
پسند نہیں کرتے	لَا یُحِبُّ	پس وہ (سود لینے سے)	فَانْتَهَىٰ	شیطان نے	الشَّیْطٰنُ
ہر کٹر مخالف	کُلِّ کَفَّارٍ	رک گیا	رَکِبَ	چھو کر (پٹ کر)	مِنَ الْمَسِّ
گنہگار کو	أَشِیْمٍ	تو اس کے لئے ہے جو	فَلَهُ مَا	یہ بات (سزا)	ذَلِکَ
بے شک جو لوگ	إِنَّ الَّذِیْنَ	پہلے لے چکا	سَلَفٌ	بائیں وجہ ہے کہ انھوں نے	بِأَنَّهُمْ
ایمان لائے	أٰمَنُوْا	اور اس کا معاملہ	وَآمَرُوْا	کہا	قَالُوْا
اور کئے انھوں نے	وَعَمِلُوْا	اللہ کی طرف ہے	إِلَیَّ اللّٰهِ	اس کے سوا نہیں کہ	إِنَّمَا
نیک کام	الصَّٰلِحٰتِ	اور جو لوٹا	وَمَنْ عَادَ	بیچ	الْبَیْعِ
اور اہتمام کیا انھوں نے	وَاقَامُوا	پس وہی لوگ	فَاُولٰٓئِکَ	مانند	مِثْلُ
نماز کا	الصَّلٰوٰةِ	دورخ والے ہیں	أَصْحَابُ النَّارِ	سود کے ہے	الرِّبْوَا

(۱) تَخَبَّطَ الشَّیْطٰنُ فَلَانَا: شیطان کا دیوانہ اور جھپٹی بنا دینا۔

وَ اتَّقُوا ^(۱)	اور دی انھوں نے	مُؤْمِنِينَ	ایمان لانے والے	اِلٰی مَيْسِرَةٍ ^(۳)	آسانی تک
الزَّكَاةَ	زکات	فَاِنْ لَّمْ	پس اگر	وَ اَنْ تَصَدَّقُوا ^(۲)	اور خیرات کرنا (معاف
لَهُمْ	(تو) ان کے لئے	تَفْعَلُوا	نہیں کیا تم نے	کرتا)	
اَجْرَهُمْ	ان کا بدلہ ہے	فَاذْنَبُوا ^(۲)	جو جان لو	خَيْرٌ لَّكُمْ	تمہارے لئے بہتر ہے
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	بِحَدَبٍ	جنگ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
وَلَا خَوْفٌ	اور نہیں ہے کوئی ڈر	مِنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	تَعْلَمُونَ	جانتے
عَلَيْهِمْ	ان پر	وَرَسُولِهِ	اور اس کے رسول کی	وَ اتَّقُوا	اور ڈرو
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ		طرف سے	يَوْمًا	اس دن سے
يَحْزَنُونَ	غمگین ہوں گے	وَ اِنْ تُبِتُمْ	اور اگر توبہ کی تم نے	تَرْجَعُونَ	(کہ) لوٹے جاؤ گے تم
بِآيٰهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	فَلَكُمْ رُءُوسٌ	تو تمہارے لئے سر ہیں	فِيْهِ	اس میں
اٰمَنُوا	ایمان لائے	اَمْوَالِكُمْ	تمہارے مالوں کے	اِلٰى اللّٰهِ	اللہ کی طرف
اَتَّقُوا اللّٰهَ	اللہ سے ڈرو	لَا تَظْلِمُوْنَ	نہ ظلم کرو تم	ثُمَّ تَوَقَّ	پھر پورا پورا چکا یا جائیگا
وَدَّرُوا	اور چھوڑو	وَلَا تُظْلَمُوْنَ	اور نہ ظلم کئے جاؤ تم	كُلَّ نَفْسٍ	ہر شخص
مَا بَقِيَ	جو باقی رہ گیا ہے	وَ اِنْ كَانَتْ	اور اگر ہو وہ (مقرض)	مَا كَسَبَتْ	جو کمایا اس نے
مِنَ الرِّبَا	سود سے	ذُو عُسْرَةٍ	تنگ دست	وَ هُمْ	اور وہ
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	فَنَظِرَةٌ	تو ڈھیل دینا ہے	لَا يُظْلَمُونَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے

سود کی حرمت کا بیان

رابطہ: دور سے وہ احکام بیان ہو رہے ہیں جو مبنی بر مصلحت ہیں، ان میں سود کی حرمت بھی ہے، اور انفاق کے بعد سود کی حرمت کا بیان تقابلی تضاد کے طور پر آیا ہے، انفاق کے ذریعہ غریب کو خون سپلائی کیا جاتا ہے اور لون (سودی قرض) سے غریب کا خون چوسا جاتا ہے، پس دونوں میں نسبت تضاد ہے، اور ضد سے ضد اچھی طرح پہچانی جاتی ہے، اس لئے

(۱) اتَّقُوا: ابتداء سے ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے، اس لئے واو پر پیش ہے اور ﴿وَ اتَّقُوا الزَّكَاةَ﴾: زکات دو، ابتداء سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے۔ (۲) اَذْنَبَ: بہ: جانتا (۳) مَيْسِرَةٌ: اسم: آسانی، کشادگی اور نِظْرَةٌ: مصدر: مہلت دینا۔ (۱) ان: مصدر یہ ہے، اور ان تصدقوا: مبتدا ہے۔

اب سود کی حرمت کا بیان شروع فرماتے ہیں۔

ایک بنیادی سوال: جو سُرُخا ہے:

(الف) یہاں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کا خطاب کیوں نہیں؟ مومنین کو جو احکام دیئے جاتے ہیں ان میں یہ

خطاب ہوتا ہے۔

(ب) آیات کا لب و لہجہ بہت سخت ہے، سود نہ چھوڑنے پر جنگ کا الٹی میٹم دیا ہے، ایسا کیوں ہے؟

(ج) حرمتِ سود کی یہ آیتیں فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئیں ہیں، بلکہ آخری آیت تو قرآن کی آخری آیت ہے، پس

کیا اس سے پہلے مسلمان سود لیتے تھے؟ جیسے حرمتِ خمر نازل ہونے سے پہلے مسلمان شراب پیتے تھے، یعنی سود کی حرمت

اتنی تاخیر سے کیوں نازل ہوئی؟

جواب: سود لینا مسلمان کا کام نہیں، یہ کام کافر ہی کرتا ہے، مسلمانوں نے کبھی سود نہیں لیا، اسلام نے روزِ اول سے

غریبوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، سورۃ المزل میں زکات کا حکم ہے، یہ بالکل ابتدائی دور کی سورت ہے، اور سورۃ الروم کی

(آیت ۳۹) میں سود کی حرمت کا بیان ہے، یہی دور کے آخر کی سورت ہے، اس کا نزول کا نمبر ۸۴ ہے، فرمایا: ﴿وَمَا آتَيْنَهُمْ

مِن رَّبِّا لِيَرْبُؤُوا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوا عِنْدَ اللَّهِ، وَمَا آتَيْنَهُمْ مِّنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ

هُمُ الْمَضْعُوفُونَ﴾ اور جو تم نے لون (سودی قرض) دیا، تاکہ وہ لوگوں کے اموال میں (شامل ہو کر) بڑھے تو وہ اللہ کے

نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو تم نے کچھ خیرات دی، اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے تو وہی لوگ بڑھانے والے ہیں۔ غرض

سودی نظام تباہ کن معاشی نظام ہے، اسلام اس کا کیسے روادار ہو سکتا ہے؟ البتہ مکہ کے مشرک سرمایہ داروں میں سودی قرض

دینے کا رواج تھا، اور وہ ان کا دلچسپ کاروبار تھا، پھر جب مکہ فتح ہوا، اور مکہ کے سب باشندے مسلمان ہو گئے تو حرمتِ سود کی

یہ آیات نازل ہوئیں، اس لئے ان میں ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کا خطاب نہیں، کیونکہ مخاطب وہی لوگ تھے جن کے منہ

سے یہ خون لگا ہوا تھا، وہ لون کو بیع کی طرح قرار دیتے تھے، بلکہ اس کو بدرجہ اولیٰ جائز قرار دیتے تھے، اور مفت خوری کی

عادت مشکل سے چھلکتی ہے، اس لئے لب و لہجہ سخت ہے۔

ایک واقعہ: جب ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا، اور ہر مزاحمت ناکام ہو گئی تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب

گنگوہی رحمہ اللہ نے رسالہ فیصلۃ الأعلام فی دار الحرب والإسلام لکھا، اس میں ثابت کیا کہ ہندوستان دار الحرب

(غیر اسلامی ملک) ہو گیا ہے، کسی نے سوال کیا کہ پھر آپ سود کے جواز کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ فرمایا: اگر میں یہ فتویٰ

دوں تو مسلمان سود لینے لگیں گے، پھر اگر یہ ملک دارالاسلام بن گیا تو جن لوگوں کو سود خوری کی عادت پڑ جائے گی، ان سے

یہ لت کون چھڑائے گا! معلوم ہوا کہ مفت خوری کی عادت بہت بری ہے، اس لئے قرآن کریم نے سخت لہجہ اپنایا ہے کہ اگر سوڈ نہیں چھوڑو گے تو تم سے بزور شمشیر نمٹا جائے گا۔

سوڈ خوروں کی سزا

سوڈ خور قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح آسیب زدہ پاگل ڈولتا بھٹکتا پھرتا ہے، اور یہ سزا سوڈ خوروں کو اس لئے ملے گی کہ انھوں نے سوڈ کو حلال بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت، تجارت، لین دین اور سوڈ میں کیا فرق ہے؟ دونوں ایک ہیں، اس سے نفع حاصل ہوتا ہے اس سے بھی ہوتا ہے، اس میں بھی روپیہ لگانا پڑتا ہے، اس میں بھی روپیہ لگتا ہے، اس میں بھی دونوں طرف سے معاملہ ہوتا ہے، اس میں بھی ہوتا ہے، اس میں بھی خریدنے والا ضرورت مند ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے متلاشی ہوتے ہیں، سوڈی کاروبار میں بھی رقم لینے والا اور رقم دینے والا ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہیں، خرید و فروخت میں دونوں کی ضرورت اور مرضی پر معاملہ کی بنیاد ہوتی ہے، سوڈی معاملہ میں بھی یہی ہوتا ہے۔ سوڈ کھانے والے چاہے کسی شکل میں بھی رہے ہوں وہ قیامت تک بھی اپنی دلیل میں اس سے زیادہ ایک لفظ نہیں کہہ سکتے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے نقل فرما دیا ہے۔ آج سوڈ کے نام بدل بدل کر لوگ جو کچھ اس کے فائدے گناتے ہیں ان کا خلاصہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ سوڈ اور تجارت میں کوئی فرق نہیں۔

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا أَلَّا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِينَ بَنَتْهُمْ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكُمْ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾

ترجمہ: جو لوگ سوڈ کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) نہیں اٹھیں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جس کو آسیب

نے لپٹ کر پاگل بنا دیا ہو، یہ سزا بایں وجہ ہے کہ انھوں نے کہا: ”بیع سوڈ ہی کی طرح تو ہے!“

فائدہ: ﴿مِنَ الْمَسِّ﴾ کے لغوی معنی ہیں: چھو کر، اس سے معلوم ہوا کہ آسیب بدن میں نہیں گھستا، لگتا ہے، چڑھتا ہے، باہر سے اثر انداز ہوتا ہے، سوار ہو جاتا ہے، اور حدیث میں ہے: إن الشیطان یجری من أحدکم معجری الدم: بے شک شیطان چلتا ہے تم میں سے ہر ایک کی خون کی رگوں میں: یہ سرعتِ تاثیر کی تمثیل ہے، حقیقت کا بیان نہیں، یعنی شیطان چٹکی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے، شیطان کوئی سیال مادہ نہیں جو انجکشن کی دوا کی طرح خون کی رگوں میں چلے (العرف الہدی، تحفۃ اللمعی ۳: ۶۱۱)

اللہ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال کیا اور سوڈ کو حرام کیا

کافر اور ان سے متاثر نام نہاد مسلمان کہتے ہیں: ”بیع سوڈ کے مانند ہی تو ہے!“ قرآن نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے

’بیع‘ کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے، اور دونوں کا فرق وصفِ عنوانی میں رکھ دیا ہے، بیع کے اصطلاحی معنی ہیں: مبادلۃ المال بالمال: مال متقوم کا مال متقوم سے تبادلہ کرنا یعنی مالک بننا اور بنانا۔ اور ربا کے اصطلاحی معنی ہیں: فضلٌ خالی عن عوض: ایسی زیادتی جس کے مقابل کوئی عوض نہ ہو، ہزار روپے قرض دیئے، جو ایک ماہ کے بعد گیارہ سو روپے بن گئے، تو یہ سو روپے ایسی زیادتی ہے جس کے مقابل کوئی عوض نہیں، یہ ڈائریکٹ زر سے زر پیدا کرنا ہے، یہی ربا ہے، اور بیع میں بھی زر سے زر (نفع) پیدا کیا جاتا ہے، مگر درمیان میں عمل کا واسطہ آتا ہے، جیسے ہزار روپے کی گھڑی لایا اور گیارہ سو میں بیچ دی تو سو روپے نفع حاصل ہوا، مگر یہ ڈائریکٹ نفع حاصل نہیں ہوا، بلکہ درمیان میں عمل کا واسطہ آیا، یہ بیع اور ربا میں فرق ہے، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ راست زر سے زر پیدا کرنے کی شریعت حوصلہ افزائی نہیں کرتی، شریعت چاہتی ہے کہ اگر زر سے زر پیدا کیا جائے تو درمیان میں عمل کا واسطہ آئے۔ کیونکہ زر سے بلا واسطہ عمل زر پیدا کرنے کی صورت میں دو بڑی خرابیاں لازم آتی ہیں:

ایک: دولت کا اکتناز ہو جاتا ہے یعنی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے، جو شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں، سورۃ الحشر (آیت ۷) میں مالِ فی کے مصارف بیان کرنے کے بعد ارشاد پاک ہے: ﴿لَا يَكُونُ ذُو لَقَّةٍ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ وَبَيْنَكُمْ﴾: تاکہ مالِ فی تمہارے تو نگروں کے قبضہ میں نہ آجائے، مجھے یاد ہے: میرے بچپن میں میری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اور پورے گاؤں میں کسی کے پاس کوئی چیز نہیں تھی، کھیت میں جب فصل تیار ہوتی، تو کھلیان سے ہی بنیا سارا غلہ لے جاتا، پھر کھانے کے لئے غلہ پیسے سے سود پر لانا پڑتا، اب بینکوں چونکہ حکومتوں کی نگرانی میں ہیں، اس لئے شرح سود بھی کم ہوتا ہے اور حکومت وقتاً فوقتاً غریبوں کے قرضے معاف بھی کرتی رہتی ہے، اس لئے اکتناز دولت کی مضرت واضح طور پر محسوس نہیں ہوتی۔

اور جب پیسے سے پیسہ پیدا کرنے کے لئے درمیان میں عمل کا واسطہ لایا جائے گا تو دولت پھیلے گی، جیسے ایک شخص کے پاس دس کروڑ روپے ہیں، اس نے ایک کارخانہ لگایا، اور مصنوعات تیار کیں، تو جو نفع ہوگا وہ اولاً ملازموں میں تقسیم ہوگا، پھر ڈسٹری بیوٹر (تقسیم کار) اس سے منفع ہونگے، پھر خوردہ فروش ان مصنوعات سے کمائیں گے، اور کارخانے کے مالک کو بھی اس کے نصیب کامل جائے گا، سارا نفع اس کے جیب میں نہیں جائے گا، اور اگر وہ دس کروڑ کا بینک کھول کر بیٹھ جائے اور سود پر قرضے دینے لگے تو زر سے پیدا ہونے والے زر کا وہ تنہا مالک ہوگا، اس طرح رفتہ رفتہ پبلک کی دولت سمٹ کر مہاجن کے جیب میں چلی جائے گی۔

اس لئے کوئی بینک اسلامی نہیں ہو سکتا، کیونکہ بینک نام ہی زر سے زر پیدا کرنے کا ہے، بینک درمیان میں عمل کا واسطہ نہیں لاسکتا، ہاں مرابحہ کا حیلہ کر سکتا ہے، مگر وہ ہمیشہ اسی حیلے میں پھنسا رہے گا، اس سے آگے عملاً مضاربت تک نہیں پہنچ سکتا۔

دوسری خرابی: بے روزگاری پھیلے گی، جب لوگ چھوٹی بڑی بینکیں اور پیڑھیاں کھول کر بیٹھ جائیں گے، اور زر سے بلا تو وسط عمل زر پیدا کرنے لگیں گے تو عوام کے لئے کوئی کام نہیں رہے گا، اور وہ بے روزگار ہو کر حکومت کے لئے بوجھ بن جائیں گے، اور جب لوگ عمل کے توسط سے پیسہ کمائیں گے، کارخانے قائم کریں گے تو لوگوں کو روزگار ملے گا اور حکومتوں کا بوجھ ہلکا ہوگا۔

غرض: ان دو خرابیوں کی وجہ سے شریعت نے ربا کو حرام کیا ہے، اور بیع (معاملات) ان خرابیوں سے پاک ہے، اس لئے اس کو حلال کیا ہے۔

یہ الفاظ دیگر: اس مسئلہ کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ بیع میں اصل حلت ہے، اور جہاں خرابی درآتی ہے تو جس درجہ کی خرابی ہوتی ہے اس کے اعتبار سے بیع ناجائز ہوتی ہے، اگر خرابی ہلکی ہوتی ہے تو بیع فاسد ہوتی ہے، اور خرابی زیادہ ہوتی ہے تو بیع باطل ہوتی ہے، اور ربا بھی اگرچہ ایک طرح سے بیع ہے، مگر اس میں خرابی آخری درجہ کی ہے، جس کی تفصیل اوپر آچکی کہ اس سے دولت کا اکتناز ہو جاتا ہے اور ملک میں بے روزگاری پھیل جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے۔

﴿وَاحْلَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾

ترجمہ: اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام کیا ہے۔

جاہلیت میں جو سود لیا جا چکا اس کا پھیرنا ضروری نہیں، اب لے گا تو سزا پائے گا

زمانہ جاہلیت میں کفر کی حالت میں جو کسی نے سود لیا اس کو مالک کی طرف پھیرنا ضروری نہیں، اس لئے کہ کفار (غیر مسلم) دنیا میں فروع کے مکلف نہیں، البتہ جو سود باقی رہ گیا ہے اس کا اب مسلمان ہونے کے بعد لینے کا حق نہیں، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جو چاہیں معاملہ کریں، اپنی رحمت سے بخش دیں یا سزا دیں، کیونکہ کفار آخرت میں فروع کے مکلف ہیں (سورۃ المدثر آیات ۴۰-۴۸) اور اسلام قبول کرنے کے بعد جو کوئی باز نہیں آیا، سود لیا یا باقی ماندہ وصول کیا تو وہ دوزخی ہے، اور یہ غایت بیان کئے بغیر سزا کا بیان ہے، جیسے سورۃ النساء (آیت ۹۳) میں مؤمن کو محمد ﷺ قتل کرنے کی سزا غایت متعین کئے بغیر بیان کی گئی ہے۔

مسئلہ: کسی مسلمان نے سود لیا تو وہ مال حرام ہے، وہ اس کا مالک نہیں، مالک کو واپس کرنا ضروری ہے، اور مالک معلوم نہ ہو تو کسی غریب کو ثواب کی نیت کے بغیر دیدے، بنک سے ملنے والے سود کا بھی یہی حکم ہے۔ سرکاری ٹیکسوں میں بھرنا جائز نہیں، یہ ذاتی استعمال ہے۔

﴿فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

ترجمہ: پس جسے اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی — حرمت کے حکم کو نصیحت سے تعبیر کیا ہے یہ مولیٰ کا کرم ہے — اور وہ باز آ گیا تو اس کے لئے وہ ہے جو پہلے لے چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو لوٹا تو وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں!

سود خور اللہ تعالیٰ کو کسی طرح نہیں بھاتا!

سود خور اللہ تعالیٰ کو ایک آنکھ نہیں بھاتا، وہ بڑا گنہگار ہے، اس کی سود کی کمائی ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی، تیسری پشت تک ضرورت باہی آتی ہے، سود سے بظاہر مال میں زیادتی ہوتی ہے، مگر دیر سویر اللہ تعالیٰ اس کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خیراتوں کو بڑھاتے ہیں، حدیث میں ہے: آدمی سترے مال میں سے جو بھی خیرات کرتا ہے اس کو مہربان اللہ اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں، پھر اگر وہ خیرات ایک چھوہارا ہوتی ہے تو وہ رحمان کی ہتھیلی میں بڑھتی ہے، یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے بڑی ہو جاتی ہے، جس طرح تم اپنے گھوڑے اور اونٹ کے بچہ کی پرورش کرتے ہو (ترمذی حدیث ۶۵۴) اور غریبوں پر خرچ کرنے سے مال میں برکت بھی ہوتی ہے اور دارین میں نیک نامی بھی نصیب ہوتی ہے۔

﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور خیراتوں کو بڑھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کسی کٹر مخالف گنہگار کو پسند نہیں کرتے۔

مبغوض لوگوں کے بالمقابل محبوب بندوں کا تذکرہ

قرآن کریم کا اسلوب ہے کہ وہ جنتیوں اور جہنمیوں کا تذکرہ یکے بعد دیگرے کرتا ہے، تاکہ ترغیب و ترہیب ساتھ ہو جائیں، اسی طرح وہ نیک و بد لوگوں کا تذکرہ بھی یکے بعد دیگرے کرتا ہے، اوپر جب اللہ کے کٹر مخالف گنہگار بندوں کا تذکرہ آیا تو اب ایک آیت میں — سلسلہ کلام کے درمیان — ایماندار صالح بندوں کا تذکرہ فرماتے ہیں، یہ بندے غریبوں کا خون نہیں چوستے، بلکہ زکات و خیرات کے ذریعہ مشکل حالات میں غریبوں کی مدد کرتے ہیں، ان کے لئے

آخرت میں سدا بہار زندگی ہے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے نیک کام کئے، اور انہوں نے نماز کا اہتمام کیا، اور زکات ادا کی: ان کا بدلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے، اور ان کے لئے نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

سود خوروں کو جنگ کا الٹی میٹم!

نیک بندوں کا تذکرہ تو ضمناً آیا تھا، اب سابقہ سلسلہ بیان شروع ہوتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر جو لوگ مسلمان ہوئے تھے، ان سے خطاب ہے کہ اگر تم واقعی ایمان لائے ہو تو تمہارا جو سود لوگوں پر باقی ہے اس کو چھوڑ دو، صرف اس المال لے سکتے ہو، اور اگر نہیں چھوڑو گے تو اللہ و رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو، تم سے بزور شمشیر سود خوری چھڑائی جائے گی، اور اصل سرمایہ بھی اس طرح لو کہ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے، یعنی پہلے تم جو سود لے چکے ہو اس کو اگر تمہارے اصل سرمایہ سے کاٹا جائے تو تم پر ظلم ہوگا، اور چڑھا ہوا سود تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے، دونوں درست نہیں، اصل سرمایہ بے کم و کاست لے سکتے ہو۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی گروہ سود لینے پر مصر ہو تو اس پر فوج کشی بھی کی جاسکتی ہے، کیونکہ اگر وہ سود کو حرام ہی نہیں سمجھتا تو مرتد ہے، اور حرام سمجھ کر عمل سے انکار کرتا ہے تو ایسے لوگوں سے جہاد کا حکم ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُّوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ، لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور باقی ماندہ سود چھوڑو، اگر تم ایماندار ہو، پس اگر تم (ایسا) نہیں کرو گے — یعنی باقی رہا ہوا سود نہیں چھوڑو گے — تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم نے توبہ کر لی — یعنی باقی رہا ہوا سود چھوڑنے کے لئے تیار ہو گئے — تو تمہارے لئے تمہارا اصل سرمایہ ہے — جو تم نے قرض دیا ہے — نہ تم ظلم کرو، اور نہ تم ظلم کئے جاؤ۔

مقرض تنگ دست ہو تو مہلت دینا واجب ہے، اور قرضہ معاف کر دے تو اور بھی بہتر ہے

اگر مقرض اصل قرض بھی فوری طور پر واپس نہ کر سکتا ہو تو گنجائش ہونے تک مہلت دینا واجب ہے، اور اگر قرضہ ہی

معاف کر دے تو اور بھی بہتر ہے، کاش لوگ اس کے ثواب کو جانیں، مہلت دینے کا یا قرضہ معاف کرنے کا قیامت کے دن پورا پورا صلہ ملے گا، سود کے سلسلہ کی یہ آخری آیت ہے، اس پر سود کا بیان پورا ہوا۔

﴿وَإِنْ كَانَتْ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۗ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝
وَ اتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور اگر (مقروض) تنگ دست ہو تو آسانی تک مہلت دینا ہے، اور قرضہ معاف کرنا تمہارے لئے بہتر ہے،

اگر تم جانو، اور اس دن کا خوف کھاؤ جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اب ہر کوئی اپنی فکر کرے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ
وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ
فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا
فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمْلِئَ هُوَ
فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَمْ
يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَيْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا
فَتُذَكَّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ
تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ
وَأَذْنَىٰ آلَا تَرْتَابًا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ
فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۚ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ
وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فَسُوقٌ بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَوَعَلِّمَكُمْ اللَّهُ
وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

پس اگر نہ ہوں وہ	فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا	قرض ہے	الْحَقُّ	اے وہ لوگو جو	يَأْتِيهَا الَّذِينَ
دو مرد	رَجُلَيْنِ	اور چاہئے کہ ڈرے	وَلَيَتَّبِعْ	ایمان لائے	أَمْثُوا
تو ایک مرد	فَرَجُلٌ	اللہ سے	اللَّهُ	جب	إِذَا
اور دو عورتیں	وَأَمْرَاتَيْنِ	جو اس کا رب ہے	رَبِّهٖ	آپس میں معاملہ کرو	تَدَايِنْتُمْ ^(۱)
ان میں سے جن کو	صِتْنِ	اور نہ کم کرے	وَلَا يَبْخَسُ	ادھار کا	بِذَيْنِ
پسند کرتے ہو تم	تَرْضَوْنَ	اس سے کچھ بھی	مِنْهُ شَيْئًا	کسی وقت تک	إِلَّا أَجَلٌ
گواہوں سے	مِنَ الشُّهَدَاءِ	پس اگر ہے وہ	فَإِنْ كَانَ	مقررہ	مُسَمًّى
اس وجہ سے کہ	أَنْ ^(۲)	جو اس پر	الَّذِي عَلَيْهِ	تو لکھ لو اس کو	فَاكْتُوبُوهُ
بچل جائے	تَضَلَّ	قرض ہے	الْحَقُّ	اور چاہئے کہ لکھے	وَلْيَكْتُبْ
ان میں سے ایک	أَحَدُهُمَا	بے وقوف	سَفِيهًا	باہم	بَيْنَكُمْ
تو یا دو لائے	فَتَذْكُرُوهُ	یا کمزور	أَوْ ضَعِيفًا	لکھنے والا	كَاتِبٌ
ان کی ایک	أَحَدُهُمَا	یا نہیں طاقت رکھتا	أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ	انصاف کے ساتھ	بِالْعَدْلِ
دوسری کو	الْآخَرَ	کہ لکھوائے	أَنْ يُبَيِّنَ	اور نہ انکار کرے	وَلَا يَأْبَ
اور نہ انکار کریں	وَلَا يَأْبَ	وہ	هُوَ	لکھنے والا	كَاتِبٌ
گواہ	الشُّهَدَاءِ	تو لکھوائے	فَلْيُمْلِلِ	لکھنے سے	أَنْ يَكْتُبَ
جب	إِذَا مَا	اس کا کار گزار	وَلِيَّتُهُ	جیسا سکھلا یا اس کو	كَمَا عَلَّمَهُ
وہ بلائے جائیں	دُعُوا	انصاف کے ساتھ	بِالْعَدْلِ	اللہ نے	اللَّهُ
اور نہ اکتاؤ	وَلَا تَسْمَعُوا ^(۳)	اور گواہ بناؤ تم	وَاسْتَشْهِدُوا	پس چاہئے کہ لکھے وہ	فَلْيَكْتُبْ ^(۲)
اس کے لکھنے سے	أَنْ تَكْتُبُوهُ	دو گواہ	شَهِيدَيْنِ	اور چاہئے کہ لکھائے	وَلْيُمْلِلِ ^(۳)
چھوٹا ہو	صَغِيرًا	تمہارے مردوں سے	مِنْ رِجَالِكُمْ	وہ جس پر	الَّذِي عَلَيْهِ

(۱) تداينتم: تداين (باب تفاعل) سے ماضی جمع مذکر حاضر: تم نے ایک دوسرے کو قرض دیا، ادھار دیا۔ (۲) لا ياب: منفی پہلو سے لکھنے کا حکم ہے اور فليكتب: مثبت پہلو سے۔ (۳) ليُمْلِلِ: امر واحد مذکر غائب، اِمْلَل: لکھو انا (۴) ان: سے پہلے باء یا مین محذوف ہے (۵) لا تسمعوا سے الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے، اور آگے دستاویز لکھنے کے تین فوائد بیان کئے ہیں۔

اور نہ گواہ	وَلَا شَهِيدًا	سودا	تِجَارَةً	یا بڑا	أَوْ كَيْبَرًا
اور اگر کرو گے تم	وَلَا تَفْعَلُوا	دست بدست	حَاضِرَةً	اس کی مدت تک	إِلَّا أَجَلِهِ
تو بے شک وہ	فَإِنَّهُ	لیتے دیتے ہو تم اس کو	تُدَايِرُوهَا	یہ بات	ذَلِكُمْ
بے راہ روی ہے تمہاری	فَسَوْقٌ بِكُمْ ^(۳)	باہم	بَيْنَكُمْ	زیادہ انصاف کی ہے	أَقْسَطُ
اور ڈرو	وَاتَّقُوا	پس نہیں تم پر	فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ	اللہ کے نزدیک	عِنْدَ اللَّهِ
اللہ سے	اللَّهُ	کوئی گناہ	جُنَاحٌ	اور زیادہ درست رکھنے	وَأَقْوَمُ
اور سکھاتے ہیں تم	وَيُعَلِّمُكُمْ	کہ نہ لکھو تم اس کو	أَلَّا تَكْتُبُوهَا	والی ہے	لِلشَّهَادَةِ
اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	اور گواہ بناؤ	وَأَشْهِدُوا	گواہی کو	وَأَذَى
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	جب سودا کرو	إِذَا تَبَايَعْتُمْ	اور زیادہ قریب ہے	أَلَّا تَرَ تَابُؤًا
ہر چیز کو	بِكُلِّ شَيْءٍ	اور نہ نقصان پہنچایا جائے	وَلَا يُضَارَّ ^(۲)	کہ نہ شک کرو تم	إِلَّا أَنْ تَكُونُوا ^(۱)
خوب جاننے والے ہیں	عَلِيمٌ	لکھنے والا	كَاتِبٌ	مگر (لیکن) یہ کہ ہو	

دستاویز لکھنے کا بیان

دستاویز: وہ تحریری ثبوت جس سے اپنا حق ثابت کر سکیں۔ زمانہ جاہلیت میں لون (سودی قرض) دینے والے دستاویز لکھا کرتے تھے، اس لئے اب وثیقہ لکھنے کا بیان شروع کرتے ہیں، اور یہ قرآن کریم کی سب سے لمبی آیت ہے، مگر ہر لمبی آیت میں وقفے ہوتے ہیں، اس لئے پوری آیت ایک سانس میں پڑھنا ضروری نہیں، وقفے وقفے سے پڑھ سکتے ہیں۔ اور اس آیت میں تین مضمون ہیں: دستاویز لکھنے کا حکم، اس کے فوائد اور متعلقہ مسائل و نصائح۔ اور دستاویز لکھنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں: دستاویز لکھنے والا، دستاویز لکھوانے والا اور دستاویز پر گواہیاں، پھر دستاویز لکھنے کے تین فائدے بیان کئے ہیں، پھر تین مسائل اور تین نصیحتیں ہیں۔ یہ آیت کریمہ کا خلاصہ ہے۔

دستاویز لکھنے کا حکم: جب کوئی بڑا قرض لیا دیا جائے، اور آئندہ کسی مدت میں واپسی کا وعدہ ہو، یا کوئی ادھار سودا کیا جائے، اور ثمن کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت مقرر ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، اور چونکہ معاملہ آئندہ مدت کے لئے ہوا ہے، اور بھول چوک اور نزاع کا احتمال ہے اس لئے اس کی لکھت پڑھت ہو جانی چاہئے، تاکہ وہ تحریر بوقت ضرورت کام آئے، اور (۱) إلا: استثناء منقطع بمعنی لکن ہے اور استثناء متصل (تکبیروہ سے بھی) ہو سکتا ہے (۲) يُضَارَّ: ضَرَّارٌ (مصدر باب مقلعہ) سے فعل نہی واحد مذکر غائب: نہ تکلیف دی جائے، نہ ڈکھ پہنچایا جائے۔ (۳) فسوق (مصدر): حد اطاعت سے نکلنا۔

اس کی صورت یہ ہے کہ باقاعدہ اسٹامپ پر دستاویز لکھ لی جائے، جس میں مقررہ مدت کا ذکر، فریقین کے واضح نام اور معاملہ کی تفصیل ہو، اور اس پر گواہیاں مثبت کی جائیں، تاکہ بات پکی ہو جائے۔

دستاویز کون لکھے؟ — کاتب (دستاویز لکھنے کا ماہر) لکھے، دستاویز ہر شخص نہیں لکھ سکتا، اس کی خاص اصطلاحات اور خاص اسلوب ہوتا ہے، اس لئے دستاویز کسی ماہر سے لکھوائی جائے، جیسے اہم درخواست (میمورنڈم) ہر کوئی نہیں لکھ سکتا، سپاس نامہ ہر آدمی نہیں لکھ سکتا، اس کا ماہر ہی لکھ سکتا ہے، پس جو دستاویز لکھنا جانتا ہے وہ لکھنے سے انکار نہ کرے، اللہ نے اس کو یہ فن سکھلایا ہے اس کا شکر بجالائے، البتہ اس کو اجرت طلب کرنے کا حق ہے، کیونکہ یہ ایک عمل ہے اور ہر منفعت پر اجارہ درست ہے، پھر وہ صحیح صحیح انصاف کے ساتھ لکھے، کچھ گڑبڑ نہ کرے، الفاظ کے معمولی فرق سے بات کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے۔

دستاویز کون لکھوائے؟ یعنی کون اطاء کرائے؟ — وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق واجب ہے، تاکہ وہ گواہوں کے سامنے اس کا اقرار بھی بن جائے، اور وہ اللہ سے ڈر کر لکھوائے، صاحب حق کا حق بے کم و کاست لکھوائے — اور اگر وہ شخص جس پر حق واجب ہے کم سمجھ ہو، یا کمزور ہو، یا کسی وجہ سے نہ لکھوا سکتا ہو، مثلاً: زبان نہ جانتا ہو، یا گونگا ہو اور کاتب اس کے اشارے نہ سمجھتا ہو تو پھر اس کا کارندہ انصاف سے لکھوائے۔

دستاویز پر گواہیاں: معاملات میں دو آزاد عاقل بالغ مردوں کی گواہی ضروری ہے، دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، اور گواہوں کا مسلمان عادل (دیندار) ہونا ضروری ہے۔ اور ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی اس لئے ضروری ہے کہ عورتوں کی یادداشت اکثر کمزور ہو جاتی ہے، ان کا ماحول (ارد گرد) حافظہ کو متاثر کرتا ہے، ان کا چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہوتا ہے، وہ ہر وقت چیمیں چیمیں کرتے ہیں، اس سے ان کی یادداشت کمزور ہو جاتی ہے، اس لئے اگر گواہی دیتے وقت ایک عورت کچھ بھولے تو دوسری اس کو یاد دلا دے، اسی لئے دونوں عورتیں ساتھ گواہی دیں گی، دو مرد الگ الگ گواہی دیتے ہیں۔

پھر اگر کبھی نزاع ہو، اور معاملہ کورٹ میں جائے، اور دستاویز میں جن گواہوں کی گواہی مثبت ہے ان کو کورٹ میں طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں، حاضر ہو کر گواہی دیں، ہاں وہ ہر جانہ (کرایہ) لے سکتے ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَايِنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ، وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ، وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ، وَلْيَسْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا، فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ

سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمِلْ وَلِيَّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَأَسْتَشْهِدُ وَ
شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَيْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ
أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم باہم مقررہ وقت تک کے لئے کوئی ادھار معاملہ کرو تو اسے لکھ لو — یہ دستاویز لکھنے کا حکم ہے — اور چاہئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے، اور لکھنے والا جیسا اس کو اللہ نے سکھلایا ہے لکھنے سے انکار نہ کرے، بلکہ لکھے — پہلے ﴿لَا يَأْبَ﴾ میں منفی پہلو سے لکھنے کا حکم تھا، پھر ﴿فَلْيُكْتَبْ﴾ میں مثبت پہلو سے، پس تکرار نہیں، اور یہ کون لکھے؟ کا بیان ہے — اور چاہئے کہ وہ شخص لکھوائے جس پر حق (قرضہ) ہے، اور چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار سے ڈرے، اور حق میں سے کچھ بھی کم نہ کرے — یہ کون لکھوائے کا بیان ہے — پس اگر وہ شخص جس پر حق ہے کم عقل یا کمزور ہو یا لکھوانہ سکتا ہو تو اس کا کارندہ انصاف کے ساتھ لکھوائے — یہ کون لکھوائے کا تہمہ ہے — اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لو، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں — گواہ بناؤ — ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو — یعنی گواہ مسلمان عاقل بالغ دیندار ہوں، یہ وثیقہ پر گواہی ثبت کرنے کا بیان ہے — بایں وجہ کہ اگر ان میں سے ایک پھل جائے — بھول جائے یا غلطی کرے — تو دوسری اس کو یاد دلا دے — یہ ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی کی ضرورت کی وجہ ہے — اور گواہ انکار نہ کریں جب وہ (کورٹ میں) بلائے جائیں۔

دستاویز لکھنے کے تین فائدے

پہلے الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے کہ اگر کسی مدت تک ادھار کا معاملہ ہو تو اس کے لکھنے میں سستی مت کرو، خواہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ پہلے یہ تعمیم نہیں تھی، مگر مراد تھی، اس لئے پہلے حکم میں بھی اس کو ملحوظ رکھا جائے، البتہ معاملہ ادھار کا ہو تو اس کو لکھ لینا چاہئے، اس میں تین فائدے ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے، اللہ تعالیٰ کی صفت العَدْل ہے، یعنی انصاف کرنے والے، وہ بندوں میں بھی یہ بات پسند کرتے ہیں، اور دستاویز لکھ لینے سے زیادہ سے زیادہ انصاف ہوگا۔

۲- گواہ جب دستاویز دیکھیں گے تو ان کو پورا معاملہ یاد آ جائے گا، پس وہ زیادہ درست طریقہ پر گواہی دے سکیں گے۔

۳- معاملہ کے فریقین کو بھی ایک وقت کے بعد کچھ شک لاحق ہو سکتا ہے، پس جب وہ دستاویز دیکھیں گے تو ان کا

شک دور ہو جائے گا۔

﴿ وَلَا تَسْعَوْا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا لِأَنَّهُ اجْعَلَهُ مِثْلَكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمٌ لِلشَّهَادَةِ وَأَذْنَىٰ آثَارًا تَزَنَّا بِيَوْمِ ۙ﴾

ترجمہ: اور کسی مدت تک ادھار معاملہ کو لکھنے سے مت اکتاؤ، خواہ چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا — یہ الفاظ بدل کر تمہید لوٹانی ہے، تاکہ آگے بیان کردہ فوائد اس پر متفرع ہوں — (۱) یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی ہے (۲) اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے (۳) اور اس سے زیادہ نزدیک ہے کہ تم کسی شک میں جھٹلا نہ ہوؤ۔

تین مسائل:

۱- اگر کوئی معاملہ دست بدست ہو، ثمن دیا اور بیع لی، تو اس کو نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔

۲- جو سودا، ہم ہو، چاہے نقد ہو، اس میں بھی گواہ بنالینا اچھا ہے۔

۳- کاتب (دستاویز لکھنے والے) کو اور گواہوں کو نقصان مت پہنچاؤ، لکھنے والا اجرت مانگے تو دو، گواہ کو رٹ میں آنے

کا کرایہ یا اپنے وقت کا ہر جانہ طلب کریں تو دو، اگر ایسا نہیں کرو گے تو یہ تمہارا فسق (بے راہ روی) ہوگی، اس سے بچو۔

﴿ إِلَّا أَنْ يَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بِيَدِكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۚ

وَأَشْهَدُوا وَإِذَا تَبَايَعْتُمْ ۖ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۗ وَإِنْ تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فَسُوقٌ بِكُمْ ۙ﴾

ترجمہ: (۱) ہاں اگر سودا دست بدست ہو، جس کو تم باہم لو اور دو، تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم اس کو نہ لکھو (۲) اور گواہ بنالو

جب تم کوئی (۱) ہم نقد) سودا کرو (۳) اور نہ لکھنے والا ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ، اور اگر تم ضرر پہنچاؤ گے تو وہ تمہاری بے راہ روی ہوگی۔

تین نصائح:

۱- اللہ کا خوف کھاؤ، قرآن کریم تمام معاملات کے احکام میں تقویٰ کا ذکر ضرور کرتا ہے، تقویٰ ہی قانون کی پابندی

کراتا ہے، محض قانون کارگر نہیں، لوگ چور دروازے نکال لیتے ہیں۔

۲- احکام شرعیہ اللہ کے نازل کردہ ہیں، یہ وضعی (پارلیمنٹ) کے قوانین نہیں کہ جی چاہا تو عمل کیا، نہیں چاہا تو نہیں کیا،

احکام الہی کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے۔

۳- اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے، کس نے احکام پر عمل کیا، کس نے نہیں کیا، اور کس نے کس جذبہ سے کیا، اس کو اللہ تعالیٰ

بخوبی جانتے ہیں، آخرت میں وہ اپنے علم کے مطابق معاملہ کریں گے، اس لئے چوکنا ہو جاؤ۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَوَعَلِّمُوا اللَّهَ مَا يَكْفِيكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۵﴾﴾

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو، اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَن مَّقْبُوضَةً فَإِنْ آمَنَ بَعْضُكُمْ
بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۖ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۗ
وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ أِثْمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۳۶﴾

۳۵۸

اور جو	وَمَنْ	تو چاہئے کہ ادا کرے	فَلْيُؤَدِّ	اور اگر تم ہو	وَإِنْ كُنْتُمْ
چھپائے گا اس کو	يَكْتُمُهَا	جو	الَّذِي	سفر پر	عَلَىٰ سَفَرٍ
تو بے شک وہ	فَإِنَّهُ (۳)	اعتبار کیا گیا	أُؤْتِنَ (۲)	اور تم نہ پاؤ	وَلَمْ تَجِدُوا
گنہگار ہے	اِثْمٌ	اس کی امانت	أَمَانَتَهُ (۳)	کوئی لکھنے والا	كَاتِبًا
اس کا دل	قَلْبُهُ	اور چاہئے کہ ڈرے	وَلْيَتَّقِ	تو گروی	فَرِهْنَن (۱)
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اللہ سے	اللَّهُ	قبضہ میں لی ہوئی	مَّقْبُوضَةً
ان کاموں کو جو	بِمَا	جو اس کا پروردگار ہے	رَبُّهُ	پس اگر اطمینان کرے	فَإِنْ آمَنَ
تم کرتے ہو	تَعْمَلُونَ	اور نہ چھپاؤ تم	وَلَا تَكْتُمُوا	تمہارا ایک	بَعْضُكُمْ
خوب جاننے والے ہیں	عَلِيمٌ	گواہی	الشَّهَادَةَ	دوسرے پر	بَعْضًا

گذشتہ آیت کے باقی تین مسائل

گذشتہ آیت قرآن کی سب سے لمبی آیت تھی، اس میں جو بات مذکور تھی اس کے سلسلہ کے ابھی تین مسائل باقی ہیں، جو اس آیت میں ہیں، پس اس آیت کو گذشتہ آیت کا ضمیمہ یا تتمہ سمجھنا چاہئے۔

پہلا مسئلہ —: اگر دستاویز لکھنے کی صورت نہ ہو تو ضمانت کے طور پر گروی لے سکتے ہیں — اگر سفر کی حالت میں قرض دیا یا ادھار کا معاملہ کیا، اور دستاویز لکھنے والا میسر نہیں تو قرض کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر رہن

(۱) فرہان: جملہ جزائیہ ہے، اور ہی مبتدا محذوف ہے، ای الوثیقة: یعنی گارنٹی (۲) اؤتین: ائتمان (اعتبار کرنا) سے ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب (۳) امانتہ کی ضمیر کا مرجع رب الدین اور مدیوں دونوں ہو سکتے ہیں (۴) فہانہ کی ضمیر کا مرجع مَنْ موصولہ بھی ہو سکتا ہے اور ضمیر شان بھی ہو سکتی ہے۔

(گروی) لے لیا جائے، توثیق کے لئے وہ بھی کافی ہے، اور رہن اس وقت تام ہوتا ہے جب مرتہن گروی کی چیز پر قبضہ کر لے، مقبوضہ کی قید اسی لئے ہے، رہن: مرتہن کی حفاظت میں رہتا ہے، اور سفر کی قید اتقاقی ہے، حضر میں بھی رہن دینا لینا جائز ہے، نبی ﷺ نے مدینہ میں زہ (لوہے کا کرتا) گروی رکھ کر ادھار بخو خریدے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: — اگر مدیون پر اعتماد ہو تو نہ دستاویز ضروری ہے نہ گروی — اور مدیون پر لازم ہے کہ صاحب دین کا حق پورا پورا چکائے، اس کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائے، اور اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے، اور صاحب حق کی امانت پہنچانے میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے۔

تیسرا مسئلہ: — گواہی چھپانا جائز نہیں — جن گواہوں کے دستخط دستاویز پر ثبت ہیں، اگر وہ کورٹ میں جا کر گواہی نہیں دیں گے، گواہی چھپائیں گے تو صاحب حق کا نقصان ہوگا، اس لئے گواہی دینا واجب ہے، اور گواہی دینے سے انکار کرنا حرام ہے، ایسا کرے گا تو اس کا دل اس کو ملامت کرے گا اور یہ کاٹنا ہمیشہ اس کے دل میں چھتتا رہے گا، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو خوب جانتے ہیں جو بندے کرتے ہیں، لہذا حکم الہی کی خلاف روزی مت کرو۔

آیت کریمہ: (۱) اور اگر تم سفر میں ہو، اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ضمانت کے طور پر) گروی اپنے قبضہ میں رکھ لو (۲) پس اگر ایک دوسرے پر بھروسہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے — یعنی مدیون — وہ اس کی امانت ٹھیک ادا کرے، اور اللہ سے ڈرے، جو اس کا پروردگار ہے (۳) اور تم گواہی مت چھپاؤ، اور جو شخص گواہی چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہوگا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بخوبی واقف ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبَدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ
يُحٰسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ ۗ فَيَغْفِرْ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾

اللہ	اللہ کی ملک ہیں	وَاِنْ تُبَدُّوْا	اور اگر ظاہر کرو تم	بِهٖ اللّٰهُ	اس کا اللہ تعالیٰ
مَا	جو چیزیں	مَا	جو بات	فَيَغْفِرُ	پس بخشیں گے
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	فِيْ اَنْفُسِكُمْ	تمہارے دلوں میں ہے	لِمَنْ يَّشَاءُ	جس کو چاہیں گے
وَمَا	اور جو چیزیں	اَوْ تَخْفَوْهُ	یا چھپاؤ اس کو	وَيُعَذِّبُ	اور سزا دیں گے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	يُحٰسِبْكُمْ	حساب لیں گے تم سے	مَنْ يَّشَاءُ	جس کو چاہیں گے

وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	قَدِيرٌ	پوری قدرت والے ہیں
-----------	-----------------	---------------------	-----------	---------	--------------------

دل کی کن باتوں پر مواخذہ ہوگا، اور کن باتوں پر مواخذہ نہیں ہوگا؟

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ اگر گواہ گواہی چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جو بات دل میں ٹھانتا ہے، اور اس کا پختہ ارادہ رکھتا ہے: اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں گے، اس لئے جاننا چاہئے کہ جو باتیں دل میں آتی ہیں وہ تین طرح کی ہوتی ہیں:

اول: وہ خیالات جن کا دل ہی سے تعلق ہوتا ہے، قول و فعل سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہوتا، جیسے عقائد صحیحہ اور فاسدہ — یہ باتیں اگر وسوسہ کے درجہ میں ہیں یعنی وہ خیالات دل میں جمنے نہیں ہیں تو ان پر کوئی مواخذہ نہیں، ہاں جب وہ عزم کے درجہ میں پہنچ جائیں تو ان پر جزا و سزا مرتب ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھیں معارف الحدیث: ۱۶۰)

دوم: وہ خیالات جن کا تعلق اقوال سے ہے، جیسے دل میں بیوی کو طلاق دینے کا خیال آیا، یا قسم کھانے کا، یا غلام آزاد کرنے کا، یا مطلقہ بیوی کو نکاح میں واپس لینے کا ارادہ ہوا تو جب تک زبان سے ان باتوں کا تکلم نہیں کرے گا: احکام مرتب نہیں ہوں گے۔

سوم: وہ خیالات جن کا تعلق عمل سے ہے، جیسے زنا کرنا، قتل کرنا، چوری کرنا وغیرہ۔ ان پر مواخذہ اس وقت ہوگا جب ان افعال کا صدور ہو جائے، پس اگر کسی نے دل میں ٹھانا کہ زنا کرنا ہے یا قتل کرنا ہے تو جب تک یہ افعال صادر نہ ہوں دنیا و آخرت میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں — البتہ گناہ کا صدور نیت صحیح ہونے کے باوجود کسی مانع کی وجہ سے نہ ہو تو اس پر آخرت میں مواخذہ ہوگا، جیسے دو شخص تلواریں لے کر بھڑے، پھر ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو دونوں جہنم میں جائیں گے، آخرت میں دونوں ہی قاتل ٹھہریں گے، کیونکہ جو مارا گیا وہ مرنے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ وہ اپنے بھائی کو مارنے کے لئے آیا تھا، مگر اتفاق کہ وہ مار نہ سکا، مر گیا، اس لئے اللہ کے یہاں وہ بھی قاتل لکھا جائے گا (تختہ اللمعی: ۷: ۱۴۶)

آیت کریمہ: اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور وہ سب کچھ جو زمین میں ہے، اور جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو: اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے، پھر جس کے لئے منظور ہوگا بخش دیں گے اور جس کے لئے منظور ہوگا سزا دیں گے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

فائدہ: بعض گناہ دنیا ہی میں نمٹا دیئے جاتے ہیں:

حدیث: امیہ بنت عبد اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۴ ہے: ﴿اِنْ تُبَدُّوْا مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ يَحْسِبْكُمۡ بِاللّٰهِ﴾: اگر تم ظاہر کرو ان باتوں کو جو تمہارے دلوں میں ہیں یا ان کو

پوشیدہ رکھو: اللہ تعالیٰ تم سے ان کے بارے میں داروگیر کریں گے، اور سورۃ النساء کی آیت ۱۲۳ ہے: ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾ جو بھی شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کی سزا دیا جائے گا، امیہ نے ان دونوں آیتوں کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا: حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جب سے میں نے یہ بات نبی ﷺ سے پوچھی ہے آج تک کسی نے ان کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھا، نبی ﷺ نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا تھا: یہ (محاسبہ اور جزاء) اللہ کا بندے پر عتاب ہے، اس بخار اور حادثہ کے ذریعہ جو اس کو پہنچتا ہے، یعنی دنیا ہی میں یہ محاسبہ ہوتا ہے اور سزا ملتی ہے، یہاں تک کہ پونجی: جس کو وہ کرتے کی جیب میں رکھتا ہے، پس وہ اس کو گم کرتا ہے، پس وہ اس کی وجہ سے گھبرا جاتا ہے (تو اس کی وجہ سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں) یہاں تک کہ بندہ گناہوں سے نکل جاتا ہے جس طرح سرخ سونا بھٹی سے (صاف ہو کر) نکلتا ہے۔

تشریح: مجازات کا سلسلہ دنیوی زندگی سے شروع ہو جاتا ہے، بعض اعمال کی جزا و سزا دنیا ہی میں دیدی جاتی ہے، مثلاً والدین کے ساتھ حسن سلوک کا بدلہ دنیا میں ضرور ملتا ہے، اور ماں باپ کی نافرمانی کی، ناپ تول میں کمی کرنے کی اور سود کھانے کی سزا بھی دنیا میں ضرور ملتی ہے، اور یہ سزا گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، چنانچہ آگے معاملہ صاف ہو جاتا ہے، بلکہ جن لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے ان کو دنیا ہی میں طرح طرح کی تکلیفوں سے دوچار کیا جاتا ہے اور گناہوں سے پاک صاف کر کے ان کو اٹھایا جاتا ہے۔

پس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ دل میں آنے والے خیالات پر جو داروگیر ہوتی ہے، اور برائی کا جو بدلہ دیا جاتا ہے وہ ضروری نہیں کہ آخرت میں دیا جائے، بہت سے گناہوں پر پکڑ اور بہت سی برائیوں کی سزا اسی دنیا میں نمٹا دی جاتی ہے۔

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمِنَ بِاللَّهِ
وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا
وَاطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ

أَمِنَ	مان لیا	إِلَيْهِ	اس کی طرف	كُلٌّ آمِنَ	سب نے مانا
الرَّسُولُ	رسول نے	مِنْ رَبِّهِ	اسکے رب کی طرف سے	بِاللَّهِ	اللہ کو
بِمَا أُنزِلَ	اس کو جو اتارا گیا	وَالْمُؤْمِنُونَ	اور مسلمانوں نے (بھی)	وَمَلَائِكَتِهِ	اور اس کے فرشتوں کو

اور ہم نے قبول کیا	وَ اطعنا	کسی کے درمیان	بَيْنَ اَحَدٍ	اور اس کی کتابوں کو	وَ كَتَبَهُ
آپ کی بخشش چاہتے ہیں	غُفْرَانَكَ ^(۱)	اس کے رسولوں میں سے	مِّنْ رُّسُلِهِ	اور اس کے رسولوں کو	وَ رُسُلِهِ
اے ہمارے پروردگار	رَبَّنَا	اور کہا انھوں نے	وَ قَالُوا	(کہا انھوں نے) نہیں	لَا نَفْقَهُ
اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے	وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ	ہم نے سنا	سَمِعْنَا	جدائی کرتے ہم	

بلا تفریق تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے

شانِ نزول: جب آیت کریمہ: ﴿وَ اِنْ تُبَدُّواْ مَا فِىْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفَوُاْ يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ﴾ نازل ہوئی تو چونکہ الفاظ عام تھے، اس لئے صحابہ نے سمجھا کہ غیر اختیاری خیالات کا بھی حساب ہوگا، انھوں نے اپنی یہ الجھن خدمتِ نبوی میں پیش کی، آپ نے فرمایا: اللہ کی طرف سے جو حکم آئے بے تامل مان لو، اور کہو: سمعنا و اطعنا: ہم نے حکم سنا، اور ہم اس پر عمل کریں گے، چنانچہ صحابہ نے یہ کہا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آیت کریمہ: اللہ کے رسول ایمان لائے اس چیز پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی، اور مومنین بھی، سب یقین رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر (اور وہ کہتے ہیں): ہم اس کے پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں ایسا نہیں کرتے) انھوں نے کہا: ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور اس کو بخوشی مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔

فائدہ: سورة البقرة کی آخری دو آیتوں کے احادیث میں بڑے فضائل آئے ہیں، جو شخص رات میں یہ دو آیتیں پڑھ لے تو یہ اس کے لئے کافی ہیں، حسب ارشاد نبوی: یہ دو آیتیں جنت کے خزان میں سے نازل فرمائی گئی ہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا
لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاغْفِرْ عَلَانَا
وَ اغْفِرْ لَنَا وَاَرْحَمْنَا اِنَّتَ مَوْلَانَا فَاَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ٢

(۱) غفران: مغفرت کی طرح مصدر ہے، اس کا عامل وجوباً محذوف ہے، ای نطلب غفرانک: ہمارے گناہ بخش دے۔

اور نہ اٹھوائیں آپ ہم جو نہیں طاقت ہمارے اندر اس کی اور درگزر فرمائیں ہم اور معاف فرمائیں ہمیں اور مہربانی فرمائیں ہم پر آپ ہماری کار ساز ہیں پس مدد فرمائیں ہماری لوگوں پر اسلام قبول نہ کرنے والے	وَلَا تُحْمِلُنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ	اگر بھول جائیں ہم یا چوک جائیں ہم اے ہمارے رب! اور نہ لاؤ ہم پر بھاری بوجھ جیسا لاؤ آپ نے اس کو ان لوگوں پر جو ہم سے پہلے ہوئے اے ہمارے رب!	إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا	نہیں حکم دیتے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مگر اس کی گنجائش کا اس کے لئے ہے جو کمایا اس نے اور اس پر ہے جو کیا اس نے اے ہمارے رب! نہ پکڑ ہمیں	لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا
--	---	--	--	--	---

تکلیف شرعی کن امور کی دی جاتی ہے؟

تکلیف مالا یطاق جائز نہیں، یعنی شریعت ایسے امور کا حکم نہیں دیتی جو انسان کے بس میں نہیں، پھر مالا یطاق کی دو قسمیں ہیں:

اول: وہ کام جو سرے سے بندے کی قدرت میں نہیں، جیسے اندھے کو دیکھنے کا حکم دینا، یا پاہنج کو دوڑنے کا حکم دینا، ایسے مالا یطاق امور کی تکلیف شرعاً ممتنع ہے۔

دوم: وہ امور جو بندے کی قدرت میں ہیں، مگر شاق اور دشوار ہیں، جیسے شروع اسلام میں تہجد کی نماز فرض کی گئی تھی، جو ایک مشکل امر تھا، ایسے مالا یطاق امور کا حکم دیا جاسکتا ہے، چنانچہ شروع اسلام میں یہ حکم دیا گیا تھا، اور صحابہ نے سال بھر تہجد پڑھا تھا، پھر یہ حکم ختم کر دیا گیا، کیونکہ ایسے امور میں بھی شریعت بندوں کی سہولت کا خیال رکھتی ہے، مثلاً حائضہ کی نمازیں معاف کر دیں، اور سفر میں نمازیں قصر کرنے کی، اور رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی، یہ سب سہولت کے پیش نظر ہوا ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب آیت پاک: ﴿إِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ نازل ہوئی تو صحابہ کے دلوں میں اس آیت کی وجہ سے ایک ایسی چیز داخل ہوئی جو کسی

اور چیز کی وجہ سے داخل نہیں ہوئی تھی، پس انھوں نے نبی ﷺ سے یہ بات عرض کی (کہ جب تمام قلبی واردات پر دارو گیر ہوگی تو معاملہ بڑا سنگین ہو جائے گا!) پس نبی ﷺ نے فرمایا: کہو: ﴿سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾: ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی، پس اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے دلوں میں اطمینان ڈالا، اور آیت پاک ﴿أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَنَّا أَنْزَلَ إِلَيْنَا مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلِكِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ نازل فرمائی۔

ترجمہ: اللہ کے رسول (ﷺ) ایمان لائے اس چیز پر جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور مؤمنین بھی۔ سب یقین رکھتے ہیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر (اور وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے، انھوں نے کہا: ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور خوشی سے مانا، ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! اور آپ ہی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے!..... اور اس کے بعد کی آیت بھی نازل فرمائی، جو یہ ہے:

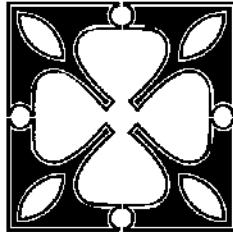
﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کا جو اس کے اختیار میں ہے، اس کو ثواب بھی اسی کا ملتا ہے جو وہ ارادہ سے کرتا ہے، اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوتا ہے، جس کا وہ ارادہ کرے، اے ہمارے پروردگار! ہماری دارو گیر نہ فرما، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ فَعَلْتُ: یعنی میں ان امور پر تمہاری دارو گیر نہیں کروں گا ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا﴾: اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجیں، جس طرح ہم سے پہلے والوں پر آپ نے احکام بھیجے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ فَعَلْتُ: یعنی میں ایسے بھاری احکام بھی تم پر نازل نہیں کروں گا ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لِطَاقَةِ لَنَا بِهِ، وَاعْفُ عَنَّا، وَاعْفُرْ لَنَا، وَارْحَمْنَا، إِنَّكَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾: اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیں جس کو ہم سہار نہ سکیں، اور ہم سے درگزر فرمائیں، اور ہماری بخشش فرمائیں، اور ہم پر مہربانی فرمائیں، آپ ہمارے کارساز ہیں، پس آپ ہم کو کافروں پر غالب کر دیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدْ فَعَلْتُ: یعنی میں تمہاری یہ سب خواہشیں پوری کروں گا، امت کی یہ سب دعائیں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہیں، اور موقع بہ موقع اس کا ظہور ہوتا رہتا ہے، چنانچہ دین آسان کر کے نازل فرمایا۔ حدیث میں ہے: الدین يُسْرُ: اللہ نے دین نہایت آسان بھیجا ہے، پس ہمت کر کے اس پر عمل کرو اور دوسری دعائیں بھی مقبول ہوئی ہیں۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کی ذمہ داری نہیں سونپتے، ہر شخص کو اسی کا ثواب ملے گا جو اس نے کمایا، اور اس کے ذمہ وہی پڑے گا جو اس نے کیا۔

مؤمنین کی دعائیں: (۱) اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہماری پکڑ نہ فرما! (۲) اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر (احکام کا) بھاری بوجھ نہ لا دجیسا آپ نے ہم سے پہلی امتوں پر لا دیا تھا (۳) اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بار نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں (۴) اور ہم سے درگزر فرما (۵) اور ہمیں بخش دے (۶) اور ہم پر رحم فرما (۷) آپ ہی ہمارے کارساز ہیں، پس کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرمائیں (آمین)

جس نے کسی رات میں سورة البقرة کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ اس کے لئے کافی ہوگی (حدیث)

آگے سے ربط: سورة آل عمران کی شروع کی توے آیتیں نصاریٰ کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی ہیں، ان میں عیسائیوں پر علمی تفوق کا بیان ہے، پھر باقی سورت میں غزوة احد میں کفار مکہ کے مقابلہ میں اللہ کی نصرت اور ان پر عملی تفوق کا بیان ہے، پس آئندہ سورت اس آخری دعا کا ظہور اتم ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ آل عمران

(ذریبِ عمران کی سورت)

سورت کا نام اور اس کی معنویت:

اس سورت میں اولادِ عمران کا ذکر ہے، اس لئے سورت کا یہ نام رکھا گیا ہے، اور اس نام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابیت والوہیت کا رد ہے، وہ عمران کی اولاد ہیں، پھر وہ اللہ کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور اسی مقصد سے عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ ابن مریم کا اضافہ آتا ہے، دیگر انبیاء کے ساتھ باپ کا ذکر نہیں آتا، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں تو وہ اللہ کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمران: بنی اسرائیل میں ایک نیک بندے تھے، جب ان کی اہلیہ پر امید ہوئی تو اس نے منت مانی کہ جو لڑکا پیدا ہوگا وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا، ایسی منت ان کی شریعت میں جائز تھی، مگر لڑکے کے بجائے لڑکی حضرت مریم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، وہ پریشان ہوئیں، کیونکہ لڑکی خدمت کے لئے وقف نہیں کی جاتی تھی، لڑکا وقف کیا جاتا تھا، مگر اللہ نے اس لڑکی کو قبول فرمایا، جب وہ خود کفیل ہو گئیں تو بیت المقدس کے حوالے کی گئیں، وہاں ان کی پرورش کے بارے میں اختلاف ہوا، ہر شخص ان کی پرورش کرنا چاہتا تھا، مگر فال ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا، اس لئے انھوں نے حضرت مریم کو اپنی پرورش میں لے لیا، یہ ساری بات آگے اسی سورت میں آرہی ہیں، پھر کنواری مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پس وہ عمران کی اولاد ہوئے، اس طرح ان کی ابیت اور الوہیت کی تردید ہو گئی۔

سورت کی فضیلت: صحیح حدیث میں سورۃ البقرۃ اور آل عمران کو الزُّهُرُ اَوْنُن: دوروشن، چمکدار اور خوبصورت سورتیں کہا گیا ہے، معلوم ہوا کہ دونوں سورتوں کا موضوع مشترک ہے، اور دونوں کو پڑھنے کا حکم ہے، اور مسلم شریف کی حدیث میں اس کی درج ذیل فضیلت بھی آئی ہے۔

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے دن) قرآن کریم آئے گا، اور اس کے وہ پڑھنے والے (بھی)

آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، اس (قرآن یا قرآن پڑھنے والوں) کے آگے سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران ہونگی، حدیث کے راوی حضرت نوّاس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اور نبی ﷺ نے ان دونوں سورتوں کے لئے تین مثالیں یعنی پیکر محسوس بیان فرمائے جن کو میں اب تک نہیں بھولا، فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُنْتُمْ أَشْرَقًا وَقَلْبُكُمْ مُّغْمًا فَادْبُرُوا لِنُورِ اللَّهِ الَّذِي يَخْرُجُ مِنَ الْقَدَمِ الْمَشْرِقِيِّ وَأَنبُتِ الْبُيُوتُ كَبُشْبُشٍ مِّنَ الْبُيُوتِ الْمَشْرِقِيَّةِ وَالشَّجَرُ يَسْجُدُ لِلَّهِ الَّذِي يَخْرُجُ مِنَ الْقَدَمِ الْمَشْرِقِيِّ وَأَنبُتِ الْبُيُوتُ كَبُشْبُشٍ مِّنَ الْبُيُوتِ الْمَشْرِقِيَّةِ وَالشَّجَرُ يَسْجُدُ لِلَّهِ الَّذِي يَخْرُجُ مِنَ الْقَدَمِ الْمَشْرِقِيِّ وَبَيْنَهُمَا شَرْقٌ: وہ دونوں سورتیں آئیں گی گویا وہ دونوں دوسا سبان ہیں، اور ان دونوں کے درمیان روشنی ہوگی (جو ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرے گی) أَوْ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ سَوْدَاوَانِ: یا گویا وہ دونوں دوسیاہ بادل ہونگے، أَوْ كَأَنَّهُمَا ظُلْمَةٌ مِّنْ طَيْبٍ صَوَافٍ: یا گویا وہ دونوں قطار میں اڑنے والے پرندوں کا سائبان ہونگے، تُجَادِلَانِ عَنِ صَاحِبَيْهِمَا: وہ جھگڑیں گی اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے۔

تشریح: اس جھگڑے کی حقیقت یہ ہے کہ قاری کی نجات و عذاب کے اسباب میں تعارض سامنے آئے گا، اس کے گناہ اس کی بربادی کو چاہیں گے، اور زہراؤین کی تلاوت نجات کو، اور بالآخر سبب نجات یعنی تلاوت زہراؤین کو دیگر اسباب ہلاکت پر ترجیح حاصل ہوگی، اور وہ بندہ ناجی ہوگا۔

رہی یہ بات کہ قرآن کے اور زہراؤین کے قیامت کے دن آنے کا کیا مطلب ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پڑھنے کا ثواب قیامت کے دن آئے گا، بعض اہل علم نے اس حدیث کی اور اس سے ملتی جلتی حدیثوں کی یہی شرح کی ہے کہ قیامت کے دن قرآن پڑھنے کا ثواب آئے گا، کیونکہ پڑھنا ایک معنوی چیز ہے، اس کے آنے کی کوئی صورت نہیں، اور اسی حدیث میں اس تفسیر کا قرینہ موجود ہے، فرمایا: وَأَهْلُهُ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ بِهِ فِي الدُّنْيَا: اور اس کے وہ پڑھنے والے بھی آئیں گے جو دنیا میں اس پر عمل کرتے تھے، ظاہر ہے پڑھنے والے الگ ہیں اور یہ آنے والے الگ ہیں، اس لئے لامحالہ ان کے عمل کا ثواب مراد لیا جائے گا۔

مگر اشکال پھر بھی باقی رہتا ہے، اگر قرآن اور زہراؤین معنوی چیزیں ہیں تو ثواب بھی معنوی چیز ہے، وہ کیسے آئے گا؟ اس لئے صحیح بات وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمائی ہے کہ یہ عالم مثال کے احوال ہیں اس عالم میں تمام معنویات متمثل ہونگی، ان کو وہاں پیکر محسوس ملے گا۔ حضرت شاہ صاحب نے باب عالم المثل میں اپنے اس دعویٰ پر بے شمار دلیلیں پیش کی ہیں، ان کو دیکھنا چاہئے۔

سورۃ بقرۃ اور سورۃ آل عمران میں ہم آہنگی

سورۃ الفاتحہ میں ہدایت طلبی کی درخواست تھی، سورۃ البقرۃ اس کے جواب سے شروع ہوئی ہے، قرآن کریم سبھی انسانوں کو خاص طور پر متقیوں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے، پھر متقیوں کے بالمقابل کافروں کا، پھر بیچ کے منافقوں کا تذکرہ کیا

ہے، اس کے بعد ایک رکوع میں توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر ہے، جو اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، پھر جہاں سے انسانیت کی ابتدا ہوئی ہے، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ان کی خلافت ارضی کا بیان ہے، پھر ان کی نسل میں سے بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوا ہے، ایک رکوع میں ان کو ایمان کی دعوت دی ہے، پھر بنی اسرائیل کے پہلے گروہ یہود پر اللہ کے گیارہ انعامات کا ذکر ہے، پھر ان کی پانچ گستاخیوں کا، پھر ان کی قساوت قلبی کے پانچ نتائج کا، پھر ان کی دوسری گیارہ برائیوں کا تذکرہ ہے، پھر آخر میں مسلمانوں کے ساتھ ان کے سولہ بد معاملات کا ذکر کر کے آیت ۱۳۳ پر ان کا تذکرہ ختم کر دیا ہے۔ اور بنی اسرائیل کے آخری گروہ عیسائیوں کا تذکرہ نہیں کیا، ان کا تذکرہ سورۃ آل عمران کی شروع کی توے آیات میں ہے۔

پھر آیت ۱۳۴ سے بنی اسماعیل کا تذکرہ شروع ہوا ہے، جو آیت ۱۶۲ تک چلا گیا ہے، پھر آیت ۱۶۳ سے ملت ابراہیمی اسماعیلی پر مبعوث خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات کا تذکرہ شروع کیا ہے، جو آخر سورت تک چلا گیا ہے، اور سورۃ بقرۃ مسلمانوں کی اس دعا پر پوری ہوئی ہے کہ الہی! ہماری اسلام کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں مدد فرما! جاننا چاہئے کہ بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) کے دو گروہ ہیں: یہود اور نصاری۔ عیسائی بھی بنی اسرائیل ہی تھے، سورۃ الصدف میں اس کی صراحت ہے، پھر پولوس نے عیسائیت کو عالمی مذہب بنایا ہے، سورہ آل عمران اس دوسرے گروہ کے تذکرے سے شروع ہوئی ہے، جزیرۃ العرب کے جنوب مشرق میں یمن ہے، اس کے شمالی حصہ میں نجران ہے، عہد نبوت میں یہاں عیسائیوں کی آبادی تھی، سنہ دس ہجری میں ان کا ایک موقر وفد مدینہ منورہ آیا، اس میں ان کے چودہ اکابر تھے، انھوں نے نبی ﷺ سے عیسیٰ علیہ السلام کی بہیت پر گفتگو کی، ان کے سامنے پیش کرنے کے لئے اس سورت کی توے آیتیں نازل ہوئیں، جن میں عقیدہ تثلیث اور ابہیت کی مدلل تردید ہے، غرض جس طرح سورۃ بقرۃ میں خطاب یہود سے تھا اس سورت میں نصاری سے ہے۔

پھر آخر سورت تک غزوۃ بدر واحد کا تذکرہ ہے، اور اس کا تعلق: ﴿وَإِنصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ سے ہے، مسلمانوں نے دعا کی تھی: اے اللہ! ہماری اسلام کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں مدد فرما! ان کو بتلایا کہ غزوۃ بدر میں اللہ نے مسلمانوں کی مدد کی، ان کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی، یہ مسلمانوں کا کافروں سے پہلا مقابلہ تھا، مسلمان نہتے تھے، کفار ہتھیاروں سے لیس تھے، پھر بھی مسلمانوں کو مجزاتی کامیابی حاصل ہوئی، اس کے ایک سال بعد کفار نے پھر مدینہ پر چڑھائی کی، اور احد پہاڑ کے دامن میں مقابلہ ہوا، شروع میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا، پھر پانسپلٹا، جو منافقین کی حرکت کا اور پچاس تیر اندازوں کی نافرمانی کا نتیجہ تھا، پھر میدان مسلمانوں کے ہاتھ آیا، دشمن دم دبا کر بھاگا۔ ان دونوں غزوات

کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ اور دونوں کی مختلف حالتوں کی مصلحتیں بیان کی ہیں۔

سورت کی ابتدائی آیات کا شان نزول: سن نو ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، اس وفد میں ساٹھ اشخاص تھے، جن میں چودہ معززین تھے، عبدالمسح، اسہم اور ابو حارثہ اس وفد کے امیر، نگران اور عالم و ترجمان تھے، اس وفد نے کئی دنوں تک رسول اللہ ﷺ کے پاس قیام کیا، توحید اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابیت کے مسئلہ پر کئی دنوں تک یہ لوگ آپ سے بحث کرتے رہے، آپ دلائل کے ذریعہ ان کی تردید فرماتے، لیکن یہ کسی طرح اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے، بالآخر آپ ﷺ نے ان کو مبالغہ کی دعوت دی۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۴:۴)

آيَاتُهَا ۲۰۰ (۳) سُوْرَةُ اَلْاِمْرَانِ مَدِيْنَةٌ (۸۹) رُكُوْعَاتُهَا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۙ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۗ مِنْ قَبْلُ هَدٰى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوْا نِقَامٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمٰوٰتِ ۗ هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۗ

الْحَمْدُ	الف، لام، میم	الْقَيُّوْمُ ^(۱)	تھانے والا	مُصَدِّقًا	سچا بتانے والی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	نَزَّلَ ^(۲)	اتاری (اس نے)	لِّمَا	ان کتابوں کو جو
لَا اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	عَلَيْكَ	آپ پر	بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے ہیں
اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الْكِتٰبُ ^(۳)	(خاص) کتاب	وَاَنْزَلَ	اتاری
الْحَيُّ	زندہ	بِالْحَقِّ	دین حق کے ساتھ	التَّوْرَةَ	تورات

(۱) القیوم: صیغہ مبالغہ، از قاتم: وہ ذات جو خود قائم اور دوسروں کو قائم رکھنے والی ہے (۲) نَزَّلَ تَنْزِيْلًا: رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا اتارنا، اور انزل انزالاً: یکبارگی اتارنا (۳) الْكِتٰبُ: ال عہدی ہے، مراد قرآن کریم ہے۔

وَالْإِنجِيلَ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ^(۱) إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ	اور انجیل اس سے پہلے راہ نما لوگوں کے لئے اور اتاری فیصلہ کن کتاب پیش کن لوگوں نے نہیں مانا اللہ کی باتوں کو	لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ	ان کے لئے درناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ ان پر کوئی چیز زمین میں	وَلَا فِي السَّمَاءِ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ ^(۲) فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ	اور نہ آسمان میں وہی ہیں جو ناک نقشہ بناتے ہیں تمہارا بچہ دانیوں میں جس طرح چاہتے ہیں نہیں کوئی معبود مگر وہی زبردست بڑی حکمت والے ہیں
--	--	---	--	---	--

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی راہ نمائی کے لئے قرآن کریم نازل کیا

یہ سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، کیونکہ اس کے شروع میں عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت کی نشی ہے، فرماتے ہیں: کائنات کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں، وہی زندہ جاوید ہیں، وہی کائنات کو سنبھالنے والے ہیں، پس وہی معبود برحق ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی اور ہمیشہ زندہ نہیں، ہر کسی پر موت آنے والی ہے، عیسیٰ علیہ السلام پر بھی موت آئے گی، نہ کوئی کائنات کو سنبھالنے والا ہے، عیسیٰ علیہ السلام یہود کی چیرہ دستیوں (زبردستیوں) سے خود کو نہیں بچا سکے، اللہ نے ان کو بچایا، اور آسمان میں اٹھالیا، پس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں!

اور قیوم (کائنات کو سنبھالنے والے) کی ذمہ داری ہے کہ وہ کائنات کی چارہ سازی (یاری) کرے، اس کی مادی اور روحانی ضروریات پوری کرے، مادی ضروریات کا انتظام تو اظہر من الشمس ہے، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے اب قرآن کریم نازل کیا ہے، جو دین کی تعلیمات پر مشتمل ہے، جن پر عمل کر کے انسان دارین میں سرخ زوہ ہو سکتا ہے، جیسے پہلے اسی مقصد سے تورات و انجیل کو نازل کیا تھا، وہ بھی لوگوں کی دینی راہ نمائی کے لئے نازل کی گئی تھیں، قرآن کریم ان کتابوں کو سچا بتاتا ہے، ان کی تکذیب نہیں کرتا، کیونکہ سب ایک چشمہ سے نکلنے والی نہریں ہیں۔

البتہ قرآن کریم کی ایک خاص صفت فرقان (فیصلہ کن) ہے، وہ حق اور باطل کو، صحیح اور غیر صحیح کو جدا کرتی ہے، یہود و نصاریٰ میں جن باتوں میں اختلاف ہے ان کا دو ٹوک فیصلہ کرتی ہے، مثلاً: یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ضلالت (۱) الفرقان: صیغہ صفت اور مصدر: حق کو باطل سے جدا کرنے والی چیز (۲) صَوَّرَ تصویرا: صورت گری۔

(دجال) قرار دیتے ہیں، اور جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو کافر کر دیا اور نصاریٰ ان کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، اور بیٹا باپ کے حکم میں ہوتا ہے، پس وہ بھی معبود ہیں۔

یہ ایک شخصیت کے بارے میں دو متضاد رائیں ہیں، قرآن نے اس اختلاف میں فیصلہ کیا کہ وہ دجال نہیں تھے، بلکہ مسیح ہدایت اور اللہ کے رسول تھے، اللہ کے بیٹے نہیں تھے، عمران کی ذریت اور مریم کے بیٹے تھے، پس وہ ہرگز معبود نہیں، معبود کی طرف دعوت دینے والے بندے ہیں۔ اس طرح قرآن: فرقان (فیصلہ کن کتاب) ہے۔

اب جو لوگ اللہ کی آیتوں (قرآن) کا انکار کریں گے: ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اللہ تعالیٰ زبردست اور مخالفوں سے انتقام لینے والے ہیں، انتقام لینے سے ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔

دلیل تو حید: پھر ایک اللہ کے معبود ہونے کی دلیل میں دو باتیں بیان کی ہیں: ایک: ان کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے، دوسرا ایسا کوئی نہیں۔ دوسری بات: اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، دوسرا کوئی وجود بخشنے والا نہیں، پھر ان کے سوا کوئی اور معبود کیسے ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہتے ہیں صورت گری کرتے ہیں، ناک نقشہ بناتے ہیں، آج تک کوئی دو انسان ہم شکل نہیں ہوئے، ہر ایک کی شکل و صورت جدا ہے، بلکہ فنگر پرنٹس (انگلیوں کے نشانات) بھی مختلف ہیں، ایسی قدرت والا اور کون ہے؟ وہی زبردست حکمت والی ہستی ہی معبود ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ!

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت (ناک نقشہ) بھی اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

الف، لام، میم — یہ حروف ہجا ہیں، ان کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، یہی آخری درجہ کے متشابہات ہیں

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ جاوید، ہر چیز کو سنبھالنے والے ہیں، آہستہ آہستہ آپ پر اپنی کتاب اتاری، جو

دین حق کی تعلیمات پر مشتمل ہے، وہ ان کتابوں کو سچا بتانے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں، اور قرآن سے پہلے

اللہ نے تورات و انجیل اتاری ہیں، جو لوگوں کے لئے راہ نمائیں، اور فیصلہ کن کتاب نازل کی، بے شک جن لوگوں

نے اللہ کی باتوں کا انکار کیا ان کے لئے دردناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والے ہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہیں جو بچہ دانیوں میں جس طرح چاہتے

ہیں تمہارا ناک نقشہ بناتے ہیں، ان کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست بڑے حکمت والے ہیں۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ
مُتَشَبِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ
وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرُّسُخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ
أَمْثَلُهُمْ ۖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۗ رَبَّنَا لَا تَزِرْ قُلُوبَنَا
بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۗ
رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْبِعَادَةَ ۗ

سب	كُلٌّ	پس پیچھے پڑتے ہیں وہ	فَيَتَّبِعُونَ	وہ جنہوں نے	هُوَ الَّذِي
ہمارے رب کے پاس سے ہے	مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا	اس کے جو تشابہ ہیں	مَا تَشَابَهَ	اتاری	أَنْزَلَ
اور نہیں نصیحت پذیر ہوتے مگر	وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا	اس سے چاہتے ہوئے	ابْتِغَاءَ	آپ پر	عَلَيْكَ
خالص عقل والے	أُولُو الْأَلْبَابِ	قتہ اور چاہتے ہوئے	الْفِتْنَةَ	خاص کتاب	الْكِتَابَ
اے ہمارے رب!	رَبَّنَا	اس کا مطلب	وَابْتِغَاءَ	اس کی بعض	مِنْهُ
نہ ٹیڑھا کر	لَا تُزِغْ	حالات نہ نہیں جانتے	تَأْوِيلِهِ	آیتیں	آيَاتٌ
ہمارے دلوں کو	قُلُوبَنَا	اس کا مطلب	وَمَا يَعْلَمُ	محکم (مضبوط) ہیں	مُحْكَمَاتٌ
بعد	بَعْدَ	مگر اللہ تعالیٰ	تَأْوِيلَهُ	وہ	هُنَّ
ہمیں راہ دکھانے کے	إِذْ هَدَيْتَنَا	اور مضبوط لوگ	إِلَّا اللَّهُ	اصل کتاب ہیں	أُمُّ الْكِتَابِ
اور بخشیں ہمیں	وَهَبْ لَنَا	علم میں	وَالرُّسُخُونَ	اور دیگر	وَ أُخَرُ
اپنے پاس سے	مِن لَدُنْكَ	کہتے ہیں	فِي الْعِلْمِ	تشابہ ہیں	مُتَشَبِهَاتٌ
مہربانی	رَحْمَةً	مانتے ہیں ہم اس کو	يَقُولُونَ	پس رہے وہ جو	فَأَمَّا الَّذِينَ
			أَمْثَلُهُمْ	ان کے دلوں میں	فِي قُلُوبِهِمْ
				کچی ہے	زَيْغٌ

(۱) جملہ وما يعلم: محل حال میں ہے (۲) الرسخون: مبتدا اور يقولون خبر ہے (۳) بعد: لائزغ کا ظرف ہے، اور إذ: تعلیلیہ بمعنی ان: مصدر یہ ہے، جیسے ﴿وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ﴾ ای لظلمکم۔

اس میں	فِیْهِ	اکٹھا کرنے والے ہیں	جَامِعٌ	بے شک آپ ہی	إِنَّكَ أَنْتَ
بے شک اللہ تعالیٰ	إِنَّ اللَّهَ	لوگوں کو	التَّائِسِ	بخشنے والے ہیں	الْوَهَّابُ
نہیں خلاف کرتے	لَا يُخْلِفُ	ایسے دن میں	لِیَوْمٍ	اے ہمارے رب!	رَبَّنَا
اپنے وعدے کے	الْبِعَادِ	نہیں کوئی شک	لَا رَيْبَ	بے شک آپ	إِنَّكَ

قرآن کریم میں دو قسم کی آیتیں ہیں: محکم اور متشابہ

محکم آیات سے استدلال کرو، متشابہات کے پیچھے مت پڑو

نجران کے عیسائیوں کا جو وفد نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تھا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدایا خدا کا بیٹا ہونے پر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے کہا تھا کہ سورۃ النساء (آیت ۱۷۱) میں ان کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہا گیا ہے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی صفت کلام اور اللہ کی روح تھے، پس ثابت ہوا کہ وہ اللہ کے بیٹے تھے، اور بیٹا باپ کی طرح ہوتا ہے، پس وہ خدا ہوئے۔

اس آیت کے ذریعہ ان کو جواب دیا ہے کہ قرآن کریم میں دو قسم کی آیات ہیں: محکم: یعنی واضح الدلالة۔ اور متشابہ: یعنی مبہم، غیر واضح الدلالة، اول: قرآن کی اصل آیات ہیں، ان پر دین کا مدار ہے، وہ محکم آیات کہلاتی ہیں، اور قرآن کریم میں سورۃ النساء کی اسی آیت میں اور دیگر آیات میں جگہ جگہ صاف صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہو سکتی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدایا خدا کا بیٹا قرار دینا کفر و شرک ہے، ان واضح آیتوں کو چھوڑ کر، غیر واضح لفظوں کو پکڑ کر بیٹھ جانا دل کی کجی کی علامت ہے!

سورۃ النساء کی (آیت ۱۷۱) یہ ہے: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۗ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحُ قُدُّسٍ رَافَعُنَا بِاللَّهِ وَرُسُلُهُمْ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۗ مَّا نَتَّبِعُوا خَيْرًا لَّكُمْ مِمَّا نَتَّبِعُ اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ ۗ سُبْحٰنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۗ مَلَكُهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے مت بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے علاوہ کوئی بات مت کہو، مسیح عیسیٰ ابن مریم محض اللہ کے رسول تھے، اور اللہ کا ایک کلمہ (بول) تھے جو اللہ نے مریم تک پہنچایا — یعنی وہ باپ کے بغیر اللہ کے کلمہ سخن سے پیدا ہوئے ہیں، وہ اللہ کی صفت سخن فی کون کا مظہر ہیں — اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں

— اضافت تشریف کے لئے ہے، یعنی ان کی روح معزز تھی، جیسے آدم علیہ السلام کی روح (سورۃ الحجر آیت ۲۹) —
 لہذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ مت کہو کہ خدا تین ہیں، ایسا کہنے سے باز آ جاؤ، اسی میں تمہاری بہتری ہے،
 اللہ تو ایک ہی معبود ہیں، وہ اس بات سے بالکل پاک ہیں کہ ان کا کوئی بیٹا ہو، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا
 ہے، اور سب کی دیکھ بھال کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں — اتنی واضح آیت میں سے دو لفظ غیر واضح الدلالہ کو پکڑ کر بیٹھ
 جانا کوئی عقلمندی کی بات ہے، یہ تو ناچنا نہیں آنگن ٹیڑھا والی بات ہے!

محکم و متشابہ:

محکم: (اسم مفعول) از احکام (باب افعال)، اس کے لغوی معنی ہیں: پختہ اور درست کرنا، اور محکم: وہ کلام ہے جس
 سے زبان کا جاننے والا ایک ہی معنی سمجھے، اس کی مراد بالکل واضح ہو، جیسے: ﴿إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ
 لَهُ وَلَدٌ﴾ اللہ تو ایک ہی معبود ہیں، وہ اس بات سے بالکل پاک ہیں کہ ان کا کوئی بیٹا ہو! یہ بالکل بے غبار بات ہے، یہی
 محکم آیت ہے۔ مگر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے الفوز الکبیر میں لکھا ہے کہ اعتبار پہلے زمانہ کے
 عربوں کا ہے، ہمارے زمانہ کے محققین کا جو بال کی کھال نکالتے ہیں، اور ہندی کی چندی کرتے ہیں: ان کی سمجھ کا اعتبار
 نہیں، کیونکہ فضول تحقیق و تدقیق ایسی لاعلاج بیماری ہے جو محکم کو مبہم اور معلوم کو نامعلوم بنا دیتی ہے (الخیر الکثیر ص: ۳۵۳)
 متشابہ: (اسم فاعل) از باب تفاعل، تشابہ الشیثان کے لغوی معنی ہیں: یکساں اور ہم شکل ہونا، فرق نہ رہنا، اور
 اصطلاح میں متشابہ وہ کلام ہے جو غیر مفہوم، غیر واضح یا مختلف معانی کا احتمال رکھتا ہو جیسے: ﴿كَلِمَاتٌ﴾ اور ﴿رُوحٌ قَنُتٌ﴾
 ان کا ایک مطلب وہ ہے جو اوپر بیان کیا، اور دوسرا مطلب نجران کے عیسائی وفد نے لیا، پس یہ متشابہ الفاظ ہیں۔

متشابہات کے مراتب:

پھر متشابہات کے مختلف درجات و احکام ہیں:

(الف) وہ کلام جس کی مراد بالکل ہی واضح نہ ہو، کچھ پتے نہ پڑے، جیسے مختلف سورتوں کے شروع میں حروف
 مقطعات (حروف ہجا) آئے ہیں، یہ اعلیٰ درجہ کے متشابہات ہیں، ان کے معانی ایک راز ہیں، جن کا برنے اس کو کھولنے
 کی کوشش کی ہے وہ پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے۔

(ب) ذات و صفات باری تعالیٰ کی کیفیات اوسط درجہ کے متشابہات ہیں، وہ انسان کی محدود عقل سے ماوراء ہیں،
 مثلاً: اللہ تعالیٰ کا عرش (تخت شاہی) پر متمکن ہونا، اس کی مراد واضح ہے کہ کائنات پر کنٹرول اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، مگر اس کی

حقیقت کا علم انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اس لئے کہ یہ ماورائے طبعی حقیقت ہے، یعنی دوسری دنیا کی بات ہے، اور انسان محسوسات کے دائرہ میں سمجھنے کا عادی ہے، اس لئے اس کی کھود کرید کرنے کے بجائے اجمالی طور پر ایمان رکھ کر کیفیت کو اللہ کے حوالے کرنا چاہئے۔

(ج) کبھی کلام کے پختہ وجوہ مختلف معانی ہو سکتے ہیں، یا تو اس وجہ سے کہ ضمیر کے مراجع مختلف ہو سکتے ہیں، یا لفظ دو معنی میں مشترک ہے، یا قریب پر بھی عطف ہو سکتا ہے، اور بعید پر بھی، یا جملہ میں عطف کا بھی احتمال ہے اور استیناف کا بھی، مثالیں الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر میں ہیں، ایسی جگہوں میں مراد مبہم ہو جاتی ہے، اور یہ صورتیں اذ کیا کی جولان گاہ ہیں، اور ان کی مراد کی تعیین میں کبھی اختلاف بھی ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں تقلید کے سوا چارہ نہیں۔

متشابہات کے بارے میں پختہ کار لوگوں کا موقف:

نادان لوگ پہلی اور دوسری قسم کے متشابہات کو لے دوڑتے ہیں، جیسا نجران کے عیسائیوں نے کیا، وہ آیات کے وہ معانی جو محکمات کے موافق ہوتے ہیں چھوڑتے ہیں، اور ان کے سطحی معانی لیتے ہیں جو قرآن کی تصریحات اور متواتر بیانات کے خلاف ہوتے ہیں، یہ ان کی کج روی اور ہٹ دھرمی ہے۔

بلکہ بعض فتنہ پسند لوگ تو ان آیات سے لوگوں کو مغالطہ دے کر گمراہی میں پھنساتے ہیں، اور کمزور عقیدہ والے متشابہات کو توڑ مروڑ کر اپنا مطلب نکالتے ہیں، حالانکہ ان کا صحیح مطلب اور حقیقی مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات و متشابہات: دونوں کو حق جانتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں، جن میں تناقض و تخالف کا احتمال نہیں، پھر وہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر صحیح مطلب نکال لیتے ہیں، اور جو حصہ ان کے دائرہ فہم سے بالاتر ہوتا ہے اس کو اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہی بہتر جانتے ہیں، ہمیں ایمان سے مطلب!

نیز علم میں پختہ کار لوگ اپنے کمال علمی اور قوت ایمانی پر مغرور و مطمئن بھی نہیں ہوتے، بلکہ استقامت اور فضل و عنایت کے طلب گار رہتے ہیں، تاکہ کمائی ہوئی پونجی ضائع نہ ہو جائے، وہ دعا کرتے ہیں کہ الہی! دل سیدھے ہونے کے بعد کج نہ کر دیئے جائیں، کیونکہ ایک دن ضرور آ کر رہے گا جس میں کج روجن مسائل میں جھگڑتے ہیں ان کا دو ٹوک فیصلہ کر دیا جائے گا، اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا (ماخوذ از فوائد شیخ الہند)

آیات پاک: — اللہ وہ ہیں جنہوں نے آپؐ پر اپنی کتاب اتاری، اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں، وہی قرآن کی اصل آیتیں ہیں، اور دوسری متشابہ ہیں — اب رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کی ان آیات کے پیچھے

پڑتے ہیں جو ان میں سے تشابہ ہیں، فتنہ پیدا کرنے کی غرض سے اور ان کا مطلب جاننے کے مقصد سے — عطف تفسیری ہے، دونوں باتوں کا مطلب ایک ہے — حالانکہ ان کا مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو علم میں پختہ کار لوگ ہیں وہ کہتے ہیں: ”ہمارا ان پر ایمان ہے، سب آیات ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں“ — اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو خالص عقل والے ہیں — وہی تشابہات میں غور و خوض سے بچتے ہیں۔

اور راتخین دعا کرتے ہیں: — اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کریں اس کے بعد کہ آپ نے ہمیں راہ دکھائی، اور ہمیں خاص اپنے پاس سے مہربانی سے نوازیں، بے شک آپ ہی بڑے بخشنے والے ہیں، اے ہمارے رب! بے شک آپ لوگوں کو ایک ایسے دن میں جمع کرنے والے ہیں جس میں ذرا شک نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کریں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۖ كَذَّابٌ ۖ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۖ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۖ

اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	جیسے حالت	كَذَّابٍ	بے شک جنھوں نے	إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
سخت سزا دینے والے ہیں	شَدِيدُ الْعِقَابِ	فرعون والوں کی	إِلِ فِرْعَوْنَ	اسلام قبول نہیں کیا	كَفَرُوا
کہہ دو	قُلْ	اور ان کی جو	وَالَّذِينَ	ہرگز کام نہیں آئیں گے	لَنْ تُغْنِيَ
ان لوگوں سے جنھوں نے	لِلَّذِينَ	ان سے پہلے ہوئے	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان کے	عَنْهُمْ
اسلام قبول نہیں کیا	كَفَرُوا	جھٹلایا انھوں نے	كَذَّبُوا	ان کے اموال	أَمْوَالُهُمْ
عنقریب مغلوب ہو گئے تم	سَتُغْلَبُونَ	ہماری آیتوں کو	بِآيَاتِنَا	اور نہ ان کی اولاد	وَلَا أَوْلَادُهُمْ
اور جمع کئے جاؤ گے تم	وَتُحْشَرُونَ	پس پکڑا ان کو	فَآخَذَهُمُ	اللہ سے کچھ بھی	مِنَ اللَّهِ شَيْئًا
دوزخ کی طرف	إِلَىٰ جَهَنَّمَ	اللہ نے	اللَّهُ	اور وہی لوگ	وَأُولَٰئِكَ هُمْ
اور برا ہے وہ بچھونا	وَبِئْسَ الْمِهَادُ	ان کے گناہوں کی وجہ سے	بِذُنُوبِهِمْ	دوزخ کا ایندھن ہیں	وَقُودُ النَّارِ

وفد نجران کو ایمان کی دعوت، اگر ایمان نہیں لائیں گے تو ہاریں گے اور برا حشر ہوگا

جب قیامت کا ذکر آ گیا تو اب وفد نجران کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ دارین میں سرخ رو ہوں، کیونکہ اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے تو کوئی چیز ان کو دنیا و آخرت کے عذاب سے بچا نہیں سکے گی، جو حال فرعونوں کا اور ان سے پہلے والوں کا ہوا وہی حال ان کا بھی ہوگا، انھوں نے بھی اللہ کی باتوں کو جھٹلایا تو وہ اپنے گناہوں کی پاداش میں پکڑے گئے، یمن والے بھی اسلام کے مقابلہ میں ہاریں گے، اور آخرت میں ان کو دوزخ کے عذاب سے سابقہ پڑے گا، اور دوزخ ان کا برا ٹھکانہ ہوگا۔

آیاتِ کریمہ: جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان کے ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے اموال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی! اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہونگے، جیسے فرون والوں کا اور ان سے پہلے والوں کا حال، انھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ ان لوگوں سے کہہ دو جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا کہ عنقریب تم ہارو گے، اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے، اور وہ برا پھوننا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأَى الْعَيْنُ ۗ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ زِينٌ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْأَحْرِيثِ ۗ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَبَإِ ۝

قَدْ كَانَ	تھیں تھی	التَّقَاتَا	ملی دونوں	اللَّهُ	اللہ کے
لَكُمْ	تمہارے لئے	فِئَةٌ	ایک جماعت	وَأُخْرَى	اور دوسری
آيَةٌ	بڑی نشانی	تُقَاتِلُ	لڑ رہی ہے	كَافِرَةٌ	مکفر ہے
فِي فِئَتَيْنِ	دو جماعتوں میں	فِي سَبِيلِ	راستے میں	يَرَوْنَهُمْ ^(۱)	دیکھتے ہیں وہ خود کو

(۱) فعل رویت میں ضمیر فاعل و مفعول کا مصداق ایک ہو سکتا ہے، جیسے راہبئی: دیکھا میں نے مجھ کو (خواب میں)

اور گھوڑوں سے	وَالْخَيْلِ	خوشنما بنائی گئی	رُيِّنَ	مسلمانوں سے دو چند	مِّثْلَيْهِمْ ^(۱)
نشان لگائے ہوئے	الْمُسَوَّمَةِ	لوگوں کے لئے	لِلنَّاسِ	آنکھ سے دیکھنا	رَأَى الْعَيْنِ
اور مویشی سے	وَالْأَنْعَامِ	خواہشات کی چاہت	حُبُّ الشَّهَوَاتِ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهِ
اور کھیتی سے	وَالْحَرْثِ	عورتوں سے	مِنَ النِّسَاءِ ^(۲)	قوی کرتے ہیں	يُؤَيِّدُ
یہ برتنے کا سامان ہے	ذَلِكَ مَتَاعُ	اور بیٹوں سے	وَالْبَنِينَ	اپنی مدد سے	بِنَصْرِهِ
دنیا کی زندگی میں	الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	اور خزانوں سے	وَالْقَنَاطِيرِ	جس کو چاہتے ہیں	مَنْ يَشَاءُ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	ڈھیر کئے ہوئے	الْمُقْتَضِرَةِ	بے شک اس میں	إِنَّ فِي ذَلِكَ
ان کے پاس	عِنْدَهُ	سونے سے	مِنَ الذَّهَبِ	البتہ سبق ہے	لَعِبْرَةً
اچھا ٹھکانہ ہے	حُسْنُ الْمَأْوَى	اور چاندی سے	وَالْفِضَّةِ	آنکھوں والوں کیلئے	لِلْأُولَى الْأَبْصَارِ

بدر میں کفار تین گنا تھے، مگر بری طرح ہارے

گذشتہ آیت میں وفد نجران سے کہا ہے: ﴿سَتُغْلِبُونَ﴾ ابھی ہارو گے، ایمان لاؤ، مقابلہ پر آؤ گے تو پسا ہوؤ گے، اس پر وہ خیال کر سکتے ہیں کہ دنیا میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے، پھر ہم کیسے ہاریں گے؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہار جیت کا مدار فوج کی کمی بیشی پر نہیں، اللہ کی مدد پر ہے، بدر میں مشرکین مکہ سہ چند (تنگنے) تھے، پھر بھی بری طرح ہارے، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدد کی تو انھوں نے پالا مار لیا، اس میں وفد نجران کے لئے سامانِ عبرت ہے، کاش وہ تعصب کا چشمہ اتار کر دیکھیں!

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ النَّقَاتِ، فِئَةٌ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأَى الْعَيْنِ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولَى الْأَبْصَارِ ﴿۱۷﴾﴾

ترجمہ: بالتحقیق تمہارے لئے بڑی نشانی ہے ان دو جماعتوں میں جو باہم بھڑیں، ایک جماعت راہِ خدا میں لڑ رہی تھی، اور دوسری کافر تھی، وہ سر کی آنکھوں سے خود کو (مسلمانوں سے) دو چند دیکھ رہے تھے — کفار تقریباً ایک ہزار تھے، جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے، جن کے (۱) مثلین: تشبیہ کی اضافت کی ہے، اس لئے نون گرا ہے، اور مطلق زیادتی مراد ہے، اس لئے دو چند ترجمہ کرتے ہیں، دو گنا ترجمہ نہیں کرتے، پس یہ تین گنا کو بھی شامل ہے، بدر میں کفار تین گنا تھے (۲) من: بیانیہ، الشہوات کا بیان ہے، آگے چھ چیزیں مذکور ہیں، جو درجہ بدرجہ ہیں۔

پاس کل ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں (فوائد شیخ الہند) اور دشمن نے عمیر بن وہب حجاجی کو مسلمانوں کی جماعت کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا، وہ گھوڑے پر سوار ہو کر دو دو چکر لگا کر واپس گیا اور کہا: کوئی کمین اور مد تو نہیں ہے مگر اے گروہ قریش! میں دیکھتا ہوں کہ مدینہ کے اونٹ موت احمر (قتل) کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہیں، خدا کی قسم! میں دیکھتا ہوں کہ جب تک وہ لوگ اپنے مقابل کو مار نہیں لیں گے میدان سے نہیں گئے نہیں! پس اگر ہمارے آدمی مارے گئے تو پھر زندگی کا لطف کیا؟ پس سوچ کر کوئی رائے قائم کرو — اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے جسے چاہتے ہیں قوی کرتے ہیں، بے شک اس میں یقیناً آنکھوں والوں کے لئے سامانِ عبرت ہے!

نجران کا وفد بات سمجھے ہوئے تھا، مگر مال و منال کی محبت ایمان کا روڑا بنی ہوئی تھی

رازی رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کی سیرت سے نقل کیا ہے کہ جب وفدِ نجران بہ قصدِ مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پادری ابو حارثہ بن علقمہ خنجر پر سوار تھا، خنجر نے ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی گرز کی زبان سے نکلا: ”برا آدمی برباد ہوا!“ قَعَسَ الْأَبْعَدُ! (خاکم بدہن! اس کی مراد نبی ﷺ تھے) ابو حارثہ نے کہا: تَعَسَتْ أُمَّكَ! تیری ماں برباد ہو! یعنی تو برباد ہو! گرز نے حیران ہو کر اس کلمہ کا سبب پوچھا، ابو حارثہ نے کہا: ”ہم بخدا خوب جانتے ہیں کہ یہ (نبی ﷺ) وہی نبی مُنْتَظَرٌ ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی ہے“ گرز نے کہا: پھر مانتے کیوں نہیں؟ ابو حارثہ نے جواب دیا: ”اگر ہم ان پر ایمان لے آئیں تو یہ بادشاہ جو بے شمار دولت ہم کو دے رہے ہیں، اور اعزاز و اکرام کر رہے ہیں سب واپس لے لیں گے“ اس وفد میں تین بڑے آدمی تھے: (۱) عبد المسیح عاقب، یہ قافلہ کا امیر اور سردار تھا (۲) اَبِيهِمُ السَّيِّدُ، رائے اور تدبیر بتاتا تھا (۳) ابو حارثہ بن علقمہ، سب سے بڑا مذہبی عالم اور لاٹ پادری تھا، یہ شخص عرب کے مشہور قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا، پھر پکا نصرانی بن گیا، سلاطینِ روم نے اس کی مذہبی پختگی اور مجدد و شرف کو دیکھتے ہوئے اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی، اور علاوہ بیش قرار مالی امداد کے، اس کے لئے گرجے تعمیر کئے، اور مذہبی امور کے اعلیٰ منصب پر مقرر کیا (فوائد شیخ الہند) گرز نے بھائی کی بات دل میں رکھ لی، اور بالآخر وہی بات ان کے ایمان کا سبب بنی، اب ایک آیت میں اسی کی بات کا جواب ہے کہ وہ لوگ حق واضح ہونے کے بعد محض دنیوی مفادات کی خاطر ایمان نہیں لائے، حالانکہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ مال و دولت اور جماعت کی کثرت خدائی سزا سے نہیں بچا سکتی، نہ آخرت میں عذاب الیم سے چھٹکارا مل سکتا ہے، دنیا کی بہار چند روزہ ہے، آخرت میں اچھا انجام مومنین ہی کے لئے ہے۔

﴿زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ

عِنْدَكَ حُسْنُ الْمَبَآءِ ﴿۷﴾

ترجمہ: لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت خوش نمابندی گئی، یعنی عورتیں، لڑکے، سونے چاندی کے لگے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، مویشی اور کھیتی، یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں برتنے کا سامان ہیں، اور اچھا ٹھکانہ اللہ کے پاس ہے! تفسیر: آیت میں چھ مرغوب چیزوں کا ذکر ہے، وہ درجہ بدرجہ اہم ہیں:

۱- مرد کے لئے سب سے زیادہ مرغوب عورت ہے، وہ دل رُبا ہے، اس میں پھنس کر آدمی آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، البتہ دنیا کا بہترین سامان بھی نیک بیوی ہے، جس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو جائے، اس کو حکم دیا جائے تو فرمان بردار پائے، شوہر کی غیر حاضری میں اس کے مال کی اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے، اس سے بہتر کیا چیز چاہئے!

۲- جاہلیت قدیمہ اور جدیدہ میں لڑکے محبوب ہیں، بیوی کے بعد ان کا نمبر ہے، لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے، لڑکے بڑھاپے کی لالچی ہیں اور لڑکیاں پر ایسا سرمایہ ہیں، مگر اسلام میں دونوں اولاد ہیں، اور دونوں یکساں پسندیدہ ہیں، بلکہ لڑکیاں دنیا میں نیک نامی اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہیں، ہمارے نبی ﷺ کا نام صاحبزادی کی اولاد سے روشن ہے۔

۳- القناطر: القنطار کی جمع ہے: مال کثیر، المقنطرة: اسم مفعول، ڈھیر کیا ہوا، مصدر قنطرة (باب فعللة) یہ القناطر کی صفت ہے، مبالغہ کے لئے، عربی میں تابع: مہمل نہیں ہوتا، معنی دار ہوتا ہے، اور وہ موصوف میں معنی کی زیادتی کرتا ہے، جیسے ظلاً ظليلاً: گھنا سا۔

۴- الْمُسَوِّمَةُ: اسم مفعول: نشان لگایا ہوا یعنی شاندار، ممتاز، مصدر تَسْوِيم (باب تفعیل) اسی سے سِمْاء ہے: چہرے کا نشان۔ عرب اپنے بہترین گھوڑے پر مخصوص نشان لگاتے تھے۔

۵- متاع: چند روز برتنے کا سامان، جیسے صافی (چولہے کا کپڑا) جب وہ میلی ہو جاتی ہے تو پھینک دیتے ہیں، اور دوسرا پرانا کپڑا اس کی جگہ رکھ دیتے ہیں، یہی حال دنیا کے مال سامان کا ہے، ایک دن اس کو چھوڑ کر چل دینا ہے!

قُلْ أَوْ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكُمْ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۷﴾ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا أَمَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۸﴾ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالسُّتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿۹﴾

قُلْ	آپ پوچھیں	خَلِدِينَ فِيهَا	سدا رہنے والے ان میں	إِنَّا آمَنَّا	پیشک ہم ایمان لائے
أَوْ نَذِّبُكُمْ	کیا میں تم کو تباؤں	وَأَزْوَاجٍ	اور بیویاں	فَاعْفُرْ لَنَا	پس بخشش دیں ہمارے لئے
بِخَيْرٍ	بہتر چیز	مُطَهَّرَةٌ	ستھری	ذُنُوبَنَا	ہمارے گناہ
مِّنْ ذَلِكُمْ	ان سے؟	وَرِضْوَانٍ	اور خوشنودی	وَقِنَا	اور بچائیں ہمیں
لِلَّذِينَ	ان لوگوں کے لئے جو	مِنَ اللَّهِ	اللہ کی	عَذَابِ النَّارِ	دوزخ کے عذاب سے
اتَّقُوا	ڈرتے ہیں	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	الضَّالِّينَ (۵)	صبر شعار
عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس	بَصِيرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں	وَالضَّالِّينَ	اور راست گفتار
جَنَّاتٍ	باغات ہیں	بِالْعِبَادِ	بندوں کو	وَالْقَانِتِينَ	اور فرمان بردار
تَجْرِي	بہتی ہیں	الَّذِينَ (۴)	جو لوگ	وَالْمُنْفِقِينَ	اور خرچ کرنے والے
مِن تَحْتِهَا (۳)	ان میں	يَقُولُونَ	کہتے ہیں	وَالْمُسْتَغْفِرِينَ	اور گناہ بخشوانے والے
الآنْهَرُ	نہریں	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	بِالْأَسْحَارِ	سحری کے وقت میں

مؤمنین کے لئے دنیا کے مال و منال سے بہتر نعمتیں ہیں

ابدی فلاح ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی جو نجران والوں کے پیش نظر ہیں، ان سے تو دنیا میں محض چند روز فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اور جو لوگ کفر و شرک سے بچ جائیں ان کے لئے آخرت میں تین نعمتیں ہیں، جو ان نعمتوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔

ایک: ان کو ایسے باغات ملیں گے جن میں نہریں رواں دواں ہیں، جن کی وجہ سے وہ باغ سدا بہار ہیں، اور وہ باغ ان کو ہمیشہ کے لئے ملیں گے، وہ ان میں سدا رہیں گے۔

دوم: ان کو وہاں پاکیزہ بیویاں ملیں گی، جو میل کچیل اور حیض و نفاس وغیرہ سے پاک صاف ہوں گی، کیونکہ جنت میں اولاد نہیں ہوگی، اس لئے حیض کی ضرورت نہیں رہے گی۔

سوم: اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمیشہ خوش رہیں گے، وہاں کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوگی جس سے اللہ ناراض

(۱) ذلکم: کا مشارک الیہ وہ چھ چیزیں ہیں جن کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے (۲) تقویٰ: سے مراد یہاں شرک و کفر سے بچنا ہے۔ (۳) من تحتها: ای فیہا، یہ قرآنی محاورہ ہے (۴) الذین: العباد کی صفت ہے (۵) تمام اسماء الف لام بمعنی الذی ہے۔

ہو جائیں، کیونکہ آخرت دار تکلیف نہیں، دار جزا ہے، اور یہ اللہ کی خوشنودی آخرت میں سب سے بڑی نعمت ہوگی۔

﴿قُلْ أَوْ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَٰلِكُمْ ۖ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ﴾

ترجمہ: آپ (نجران والوں سے) پوچھیں: کیا میں تم کو ان (دنیوی مال و منال) سے بہتر چیزیں بتاؤں؟ (جواب:) ان لوگوں کے لئے جو (شرک و کفر سے) بچ گئے: ان کے پروردگار کے پاس: (۱) ایسے باغات ہیں جن میں نہریں بہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (۲) اور پاکیزہ بیویاں ہیں (۳) اور اللہ کی خوشنودی ہے۔

اللہ تعالیٰ کامل مومنین کی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے

کفر و شرک سے توبہ کرنا اور ایمان لانا کمال کا ابتدائی درجہ ہے، ان کے لئے آخرت میں وہ نعمتیں ہیں جن کا ذکر اوپر آیا، پھر مومنین ایمان میں ترقی کرتے ہیں، ایمانی خوبیاں اپناتے ہیں، ان بندوں سے بھی اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں، ان کے احوال دیکھ رہے ہیں، ان کو آخرت میں ایسی نعمتوں سے نوازیں گے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔

ایمان میں کمال پیدا کرنے کے لئے — مثال کے طور پر — چھ باتیں ضروری ہیں:

۱- نعمتِ ایمان پر شکر گزاری — یعنی ایمان جیسی دولت پا کر بھی ان میں تکبر پیدا نہیں ہوتا، وہ ہر وقت نعمتِ ایمان کا شکر بجالاتے ہیں، کہتے ہیں: ”اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ہیں، لہذا اس کے طفیل ہمارے گناہ بخش دے، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے!“

۲- صبرِ شعاری — یعنی مصائب و مشکلات میں گھبراتے نہیں، خواہ کوئی افتاد پڑے اس کو برداشت کرتے ہیں، اور کفر کی طرف لوٹنے کو آگ میں جھونکے جانے کے برابر خیال کرتے ہیں۔

۳- راست گفتاری — یعنی وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، سچائی ہی ان کا کام ہوتا ہے، ان کی کوئی حالت سچائی سے خالی نہیں ہوتی، وہی بات کہتے ہیں جو سچی ہوتی ہے، ہمیشہ سچ بولنا بہت مشکل ہے، مگر وہ اس مشکل پر قابو پائے ہوئے ہیں۔

۴- فرمان برداری — یعنی ہمیشہ ان کو اللہ کے احکام کی تعمیل سے غرض ہے، ان کا ہر قدم اطاعتِ الہی کی طرف اٹھتا ہے، خواہ ایسا کرنا ان کے لئے کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو۔

۵- وجوہِ خیر میں خرچ کرنا — یعنی ان کی ہر چیز اللہ کے لئے حاضر ہے، کوئی بھی نیک کام سامنے آتا ہے تو وہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔

۶- رات کے پچھلے پہر اللہ کے سامنے جھولی پھیلانا — یعنی سحری کے وقت اٹھ کر دعا کرتے ہیں کہ الہی!

ہمیں اپنی نوازشوں سے نواز دے، ہمیں اپنی رحمت میں ڈھانپ لے، ہمیں بخش دے، وہ جانتے ہیں کہ ذات پاک ہر چیز سے بے نیاز ہے، ضرورت اگر ہے تو خود انسان کو ہے، وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ سب کچھ کرنے کے باوجود کچھ نہیں کیا، لہذا مغفرت طلبی کے سوا چارہ کیا ہے، اور وہ جانتے ہیں کہ بھیک مانگنے کے لئے موزوں وقت رات کا پچھلا پہر ہے، وہ قبولیت کا وقت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”ہر دن جب تہائی رات رہ جاتی ہے، تو حق تعالیٰ سمانے دنیا پر اترتے ہیں، اور اعلان فرماتے ہیں: میں دونوں جہاں کا بادشاہ ہوں، کوئی ہے جو اس وقت مجھ سے مانگے: میں قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے: میں اس کو بخشوں، پو پھٹنے تک یہی اعلان ہوتا رہتا ہے“

﴿وَاللَّهُ بِصِيْرٍ بِالْعِبَادَةِ ۝ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں جو کہتے ہیں: ”اے ہمارے پروردگار! بے شک ہم ایمان لائے، لہذا آپ ہمارے گناہوں کو بخش دیں، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیں، جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، حکم بجالانے والے، خیرات کرنے والے، اور رات کے آخری پہر میں گناہوں کی معافی مانگنے والے ہیں۔“

شَهِدَ اللهُ اَنْكَ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُو الْعِلْمِ قٰبِلًا بِالْقِسْطِ ۗ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

شَهِدَ ^(۱)	گواہی دی	وَ الْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتوں نے	لَا اِلَهَ ^(۳)	نہیں کوئی معبود
الله	اللہ نے	وَ اُولُو	اور والوں نے	اِلَّا هُوَ	مگر وہ
اَنْكَ	کہ شان یہ ہے	الْعِلْمِ	علم کے	الْعَزِيْزُ	زیرست
لَا اِلَهَ	نہیں کوئی معبود	قٰبِلًا ^(۲)	کھڑے ہونے والے	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے
اِلَّا هُوَ	مگر وہ	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ		

(۱) شہادت (گواہی) کے مفہوم میں اقرار، قسم اور پختگی ہوتی ہے، اور اس کے صلہ میں باء یا علی آتا ہے، جو انہ سے پہلے مقدر ہے، اور بغیر صلہ کے دیکھنے کے معنی ہیں، جیسے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾: پس جو ماہ رمضان کو دیکھے یعنی اس کا چاند دیکھے وہ اس کے روزے رکھے۔ (۲) قائم: اللہ کا یا ہو کا حال ہے، اور اولو العلم کا حال بھی ہو سکتا ہے، اولو: مشابہ جمع ہے، لفظاً مفرد ہے، اس لئے قائم اس کا حال ہو سکتا ہے، اور اہل علم عام ہے، خواہ انسان ہوں یا جنات۔ (۳) لا اِلَهَ اِلَّا هُوَ: تمہید لوٹا کر دو صفتیں ذکر کی ہیں، پس تکرار نہیں۔

توحید: شریعتوں کا متفقہ عقیدہ ہے، فرشتے اور انصاف پسند علماء اس کے گواہ ہیں

یہ سورت توحید کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر متعلقہ مسائل بیان کئے ہیں، اب پھر اصل مضمون (توحید) کی طرف روئے سخن ہے، فرماتے ہیں: توحید کے ماننے میں تردد کیوں ہے؟ یہ تو تمام شرائع کا متفقہ عقیدہ ہے، تمام آسمانی کتابوں میں مدلل و مؤکد طور پر اللہ تعالیٰ نے یہی مضمون نازل کیا ہے، یہی اللہ کی شہادت ہے، سورۃ الانبیاء کی (آیت ۲۵) ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا، اس کی طرف ہم نے یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو۔ اور فرشتے جو اللہ کے مقرب بندے اور نکو بنی امور کے اہلکار ہیں: سب کچھ جان کر اور دیکھ کر گواہی دیتے ہیں کہ عبادت کے لائق اللہ کے سوا کوئی نہیں، اور جن و انس جو مکلف مخلوق ہیں ان میں جو انصاف پسند ذی علم ہیں وہ بھی توحید کو تسلیم کرتے ہیں، حضرت شیخ الہند قدس سرہ حواشی میں لکھتے ہیں:

”علم والے ہر زمانہ میں توحید کی شہادت دیتے رہے ہیں، اور آج تو عام طور پر توحید کے خلاف ایک لفظ کہنا جہل محض کا مرادف سمجھا جاتا ہے، مشرکین بھی دل میں مانتے ہیں کہ علمی اصول کبھی مشرکانہ عقائد کی تائید نہیں کر سکتے“ — بیان القرآن میں بھی یہ احتمال ذکر کیا ہے۔

فائدہ (۱): یہود و توحید میں کپکے ہیں، میری لندن میں یورپ کے بڑے ربائی (پادری) سے ملاقات ہوئی، میں نے ان کے عقائد معلوم کئے، اس نے اپنے تیرہ مطبوعہ عقائد مجھے دیئے، ان میں جو سات عقیدے اللہ کے تعلق سے ہیں وہ بالکل اسلامی عقائد کے مطابق ہیں، ہمارا ان کا اختلاف باقی چھ عقائد میں ہے، وہ عیسیٰ رسول اللہ اور محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے۔

اور عیسائیوں نے ہر ڈالر پر لکھ رکھا ہے: تو کلنا علی اللہ: ہم اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، وہ بھی بڑا خدا اللہ ہی کو مانتے ہیں، پھر دو ذیلی خدا بھی مانتے ہیں، مگر گول گپا بھی کرتے ہیں، تین خداؤں کا لڈو بھی بناتے ہیں، اور وہ بھی محمد رسول اللہ کو نہیں مانتے، اس لئے کافر (منکر) ہیں، مگر توحید کو کسی درجہ میں مانتے ہیں۔

اور ہندو اللہ ہی کو ایثور (خالق) پر میثور (ودود) اور بھگوان (معبود) مانتے ہیں، مگر عبادت غیروں کی کرتے ہیں، جیسے جاہل مسلمان اولیاء کی قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان سے منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، مگر کرتا دھرتا اللہ کو مانتے ہیں، اور جو مذاہب انسانوں میں ہیں وہی جنات میں بھی ہیں، رہے کیونسٹ جو خدا کا انکار کرتے ہیں، اور ذہر (زمانہ) کو مؤثر مانتے ہیں، آڑے وقت وہ بھی اللہ کو پکارتے ہیں، غرض تمام انصاف پسند اہل علم توحید کی گواہی دیتے ہیں۔

فائدہ (۲): قائمہ بالقسط کو عام طور پر اللہ کا یاہو کا حال بناتے ہیں، اس صورت میں ترجمہ ہوگا: (اللہ نے گواہی دی) درانحالیکہ وہ انصاف کے ساتھ (کائنات کو) سنبھالنے والے ہیں، وہی معبود ہیں، جن کا اقتدار کامل ہے اور حکمت بھی، اب آگے سے جوڑ ہو جائے گا، مگر حال ذوالحال میں فصل ہو جائے گا، اگرچہ اجنبی کا فصل نہیں ہوگا۔

سوال: مشرکین کا پرانا خلیجان ہے کہ ایک خدا پوری کائنات کو کیسے سنبھال سکتا ہے، لامحالہ اس کے مددگار ہونگے، جن کی عبادت ضروری ہے۔

جواب: تمہید لوٹا کر دیا ہے کہ اللہ عزیز و حکیم ہیں، زبردست ایسے کہ ان کے فیصلہ سے کوئی سرتابی نہیں کر سکتا، اور حکمت و دانائی سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرتے ہیں، اس لئے ان کے لئے تنہا کائنات کو سنبھالنا کچھ مشکل نہیں، پس وہ اکیلے ہی معبود برحق ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں۔

آیت پاک: اللہ نے (تمام آسمانی کتابوں میں) اس بات کی گواہی دی ہے (یعنی مضبوط دلائل کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے) کہ ان کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے اور انصاف پسند اہل علم نے (بھی گواہی دی ہے کہ) ان کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست حکمت والے ہیں۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعٌ
الْحِسَابِ ۝

إِنَّ الدِّينَ	بے شک دین	أوتُوا الْكِتَابَ	آسمانی کتاب دیئے گئے	وَمَنْ يَكْفُرْ	اور جو انکار کرے
عِنْدَ اللَّهِ	اللہ کے نزدیک	إِلَّا مِنْ بَعْدِ	مگر بعد	بِآيَاتِ اللَّهِ	اللہ کی آیتوں کا
الْإِسْلَامُ	اسلام ہی ہے	مَا جَاءَهُمْ	آنے کے پاس	فَإِنَّ اللَّهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ
وَمَا اخْتَلَفَ	اور اختلاف نہیں کیا	الْعِلْمُ	علم کے	سَرِيعٌ	جلدی
الدِّينَ	ان لوگوں نے جو	بَغْيًا بَيْنَهُمْ	آپسی ضد کی وجہ سے	الْحِسَابِ	حساب لینے والے ہیں

(۱) الدین اور الإسلام: دونوں معارف ہیں اس لئے حصر ہوا ہے (۲) بغياً بینہم: اختلاف کا مفعول لہ ہے، اور بغی مصدر کے معنی ہیں: تجاوز کرنا، زیادتی کرنا۔

توحید کا علمبردار اسلام ہی سچا دین ہے، اسی سے نجات ہوگی

توحید کا داعی اسلام ہی اللہ کا دین ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں سے تمام انبیاء علیہم السلام پر ہمیشہ یہی دین نازل ہوا ہے، آج بھی نبی ﷺ پر دین اسلام ہی نازل کیا جا رہا ہے، یہی دین اللہ کے یہاں مقبول ہوگا، دوسرا کوئی دھرم اللہ قبول نہیں کریں گے، اور یہود و نصاریٰ اس سے خوب واقف ہیں کہ آپ ﷺ دین اسلام ہی پیش کر رہے ہیں، ان کی کتابوں میں اس کی وضاحت ہے، مگر جانتے بوجھتے محض ضد کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کر رہے، وہ اپنے مذاہب کی برتری چاہتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے نبی ﷺ کا لایا ہوا دین قبول کر لیا تو ہمیں عربوں کا ماتحت ہونا پڑے گا، اور ہماری بیٹی (بے عزتی) ہوگی، پس دوسرے لوگ ان کو کسوٹی (معیار) نہ بنائیں، یہ نہ سوچیں کہ اگر اسلام سچا دین ہوتا تو اہل کتاب اس کو کیوں قبول نہیں کر رہے؟ ان کا زمانہ تو علوم نبوت سے قریب ہے! لوگ یہ خیال نہ کریں، بڑھیں اور اس کو قبول کریں، ورنہ حساب کا دن جلدی آرہا ہے، جانچا جائے گا کہ کونسا دین لے کر آخرت میں آیا ہے، جو دین اسلام لے کر جائے گا وہی کامیاب ہوگا، دوسرے کسی بھی دھرم کے ماننے والے کامیاب نہیں ہوں گے۔

فائدہ (۱): قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے داخلہ امتحان ہوتا ہے، تین سوال ہوں گے: (۱) تیرا پروردگار کون ہے؟ یعنی کیا تو صرف اللہ کی عبادت کرتا تھا، یا اوروں کو بھی عبادت میں شریک کرتا تھا؟ (۲) تیرا دین کیا ہے؟ یعنی تو اللہ کے دین اسلام کو مانتا تھا یا کوئی اور دھرم مانتا تھا؟ (۳) نبی ﷺ کی زیارت کرا کر دریافت کیا جائے گا کہ ان کو تو کیا مانتا ہے؟ یعنی تو نے ان کے پیش کئے ہوئے اسلام کی پیروی کی ہے یا کسی اور پیغمبر کی؟ یہ اس بات کا امتحان ہے کہ اللہ نے جو دین اسلام نبی ﷺ پر نازل کیا ہے اس کو لے کر آخرت میں آیا ہے یا کوئی دوسرا دھرم لے کر آیا ہے؟ جو اللہ کا دین لے کر لوٹے گا وہ کامیاب ہوگا، دوسروں پر بے رحمی!

فائدہ (۲): کچھ لوگ وحدت ادیان کے قائل ہیں، وہ بر خود غلط ہیں، وہ کہتے ہیں: سب مذاہب برحق ہیں، راستے الگ الگ ہیں، مگر منزل سب کی ایک ہے، سب اللہ تک پہنچنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، البتہ کسی کا راستہ سیدھا ہے کسی کا ٹیڑھا، اس لئے سب اللہ تک پہنچیں گے، کوئی جلدی کوئی دیر سے۔

یہ خیال محض غلط ہے، یہ بات تو اس وقت ممکن ہے جب سب کا قبلہ توچہ (DIRECTION) ایک ہو، اگر رخ مختلف ہوں تو سب ایک منزل پر کیسے پہنچیں گے؟ ایک شخص اونٹ پر جا رہا ہے، پوچھا: کہاں جا رہا ہے؟ کہا: مکہ جا رہا ہوں، جبکہ رخ اس کا چائنا کی طرف ہے، اس سے کہا گیا کہ تو کبھی مکہ نہیں پہنچے گا، تو جس راستہ پر جا رہا ہے وہ چائنا کا راستہ ہے، جتنا چلے گا اتنا مکہ سے دور ہوگا، پس جو لوگ دو خدا مانتے ہیں (مجوسی) یا تین خدا مانتے ہیں (عیسائی) یا ہزاروں خدا مانتے

ہیں (ہندو) وہ ایک اللہ تک کیسے پہنچیں گے؟ ان کا ڈائریکشن ہی مختلف ہے، اللہ تک تو وہی پہنچے گا جو اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے، دوسرے تو کسی دوسری منزل (دوزخ) میں پہنچیں گے۔

آیت کریمہ: بے شک مذہب اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے (اس سے) اختلاف کیا ہے، ان کے پاس علم آجانے کے بعد، محض ان کے باہم جلنے کی وجہ سے، اور جو اللہ کی باتوں کا انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسَلْتُ وَجْهِي لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۖ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيَّةِ أَسَلْتُكُمْ فَإِنْ أَسَلُّوْا فَقَدْ اهْتَدَوْا ۗ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ ۗ وَاللَّهُ بِالصِّيرَةِ بِالْعِبَادِ عَلِيمٌ

فَإِنْ حَاجُّوكَ	پس اگر وہ آپ سے جھگڑیں	لِلَّذِينَ	ان لوگوں سے جو	فَقَدْ اهْتَدَوْا	تو یقیناً انہوں نے راہ پالی
فَقُلْ	تو آپ کہہ دیں	أُوتُوا	دیئے گئے	وَإِنْ	اور اگر
أَسَلْتُكُمْ ^(۲)	میں نے سپرد کیا	الْكِتَابَ	آسانی کتاب	تَوَلَّوْا	روگردانی کریں وہ
وَجْهِي	اپنا چہرہ	وَالْأُمِّيَّةِ	اور ان پڑھوں سے	فَإِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں کہ
لِلَّهِ	اللہ کو	أَسَلْتُكُمْ ^(۳)	کیا تم اسلام قبول	عَلَيْكَ الْبَلْغُ	آپ کے ذمہ پہنچانا ہے
وَمَنِ ^(۳)	اور ان لوگوں نے جنہوں نے	قَانَ	کرتے ہو؟	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
اتَّبَعَنِ	پیروی کی میری	بَصِيرَةٍ	پس اگر	بِالصِّيرَةِ	خوب دیکھنے والے ہیں
وَقُلْ	اور پوچھیں	أَسَلُّوْا	وہ مسلمان ہو جائیں	بِالْعِبَادِ	اپنے بندوں کو

اپنے اسلام کا اعلان کرو اور دوسروں کو اس کی دعوت دو، اگر نہ مانیں تو وہ جانیں

جب ثابت ہو گیا کہ دین اسلام ہی برحق دین ہے، وہی ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہوتا رہا ہے، اب خاتم النبیین ﷺ پر نازل ہو رہا ہے، جو اسلام کا آخری ایڈیشن ہے، اس کو قبول کرو، اور مسلمان ہو جاؤ، مگر لوگ کٹ جتی کریں

(۱) حَاجَّةٌ مُّحَاجَّةٌ: بحث و مباحثہ کرنا، حجت بازی کرنا، کٹ جتی کرنا، جھگڑنا (۲) أَسَلَّمَ أَمْرَهُ لَهٗ وَالِيهِ: اپنا معاملہ کسی کو سپرد کرنا (۳) مَنْ: معطوف ہے، أَسَلَّمْتُ كِي ضَمِيرٍ فَاعِلٍ پَر، فَصْل كِي وَجْهٍ سَعِ عَطْفٍ دَرَسَتْ هُوَ هِيَ۔ (۴) أَسَلَّمْتُكُمْ: صَوْرَةٌ اسْتِفْهَامٍ هِيَ، مَعْنَى أَمْرٌ هِيَ أَيْ أَسَلَّمُوا۔

گے، کہیں گے: ہم تو اپنے ہی سلسلہ کے انبیاء کو مانتے ہیں، اور اپنی ہی کتاب پر عمل کرتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے تو چھوڑو ان کو، تم اپنا اور اپنے تابعین کے اسلام کا اعلان کرو، اسلام کے معنی ہیں: سرافگندگی، یعنی تسلیم و انقیاد، بندہ خود کو اللہ کے حوالے کر دے، ہر باطل سے رخ پھیر لے، اور صرف اللہ کا ہو کر رہ جائے۔

اور اہل کتاب اور مشرکین کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ مان لیں تو راہِ راست پر آجائیں گے، اور نہ مانیں تو آپ اپنا فریضہ ادا کر چکے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں، وہ جب بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے تو انکار کی واقعی سزا چکھائیں گے۔

آیت پاک: پس اگر وہ لوگ (نجران والے) آپ سے بحث و مباحثہ کریں، تو آپ اعلان کر دیں کہ میں نے اپنا چہرہ اللہ کی طرف کر لیا، اور جنھوں نے میری پیروی کی — یعنی مسلمانوں نے بھی — اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھوں سے — عرب کے مشرکوں سے — پوچھیں: کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ پس اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو یقیناً وہ راہِ راست پر آگئے، اور اگر وہ چہرہ پھیریں تو آپ کے ذمہ بس دین پہنچانا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

لَاَۤاَۤلَۤاَۤلِۤذِیۤنَ یَکْفُرُوۡنَ بِآیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوۡنَ النَّبِیِّۤنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَیَقْتُلُوۡنَ
الَّذِیۡنَ یَأۡمُرُوۡنَ بِالْقِسۡطِ ۙ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۝۱۰ اُولٰٓئِکَ
الَّذِیۡنَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِی الدُّنۡیَا وَالْاٰخِرَةِ ۙ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ تَصۡدِیۡقٍ ۝۱۱

لَاَۤاَۤلِۤذِیۤنَ	بے شک جو لوگ	الَّذِیۡنَ	ان لوگوں کو جو	اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ	یہی لوگ جو
یَکْفُرُوۡنَ	نہیں مانتے	یَأۡمُرُوۡنَ	حکم دیتے ہیں	حَبِطَتۡ	ضائع ہو گئے
بِآیٰتِ اللّٰہِ	اللہ کی باتوں کو	بِالْقِسۡطِ	انصاف کرنے کا	اَعۡمَالُهُمۡ	ان کے کام
وَیَقْتُلُوۡنَ	اور قتل کرتے ہیں	مِنَ النَّاسِ	عام لوگوں میں سے	فِی الدُّنۡیَا	دنیا میں
النَّبِیِّۤنَ	نبیوں کو	فَبَشِّرْهُمۡ	پس خوشخبری سنا ان کو	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں
بِغَیْرِ حَقٍّ	ناحق	بِعَذَابٍ	عذاب کی	وَمَا لَهُمۡ	اور نہیں ہے ان کیلئے
وَیَقْتُلُوۡنَ	اور قتل کرتے ہیں	اَلِیۡمٍ	دردناک	مِّنۡ تَصۡدِیۡقٍ	کوئی بھی مددگار

اہل کتاب کی جھک کہ ہم تو اپنے انبیاء کی اور اپنے مصلحین ہی کی سنتے ہیں
اور آیا ہے: ﴿فَاِنَّ حَآجُوۡكَ﴾ اگر نجران والے آپ سے جھک کریں، اس کی پہلی مثال: وہ کہیں گے: آپ

اسرائیلی نہیں، اس لئے ہم آپ کا دین قبول نہیں کر سکتے، ہم تو اپنے انبیاء اور اپنے مصلحین ہی کی سنتے مانتے ہیں، اس کا جواب دیتے ہیں کہ تم تو اپنے انبیاء اور مصلحین کی بھی نہیں سنتے، وہ تمہیں جو اللہ کی باتیں بتاتے تھے تم ان کا انکار کرتے تھے، اور مصلحین تم کو ظلم سے روکتے تھے، اور انصاف کرنے کا حکم دیتے تھے، مگر تم ان کی بھی ایک نہیں سنتے تھے، تم نے کتنے ہی انبیاء اور مصلحین کو ناحق قتل کیا ہے، حدیث میں ہے: ”بنی اسرائیل نے ایک دن میں ۲۳۳ انبیاء کو، اور ۷۱ یا ۱۱۲ مصلحین کو شہید کیا ہے (فوائد شیح الہند) پس آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر دیدیں، اور ان کو بتادیں کہ ان کی لٹیاد دنیا و آخرت میں ڈوبے گی، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو ان کو عذاب سے بچالے۔

آیت پاک: بے شک جو لوگ اللہ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں — جو ان کو انبیاء بتاتے تھے — اور وہ ناحق انبیاء کو قتل کرتے ہیں، اور ان عام لوگوں کو (مصلحین امت کو) قتل کرتے ہیں جو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں، پس آپ ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادیں، انہیں لوگوں کے اعمال دنیا میں بھی ضائع ہوئے اور آخرت میں بھی، اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔

الْمُتَرِّ لِي الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ
شَمَّ يَتَوَلَّوْا فَرِيقًا مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۷۰﴾

الْمُتَرِّ	کیا نہیں دیکھا آپ نے	يُدْعَوْنَ	بلائے جاتے ہیں وہ	شَمَّ يَتَوَلَّوْا	پھر منہ پھیرتی ہے
لِي الَّذِينَ	ان لوگوں کو جو	لَا كِتَابِ	کتاب کی طرف	فَرِيقًا	ایک جماعت
أُوتُوا	دیئے گئے ہیں	اللَّهِ	اللہ کی	مِّنْهُمْ	ان میں سے
نَصِيبًا	ایک حصہ	لِيَحْكُمَ	تاکہ فیصلہ کرے وہ	وَهُمْ	اور وہ
مِّنَ الْكِتَابِ	آسمانی کتاب کا	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	مُعْرِضُونَ	تغافل برتنے والے ہیں

اہل کتاب کی کٹ جتی کہ ہم تو اپنی کتاب ہی پر عمل کرتے ہیں

یہود و نصاریٰ یہ بھی کہیں گے کہ ہم قرآن کو اس لئے نہیں مانتے کہ وہ ہمارے انبیاء پر نازل نہیں ہوا، ہم تو اپنی کتاب ہی پر عمل کرتے ہیں، ان کو جواب دیتے ہیں کہ تم اپنی کتاب پر بھی کہاں عمل کرتے ہو؟ تمہاری کتاب (تورات) کا اکثر حصہ تو تم نے ضائع کر دیا ہے، اس میں ہیر پھیر کر دیا ہے، اور جو حصہ باقی رہ گیا ہے اس پر عمل کرنے کی تم کو نبی ﷺ نے دعوت دی تو تم نے کئی کائی، رجم کی آیت چھپائی، پھر تم کس منہ سے دعویٰ کرتے ہو کہ ہم اپنی کتاب پر عمل کرتے ہیں؟

سنگساری کا وہ واقعہ جس میں یہود نے آیتِ رجم چھپائی تھی، حالانکہ وہ تورات میں باقی ماندہ اللہ کا حکم تھا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خبیر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا پھر ان میں سزا دینے کے بارے میں اختلاف ہوا، کیونکہ وہ لوگ شریف کو کچھ سزا دیتے تھے اور وضع کو کچھ، یہ زانی اور زانیہ بڑے لوگ تھے یا معمولی؟ اس میں اختلاف ہوا تو وہ یہ خیال کر کے کہ نبی ﷺ کی شریعت میں سہولت ہے: مقدمہ لے کر آپ کے پاس آئے، آپ نے پوچھا: تمہاری شریعت میں زنا کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا: ہماری شریعت میں زانی اور زانیہ کا منہ کالا کر کے ان کی تشہیر کی جاتی ہے، آپ نے فرمایا: تورات لاؤ، چنانچہ تورات لائی گئی اور عبد اللہ بن صوریانے پڑھنا شروع کیا وہ آیتِ رجم کو چھوڑ گیا۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے چوری پکڑی کہ آیتِ رجم کیوں چھوڑی؟ اس نے کہا: ہم نے اس حکم میں تبدیلی کر دی ہے پس آپ نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ”میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اس حکم کو زندہ کیا جس کو تم نے مار دیا تھا“ اس واقعہ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے ان کو ان کی شریعت کے مطابق رجم کیا تھا، اسلامی شریعت کے مطابق رجم نہیں کیا تھا۔

آیتِ پاک: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو آسانی کتاب کا ایک حصہ دینے گئے ہیں — یعنی تھوڑا بہت حصہ تورات و انجیل وغیرہ کا جو ان کی تحریفات لفظی و معنوی سے بچ چکا کر رہ گیا ہے (فوائد شیخ الہند) — وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ — یعنی نبی ﷺ — ان کے درمیان فیصلہ کریں، تو ان کا ایک گروہ روگردانی کرتے ہوئے کئی کاٹتا ہے!

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۳۹﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۰﴾

ذٰلِكَ	یہ بات (کٹ جتی)	إِلَّا أَيَّامًا	مگر دنوں	يَفْتَرُونَ	گھڑتے
بِأَنَّهُمْ	بائیں وجہ ہے کہ	مَّعْدُودَاتٍ	گنتی کے	فَكَيْفَ	پس کیا حال ہوگا
قَالُوا	انہوں نے کہا	وَغَرَّهُمْ	اور دھوکہ دیا ان کو	إِذَا جَمَعْنَهُمْ	جب جمع کریں گے، ہم ان کو
لَنْ نَمَسَّنَا	ہرگز نہیں چھوئے گی میں	فِي دِينِهِمْ	ان کے دین میں	لِيَوْمٍ	ایک ایسے دن میں
النَّارُ	دوزخ کی آگ	مَا كَانُوا	اس چیز نے جو تھے وہ	لَا رَيْبَ	کوئی شک نہیں

فِيهِ وَوُفِّيَتْ	اس میں اور پورا چکا یا جائے گا	كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ	ہر شخص جو کمایا اس نے	وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ	اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے
----------------------	-----------------------------------	------------------------------	--------------------------	---------------------------	---------------------------------

یہود و نصاریٰ کی جسارت کی وجہ اور اس کی سزا

اہل کتاب کی مذکورہ جسارت کی وجہ: ان کا سزا کی طرف سے بے خوف ہو جانا ہے، ان کے بڑے ایک جھوٹ بات کہہ گئے کہ ہمیں گنتی کے چند روز سے زیادہ عذاب نہ ہوگا، اس طرح کی اور بھی بہت سی باتیں انھوں نے گھڑ رکھی ہیں کہ ہم تو اللہ کی اولاد اور چہیتے ہیں، ہم انبیاء کی اولاد ہیں، اور اللہ نے یعقوب علیہ السلام سے عہد کیا ہے کہ ان کی اولاد کو سزا نہیں دیں گے، بلکہ یونہی برائے نام قسم کھولنے کو سزا دیں گے، اور نصاریٰ نے تو کفارہ کا عقیدہ چلا کر گناہوں کا سارا حساب ہی بے باق کر دیا ہے!

یہ لوگ گمراہیوں میں ٹانک ٹوئیاں مار رہے ہیں، محشر میں وہ اپنے بزرگوں کے سامنے رسوا ہونگے، اور ان کو ان کے ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا، نہ کفارہ کا مسئلہ کام آئے گا نہ نسبی تعلقات، نہ من گھڑت عقیدے! اور سزا بقدر استحقاق ملے گی، ذرہ بھران پر ظلم نہ ہوگا۔

آیات کریمہ: یہ بات (جسارت) اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہمیں (دوزخ کی) آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، مگر گنتی کے چند دن! اور ان کی من گھڑت باتوں نے ان کو اپنے دین کے معاملہ میں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ پس ان کا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک ایسے دن میں جو بے شک آنے والا ہے، اور اس دن ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ چکا یا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ ز
وَتُعْزِّزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذَلُّ مَنْ تَشَاءُ بِسِيْدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي	آپ کہیں: اے اللہ! اے ملک کے مالک! آپ دیتے ہیں	الْمَلِكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ	حکومت جسے چاہتے ہیں اور لے لیتے ہیں حکومت	مَنْ تَشَاءُ وَتُعْزِّزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذَلُّ	جس سے چاہتے ہیں اور عزت بخشتے ہیں جسے چاہتے ہیں اور رسوا کرتے ہیں
---	--	--	--	--	--

مَنْ نَشَاءُ بِيَدِكَ	جسے چاہتے ہیں آپ کے ہاتھ میں	الْخَيْرُ إِنَّكَ	ہر خیر ہے بے شک آپ	عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	ہر چیز پر قادر ہیں
--------------------------	---------------------------------	----------------------	-----------------------	-------------------------------	-----------------------

نفع و ضرر کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، حکومت سے کیا ڈرتے ہو!

وفد نجران کے رئیس ابو حارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی گرز سے کہا تھا کہ اگر ہم محمد (ﷺ) پر ایمان لے آئیں تو روم کے بادشاہ جو ہماری عزت کرتے ہیں اور ہمیں مال و زر سے نوازتے ہیں: یہ سب عنایات بند کر دیں گے! — اس کا جواب مناجات کی صورت میں دیا ہے کہ روم کی حکومت سے کیا ڈرتے ہو، نفع و ضرر کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، روم کے بادشاہ: بادشاہ نہیں، حکومت اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتے ہیں حکومت سے نوازتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں حکومت چھین لیتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں عزت کا تاج پہناتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں ذلت سے ہمکنار کرتے ہیں، نفع و ضرر کے وہی مالک ہیں، وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، پھر تم حکومت روم کی دی ہوئی عزت پر کیوں مفتون (دل دادہ) ہو! مارو گولی اس کو، اور ایمان لاؤ!

تنبیہ: ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ میں وَالشَّرُّ جھوڑ دیا ہے، خیر و شر کے خالق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، مگر چونکہ مناجات ہے اور مدح و ثنا کا موقع ہے، اس لئے شر کا تذکرہ مناسب نہیں، فہم سامع پر اعتماد کر کے اس کو حذف کر دیا ہے، چونکہ پہلے متقابلات آئے ہیں، اس لئے سامع خود اس متقابل کو سمجھ لے گا۔

آیت پاک: کہو: اے اللہ! اے حکومت کے مالک! آپ جسے چاہتے ہیں حکومت عطا فرماتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں لے لیتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں عزت عطا فرماتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں رسوا کرتے ہیں، ہر خوبی (اور ہر خرابی) آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، بے شک آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

تَوَلِّجُ الْبَيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تَوَلِّجُ النَّهَارَ فِي الْبَيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرزُقُ مَنْ نَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۶﴾

تَوَلِّجُ الْبَيْلَ فِي النَّهَارِ وَ تَوَلِّجُ	داخل کرتے ہیں آپ رات کو دن میں اور داخل کرتے ہیں آپ	النَّهَارَ فِي الْبَيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ	دن کو رات میں اور نکالتے ہیں آپ جاندار کو	مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ	بے جان سے اور نکالتے ہیں آپ بے جان کو جاندار سے
--	--	--	--	---	--

وَتَزُقُّ	اور روزی دیتے ہیں آپ	مَنْ تَشَاءُ	جس کو چاہتے ہیں	بِعَدْرِ حِسَابٍ	بے شمار (بے گنے)
-----------	----------------------	--------------	-----------------	------------------	------------------

پانسہ پلٹے گا، اللہ تعالیٰ حالات بدلتے ہیں

اب ایک سوال کا جواب ہے، اور مناجات ہی کی صورت میں ہے، سوال یہ ہے کہ جب ہزاروں سال سے نبوت بنی اسرائیل میں چلی آرہی ہے، وہ علوم الہی سے واقف ہیں، پھر آخری رسول ان میں کیوں مبعوث نہیں گئے؟ عرب کے ان پڑھ جن کو علوم الہی سے کوئی واسطہ نہیں، ان کو اس اعزاز سے کیوں سرفراز کیا گیا؟

اس کا جواب بھی مناجات کی صورت میں دیا ہے کہ پانسہ پلٹتا ہے، اللہ تعالیٰ حالات بدلتے ہیں، کیا تم غور نہیں کرتے: اللہ تعالیٰ رات کو گھٹا کر دن کو بڑھا دیتے ہیں، اور اس کے برعکس بھی کرتے ہیں، اور آدمی سے نطفہ اور نطفہ سے آدمی اور بیضہ سے مرغی اور مرغی سے بیضہ نکالتے ہیں، جاہل کو عالم اور عالم کو جاہل، کامل کو ناقص اور ناقص کو کامل کرنا اللہ کی قدرت میں ہے، پس اہل کتاب کا یہ خیال کہ جو بزرگی ہم میں تھی وہ ہمیشہ ہم میں رہے گی، یہ غلط خیال ہے، وہ اللہ کی قدرت سے غافل ہیں، سلطنت، عزت اور نبوت اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جس کو چاہتے ہیں حتیٰ اور معنوی رزق بے حساب دیتے ہیں، ایک وقت تھا کہ یہ فضیلت بنی اسرائیل کو حاصل تھی، اب یہ فضیلت بنی اسماعیل کے حوالے کی جا رہی ہے، اور جاہلوں کو عالم کر دینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں، وہ امیوں کو بنی اسرائیل سے بھی زیادہ علوم عطا فرمائیں گے۔

آیت پاک: (الہی!) آپ رات کو دن میں داخل کرتے ہیں، اور دن کو رات میں داخل کرتے ہیں، اور جاندار کو بے جان

سے نکالتے ہیں، اور بے جان کو جاندار سے نکالتے ہیں، اور آپ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عنایت فرماتے ہیں!

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ط
وَالَى اللَّهُ الْمُصِيبُ ﴿٧٨﴾

لَا يَتَّخِذِ	ند بنائیں	أَوْلِيَاءَ	دوست	وَمَنْ يَفْعَلْ	اور جو کرے گا
الْمُؤْمِنُونَ	مؤمنین	مِنْ دُونِ	وَرِے	ذَلِكَ	یہ
الْكَافِرِينَ	مکفرین کو	الْمُؤْمِنِينَ	مؤمنین کے	فَلَيْسَ	تو نہیں وہ

(۱) لا يتخذ: فعل نہی ہے، ملانے کے لئے ذال کو کسرہ دیا ہے۔

اپنی ذات سے	نَفْسَهُ	ان سے کچھ ڈرنا	مِنْهُمْ تَقَنَّةٌ	اللہ سے	مِنَ اللّٰهِ
اور اللہ کی طرف	وَالِى اللّٰهِ	اور چونکہ تم کو	وَيُحَذِّرُكُمْ	کسی چیز میں	فِي شَيْءٍ
لوٹنا ہے	الْمُحْصِيذِ	اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	مگر یہ کہ ڈرو تم	إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا ^(۱)

جب وہ ہم سے قریب نہیں آتے تو ہم ان کے قریب کیوں جائیں؟

وفدِ نجران تعصب (بے جا طرفداری) کا شکار تھا، وہ بنی اسماعیل کے رسول کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا، بنی اسرائیل! بنی اسرائیل! گائے جا رہا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ ان کو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے، چنانچہ حکم دیتے ہیں کہ مسلمان مسلمان ہی سے مودت (قلبی دوستی) کا تعلق رکھیں، دوسروں سے ایسا تعلق نہ رکھیں، ورنہ سخت سزا پائیں گے، ان کا اللہ سے کچھ تعلق باقی نہیں رہے گا، البتہ ضرر سے بچنے کے لئے مدارات (رکھ رکھاؤ) کا تعلق رکھ سکتے ہیں، مگر موالات کا تعلق ہرگز جائز نہیں، جو ایسا تعلق رکھے گا اس کو سخت سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں، لوٹ کر سب کو جانا اللہ ہی کے پاس ہے!

غیر مسلموں سے چار طرح کے تعلقات:

۱- موالات (مودت) یعنی دلی دوستی کا تعلق، یہ کسی حال میں کسی مقصد سے بھی جائز نہیں، کیونکہ دلی دوستی رنگ لاتی ہے، اور نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، اس لئے دینی ضرر کا اندیشہ ہے، اور دین کی حفاظت ضروری ہے، اس لئے اس قسم کا تعلق ممنوع ہے۔

۲- مدارات: یعنی رکھ رکھاؤ کا تعلق، ظاہری خوش خلقی کا تعلق، یہ تعلق تین حالتوں میں جائز ہے: دفع ضرر کے واسطے، کافر کی دینی مصلحت کے واسطے، یعنی اس کی ہدایت کے توقع سے، اور اکرام ضیف کے واسطے، کوئی غیر مسلم مہمان آئے تو اس کی خاطر داری کی جائے۔ اپنی مصلحت اور منفعت جان و مال کے لئے یہ تعلق جائز نہیں۔

۳- مواسات (غم خواری) کا تعلق یعنی حسن سلوک کرنا، یہ تعلق برسرِ پیکار کے ساتھ جائز نہیں، دوسروں کے ساتھ نہ صرف جائز ہے، بلکہ مامور بہ ہے، ہر مخلوق کے ساتھ حسن سلوک میں ثواب ہے۔

۴- معاملات کرنا، غیر مسلموں کے ساتھ جائز معاملات جائز ہیں، اور ناجائز معاملات ناجائز ہیں، جیسے ان سے سودی معاملات کرنا جائز نہیں۔

آیت پاک: ایمان والے: ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں (غیر مسلموں) کو دوست نہ بنائیں، اور جو ایسا کرے گا

(۱) اتقوا: اتقاء سے مضارع، جمع مذکر حاضر ہے، نون اعرابی ان کی وجہ سے محذوف ہو گیا ہے: بچنا، ڈرنا، پرہیز کرنا، تقہ: وقفی یقی کا مصدر ہے، اصل میں وقاۃ تھا، واو کو تاء سے بدلا ہے، اس کے معنی بھی ہیں: بچنا، ڈرنا، پرہیز کرنا۔

تو اللہ سے اس کا کچھ تعلق باقی نہیں رہے گا، البتہ اگر ان کے ضرر سے بچاؤ مقصود ہو (تو اور بات ہے) اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں، اور لوٹنا اللہ ہی طرف ہے!

قُلْ إِنْ تَحْفَظُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يُعَلِّمَهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۱﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحَضَّرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۲﴾

قُلْ	کہو	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	تَوَدُّ	آرزو کرے گا
إِنْ تَحْفَظُوا	اگر چھپاؤ تم	قَدِيرٌ	پوری قدرت رکھنے	لَوْ أَنَّ	کاش کہ
مَا	جو	يَوْمَ	والے ہیں	بَيْنَهَا (۳)	اس نفس کے درمیان
فِي صُدُورِكُمْ	تمہارے سینوں میں ہے	تَجِدُ	حس دن	وَبَيْنَهُ	اور اس دن کے درمیان
أَوْ تُبْدُوهُ	یا ظاہر کرو اس کو	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	أَمَدًا بَعِيدًا	بڑی دوری ہوتی
يُعَلِّمَهُ	جاننے ہیں اس کو	مَّا عَمِلَتْ	جو کیا اس نے	وَيُحَذِّرُكُمُ	اور چوکنا کرتے ہیں تم کو
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	مِنْ خَيْرٍ	نیک کام سے	وَاللَّهُ	اللہ تعالیٰ
وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں وہ	مُحَضَّرًا (۲)	موجود (سامنے)	رَءُوفٌ	اپنی ذات سے
مَا فِي السَّمَوَاتِ	جو آسمانوں میں ہے	وَمَا عَمِلَتْ	اور جو کیا اس نے	بِالْعِبَادِ	اور اللہ تعالیٰ
وَمَا فِي الْأَرْضِ	اور جو زمین میں ہے	مِنْ سُوءٍ	کسی برائی سے		نہایت شفیق ہیں
وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ				اپنے بندوں پر

و فد نجران کے دلوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں

نجران کا وفد حق کی تلاش میں نہیں آیا تھا، وہ خوب جانتے تھے کہ نبی ﷺ برحق پیغمبر ہیں، وہ وہ رسول ہیں جن کا ان کو

(۱) تَجِدُ: بمعنی تصادف ہے، یعنی اچانک سامنے آجائے گا، اور ما عملت: مفعول بہ ہے، من خیر: ما کا بیان ہے، اور محضراً: مفعول بہ کا حال ہے۔ (۲) ما عملت من سوء: مبتدا ہے، اور جملہ تود: خبر ہے (۳) بینہا کی مؤنث ضمیر نفس کی طرف عائد ہے، اور بینہ کی مذکر ضمیر برے عمل کی طرف عائد ہے، یعنی ما کی طرف یا سوء کی طرف۔

انتظار تھا، چنانچہ جب ان کو مہلہ کی دعوت دی گئی تو وہ پیچھے ہٹ گئے، اور جزیہ پر صلح کر کے واپس لوٹ گئے، اور وفد کے لاٹ پادری ابو حارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی کُرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس کا اعتراف بھی کیا تھا، یہ بات دوسرے لوگ بھی جانتے تھے، بلکہ وفد مناظرہ کرنے آیا تھا، اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنا مقصود تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت پر گفتگو کرنے آیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان سے کہہ دو: تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کو معلوم ہے، اس سے آسمانوں اور زمین کی کوئی بات پوشیدہ نہیں، اور وہ قادر مطلق ہیں، تمہاری گرفت کر سکتے ہیں، تم کس خیال خام میں ہو!

﴿ قُلْ إِنْ تَخْفَوْنَ مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يُعَلِّمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: کہہ دو: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، خواہ تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

وفد نجران کے دلوں میں جو اچھی بری باتیں ہیں وہ قیامت کے دن ظاہر ہونگی

وفد کے دلوں میں بھلی بات یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ نبی ﷺ برحق نبی ہیں، اور بری بات یہ تھی کہ ان پر ایمان نہیں لانا، اپنی بات ان سے منوانا ہے، یہ دونوں باتیں کل قیامت کے دن، جو بے شک آ کر رہے گا، ظاہر ہو کر رہیں گی، دونوں باتیں پیکر محسوس اختیار کریں گی، اس دن بات بنائے نہیں بنے گی، اور آدمی آرزو کرے گا: کاش میرے درمیان اور اس بری بات کے درمیان بون بچید ہوتا، یہ بات کبھی میرے سامنے نہ آتی، مگر چونکہ ہوا! اللہ تعالیٰ سب کچھ تمہارے سامنے کر دیں گے، وہ اپنے بندوں پر بڑے شفیق بڑے مہربان ہیں، یہ ان کو ایمان کی دعوت دی کہ تمہارے دلوں میں جو خیر کی بات ہے اس کو ظاہر کرو اور ایمان لاؤ، تاکہ اللہ کی شفقت و مہربانی سے حصہ پاؤ!

﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمِمَّا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: جس دن ہر شخص اُس نیک عمل کو جو اس نے کیا ہے اپنے سامنے موجود پائے گا، اور اس نے جو برا عمل کیا ہے اس کے بارے میں وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اس برے عمل کے درمیان بڑا فاصلہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتے ہیں — یعنی وہ اس بری بات کی سخت سزا دیں گے — اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑے شفیق ہیں! — پس ایمان لاؤ اور ان کی مہربانی سے حصہ پاؤ! — یہ ﴿يُحَذِّرُكُمُ﴾ کا معادل ہے یعنی

دوسری برابر کی صفت ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ﴿۳۲﴾

قُلْ	کہیں	وَيَغْفِرْ	اور بخشیں گے	أَطِيعُوا	حکم مانو
إِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	لَكُمْ	تمہارے لئے	اللَّهُ	اللہ کا
تُحِبُّونَ	محبت کرتے	ذُنُوبَكُمْ	تمہارے گناہ	وَالرَّسُولَ	اور (اس کے) رسول کا
اللَّهُ	اللہ سے	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	فَإِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر منہ پھیرو تم
فَاتَّبِعُونِي	تو میری پیروی کرو	غَفُورٌ	بڑے بخشنے والے	فَإِنَّ اللَّهَ	تو بے شک اللہ
يُحِبُّكُمْ	محبت کریں گے تم سے	رَحِيمٌ	بڑے مہربان ہیں	لَا يُحِبُّ	نہیں محبت کرتے
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	قُلْ	کہو	الْكَافِرِينَ	منکروں سے

نجران کے وفد کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت

ہر شخص کو اللہ سے فطری محبت ہے، اس لئے کہ وہ خالق ہیں، انھوں نے انسان کو وجود بخشا ہے، اور موجد سے ہر کسی کو محبت ہوتی ہے، کیا دیکھتے نہیں موجد کو اپنی مصنوعات سے، کاتب کو اپنی نگارشات سے، شاعر کو اپنے کلام سے، خطیب کو اپنی تقریر سے، مصنف کو اپنی تصنیفات سے اور اولاد کو ماں باپ سے محبت ہوتی ہے، بندوں کو اللہ سے محبت اس سے کہیں زیادہ ہے، اور محبت کا تقاضا محبوب کے اشاروں پر چلنا ہے۔ مگر ہر شخص راست اللہ تعالیٰ سے رابطہ نہیں کر سکتا، وہ ذات متعالی (برتر) ہے، ان کا دنیا میں نہ دیدار ممکن ہے نہ کلام سننا، بن دیکھے ان پر ایمان لانا ضروری ہے، اور ان کی باتیں بالواسطہ بندوں تک پہنچتی ہیں، فرشتہ احکام لاتا ہے اور منتخب بندے کو پہنچاتا ہے، پھر وہ بندہ ان احکام کو دوسروں تک پہنچاتا ہے، یہی سلسلہ از آدم تا ایں دم چل رہا ہے۔ اب آخری نبی تشریف لائے ہیں، دوسرے رسولوں اور نبیوں کا پر یڈ ختم ہو گیا ہے، ان کی تعلیمات مندرس ہو گئی ہیں، اب اللہ کی آخری کتاب کا نزول شروع ہوا ہے، پس جس کو اللہ سے محبت ہے، اور وہ اللہ کے احکام پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ نبی ﷺ پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے، اور اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیں گے، کیونکہ اسلام قبول کرنے سے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم

فرمانے والے ہیں۔

اور اگر نجران کا وفد اللہ کا حکم نہیں مانے گا، اور اللہ کے اس آخری رسول پر ایمان نہیں لائے گا تو وہ کان کھول کر سن لے کہ اللہ کو بھی ان بندوں سے محبت نہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتے، پس محبت یکطرفہ ہوگی، اس میں کیا مزہ! مزہ جب ہے کہ محبت دوطرفہ ہو، اور وہ نبی ﷺ کی پیروی پر موقوف ہے۔

نبی ﷺ کی پیروی سے منہ موڑنا اور اللہ کی محبت کا دم بھرنا فریبِ نفس ہے

آیاتِ کریمہ: کہیں: اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری پیروی کرو: اللہ تم سے محبت کریں گے، اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دیں گے، اور اللہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربانی فرمانے والے ہیں، بتا دو: کہا مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا، پس اگر تم نے منہ پھیرا تو اللہ تعالیٰ اسلام کا انکار کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے!

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۹﴾
ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۰﴾

بعض کی	مِنْ بَعْضٍ	اور خاندانِ عمران کو	وَآلَ عِمْرَانَ	بے شک اللہ نے	إِنَّ اللَّهَ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	جہانوں پر	عَلَى الْعَالَمِينَ	چن لیا	اصْطَفَىٰ
خوب سننے والے	سَمِيعٌ	درائچہ لیکہ وہ اولاد ہیں	ذُرِّيَّةً ^(۲)	آدم اور نوح کو	آدَمَ وَ نُوحًا
سب جاننے والے ہیں	عَلِيمٌ	ان کے بعض	بَعْضُهَا ^(۳)	اور خاندانِ ابراہیم کو	وَآلَ إِبْرَاهِيمَ ^(۱)

عیسائیوں کے اس خیال کی تردید کہ ہم تو اللہ کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں

پھر ہمیں کسی دوسرے پیغمبر کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟

جب وفد نجران کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، ہم تو اللہ کے بیٹے کی امت ہیں، اور وہ ہمارے سارے گناہوں کا کفارہ بن گئے ہیں، پس ہمیں کسی دوسرے شخص پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں — ان دو آیتوں میں اس کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں تھے، وہ تو ایک نہیں چار (۱) بعض کے نزدیک دونوں جگہ آل زائد ہے اور اگر زائد نہیں تو آلِ ابراہیم سے مراد بنی اسرائیل اور آلِ عمران سے مراد حضرت مریم ہیں۔ (۲) ذرّیۃ: اصطفیٰ کے مفعولوں کا حال ہے (۳) بعضہا کی ضمیر ذرّیۃ کی طرف لوٹی ہے۔

بڑوں کی اولاد تھے، ابو البشر آدم علیہ السلام کی، اول الرسل نوح علیہ السلام کی، ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی، اور بیت المقدس کے امام اور بنی اسرائیل کے حاکم عمران بن ماشان کی نسل سے تھے، پھر وہ اللہ کے بیٹے کیسے ہونگے؟ جاننا چاہئے کہ حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر اول ہیں، اور نوح علیہ السلام ابو البشر ثانی ہیں، اب سب انسان ان کی اولاد ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کی اولاد ہیں، پھر عمران بن ماشان ان کی اولاد میں ہیں، جو نیک بندے اور قوم کے امام اور سربراہ بھی تھے، ان کی صاحب زادی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پس ان کا نسب نانا کے ساتھ جڑے گا، جیسے سادات کا نسب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے نبی ﷺ کے ساتھ جڑتا ہے۔

آیاتِ کریمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے برتری بخشی ہے آدم و نوح کو اور اولاد ابراہیم کو اور اولاد عمران کو ساری دنیا پر، یہ ایک دوسرے کی نسل ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں — پس ان کی بات سونی صد درست ہے۔

اذْ قَالَتْ اٰمْرَاۗتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعْتُهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَاَلِیْسَ الذَّكَرُ کَالْاُنْثٰی وَاِنِّیْ سَتِیْتُهَا مَرِیْمَ وَاِنِّیْۤ اُحْسِنُ وَاَنْبِیْتُهَا نَبَاۗتًا حَسَنًا وَاَنْتَۤ اَعْلَمُ بِمَا نَزَحْنَا وَاَنْتَۤ اَعْلَمُ بِمَا نَحْنُ وَاَنْتَۤ اَعْلَمُ بِمَا نَحْنُ وَاَنْتَۤ اَعْلَمُ بِمَا نَحْنُ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَاَنْبَتَهَا نَبَاۗتًا حَسَنًا وَاَنْتَۤ اَعْلَمُ بِمَا نَحْنُ ۝ وَكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ۝ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۝ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنْتَۤ اَنْتَۤ اَعْلَمُ بِمَا نَحْنُ ۝ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

اذْ قَالَتْ	(یا کرو) جب کہا	اِنِّیْ	بے شک میں نے	فِیْ بَطْنِیْ	میرے پیٹ میں ہے
اٰمْرَاۗتُ	بیوی نے	نَذَرْتُ	منت مانی ہے	مُحَرَّرًا ^(۱)	آزاد کردہ
عِمْرٰنَ	عمران کی	لَكَ	آپ کے لئے	فَتَقَبَّلْ	پس قبول فرما
رَبِّ	اے میرے پروردگار!	مَا	اس بچہ کی جو	مِیْنِیْ	میری طرف سے

(۱) مُحَرَّرًا: ما کا حال ہے جو نذرت کا مفعول ہے

اس کے پاس زکریا (عبادت کے) کمرے میں پانی اس کے پاس روزی پوچھا اے مریم کہاں آئی تیرے پاس یہ روزی کہا اس نے: وہ اللہ کے پاس سے ہے بے شک اللہ تعالیٰ روزی دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں بے حساب (بے گنے)	عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابِ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنْتِ لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ	مریم اور بے شک میں اس کو پناہ میں دیتی ہوں آپ کے اور اس کی اولاد کو شیطان سے مردود پس قبول کیا اس کو اس کے پروردگار نے قبول کرنا اچھی طرح اور بڑھایا اس کو اچھا بڑھانا اور ملایا اس کو زکریا نے جب بھی گئے	مَرْيَمَ وَإِلٰهِيَّ اُعِيذُهَا بِكَ وَدُّرِيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسِيْنٍ وَ اٰنْبَتَهَا نَبَا تًا حَسَنًا وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ	بے شک آپ ہی خوب سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں پس جب جناس نے اس کو کہا اس نے اے میرے پروردگار بے شک میں نے جناس کو لڑکی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو اس نے جنا اور نہیں وہ لڑکا مانند اس لڑکی کے اور بے شک میں نے اس کا نام رکھا	اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّي وَضَعْتُهَا اُنْثٰى وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَ اِنِّي سَتِيْتُهَا
---	--	---	--	--	---

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عمران کی نسل سے تھے

جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا ماں کے پیٹ میں تھیں، ان کے ابا حضرت عمران گذر گئے، ان کی ماں نے منت مانی: جو لڑکا پیدا ہوگا وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا، ایسا وقف ان کی شریعت میں جائز تھا، پھر جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی ماں حیران ہوئیں، کیونکہ لڑکی خدمت کے لئے وقف نہیں کی جاتی تھی، لڑکا وقف کیا جاتا تھا، انہوں نے عرض کیا: الہی! میں نے تو لڑکی جنی، اب میری منت کا کیا ہوگا؟

(۱) وضعتہا کی ضمیر حمل کی طرف لوٹی ہے، چونکہ پیٹ میں لڑکی تھی، اس کی رعایت سے مؤنث ضمیر استعمال کی ہے (۲) الذکر اور الانثیٰ میں الف لام عہدی ہیں، وہ لڑکا یعنی مطلوبہ لڑکا، یہ لڑکی یعنی جنی ہوئی لڑکی۔

درمیان میں دو جملے معترضہ ہیں: ایک: اللہ کو سب کچھ معلوم ہے کہ اس نے کیا جنا ہے؟ دوسرا: مطلوبہ لڑکے سے یہ لڑکی بہتر ہے، چنانچہ اللہ نے اس لڑکی کو قبول فرمایا، حضرت زکریا علیہ السلام کے ذریعہ اس کی اطلاع دی گئی، پھر جب مریمؑ خود کفیل ہوئیں تو بیت المقدس کے حوالے کی گئیں، وہاں ان کی پرورش کے سلسلہ میں اختلاف ہوا، ہر مجاور ان کی پرورش کرنا چاہتا تھا، مگر قرعہ فال بنام زکریا علیہ السلام نکلا، اس کی تفصیل آگے (آیت ۴۴ میں) آرہی ہے، زکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے خالوتھے، اور وہ بیت المقدس کے ذمہ دار بھی تھے، انھوں نے حضرت مریمؑ کے لئے بیت المقدس میں ایک کمرہ خاص کر دیا، مریمؑ اس میں رہتی تھیں اور اللہ کی عبادت کرتی تھیں، حضرت زکریا علیہ السلام جب بھی ان کے کمرے میں جاتے تو بے موسم کے پھل پاتے، وہ تعجب سے پوچھتے: مریم! یہ پھل تیرے پاس کہاں سے آتا ہے؟ وہ جواب دیتیں: اللہ کے یہاں سے آتا ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عنایت فرماتے ہیں۔

کیسے عنایت فرماتے ہیں؟ — اس کو سمجھنا مشکل ہے، جس کے ساتھ معاملہ پیش آتا ہے وہی سمجھتا ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ مکہ میں قید تھے، ان کے پاس غیب سے انگور آتے تھے، جبکہ انگور کا موسم نہیں تھا، نہ مکہ میں انگور تھے، کوئی فرشتہ لا کر رکھ جاتا ہوگا۔ انبیاء کے ہاتھوں ایسی کوئی خرق عادت بات ظاہر ہوتی ہے تو اس کو ”معجزہ“ کہتے ہیں اور ولی کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے تو اس کو ”کرامت“ کہتے ہیں، اور کرامات اولیاء برحق ہیں، اور ولی مرد ہی نہیں ہوتا عورت بھی ولیہ ہوتی ہے، جیسے صدیق مرد ہی نہیں ہوتا عورت بھی صدیقہ ہوتی ہے۔

فائدہ: حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا کہ اللہ نے ان کی اچھی نشوونما کی، یعنی بچوں میں پلنے بڑھنے کی جو عام رفتار ہوتی ہے اس سے حضرت مریمؑ کی نشوونما کی رفتار تیز تھی، وہ جلدی سن بلوغ کو پہنچیں، جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نشوونما کی رفتار بھی تیز تھی، وہ نو سال میں رخصتی کے قابل ہو گئی تھیں۔

آیات کریمہ: (یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے پروردگار! میں نے آپ کے لئے اس بچہ کی منت مانی جو میرے پیٹ میں ہے، وہ فارغ کیا ہوا ہوگا، پس آپ میری یہ اولاد قبول فرمائیں، بے شک آپ خوب جاننے والے سب کچھ سننے والے ہیں۔

پس جب اس نے حمل جنا تو کہا: ”اے میرے پروردگار! میں نے تو لڑکی جنی!“ — اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو اس نے جنا، اور وہ لڑکا اس لڑکی کے مانند نہیں — اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں!

پس اس لڑکی کو اس کے پروردگار نے بہتر طور پر قبول کیا، اور اس کو عمدہ طریقہ پر پروان چڑھایا، اور زکریا اس کے

ذمہ دار بنے، جب بھی زکریا مریم کے پاس کمرے میں آتے تو اس کے پاس روزی پاتے، پوچھا: اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آتا ہے؟ جواب دیا اس نے: وہ اللہ کے پاس سے آتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں بے حساب روزی عطا فرماتے ہیں۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ، قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً،
 إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ، أَنَّ اللَّهَ
 يُبَشِّرُكَ بِيحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ
 الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلْمٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ
 قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۝ قَالَ آيَتُكَ الْأَى
 تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمَزًا وَادْكُرُّ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ
 وَالْإِبْكَارِ ۝

ہُنَالِكَ دَعَا	وہیں دعا کی	الدُّعَاءُ	دعا کو	ہَبْ لِي	پہنچائی کی
زَكَرِيَّا رَبَّهُ	زکریا نے اپنے رب سے	فَنَادَتْهُ	پس پکارا اس کو	مِّنْ لَّدُنْكَ	سچا بتانے والا
قَالَ رَبِّ	کہا: اے میرے رب!	الْمَلَكَةُ	فرشتوں نے	ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً	ایک بول کو
هَبْ لِي	عطا فرما مجھے	وَهُوَ قَائِمٌ	در انحالیکہ وہ کھڑے	إِنَّكَ سَمِيعُ	اللہ کی طرف سے
مِّنْ لَّدُنْكَ	خاص اپنے پاس سے	يُصَلِّي	نماز پڑھ رہے تھے	دَعَا	اور سردار
ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً	پاکیزہ اولاد	فِي الْمِحْرَابِ	عبادت کے کمرے میں	إِنَّكَ سَمِيعُ	اور عورتوں سے بے رغبت
قَالَ رَبِّ	بے شک آپ	أَنَّ اللَّهَ	کہ اللہ تعالیٰ	يُبَشِّرُكَ	اور پیغمبر
سَمِيعُ	خوب سننے والے ہیں	يُبَشِّرُكَ	آپ کو خوشخبری دیتے ہیں	يُبَشِّرُكَ	نیکوں میں سے

(۱) ہنالك: اسم ظرف: زمان و مکان: اس جگہ، اس وقت (۲) منحرب: نفس اور شیطان سے لڑنے کی جگہ، یعنی عبادت کا کمرہ
 (۳) یحیی: فعل مضارع، حیوا، جیتا رہے، اسم علم ہے (۴) مصدقا: اور آگے کے چار معطوفات: یحیی کے احوال ہیں (۵) حصور: حصور (رکنے) سے مبالغہ کا صیغہ، بروزن فَعُول: عورتوں سے بالکل بے رغبت، پاکیزہ و بلند کردار۔

قَالَ	عرض کیا اس نے	كَذَلِكَ اللَّهُ	اللہ تعالیٰ اسی طرح	النَّاسِ	لوگوں سے
سَرَبٍ	اے میرے پروردگار!	يَفْعَلُ	کرتے ہیں	ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ	تین دن
أَنْتَ يَكُونُ	کیسے ہوگا	مَا يَشَاءُ	جو چاہتے ہیں	إِلَّا رَمَزًا	مگر اشارے سے
لِيُعَلِّمَ	میرے لئے لڑکا	قَالَ سَرَبٍ	کہا: اے میرے رب!	وَأَذْكَرَ	اور یاد کریں
وَقَدْ بَلَغَنِي	حالانکہ پہنچ گیا ہے مجھے	اجْعَلْ لِي	مقرر فرما میرے لئے	رَبِّكَ	اپنے پروردگار کو
الْكِبْرُ	بڑھاپا	آيَةً	کوئی نشانی	كَثِيرًا	بہت
وَأَمْرًا نِي	اور میری بیوی	قَالَ	فرمایا	وَسَيِّحًا	اور پاکی بیان کریں
عَاقِرٌ	بانجھ ہے	أَيْتُكَ	آپ کی نشانی	بِالْعَشِيِّ	شام کے وقت
قَالَ	کہا	إِلَّا تُكَلِّمَ	یہ ہے کہ نہ بات کریں آپ	وَإِلَّا يَكْفُرَ	اور صبح کے وقت

حضرت یحییٰ علیہ السلام مصدق (منادی) تھے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبشر تھے

حضرت یحییٰ علیہ السلام اپنے خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منادی (اعلان کرنے والے) تھے، ان کی بعثت کا خاص مقصد یہی تھا، وہ اپنے بھائی سے چھ ماہ بڑے تھے، اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کی تمہید میں ان کا تذکرہ آتا ہے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی ﷺ کے لئے مبشر (خوش خبری سنانے والے) تھے، ان کی بعثت کا بھی یہ خاص مقصد تھا (سورۃ القف)

جب خالو حضرت زکریا علیہ السلام نے بھانجی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی مذکورہ کرامت بار بار دیکھی کہ ان کے پاس بے موسم کے پھل آتے ہیں تو دل میں اس آرزو نے انگڑائی لی کہ جو اللہ بے موسم پھل دیتا ہے وہ بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے، حضرت زکریا علیہ السلام لا ولد تھے، بوڑھے ہو گئے تھے اور بیوی بانجھ تھی، بہ ظاہر اولاد کی کوئی توقع نہیں رہی تھی، مگر مریم کی کرامت دیکھ کر دل میں دیرینہ آرزو جوان ہوئی، اور اللہ تعالیٰ سے اولاد کے طلب گار ہوئے، یہ امید باندھ کر کہ جب مریم کو بے موسم پھل ملتا ہے تو زکریا کو بے موسم میوہ (لڑکا) کیوں نہیں مل سکتا، آپ کی دعا قبول ہوئی، اور لڑکے کی بشارت ملی، اور نام بھی یحییٰ (جیوا) تجویز کر دیا، جو پانچ صفات کا مالک ہوگا:

۱- وہ کلمۃ اللہ کی — جو اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوگا — لوگوں کو پہلے سے خبر دے گا کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں، جب وہ مبعوث ہوں تو لوگ ان کی پیروی کریں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پانچ سو سال پہلے لوگوں کو نبی ﷺ کی بشارت سنائی تھی، تاکہ جب وہ ظاہر ہوں تو بنی اسرائیل ان کی پیروی کریں۔

۲- حضرت زکریا علیہ السلام بیت المقدس کے ذمہ دار مقتدی (سربراہ) تھے، ان کی ذمہ داری ان کے بعد یحییٰ علیہ السلام سنبھالیں گے، وہ قوم کے سردار ہونگے۔

۳- آپ پاکیزہ بلند کردار اور عورتوں میں بالکل بے رغبت ہونگے، حضور کے یہ سب معنی ہیں، بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد میں آتی تھیں، پھر جب ان میں فیشن شروع ہوا تو ان کو روک دیا گیا، جیسے نبی ﷺ کے زمانہ میں عورتیں مسجد نبوی میں آتی تھیں، پھر صحابہ نے ان کو روک دیا، پس سردار کو ایسا ہی ہونا چاہئے، لأن الناس علی دین ملوکھم: لوگ بڑوں کا طریقہ اپناتے ہیں۔ پس یہ خصوصی وصف ہے، اور خاص وجہ سے ہے۔

۴- آپ خود بھی نبی ہونگے، صرف منادی نہیں ہونگے، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام: خام الثمین ﷺ کے لئے مبشر تھے تو خود بھی خاتم انبیائے بنی اسرائیل تھے۔

۵- وہ صلاح و رشد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونگے، سبھی انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے ﴿مَنْ الصَّالِحِينَ﴾ کا تعلق متعلق ہو کر مستقل حال (صفت) ہے۔

جب زکریا علیہ السلام کو صاحبزادے کی خوش خبری ملی تو مخلوط (ملا جلا) رد عمل ہوا، ابھی تو لڑکے کے لئے دعا کر رہے تھے، اب کہنے لگے کہ پروردگار! میرے لڑکا کیسے ہوگا؟ میں نے بڑھاپے کی حدود کو چھو لیا ہے اور بیوی بانجھ ہے، یعنی ظاہری اسباب موجود نہیں، جواب ملا: اسی حال میں لڑکا ہوگا، اللہ کی قدرت سلسلہ اسباب کی پابند نہیں، گوسلسلہ اسباب و مسببات ہے، مگر خرق عادت بھی ہے۔

جب حوصلہ ملا تو عرض کیا: مجھے کوئی ایسی علامت بتادیں کہ حمل ٹھہر گیا ہے، تاکہ خوشی دو بالا ہو، اب شکر نعمت میں قدم آگے بڑھاؤں۔ جواب دیا: جب تمہیں یہ حالت پیش آئے کہ تین رات دن تک لوگوں سے بات کرنے کو جی نہ چاہے، اشارہ ہی سے بات کہہ سکو تو سمجھ لو کہ حمل قرار پا گیا، پس اللہ کو بکثرت یاد کرو، اور صبح و شام تسبیح میں لگے رہو۔

فائدہ: سالک (ذاکر) کو کبھی ایسی حالت پیش آتی ہے، کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، جی چاہتا ہے کہ بس ذکر و عبادت میں لگے رہیں، اور یہ حالت انقباض نہیں ہے، حالت انقباض میں تو ذکر و عبادت کرنے کو جی نہیں چاہتا، اس کو حالت انبساط کہہ سکتے ہیں، اس میں ہر وقت ذکر و عبادت میں لگے رہنے کو جی چاہتا ہے، کوئی بات کہنی ہوتی ہے تو آدمی اشارہ کر دیتا ہے۔

فائدہ: تامل (گھربار) کی زندگی افضل ہے، یا تجرد (یار نہ بار) کی زندگی بہتر ہے؟ امت کا فیصلہ ہے کہ عام حالات میں تامل کی زندگی افضل ہے، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خصوصی حال تھا، لأن افضل هذه الأمة اکثرها نساء: نبی ﷺ کے نکاح میں نوازا جمع ہوئی ہیں، پس یہ فعلاً تکبیر (عدم رضا) ہے۔

آیاتِ کریمہ: وہیں — یعنی مریمؑ کے پاس یا اسی زمانہ میں ﴿هُنَالِكَ﴾ طرفِ مکان بھی ہے اور زمانہ بھی —
 زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا: اے میرے پروردگار! مجھے خاص اپنے پاس سے نیک اولاد عطا فرما! بے شک
 آپ بہت دعا سننے والے ہیں، پس فرشتوں نے ان کو پکارا (دور سے بتایا) جبکہ وہ عبادت کے کمرے میں نماز پڑھ رہے
 تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتے ہیں، جو اللہ کے ایک بول کی تصدیق کرنے والا، اور سردار، اور بہت زیادہ
 ضبطِ نفس کرنے والا، اور پیغمبر، نیکوکاروں میں سے ہوگا، عرض کیا: میرے پروردگار! میرے کس طرح لڑکا ہوگا، مجھے بڑھاپا
 آ گیا ہے، اور میری بیوی بانجھ ہے؟ کہا: اسی طرح! کرتے ہیں اللہ جو چاہتے ہیں، عرض کیا: میرے پروردگار! میرے لئے
 کوئی نشانی مقرر کر دیجئے! فرمایا: آپ کے لئے نشانی یہ ہے کہ آپ تین دن تک لوگوں سے بات نہ کریں، مگر اشارے
 سے، اور اپنے پروردگار کو خوب یاد کریں، اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کریں۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاَصْطَفٰكِ عَلٰٓى نِسَآءِ
 الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاَسْجُدِيْ وَاٰزْكِعِيْ مَعَ الرُّكْعٰتِ ۝
 ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ
 اَقْلَامَهُمْ اِيْهُمْ يَكْتُلُ مَرْيَمُ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِذْ قَالَتِ
 الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۗ اَسْمُهُ النَّسِيْحُ عِيسٰى ابْنُ
 مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَاٰخِرَةِ ۗ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى
 الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنْتِ يَكُوْنُ لِيْ وَلَدًا وَّلَمْ
 يَمْسَسْنِيْ بَشْرٌ ۗ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۗ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
 لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

وَإِذْ قَالَتِ قَالَتْ	اور (یا دیکرو) جب کہا	المَلٰٓئِكَةُ ^(۱) يٰمَرْيَمُ	فرشتوں نے اے مریم	إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ	بے شک اللہ نے چن لیا تم کو
---------------------------	--------------------------	--	----------------------	----------------------------	-------------------------------

(۱) الملائكة (جمع) سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں، اور ایک لئے تعظیماً جمع استعمال کرتے ہیں (روح)

وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ يُمَرِّمُهُمْ أَقْنَتِي ^(۱) لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ	اور پاک کیا تم کو اور چن لیا تم کو عورتوں پر جہانوں کی اے مریم اطاعت کرو تم اپنے رب کی اور سجدہ کرو تم اور رکوع کرو تم رکوع کرنے والوں	ان میں سے کون پرورش کرے مریم کی اور نہیں تھے آپ ان کے پاس جب وہ جھگڑ رہے ہیں (یا کرو) جب کہا فرشتوں نے اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتے ہیں تم کو	أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يُومَرِّمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ^(۲) اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَدَّبِينَ وَيُكَلِّمُ	ان میں سے کون پرورش کرے مریم کی اور نہیں تھے آپ ان کے پاس جب وہ جھگڑ رہے ہیں (یا کرو) جب کہا فرشتوں نے اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتے ہیں تم کو اپنے ایک بول کی اس کا نام مسیح (مبارک) عیسیٰ بیٹا مریم کا بڑے مرتبہ والا دنیا میں اور آخرت میں اور مقرب لوگوں میں اور بات کرے گا	لوگوں سے پالنے میں اور بڑی عمر میں اور نیکو کاروں سے کہا مریم نے اے میرے پروردگار کیسے ہوگا میرے لئے بچہ اور نہیں ہاتھ لگایا مجھے کسی آدمی نے فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں جو چاہتے ہیں جب طے کرتے ہیں کوئی کام تو اس کے سوا نہیں کہ کہتے ہیں اس سے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے
--	---	---	---	---	--

(۱) اِقْنَتِي: فعل امر، صیغہ واحد مؤنث حاضر، قَنْتَ (ن) قُنْتُ: خدا کا فرمانبردار ہونا، کمال انکساری کے ساتھ اظہار بندگی کرنا۔

(۲) کَلِمَةٍ مِنْهُ: اضافت بواسطہ من ہے، اور سورۃ النساء (آیت ۱۷۱) میں ﴿كَلِمَةً﴾ بلا واسطہ اضافت ہے (۳) الکھل:

اوہیز عمر کا، تیس سال سے پچاس سال کی عمر کا آدمی۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی ذہن سازی

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا تذکرہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی تمہید میں آتا ہی ہے، اب حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی قبل از وقت ذہن سازی کرتے ہیں، فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا: ”اللہ نے آپ کو چن لیا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ اپنی قدرت ظاہر کریں گے، آپ باپ کے بغیر بیٹا جنمیں گی، اور اس مقصد سے آپ کو پاک صاف رکھا ہے، تاکہ کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ ملے، اور آپ کو دنیا جہاں کی عورتوں میں سے چن لیا ہے، یعنی اللہ نے اپنی قدرت ظاہر کرنے کے لئے آپ کا انتخاب کیا ہے، پس اے مریم! آپ کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگی رہیں، عبادت کرتی رہیں، اور اطاعت کا اعلیٰ فرد یہ ہے کہ آپ باجماعت نماز کی پابندی رکھیں۔

فائدہ: عورتوں کے لئے مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لئے آسانی نفسہ ممنوع نہیں، خوفِ فتنہ کی وجہ سے ممنوع ہے، پس جو عورت مسجد میں رہتی ہے وہ باجماعت نماز پڑھے گی، اسی طرح اگر کسی عورت کے لئے نماز پڑھنے کی کوئی جگہ نہ ہو تو وہ بھی مسجد میں جا کر باجماعت یا بے جماعت نماز پڑھ سکتی ہے، اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے لئے چونکہ ان کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک کمرہ خاص کر دیا تھا، جس میں وہ رہتی تھیں اور اللہ کی عبادت کرتی تھیں، اس لئے فرشتوں نے ان سے کہا کہ وہ باجماعت نماز پڑھا کریں۔

﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ لَيُرِيْمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰٓى نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَيُرِيْمُ اِقْنٰتِيْ لِرَبِّكِ وَاَسْجُدِيْ وَاَرْكَعِيْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ نے تم کو چن لیا ہے، اور تم کو پاک صاف رکھا ہے، اور تم کو دنیا جہاں کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب کیا ہے، اے مریم! اپنے رب کی فرمان برداری کریں، اور سجدہ کریں — یعنی عبادتیں کریں — اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کریں — یعنی باجماعت نماز پڑھیں — اور رکوع پانے والا رکعت پاتا ہے اس لئے ارکان نماز میں سے رکوع کو خاص کیا ہے۔

سوال: کہتے ہیں: اہل کتاب کی نماز میں رکوع وجود نہیں تھے، آج بھی وہ اپنی نمازوں میں رکوع سجدہ نہیں کرتے، پھر ﴿وَاَسْجُدِيْ وَاَرْكَعِيْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ﴾ کیسے درست ہوگا؟

جواب: قرآن و حدیث کے کلام میں مخاطبین کے محاورات کی رعایت ہوتی ہے ﴿الرَّحْمٰنُ عَلٰٓى الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾: اللہ تعالیٰ تختِ شاہی پر متمکن ہوئے، اور یا جوج و ما جوج آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے، یہ موجودین کے محاورات میں کلام ہے، اسی طرح اس آیت میں بھی اس امت کے تعلق سے کلام ہے، اور ﴿وَاَسْجُدِيْ﴾ مستقل ہے کہ کمال انکساری

کے ساتھ اظہار عاجزی کریں، تنہا بھی عبادت کریں اور ﴿وَازْكَبْ مَعَهُ الرَّكْعَيْنِ﴾: رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کریں، یعنی باجماعت نماز پڑھیں، تاکہ نماز کی پابندی رہے۔ حدیث میں ہے کہ جہاں تین آدمی بستے ہوں اگر وہ باجماعت نماز نہیں پڑھیں گے تو شیطان ان پر غالب آجائے گا، یعنی وہ پابندی سے نماز نہیں پڑھ سکیں گے۔

حضرت مریمؑ کی بلند کرداری نبی کے گھر میں پرورش پانے کی وجہ سے تھی

حضرت مریمؑ سے فرشتوں نے تین باتیں کہی ہیں۔ اللہ نے آپ کو جن لیا ہے، اللہ نے آپ کو سب عورتوں میں سے منتخب کیا ہے، یہ دونوں باتیں ایک ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنی قدرت کاملہ ظاہر فرمائیں گے، باپ کے بغیر آپ بچہ جنیں گی، اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں تھی، یہ تو اللہ کا انتخاب ہے۔ اور تیسری بات یہ کہی تھی کہ اللہ نے آپ کو پاک صاف رکھا ہے، عالم اسباب میں آپ کی بلند کرداری کی وجہ کیا تھی؟ اس کو بیان فرماتے ہیں کہ اللہ نے آپ کی پرورش نبی وقت کے گھر میں کرائی، اور گھر کے ماحول کا گھر کے افراد پر اثر پڑتا ہے، اس لئے حضرت مریمؑ نزاہت و طہارت میں بلند کردار پروان چڑھیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بیت المقدس کے حوالے کیا گیا تو ان کی پرورش کے معاملہ میں اختلاف ہوا، ہر مجاور پرورش کرنے کا خواہش مند تھا، کیونکہ ان کی مقبولیت کی اطلاع دی جا چکی تھی، پس فیصلہ کراماتی قرعہ اندازی پر ٹھہرا، طے پایا کہ سب بچے پانی میں اپنے قلم ڈالیں، جس کا قلم پانی میں بہ جائے وہ ہارے، اور جس کا قلم پانی پر چڑھے وہ جیتا، حضرت زکریا علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قَالَ قَلَمٌ ذَكَرِيَا (بخاری شریف، کتاب الشہادات، باب ۳۰) اس طرح حضرت مریم رضی اللہ عنہا اپنی خالہ اور خالو کی پرورش میں آگئیں۔

اس واقعہ کو قرآن نے دو حصوں میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے، اور واقعہ کے اجزاء کو مقدم و مؤخر کیا ہے، تاکہ دونوں حصے نبی ﷺ کی صداقت کی مستقل دلیل بنیں، فرماتے ہیں: جب وہ لوگ پانی میں قلم ڈال رہے تھے تو آپ وہاں موجود نہیں تھے، نیز جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے اس وقت بھی آپ وہاں موجود نہیں تھے، اور آپ امی تھے، اہل کتاب کی کتابوں کا مطالعہ آپ نے نہیں کیا تھا، نہ ان کے ساتھ میل جول رہا تھا، پھر اتنی صحت کے ساتھ آپ واقعات کیسے بیان کر رہے ہیں؟ جواب: آپ بیان نہیں کر رہے، بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، پس یہ بیان آپ کے نبی برحق ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ وحی انبیاء ہی پر آتی ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ عالم الغیب نہیں، جو باتیں آپ کو وحی سے بتائی جاتی تھیں وہی آپ ﷺ بتاتے تھے۔

﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقَوْنَ اَفْلاٰهُمُ
اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۗ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۳۰ ﴾

ترجمہ: یہ (بیان) بن دیکھی باتوں میں سے ہے، ہم اس سے آپ کو باخبر کر رہے ہیں، اور آپ ان لوگوں کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی پرورش کرے؟ — یہ واقعہ کا آخری حصہ ہے — اور آپ اس وقت (بھی) ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے — یہ واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے۔

وقت پرفرشتوں نے حضرت مریمؑ کو صاف صاف لڑکے کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی

پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وقت آیا تو فرشتوں نے دوبارہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو صاف صاف بتایا کہ آپ ”اللہ کے حکم“ سے لڑکا جنیں گی، اور اس لڑکے کے تعلق سے پانچ باتیں بھی بتائیں:

۱- اس لڑکے کا لقب مسیح (مبارک) ہوگا، اس کا نام عیسیٰ ہوگا، اور مریم کا یعنی آپ کا بیٹا ہوگا، اس کا کوئی باپ نہیں ہوگا جس کی طرف وہ منسوب ہو، اور وہ اللہ کا بیٹا نہیں ہوگا، بلکہ کلمہ کن سے پیدا ہوگا۔

۲- وہ لڑکا دنیا و آخرت میں باوقار ہوگا، دنیا میں اس کو حرامی کہہ کر کوئی بدنام نہیں کر سکے گا، اور آخرت میں تو چونکہ وہ نبی ہے، اس لئے باعزت ہوگا ہی!

۳- وہ اللہ کا مقرب بندہ ہوگا، دوسرے مقرب بندوں کی طرح وہ بھی اللہ کا پسندیدہ بندہ ہوگا۔

۴- وہ پیدا ہوتے ہی لوگوں سے بات کرے گا، اور اپنا بندہ ہونا اور خدا کی قدرت سے پیدا ہونا بیان کرے گا، پھر بڑی عمر میں بھی وہ لوگوں سے بات کرے گا، یعنی اس کو زندہ آسمان پر اٹھالیا جائے گا، پھر بڑی عمر میں اس کو زمین پر اتارا جائے گا، اس وقت بھی وہ لوگوں سے باتیں کرے گا۔

۵- وہ اللہ کا نیک بندہ ہوگا، یہ مکرر وصف ہے، تاکہ ان کا بندہ ہونا واضح ہو، اور ان کے خدا ہونے کی یا خدا کا بیٹا ہونے کی نفی ہو۔

جب فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو یہ خوش خبری سنائی، تو اگرچہ پہلے ان کی ذہن سازی کی جا چکی تھی، مگر ان کو اس خبر سے اچنبھا ہوا — اور بات تھی ہی اچنبھے کی! — انھوں نے عرض کیا: الہی! میرے بچہ کیسے ہوگا، مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا یعنی میری شادی نہیں ہوئی، اس سے عیسائیوں کے عقیدے کی تردید ہوگئی، انھوں نے یوسف نامی فرضی آدمی کو باپ تجویز کیا ہے — اللہ کی طرف سے جواب آیا: اسی طرح ہوگا، یعنی بغیر باپ کے بچہ ہوگا، اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، وہ جو چاہتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، کیا انھوں نے آدم و حوا علیہما السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا

نہیں کیا؟ اور کیا آج بھی ہزاروں جاندار مٹی سے پیدا نہیں ہوتے؟ پس ان کے لئے صرف ماں سے بچہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں: ہو، پس وہ ہو جاتا ہے۔ اور ہو کہنا بھی ارادہ کی تعبیر ہے، ہو کہنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، اللہ کا ارادہ ہی چیزوں کے وجود کی علت ہے۔

﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ لَیْمَرِیْمُ إِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکَ بِکَلِمَةٍ مِّنْهُ ۗ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۗ وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۗ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ یَكُوْنُ لِیْ وَاكِدًا ۗ وَلَمْ یَنْسَئْنِیْ بِشَیْءٍ ۗ قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۗ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَاَیْکُوْنُ ۗ﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: ”اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں خوش خبری دیتے ہیں اپنے ایک کلمہ (بول) کی۔ یعنی اللہ کے محض حکم سے تم بچہ جنوگی۔ جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، وہ باوقار ہوگا دنیا و آخرت میں، اور مقرب بندوں میں سے ہوگا، وہ لوگوں سے بات کرے گا پالنے میں اور بڑی عمر میں، اور نیکوں میں سے ہوگا۔“
 مریم نے عرض کیا: ”اے میرے پروردگار! میرے بچہ کیسے ہوگا، درانحالیکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا؟“
 فرمایا: ”اسی حالت میں ہوگا!“ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں، جب وہ کوئی کام کرنا طے کرتے ہیں تو بس اس سے کہتے ہیں: ہو، پس وہ ہو جاتا ہے۔

سوال: تو والد و تاسل کا جو سلسلہ آدم و حوا علیہما السلام کے بعد سے مردوزن کے ذریعہ چل رہا تھا، اس کو عیسیٰ علیہ السلام میں ایک فرد (ماں میں) کیوں جمع کیا، کسی اور میں اللہ نے یہ قدرت کیوں ظاہر نہیں کی؟ یعنی اس قدرت کے اظہار کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟

جواب: عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ نے اپنی یہ قدرت اس لئے ظاہر کی کہ وہ نبی ﷺ کی ختم نبوت کی دلیل (نشانی) بنے، نبی ﷺ عیسیٰ علیہ السلام سے متصل آئے ہیں، درمیان میں کوئی نبی نہیں، آپ عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو ستر سال بعد آئے ہیں، اور حسی سلسلہ ایک فرد میں جمع کرنا زیادہ مستبعد ہے معنوی سلسلہ جمع کرنے سے، پس عیسیٰ علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے یہ کرشمہ دکھایا تاکہ لوگ، خاص طور پر بنی اسرائیل، اس سے ختم نبوت کامل پر استدلال کریں، مگر افسوس! خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا!

وَلِیُعَلِّمَهُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ التَّوْرَةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۗ وَ رَسُوْلًا اِلَیْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ ۗ اِنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیٰتٍ مِّنْ رَبِّکُمْ ۗ اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ

فَأَنْفَعُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ، وَ أُبْرِيءُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُخِي النُّوْتِي بِإِذْنِ اللَّهِ، وَأُنْبِتُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخُرُونَ، فِي بُيُوتِكُمْ، إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ، إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَإِلَّا جَلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ، فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا، إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ، هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولًا ^(۱)	اور سکھلا میں گے وہ ان کو اپنی کتاب (قرآن) اور داناتی کی باتیں (حدیثیں) اور تورات اور انجیل اور (بھیجیں گے ان کو) رسول بنا کر	آتِيَّ	اور سکھلا میں گے وہ ان کو اپنی کتاب (قرآن) اور داناتی کی باتیں (حدیثیں) اور تورات اور انجیل اور (بھیجیں گے ان کو) رسول بنا کر	کہ میں	پناؤں گا تمہارے لئے	بناؤں گا تمہارے لئے	بہ حکم خداوندی
إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ	بنی اسرائیل کی طرف	فَأَنْفَعُ فِيهِ	پھر پھونکوں گا اس میں	مٹی سے	جیسے شکل	مٹی سے	اس سے جو کھاتے ہو تم
آتِيَّ قَدْ جِئْتُكُمْ	(کہیں گے) کہ میں تحقیق آیا ہوں تمہارے پاس	فَيَكُونُ طَيْرًا	پس ہو جائے گا وہ پرندہ (اڑنے والا)	پرندے کی	پرندے کی	پرندے کی	اپنے گھروں میں
بِأَيِّهِ مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	بِإِذْنِ اللَّهِ	بہ حکم خداوندی	پھر پھونکوں گا اس میں	پھر پھونکوں گا اس میں	پھر پھونکوں گا اس میں	بے شک اس میں
بِأَيِّهِ مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	وَأُبْرِيءُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُخِي النُّوْتِي	اور چنگا کروں گا میں	مٹی سے	جیسے شکل	مٹی سے	البتہ بڑی نشانی ہے
بِأَيِّهِ مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	وَأُنْبِتُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخُرُونَ	مادرزادانہ سے کو	جیسے شکل	جیسے شکل	جیسے شکل	تمہارے لئے
بِأَيِّهِ مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	فِي بُيُوتِكُمْ	اور کوڑھی کو	پرندے کی	پرندے کی	پرندے کی	اگر ہو تم
بِأَيِّهِ مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ	اور زندہ کرونگا میں	پرندے کی	پرندے کی	پرندے کی	ماننے والے
بِأَيِّهِ مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ	مردوں کو	پرندے کی	پرندے کی	پرندے کی	اور (آیا ہوں میں) سچا
بِأَيِّهِ مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ	مردوں کو	پرندے کی	پرندے کی	پرندے کی	بتانے والا بن کر
بِأَيِّهِ مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّكُمْ	مردوں کو	پرندے کی	پرندے کی	پرندے کی	اس کتاب کو جو مجھ سے پہلے آئی ہے

(۱) رسولاً: کا عامل یُعَلِّمُهُ محذوف ہے (۲) انی سے پہلے بقول محذوف ہے (۳) روح پڑنے سے پہلے محض پرندے کی شکل ہوتی ہے۔ (۴) مصدقا: کا عامل جِئْتُ محذوف ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ میرے پروردگار ہیں اوتوہم اے پروردگار ہیں پس عبادت کرو ان کی یہ راستہ ہے سیدھا	إِنَّ اللَّهَ رَبِّيَ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ	اور آیا ہوں میں تمہارے پاس بڑی نشانی کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے پس ڈرو اللہ سے اور کہا مانو میرا	وَجِئْتُكُمْ ^(۱) بِآيَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ	یعنی تورات تا کہ جائز کروں میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو حرام کی گئی ہیں تم پر	مِنَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ
--	---	--	--	--	---

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ

خاص علوم، خاص نبوت، معجزات، سابقہ شریعت کی اصلاح، توحید کی تعلیم

۱- خاص علوم: انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے، پس اس کا علم اللہ نے ان کو عطا فرمایا، اور انجیل تورات کا ضمیمہ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت موسوی پر مبعوث کئے گئے ہیں، اس لئے ضروری تھا کہ تورات کا علم بھی ان کو دیا جائے، اور آخر زمانہ میں جب ان کا نزول ہوگا تو شریعت محمدی کی پیروی کریں گے، اور اسی کے مطابق امت محمدیہ کی راہ نمائی کریں گے، پس ضروری ہوا کہ قرآن وحدیث کا بھی ان کو علم دیا جائے، ان کے زمانہ میں ان کو تورات وانجیل کا علم دیا، اور آخر زمانہ میں ان کو قرآن وحدیث سکھلائیں گے، انبیاء کسی سے پڑھتے نہیں، اللہ ان کو علم دیتے ہیں، پس یہ چار علوم عیسیٰ علیہ السلام کے خاص علوم ہیں۔

اور یہاں اور سورۃ المائدہ (آیت ۱۱۰) میں کتاب وحمت کو مقدم کیا ہے، حالانکہ ان کا علم بعد میں عطا فرمایا جائے گا، ایسا ان کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کیا ہے، جیسا میراث کی آیتوں میں وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کو تین جگہ دین پر مقدم کیا ہے۔ پس یہ آیت رفع عیسیٰ اور نزول عیسیٰ کی دلیل ہے۔

فائدہ: کتاب وحمت کے الفاظ قرآن میں پانچ جگہ آئے ہیں، تین جگہ نبی ﷺ کے فرائض کے تذکرے میں اور دو جگہ عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۱) میں، سورۃ آل عمران (آیت ۱۶۲) میں اور سورۃ الجمعہ (آیت ۲) میں نبی ﷺ کے تعلق سے یہ الفاظ آئے ہیں، اور وہاں قطعی طور پر قرآن وحدیث مراد ہیں، پس جو عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ الفاظ آئے ہیں ان سے بھی قطعی طور پر قرآن وحدیث مراد ہیں، کیونکہ قرآن: قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔

(۱) وجئتکم: تمہید لوٹا کر اگلی بات کہی ہے، یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے۔

﴿وَلْيَعْلَمَنَّ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص کتاب (قرآن) اور دانائی کی باتیں (حدیثیں) اور تورات و انجیل سکھلائیں گے۔
خاص نبوت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، وہ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم تھے، یہاں اور سورۃ الصف (آیت ۶) میں اس کی صراحت ہے، بعد میں پولوس نے ان کے مذہب کو عام کیا۔

﴿وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝﴾

ترجمہ: اور (بھیجا ان کو) رسول بنا کر بنی اسرائیل کی طرف۔

معجزات: اللہ تعالیٰ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دعوت کے کام پر مامور فرماتے ہیں تو ان کو اثباتِ دعویٰ کے لئے اور لوگوں کو قائل و مائل کرنے کے لئے معجزات عطا فرماتے ہیں، اور ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق معجزات دیئے جاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا، اس لئے ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات عطا ہوئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب و حکمت کا زمانہ تھا، اسی مناسبت سے ان کو چار معجزات دیئے گئے:

۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی مورت بناتے تھے، پھر جب اس میں پھونکتے تھے تو وہ بہ اذن الہی اڑنے لگتی تھی۔

۲- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مادرزاد نابینا چنگا اور کوڑھی تندرست ہو جاتا تھا۔

۳- آپ بہ حکم الہی مردے کو زندہ کرتے تھے۔

۴- لوگ گھروں میں کیا کھا کر آئے، اور گھروں میں کیا رکھا ہے: اس کو بتا دیتے تھے۔

ان معجزات کی تفصیل ممکن نہیں، آثار مفسرین کے سہارے بات کرنا اکل بچو ہے۔ پس اجمال ہی بہتر ہے۔

﴿أَتَىٰ قَدْ جِئْتَكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَتَىٰ أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ، وَ أَبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ، وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخُرُونَ ۖ فِي بُيُوتِكُمْ ۖ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُم ۖ إِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝﴾

ترجمہ: (وہ بنی اسرائیل سے کہیں گے:) میں تم لوگوں کے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی نشانی لے کر آیا ہوں — یہ تمہید ہے، اسی کو آگے لوٹا کر توحید کی تعلیم دیں گے — (۱) میں مٹی سے تمہارے لئے مورت بناؤں گا، پھر اس میں پھونکوں گا تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگے گی (۲) اور (میں اللہ کے حکم سے) پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو تندرست کروں گا (۳) اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کروں گا (۴) اور میں تمہیں بتاؤں گا جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو — بے شک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانیاں ہیں اگر تمہیں ایمان لانا ہے۔

تشبیہ: تیسرے معجزہ کے ساتھ جو ﴿يَا ذُرِّيَّتِ﴾ ہے وہ دوسرے معجزہ کے ساتھ بھی ہے، اور یہ بار بار اس لئے لایا گیا ہے کہ لوگ جان لیں کہ یہ اللہ کے افعال ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے ذاتی کام نہیں۔

شریعت موسوی کی جزوی اصلاح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام: موسیٰ علیہ السلام کی ملت پر مبعوث کئے گئے تھے، جیسے ہمارے نبی ﷺ ملت اسماعیلی پر مبعوث کئے گئے ہیں، پس ضروری تھا کہ اصل ملت کو باقی رکھ کر اس میں ضروری اصلاح کی جائے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تورات کی تصدیق کرتا ہوں، وہ اللہ کی سچی کتاب ہے، البتہ اس میں بعض چیزیں جو بنی اسرائیل پر حرام کی گئی ہیں، مثلاً: اونٹ کا گوشت، اور دودھ اور حلال جانور کے پیٹ کی چربی: میں ان کی حلت بیان کرنے کے لئے آیا ہوں، اب وہ چیزیں حرام نہیں رہیں، یہ جزوی نسخ ہے، اس سے تورات کی تصدیق پر اثر نہیں پڑتا، جیسے قرآن کریم گذشتہ کتابوں کا مصدق ہے، پھر ان کے بعض احکام کو بدلتا ہے، یہ بھی جزوی نسخ ہے، اس سے سابقہ کتابوں کی تردید نہیں ہوتی۔

﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَإِلَّا لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾

ترجمہ: اور (میں آیا ہوں) اس تورات کو سچا بتانے والا بن کر جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے، اور (میں آیا ہوں)

تاکہ بعض وہ چیزیں تمہارے لئے حلال کروں جو تم پر حرام کی گئی تھیں۔

توحید کی تعلیم: پھر تمہید لوٹا کر توحید کا درس دیا ہے کہ جب تم میری صداقت کی نشانیاں دیکھ چکے تو اب اللہ سے ڈرو، اور میری باتیں سنو: ساری باتوں کی جزیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی، میں ان کا بیٹا نہیں ہوں، بندہ ہوں، لہذا اسی کی بندگی کرو، میں بھی اسی کی بندگی کرتا ہوں، یہی دین کا سیدھا راستہ ہے، اسی راستہ پر چل کر بندے اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

﴿وَجِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَإِنَّ اللَّهَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾

هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۵﴾

ترجمہ: اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے بڑی نشانیاں لے کر آیا ہوں — یہ تمہید لوٹائی ہے

— پس اللہ سے ڈرو، اور میرا کہنا مانو — میرا کہنا کیا ہے؟ — اللہ تعالیٰ ہی میرے پروردگار ہیں اور تمہارے بھی

پروردگار ہیں، پس اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے!

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ
نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۵﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا

الرَّسُولَ فَآكُتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۵﴾

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ	پس جب محسوس کیا عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) سے انکار کہا کون میرا مددگار ہے اللہ کی طرف کہا	الْحَوَارِيُّونَ (۱) تَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمْثًا يَا اللَّهُ وَأَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (۲) رَبَّنَا	حواریوں نے ہم مددگار ہیں اللہ کے ایمان لائے ہم اللہ پر اور گواہ رہیں آپ کہ ہم اطاعت کرنے والے ہیں اے ہمارے پروردگار!	أَمْثًا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكُتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ	ایمان لائے ہم اس (انجیل) پر جو آپ نے اتاری اور پیروی کی ہم نے (آپ کے) رسول (عیسیٰ) کی پس لکھ دئے ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ
---	---	--	--	---	--

بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہیں کی

اگرچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پہلے سے کلمۃ اللہ کی آمد کا اعلان کر رہے تھے، مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو عام طور پر بنی اسرائیل نے ان کی دعوت قبول نہیں کی، اور یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا، اب عیسیٰ علیہ السلام تمہارا گئے، پس انھوں نے آواز لگائی: کون میرا ساتھ دیتا ہے؟ اللہ کے دین کو پھیلانے میں کون میرا مددگار بنتا ہے؟ دو دھوبیوں نے جو اسرائیلی تھے لپیک کہا، پھر اور بھی حضرات ساتھ ہو گئے، کہتے ہیں: کل بارہ حضرات نے دعوت قبول کی، انہیں کی محنت سے عیسائیت کو قبول عام حاصل ہوا، یہ مضمون سورۃ القصف کی آخری آیت میں بھی ہے۔

حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی بات قبول کر کے اللہ کے سامنے اقرار کیا کہ ہم انجیل پر ایمان لائے، اور حامل انجیل کے حلقہ بگوش ہوئے، یہ آپ کی توفیق سے ہوا، لہذا آپ ایمان لانے والوں کی فہرست میں ہمارا نام ثبت فرمادیں، تاکہ ہمارا نام رجسٹرڈ ہو جائے اور ارتداد کا احتمال نہ رہے۔

آیات کریمہ: پس جب عیسیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف سے انکار دیکھا تو اس نے آواز لگائی: اللہ کے دین میں میرا کون مددگار ہے؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، اور (اے پیغمبر) (۱) حواری کے معنی ہیں: دھوبی، کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے حواری کہلائے، پہلے دو شخص جو ایمان لائے وہ دھوبی تھے، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے سب صحابہ کا یہی لقب ہو گیا۔ (۲) اَنَا: اصل میں اَنْ نَا تھا، نون کا نون میں ادغام کیا ہے، اَنْ: حرف مشبہ بالفعل اور نا ضمیر جمع متکلم ہے، اور سورۃ المائدہ میں اَنْنَا: فَلَکِ ادغام کے ساتھ ہے۔

آپ گواہ رہیں کہ ہم احکام الہی کو قبول کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! آپ نے جو کتاب (انجیل) نازل کی ہے ہم اس پر ایمان لائے، اور ہم نے آپ کے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) کی پیروی کی، پس آپ ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دیں۔

وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكِرِينَ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ قُمْ فَاذْعَبْ وَارْفَعْكُ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝

وَمَكْرُوا ^(۱)	اور سازش کی یہود نے	إِذْ	(یا دکرو) جب	وَارْفَعْكَ	اور اٹھانے والا ہوں تجھے
وَمَكَرَ	اور خفیہ تدبیر کی	قَالَ اللَّهُ	فرمایا اللہ نے	إِلَيَّ	اپنی طرف
اللَّهُ	اللہ نے	لِعِيسَى	اے عیسیٰ	وَمُطَهِّرُكَ	اور پاک کرنے والا
وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	إِلَيَّ	بے شک میں	وَالَّذِينَ	ہوں تجھے
خَيْرُ	بہترین	مُتَوَفِّيكَ ^(۲)	پورا وصول کرنے والا	مِنَ الَّذِينَ	ان لوگوں سے جنہوں نے
الْمَكِرِينَ	تدبیر کرنے والے ہیں	كَفَرُوا	ہوں تجھے	كَفَرُوا	انکار کیا

(۱) مکر کے معنی ہیں: لطیف اور خفیہ تدبیر، وہ اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی، بری کو سازش اور چال کہتے ہیں، سورۃ الفاطر (آیت ۴۳) میں ہے: ﴿الْمَكْرُ السَّيِّئُ﴾: بری چال، اس سے معلوم ہوا کہ مکر اچھا بھی ہوتا ہے، اس کو تدبیر کہتے ہیں۔

(۲) متوفی: اسم فاعل: مصدر توفی: پورا وصول کرنا، خواہ موت کی شکل میں ہو، یا نیند میں یا بیداری میں، شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ”میں لے لوں گا تجھ کو“ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ”میں تم کو وفات دینے والا ہوں“ رافعک کا عطف تفسیری ہے تو پہلے معنی ہیں، اور مغائرت ہے تو دوسرے معنی ہیں، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو بھی نزول کے بعد موت آئے گی، وہ ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ کے قانون سے مستثنیٰ نہیں، اور رافعک پر متوفیک کی تقدیم اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہوگی، جیسے میراث کی آیات میں وصیت کی ذین (قرض) پر تقدیم اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُواكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَى مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ	اور بنانے والا ہوں ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی بالا ان سے جنہوں نے (تیرا) انکار کیا دن تک قیامت کے پھر میری طرف تمہارا لوٹنا ہے پس میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان	فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ فَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاعَذِّبْهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ	اس بات کا جو تھے تم اس میں اختلاف کرتے پس رہے جو لوگ انکار کیا انہوں نے تو سزا دوں گا میں ان کو سزا سخت دنیا میں اور آخرت میں اونہیں ہوگا ان کے لئے	مِنْ تَصْحِيْبِنَ وَاقْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ	کوئی مددگار پس رہے وہ جو ایمان لائے اور کئے انہوں نے اچھے کام تو پورا دوں گا ان کو ان کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتے نا انصافوں کو
---	---	---	---	---	--

یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ نے ان کی حفاظت کی

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے بادشاہ کے کان بھرے کہ یہ شخص ملحد (بد دین) ہے، تو رات کو بدلنا چاہتا ہے، قوم کو دین موسوی سے ہٹا دے گا، بادشاہ نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دیدیا، اس وقت عیسیٰ علیہ السلام ایک گھر میں تھے، ایک شخص گرفتار کرنے کے لئے گھر میں گھسا، باقی باہر رہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج کر عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا تھا، جب وہ شخص عیسیٰ علیہ السلام کو گھر میں نہ پا کر باہر نکلا تو اسی کو عیسیٰ سمجھ کر لوگوں نے پکڑ لیا، اور اس کو لے جا کر سولی دیدی، سورۃ النساء (آیت ۱۵۷ اور ۱۵۸) میں ہے: ﴿وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيْهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِيْنًا ۚ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾ نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا، اور نہ سولی دی، لیکن ان کے لئے ایک آدمی ہم شکل بنا دیا گیا، اور جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اس کے معاملہ میں وہ اس کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس اس بارے میں کوئی قطعی علم نہیں، انکل بچو کے تیر چلا رہے ہیں، اور انہوں نے عیسیٰ کو بالکل قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ زبردست حکمت والے ہیں — یہ تھی اللہ کی تدبیر جسے کوئی توڑ نہ سکا،

یہود کا پلان ناکام ہو گیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ناپاک ہاتھوں سے صاف بچ گئے۔

﴿وَمَكْرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ اللَّهُ لِيُعْلِمَ اِسْمُكَ مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيْكَ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾

ترجمہ: اور انھوں نے (یہود نے) سازش کی، اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والے ہیں۔ (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے عیسیٰ! بے شک میں تمہیں پورا پورا وصول کرنے والا ہوں، اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے (تمہارا) انکار کیا۔

رفع عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کی امت کا کیا ہوا؟

بنی اسرائیل نے عام طور پر عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول نہیں کی، مگر ان کے بعد ان کا دین غالب ہو کر رہا، حواری تھوڑے تھے، وہ حسب و نسب کے اعتبار سے بھی کچھ معزز نہیں تھے، مگر انھوں نے بڑی قربانیاں دے کر بنی اسرائیل پر محنت کی تو ان میں دعوت پھیلی اور ایک جماعت تیار ہوئی، پھر کش مکش شروع ہوئی اور جہاد کی نوبت آئی، اللہ نے اہل حق کی مدد کی تو ان کا ہاتھ اوپر ہو گیا، اور آج تک عیسائی یہودیوں پر حاوی ہیں، اور قرآن کہتا ہے: قیامت تک وہ غالب رہیں گے اور یہودی ذلیل و خوار!

﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۗ﴾

ترجمہ: اور میں بنانے والا ہوں ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی ان لوگوں پر غالب جنہوں نے تیرا انکار کیا قیامت کی صبح تک!

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تین فریق ہیں:

- ۱- یہودی کہتے ہیں: وہ مسیح ضلالت (دجال) تھا، جس کو ہم نے کیفر کردار تک پہنچا دیا، اور وہ مسیح ہدایت کا انتظار کر رہے ہیں، چنانچہ جب دجال نکلے گا تو یہودی بڑھ کر اس کی پیروی کریں گے، ان کے نزدیک وہ مسیح ہدایت ہوگا۔
- ۲- عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، اور ان کی مصلوبیت کے قائل ہیں، اور اسی سے انھوں نے کفارہ کا عقیدہ گھڑا ہے۔

۳- مسلمان کہتے ہیں: وہ مسیح ہدایت تھے، اللہ کے سچے رسول تھے، اللہ کے بندے تھے اور خاتم انبیائے بنی اسرائیل

تھے، وہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے اور آخر زمانہ میں زمین پر اتریں گے اور انصاف سے حکومت کریں گے۔

اس اختلاف کا فیصلہ کل قیامت کے دن ہوگا، منکرین (یہود و نصاریٰ) کو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سخت سزا ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان سے نمٹیں گے، اور اس دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچالے، اور مسلمانوں کو جو عیسیٰ علیہ السلام کی واقعی پوزیشن کو مانتے ہیں اور انھوں نے نیک کام کئے ہیں پورا پورا بدلہ دیں گے، اور بر خود غلط لوگوں کو (یہود و نصاریٰ) کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔

﴿ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۗ فَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۗ وَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ اُجْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّٰلِمِيْنَ ۗ ﴾

ترجمہ: پھر میری ہی طرف تمہارا لوٹنا ہے — یعنی جاؤ گے کہاں؟ آؤ گے میرے ہی پاس! — پس میں

تمہارے درمیان اس بات کا فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے ہو — وہ فیصلہ کیا ہوگا؟ — پس رہے وہ

لوگ جنہوں نے انکار کیا — یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی واقعی پوزیشن کو نہیں مانا — تو ان کو میں سخت سزا دوں گا دنیا اور

آخرت میں، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، اور رہے وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو میں ان کو ان کا

پورا بدلہ دوں گا، اور اللہ تعالیٰ غلط کار لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔

ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۗ اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ
كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۗ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا
تَكْفُرْنَ مِنَ الْمُبْتَرِيْنَ ۗ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۗ
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلٰى الْكٰذِبِيْنَ ۗ اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۗ
وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۗ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۗ

ذٰلِكَ	وہ (بیان)	نَتْلُوهُ	پڑھتے ہیں ہم اس کو	عَلَيْكَ	آپ کے سامنے
--------	-----------	-----------	--------------------	----------	-------------

پس گردائیں ہم	فَنَجْعَلُ	پس جو شخص	فَمَنْ	آیتوں سے	مِنَ الْآيَاتِ ^(۱)
اللہ کی پھٹکار	لَعْنَتَ اللَّهِ	جھگڑے آپ سے	حَاجَكَ	اور دشمندانہ نصیحت سے	وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ
جھوٹوں پر	عَلَى الْكذِبِ يَبِينُ	اس (عیسیٰ) میں	فِيهِ	بے شک عجیب حالت	إِنَّ مَثَلَ ^(۲)
بے شک یہ	إِنَّ هَذَا	بعد	مِنْ بَعْدِ	عیسیٰ کی	عَيْسَى
البتہ وہ بیان ہے	لَهُوَ الْقَصَصُ ^(۵)	آپ کے پاس آنے	مَا جَاءَكَ ^(۳)	اللہ کے نزدیک	عِنْدَ اللَّهِ
برحق (سچا)	الْحَقُّ	علم کے	مِنَ الْعِلْمِ	جیسے عجیب حالت آدم کی	كَمَثَلِ آدَمَ
اور نہیں	وَمَا مِنْ ^(۶)	پس کہہ	فَقُلْ	بنایا اس کو	خَلَقَهُ
کوئی معبود	إِلَهٍ	آؤ	تَعَالَوْا	مٹی سے	مِنْ تُرَابٍ
مگر اللہ	إِلَّا اللَّهُ	بلائیں ہم	نَدْعُ	پھر کہا	ثُمَّ قَالَ
اور بے شک اللہ	وَإِنَّ اللَّهَ	ہمارے بیٹوں کو	أَبْنَاءَنَا	اس سے	لَهُ
البتہ وہ زبردست	لَهُوَ الْعَزِيزُ	اور تمہارے بیٹوں کو	وَ أَبْنَاءَكُمْ	ہو جا	كُنْ
بڑے حکمت والے ہیں	الْحَكِيمُ	اور ہماری عورتوں کو	وَنِسَاءَنَا	پس وہ ہو گیا	فَيَكُونُ
پس اگر منہ پھیرو تم	فَإِنْ تَوَلَّوْا	اور تمہاری عورتوں کو	وَنِسَاءَكُمْ	(یہ) برحق بات (ہے)	الْحَقُّ
تو بے شک اللہ	فَإِنَّ اللَّهَ	اور ہماری ذاتوں کو	وَأَنْفُسَنَا	آپ کے رب کی طرف سے	مِنْ رَبِّكَ
خوب جاننے والے	عَلِيمٌ	اور تمہاری ذاتوں کو	وَأَنْفُسَكُمْ ^(۴)	پس نہ ہوں آپ	فَلَا تَكُنْ
خرابی پیدا کرنے والوں کو	بِالْمُفْسِدِينَ	پس گڑگڑا کر دعا کریں ہم	ثُمَّ نَبْتَهِلْ	شک کرنے والوں میں سے	مِنَ الْمُنْتَهِيْنَ

ذریعہ عمران کا تذکرہ وحی سے کیا جا رہا ہے

اب کلام کا رخ بدل رہا ہے، ایک آیت تحویل (موضوع بدلنے) کی ہے، فرماتے ہیں: مذکورہ بیان: عمران کی اہلیہ نے منت مانی، صاحب زادی حضرت مریمؑ پیدا ہوئیں، انھوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر میں پرورش پائی، حضرت مریمؑ کی کرامت دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے لڑکا مانگا، بچی علیہ السلام عطا ہوئے، پھر کنواری مریمؑ کے بطن سے بغیر

(۱) من الآیات: نفلوہ کی ضمیر مفعول کا حال ہے (۲) مثل: نظیر، شبیہ، وہ چیز یا قول جو دوسری چیز یا قول کے مشابہ ہو (۳) ما جاءك: ما مصدر یہ ہے (۴) نبتهل: مضارع مجزوم، جمع منکلم، مصدر ابتهال: زاری کرنا، گڑگڑا کر دعا کرنا۔ (۵) القصص: مصدر واسم مصدر: قصہ، بیان، قصہ بیان کرنا (۶) ما من: من زائدہ ہے۔

باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے احوال اور ان کا آسمان پر اٹھایا جانا، اور یہود کی چال کا خاک میں ملنا، یہ سب باتیں وحی سے بیان کی جا رہی ہیں، جو نبی ﷺ کے سچے رسول ہونے کی دلیل ہیں، اور درمیان درمیان میں قیمتی نصیحتیں بھی آتی رہی ہیں۔

﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ (مذکورہ باتیں) ہم اس کو آپ کے سامنے پڑھتے ہیں، وہ اللہ کی باتیں اور دانشمندانہ نصیحت ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کی عجیب حالت آدم علیہ السلام کی عجیب حالت کی طرح ہے

عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہوئے ہیں تو آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہوئے ہیں، مگر عیسائی ان کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے، پھر عیسیٰ علیہ السلام صرف ماں سے پیدا ہونے کی وجہ سے اللہ کے بیٹے کیسے ہو گئے؟ وفدِ نجران نے کہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے نہیں، اللہ کے بیٹے ہیں، اگر ایسا نہیں تو بتاؤ ان کا باپ کون ہے؟ قرآن نے جواب دیا: تم بتاؤ آدم کے ماں باپ کون تھے؟ ان کو اللہ نے مٹی سے کلمہ سُکن سے پیدا کیا ہے اور وہ بندے تھے بیٹے نہیں تھے، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کلمہ سُکن سے پیدا کیا ہے، وہ بھی بندے ہیں، بیٹے نہیں، یہی برحق بات ہے، پس کوئی ان کے بارے میں کسی تردد میں مبتلا نہ ہو۔

﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ مَخْلُوْقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ الْحَقُّ مِنْ

رَبِّكَ فَلَا تَكُنُّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی عجیب حالت آدم کی عجیب حالت جیسی ہے، ان کا جسم مٹی سے بنایا، پھر اس

سے کہا: ہو جا تو وہ ہو گیا، یہ برحق بات ہے آپ کے پروردگار کی طرف سے، پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔

اب بھی وفدِ نجران کی کٹ حجتی ختم نہ ہو تو ان کو مہلبہ کی دعوت دو

نجران کا وفد فتح مکہ کے بعد سنہ ۹ ہجری میں مدینہ آیا تھا، فتح مکہ کے بعد جزیرۃ العرب میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا تھا، نجران کے عیسائیوں کو خطرہ محسوس ہوا اس لئے خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، سورت کے شروع سے انہیں کو سمجھانے کے لئے آیات نازل ہو رہی ہیں، اگر وہ اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہ ہوں تو ان کو مہلبہ کی دعوت دی جائے، دونوں فریق خواتین اور اولاد کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوں، اور خوب گڑ گڑا کر دعا کریں کہ جو جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو اور اس پر عذاب پڑے، وفدِ نجران کو یہ دعوت دی گئی، انہوں نے مہلت مانگی کہ ہم مشورہ کر کے جواب دیتے ہیں، مجلس مشاورت میں

ان کے بڑوں نے کہا:

”اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انھوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں، اور تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسماعیل میں نبی بھیجے گا وعدہ کیا تھا، کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں، پس ایک نبی سے مبالغہ کرنے کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ کوئی چھوٹا بڑا ہلاکت سے نہیں بچے گا، بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر لیں، سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں“

ادھر نبی ﷺ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لئے ہوئے باہر تشریف لائے، اور وفد بھی تجویز پاس کر کے خدمت میں پہنچا، ان کے لاٹ پادری نے ان نورانی صورتوں کو دیکھ کر کہا: ”میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سر کا سکتی ہے، ان سے مبالغہ کر کے ہلاک نہ ہوں“ آخر انھوں نے جزیہ دینا قبول کیا، اور مصالحت کر کے واپس لوٹ گئے۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ مبالغہ کرتے تو وادی نجران میں آگ برستی اور سب کا ستیاناس ہو جاتا۔

اور دعوتِ مبالغہ کے ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ مبالغہ کس بات پر کیا جاتا؟ اس بات پر کیا جاتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن نے جو کچھ کہا ہے وہی سچا بیان ہے، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ان کی بارگاہِ شرک سے پاک ہے، وہ زبردست ہیں، ان کو بیٹے کی مدد کی ضرورت نہیں، وہ حکمتِ بالغہ سے اپنی کائنات کو سنبھالے ہوئے ہیں، اور وفد نجران اگر مبالغہ کرے تو جان لیں کہ ان کا مقصد احقاقِ حق نہیں، وہ دل میں خوب سمجھے ہوئے ہیں کہ نبی ﷺ برحق نبی نہیں، قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اسلام سچا مذہب ہے، ان کا مقصد مبالغہ سے اپنی بات کی سچ ہے، محض فتنہ و فساد ان کے پیش نظر ہے، اور سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں، وہ ان کے ساتھ ان کے حسبِ حال معاملہ کریں گے۔

فائدہ: شامی میں ہے کہ مبالغہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے، لعان کی مشروعیت اس کی دلیل ہے، لعان: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، پس مبالغہ اور ملاعنہ ایک ہیں، مگر ان چیزوں میں مبالغہ جائز ہے جن کا ثبوت قطعی ہے، ظنی امور میں مبالغہ جائز نہیں، اور مبالغہ میں بیٹوں اور عورتوں کو شریک کرنا ضروری نہیں، اور عذاب کا آنا بھی ضروری نہیں، اور نجران میں عذاب آنے کی بات نبی ﷺ کی خصوصیت تھی، مبالغہ کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک طرح کا اتمامِ حجت کر کے بحث و جدال سے الگ ہو جائیں۔

باقی آیات: پس جو شخص آپ سے عیسیٰ کے معاملہ میں کٹ جیتی کرے — مرغ کی ایک ٹانگ ہی گائے جائے

— آپ کے پاس (قطعی) علم آجانے کے بعد، تو آپ کہیں: آؤ، ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اور

اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اور اپنے ذاتوں کو اور تمہاری ذاتوں کو، پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں، پس ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں — یہ مبالغہ کرنے کا طریقہ ہے، اور مبالغہ کا موضوع ہے: — بے شک یہ یقیناً سچا بیان ہے — کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں — اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں — اگر عیسیٰ علیہ السلام بیٹے ہوتے تو وہ بھی معبود ہوتے، یہ بات توحید کے منافی ہے — اور اللہ تعالیٰ بے شک زبردست بڑی حکمت والے ہیں — انہیں بیٹے اور اولیاء کی مدد کی ضرورت نہیں — پس اگر وہ روگردانی کریں — اور مبالغہ کے لئے تیار نہ ہوں — تو اللہ تعالیٰ یقیناً فساد یوں سے خوب واقف ہیں — یعنی ان کا مقصد بس اپنی بات کی سچ ہے، احقاقِ حق مقصود نہیں، وہ زمین میں اصلاح نہیں چاہتے، فساد (بگاڑ) پھیلانا ان کے پیش نظر ہے، یہ سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں!

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۰﴾

قُلْ	آپ کہیں	أَلَّا نَعْبُدَ	کہ نہ عبادت کریں ہم	أَرْبَابًا	ارباب
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ	اے آسمانی کتاب والو	إِلَّا اللَّهَ	مگر اللہ کی	مِن دُونِ اللَّهِ	اللہ سے ورے
تَعَالَوْا	تم آؤ	وَلَا نُشْرِكَ	اور نہ شریک کریں ہم	فَإِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر روگردانی کریں وہ
إِلَى كَلِمَةٍ	ایک بات کی طرف	بِهِ شَيْئًا	اس کے ساتھ کسی چیز کو	فَقُولُوا	تو تم کہو
سَوَاءٍ	جو یکساں (برابر) ہے	وَلَا يَتَّخِذَ	اور نہ بنائے	اشْهَدُوا	گواہ رہو
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	ہمارے اور تمہارے درمیان	بَعْضُنَا بَعْضًا	ہمارا ایک دوسرے کو	بِأَنَّا مُسْلِمُونَ	کہ ہم ماننے والے ہیں

وفدِ نجران کو خالص توحید کی دعوت

نصاری نجران کو توحید کے موضوع پر مبالغہ کرنے کی دعوت دی تھی، انہوں نے کئی کئی، اب ان کو خالص توحید کی دعوت دی جاتی ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک مشترک نقطہ ہے، جسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور تم بھی، اور وہ ہے توحید خالص، مگر بعد میں تم اس کے تقاضوں سے ہٹ گئے، اگر تم پلٹ کر اسی نقطہ پر آ جاؤ تو ہمارا تمہارا اختلاف ختم ہو جائے، اور منہ پھیرو گے تو اختلاف باقی رہے گا۔

جاننا چاہئے کہ ہر مذہب والا کسی نہ کسی رنگ میں اوپر جا کر اقرار کرتا ہے کہ بڑا خدا ایک ہی ہے، پھر باطل مذاہب

والے آگے چل کر توحید کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے، چنانچہ عیسائیوں کے بھی دو عقیدے توحید کے خلاف تھے۔

ایک: ابنیت مسیح کا عقیدہ، معبود کا بیٹا بھی معبود ہوتا ہے، پھر معبود ایک کہاں رہا؟ اور اگر بیٹا معبود نہیں تو وہ ناجنس اولاد ہوئی، انسان کے گھر میں تلی پیدا ہوئی، اس سے بڑا عیب اللہ کے لئے کیا ہو سکتا ہے؟ اس لئے فرمایا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، جی توحید خالص پر عمل ہو سکے گا۔

دوم: علماء و مشائخ کو قانون سازی کا اختیار دینا۔ عیسائیوں نے احبار و رہبان کو خدائی کا منصب دے رکھا تھا، وہ جس چیز کو حلال یا حرام کہہ دیتے اس کو خدائی حکم مان لیتے، یہ بات بھی توحید کے منافی ہے، اس لئے فرمایا کہ ہمارا بعض بعض کو اللہ سے نیچے نہ بنائے۔

اگر وہ ان دونوں باتوں کی اصلاح نہ کریں تو تم اعلان کر دو کہ ہم توحید خالص پر قائم ہیں، ہم خود کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں، اور اسی کے تابع فرمان ہیں، ہم اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی نہیں کرتے، نہ کسی عالم، ولی، پیر اور مرشد کے لئے خدائی اختیار تسلیم کرتے ہیں، شریعت سے قطع نظر کر کے کسی کو بھی حلت و حرمت کا اختیار نہیں۔

آیت کریمہ: آپ کہیں: اے آسمانی کتاب ماننے والو! ایک ایسی بات کی طرف آؤ، جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ سے نیچے نہ بنائے۔ یہی توحید خالص ہے۔ پس اگر وہ منہ پھیریں تو تم کہو: ”گواہ رہو ہم بالیقین فرمان بردار ہیں! — توحید حقیقی پر عمل پیرا ہیں!“

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣٠﴾ هَآءِنتُمْ هَؤُلَاءِ حَآجَّجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣١﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٢﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٣﴾

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ اے آسمانی کتاب والو! لِمَ تُحَاجُّونَ کیوں کٹ جتی کرتے ہو فِي إِبْرَاهِيمَ ابراہیم میں

وَمَا أُنزِلَتْ التَّوْرَةُ وَإِلَّا نُجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ هَآأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَآجِجْتُمْ فِي مَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تَحَآجُّونَ فِي مَا لَيْسَ لَكُمْ	اور نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر اس کے بعد یا پس نہیں سمجھتے تم ارے! تم اے لوگو! جھگڑا کیا تم نے اس میں جو تمہارے لئے اس بات کا کچھ علم ہے پس کیوں بحث کرتے ہو اس میں جو نہیں ہے تمہارے لئے	بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَإَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ	اس کا کچھ علم اور اللہ تعالیٰ جاتے ہیں اور تم نہیں جانتے نہیں تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ تھے وہ باطل سے بیزار فرمان بردار اور نہیں تھے وہ	مِنَ الْمُشْرِكِينَ لِأَنَّ أَوَّلِي النَّاسِ يَا بَرَاهِيمَ لِلَّذِينَ اتَّبَعُوا وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ	مشرکوں میں سے بے شک قریب تر لوگوں میں ابراہیم سے البتہ وہ ہیں جنہوں نے پیروی کی ان کی اور یہ پیغمبر اور جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کار ساز ہیں مؤمنین کے لئے
---	---	--	---	--	--

وفدِ نجران کو توحیدِ خالص کی دعوت دی تو انہوں نے جھگڑا کیا:

کہا: ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں، ہماری توحیدِ نخواستہ کیسے ہو سکتی ہے؟

جاننا چاہئے کہ ہر نبوت اصول (عقائد) اور فروع (مسائل) پر مشتمل ہوتی ہے، پھر بعد کی نبوت کبھی دونوں باتوں میں متفق ہوتی ہے، پس وہ ماتحت نبوت کہلاتی ہے، جیسے انبیائے بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اصول و فروع میں متفق تھے، اور کبھی بعد کی نبوت اصول میں تو متفق ہوتی ہے، کیونکہ تمام انبیاء کے اصول ایک ہیں، اور اکثر فروع میں بھی اتفاق ہوتا ہے، البتہ بعض مسائل میں اختلاف ہوتا ہے، کیونکہ زمانہ بدلنے سے احکام بدلتے ہیں، یہی ہر نبی کی شریعت

(۱) ہا أنتم: ہا: حرفِ تنبیہ ہے، جو اسم اشارہ پر آتا ہے، أنتم: مبتدا ہے، اور هؤلأء: منادی ہے، اور یا: حرفِ ندا محذوف ہے، چونکہ ضمیر کا فصل ہو گیا اس لئے اسم اشارہ پر ہا دوبارہ آئی اور جملہ حاججتم خبر ہے (۲) حَنَفًا: مائل ہونا، حنیف: صیغہ صفت: باطل سے رخ پھیر کر حق کی طرف مائل ہونے والا، اس کا تعلق توحید سے ہے۔ (۳) مسلما: لغوی معنی میں ہے: حکم ماننے والا، اس کا تعلق فروع شریعت سے ہے۔

کہلاتی ہے، پس موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے، اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے، اور نبی ﷺ کی شریعت ماقبل انبیاء کی شریعتوں سے قدرے مختلف ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو اور ان معجزات کو جانتے تھے جن کا ذکر پہلے آیا، مگر انھوں نے دونوں باتوں سے عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت اور الوہیت پر استدلال کیا یہ ان کی کٹ جھتی تھی، اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں اور ہماری توحید خالص ہے: یہ بھی کٹ جھتی ہے، اور ایسی بات میں بحث ہے جس کا انہیں کچھ علم نہیں، ابراہیم علیہ السلام تو حنیف (خالص موحد) اور مسلم (اللہ کے تمام احکام پر عمل پیرا) تھے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں: یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں: کیسے صحیح ہو سکتا ہے، یہودیت تو تورات سے چلی ہے، اور عیسائیت انجیل سے، اور یہ دونوں کتابیں ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہیں، پس کیا یہ بے عقلی کا دعویٰ نہیں؟ عیسائی اپنے نبی کی بعض باتیں جانتے تھے، ان سے انھوں نے غلط استدلال کر لیا، عیسیٰ علیہ السلام کی اہمیت اور الوہیت ثابت کی، خیر! اب انھوں نے یہ کیا بات کہی کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں؟ تمہیں کیا معلوم کہ ان کے اصول و فروع کیا تھے، اس کو تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، تم نہیں جانتے، سنو! ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی، وہ حنیف و مسلم تھے، اور تم شرک کے دلدادہ ہو، اللہ کا بیٹا مانتے ہو، اور احکام تو تم نے سب بالائے طاق رکھ دیئے ہیں، تین چیزیں حرام تھیں ان کو بھی کفارے کے عقیدے نے گاؤ خورد کر دیا۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مشرکین بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ملتِ ابراہیمی پر ہیں، پس کیا ابراہیم بت پرست تھے، وہ تو بت شکن تھے۔ وہ شرک سے بیزار اور فرمان بردار تھے۔

ہاں ابراہیم علیہ السلام سے اقرب وہ مسلمان تھے جو ان کے زمانہ میں ان پر ایمان لائے تھے، اور اب یہ پیغمبر (ﷺ) اور ان پر ایمان لانے والے اقرب ہیں، اور اللہ مومنین کے کارساز ہیں، پس دیکھتے رہو اللہ کی کارسازی کس کے ساتھ ہے؟ عیسائیوں کے ساتھ یا مسلمانوں کے ساتھ؟

آیاتِ پاک: اے آسمانی کتاب والو! کیوں فضول بحث کرتے ہو ابراہیم کے معاملہ میں؟ حال آنکہ تورات و انجیل تو ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں! پس کیا تم یہ (بدیہی بات) سمجھتے نہیں! ارے! اے لوگو! تم نے جھگڑا کیا اس معاملہ میں جس کا تم کو کچھ علم ہے — یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور ان کے خوارق کے ذریعہ — پس تم کیوں بحث کرتے ہو اس معاملہ میں جس کا تمہیں کچھ علم نہیں؟ — کہ کون ابراہیم کی ملت پر ہے؟ — اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے — سنو! اللہ تعالیٰ بتلاتے ہیں: — ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی، بلکہ باطل (شرک) سے بیزار اور احکامِ الہی کے فرمان بردار تھے، اور وہ مشرکوں میں سے بھی نہیں تھے۔

بے شک لوگوں میں ابراہیم سے قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی — یعنی ان کے زمانہ میں ان پر ایمان لائے — اور یہ پیغمبر — محمد ﷺ — اور جو لوگ ایمان لائے — اس آخری نبی پر — اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے کارساز ہیں! — پس انجام کار دیکھتے رہو، کس کا آوازہ بلند ہوتا ہے؟

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ
وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٥﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٦﴾
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧﴾

۲۵۱

وَدَّتْ	آرزو کی	وَمَا يَشْعُرُونَ	اور نہیں سمجھتے وہ	لِمَ تَلْبِسُونَ	کیوں مشتبہ کرتے ہو تم
طَّائِفَةٌ	ایک جماعت	يَا أَهْلَ الْكِتَابِ	اے اہل کتاب!	الْحَقَّ	سچی بات
مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ	آسمانی کتاب والوں سے	لِمَ تَكْفُرُونَ	کیوں انکار کرتے ہو تم	بِالْبَاطِلِ	غلط بات کے ساتھ
لَوْ يُضِلُّوكُمْ	کاش گمراہ کرتے وہ تم کو	بِآيَاتِ اللَّهِ	اللہ کی باتوں کا	وَتَكْتُمُونَ	اور چھپاتے ہو تم
وَمَا يُضِلُّونَ	اور نہیں گمراہ کرتے وہ	وَأَنْتُمْ	در انحالیکہ تم	الْحَقَّ	سچی بات کو
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ	مگر اپنی ذاتوں کو	تَشْهَدُونَ	گواہی دیتے ہو	وَأَنْتُمْ	در انحالیکہ تم
		يَا أَهْلَ الْكِتَابِ	اے اہل کتاب!	تَعْلَمُونَ	جانتے ہو

نجران والوں کے مناظرہ کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے

مناظرہ: باب مفاعله کا مصدر ہے، اس کے اصل معنی ہیں: کسی پیچیدہ مسئلہ میں باہم غور و فکر کرنا، اور حق بات کو دریافت کرنا، پھر مناظرہ بمعنی مکابره (کٹ جھتی) استعمال کیا جانے لگا، یعنی اپنی بات کی سچ کرنا، اور مخالفین کے آدمی توڑنا، اس کار عمل یہ ہوتا ہے کہ ہر فریق اپنی بات میں پختہ ہو جاتا ہے۔

وفد نجران کا مناظرہ (بحث مباحثہ) اسی نوعیت کا تھا، وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے، عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے مسلمانوں کو ان کے عقیدے سے ہٹانا چاہتے تھے، مسلمان تو کیا ہٹتے! وہ خود اپنے گمراہ عقیدے میں پختہ ہو گئے، اور ان کو احساس بھی نہ ہوا، یہ ان کی کٹ جھتی کا نتیجہ تھا۔

﴿وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ ﴿٥﴾

ترجمہ: اہل کتاب کی ایک جماعت نے آرزو کی کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کرتے، اور وہ خود کو ہی گمراہ کر رہے ہیں، اور وہ سمجھتے نہیں! — کہ ہم ہی گمراہی میں پیرسپار رہے ہیں!

نجرانیوں کو فہمائش کہ اپنی کتابوں کی بشارتوں کو عملی جامہ پہناؤ

مناظرہ میں آدمی فریق مقابل کے صحیح دلائل کا بھی انکار کرتا ہے، تورات و انجیل میں نبی ﷺ، قرآن کریم اور اسلام کے تعلق سے بشارتیں تھیں، یہود و نصاریٰ اپنی خلوتوں میں ان کا اقرار بھی کرتے تھے، مگر ان کو عملی جامہ نہیں پہناتے تھے، ایمان لانے کے لئے تیار نہیں تھے، ان کو فہمائش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی صداقت اور قرآن کی حقانیت کا اقرار کیوں نہیں کرتے؟ کیا چیز مانع ہے؟ ان بشارتوں پر عمل نہ کرنا اپنی کتابوں کا انکار ہے۔

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں (بشارتوں) کا کیوں انکار کرتے ہو درانحالیکہ تم گواہی دیتے ہو — کہ وہ بشارتیں منجانب اللہ ایمان لانے کے لئے ہیں۔

نجرانیوں کو فہمائش کہ بشارتوں کی نہ غلط تاویل کرو نہ چھپاؤ

مناظرہ میں یہ بھی ہوتا ہے کہ مقابل کے صحیح دلائل کی غلط تاویل کر کے دل کو مطمئن کر لیا جاتا ہے، تورات و انجیل میں نبی ﷺ، قرآن اور اسلام کے تعلق سے جو خبریں تھیں: اہل کتاب ان کی غلط تاویلیں کرتے تھے، فرماتے ہیں: ایسا مت کرو، غلط تاویلیں کر کے حق کو باطل کے ساتھ مت رلاؤ، اور جانتے بوجھتے سچی باتوں کو چھپاؤ بھی مت، تاکہ کم از کم دوسروں کو توراہ ہدایت ملے!

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں رلاتے ہو، اور سچی بات کو چھپاتے ہو، درانحالیکہ تم جانتے ہو — کہ یہ تاویل باطل ہے، اور چھپانا بھی جائز نہیں۔

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَيَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَجَاءَهُ
النَّهَارُ وَكَفَرُوا وَآخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَوْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ
الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَن يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ

رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٤١﴾ يَخْتَصُّ
بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٤٢﴾

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَاءَ النَّهَارُ وَكَفَرُوا وَإِن كُنْتُمْ إِلَّا جَاهِلُونَ فَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَى هُدَى اللَّهِ أَنْ يُؤْتَى أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ	اور کہا ایک جماعت نے اہل کتاب سے ایمان لاؤ اس پر جو اتارا گیا ان پر جو ایمان لائے دن کے شروع میں اور انکار کر دو دن کے آخر میں تا کہ وہ لوٹ جائیں	اور نہ مانو مگر اس کی جو پیروی کرے تمہارے دین کی کہو بے شک ہدایت اللہ کی ہدایت ہے کہ دیا گیا کوئی ماند اس کے جو دیئے گئے تم یا جھگڑیں وہ تم سے تمہارے رب کے پاس کہو	إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ	بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتے ہیں وہ اس کو جسے چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ گنجائش والے سب کچھ جاننے والے ہیں خاص کرتے ہیں اپنی مہربانی کے ساتھ جسے چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فضل والے ہیں بڑا
--	---	--	--	--

وفدِ نجران کی طرح مدینہ کے یہود نے بھی مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہا

نجران والوں کے بحث و مباحثہ کا، انجیل کی بشارتوں کے انکار کا، ان کی غلط تاویلیں کرنے کا اور بشارتوں کو چھپانے کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا، ان کو مرتد بنانا، اور مشرکوں کو ایمان سے روکنا تھا۔ اب اس کی نظیر پیش کرتے ہیں، یہود بھی ایسی (۱) ان سے پہلے لام اجلیہ محذوف ہے، اور اس کا تعلق لا تؤمنوا سے ہے اور قل ان الہدیٰ ہدیٰ اللہ جملہ معترضہ ہے (۲) حاجُّ مُحَاجَّةً: جھگڑا کرنا، دلیل میں غالب آنا، یہ مضمون سورۃ البقرۃ (آیت ۷۶) میں بھی ہے۔ اور یحاجو کم سے پہلے لان مقدر ہے۔ اور او: احد الامرین کے لئے ہے، دونوں باتیں جمع نہیں ہوں گی۔

ہی چال چل چکے ہیں، مدینہ میں جو یہود کے بڑے تھے انھوں نے باہم صلاح و مشورہ کر کے ایک اسکیم بنائی، ایک جماعت تیار کی، صبح میں ایمان لائے اور شام میں مرتد ہو جائے، چونکہ عرب یہود کا علمی تفوق مانتے تھے، اس لئے ضعیف الایمان مسلمانوں کے پیر اکھڑ جائیں گے اور وہ مرتد ہو جائیں گے، وہ سوچیں گے کہ دال میں کچھ کالا ہے، جیسی یہ فرزانے پیچھے ہٹ گئے!

اور جن لوگوں کو اس کام کے لئے تیار کیا تھا ان کو تاکید کی تھی کہ صرف مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ کام کرنا ہے، حقیقتہً مسلمان نہیں ہونا، بات بہر حال اپنے بڑوں کی مانتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہرچہ درکان نمک رفت نمک شد! نمک کی کان میں جو گرا وہ نمک بن گیا، ایسا نہ ہو جائے، یہودیت میں مضبوط رہنا، اپنے بڑوں کے علاوہ کسی کی بات مت ماننا! اللہ تعالیٰ سلسلہ کلام روک کر ارشاد فرماتے ہیں: یہ کیسا اندھا گرو، ہی تعصب ہے! ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے، وہ جس پیغمبر کے ذریعہ آئے اس کو قبول کرنا چاہئے، خواہ اسرائیلی پیغمبر کے ذریعہ آئے یا اسماعیلی۔

اس کے بعد سلسلہ کلام پیچھے لوٹا ہے کہ یہود کے اکابر نے آگے کار لوگوں کو یہ بتی کیوں پڑھائی؟ اس کی دو وجہیں ہیں: ایک دنیا کے تعلق سے دوسری آخرت کے تعلق سے:

دنیا کے تعلق سے اس کی وجہ حسد (جلن) ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ شرف و اعزاز بنی اسحاق و یعقوب میں رہا، اب یہ تمنہ بنی اسماعیل کو کیوں مل گیا؟ یہ حسد ہی ایسی رذیل حرکت پر ابھارہا ہے، اور یہ مقصد اس صورت میں ہوگا جب محض بناوٹ ہو۔

اور آخرت کے اعتبار سے جبکہ وہ واقعی مسلمان ہو جائیں یہ مقصد ہے کہ کل قیامت کے دن اللہ کی کورٹ میں مسلمان تم پر غالب نہ آجائیں، اگر تم واقعہً مسلمان ہو گئے تو وہ تم کو اسلام کی حقانیت کی دلیل میں پیش کریں گے، وہ کہیں گے: یہود اسلام کی حقانیت جانتے تھے، دیکھو! ان کے یہ چند حضرات مسلمان ہو گئے تھے، پس تم مقدمہ ہار جاؤ گے، اور وہ تم پر غالب آجائیں گے، اس لئے صرف ظاہر داری کرنی ہے، حقیقتہً مسلمان نہیں ہونا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبوت پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں، یہ فضل اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جسے چاہیں دیں، اور ایسا نہیں کہ کوئی کم پڑ گیا، اللہ تعالیٰ بڑی گنجائش والے ہیں، البتہ وہ خوب جانتے ہیں کہ رحمت کا مستحق کون ہے؟ اسی کو عنایت فرماتے ہیں، ورنہ اللہ کا فضل و کرم بے نہایت ہے!

ترجمہ: اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا: اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو اتارا گیا ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں، دن کے شروع حصہ میں، اور انکار کر دو دن کے آخر میں، شاید وہ مرتد ہو جائیں، اور بات نہ مانو مگر اس کی جو تمہارے

دین کی پیروی کرے — کہو: بے شک ہدایت (راہ نمائی) اللہ کی ہدایت ہے — بایں وجہ کہ کوئی دوسرا دیا گیا اس کے مانند جو تم دیئے گئے — یعنی بنی اسماعیل کو نبوت کیوں مل گئی؟ اس جلن میں حقیقتہً ایمان نہیں لانا — یا (اس لئے کہ) وہ لوگ دلیل میں غالب آجائیں گے تمہارے پروردگار کے پاس!

کہو! بے شک فضل (مہربانی) اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ دیتے ہیں اس کو جسے چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ گنجائش والے سب کچھ جاننے والے ہیں، اپنی مہربانی کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں خاص کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں!

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدُّ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدُّ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۰﴾

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ	اور بعض اہل کتاب	تَأْمَنَهُ	امانت رکھے تو اس کے پاس	قَالُوا	کہا
الْكِتَابِ		بِدِينَارٍ	ایک اشرفی	لَيْسَ عَلَيْنَا	نہیں ہے ہم پر
مَنْ إِنْ	وہ ہیں کہ اگر	لَّا يُؤَدُّ	نہیں سپرد کرے گا وہ اس کو	فِي الْأُمِّينَ	ان پڑھوں میں
تَأْمَنَهُ	امانت رکھے تو اس کے پاس	إِلَيْكَ	تیری طرف	سَبِيلٌ	کوئی راہ (گناہ)
بِقِنطَارٍ	ڈھیر سا رامال	إِلَّا مَا دُمْتَ	مگر جب تک رہے تو	وَيَقُولُونَ	اور کہتے ہیں وہ
يُؤَدُّ	سپرد کرے گا وہ اس کو	عَلَيْهِ	اس پر	عَلَى اللَّهِ	اللہ پر
إِلَيْكَ	تیری طرف	قَائِمًا	کھڑا	الْكَذِبَ	جھوٹ
وَمِنْهُمْ	اور بعض ان میں	ذَلِكَ	یہ بات	وَهُمْ	در انحالیکہ وہ
مَنْ إِنْ	وہ ہیں کہ اگر	بِأَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	يَعْلَمُونَ	جاننے ہیں

اہل کتاب میں امانت دار بھی ہیں اور بے ایمان بھی!

گذشتہ آیت میں جن یہود کا ذکر آیا ہے وہ برے لوگ تھے، اب بیان فرماتے ہیں کہ اہل کتاب میں بھلے لوگ بھی ہیں، اعلیٰ درجہ کے دیانت دار اور امانت دار بھی ہیں، اگر ان کے پاس سونے کا ڈھیر امانت رکھا جائے تو ترقی بھر خیانت نہیں کریں گے، یہی لوگ ایمان لاتے ہیں، البتہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو چار پیسے پر نیت خراب کر لیتے ہیں، ان کے سر

پر مسلط رہا جائے تو امانت دار بنتے ہیں، ورنہ مکر جائیں گے، یہی بد اطوار لوگ مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔ اور ناحق پر ایسا مال کھانے کے لئے انہوں نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ عرب کے امیوں کا مال جس طرح ملے روا ہے، غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں! یہ جان بوجھ کر جھوٹا مسئلہ اللہ کے نام لگایا ہے، کسی کی بھی امانت میں خیانت کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ہرگز اجازت نہیں دی۔

آیت پاک: اور بعض اہل کتاب ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ڈھیر سا مال امانت رکھیں تو وہ تمہیں واپس کر دیں گے، اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھیں تو وہ اس کو آپ کی طرف نہیں لوٹائیں گے، مگر یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔ یہ بات بایں وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: ”امیوں کے مال میں ہم پر کوئی گناہ نہیں“ اور وہ جانتے بوجھتے اللہ کے نام جھوٹ لگاتے ہیں!

بَلِي مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ
بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ
اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۱﴾

بلی	کیوں نہیں	إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	لَا خَلَاقَ ^(۳۰)	نہیں کوئی حصہ
مَنْ أَوْفَى	جس نے پورا کیا	يَشْتَرُونَ	خریدتے ہیں	لَهُمْ	ان کے لئے
بِعَهْدِهِ ^(۱)	اپنا قول و قرار	بِعَهْدِ اللَّهِ ^(۳)	اللہ کے قول و قرار کے بدل	فِي الْآخِرَةِ	آخرت میں
وَ اتَّقَى ^(۲)	اور ڈرا (بچا)	وَ أَيْمَانِهِمْ	اور اپنی قسموں کے بدل	وَلَا	اور نہیں
فَإِنَّ اللَّهَ	پس بے شک اللہ	ثَمَنًا	پونجی	يُكَلِّمُهُمْ	بات کریں گے ان سے
يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	قَلِيلًا	تھوڑی	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ
الْمُتَّقِينَ	پرہیزگاروں کو	أُولَٰئِكَ	یہ لوگ	وَلَا يَنْظُرُ	اور نہیں دیکھیں گے وہ

(۱) عہدہ: اپنا قول و قرار یعنی لوگوں کے ساتھ کیا ہوا وعدہ، اضافت فاعل کی طرف ہے، اور عہد اللہ: اللہ کے ساتھ کیا ہوا قول و قرار، اضافت مفعول کی طرف ہے، تمام انسانوں نے عہد الست میں اللہ کے ساتھ بندگی کا عہد کیا ہے (۲) تقویٰ کے اصطلاحی معنی: اللہ سے ڈرنا بھی ہیں اور لغوی معنی: نقض عہد سے بچنا بھی ہیں (۳) بعہد اللہ: میں باہ متروک پر داخل ہوئی ہے، جس کو چھوڑا ہے اور قلیل ثمن لیا ہے، پس ثمن قلیل: ماخوذ ہے (۴) خلاق (خیر و بھلائی کا) حصہ، نصیب، کہا جاتا ہے: فلان لا خلاق له: اس کو بھلائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے	وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ	اور نہیں پاک صاف کریں گے ان کو	وَلَا يُزَكِّيهِمْ	ان کی طرف قیامت کے دن	إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
---------------------------------	-----------------------------	-----------------------------------	--------------------	--------------------------	-----------------------------------

ہر کسی سے کیا ہوا قول و قرار پورا کرنا ضروری ہے

گذشتہ آیت میں فرمایا ہے کہ بعض اہل کتاب بددیانت ہوتے ہیں، خاص طور پر غیر مذہب والوں کی امانت سے نمکر جاتے ہیں، اور کہتے ہیں: اس میں کوئی گناہ نہیں! اللہ پاک فرماتے ہیں: کیوں نہیں! خیانت اور بدعہدی بہر حال گناہ ہے، قانون خداوندی یہ ہے کہ جو کوئی اپنے قول و قرار کا وفا نہیں کرے گا، نقض عہد کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔ پہلی آیت میں لوگوں سے کئے ہوئے قول و قرار کا ذکر ہے، اور دوسری آیت میں اللہ سے کئے ہوئے قول و قرار کی خلاف ورزی کی ممانعت ہے۔

﴿بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾

ترجمہ: کیوں نہیں! — یعنی امانت میں خیانت گناہ کیوں نہیں؟ خواہ غیر مذہب والوں کی امانت ہو — جس

نے اپنا قول و قرار پورا کیا اور نقض عہد سے بچا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو دوست رکھتے ہیں۔

عدالت میں جھوٹی قسم کھانے کا وبال

جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے، اور عدالت میں جھوٹی قسم کھانا وبال ڈھاتا ہے، عدالت میں جب مقدمہ چلتا ہے تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کرتا ہے، وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے، اور اس پر فیصلہ کیا جاتا ہے، اس قسم کو یمین صبر: روکی ہوئی قسم کہتے ہیں، یہ قسم اگر مدعی علیہ جانتے ہوئے جھوٹی کھائے تو وہ دنیا میں بھی تباہی لاتی ہے، اور آخرت میں بھی عذاب الیم کا حقدار بناتی ہے۔

آیت کا شان نزول: حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کا جو حضرموت کے باشندے تھے: ایک یہودی سے زمین کا جھگڑا ہوا، وہ زمین اشعث کے دادا سے اس یہودی کے دادا نے غصب کی تھی، اشعث اس کا مقدمہ لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں آئے، آپ نے اشعث سے گواہ طلب کئے، کیونکہ وہ مدعی تھے، وہ گواہ پیش نہ کر سکے، کیونکہ اس معاملہ کا دیکھنے والا کوئی شخص زندہ نہیں تھا، پس آپ نے یہودی کو قسم کھلانی چاہی، حضرت اشعث نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ یہودی ہے، جھوٹی قسم کھا کر میرا مال ہڑپ کر جائے گا، اس پر آیت نازل ہوئی۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

ترجمہ: جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں اس عہد و پیمان کے بدلے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور اپنی قسموں کے عوض میں: ان لوگوں کے لئے آخرت میں (رحمت میں) کچھ حصہ نہیں، نہ اللہ تعالیٰ ان سے (خوشی سے) کلام فرمائیں گے، اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن (مہربانی سے) دیکھیں گے، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک صاف کریں گے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ملفوظہ: ایسی آیت پہلے سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۴) میں گزری ہے، وہاں جو تفسیر ہے وہی یہاں بھی ہے۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونِ السِّنْتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝

وَإِنَّ مِنْهُمْ	اور بے شک ان میں سے	مِنَ الْكِتَابِ	اللہ کی کتاب سے	الْكِتَابِ	اللہ کی کتاب سے	جھوٹ
لَفَرِيقًا	یقیناً ایک جماعت ہے	وَيَقُولُونَ	اور کہتے ہیں وہ	وَهُمْ	وہم	دراںحالیکہ وہ
يَلُونِ ^(۱)	(جو) موڑتی ہے	هُوَ	(کہ) وہ (پڑھا ہوا)	يَعْلَمُونَ	یَعْلَمُونَ	جانتے ہیں
السِّنْتَهُمْ	اپنی زبانیں	مِنَ عِنْدِ اللَّهِ	اللہ کے پاس سے ہے	مَا كَانَ	مَا كَانَ	نہیں (جائز) تھا
بِالْكِتَابِ	اللہ کے کتاب کے ساتھ	وَمَا هُوَ	حالانکہ وہ نہیں ہے	لِبَشَرٍ	لِبَشَرٍ	کسی انسان کے لئے
لِتَحْسَبُوهُ	تاکہ گمان کرو تم اس کو	مِنَ عِنْدِ اللَّهِ	اللہ کے پاس سے	أَنْ يُؤْتِيَهُ	أَنْ يُؤْتِيَهُ	کہ دیں اس کو
مِنَ الْكِتَابِ	اللہ کی کتاب سے	وَيَقُولُونَ	اور کہتے ہیں وہ	اللَّهُ	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ
وَمَا هُوَ	دراںحالیکہ نہیں ہے وہ	عَلَى اللَّهِ	اللہ پر	الْكِتَابِ	الْكِتَابِ	آسمانی

(۱) یلون: مضارع، جمع مذکر غائب، لوی یلوی (ض) لیا: موڑنا، مروڑنا، پھیرنا، گھمانا، لوی لسانہ اور لوی بلسانہ: زبان پھیر لی، زبان گھمادی، یعنی جھوٹ کہا، خود اپنی طرف سے بات گھڑ دی (راغب)

فرشتوں کو	الْمَلَائِكَةَ	اللہ والے	رَبِّنَا رَبَّنَا (۲)	اور فہم و فراست	وَ الْحَكْمَ (۱)
اور نبیوں کو	وَالنَّبِيِّنَ	اس وجہ سے کہ تم	بِمَا كُنْتُمْ (۳)	اور نبوت	وَالنَّبُوَّةَ
خدا (خود مختار)	أَرْبَابًا	سکھلاتے (لوگوں کو)	تُعَلِّمُونَ	پھر کہے وہ	ثُمَّ يَقُولَ
کیا حکم دے گا تم کو	أَيُّ أَمْرٍ كُمْ	اللہ کی کتاب	الْكِتَابِ	لوگوں سے	لِلنَّاسِ
اللہ کے انکار کا	بِالْكَفْرِ	اور اس وجہ سے کہ تم	وَعِمَّا كُنْتُمْ	ہو جاؤ تم	كُونُوا
بعد اس کے کہ	بَعْدَ إِذْ	پڑھتے	تَدْرُسُونَ (۴)	میرے بندے	عِبَادًا لِّي
تم	أَنْتُمْ	اور نہیں حکم دے گا وہ تم کو	وَلَا يَأْمُرُكُمْ	اللہ کو چھوڑ کر	مَنْ دُونِ اللَّهِ
اللہ کو ماننے والے ہو	مُسْلِمُونَ	کہ بناؤ تم	أَنْ تَتَّخِذُوا	بلکہ ہوؤ تم	وَلَكِنْ كُونُوا

عیسائیوں (وفد نجران) نے عہد الست میں اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے دو اقرار توڑے!

گذشتہ آیت میں دو باتوں پر سخت وعید آئی ہے۔ ایک: اللہ سے کئے ہوئے عہد و پیمانہ کو دنیوی مفاد کے لئے توڑنا۔ دوم: کورٹ میں جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ہڑپ کر لینا، دوسری بات کی وضاحت شان نزول کی روایت کی روشنی میں اوپر آگئی، اب پہلی بات لیتے ہیں۔ وفد نجران نے (عیسائیوں نے) عہد الست میں اللہ پاک سے کئے ہوئے دو اقرار توڑے، یہ سنگین گناہ ہے:

ایک: تمام انسانوں نے بلا واسطہ اللہ ہی کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے، اب عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی رب مانتے ہیں، وہ تثلیث کے قائل ہیں، اس نقض عہد کا ذکر زیر تفسیر آیات میں ہے:

دوم: تمام امتوں نے اپنے انبیاء کے واسطہ سے خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لانے کا اور ان کی مدد کرنے کا اقرار کیا ہے، اب وفد نجران ایمان لانے کے لئے تیار نہیں، اس نقض عہد کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

عیسائیوں کی تثلیث: عیسائی تثلیث (تین خداؤں) کے قائل ہیں، ایک: بڑا اور اصل خدا مانتے ہیں، اس کو باپ کہتے ہیں، دوسرا: دوسرے نمبر کا خدا مانتے ہے، اس کو بیٹا کہتے ہیں، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرا: تیسرے نمبر کا خدا مانتے ہیں، اس کو روح القدس (پاکیزہ روح) کہتے ہیں، اور معلوم نہیں اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ کوئی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو مراد لیتا ہے، کوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اور کوئی عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو، پھر وہ تین کو ایک بناتے ہیں، اور

(۱) الحکم اور الحکمة ایک ہیں: فہم، دانشمندی کی باتیں، انبیاء کی حدیثیں۔ (۲) رَبَّانِي: اللہ والا، الف نون زائدتان اور یاء نسبت کی (۳) بما: ما مصدریہ (۴) دَرَسَ (ن) دَرَسًا الكتاب: غور سے پڑھنا، مطالعہ کرنا۔ مراد دوسری دینی کتابیں ہیں۔

اپنی تثلیث انجیل سے ثابت کرتے ہیں، یا تو انجیل میں تحریف کر کے، یا کچھ کا کچھ پڑھ کر کے یا غلط تاویل کر کے، بہر حال یہ نقضِ عہد ہے، انھوں نے عہدِ الست میں جو صرف اللہ ہی کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے: اس کی خلاف ورزی ہے، جس کی ان کو سخت سزا ملے گی، کیونکہ یہ شرک ہے، اور شرک کی معافی نہیں، لندن میں میری یورپ کے سربراہ ایک یہودی عالم سے ملاقات ہوئی، میں نے اس کو میری مسجد (مسجدِ قبا) میں آنے کی دعوت دی، اس نے کہا: ہم مسجد میں آسکتے ہیں، چرچ میں نہیں جاسکتے! میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: وہاں شرک ہوتا ہے، اور ہم ایسی جگہ نہیں جاتے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: کچھ اہل کتاب (عیسائی) اپنی آسمانی کتاب (انجیل) میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھا کر ایسے لہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف سننے والا دھوکہ کھا جائے، بلکہ جھوٹا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ کے پاس سے آیا ہے، حالانکہ وہ مضمون اللہ کے پاس سے نہیں آیا، خود ساختہ ہے، اور یہ سب کچھ جان بوجھ کر کرتے ہیں، اس طرح وہ اپنی تثلیث اور عیسیٰ علیہ السلام کی ابدیت اور الوہیت ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی انسان جس کو اللہ نے اپنی کتاب، عقل و فہم اور نبوت سے سرفراز کیا ہو لوگوں کو یہ تعلیم دے ہی نہیں سکتا کہ اللہ کو چھوڑو، مجھے معبود بناؤ، اور میرے بندے بنو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک انسان تھے، وہ لوگوں کو یہ تعلیم کیسے دے سکتے ہیں؟ وہ تو لوگوں کو اللہ سے جوڑیں گے، کہیں گے: اللہ والے بنو، اللہ نے تمہیں اپنی کتاب دی ہے، جس کو تم لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہو اور دیگر مذہبی کتابیں بھی پڑھتے ہو، ان میں یہی تعلیم ہے کہ اللہ والے بنو، اسی کی بندگی کرو، کسی دوسرے کو اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ۔

وہ کبھی یہ تعلیم نہیں دے سکتے کہ فرشتوں (جبرئیل علیہ السلام) کو اور نبیوں کو یعنی خود ان کو خدا (خود مختار) بناؤ، جب تم نے اسلام قبول کر لیا تو اب وہ تمہیں کافر کیسے بنائیں گے؟ بادشاہ: سفارت اسی کو سونپتا ہے جو حکومت کا وفادار ہو، اور لوگوں کو وفاداری کی تعلیم دے۔ اگر وہ بغاوت کی تعلیم دے تو اسے رسول نہیں بنایا جاتا۔

آیاتِ پاک: اور بے شک اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبانیں مروڑتے ہیں — اور کچھ کا کچھ پڑھتے ہیں — تاکہ تم اس (پڑھے ہوئے) کو اللہ کی کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ اللہ کی کتاب کا حصہ نہیں — خود ساختہ کلام ہے — اور وہ کہتے ہیں کہ وہ (بڑھایا ہوا) اللہ کے پاس سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں، اور وہ جانتے بوجھتے اللہ کے نام جھوٹ لگاتے ہیں۔

کسی انسان سے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو آسمانی کتاب، عقل و فہم اور نبوت عطا کریں — مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں — پھر وہ لوگوں سے کہے: اللہ کو رہنے دو، میرے بندے بن جاؤ — مشرکین بڑے خدا کو مانتے ضرور ہیں، مگر

اس کی عبادت نہیں کرتے — بلکہ (وہ کہے گا:) اللہ والے بنو، کیونکہ تم اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم دیگر مذہبی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے ہو — جن میں اللہ ہی کی بندگی کا حکم ہے۔

وہ تمہیں کبھی یہ حکم نہیں دے گا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب (معبود) بنا لو، کیا وہ تمہیں اللہ کے انکار کا حکم دے گا تمہارے مسلمان ہونے کے بعد؟ — یہ ناممکن بات ہے، غیر اللہ کی بندگی کفر ہے، پس تثلیث سے باز آؤ، یہ نقض عہد ہے!
فائدہ: ﴿الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ جمع لائے ہیں، حالانکہ مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں، اس لئے کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، پس آیت ان کو بھی شامل ہو جائے گی، اسی طرح ﴿التَّبٰٓیِّنٰتِ﴾ کو بھی جمع لائے ہیں، اگرچہ مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں، کیونکہ یہود عزیر علیہ السلام کو بھی اللہ کا بیٹا کہتے تھے، پس آیت ان کو بھی شامل ہوگی۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّۦنَ لَمَّا اٰتٰیۡنٰکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحٰکِمَةٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ مَّصٰدِقٍ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَّلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالِۡۤا اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرٰی ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالِۡۤا فَشٰہِدُوْۤا وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۱۰﴾

اور البتہ ضرور مدد کریں	وَلَتَنْصُرُنَّہٗ	اور دانشمندی	وَّحٰکِمَةٍ ^(۲)	اور (یاد کرو) جب	وَ اِذْ
گے تم اس کی	قَالَ	پھر آیا تمہارے پاس	ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ ^(۳)	لیا اللہ نے	اَخَذَ اللّٰهُ
پوچھا	ءَاَقْرَرْتُمْ	عظیم المرتبت رسول	مُصَدِّقٌ	وہن (قول وقرار)	مِيثَاقَ
کیا تم نے اقرار کیا	وَاَخَذْتُمْ	سچا بتانے والا	لِمَا مَعَكُمْ	نبیوں سے	النَّبِیِّۦنَ
اور لیا تم نے	عَلٰی ذٰلِکُمْ	اس کو جو تمہارے پاس ہے	لَتُؤْمِنُنَّ	البتہ جو	لَمَّا ^(۱)
اس بات پر	اِصْرٰی ^(۴)	البتہ ضرور ایمان لاؤ گے تم	بِہٖ	دی میں نے تم کو	اٰتٰیۡنٰکُمْ
میرا عہد		اس پر		کوئی کتاب	مِّنْ کِتٰبٍ

(۱) لَمَّا: لام ابتداء ہے، اخذ میثاق میں جو قسم کے معنی ہیں اس کی تاکید کرتا ہے، اور ما: موصولہ ہے (۲) حکمہ: اور حکم: ہم معنی ہیں، اس کے معنی ہیں: دانشمندی کی باتیں، یعنی انبیاء کی حدیثیں، انبیائے کرام فہم و فراست کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں (۳) رسول: کی تنوین تعظیم کے لئے ہے، مراد خاتم النبیین ﷺ ہیں قالہ علی وابن عباس رضی اللہ عنہما (۴) اصر: لغوی معنی ہیں: بوجھ اور مجازی معنی ہیں: قول وقرار، عہد و پیمان، کیونکہ عہد کی ذمہ داری کا بھی انسان پر بوجھ پڑتا ہے۔

قَالُوا أَقْدَرْنَا	جواب دیا انھوں نے اقرار کیا ہم نے	قَالَ فَاشْهَدُوا ^(۱)	فرمایا پس گواہی دو	وَإِنَّا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ^(۲)	اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں
------------------------	--------------------------------------	-------------------------------------	-----------------------	--	--

نبی ﷺ صرف نبی الامت نہیں، نبی الانبیاء والامم بھی ہیں

آیت کی تفسیر سے پہلے یہ جان لیں کہ نبی ﷺ کی شان صرف نبی الامت کی نہیں، نبی الانبیاء والامم کی بھی ہے۔ حدیث میں ہے: اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری پیروی کے سوا چارہ نہ تھا، اور حدیث میں ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو قرآن و حدیث کی پیروی کریں گے، اور حدیث میں ہے کہ میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں، یعنی از آدم تا قیام قیامت سبھی لوگوں کی طرف آپ کی بعثت ہوئی ہے، اور حدیث میں ہے کہ میں نبی تھا اور آدم ہنوز روح و جسد کے درمیان تھے، اور آپ ہی قیامت کے دن تمام امتوں کے صلحاء کے لئے شفاعت کبریٰ فرمائیں گے، اور آپ نے معراج سے واپسی میں بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی ہے، اور قیامت کے دن تمام انسان آپ ہی کے جھنڈے تلے جمع ہونگے، اور سورۃ الاحزاب (آیت ۴۰) میں ﴿رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ کے بعد ﴿خَاتَمَ النَّبِيِّنَ﴾ کا وصف لایا گیا ہے، پہلے وصف کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے مؤمنین آپ کے روحانی بیٹے ہیں، کیونکہ ان کو ایمان آپ کی بدولت ملا ہے، اور دوسرے وصف کا یہ بھی مطلب ہے کہ گذشتہ امتوں کے مؤمنین آپ کے روحانی پوتے ہیں، کیونکہ گذشتہ انبیاء کو فیض نبوت آپ سے پہنچا ہے، آپ وصف نبوت کے ساتھ بالذات متصف ہیں، اور دوسرے انبیاء بالعرض، کیونکہ آپ خاتم النبیین (نبیوں کی مہر) بھی ہیں، پس ان کی امتیں آپ کی بالواسطہ امتیں ہیں، پس ضروری ہوا کہ تمام امتوں سے ان کے انبیاء کے توسط سے عہد و پیمان لیا جائے کہ جب آپ کا ظہور ہو تو سب امتیں آپ پر ایمان لائیں، آپ کی پیروی کریں، اور آپ کی مدد کریں، کیونکہ آپ کی نبوت کا وجود اگرچہ سب سے پہلے ہوا ہے، مگر ظہور کسی مصلحت سے سب کے بعد ہوا ہے، جیسے نظام شمسی میں سورج سب سے پہلے منور ہوا ہے، باقی سیارے اس کے پرتو سے روشن ہوئے ہیں، پھر جب ستارے اپنی چمک دمک دکھالیتے ہیں تو آفتاب نبوت طلوع ہوتا ہے، پھر کسی ستارے کی ضیاء پاشی باقی نہیں رہتی۔

(۱) اَشْهَدُوا: فعل امر، صیغہ واحد مذکر حاضر، شہد (س) علیٰ کذا شہادۃ: گواہی دینا، کسی بات کی یقینی خبر دینا، اور گواہی دو: یعنی اپنی امتوں کو ہدایت دو (۲) شہادت کے مفہوم میں دیکھنے کے معنی ہیں، جیسے ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾: جو ماہ رمضان (کے چاند) کو دیکھے وہ اس کے روزے رکھے، اور اللہ کا گواہ ہونا یہ ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ انبیاء نے امتوں کو ہدایت دی یا نہیں؟

و فد نجران نے دوسرا عہد و پیمان بھی توڑا، وہ نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے!

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ ﴿رَسُولٌ﴾ سے مراد نبی ﷺ ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد الست میں نبی ﷺ کے تعلق سے یہ عہد لیا ہے کہ اگر وہ ان کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں، اور ان کی تائید و نصرت کریں، اور اپنی امتوں کو بھی اس کی ہدایت کریں۔

آیت کریمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کوئی کتاب اور فہم و فراست دوں، پھر تمہارے پاس عظیم الشان رسول (محمد ﷺ) آئیں جو اس کتاب کی تصدیق کریں جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے، اور تم ضرور ان کی مدد کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے (انبیاء سے) پوچھا: کیا تم نے اس بات کا اقرار کیا؟ اور اس معاملہ میں میرا عہد و پیمان قبول کیا؟ سب نے جواب دیا: ہم نے اقرار کیا! — پس تم (اپنی امتوں کے سامنے) گواہی دو — یعنی اپنی امتوں کو وصیت کرو کہ جب اس عظیم الشان رسول کا ظہور ہو تو سب ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید و نصرت کریں — اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں — یعنی دیکھ رہا ہوں کہ کس نے وصیت کی، کس نے نہیں کی؟ جواب: سب نے کی تھی، کیونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں، وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ سَلَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝

فَمَنْ تَوَلَّىٰ	پس جس نے روگردانی کی	الْفَاسِقُونَ	حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں	يَبْغُونَ	چاہتے ہیں وہ
بَعْدَ ذَلِكَ	بعد ازیں	أَفَغَيْرَ	کیا پس علاوہ	وَلَهُ	حالانکہ اس کے لئے
فَأُولَٰئِكَ	پس وہ لوگ	دِينِ اللَّهِ	اللہ کے دین کے	مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہیں
هُمُ	ہی				

اور زمین میں ہیں	وَإِسْحَاقَ	اور اسحاق	وَنَحْنُ لَهُ	اور ہم اس کی
خوشی سے اور ناخوشی سے	وَيَعْقُوبَ	اور یعقوب	مُسْلِمُونَ	اطاعت کرنے والے ہیں
اور اسی کی طرف	وَالْأَسْبَاطَ	اور ان کی اولاد پر	وَمَنْ يَبْتَغِ	اور جو چاہے گا
لوٹائے جائیں گے وہ	وَمَا أُوتِيَ	اور جو دیئے گئے	غَيْرَ الْإِسْلَامِ	اسلام کے علاوہ
کہو	مُؤْمِنٌ	موسیٰ	دِينَنَا	دین
ایمان لائے ہم	وَعِيسَى	اور عیسیٰ	فَلَنْ	پس ہرگز
اللہ پر	وَالنَّبِيِّينَ	اور دیگر انبیاء	يُقْبَلُ	قبول نہیں کیا جائے گا
اور اس پر جو اتارا گیا	مِنْ رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی	مِنْهُ	اس سے
ہم پر	لَا نُفَرِّقُ	طرف سے	وَهُوَ	اور وہ
اور اس پر جو اتارا گیا	بَيْنَ أَحَدٍ	تہیں جدائی کرتے ہم	فِي الْآخِرَةِ	آخرت میں
ابراہیم پر	مِنْهُمْ	کسی کے درمیان	مِنَ الْخَاسِرِينَ	گھانا پانے والوں میں
اسماعیل		ان میں سے		سے ہوگا

نجران کا وفد نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا تو وہ حکم عدولی ہوگی

جب زمانہ الست میں اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں سے ان کے انبیاء کے توسط سے عہد لیا ہے کہ جب خاتم النبیین ﷺ کا زمانہ آئے تو سب ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، اللہ کا یہ حکم عمل کے لئے ہے، پس اگر نجران والے (عیسائی) ایمان نہیں لائیں گے تو یہ عہد شکنی اور حکم عدولی ہوگی اور وہ حد اطاعت سے باہر ہونگے اور ایسے بندوں کا انجام معلوم ہے۔

﴿فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

ترجمہ: پھر جو اس عہد و پیمان کے بعد روگردانی کرے وہی لوگ نافرمان ہیں!

(۱) طَوْعًا: خوشی سے، كَرْهًا: ناخوشی سے، جو کام کسی کے دباؤ میں ناخوشی سے کیا جائے وہ كَرْهًا (کاف کے زبر کے ساتھ) ہے اور جو ناگوار کام طبیعت کے تقاضے سے کیا جائے وہ كَرْهًا (کاف کے پیش کے ساتھ) ہے، جیسے: ﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كَرْهًا وَوَضَعَتْهُ كَرْهًا﴾: اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت سے پیٹ میں رکھا، اور اس کو بڑی مشقت سے جنا، حمل اور وضع حمل عورت کا طبعی تقاضا ہے، یہاں كَرْهًا کے معنی ہیں: اسلامی حکومت کا باج گزار بننا پڑے گا۔

خوشی سے ایمان لاؤ، ورنہ اسلامی حکومت کا باج گزار بننا پڑے گا

اللہ کا دین وہ ہے جو آخری پیغمبر ﷺ پیش کر رہے ہیں، یہی دین از آدم تا اس دم نازل ہوتا رہا ہے، اس کے علاوہ دیگر ادیان باطل اور بگڑے ہوئے ہیں، نجران والے اسلام کو قبول نہیں کر رہے، وہ دوسرے دین (عیسائیت) پر رہنا چاہتے ہیں، پس سنو! پوری کائنات اللہ کے احکام کی منقاد ہے، قوانین فطرت کے سامنے سراقندہ ہے، کوئی خوشی سے کوئی ناخوشی سے، نجران والے بھی خوشی سے ایمان لائیں تو بہتر ہے، ورنہ ناگواری کے ساتھ ان کو اسلامی حکومت کی رعیت بننا پڑے گا، جزیہ ادا کرنا ہوگا، اس کے سوا چارہ نہیں ہوگا، پھر وہ جائیں گے کہاں؟ لوٹ کر آئیں گے تو اللہ کے پاس، اس وقت ان کے انکار کا بھگتان کر دیا جائے گا۔

﴿ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْعُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴾

ترجمہ: کیا پس وہ لوگ (نجران والے) اللہ کے دین (اسلام) کے علاوہ کسی اور دین (عیسائیت) کو چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ کے سامنے خواہی نخو اہی سراقندہ ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں؟! اور اسی کی طرف وہ (نجران والے) لوٹائے جائیں گے۔

تعصب چھوڑو، دیکھو ہم اسرائیلی انبیاء کو بھی مانتے ہیں

یہود و نصاریٰ کے لئے نبی ﷺ پر ایمان لانے میں یہ چیز بھی مانع بن رہی تھی کہ آپ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں تھے، اور چچا زاد بھائیوں میں چشمک ہوتی ہے، اب قرآن کریم مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ نجران والوں سے کہو: تعصب کا چشمہ اتارو، ہمیں دیکھو: ہم تمام اسرائیلی انبیاء کو بھی مانتے ہیں، پھر تم اسماعیلی پیغمبر کو کیوں نہیں مانتے؟ جس زمانہ میں جو بھی نبی مبعوث ہوئے، اور ان پر جو بھی کتاب نازل ہوئی: ہم بلا تفریق سب کو مانتے ہیں، یہی مسلمان کی شان ہے، بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا اسلام نہیں، تمام انبیاء ایک سرکار کے فرستادے ہیں، اور تمام کتابیں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہیں، پھر ان میں تفریق کے کیا معنی؟ کسی بھی نبی اور کسی بھی آسمانی کتاب کا انکار کفر ہے، آخری نبی اور آخری کتاب کو ماننے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا، اور نجات اسلام ہی سے ہوگی۔

﴿ قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ سَلَا نُفَصِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴾

ترجمہ: کہو: ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا، اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا، اور موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء، ان کے پروردگار کی طرف سے دیئے گئے، ہم ان

میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور ہم اللہ کے فرمان بردار ہیں — یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سب انبیاء اور ان کی کتابوں پر ایمان لائیں، سب کو سچا جانیں، رہا عمل کا معاملہ تو جس پیغمبر کا پریڈ ہوگا، اسی کی تعلیمات پر عمل کیا جائے گا۔

نجات اسلام ہی سے ہوگی

نجران والے عیسائی جان لیں کہ یہودیت و نصرانیت یا کسی بھی دوسرے مذہب سے نجات نہیں ہوگی، نجات اسلام ہی سے ہوگی، اسلام ہی اللہ کا نازل کردہ دین ہے، یہی دین بار بار نازل کیا گیا ہے، جب انسانیت کے حالات بدلتے ہیں یا امتیں اسلام کو ضائع کر دیتی ہیں یا اس میں تحریف و تبدیلی کر دیتی ہیں تو نیا نبی مبعوث ہوتا ہے، اور اس پر اسلام دوبارہ نازل ہوتا ہے، اب آخری مرتبہ خاتم النبیین ﷺ پر وہی اسلام نازل ہو رہا ہے، جو اسلام کا کامل و مکمل ایڈیشن ہے، اب قیامت تک اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کریں گے، وہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہے گا، اس لئے کہ اس کی اصل قرآن کریم محفوظ رہے گی، اور یہودیت و عیسائیت اسلام کی محرف شکلیں ہیں، پس جو نجات کا متمنی ہے وہ اسلام کو اپنائے، اس کی حقانیت کے دلائل لوگوں کے سامنے آچکے ہیں، اور نجران والوں کے دل اس کی صداقت کی گواہی دے چکے ہیں، پھر دیر کس بات کی؟

اور اگر وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ ابھی دنیا میں ہمارا ہاتھ بالا ہے، تو وہ جان لیں کہ دنیا میں بھی حالات پلٹیں گے، ان کو باج گزار (رعیت) ہونا پڑے گا، اور آخرت میں تو پانسا پلٹے گا، اسلام کے علاوہ تمام مذاہب والے ناکام ہونگے، اور گھاٹے میں رہیں گے۔

فائدہ: یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ کہتے ہیں: تمام ادیان برحق ہیں، راستے الگ الگ ہیں اور منزل ایک ہے، ان کی یہ بات قطعاً درست نہیں، اللہ کے نزدیک: مقبول دین وہی ہے جو انھوں نے نازل کیا ہے، اب اسلام اور شریعت نبوی ہی سے نجات ہوگی، نبی ﷺ کی بعثت کے بعد اب کسی اور دین و شریعت سے انسانیت کی نجات و فلاح کا تعلق باقی نہیں رہا (ماخوذ از آسان تفسیر)

﴿ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۗ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دین چاہے گا (اپنائے گا) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ

آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا!

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَ
جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

کیسے	بَعْدَ إِتْمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمْ	اپنے ایمان لانے کے بعد اور گواہی دی انھوں نے کہ یہ رسول برحق ہے اور گئی ان کے پاس	الْبَيْتَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِيهِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ	واضح دلیلیں اور اللہ تعالیٰ منزل سے ہم کنار نہیں کرتے لوگوں کو نا انصافی کرنے والے	كَيْفَ ^(۱) يَهْدِي ^(۲) اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا
------	--	---	--	--	---

گمراہی کے اسباب جب بہت ہو جاتے ہیں تو ایمان کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے

سورۃ البقرۃ (آیت ۷) میں ایک مضمون ہے: ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ﴾ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی، اب وہ ایمان نہیں لائیں گے، جب کوئی شخص گمراہی کے بہت سے اسباب اکٹھا کر لیتا ہے تو اس کی ایمان کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، یہی اللہ کا دلوں پر مہر کرنا ہے، یہاں بھی یہی مضمون ہے، نجران والوں نے گمراہی کے تین اسباب جمع کر لئے، اس لئے اب وہ منزل مقصود (ایمان) تک نہیں پہنچ سکتے، اس میں پیشین گوئی بھی ہے کہ نجران والے ایمان نہیں لائیں گے، چنانچہ وہ جزیہ پر صلح کر کے لوٹ گئے۔

وفد نجران کی گمراہی کے تین اسباب:

۱- وہ اہل کتاب تھے، نبوت اور آسمانی کتاب سے واقف تھے، عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر ان کا ایمان تھا، ان کے لئے نبی ﷺ کی نبوت کا اور قرآن کریم کے کلام الہی ہونے کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، مگر حسد، جلن، ضد اور ہٹ دھرمی کا براہو! اس نے ایمان لانے سے ان کو روک دیا۔

۲- ان کے لاٹ پادری ابو حارثہ نے اعتراف کیا تھا جب اس کا شجر لڑکھڑایا تھا، اور اس کے بھائی گرز نے عَسَىٰ الْاٰبَعْدُ! کہا تھا تو ابو حارثہ نے کہا تھا: ایسا مت کہو، یہ وہی نبی ہیں جن کی ہماری کتابوں میں اطلاع ہے، یہ اس کی گواہی تھی کہ آپ برحق نبی ہیں، مگر وہ طے کر کے آئے تھے کہ ایمان نہیں لانا، بلکہ بحث کر کے ان کو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کے موقف سے ہٹانا ہے، ان کو عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت اور الوہیت کا قائل کرنا ہے۔

۳- ان کے سامنے اسلام کی حقانیت کے بہت سے دلائل آچکے ہیں، مکہ مکرمہ فتح ہو گیا ہے، اسلام کا ڈنکا بجنے لگا ہے اور عربوں کا رجوع عام شروع ہو گیا ہے، اور سورۃ آل عمران میں ننانوے آیتیں نازل ہو چکی ہیں، جن میں عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح (۱) کیف: استفہام انکاری ہے یعنی منزل تک نہیں پہنچاتے (۲) ہدایت کے دو معنی ہیں: إِرَاءُ الطَّرِيقِ: راہ نمائی کرنا اور إِيصَالٌ إِلَى الْمَطْلُوبِ: منزل تک پہنچانا، یہاں دوسرے معنی ہیں۔

پوزیشن واضح کر دی ہے اور ان کو مہلہ کی دعوت دی جا چکی ہے، جس کو انھوں نے قبول نہیں کیا، یہ سب نبی ﷺ کی صداقت، قرآن کریم کی حقانیت اور اسلام کے سچے مذہب ہونے کے واضح دلائل ہیں، پھر بھی وہ ایمان لانے کے لئے تیار نہیں۔

ایسے نالائقوں کو اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک نہیں پہنچایا کرتے، انھوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی ہے، اس لئے ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے، اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

آیت کریمہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے منزل مقصود تک پہنچائیں، جنھوں نے (سابقہ نبیوں پر) اپنے ایمان لانے کے بعد (نبی ﷺ پر) ایمان لانے سے انکار کر دیا، اور انھوں نے گواہی دی کہ اللہ کا یہ رسول برحق ہے، اور ان کے پاس (اسلام کی حقانیت کے) واضح دلائل (بھی) آچکے؟ اور اللہ تعالیٰ ناانصافوں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچایا کرتے — یہ اللہ کی سنت ہے، جو منزل پانا چاہتا ہے اسی کو منزل ملتی ہے۔

أُولَئِكَ جَزَاءُهُمْ أَنْ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

وہ لوگ	خَلِدِينَ فِيهَا	ہمیشہ رہنے والے	إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا	مگر جنھوں نے توبہ کی
ان کا بدلہ	لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ	اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا	مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ	بعد ازاں
(یہ ہے) کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے	الْعَذَابُ	ان سے عذاب	وَأَصْلَحُوا	اور نیک ہوئے وہ
اور فرشتوں کی اور لوگوں کی	وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ	اور نہ وہ ڈھیل دیئے جائیں گے	إِنَّ اللَّهَ	تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحم فرمانے والے ہیں

جن لوگوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی: ان کی سزا

جن لوگوں نے اپنی ایمان کی صلاحیت کھودی ہے: ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور سبھی لوگوں کی لعنت ہے، لعنت کا مفہوم

اللہ کے تعلق سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں اپنی رحمت سے محروم کریں گے، اور ملائکہ اور لوگوں کے تعلق سے یہ ہے کہ وہ دعا کرتے ہیں: الہی! ان کو آخرت میں اپنی رحمت سے محروم رکھنا۔

اس لعنت کا اثر آخرت تک پہنچے گا، وہ ہمیشہ اس لعنت کے اثر (دوزخ) میں رہیں گے، وہاں نہ کسی وقت عذاب کی شدت میں کمی آئے گی، نہ دنیا کی طرف لوٹنے کی مہلت ملے گی۔

ہاں ایک چانس ہے، ابھی دنیا میں توبہ کریں، ایمان لے آئیں اور اپنے اعمال کو سنوار لیں تو اللہ کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، وہ غفور الرحیم ہیں، سب گناہ یک قلم معاف کر دیں گے۔

آیاتِ کریمہ: ان لوگوں کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور سبھی لوگوں کی لعنت ہے — حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت بھیجتے ہیں، جب کہتے ہیں کہ ظالموں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت! تو وہ لعنت ان پر بھی واقع ہوتی ہے (فوائد)

— وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا، نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے، ہاں جو بعد ازیں توبہ کریں اور سنور جائیں تو اللہ تعالیٰ بلاشبہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا لَنْ نُقْبَلَ تَوْبَتَهُمْ، وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿۱۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّةٌ مِنَ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَا بِهَا، وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَصْرِينَ ﴿۱۱﴾

۴۴۵

زمین بھر کر	مِلَّةٌ مِنَ الْأَرْضِ	اور وہی لوگ	وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ	پیشک جن لوگوں نے	إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
سونا	ذَهَبًا	گمراہ ہیں	الضَّالُّونَ	انکار کیا	بَعْدَ
اگرچہ فدیہ دیں وہ	وَلَوْ افْتَدَا بِهَا	پیشک جن لوگوں نے	إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا	بعد	إِيمَانِهِمْ
اس کے ذریعہ	بِهَا	انکار کیا	وَمَاتُوا	ان کے ایمان لانے کے	ثُمَّ أَزْدَادُوا
انہی لوگوں کے لئے	أُولَئِكَ لَهُمْ	اور مرے وہ	وَهُمْ كُفَّارٌ	پھر بڑھتے چلے گئے	كَفْرًا
دروناک عذاب ہے	عَذَابٌ أَلِيمٌ	درانحالیکہ وہ منکر تھے	فَلَنْ يُقْبَلَ	انکار میں	لَنْ نُقْبَلَ
اور نہیں سہان کے لئے	وَمَا لَهُمْ	پس ہرگز قبول نہیں کیلجا ریگا	مِنْ أَحَدِهِمْ	ہرگز قبول نہیں کی جائیگی	تَوْبَتَهُمْ
کوئی بھی مددگار	مِنْ نَصْرَيْنَ	ان میں سے کسی سے		ان کی توبہ	

توبہ کا وقت غرغہ لگنے تک ہے، اس کے بعد نہ توبہ قبول ہے نہ فدیہ

اب وفد نجران کے تعلق سے دو باتیں بیان فرماتے ہیں:

۱- نجران کے عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور ان کی کتاب انجیل پر ایمان تھا، اور دونوں نے صاف صاف نبی ﷺ کی پیشین گوئی کی تھی، اس لئے عیسائیوں کے لئے نبی ﷺ پر ایمان لانا آسان تھا، مگر وہ ایمان نہیں لائے، اب اگر وہ نبی ﷺ اور اسلام کی مخالفت میں بڑھتے چلے گئے، اور موت تک ان کا یہی حال رہا تو بوقت نزع وہ توبہ کرنا چاہیں گے تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس دنیا میں ایمان بالغیب مطلوب ہے، اُن دیکھی سچائیوں کو ماننا ہے، اور جب موت کا فرشتہ آگیا تو پردہ ہٹ گیا، اس لئے اب ایمان لانا معتبر نہیں، اب وہ گمراہی کی حالت میں مرنے والے قرار پائیں گے، لہذا ان کو چاہئے کہ ابھی ایمان لائیں، ابھی وقت ہے، ان کی توبہ قبول ہوگی۔

۲- موت کے بعد اگر وہ عذاب سے بچنے کے لئے زمین بھر کر سونا دیں تو بھی وہ عذاب سے نہیں بچ سکیں گے، اول تو آخرت میں ہر شخص خالی ہاتھ ہوگا، اور اگر بالفرض کسی کے پاس مال ہو، اور وہ اس کو فدیہ میں پیش کرے تو قبول نہیں کیا جائے گا، آخرت میں صرف ایمان و عمل صالح کام آئے گا، مال و زر کام نہیں آئے گا۔

فائدہ: توبہ کب تک قبول ہوتی ہے؟ جواب: موت کے وقت جب روح جسم سے نکلے لگتی ہے تو دم گھٹنے لگتا ہے، اور حلق کی نالی میں ایک قسم کی آواز پیدا ہوتی ہے، اس کو ”حالت نزع“ کہتے ہیں، اس کے بعد زندگی کی کوئی امید نہیں رہتی، اور اس وقت دوسرا عالم منکشف ہو جاتا ہے، اس لئے اس وقت کا ایمان اور توبہ قابل قبول نہیں، کیونکہ ایمان بالغیب (بن دیکھے ایمان لانا) مطلوب ہے، اس لئے جب تک موت آنکھوں کے سامنے نہ آجائے توبہ کا موقع ہے، سورۃ النساء (آیت ۱۸) میں ہے: ”اور ایسے لوگوں کی توبہ قابل قبول نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہوتی ہے یعنی دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں تو وہ کہتا ہے: میں اب توبہ کرتا ہوں! اور نہ ان لوگوں کا ایمان قابل قبول ہے جن کو حالت کفر میں موت آجاتی ہے“

آیات پاک: بیشک جن لوگوں نے (نبی ﷺ پر ایمان لانے سے) انکار کیا، ان کے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر) ایمان لانے کے بعد، پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور وہی لوگ گمراہ ہیں — یہ پہلی بات ہے، پھر تمہید لوٹا کر دوسری بات فرمائی ہے — بے شک جن لوگوں نے انکار کیا — یہ تمہید لوٹائی ہے — اور کفر ہی کی حالت میں ان کی موت آئی، تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر کر سونا، اگرچہ جان چھڑانے کے لئے اس کو پیش کرے، انہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے، اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ
بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾

لَنْ تَنَالُوا	ہرگز حاصل نہیں کر سکو گے	مِمَّا تُحِبُّونَ	اس جس کو پسند کرتے تھے	فَإِنَّ اللَّهَ	تو بیشک اللہ تعالیٰ
الْبِرَّ	کامل نیکی	وَمَا تُنْفِقُوا	اور جو خرچ کرو گے	بِهِ	اس سے
حَتَّى تُنْفِقُوا	یہاں تک کہ خرچ کرو	مِنْ شَيْءٍ	کوئی بھی چیز	عَلِيمٌ	خوب واقف ہیں

پیاری چیز خرچ کرو بڑی نیکی پاؤ گے؟

وفد نجران کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اور انجیل سے بڑی محبت تھی، وہ کسی قیمت پر ان کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، ان سے قاعدہ کلیہ کی شکل میں فرماتے ہیں کہ اپنی پیاری چیز خرچ کرو، اور اس کے بدل نبی ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان لاؤ، کامیاب ہو جاؤ گے، پیاری چیز خرچ کرنے ہی سے بڑی نیکی ملتی ہے۔

قاعدہ کلیہ: نیکی میں کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اپنی پیاری چیز خرچ کرے، اگر کوئی اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرنا چاہے تو اپنی محبوب چیزوں میں سے کچھ راہِ خدا میں خرچ کرے، جس چیز سے دل بہت لگا ہوا ہو اس کو خرچ کرنے میں بڑا ثواب ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اپنا محبوب گھوڑا خیرات کیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خیبر کی جائیداد وقف کی اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ اللہ کے راستہ میں پیش کیا۔ اور سورۃ البقرۃ میں جہاں انفاقات کا ذکر ہے: بیان کیا ہے کہ خرچ کرنا دو مقصد سے ہوتا ہے: ایک: اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، غریب کی حاجت روائی پیش نظر نہ ہو تو پیاری چیز خرچ کرنے کا حکم ہے، دوم: غریب کی حاجت روائی مقصود ہو، اور ثواب حاصل کرنا بھی پیش نظر ہو تو ضرورت سے بچی ہوئی چیز خرچ کرنے کا حکم ہے، آیت کے شروع میں پہلی قسم کا بیان ہے اور آخر میں دوسری قسم کا۔

آیت پاک: ہرگز نیکی (میں کمال) حاصل نہیں کر سکو گے جب تک اپنی پیاری چیز میں سے کچھ خرچ نہ کرو، اور جو بھی چیز تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلاَّبَتْنِي اِسْرَاءِ يَلِ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَاءِ يَلِ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ ۗ قُلْ قَاتُوا بِالَّتَّوْرَةِ ۗ فَاثَلُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكٰذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۱﴾

كُلُّ الطَّعَامِ ^(۱)	سبھی کھانے	قُلْ	کہو	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	پس وہی لوگ
كَانَ حَلٰلًا	حلال تھے	فَاتَّبِعُوْا	پس لاؤ	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم ہیں
اِبْنِيْٓ اِسْرٰٓءِيْلَ	بنی اسرائیل کے لئے	بِالتَّوْرَةِ	تورات	قُلْ	کہہ دو
اِلَّا مَا	مگر جو	فَاتَّبَعُوْهَا	پس پڑھو اس کو	صَدَقَ اللّٰهُ	سچ فرمایا اللہ نے
حَرَّمَ	حرام کیا	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	فَاتَّبِعُوْا	پس پیروی کرو
اِسْرٰٓءِيْلَ	یعقوب نے	صٰدِقِيْنَ	سچے	مِلَّةَ	ملت
عَلٰى نَفْسِهٖ	اپنے اوپر	فَمِنْ اَفْتَرٰى	اب جس نے گھڑا	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کی
مِنْ قَبْلِ	پہلے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	حَنِيفًا	پکا موحد
اَنْ تَنْزَلَ	نازل ہونے	الْكٰذِبَ	جھوٹ	وَمَا كَانَ	اور نہ تھا وہ
التَّوْرَةَ	تورات کے	مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	بعد ازیں	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے

سب کھانے جو اسلام میں حلال ہیں ملتِ ابراہیم میں حلال تھے

ان آیات میں اہل کتاب (یہود و نصاری) کے ایک اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کا دعوی کرتے ہیں، جبکہ آپ اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں اور اس کا دودھ پیتے ہیں، حالانکہ یہ چیزیں ملتِ ابراہیم میں حرام تھیں، ان آیات میں اس کا جواب دیا ہے کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں حرام نہیں تھیں اور تورات میں ان کی حرمت حضرت یعقوب علیہ السلام کی نذر کی وجہ سے آئی ہے، پس یہ بنی اسرائیل کے لئے مخصوص حکم ہے، ملتِ ابراہیمی کی بات نہیں، تورات لاؤ اور اس میں دکھاؤ کہ یہ حرمت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے، نہیں دکھا سکو گے، اللہ تعالیٰ سچ فرما رہے ہیں، لہذا ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرو، وہ حنیف (پکے موحد) تھے، اور تم اے نجران والو عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی میں شریک کرتے ہو! اور سب بولے بولے چھلتی بھی بولی جس میں ستر چھید! مشرکین بھی کہنے

(۱) كُلُّ الطَّعَامِ مِمَّنْ كَلَّمَ: موجب کلیہ کا سور ہے، مگر حصر اضافی ہے ای: بالنسبة إلى الشريعة الإسلامية: ساری چیزیں جو شریعتِ اسلامیہ میں حلال ہیں۔

لگے: ہم ملتِ ابراہیم پر ہیں، پس کیا ابراہیم علیہ السلام بت پرست تھے؟ وہ تو بت شکن تھے!

اس کی تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام، جن کا لقب اسرائیل تھا، عرق النساء میں مبتلا ہوئے، یہ درد چڈوں سے شروع ہو کر ٹخنوں تک جاتا ہے، اس میں اونٹ کا گوشت اور دودھ مضر ہے، اس لئے انھوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ شفاء بخشیں تو وہ یہ دونوں چیزیں چھوڑ دیں گے، شفاء ہوگئی، اور انھوں نے وہ دونوں چیزیں چھوڑ دیں تو ان کی اولاد نے بھی وہ چیزیں چھوڑ دیں۔

پھر چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا اور تورات نازل ہوئی، اس میں ان دونوں چیزوں کو بعض دوسری چیزوں کے ساتھ حرام کر دیا، اس لئے کہ بنی اسرائیل ان کے ترک کے خوگر ہو چکے تھے، اور قومی تصورات کا تحریم میں اعتبار ہوتا ہے، پس یہ حرمت بنی اسرائیل کے لئے خاص تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا یہ حکم نہیں تھا، یہ بات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، اور اللہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہو سکتا۔

پھر نجران والوں کی توجہ پھیری کہ اس فرعی مسئلہ میں کیا الجھ رہے ہو، دین ابراہیم کا بنیادی مسئلہ تو حید ہے، ابراہیم علیہ السلام حنیف (یکے موحد) تھے، اور تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت میں شریک کر رکھا ہے، اس کو کیوں نہیں سوچتے! اور آخر میں مشرکین کی بھی چٹکی لی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صنم پرست کہاں تھے، جو تم کہتے ہو کہ ہم ان کی ملت پر ہیں، وہ تو بت شکن تھے، لہذا تم بھی اپنے موقف پر نظر ثانی کرو۔

آیات کریمہ: سب کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حلال تھیں، مگر جو نزولِ تورات سے پہلے اسرائیل نے اپنے لئے حرام کر لی تھیں، کہو: تورات لاؤ، اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو — کہ یہ چیزیں ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں حرام تھیں، تورات سے یہ بات ثابت کرو — پس جو اس وضاحت کے بعد بھی اللہ کی طرف غلط بات منسوب کرے — اور مرغ کی ایک ٹانگ! گائے جائے — وہی لوگ اپنے پیروں پر کلبھاڑی مار رہے ہیں۔ کہہ دو: اللہ نے سچ فرمایا ہے، پس یکے موحد ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو، اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے!

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱﴾ فِيهِ
 آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَاللَّهُ عَلَى النَّاسِ حَكِيمٌ
 الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۲﴾

إِنَّ أَوَّلَ	بے شک پہلا	بَيْتٍ	گھر	وُضِعَ	(جو) رکھا گیا
---------------	------------	--------	-----	--------	---------------

اللَّيْسُ	لوگوں کے لئے	مَقَامٌ ^(۴)	(جیسے) کھڑے ہونے	الْبَيْتِ	اس گھر کا
لَلَّذِي ^(۱)	البتہ وہ گھر ہے جو	إِبْرَاهِيمَ	کی جگہ	مِنْ اسْتِطَاءٍ	جو طاقت رکھتا ہو
بِبَكَّةَ ^(۲)	مکہ میں ہے	وَمَنْ دَخَلَهُ	ابراہیم کی	إِلَيْهِ	اس کی طرف
مُابِرًا ^(۳)	برکت والا	كَانَ آمِنًا	اور جو اس میں داخل ہوا	سَبِيلًا	راہ کی
وَهُدًى	اور راہ نما	وَاللَّهُ	امن والا ہو گیا	وَمَنْ كَفَرَ	اور جس نے انکار کیا
لِلْعَالَمِينَ	جہانوں کے لئے	عَلَى النَّاسِ	اور اللہ کے لئے	فَإِنَّ اللَّهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ
فِيهِ	اس میں	سَجَّ ^(۵)	لوگوں کے ذمے ہے	عَنِّي	بے نیاز ہیں
آيَاتُ بَيِّنَاتٍ	واضح نشانیاں ہیں		قصد کرنا	عَنِ الْعَالَمِينَ	جہانوں سے

کعبہ شریف بیت المقدس سے پہلے تعمیر کیا گیا ہے، تاکہ سب لوگ اس کا حج کریں

ان آیات میں اہل کتاب کے ایک دوسرے اعتراض کا جواب ہے، وہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل وطن شام ہے، عراق سے ہجرت کر کے شام میں جا بسے تھے، وہیں وفات پائی، پھر ان کی اولاد شام میں رہی، ہزاروں انبیاء ان کی نسل میں مبعوث ہوئے، ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنایا، جو دنیا کے زرخیز آباد خطہ میں ہے، اور تم سرزمین شام سے دور ایک بے آب و گیاہ خطے میں پڑے ہو، پھر کس منہ سے دعویٰ کرتے ہو کہ ہم ملتِ ابراہیم پر ہیں، اور ہمیں ابراہیم سے زیادہ قرب و مناسبت ہے، جبکہ تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنایا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف پہلے تعمیر کیا ہے، اور تعمیر مکمل کر کے حج کا اعلان بھی کیا ہے، پھر چالیس سال بعد بیت المقدس کی بنیاد رکھی ہے (بخاری حدیث ۳۴۲۵) اور اس کی عمارت کی تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی ہے، بیت المقدس کو حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لئے قبلہ بنایا تھا، تمام لوگوں کے لئے اللہ کا یہ گھر تعمیر نہیں کیا تھا۔

اللہ کا یہ پہلا گھر شہر مکہ میں ہے، مکہ کا تذکرہ اہل کتاب کے صحیفوں میں بکۃ کے لفظ سے ہے، پھر باء میم سے بدل گئی تو مکہ ہو گیا، جیسے لازب کی باء میم سے بدل گئی تو لازم ہو گیا، اور یہ قدیم نام قرآن میں اس لئے اختیار کیا کہ اہل کتاب کو یقین (۱) لَلَّذِي: ان کی خبر ہے اور لام زائد ہے۔ (۲) اہل کتاب کے صحیفوں میں مکہ کے لئے بکۃ تھا، اسی کا یہاں ذکر کیا ہے، تاکہ اہل کتاب نبی ﷺ کو پہچانیں۔ (۳) مبارک کا اور ہدیٰ: نوح کی ضمیر سے حال ہیں (۴) مقام: مبتدا ہے اور منہا خبر محذوف ہے (۵) حَجَّ: حاء کا زبر اور زیر: مصدر ہے: قصد کرنا، ارادہ کرنا۔

آئے کہ یہ مکہ وہی بلکہ ہے۔

اور اللہ کا یہ گھر بابرکت ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یہاں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ چنا ہے، اور جہاں بزرگوں کے تبرکات ہوتے ہیں وہ جگہ بابرکت ہوتی ہے۔ دوم: اس وجہ سے کہ جو اللہ کے گھر کے صحن (حرم) میں بھی پہنچ جاتا ہے مأمون ہو جاتا ہے، یہ اسی جگہ کی برکت ہے۔

اور اللہ کا یہ گھر سارے عالم کی دینی راہ نمائی کرتا ہے، تمام لوگوں پر اس کا حج فرض ہے، جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے، اور سب لوگ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، جو دین کا بنیادی فریضہ ہے، یہ دینی راہ نمائی ہے۔

اب بتاؤ: بیت المقدس میں ایسی کیا چیز ہے؟ پس اہمیت بیت اللہ کو حاصل ہوئی یا بیت المقدس کو؟ اور اس امت نے چند ماہ جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے وہ عارضی حکم تھا، اس کا مقصد اس امت کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا تھا، تاکہ اس امت کو انبیائے بنی اسرائیل سے بعد اور ان کی امتوں سے عداوت نہ رہے، یہ مقصد الحمد للہ! حاصل ہو گیا، پھر ان کے اصلی قبلہ کی طرف ان کو پھیر دیا گیا۔

اور نبی ﷺ نے دو خواب دیکھے ہیں:

ایک: موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ تلبیہ پڑھتے ہوئے حج/ عمرہ کے لئے اونٹ پر تشریف لارہے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ ان کی امت بھی ایمان لا کر حج/ عمرہ کے لئے آئے، اب قبلہ ایک ہی ہے۔

دوسرا: عیسیٰ علیہ السلام کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، اور ان کے پیچھے دجال کو دیکھا، اس میں دو اشارے ہیں: ایک: ان کی امت بھی ایمان لا کر حج/ عمرہ کے لئے آئے۔ دوم: دونوں مسیح جمع ہونگے، اور ایسا آخر زمانہ میں ہوگا۔
تفصیل: یہ آیات اہم ہیں، ان کا انداز بھی نرالا ہے، اس لئے ان کی کچھ تفصیل ضروری ہے:

۱- پہلا گھر: یہ اولیت مطلقہ کا بیان نہیں، بلکہ بیت المقدس کی بہ نسبت اولیت کا بیان ہے، اگرچہ کعبہ شریف کو اولیت مطلقہ بھی حاصل ہے، ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بھری ہوئی بنیادوں پر دیواریں اٹھائی ہیں ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ﴾ میں اس کی صراحت ہے، اور تاریخی روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے بھی کعبہ کی تعمیر کی ہے، بلکہ ان سے پہلے ملائکہ نے تعمیر کی ہے، اور یہ جگہ البیت المعمور کی محاذات میں ہے، اور زمین اسی جگہ سے ابھری ہے، پہلے ساری زمین پر پانی تھا، خشکی بعد میں ابھری ہے، اس وقت اے زمین پانی میں دو بی ہوئی ہے، ۲۹٪ زمین کی بالائی سطح خشک ہے، جس پر لوگ آباد ہیں، اور اس کے نیچے بھی پانی کے سوت ہیں، جب زمین پانی میں سے ابھرنی شروع ہوئی تو سب سے پہلے کعبہ کی جگہ نمودار ہوئی، اس طرح اس کو اولیت مطلقہ بھی حاصل ہے، مگر یہاں جس

اولیت کا ذکر ہے وہ اولیتِ اضافیہ ہے، یعنی بیت المقدس سے چالیس سال پہلے ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف تعمیر کیا۔
۲- لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا: یعنی سبھی لوگوں کے لئے یہ گھر بنایا گیا ہے، الناس کا ال استغراقی ہے، اور اس کا ظہور خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد ہوا، آپ کی نبوت عام تام ہے، پس سب لوگ اس کی طرف نماز پڑھیں گے، اور اس کا حج کریں گے۔

۳- بکۃ: مکہ کا قدیم تلفظ ہے، اور اس کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اہل کتاب کے صحیفوں میں یہ نام آیا ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: شہر، جیسے بعلبک: یعنی بعل بت کا شہر، اور جیوش انساٹیکلو پیڈیا میں صراحت ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب و گیاہ وادی کا نام ہے، زبور میں بھی اس کا ذکر ہے (تذکر قرآن) قرآن کریم نے یہ قدیم نام ذکر کر کے اہل کتاب کو یاد دہانی کرائی ہے کہ کعبہ شریف جس شہر میں ہے وہی بکۃ ہے۔

۴- بابرکت: مکہ شریف دو وجہ سے بابرکت ہے، اس کا تذکرہ اگلی آیت میں ہے: ایک: وہاں مقام ابراہیم ہے۔ دوم: جو وہاں پہنچ جاتا ہے مأمون ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں: زمزم اور حجر اسود بھی اللہ کی نشانیاں ہیں، بلکہ خود کعبہ شریف اللہ کی بہت بڑی نشانی ہے، غور کیجئے کہ ایک چھوٹی سی چوکور عمارت، معمولی پتھروں سے بنی ہوئی، نہ نقش و نگار ہے اور نہ ظاہری حسن و جمال، ایک ایسے خطہ میں جہاں نہ کوئی درخت اگتا ہے اور نہ کوئی پودا، نہ پھل ہے اور نہ پھول، موسم کی ناہمواری اس کے علاوہ، نہ مادی اعتبار سے کوئی سامانِ کشش ہے اور نہ سیاحوں کے لئے کوئی سامانِ دلچسپی، لیکن دنیا کے کونہ کونہ سے اللہ کے بندے سردی و گرمی اور بارش کی پرواہ کئے بغیر دن رات اور صبح و شام اس گھر کی طرف رواں دواں ہیں اور اس کے پھیرے لگا رہے ہیں، اس سے بڑھ کر نشانی اور کیا ہوگی؟ (آسان تفسیر: ۲۵۵)

اور بڑے آدمی کے محل کا ایک احاطہ (صحن) ہوتا ہے، اللہ کے گھر کا بھی حرم ہے، جو اس میں پہنچ جاتا ہے مأمون ہو جاتا ہے، یہ بھی ایک نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو امن و امان کی جگہ بنایا ہے، اسلام سے پہلے جاہلیت میں بھی ہزار لاقانونیت کے باوجود عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ مکہ میں ہر قسم کی دست درازی سے بچتے تھے، باپ کا قاتل نظر پڑتا تو نظریں جھکالیتے تھے، یہ بھی اس گھر کی برکت ہے۔

۵- جہانوں کے لئے راہ نما: پوری زمین کے مسلمان اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور ہر صاحبِ مقدرت پر اس کا حج فرض ہے، یہ گویا مسلمانوں کا عالمی اجتماع ہے، عبادت کے علاوہ ان کو یہاں سے دینی راہ نمائی ملتی ہے۔

۶- اس میں واضح نشانیاں ہیں: پھر دو نشانوں کا تذکرہ کیا ہے، ایک: مقام ابراہیم کا، یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے

ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو چننا تھا، پہلے یہ پتھر کعبہ شریف کے اندر رکھا ہوا تھا، پھر اسلام سے پہلے اس کو باہر رکھا گیا، اب وہاں طواف کا دو گناہ پڑھا جاتا ہے۔ دوم: حرم میں پہنچ کر مامون ہو جانا، تیسری نشانی: زمزم ہے، اس بے آب خطہ میں زمزم کے کنویں میں بے حساب پانی کہاں سے آتا ہے؟ اس کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

۷۔ حج کی فرضیت: کعبہ شریف جمالِ خداوندی کا مظہر ہے، پس ضروری ہوا کہ جسے اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے، اور وہ بدنی اور مالی استطاعت بھی رکھتا ہے: کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیا محبوب میں حاضری دے، اور جو انکار کرے وہ جھوٹا عاشق ہے، وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے محبوب کو اس کی کیا پرواہ ہے؟

آیاتِ پاک: بے شک پہلا گھر جو سب لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ ہے جو شہرِ مکہ میں ہے، وہ بابرکت اور جہانوں کے لئے راہ نما ہے، اس میں واضح نشانیاں ہیں (ان میں سے) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، اور (دوسری نشانی یہ ہے کہ) جو شخص اس میں پہنچ گیا وہ مامون ہو گیا، اور (وہ جہانوں کے لئے راہ نما بایں طور ہے کہ) اللہ (کی بندگی) کے لئے لوگوں کے ذمہ اس گھر کا حج کرنا فرض ہے، جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے، اور جس نے انکار کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہیں!

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ كَفَرْتُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾
قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنِ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا
وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾

قُلْ	کہو	تَعْمَلُونَ	تم کرتے ہو	تَبْغُونَهَا ^(۳)	چاہتے ہو تم اس میں
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ	اے اہل کتاب	قُلْ	کہو	عِوَجًا	کجی
لِمَ كَفَرْتُمْ	کیوں انکار کرتے ہو	يَا أَهْلَ الْكِتَابِ	اے اہل کتاب	وَأَنْتُمْ	اور تم
بِآيَاتِ اللَّهِ	اللہ کی آیتوں کا	لِمَ تَصُدُّونَ	کیوں روکتے ہو	شُهَدَاءُ	گواہ ہو (واقف ہو)
وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	عَن سَبِيلِ ^(۱)	راستے سے	وَمَا اللَّهُ	اور نہیں ہیں اللہ
شَهِيدٌ	دیکھ رہے ہیں	اللَّهُ	اللہ کے	بِغَافِلٍ	بے خبر
عَلَىٰ مَا	ان کاموں کو جو	مَنِ آمَنَ ^(۲)	اس کو جو ایمان لایا	عَمَّا تَعْمَلُونَ	ان کاموں کے جو تم کرتے ہو

(۱) سبیل: مذکورہ موث (۲) من آمن: تصدو ن کا مفعول بہ (۳) تبغونہا: ضمیر سبیل کی طرف راجع ہے۔

وفد نجران سے آخری دو باتیں

ان دو آیتوں پر (آیت ۹۹ پر) وفد نجران سے گفتگو پوری ہو رہی ہے۔ آگے کی آیت گریز کی آیت ہے، اس سے موضوع بدلے گا، پھر آگے آخر سورت تک مسلمانوں سے خطاب ہے اور ان آیتوں میں اہل کتاب (یہود و نصاری) سے دو باتیں فرمائی ہیں:

ایک: تم اللہ کی باتوں کا جو شروع سورت سے تمہیں سنائی جا رہی ہیں، کیوں انکار کرتے ہو؟ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں، تمہاری نیوتوں کو خوب جانتے ہیں، وقت آنے پر رتی رتی کا تم سے حساب لیں گے!

دوم: اہل کتاب ایمان نہ لا کر دوسروں کو تشکیک میں مبتلا کرتے ہیں، ان کا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی راہ میں روڑا اٹکائیں، اگر ان کا ارادہ ایسا ہے تو وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے خوب واقف ہیں، مناسب وقت پر ان کو واجبی سزا دیں گے۔

آیاتِ کریمہ: کہو: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں۔ کہو: اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستہ سے ایمان لانے والوں کو کیوں روکتے ہو؟ تم اس میں کجی چاہتے ہو! دراصل یہ تم خوب جانتے ہو — کہ وہ سچا مذہب ہے — اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا قَرِيبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ
إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تَتْلُوا عَلَيَّكُمْ آيَاتِ اللَّهِ وَفِيكُمْ
رُسُلُهُ ۚ وَمَنْ يَعْصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً
فَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا، وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ
النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے وہ لوگو جو	آمَنُوا	ایمان لائے	إِن تَطِيعُوا	اگر کہنا مانو گے تم
--------------------------------	---------------	---------	------------	---------------	---------------------

دشمن	أَعْدَاءٌ	راستے کی طرف	إِلَى صِرَاطٍ	کچھ لوگوں کا	قَرِيبًا
پس جوڑ دیا	فَأَلَفَ	سیدھے	مُسْتَقِيمٍ	ان میں سے جو	مِنَ الدِّينِ
تمہارے دلوں کو	بَيْنَ قُلُوبِكُمْ	اے وہ لوگو جو	بِأَيِّهَا الدِّينِ	دیئے گئے	أَوْتُوا
پس ہو گئے تم	فَأَصْبَحْتُمْ	ایمان لائے	أَمْثُوا	آسمانی کتاب	الْكِتَابَ
اس کے فضل سے	بِنِعْمَتِهِ	اللہ سے ڈرو	اتَّقُوا اللَّهَ	بنادیں گے تم کو	يُرِيدُ وَكُمْ ^(۱)
بھائی بھائی	إِخْوَانًا	جیسا حق ہے	حَقٌّ ^(۲)	تمہارے ایمان کے بعد	بَعْدَ إِيمَانِكُمْ
اور تھے تم	وَكَنتُمْ	اس سے ڈرنے کا	تَقَاتِبُهُ	کافر	كَافِرِينَ
کنارے پر	عَلَى شَفَا	اور ہرگز نہ مرو تم	وَلَا تَمُوتُنَّ	اور کیسے	وَ كَيْفَ
گھڑے	حُفْرَةٍ	مگر در انحالیکہ تم	إِلَّا وَأَنْتُمْ	کفر کرو گے تم	تَكْفُرُونَ
دوزخ کے	مِنَ النَّارِ	فرمان بردار ہوؤ	مُسْلِمُونَ	در انحالیکہ تم	وَأَنْتُمْ
پس نجات دی تم کو	فَأَنْقَذَكُمْ	اور مضبوط پکڑو	وَاعْتَصِمُوا	پڑھی جاتی ہیں	تَتْلَى
اس سے	مِنْهَا	اللہ کی رسی	يَحْبِلِ اللَّهُ	تم پر	عَلَيْكُمْ
اس طرح	كَذَلِكَ	سب مل کر	جَمِيعًا	اللہ کی آیتیں	آيَاتِ اللَّهِ
بیان کرتے ہیں اللہ	يُبَيِّنُ اللَّهُ	اور نہ بیٹ جاؤ	وَلَا تَفْرَقُوا	اور تمہارے اندر	وَفِيكُمْ
تمہارے لئے	لَكُمْ	اور یاد کرو	وَادْكُرُوا	اس کے رسول ہیں	رَسُولَهُ
اپنی آیتیں	آيَاتِهِ	اللہ کا احسان	نِعْمَتِ اللَّهِ	اور جو مضبوط پکڑے گا	وَمَنْ يَعْتَصِمْ
تا کہ تم	لَعَلَّكُمْ	تم پر	عَلَيْكُمْ	اللہ کو	بِاللَّهِ
راہ ہدایت پاؤ	تَهْتَدُونَ	جب تھے تم	إِذْ كُنْتُمْ	تو بالیقین راہ پائی اس نے	فَقَدْ هَدَى

رابط: وفد نجران (عیسائیوں) سے جو گفتگو آغازِ سورت سے شروع ہوئی تھی وہ گذشتہ آیت پر پوری ہو گئی، اب ایک آیت میں گفتگو کا موضوع بدلے گا، پھر آخر سورت تک مسلمانوں سے خطاب ہے۔

اور شروع سورت میں بیان کیا ہے کہ سورۃ البقرۃ میں بنی اسرائیل کے متقدمین (یہود) کا مفصل تذکرہ کیا ہے، اور ان

(۱) یردوکم: رد بمعنی صابر ہے، کم: پہلا مفعول اور کافرون دوسرا مفعول ہے۔ (۲) حق تقاتہ: اتقوا اللہ کا مفعول مطلق ہے، تقاتہ: مصدر ہے، اور حق تقاتہ میں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے یعنی برحق ڈرنا، کما حقہ ڈرنا۔

کے متاخرین (عیسائیوں) کا ذکر نہیں کیا، اب اس سورت کی ننانوے آیتوں میں ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے، پھر سورۃ البقرۃ مؤمنین کی اس دعا پر پوری ہوئی ہے: ﴿وَإِنصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾: اسلام کا انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما! اب اس سورت میں اس کا بیان ہے کہ اللہ کی مدد کب آتی ہے؟ اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟ آج کا مسلمان شرائط پوری نہیں کر رہا اور مدد کا امیدوار ہے! وضوء کے بغیر نماز کہاں ہوتی ہے؟ شرائط پوری کی جائیں تو مدد خداوندی ضرور آئے گی۔

مسلمان اہل کتاب کی ریشہ دوانیوں سے بچیں

گذشتہ دو آیتوں میں اہل کتاب (یہود و نصاری) کو ڈانٹا ہے کہ تم لوگوں کو کیوں گمراہ کرتے ہو؟ تم ایمان نہ لا کر دوسروں کے لئے بھی روک کھڑی کرتے ہو، جبکہ تم اسلام کی حقانیت کو جانتے ہو!

اب دو آیتوں میں مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ تم ان مفسدین کی ایک نہ سنو، اگر ان کی گمراہ کن باتوں پر کان دھرو گے تو اندیشہ ہے کہ وہ تمہیں کفر کے تاریک کھڈے میں دھکیل دیں۔ اور تمہارے لئے کیسے ممکن ہے کہ تم ایمان لائے پیچھے کافر بن جاؤ؟ تمہارے درمیان اللہ کا عظیم رسول موجود ہے، وہ شب و روز تمہیں اللہ کا کلام پڑھ کر سناتا ہے، پس ہر طرف سے یکسو ہو کر ایک اللہ کو مضبوط پکڑو، جو اس کا ہو جاتا ہے وہی صراطِ مستقیم کو پالیتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا قَرِيبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝
وَكَيفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنْتُمْ تَتْلُوا عَلَيْنَا آيَاتِ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی باتیں مانو گے تو وہ تم کو تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے! اور تم کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو جبکہ تمہارے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، اور تمہارے درمیان اس کے رسول موجود ہیں — یہ اہل کتاب کو مایوس کیا کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے، مگر انہی مسلمانوں کو جو دین سے واقف ہیں دین سے بالکل ناواقف مسلمان ان کے شکار ہو جاتے ہیں — اور جس نے اللہ کو مضبوط تھام لیا وہ بالیقین سیدھے راستہ پر پڑ گیا! — اس طرح موضوع بدلا، اور ایک گروہ اس لئے فرمایا کہ سارے اہل کتاب ایسے نہیں، ان کے بد باطن ریشہ دوانی کرتے ہیں، آج بھی یہودی اور عیسائی مسلمانوں کو فکری اور عملی ارتداد میں مبتلا کرنے کی کوشش میں دن رات لگے ہوئے ہیں۔

مسلمان صحیح طرح اللہ سے ڈریں اور ہر وقت احکام کی پیروی کریں

اللہ کی مدد کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ رکھنے والے سچے مسلمان بنیں، اسلام میں دو قسم کے احکام ہیں، کرنے کے اور نہ کرنے کے، اول مثبت احکام ہیں، ثانی منفی، مثلاً نماز پڑھنا مثبت حکم ہے اور زنا چوری سے بچنا منفی حکم ہے، مسلمان دونوں قسم کے احکام پر عمل کریں تو سرخ رو ہونگے، منفی پہلو کی تعبیر قرآن میں عام طور پر تقویٰ سے کی جاتی ہے، تقویٰ کے معنی ہیں: اللہ سے ڈرنا، یعنی اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنا، اور مثبت پہلو کو اسلام سے تعبیر کرتے ہیں، اسلام کے معنی ہیں: فرمان برداری یعنی حکم بجالانا، جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے، ان کو کرنا، اور منفی پہلو مقدم ہوتا ہے، جلب منفعت سے دفع مضرت مقدم ہے، پہلے تھپڑ سے بچے پھر تھپڑ مارے، اور ﴿حَقِّ تَقَاتِبِهِ﴾ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے، یعنی صحیح طرح اللہ سے ڈرو، جیسا اللہ سے ڈرنے کا حق ہے، اپنے من سے تو ہر شخص ڈرتا ہے، مگر یہ ڈرنا کافی نہیں، شراب پیتا ہے، ڈاڑھی منڈاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، یہ خیالی ڈرنا ہے جو کافی نہیں، موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں، جو ہر وقت اعمال اسلام پر کاربند ہے اسی کی موت اسلام پر آئے گی، جام ہاتھ میں تھا اور مرا تو اعمال اسلام پر کہاں مرا؟ یا نماز نہیں پڑھتا تھا اور مرا تو مسلمان کہاں مرا؟ آج مسلمانوں کی اکثریت مثبت و منفی پہلوؤں سے صفر ہے، اور رونا روتے ہیں کہ منکرین اسلام کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ ہم محبوب کی امت ہیں! ذرا مسلمان شریعت کے آئینہ میں اپنا منہ دیکھیں پھر شکوہ کریں!

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِبِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا ان سے ڈرنے کا حق ہے — یہ منفی پہلو ہے — اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہو! — یہ مثبت پہلو ہے۔

مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں

اللہ کی مدد کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ سب مسلمان مل کر اللہ کی رستی مضبوط پکڑیں تو اسلام کی گاڑی سر کے گی، اگر وہ بڑے رہے تو خواہ ان کی تعداد کتنی بھی ہو اسلام کی گاڑی آگے نہیں بڑھے گی۔

آیت کا شان نزول: مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے: اوس اور خزرج، دونوں میں پرانی عداوت تھی، بات بات پر لڑائی ہو جاتی تھی، اور برسوں تک سرد نہیں پڑتی تھی، ان کی بعثت کی جنگ ایک سو بیس سال تک چلی ہے، اسلام نے دونوں قبیلوں کو شیر و شکر کر دیا، یہود مدینہ کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھائی، ایک اندھا یہودی شامس نامی ان کی ایک ایسی محفل سے گذرا جس میں دونوں قبیلے جمع تھے، اس نے جنگ بعثت کے مرھے پڑھنے شروع کئے، جس سے آگ بھڑکی، اور قتل و قتال کی

نوبت آگئی، نبی ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی، آپ صحابہ کے ساتھ ان کے مجمع میں تشریف لے گئے اور سمجھایا تب ان کا غصہ ٹھنڈا پڑا۔ آیت کے آخر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ: انگریزوں کی اسکیم تھی: ”بانٹو اور پیٹو!“ اب اس اسکیم پر اکثریت عمل کر رہی ہے، اور مسلمان اول تو فرقوں میں بٹ گئے جس سے ان کی طاقت کمزور پڑ گئی، پھر جو اہل حق ہیں ان کی صفوں میں بھی انتشار ہے، پس مسلمان بچنے کا سلیقہ سیکھیں، اپنے فائدے پر اپنے بھائی کا فائدہ مقدم رکھیں، اور الیکشن میں مقابلہ بازی نہ کریں، ورنہ شیر منہ کھولے ہوئے ہے، نکل جائے گا۔

آیت کریمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط تھا مو، اور بٹ مت جاؤ، اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تم باہم دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، پس تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم (کفر کی وجہ سے) جہنم کے کھڈے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے، پس اللہ نے تم کو اس سے بچالیا، اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم راہ ہدایت پاؤ۔

وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۲﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ آيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۳﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۴﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۵﴾ وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۱۰۶﴾

وَلَتَكُنَّ	اور چاہئے کہ ہو	يَدْعُونَ	بلاتے وہ	بِالْمَعْرُوفِ	اچھے کاموں کا
مِنْكُمْ	تم میں سے	إِلَى الْخَيْرِ	نیک کام کی طرف	وَيَنْهَوْنَ	اور روکے وہ
أُمَّةٌ	ایک جماعت	وَيَأْمُرُونَ	اور حکم دے وہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	برے کاموں سے

یہ	تِلْكَ	سورہ ہے وہ جو	فَأَمَّا الَّذِينَ	اور وہی لوگ	وَأُولَئِكَ هُمُ
اللہ کی باتیں ہیں	آيَاتُ اللَّهِ	سیاہ ہو گئے	اسْوَدَّتْ	کامیاب ہونے والے ہیں	الْمُفْلِحُونَ
پڑھتے ہیں، ہم ان کو	نَتْلُوهَا	ان کے چہرے	وَجُوهُهُمْ	اور نہ ہووے تم	وَلَا تَكُونُوا
آپ کے سامنے	عَلَيْكَ	کیا انکار کیا تم نے	أَكْفَرْتُمْ ^(۲)	ان لوگوں کی طرح جو	كَالَّذِينَ
ٹھیک ٹھیک	بِالْحَقِّ	تمہارے ایمان کے بعد	بَعْدَ إِيمَانِكُمْ	بٹ گئے	تَفَرَّقُوا
اور نہیں اللہ	وَمَا اللَّهُ	پس چکھو	فَذُوقُوا	اور مختلف ہو گئے	وَاحْتَلَفُوا
چاہتے	يُرِيدُ	سزا	الْعَذَابَ	بعد	صِنِّ بَعْدِ
حق تلفی	ظَلْمًا	بائیں وجہ کہ تم	بِمَا كُنْتُمْ ^(۳)	ان کے پاس آنے	مَا جَاءَهُمْ
جہانوں کے لئے	لِلْعَالَمِينَ	انکار کیا کرتے تھے	تَكْفُرُونَ	واضح باتوں کے	الْبَيِّنَاتِ
اور اللہ کے لئے ہے	وَلِلَّهِ	اور رہے وہ جو	وَأَمَّا الَّذِينَ	اور وہ لوگ	وَأُولَئِكَ
جو آسمانوں میں ہے	مَا فِي السَّمَوَاتِ	سفید ہوئے	أَبْيَضَّتْ	ان کے لئے سزا ہے	لَهُمْ عَذَابٌ
اور جو زمین میں ہے	وَمَا فِي الْأَرْضِ	ان کے چہرے	وَجُوهُهُمْ	بڑی	عَظِيمٌ
اور اللہ کی طرف	وَالِىَ اللَّهُ	تو وہ مہربانی میں ہیں	فَقَفَىٰ رَحْمَةً	جس دن سفید ہونگے	يَوْمَ تَبْيَضُّ ^(۱)
لوٹیں گے	تَرْجِعُهُ	اللہ کی	اللَّهُ	کچھ چہرے	وَجُوهٌ
سارے کام	الْأُمُورُ	وہ اس میں	هُمْ فِيهَا	اور سیاہ ہونگے	وَتَسْوَدُّ
●	●	سدا رہنے والے ہیں	خَالِدُونَ	کچھ چہرے	وَجُوهٌ

امت کی اصلاح کے لئے دعوت و ارشاد کا مسلسل جاری رہنا ضروری ہے

اللہ کی مدد جب آتی ہے کہ امت دین پر عمل پیرا ہو (آیت ۱۰۲) اب ایک آیت میں یہ بیان ہے کہ امت کی اصلاح کے لئے دعوت و ارشاد کا مسلسل جاری رہنا ضروری ہے، اس لئے کہ دنیا پچاس سال میں بدل جاتی ہے، تدریجاً نئی نسل آ جاتی ہے، پس اگر اصلاح کا عمل جاری نہیں رہے گا تو نصف صدی کے بعد جہالت عام ہو جائے گی، اعمال اسلام میں خلل پڑے گا، مسلمان بے دین بلکہ بد دین ہو کر رہ جائیں گے، اور اللہ کی مدد رک جائے گی۔

(۱) یوم: لہم کے فعل متعلق کا مفعول فیہ بھی ہو سکتا ہے اور اذکر: فعل مقدر کا مفعول بہ بھی۔ (۲) اکفرتم: سے پہلے یقال لہم: مقدر رہے (۳) بما: میں ما مصدر یہ ہے۔

برصغیر (متحدہ ہندوستان) میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی، مگر بادشاہ عجمی تھے، ان کا مزاج دعوت کا نہیں تھا، یہ مزاج عربوں کا ہے، یہاں صوفیاء نے محنت کی اور لاکھوں انسان مسلمان ہوئے، مگر ان کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا، اس لئے لوگ برائے نام مسلمان ہو کر رہ گئے، مؤمن، میواتی اور میمن: سب کا حال یکساں تھا، مگر اللہ کا فضل یہ ہوا کہ ملک پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اور اس کے نچ پر دوسرے ادارے وجود میں آئے، اور ان کے فضلاء نے جگہ جگہ دعوت و ارشاد کا کام شروع کیا، پھر دارالعلوم دیوبند ہی کے ایک خوشہ چین نے تبلیغ کا کام شروع کیا، اور چاروں طرف سے محنت شروع ہوئی، مکاتب و مدارس نے بچوں پر محنت کی، جماعت تبلیغ نے بڑوں کو سنبھالا، اور مصلحین نے عوام کی خبر لی تو برصغیر کے احوال ماضی سے بہتر ہو گئے۔

دوسری طرف اسپین (قرطبہ اور اشبیلیہ) کا حال دیکھو، وہاں مسلمانوں نے سات سو سال حکومت کی ہے، اور ازبکستان کو دیکھو، جہاں دیہاتوں میں بھی اسلام کے جھنڈے لہرا رہے تھے، جب وہاں زوال آیا، اسلامی حکومت ختم ہوئی، اور روس نے قبضہ کیا اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ باقی نہ رہا تو اب وہاں اسلام کا نام بھی باقی نہیں۔

﴿وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۷﴾﴾

ترجمہ: اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے، اور برے کاموں سے روکے، اور وہی لوگ کامیاب ہیں!

تفسیر:

۱- مصلحین کی اس جماعت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سب ایک جگہ اکٹھا ہوں اور سب مل کر جماعت بنا کر کام کریں، متفرق جگہ جو لوگ اصلاح حال کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں وہ سب اس کا مصداق ہیں۔

۲- قرآن کریم میں دو تعبیریں ہیں:

(الف) ﴿يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾: وہ نیکی کے کاموں کی طرف بلاتے ہیں، یہ تعبیر دعوت و ارشاد کے لئے ہے، جو مصلحین مسلمانوں میں کام کرتے ہیں وہ اس کا مصداق ہیں۔

(ب) ﴿أَدْعُو إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ﴾: اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلا، یہ تعبیر دعوت اسلام کے لئے ہے، جو لوگ غیر مسلموں میں کام کرتے ہیں وہ اس کا مصداق ہیں۔

۳- ﴿يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ اجمال ہے، اور ﴿يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ تفصیل ہے، یہی نیکی کے کام ہیں۔

۴- ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ مصلحین کے لئے صلہ اور مژدہ ہے، ان کو ان کی بے لوث خدمت کا صلہ آخرت میں ملے گا، اور دنیا میں جو تنخواہ یا عزت ملتی ہے وہ روزگارا (سودے سے زائد) ہے۔

گمراہ فرقے مسلمانوں کی کمزوری کا سبب

اللہ کی مدد جب آتی ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد و اتفاق ہو، گمراہ فرقے ملت کے افتراق کا سبب بنتے ہیں، وہ اپنی آن باقی رکھنے کے لئے ملتی اتحاد سے بھی گریز کرتے ہیں، صحابہ میں بھی سیاسی اختلافات ہوئے ہیں، مگر گمراہی نہیں تھی، سب صراطِ مستقیم پر تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم کے بادشاہ کو اس کے ارادہ بد کے جواب میں لکھا تھا: ”اگر تو نے کوئی ارادہ کیا تو علی کے لشکر کا ادنیٰ سپاہی معاویہ ہوگا“

نزولِ قرآن کے وقت مسلمانوں میں گمراہ فرقوں کی مثال نہیں تھی، امت کا پہلا قافلہ اصول و عقائد میں متفق تھا، مسائل میں اختلاف تھا، مگر وہ مضرت نہیں، وہ امت کے لئے رحمت تھا، ایسی صورت میں قرآن گفتہ آید در حدیث دیگران کا اصول اپناتا ہے، اہل کتاب کو دین واضح شکل میں دیا گیا، پھر کچھ لوگ صحیح دین پر برقرار رہے، ان کے چہرے قیامت کے دن روشن ہونگے، ان کو سدا بہار باغات میں داخل کیا جائے گا، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور کچھ لوگ اللہ کے دین سے ہٹ گئے، گمراہی کی دلدل میں پھنس گئے، ان کے منہ قیامت کے دن کالے ہونگے اور ان کو آخرت میں سخت سزا ملے گی، ان کو دھمکایا جائے گا: کم بختو! تم نے دولتِ ایمان کی یہ قدر کی کہ ایمان لانے کے بعد کفر کے راستہ پر پڑ گئے! اب چکھو اس کا مزہ!

اس مثال میں اشارہ ہے کہ آگے چل کر امتِ مسلمہ کا بھی یہی حال ہوگا، حدیث میں ہے کہ تم اگلوں کے نقشِ قدم پر چلو گے، ہو، ہو! صحابہ نے پوچھا: یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر؟ آپ نے فرمایا: ”اور کس کے؟“ یعنی انہیں کی پیروی کرو گے۔

باقی آیات: اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو بٹ گئے اور جدا جدا ہو گئے — کوئی دینِ حق پر رہا، کوئی گمراہ ہو گیا، یہ خطاب صحابہ سے ہے، وہ اہل کتاب کی طرح نہیں ہوئے، اصول و عقائد میں مختلف نہیں ہوئے، گمراہ فرقے صحابہ کے بعد پیدا ہوئے — ان کے پاس واضح احکامات آنے کے بعد — یعنی گذشتہ انبیاء کی تعلیمات میں کوئی خفایا اجمال نہیں تھا، گمراہ فرقوں کے لئے کوئی عذر نہیں تھا، انہوں نے محض ضد میں اپنی راہ الگ کر لی، یہی کام اس امت کے گمراہ فرقوں کے بانیوں نے کیا — اور انہیں لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے، جس دن کچھ چہرے روشن ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ ہونگے — اہل حق سرخ رو ہونگے اور گمراہ سیاہ فام! — رہے وہ جن کے چہرے سیاہ ہونگے (ان کو دھمکایا جائے گا: کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے؟ — گمراہ فرقوں کے بانی پہلے مسلمان ہوتے ہیں، پھر ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے تو وہ خود بھی ڈوبتے ہیں، اور دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں! — پس تم اپنے کفر کی سزا

میں عذاب چکھو! — گمراہ فرقے دو قسم کے ہیں: ایک: دائرہ اسلام سے خارج وہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، دوسرے: دین کے دائرے سے خارج، وہ اپنے غلط عقائد کی سزا پانے کے بعد جہنم سے نکلیں گے۔ اور رہے وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہونگے — جنت اللہ کی رحمت کا پتہ تو ہے — وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے!

یہ اللہ کی باتیں ہیں — پنڈت کی پوتھی کی باتیں نہیں — ہم ان کو آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھ رہے ہیں — پس یہ آپ ﷺ کی رسالت کی بھی دلیل ہیں — اور اللہ تعالیٰ جہانوں میں سے کسی کی حق تلفی نہیں کرنا چاہتے — ثواب میں کمی کرنا یا سزا میں زیادتی کرنا حق تلفی اور ظلم ہے، اللہ کی بارگاہ اس سے بالاتر ہے — اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہی کی طرف سارے کام لوٹیں گے — اہل حق اور اہل باطل سب اس بارگاہ میں حاضر ہونگے، اور سب اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۗ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ
وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١﴾

كُنْتُمْ	تھے تم (صحابہ)	وَكُنْتُمْ	اور روکتے ہو تم	وَكُنْتُمْ	تو بہتر ہوتا
خَيْرَ أُمَّةٍ	بہترین جماعت	عَنِ الْمُنْكَرِ	ناجائز کاموں سے	لَكَانَ خَيْرًا	ان کے لئے
أُخْرِجَتْ	وجود میں لائی گئی	وَتُؤْمِنُونَ	اور یقین رکھتے ہو تم	مِنْهُمْ	بعضے ان میں سے
لِلنَّاسِ	لوگوں کے فائدے کیلئے	بِاللَّهِ	اللہ پر	الْمُؤْمِنُونَ	ایمان لانے والے ہیں
تَأْمُرُونَ	حکم دیتے ہو تم	وَلَوْ آمَنَ	اور اگر ایمان لاتے	وَأَكْثَرُهُمْ	اور بیشتر ان کے
بِالْمَعْرُوفِ	نیکی کے کاموں کا	أَهْلُ الْكِتَابِ	اہل کتاب (یہود)	الْفَاسِقُونَ	حداطاعت سے نکلنے والے ہیں

ختم نبوت کے بعد دعوت و ارشاد کی ذمہ داری کون سنبھالے گا؟

صحابہ سنبھالیں گے، پھر جو لوگ صحابہ کے نقش قدم پر ہیں

نبوت تو اپنی نہایت کو پہنچ گئی، خاتم النبیین ﷺ تشریف لے آئے، اب آگے دعوت اسلام اور رشد و ہدایت کی

ذمہ داری کون سنبھالے گا؟ پہلے تو یکے بعد دیگرے انبیاء مبعوث ہوتے تھے، اور وہ دین کا کام کرتے تھے، اب یہ فریضہ کون انجام دے گا؟

اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ آپ کے بعد یہ فریضہ آپ کے صحابہ انجام دیں گے، وہ پوری دنیا میں دین پہنچائیں گے، اور وہی مسلمانوں میں دین کی تبلیغ بھی کریں گے، اس لئے کہ وہ بھی نبی ﷺ کی طرح مبعوث ہیں، نبی ﷺ کی بعثت دوہری ہے، دلائل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵۱:۲) میں ہیں، امین (عربوں) کی طرف آپ راست مبعوث ہوئے ہیں، اور ساری دنیا کی طرف صحابہ کے واسطے سے مبعوث ہوئے ہیں، تفصیل سورۃ الجمعہ کے شروع میں ہے (ہدایت القرآن ۲۷۱:۸) اور اللہ نے امت کے اس پہلے طبقہ میں یہ صلاحیت رکھی ہے، وہ آباد دنیا تک دین کی دعوت لے کر پہنچیں گے، پھر ان کے بعد چونکہ امت میں کوڑا بھی شامل ہو جائے گا، اس لئے جو لوگ عقائد و اعمال میں صحابہ کے نقش قدم پر ہونگے وہ یہ فریضہ انجام دیں گے، اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، اور یہی حضرات خیر امت ہیں، علم الہی میں یہ بہترین جماعت تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یرزوا (محموظ) رکھا تھا، جب سلسلہ نبوت پورا ہوا تو ان کو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لایا گیا وہ لوگوں کو بھلائی کی باتوں کا حکم دیں گے، اور بری باتوں سے روکیں گے، اور ان کا اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہوگا، وہ کسی سے اپنے کام کے صلہ کی امید نہیں رکھیں گے، وہ انبیاء کے وارث ہونگے، اور انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ

بِاللَّهِ﴾

ترجمہ: تم (علم الہی میں) بہترین امت تھے، جن کو لوگوں کی فائدہ رسانی کے لئے وجود میں لایا گیا ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھتے ہو! — یعنی کسی سے صلہ کی امید نہیں رکھتے، اللہ ہی سے صلہ کے امید رکھتے ہو۔

یہ آیت صحابہ کے ساتھ خاص ہے، اور ان لوگوں کے لئے ہے جو صحابہ جیسے کام کریں (حضرت عمرؓ)

اس آیت پاک کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تین ارشاد مروی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے سیدہ رحمۃ اللہ (مفسر قرآن تابعی) سے اس آیت پاک کی تفسیر میں حضرت

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لو شاء الله لقال: "أنتم" فكنا كلنا،

ولكن قال: "كنتم" خاصة في

مصدق ہوتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کنتم فرمایا ہے۔ خاص طور پر صحابہ

کرام کے بارے میں؛ اور جو لوگ صحابہ کرام جیسے کام کریں وہ
بہترین امت ہوں گے، جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لائی
گئی ہے۔
کناوا خیر امة اخرجت للناس۔
أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم؛ ومن صنع مثل صنيعهم

(۲) سدی رحمہ اللہ ہی سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ نے آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول
بھی نقل کیا ہے:

قال: يكون لأولنا، ولا يكون
لاخرنا.
فرمایا: یہ آیت ہمارے اگلوں کے لئے یعنی صحابہ کے لئے ہے، اور
ہمارے پچھلوں کے لئے نہیں ہے۔

(۳) ابن جریر حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں:

ذكرنا أن عمر بن الخطاب رضی
الله عنه قرأ هذه الآية: "كنتم خير امة
اخرجت للناس" الآية، ثم قال: يا ايها
الناس! من سرّة أن يكون من تلکم
الامة فليؤد شرط الله منها.
ہم سے یہ بات بیان کی گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت
کنتم خیر امة تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ جو شخص تم میں سے
چاہتا ہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو تو چاہئے کہ وہ اللہ
کی شرط پوری کرے جو خیر الامم کے لئے آیت میں لگائی گئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا تینوں ارشادات کنز العمال ۲: ۴۵۳، ۶۳۷ میں مذکور ہیں۔ حدیث نمبر ترتیب وار
یہ ہیں ۴۲۸۹، ۴۲۹۲، ۴۲۹۳، حیات الصحابہ عربی ۱: ۷۱ میں بھی پہلا اور تیسرا اثر مذکور ہے۔

اس کے بعد ایک نحوی قاعدہ جان لیں تاکہ انتم اور کنتم کا فرق واضح ہو سکے۔ انتم خیر امة جملہ اسمیہ خبریہ ہے جو
محض ثبوت و استمرار پر دلالت کرتا ہے، اس میں کسی زمانہ سے کوئی بحث نہیں ہوتی۔ مثلاً زید قائم زید کے لئے قیام کے
ثبوت و استمرار پر دلالت کرتا ہے کوئی خاص زمانہ اس میں ملحوظ نہیں۔ اور کنتم خیر امة میں ضمیر کان کا اسم ہے۔ اور خیر
امة مرکب اضافی کان کی خبر ہے اور نحوی قاعدہ یہ ہے کہ:

”کان اپنے دونوں معمولوں (اسم و خبر) کے ساتھ، اس کے اسم کے، اس کی خبر کے مضمون کے ساتھ محض اتصاف
پر دلالت کرتا ہے (یعنی کوئی امر زمانہ اس میں نہیں ہوتا) ایسے زمانہ میں جو اس کے صیغہ کے مناسب ہو یا اس کے
مصدر کے مشتقات میں سے جملہ میں مذکور صیغہ کے مناسب ہو۔ اگر صیغہ فعل ماضی ہو تو زمانہ صرف ماضی ہوگا۔
بشرطیکہ اس کو غیر ماضی کے لئے کرنے والا کوئی لفظ نہ ہو۔ اور اگر صیغہ خالص فعل مضارع کا ہو تو اس میں حال

واستقبال دونوں زمانوں کی صلاحیت ہوگی۔ بشرطیکہ کوئی حرف جیسے لَنْ، لَمْ وغیرہ اس کو کسی ایک زمانہ کے ساتھ خاص نہ کر دیں یا اس کو ماضی کے لئے نہ کر دیں۔ اور اگر صیغہ فعل امر ہو تو اس میں زمانہ استقبال ہوگا۔ مثلاً: كَانَ الْوَلَدُ جَارِيًا (بچہ چلنے لگا) اس وقت کہیں گے جب بچہ زمانہ ماضی میں چلنے لگا ہو۔ اور يَكُونُ الْوَلَدُ جَارِيًا اس وقت کہیں گے جب چلنا زمانہ حال میں یا مستقبل میں متحقق ہو۔ اور كُنْ جَارِيًا سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ مخاطب زمانہ مستقبل میں چلے (انجو الوانی: ۱: ۵۴۸)

پس اگر آیت میں أَنْتُمْ خَيْرُ أُمَّةٍ ہوتا تو خیریت کا ثبوت دوام واستمرار کے ساتھ ہوتا اور پوری امت اس کا مصداق ہوتی۔ مگر جب آیت میں كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ فرمایا گیا ہے تو نزول آیت کے وقت زمانہ ماضی میں جو امت وجود پذیر ہو چکی تھی اس کو خیریت کے ساتھ متصف کیا گیا ہے۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی آیت کا مصداق اولیں ہوں گے، کیونکہ نزول آیت کے وقت انہیں کا تحقق ہو چکا تھا، باقی امت تو ابھی تک وجود پذیر نہیں ہوئی تھی۔ البتہ باقی امت کے وہ افراد جو آیت کی شرط پوری کریں وہ فن اعتبار سے آیت کا مصداق ہوں گے۔

جماعت صحابہ کے لئے حفاظت ضروری ہے

اور جس طرح نبی کے لئے عصمت ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر نبی کے پہنچائے ہوئے دین پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح جماعت صحابہ کے لئے حفاظت ضروری ہے، کیونکہ وہ خیر الامم ہیں اور وہ من وجہ مبعوث الی الآخرین ہیں، پس عدالت و حفاظت کے بغیر ان کے پہنچائے ہوئے دین پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اور یہ حکم کلی کے ہر ہر فرد کا ہے ارشاد نبوی ہے: ”میرے صحابہ آسمان کے تاروں کی مثال ہیں، ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے“ (یہ حدیث چھ صحابہ سے مروی ہے اور کسین لغیرہ ہے)

اسی عدالت و حفاظت کا نام صحابہ کا ”معیار حق“ ہونا ہے، جن لوگوں کے نزدیک اللہ و رسول کے علاوہ کسی کی ذہنی غلامی جائز نہیں، وہ سخت گمراہی میں ہیں، وہ سوچیں ان تک دین صحابہ ہی کے توسط سے پہنچا ہے، اگر وہی قابل اعتماد اور لائق تقلید نہیں، تو پھر ان کے دین کی صحت کی کیا ضمانت ہے!

غرض صحابہ کا طبقہ امت کا ایک ایسا طبقہ ہے جو من حیث الطبقة یعنی پوری کی پوری جماعت دین کے معاملہ میں مأمون و محفوظ ہے، اور وہ ہر اعتقادی گمراہی یا عملی خرابی سے پاک ہے، کیونکہ وہ بھی مبعوث ہے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا، لوگوں نے اس کو لے لیا، تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”اُسے چھوڑو، اور اس کے پیشاب پر پانی کی ایک بالٹی ڈال دو فإنما بُعثتم میسرین،

ولم تبعثوا معسرين (کیونکہ تم آسانی کرنے والے بنا کر ہی مبعوث کئے گئے ہو، تنگی کرنے والے بنا کر مبعوث نہیں کئے گئے) (بخاری کتاب الوضوء، حدیث نمبر ۲۲۰، مشکوٰۃ، باب تطہیر الجاسات حدیث نمبر ۴۹۱) یہ حدیث شریف صحابہ کرام کی بعثت میں بالکل صریح اور دو ٹوک ہے۔ علم من هذا الحديث أن أمته صلى الله تعالى عليه وسلم أيضا مبعوثا إلى الناس، فثبت له صلى الله عليه وسلم بعثتان البتة اه (سندی)

یہود کے لئے بھی خیر امت میں شامل ہونے کا دروازہ کھلا ہے

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے جہانوں پر برتری بخشی تھی، سورۃ البقرۃ (آیت ۴۷) میں اس کی صراحت ہے۔ اور اب خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد یہ فضیلت آپ کی امت کو عطا فرمائی ہے، اب وہی خیر امت قرار پائی ہے، بنی اسرائیل کی فضیلت ختم ہو گئی، مگر ان کے لئے بھی دروازہ کھلا ہے، وہ بھی نبی ﷺ پر ایمان لا کر بہترین امت میں شامل ہو سکتے ہیں۔

مگر ان کی صورت حال ناگفتہ بہ ہے، کچھ ہی حضرات ایمان لائے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں، باقی ان کے بیشتر اللہ کا حکم ماننے کے لئے اور ایمان لانے کے لئے تیار نہیں، یہ ان کا قصور ہے، اللہ نے ان کے لئے بھی دوبارہ فضیلت حاصل کرنے کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

﴿وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۰۰﴾﴾

ترجمہ: اور اگر اہل کتاب (یہود) ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، ان میں سے بعضے ایمان لائے ہیں، اور

ان میں سے اکثر حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں۔

لَنْ يَضُرُّكُمْ إِلَّا أَدْمَةٌ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُولُوكُمْ الْأَدْبَارُ ثُمَّ لَا يَنْصَرُونَ ﴿۱۰۱﴾
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ أَيْنَ مَا ثَقِفُوا إِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ
وَبَاءٌ وَبَعْضٌ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ
بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۰۲﴾

لَنْ يَضُرُّوكُمْ	ہرگز ضرر نہیں	إِلَّا أَدْمَةٌ	مگر ستانا	يُقَاتِلُوكُمْ	لڑیں گے وہ تم سے
وَيَقَاتِلُوكُمْ	پہنچائیں گے وہ تم کو	وَإِنْ	اور اگر	يُولُوكُمْ	پھیریں گے وہ تم سے

اَلْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ	پٹھوں کو پھر نہیں مدد کئے جائیں گے وہ	وَحَبْلِ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُ	اور رسی سے لوگوں کی اور لوٹے وہ	كَانُوا يَكْفُرُونَ يَا أَيُّهَا اللّٰهُ وَيَقْتُلُونَ الْاِنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ	انکار کیا کرتے تھے اللہ کی باتوں کا اور قتل کرتے تھے نبیوں کو ناحق یہ بات ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہے اور تھے وہ حد سے نکل جاتے
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمْ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوا اِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ	ماری گئی ان پر ذلت (رسوائی) جہاں بھی پائے جائیں وہ مگر رسی سے اللہ کی	بِعَصَبِ مِنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمْ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنۡهٰهُمْ	غصہ کے ساتھ اللہ کے اور ماری گئی ان پر حاجت مندی یہ بات بائیں وجہ ہے کہ وہ		

فاسق یہودیوں کا تذکرہ: وہ مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

فرمایا تھا: ﴿وَكَثَرَهُمُ الْفٰسِقُونَ﴾: اکثر یہودی حد اطاعت سے نکل جانے والے ہیں، یعنی اللہ کا یہ حکم ماننے کے لئے تیار نہیں کہ نبی ﷺ پر ایمان لاؤ، مدینہ میں یہود کے تین قبائل تھے: بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قریظہ، اور مدینہ کے قریب خیبر میں بھی یہود آباد تھے، ان کے پاس مضبوط قلعے، گھنے باغات، وسیع کاروبار اور مال و دولت کا ڈھیر تھا، مشرکین پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اب نئی جماعت مسلمانوں کی وجود میں آئی، ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے، ان کے اصل دشمن یہی یہودی تھے، وہ مسلمانوں کو مدینہ میں پنپنے نہیں دینا چاہتے تھے، ہر ممکن چال ان کے قدم اکھاڑنے کے لئے چلتے تھے، اللہ پاک پیشین گوئی فرماتے ہیں: وہ مسلمانوں کو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، بس چھیڑ خانی تک بات رہے گی، لہذا ان کا خوف مت کھاؤ، اول تو وہ تم سے لڑنے کی ہمت نہیں کریں گے، اور اگر مقابلہ ہو گیا تو دم دبا کر بھاگیں گے، اور جن مشرک قبائل کے ساتھ ان کے معاہدے ہیں، اور ان کو ان کی حمایت پر ناز ہے، ان میں سے کوئی ان کی مدد نہیں کرے گا، یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، مدینہ منورہ تینوں قبائل سے خالی کر لیا گیا، ایسی پیشین گوئی علام الغیوب کے علاوہ کون کر سکتا ہے؟ پس یہ رسالت کی صداقت کی بھی دلیل ہے۔

﴿لَنْ يَنْصُرُوَكُمْ اِلَّا اَذَىٰ ؕ وَاِنْ يُقَاتِلُوْكُمْ يُؤَلُّوْكُمْ اِلَّا اَدْبَارَتُمْ ثُمَّ لَا يَنْصُرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: وہ تم کو ہر گز ضرر نہیں پہنچا سکتے، ہاں ستائیں گے، اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر وہ

مدد نہیں کئے جائیں گے!

اللہ تعالیٰ یہود سے سخت ناراض ہیں، اس لئے ذلت اور حاجت ان کا مقدر بن گئی ہے

مدینہ کے یہود مسلمانوں کو کوئی بڑا ضرر کیوں نہیں پہنچا سکتے؟ اور اگر مسلمانوں سے ڈبھٹ ہو تو دم دبا کر کیوں بھاگیں گے؟ وہ تو ہر اعتبار سے مضبوط ہیں! اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ یہود کی آن بان اور شان شوکت محض دکھاوا ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہیں، اس لئے ان پر ذلت اور حاجت مندی کا ٹھپہ لگا دیا ہے، وہ دنیا میں جہاں بھی رہیں ذلیل و خوار رہیں گے، اور اب پتی بھی پیسے کو مرے گا، ایسے لوگ مسلمانوں کو کیا ضرر پہنچا سکتے ہیں؟ جن میں نہ مردانگی ہو نہ خراج کا حوصلہ وہ مسلمانوں سے کیا لوہا لیں گے!

البتہ وہ دو صورتوں میں سر اُبھار سکتے ہیں:

ایک: وہ اللہ کی رستی تھام لیں، ایمان لے آئیں تو وہ سرخ رو ہو سکتے ہیں، ان کی ذلت و کبکٹ دور ہو جائے گی۔

دوم: لوگوں کا سہارا مل جائے، جیسے یورپ اور امریکہ کے سہارے انہوں نے فلسطین میں حکومت بنالی ہے، یہ حکومت مکڑی کا جالا ہے، اگر ان کے آقاؤں کی نظریں پھر جائیں تو وہ زمین بوس ہو جائیں گے، وہ سمجھتے نہیں! یہ تو عیسائیوں نے — جو ان کے دشمن ہیں — ان کو قربانی کا بکر اِبنایا ہے۔

اور آخر میں یہ بیان ہے کہ یہود پر ذلت و رسوائی اور حاجت مندی و پستی کا ٹھپہ چار وجوہ سے لگا ہے:

۱- ماضی میں بھی اور اب بھی اللہ کی باتوں کو نہ ماننا ان کا شیوہ رہا ہے۔

۲- وہ نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ ناحق قتل کر رہے ہیں۔

۳- جو احکام ان کو دیئے جاتے تھے وہ ہمیشہ ان کی نافرمانی کرتے رہے۔ گائے ذبح کرنے کا ان کو حکم دیا تو سوالات

کی بوچھا کر دی۔

۴- حد و شرعیہ سے تجاوز کرنا ان کا مزاج ہے، حنطہ کہتے ہوئے سر جھکاتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا تو

حنطہ کہتے ہوئے سرینوں کے بل داخل ہوئے۔

اور گمراہی کے اسباب جب تہہ بہ تہہ جمع ہو جاتے ہیں تو ایمان کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اسی کو دلوں پر مہر کرنا اور

ذلت و رسوائی کا ٹھپہ لگانا کہتے ہیں، اب ان کو ایمان کہاں نصیب ہوگا!

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلٰتُ اَیْنَ مَا ثَقِفُوا اِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلِ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُ وُ

بِعَضْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِآیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ

الذَّٰنِبِيَّاءِ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعْتَدُوۡنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے، جہاں بھی وہ رہیں — مگر اللہ کے سہارے یا لوگوں کے سہارے — اور وہ غضب الہی کے مستحق ہو چکے ہیں، اور ان پر پستی مسلط کر دی گئی ہے، یہ بات اس لئے ہے کہ وہ احکام الہی کا انکار کیا کرتے تھے، اور انبیاء کو ناحق قتل کیا کرتے تھے، یہ بات ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور وہ حد سے نکل نکل جایا کرتے تھے۔
ملفوظ: ﴿وَحَبْلِ مِّنَ النَّاسِ﴾ میں واو بمعنی او ہے (تفسیر ماجدی اردو)

لَيُسُوۡا سَوَآءً مِّنۡ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قٰٓئِمَةٌ يَّتَتُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِنۡآءَ النَّيْلِ وَّهُمْ
يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱﴾ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيٰمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنْهَوۡنَ
عَنِ الْمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا يَفۡعَلُوۡا
مِنۡ خَيْرٍ فَلَئِنۡ يَّكۡفَرُوۡهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۳﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَسَنۡ تَغۡنِيٰ
عَنۡهُمۡ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمۡ مِّنۡ اللّٰهِ شَيْۡئًا وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ هُمۡ فِيۡهَا
خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۴﴾

لَيُسُوۡا	نہیں وہ (اہل کتاب)	انۡآءَ النَّيْلِ ^(۲)	رات کے اوقات میں	عَنِ الْمُنۡكَرِ	برائیوں سے
سَوَآءً	یکساں (برابر)	وَّهُمْ	اور وہ	وَيُسَارِعُوۡنَ	اور دوڑتے ہیں
مِّنۡ اَهْلِ	اہل کتاب میں سے	يَسۡجُدُوۡنَ	سجدے کرتے ہیں	فِي الْخَيْرٰتِ	نیک کاموں میں
الۡكِتٰبِ		يُؤۡمِنُوۡنَ	یقین رکھتے ہیں وہ	وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ لوگ
اُمَّةٌ ^(۱)	ایک جماعت	بِاللّٰهِ	اللہ پر	مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ	نیکوں میں سے ہیں
قٰٓئِمَةٌ	(نماز میں) کھڑی	وَ الۡيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	وَمَا يَفۡعَلُوۡا	اور جو کرتے ہیں وہ
يَّتَتُوۡنَ	رہنے والی ہے	وَيٰمُرُوۡنَ	اور حکم دیتے ہیں	مِنۡ خَيْرٍ	کوئی بھی نیک کام
اٰيٰتِ اللّٰهِ	پڑھتے ہیں وہ	بِالۡمَعۡرُوۡفِ	نیکی کے کاموں کا	فَلَئِنۡ يَّكۡفَرُوۡهُ	تو ہرگز ناشکری نہیں کئے
	اللہ کی آیتیں	وَيَنْهَوۡنَ	اور روکتے ہیں		جائیں گے وہ اس کی

(۱) امة: مبتدا مؤخر ہے (۲) آلاء: الٰہی کی جمع: وقت۔

ذرا بھی	شَيْئًا	ہرگز نہیں ہٹائیں گے	لَنْ نَغْفِيَ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ
اور وہ لوگ	وَأُولَٰئِكَ	ان سے	عَنْهُمْ	خوب جانتے ہیں	عَلِيمٌ
دوزخ والے ہیں	أَصْحَابُ النَّارِ	ان کے اموال	أَمْوَالَهُمْ	پرہیزگاروں کو	بِالْمُتَّقِينَ
وہ اس میں	هُمْ فِيهَا	اور نہ ان کی اولاد	وَلَا أَوْلَادُهُمْ	بے شک جنھوں نے	إِنَّ الَّذِينَ
ہمیشہ رہنے والے ہیں	خَالِدُونَ	اللہ (کے عذاب) سے	صَنَّ اللَّهُ	انکار کیا	كَفَرُوا

ایمان لانے والے اہل کتاب کے احوال

حد اطاعت سے باہر نکل جانے والے (فاسق) یہودیوں کے تذکرہ کے بعد ایمان لانے والے اہل کتاب کا حال بیان فرماتے ہیں، دونوں کے احوال میں موازنہ کریں، ایمان کی برکت سے ان کی زندگی کیسی سنور گئی! ارشاد فرماتے ہیں: سب یہودی یکساں نہیں، ان میں فاسق ہیں تو حق شناس بھی ہیں، یہی لوگ نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں، مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں: حضرات عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، اُسید بن سعید اور اسد بن عبید رضی اللہ عنہم، اور قرآن کہتا ہے: ان کی ایک جماعت ہے:

۱- جو شب زندہ دار ہے، تہجد کی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہیں، قرآن کریم کی لمبی تلاوت کرتے ہیں، اور اسی اعتبار سے رکوع و سجود کرتے ہیں، جن کی نفل نماز کا یہ حال ہے ان کے فرائض کا کیا حال ہوگا؟ رات کے سناٹے میں ان کی نماز ایسی ہے تو دن کے اجالے میں ان کی نماز کیسی ہوگی؟

۲- وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر کامل یقین رکھتے ہیں، یہی اعتقاد اعمالِ صالحہ پر ابھارتا ہے، اس لئے قرآن وحدیث میں انہی دو عقیدوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۳- وہ لوگ نہ صرف خود پاکیزہ کرداری کے پتکے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی اسی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں، لوگوں کو نیکیوں کا شوق دلاتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

۴- وہ لوگ نیک کاموں کی طرف بے دلی اور بد شوقی سے نہیں، بلکہ بڑے شوق، رغبت اور چاؤ کے ساتھ لپکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ حضرات نیک بندوں میں شامل ہیں، اور نیک بندے جو بھی نیک کام کرتے ہیں اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتے ہیں، جزاء کے دن بھر پور صلہ ان کو عنایت فرمائیں گے۔ ان کے بالمقابل جو اہل کتاب ایمان نہیں لائے، جن کو اپنی دولت اور کنبہ پر ناز ہے وہ جان لیں کہ کل قیامت کو یہ چیزیں اللہ کے عذاب کو ذرا بھی نہیں ہٹا سکیں گی، ان کو جہنم کا ایندھن بنا پڑے گا، وہ اس میں ہمیشہ سڑیں گے!

فائدہ: پہلی آیت میں نماز کے ارکان ستہ میں سے تین کا ذکر کیا ہے: قیام، قراءت اور سجدہ، رکوع کا تذکرہ سجدہ کے ضمن میں آ گیا، دونوں کے معنی جھکنے اور عاجزی کے ہیں، اور تکبیر تحریرہ میں اختلاف ہے کہ وہ رکن ہے یا شرط؟ اسی طرح قعدہ اخیرہ میں اختلاف ہے کہ وہ فرض ہے یا سنت بمعنی واجب؟ اور تہجد میں قیام اگرچہ فرض نہیں، مگر مستطیع کے لئے مستحب ہے اور اس میں ثواب پورا ملتا ہے، نبی ﷺ تہجد میں اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ پیروم کر جاتے تھے۔

آیات کریمہ: وہ (یہود) سب یکساں نہیں، اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے (تہجد کی نماز میں) کھڑی ہونے والی، وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیتیں (قرآن کریم) پڑھتے ہیں، اور وہ (رکوع) سجدہ کرتے ہیں، وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر کامل یقین رکھتے ہیں، اور نیکی کے کاموں کا حکم دیتے ہیں، اور برائیوں سے روکتے ہیں، اور لپک کر نیکی کے کام کرتے ہیں، اور وہ لوگ نیکیوں میں سے ہیں، اور وہ جو بھی نیک کام کرتے ہیں، پس ہرگز ان کے اس کام کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ پر ہیزگاروں کو خوب جانتے ہیں — بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے سے انکار کیا، ان سے ان کی دولت اور ان کی اولاد اللہ کے عذاب کو ذرا بھی نہیں ہٹائے گی، اور وہ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ
حَرَثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتُهُمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ
يُظَلِمُونَ ﴿۱۵۷﴾

مَثَلُ	عجیب حالت	فِيهَا صِرٌّ	اس میں ٹھہر (پالا) ہے	فَأَهْلَكَتُهُمْ	پس برباد کر دیا اس نے اسکو
مَا يُنْفِقُونَ	اسکی جو خرچ کرتے ہیں وہ	أَصَابَتْ	پہنچی وہ ہوا	وَمَا ظَلَمَهُمُ	اور نہیں ظلم کیا ان پر
فِي هَذِهِ	اس دنیا کی	حَرَثَ	کھیتی کو	اللَّهُ	اللہ نے
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	زندگی میں	قَوْمٍ	ایسی قوم کی	وَلَكِنْ	لیکن
كَمَثَلِ	جیسے عجیب حالت	ظَلَمُوا ^(۲)	جنہوں نے ظلم کیا	أَنفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں پر
رِيحٍ ^(۱)	ہوا کی	أَنفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں پر	يُظَلِمُونَ	ظلم کرتے ہیں وہ

(۱) ریح (مفرد) قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے اور ریح (جمع) رحمت کے موقع پر۔ (۲) ظلموا أنفسهم: یعنی کفار، کلام مثال سے مثل لڑکی طرف منتقل ہوا ہے، اور یہ قرآن کا اسلوب ہے۔

ایمان کے بغیر جو خیرات کی جاتی ہے وہ آخرت میں برباد ہوگی

اب ایک آیت میں ایک سوال کا جواب ہے۔ فرمایا تھا کہ جو اہل کتاب نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے ان کی دولت آخرت میں ان کے کچھ کام نہیں آئے گی، اس پر سوال ہوا کہ یہودی، عیسائی اور ہندو بہت سے رفاہی اور خدمتِ خلق کے کام کرتے ہیں، پس کیا یہ نیک کام بھی آخرت میں ان کے کام نہیں آئیں گے؟

اس آیت میں اس کا جواب ہے کہ ایمان کے بغیر کیا ہو ان کا یہ نیک کام آخرت میں برباد ہوگا، اس کا کوئی صلہ ان کو نہیں ملے گا، اس کو ایک آسان اور عام فہم مثال سے سمجھاتے ہیں، ایک شخص نے کھیت بویا، کھیتی اہلہانے لگی، کسان اس کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اور اس سے بہت کچھ امیدیں باندھتا ہے پھر اچانک پالا پڑتا ہے اور کھیت جل کر خاک ہو جاتا ہے، اور وہ کھیتی کی تباہی پر کف افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔

اسی طرح جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، کفر و شرک میں مبتلا ہیں، اور خیر خیرات اور دان ہن کرتے ہیں: قیامت کے دن ان کا کفر و شرک ان کے نیک عمل کو برباد کر دے گا، اور وہ آخرت میں تہی دامن رہ جائیں گے، کیونکہ گری بغیر کی مونگ پھلی کی مارکیٹ میں کوئی قیمت نہیں ملتی۔

اور یہ ان پر اللہ کا ظلم نہیں، بلکہ انھوں نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے کہ ایمان نہیں لائے، کفر و شرک میں مبتلا رہے، اعمال کی روح ایمان ہے، ایمان کے بغیر عمل بے جان ہے۔ البتہ حدیث میں ہے کہ غیر مسلم کے نیک کاموں کا پھل اس کو دنیا میں کھلا دیا جاتا ہے، شہرت کی شکل میں یا ناموری کی صورت میں یا اذیت ٹلنے کے ذریعہ یا کسی اور صورت میں صلہ مل جاتا ہے، آخرت میں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

آیت پاک: وہ لوگ (اہل کتاب) اس دنیوی زندگی میں جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا میں پالا ہو، وہ کسی ایسی قوم کی کھیتی کو پہنچے جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے — یعنی کفر کیا ہے، بات مثال سے مثل لہ کی طرف منتقل ہوگئی — پس وہ (ہوا) اس کھیتی کو برباد کر دے، اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا — کہ ان کو ان کے نیک عمل کا صلہ نہیں دیا — بلکہ وہ اپنی ذاتوں پر ظلم کرتے ہیں — کہ ایمان نہیں لائے اور بے ایمانی کے ساتھ خیرات کرتے ہیں، ایسی خیرات کا انجام یہی ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَذُؤًا
مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۗ

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾ هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ، وَإِذَا الْقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا؛ وَإِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَلَيْكُمْ إِلَّا نَامِلًا مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ، إِنْ اللَّهُ عَلَيْهِم بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۱﴾ إِنْ تَمَسَّكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنْ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۱۲﴾

۴۷۳

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً (۱)	اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ بناؤ تم	وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (۵)	اور جو چھپاتے ہیں ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے تحقیق بیان کر دی ہم نے تمہارے لئے اپنی باتیں اگر ہو تم سمجھتے!	بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَلَيْكُمْ (۱۱)	کتابوں کو ساری اور جب ملتے ہیں وہ تم سے کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب تنہا ہوتے ہیں وہ کائتے ہیں وہ تم پر پورے غصہ سے کہو: مرو
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (۵)	اے لوگو!	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے	وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (۵)	اور جو چھپاتے ہیں ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے
إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (۵)	اے لوگو!	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے
تَعْقِلُونَ (۵)	اے لوگو!	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے
تَعْقِلُونَ (۵)	اے لوگو!	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے
تَعْقِلُونَ (۵)	اے لوگو!	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے
تَعْقِلُونَ (۵)	اے لوگو!	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے
تَعْقِلُونَ (۵)	اے لوگو!	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے
تَعْقِلُونَ (۵)	اے لوگو!	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے
تَعْقِلُونَ (۵)	اے لوگو!	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے	هَآأَنْتُمْ أَوْلَاءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	ان کے سینے (اس سے) بڑی ہے

(۱) بَطَانَةٌ: استر، نیچے کا کپڑا، خلاف ظہارۃ: دل کی بات، ہم راز (۲) الّا (ن) الّوآ: کوتاہی کرنا، سست و کمزور ہونا، منع کو مضمّن ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے، جیسے لا آلوك نُصحاء، لا آلوك جهدا (روح) (۳) خبالاً: دوسرا مفعول بہ ہے، خیال: فساد، تباہی، باب نصر کا مصدر بھی ہے۔ (۴) ما عنتم: ما: مصدر یہ ہے، عنتم: اس کا صلہ، موصول صلہ مرکب و دو کا مفعول بہ۔ (۵) هآأنتم: ہا: حرف تسمیہ، أنتم: مبتداء، جملہ تحبونہم: خبر، اور اولاء: منادی، حرف ندا محذوف، ہا: دوبارہ نہیں لائے، آیت ۶۶ میں دوبارہ لائے ہیں۔ (۶) تؤمنون: آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے۔

ان کی چال کچھ بھی بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو وہ کرتے ہیں گھیرنے والے ہیں	كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّا اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ	اور اگر پہنچے تمہیں کوئی برائی خوش ہوتے ہیں وہ اس کی وجہ سے اگر صبر کرو تم اور پوچو تم نہیں نقصان پہنچائیں تم کو	وَأَن تَصِيبَكُمُ سَيِّئَةٌ يَغْفِرُوا بِهَا وَأَن تَصْذَبُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ	اپنے غصہ میں بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں سینوں والی باتوں کو اگر چھو لے تمہیں کوئی خوبی بری لگتی ہے ان کو	بِعَظِيمِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِدَاتِ الصُّدُورِ إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُوهُمْ
---	---	--	---	---	--

مسلمان: مسلمانوں کے سوا کسی کو راز دار نہ بنائیں

اب سلسلہ کلام پیچھے کی طرف لوٹ گیا ہے۔ فرمایا تھا کہ اللہ کی مدد جب آئے گی کہ امت اعمال پر استوار ہو، اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑیں، پھر بات پھیلتی چلی گئی تھی، اب فرماتے ہیں کہ کامیابی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ خاص جنگی حالات میں مسلمان: مسلمانوں کے علاوہ کسی کو بھیدی اور راز دار نہ بنائیں، مسلمانوں کے دشمن مدینہ میں یہودی اور منافق تھے، اور منافقین میں بھی یہودی شامل تھے پس اگر اپنے جنگی راز دشمنوں کو دیدو گے تو کامیابی مشکل ہے۔

تمہارے دشمن خواہ کوئی ہوں، یہودی ہوں یا عیسائی، منافق ہوں یا مشرک: وہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، وہ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے، وہ تمہیں زک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تمہیں ضرر پہنچے، کبھی ان کی زبان بے قابو ہو جاتی ہے تو عداوت کے جذبات ظاہر ہو جاتے ہیں، اور ان کے دلوں میں جو دشمنی کی آگ بھری ہوئی ہے: اس کا تو تم اندازہ نہیں کر سکتے، پس عقلمندوں کا کام نہیں کہ ایسے بد باطن دشمنوں کو اپنا راز دار بنائیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَذُؤًا مِمَّا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَأَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۵۹﴾﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنوں کے سوا کسی کو (جنگی حالات میں) راز دار مت بناؤ، وہ لوگ (تمہارے دشمن) تمہاری

بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے، ان کی دلی خواہش یہ ہے کہ تمہیں مشقت پہنچے — تم شکست سے دوچار ہوؤ

— بالیقین دشمنی ان کی زبانوں سے ظاہر ہو چکی ہے، اور جو سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے زیادہ ہے، ہم نے باتیں

تمہارے لئے کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم سمجھو!

اور سنو! تم ان سے واقعی محبت کرتے ہو، مگر ان کی طرف سے محبت ندر! تم اللہ کی سبھی کتابوں کو مانتے ہو، بنی اسرائیل کے انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئی ہیں ان پر بھی تمہارا ایمان ہے، مگر وہ تمہاری کتاب کو جو بنی اسماعیل پر نازل ہوئی ہے: نہیں مانتے، اور وہ تمہارے سامنے تو اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور تمہاری پیٹھ پیچھے تم پر غصہ کے مارے انگلیاں کاٹتے ہیں ان سے کہہ دو: اپنے غصہ میں پھانسی کھا لو، ہمارا کیا بگڑے گا! اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہیں، وہ ہمیں تمہارے راز ہائے سر بستہ سے واقف کر دیں گے۔

﴿هَآءِٓ اَنْتُمْ اَوْلَآءٌ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُوْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهِ ۗ وَاِذَا الْقُوْمُ قَالَوْا
اٰمَنَّا ۗ وَاِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَلٰیكُمْ اِلَّا نَامِلًا مِّنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذٰتِ
الصُّدُوْرِ ۝﴾

ترجمہ: سنو! تم — اے لوگو — ان سے محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے، اور تم اللہ کی سبھی کتابوں کو مانتے ہو — اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے — اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے، اور جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کے مارے انگلیاں کاٹتے ہیں، کہہ دو: اپنے غصہ میں مرو! بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے خوب واقف ہیں!

اور سنو: تمہاری ذرا سی بھلائی بھی ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، اور اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ خوشی کے مارے پھولے نہیں ساتے، ایسے کمینہ لوگوں سے ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا امید رکھتے ہو؟ اور دوستی کا ہاتھ ان کی طرف کیوں بڑھاتے ہو؟ اور اگر کوئی کہے کہ ہم ان کے ضرر سے بچنے کے لئے تعلقات، موارر رکھنا چاہتے ہیں تو جان لو کہ اگر تم نے صبر کیا، نفس کو ان کے ساتھ تعلقات سے روکا اور تم محتاط رہے تو ان کی چالیں رائگاں جائیں گی، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، ان کو پوری قدرت حاصل ہے کہ وہ ان کی اسکیموں کو خاک میں ملا دیں۔

﴿اِنْ تَسْسِسْكُمْ حَسَنَةً تَّسُوْهُمْ زَوٰنًا تُصِيبُكُمْ سَيِّئَةٌ يُّفْرَحُوْا بِهَا ۗ وَاِنْ تَصِيْرُوْا وَتَتَّقُوْا
لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيطٌ ۝﴾

ترجمہ: اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو بری لگتی ہے، اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچتا ہے تو اس کی وجہ سے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور احتیاط رکھو تو ان کی سازش سے تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، بے شک اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہیں ان کاموں کا جو وہ کرتے ہیں۔

وَإِذْ عَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾
 إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْتَتَوَكَّلِ
 الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۸﴾

وَإِذْ	اور (یاد کرو) جب	لِقِتَالِ	لڑنے کے لئے	أَنْ تَفْشَلُوا ^(۱)	کہ بزدلی دکھائیں
عَدَوْتَ ^(۱)	چلے ہیں آپ	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
مِنْ أَهْلِكَ	اپنے گھر سے	سَمِيعٌ عَلِيمٌ	سمیع و علیم ہیں	وَلِيَّهُمَا	دونوں کے کارساز ہیں
تُبَوِّئُ ^(۲)	بٹھارے ہیں	إِذْ هَمَّتْ	جب ارادہ کیا	وَعَلَى اللَّهِ	اور اللہ ہی پر
الْمُؤْمِنِينَ	مؤمنین کو	طَّائِفَتٌ	دو جماعتوں نے	فَلْتَتَوَكَّلِ	پس چلے کہ بھروسہ کریں
مَقَاعِدَ ^(۳)	ٹھکانوں میں	مِنْكُمْ	تم میں سے	الْمُؤْمِنُونَ	مؤمنین

غزوہ احد میں صورت حال نازک ہو گئی تو یہود و منافقین نے گھی کے چراغ جلائے!

ابھی سابقہ سلسلہ بیان چل رہا ہے، جب مسلمانوں کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ یہود و منافقین کو بری لگتی ہے، اور جب کوئی تکلیف دہ بات پیش آتی ہے تو وہ خوشیاں مناتے ہیں، اب اس کی مثالیں بیان فرماتے ہیں، پہلے دوسری بات کی پھر پہلی بات کی مثال ہے، اس لئے کہ پہلی مثال مفصل ہے اور دوسری مختصر، اس لئے مختصر کو پہلے بیان کیا ہے۔

غزوہ احد میں مشرکین مکہ ان کے بدر میں مارے گئے سرداروں کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھ آئے، وہ ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھے، اور مسلمان کل ایک ہزار تھے، ان کے پاس ہتھیار بھی برائے نام تھے، پھر عین وقت پر منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا، اور مجاہدین کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔

اس کمی کی تلافی نبی ﷺ نے مورچہ بندی سے کی، آپ نے حیرت انگیز طریقہ پر فوجیوں کے ٹھکانے متعین کئے، اور پچاس تیر اندازوں کا دستہ فوج کی پشت پر ایک پہاڑی پر متعین کیا، تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے، اور ان کو ہدایت

(۱) غدا: بمعنی صدار بھی آتا ہے، اس وقت وہ افعال ناقصہ میں سے ہوتا ہے، ضمیر واحد مذکر حاضر اس کا اسم ہے اور جملہ تبویٰ خبر (جمل حاشیہ جلالین) (۲) تبویٰ: مضارع، واحد مذکر حاضر: ٹھکانہ دیتے ہیں، اتارتے ہیں، جگہ متعین کرتے ہیں (۳) مقاعد: مقعد کی جمع منتہی الجموع، ظرف مکان: بیٹھنے کی جگہ۔ (۴) فشلا: بزدلی دکھانا، ڈھیلا اور ست پڑنا۔

دی کہ وہ اپنی جگہ کسی حال میں نہ چھوڑیں، خواہ جنگ میں کامیابی ہو یا ناکامی، اور میمنہ اور میسرہ پر، بنو حارثہ اور بنو سلمہ کو مقرر کیا، یہ بہادر قبائل تھے، مگر شیطان نے ان کو اور غلایا، اور وہ منافقوں کی طرح واپسی کی سوچنے لگے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو سنبھال لیا اور وہ جم گئے۔

پھر جنگ شروع ہوئی، پہلے انفرادی مقابلہ ہوا، اور کافروں کے علم بردار یکے بعد دیگرے کام آگئے، پھر عام مقابلہ شروع ہوا، مسلمانوں نے تابڑ توڑ حملہ کیا، اور کافروں کے چھکے چھوٹ گئے، ان کی عورتیں بھاگتی نظر آئیں، مجاہدین غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، اور پہاڑی پر جو پچاس تیر انداز مقرر کئے تھے ان میں سے چالیس نے جگہ چھوڑ دی، وہ بھی غنیمت جمع کرنے کے لئے آگئے، جب مورچہ خالی ہو گیا تو خالد بن ولید نے سواروں کے رسالہ کے ساتھ عقب سے حملہ کر دیا، اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، ستر صحابہ شہید ہو گئے اور جو زندہ تھے زخمی تھے، نبی ﷺ بھی زخموں سے چور تھے، مگر اللہ کا کرنا کہ کفار سراسیمہ ہو کر میدان سے چل دیئے، یوں ہاری ہوئی بازی جیت لی گئی، مگر مسلمانوں کا نقصان ہو گیا، اس پر یہود اور منافقین نے خوب بغلیں بجائیں اور گھی کے چراغ جلانے! ان دو آیتوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

نبی ﷺ نے میدان جنگ میں مورچہ بندی کی

نبی ﷺ ۱۱ شوال بروز جمعہ بعد نماز عصر میدان احد کے لئے روانہ ہوئے، مدینہ سے باہر نکل کر مقام شیخین پر فوج کا جائزہ لیا، جو نو عمر اور کم سن صحابہ تھے ان کو واپس کر دیا (یہ آٹھ حضرات تھے ان کے نام سیرۃ المصطفیٰ (۲: ۱۹۱) میں ہیں) پھر بار کی صبح آپ وہاں سے روانہ ہوئے، جب احد کے قریب پہنچے تو راس المنافقین عبد اللہ بن ابی اپنے قبیلہ کے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا، اس نے کہا: جب ہماری بات نہیں سنی گئی تو ہم بلا وجہ اپنی جانوں کو کیوں ضائع کریں! اب نبی ﷺ کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے، مقام شیخین سے آپ نے رات کے آخری حصہ میں کوچ کیا، جب احد قریب آیا تو صبح کی نماز کا وقت ہو گیا، وہاں اذان دی گئی اور آپ نے تمام اصحاب کو نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر آپ لشکر کی طرف متوجہ ہوئے، مدینہ کو سامنے اور احد کو پس پشت رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا، اور پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ جبل احد کے پیچھے ایک پہاڑی پر مقرر فرمایا اور ان کا امیر حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور ان کو حکم دیا کہ اگر ہم مشرکین پر غالب آجائیں تب بھی تم وہاں سے مت ہٹنا، اور اگر مشرکین ہم پر غالب آجائیں تب بھی تم اس جگہ سے مت سرکنا، اور ہماری مدد کے لئے مت آنا۔

پھر نبی ﷺ نے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا:

۱- مہاجرین کا دستہ: اس کا پرچم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

۲- قبیلہ اوس (انصار) کا دستہ: اس کا علم حضرت اُسید بن حنیس رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

۳- قبیلہ خزرج (انصار) کا دستہ: اس کا علم حضرت حباب بن مُنذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

اور جنگی نقطہ نظر سے لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم کی، منصوبہ بڑی باریکی اور حکمت پر مبنی تھا، جس سے نبی ﷺ کی فوجی قیادت میں عبقریت کا پتہ چلتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی کمانڈر خواہ کیسا ہی بالیاقت ہو، آپ سے زیادہ باریک اور باحکمت منصوبہ تیار نہیں کر سکتا، آپ نے پہاڑ کی بلندی کی اوٹ لے کر اپنی پشت اور اپنا دایاں بازو محفوظ کر لیا اور بائیں بازو پر دوران جنگ جس شکاف سے پشت پر حملہ کا اندیشہ تھا اسے تیر اندازوں کے ذریعہ بند کر دیا اور پڑاؤ کے لئے ایک اونچی جگہ منتخب فرمائی کہ اگر خدا نخواستہ شکست ہو جائے تو وہ جگہ کیمپ کا کام دے، اس میں پناہ لی جاسکے اور دشمن اس کی طرف پیش قدمی کرے تو سنگباری کر کے اس کو خسارہ پہنچایا جاسکے، اور دشمن کے لئے ایسا نشیبی مقام چھوڑ دیا کہ اگر وہ غالب آجائے تو فتح کا کوئی خاص فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اگر مغلوب ہو جائے تو تعاقب کرنے والوں کی گرفت سے بچ نہ سکے، اس طرح آپ نے ممتاز بہادروں کی ایک جماعت منتخب کر کے فوجی تعداد کی کمی پوری کر دی، یہ تھی نبی ﷺ کے لشکر کی ترتیب و تنظیم جو ۷ شوال سن ۳ ہجری یوم سینجر کی صبح کو عمل میں آئی (ماخوذ از الر حیق المختوم ص: ۳۹۷) آیت کریمہ میں اسی مورچہ بندی کا ذکر ہے۔

جنگ احد میں منافقین کا کردار

مقام شینین سے طلوع فجر سے کچھ پہلے آپ ﷺ روانہ ہوئے اور مقام شوط پہنچ کر فجر کی نماز ادا کی، اب آپ دشمن کے بالکل قریب تھے، دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، یہاں پہنچ کر عبداللہ بن ابی منافق نے تہمت اختیار کیا، وہ ایک تہائی لشکر یعنی تین سو افراد کو لے کر واپس ہو گیا، اور احتجاج بھی کرتا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات نہیں مانی، دوسروں کی بات مان لی، مگر حقیقت میں علاحدگی کا یہ سبب نہیں تھا، اگر یہ سبب ہوتا تو اس کو لشکر کے ساتھ آنا ہی نہیں چاہئے تھا، اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اس نازک موقع پر الگ ہو کر اسلامی لشکر میں کھلبلی مچانا چاہتا تھا جب دشمن اس کی ایک ایک نقل و حرکت کو دیکھ رہا تھا، تاکہ ایک طرف فوجی نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں ان کے حوصلے پست ہو جائیں، اور دوسری طرف یہ منظر دیکھ کر دشمن کی ہمت بڑھے اور اس کے حوصلے بلند ہوں، پس اس کی یہ کاروائی سارا کھیل بگاڑنے کی ایک موثر تدبیر تھی، اور قریب تھا کہ منافق اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے، کیونکہ دو اور قبیلوں: بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے قدم بھی اکھڑنے کے قریب ہو گئے تھے، وہ واپسی کی سوچ رہے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور وہ دونوں جماعتیں ارادہ واپسی کے بعد جم گئیں۔

انصار کے دو قبیلے پھسلتے پھسلتے رہ گئے

خزرج کے قبیلہ بنی سلمہ نے اور اوس کے قبیلہ بنی حارثہ نے عبداللہ بن ابی کی طرح واپسی کا کچھ کچھ ارادہ کر لیا تھا، یہ دو قبیلے لشکر کی دونوں جانبوں میں تھے، اگر خدا نخواستہ یہ قبیلے پلٹ جاتے تو لشکر بے باز و ہوجاتا، مگر توفیقِ خداوندی نے ان دونوں قبیلوں کی دست گیری کی، اللہ نے ان کو واپسی سے بچالیا۔

آیاتِ کریمہ: اور (یاد کیجئے) جب آپ گھر سے چلے، مسلمانوں کو جنگ کے لئے ان کی جگہوں میں جمار ہے تھے، اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں — یعنی مورچہ بندی کا کمال اللہ کی ہدایت کی وجہ سے تھا — (یاد کرو) جب تم میں سے دو جماعتوں نے دل میں خیال کیا کہ وہ ہمت ہار دیں، اور اللہ تعالیٰ دونوں کے کارساز تھے، اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سورۃ آل عمران کی یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے، جب بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے ہمت ہار دی، اور میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں ارشاد فرمایا ہے: ”اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں کا مددگار ہے“ یہ ان دونوں قبیلوں کے لئے بڑی فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ نے بیانِ جرم کے ساتھ ولایتِ خاصہ کی بشارت بھی سنائی ہے، جس سے وعدہ معافی بھی مترشح ہوتا ہے، اور جرم کو بھی ہلکا کر کے پیش کیا ہے کہ دونوں قبیلے واپس نہیں ہوئے، صرف کم ہمت ہوئے، پھر اس کا وقوع بھی نہیں ہوا، بات خیال ہی کی حد تک رہی، اس لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس آیت کا ابتدائی حصہ ہمارے لئے نامناسب تھا، مگر آخری حصہ میں ہمارے لئے بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کارساز ہیں۔

جنگ احد میں فرشتوں کی کمک نہیں آئی

فرشتوں کی کمک بدر میں آئی تھی، مجاہدین کے ساتھ جنگ میں فرشتوں نے حصہ لیا تھا، پھر احزاب میں آئی، پھر حنین میں آئی، چنانچہ ان جنگوں میں واضح کامیابی ملی اور جنگ احد میں فرشتوں کی عام کمک نہیں آئی، اس لئے فتح ہزیمت سے بدل گئی، اس جنگ میں اللہ تعالیٰ کا یہی منشا تھا۔

ملاحظہ: ﴿إِذْ﴾ دونوں آیتوں میں مکرر لایا گیا ہے، تاکہ واقعہ کے دونوں اجزاء کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ، فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿۳۳﴾
إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبَدِّدَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

مَنْزِلِينَ ۞ بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن قَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا لَّكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝ كَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَا يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

۱۰۰

اور آئیں گے وہ تم پر	وَيَأْتُوكُم	مسلمانوں سے	لِلْمُؤْمِنِينَ	اور البتہ تحقیق	وَلَقَدْ
فی الفور	مِّن قَوْرِهِمْ	کیا ہرگز کافی نہیں	أَلَّن يَكْفِيَكُمْ	مدد کی تمہاری	نَصْرَكُمْ
اسی وقت	هَذَا	تمہارے لئے	أَنْ يُمِدَّاكُمْ	اللہ نے	اللَّهُ
(تو) مدد کریں گے	يُمْدِدْكُمْ	(یہ بات) کہ مدد کریں	رَبُّكُمْ	بدر میں	بِبَدْرٍ
تمہاری	رَبُّكُمْ	تمہاری	بِثَلَاثَةِ آلْفٍ	در انحالیکہ تم	وَأَنْتُمْ
تمہارے پروردگار	بِحَمْسَةِ آلْفٍ	تمہارے پروردگار	مِّنَ الْمَلَائِكَةِ	بے حیثیت (کنزوں) تھے	أَذِلَّةٌ ^(۱)
پانچ ہزار	مُسَوِّمِينَ ^(۳)	تین ہزار	مَنْزِلِينَ ^(۲)	پس ڈرو	فَاتَّقُوا
فرشتوں سے	نشان مقرر کرنے والے	فرشتوں سے	بَلَىٰ	اللہ سے	اللَّهُ
(وردی پہننے والے)	اور نہیں بنایا اس (مدد) کو	اتارے ہوئے	إِن تَصْبِرُوا	تا کہ تم	لَعَلَّكُمْ
اللہ نے	اللَّهُ	کیوں نہیں!	وَتَتَّقُوا	شکر، بجالاؤ	تَشْكُرُونَ
		اگر صبر کرو گے تم		(یاد کرو) جب	إِذْ
		اور احتیاط رکھو گے		کہہ رہے تھے آپ	تَقُولُ

(۱) اذلة: ذلیل کی جمع ہے: کمزور، بے سروسامان، بے حیثیت، نرم دل (۲) منزل: اسم مفعول: اتارے ہوئے یعنی آسمانی فرشتے، ملا اعلیٰ۔ (۳) فور: فوراً، فی الفور، ابھی ہاتھ کے ہاتھ، فار الماء: پانی کا ابلنا، زور سے ٹکلنا۔ (۴) مسوم: اسم فاعل، تسویم: خاص نشان لگانا، وردی پہن کر آنے والے

اپنا نقصان کمنے والے ہیں	ظَلِمُونَ	ان لوگوں کا جنہوں نے	مِنَ الَّذِينَ	مگر خوش خبری	إِلَّا بُشِّرْ
اور اللہ کی کے لئے ہے	وَاللَّهُ	انکار کیا	كَفَرُوا	تمہارے لئے	لَكُمْ
جو کچھ آسمانوں میں ہے	مَا فِي السَّمٰوٰتِ	یا ذلیل کریں ان کو	أَوْ يَكْتُمُهُمْ ^(۱)	اور تاکہ ستمن ہو جائیں	وَلِتُظْمِنَ
اور جو کچھ زمین میں ہے	وَمَا فِي الْأَرْضِ	پس پلٹ جائیں وہ	فَيَقْبَلُوا	تمہارے دل	قُلُوبَكُمْ
بخشنے ہیں	يَغْفِرُ	نامراد ہو کر	حَتَّىٰ يَبِينَ	اس (مدد) کی وجہ سے	بِهِ
جسے چاہتے ہیں	لِمَن يَشَاءُ	نہیں اختیار ہے آپ کو	لَيْسَ لَكَ	اور نہیں ہے مدد	وَمَا النَّصْرُ
اور سزا دیتے ہیں	وَيُعَذِّبُ	معاملہ میں	مِنَ الْأَمْرِ	مگر اللہ کی طرف سے	إِلَّا مِمَّنْ
جسے چاہتے ہیں	مَن يَشَاءُ	کچھ بھی	شَيْءٍ		عِنْدَ اللَّهِ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	یا توجہ فرمائیں وہ	أَوْ يَتُوبَ	زبردست	الْعَزِيزُ
بڑے بخشنے والے	عَفُورٌ	ان پر	عَلَيْهِمْ	بڑے حکمت والے	الْحَكِيمُ
بڑے رحم فرمانے	رَحِيمٌ	یا سزا دیں ان کو	أَوْ يُعَذِّبَهُمْ	تاکہ کاٹ دیں وہ	لِيَقْطَعَ
والے ہیں		پس بے شک وہ	وَأَنَّهُمْ	ایک حصہ	طَرَفًا

غزوہ بدر میں صورتِ حال نازک تھی، مگر اللہ کی مدد آئی اور

مسلمانوں کا ہاتھ اونچا ہوا تو یہود و منافقین کو بہت برا لگا

اب ﴿إِنْ تَمَسَسْتُمْ حَسَنَةً تَسُوهُمْ﴾ کی مثال بیان فرماتے ہیں، یہ مثال ایک آیت میں ہے، آگے مثال کے متعلقات ہیں، یہ قرآن کریم کا اسلوب ہے، اسی لئے دوسری آیت کے شروع میں ﴿إِذْ﴾ ہے، اور اس سے پہلے اذکر پوشیدہ ہے، تاکہ اس کو مستقل حیثیت حاصل ہو جائے۔

بدر کی جنگ: اسلام کی پہلی جنگ تھی، اس وقت تک مسلمانوں کی عالم واقعہ میں کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی، وہ بحیثیت قوم کسی شمار قطار میں نہیں تھے، اور سامانِ جنگ بھی کوئی خاص نہیں تھا، دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، جن پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اور چونکہ کسی مسلح فوج سے لڑنا پیش نظر نہیں تھا، ابوسفیان کے قافلہ کا تعاقب کرنا تھا، اس لئے جو لوگ وقت پر جمع ہو گئے ان کو ساتھ لے لیا، جن کی تعداد کم و بیش تین سو تیرہ تھی۔

دوسری طرف ایک ہزار آدمی پورے ساز و سامان کے ساتھ اپنا تجارتی قافلہ بچانے کے لئے مکہ سے نکلے تھے، ابو جہل

(۱) کبت (ض) کبتاً: ذلیل و رسوا کرنا۔

لشکر کا کمانڈر انچیف تھا، لشکر کزوفر، سامانِ طرب و عیش کے ساتھ، اور گانے بجانے والی عورتوں اور طلبوں کے ساتھ اکڑتا اتر اتاروانہ ہوا تھا، اور بدر میں پہلے پہنچ گیا تھا، اور اس نے پانی کے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا، اور مناسب جگہوں کو اپنے لئے چھانٹ لیا تھا، جب مسلمان بدر میں پہنچے تو ان کو پانی ملنا نہ مناسب جگہ، ریتلا میدان تھا جہاں چلنا بھی دشوار تھا، پیردھنس رہے تھے، مگر اللہ نے بارش بھیجی جس سے ریت جم گئی، اور مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر پانی جمع کر لیا۔

پھر جنگ شروع ہوئی، پہلے انفرادی مقابلہ ہوا، پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، اور نبی ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لے کر مشرکین کی طرف پھینکی، مشرکین میں سے کوئی نہ بچا جس کی آنکھ، ناک اور منہ میں وہ مٹی نہ پہنچی ہو، مشیتِ خاک پھینکانا تھا کہ کفار کا لشکر سراسیمہ ہو گیا، بڑے بڑے بہادر اور جان باز قتل اور قید ہونے لگے، اور ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ میدان کا رزار کا فیصلہ ہو گیا۔ ستر کا فر مارے گئے اور ستر ہی گرفتار ہو گئے۔

اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک بھیجی، پہلے ایک ہزار، پھر اور دو ہزار پھر اور دو ہزار، کل پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے اترے، یہ فرشتے کفار کو نظر آئے، جس سے ان پر دھاک بیٹھی، صحابہ کو یہ فرشتے عام طور پر نظر نہیں آئے، مگر فرشتوں کا اس جنگ میں نازل ہونا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کا قتال کرنا آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے صراحاً ثابت ہے، جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جاننا چاہئے کہ دنیا عالم اسباب ہے، اس کی رعایت سے فرشتوں کو لشکر کی صورت میں مسلمانوں کی امداد کے لئے نازل فرمایا، ورنہ ایک ہی فرشتہ سب کے لئے کافی تھا۔

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ، فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۰۰﴾﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی، جبکہ تم بے حیثیت (بے سرو سامان) تھے، پس اللہ سے ڈرو۔ یعنی ممنوعاتِ شرعیہ سے بچو، اور اس کے احکام کی تعمیل کرو، یہ آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ تم شکر بجالو۔ اس کا تعلق نصر کم سے ہے۔

فائدہ: بدر کی دعا میں نبی ﷺ نے عرض کیا تھا: ”اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو آپ کی پرستش نہ ہو!“ آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ میں نے تمہاری مدد کی، اب تم ممنوعات سے بچو اور احکام کی تعمیل کرو، یہ بھی اللہ کی پرستش ہے۔

بدر میں کتنے فرشتے اترے تھے؟ تین ہزار یا پانچ ہزار؟

بدر میں کتنے فرشتے اترے تھے، تین ہزار یا پانچ ہزار؟ بلکہ سورۃ الانفال آیت ۹ میں ہے: ”وہ وقت یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا، جو سلسلہ وار آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اس لئے بھیجی تھی کہ وہ تمہارے لئے بشارت بنے، اور اس سے تمہارے

دلوں کو قرار آئے، اور نصرت تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والے ہیں، اس آیت میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے، اور یہ آیت بھی غزوہ بدر کے بارے میں ہے، اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ بدر میں کتنے فرشتے آئے تھے: ایک ہزار، تین ہزار یا پانچ ہزار؟

جواب: پہلے ایک ہزار آئے، پھر دو ہزار آئے تو تین ہزار ہو گئے، پھر دو ہزار آئے تو پانچ ہزار ہو گئے، فوج کی کمک اسی طرح آتی ہے، تاکہ فوج کا حوصلہ بڑھے اور دشمن پر دھاک بیٹھے، جب نئی کمک نعرہ لگاتی ہوئی آتی ہے تو دشمن کا استیحاء خطا ہو جاتا ہے۔

﴿ اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُبَدِّلَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ الْفِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝۱۰۰ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاٰتُوْكُمْ مِّنْ قَوْمِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ الْفِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ ۝۱۰۱ مَّسُوْمِيْنَ ۝۱۰۲ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ تمہارے پروردگار تمہاری مدد کریں آسمان سے اتارے ہوئے تین ہزار فرشتوں سے؟ کیوں نہیں! — یہ جواب ہے کہ کافی ہے — اگر تم میدان میں ڈٹے رہے، اور محتاط رہے، اور وہ تم پر اسی وقت فوراً بول دیں تو تمہارے پروردگار پانچ ہزار وردی پوش فرشتوں سے تمہاری مدد کریں گے!

فائدہ: آسمان سے اتارے ہوئے: یعنی بڑے درجہ کے فرشتے، ملا اعلیٰ، ورنہ جو فرشتے زمین پر موجود تھے (ملا سفلی) ان سے بھی یہ کام لیا جاسکتا تھا (بیان القرآن)

فرشتے جب امداد کے لئے آتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟

فرشتے جب امداد کے لئے آتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟ باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا پشت پناہی کرتے ہیں؟ جواب: فرشتے جب بھی کسی جنگ میں نازل ہوتے ہیں تو لڑتے نہیں، لڑنا انسانوں کا کام ہے، فرشتے دلوں میں نیک جذبات ابھارتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں اور مجاہدین کے کاموں میں کمک پہنچاتے ہیں، جیسے کسی مجاہد نے بم پھینکا اس کا نشانہ غلط ہو سکتا تھا، فرشتہ اس بم کو صحیح جگہ گراتا ہے، یا مجاہد نے گینڈ لڑھکائی اس کو سو میٹر تک جانا چاہئے، فرشتہ نے اس میں کمک پہنچائی وہ ہزار میٹر تک چلی گئی، فرشتے جنگ میں اس طرح کا تعاون کرتے ہیں اور بدر کی جنگ میں فرشتوں کے لڑنے کی جو روایات ہیں ان کی صورت بھی یہی ہوئی تھی، صحابی نے تلوار چلائی، اس کی تلوار لگنے سے پہلے ہی دشمن کا سر جدا ہو گیا، یہ فرشتہ کی کمک تھی۔

﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرًا لَّكُمْ وَلِتَطْمَِٔنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۙ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ

اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٥﴾

ترجمہ: اور اللہ نے اُس (مدد) کو تمہارے لئے صرف خوش خبری بنایا، اور تاکہ اُس (مدد) کی وجہ سے تمہارے دل مطمئن ہوں، اور مدد تو زبردست حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

جنگِ بدر میں امداد و نصرت کی حکمت

بدر میں کفار کے ستر لیڈر قتل ہوئے، اور ستر ہی قید ہوئے، باقی رسوا ہو کر پسپا ہوئے: اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایسا اس لئے کیا کہ کفار کا زور ٹوٹے، اور اسلام کا راستہ ہموار ہو۔

﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿٥﴾﴾

ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ایک حصہ کاٹ دیں — ان کو موت کی گھاٹ اتار دیں — جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، یا ان کو رسوا کریں — قید ہوں یا پسپا ہوں — پھر وہ نامراد ہو کر پلٹ جائیں!

جنگِ بدر میں جو فتح گئے ان میں سے کچھ مسلمان ہوئے

زمین و آسمان میں اختیار سارا اللہ کا ہے، وہ جس کو مناسب ہوگا ایمان کی توفیق دیں گے، اور جسے چاہیں گے کفر کی سزا میں پکڑ لیں گے، ہدایت میں رسولوں کا کوئی دخل نہیں، ہدایت و گمراہی صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس میں اشارہ ہے کہ زندہ بچ جانے والوں کو ممکن ہے اللہ ہدایت دیدیں، پس جو مقتول ہوئے ان میں بھی اللہ کی حکمت تھی، اور جن کو بچا لیا ان میں بھی حکمت ہے۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَأِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥﴾ وَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦﴾﴾

ترجمہ: آپ کا معاملہ میں کچھ اختیار نہیں، یا تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف توجہ فرمائیں گے یا ان کو سزا دیں گے، اس لئے کہ وہ ظالم (مشرک کافر) ہیں، اور اللہ ہی کے لئے ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں، اور جو چیزیں زمین میں ہیں، بخشش گے جسے چاہیں گے، اور سزا دیں گے جسے چاہیں گے، اور اللہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

سوال: آیت کریمہ: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾: کس واقعہ میں نازل ہوئی ہے؟ روایات میں اختلاف ہے، کسی روایت میں ہے کہ جب نبی ﷺ غزوہ احد میں زخمی ہوئے تو زبان مبارک سے نکلا: ”وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کر دیا جو ان کو اللہ کی طرف بلا رہا ہے!“ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

اور کسی روایت میں ہے کہ جب پیر معونہ کے واقعہ میں کفار نے ستر قراء کو شہید کیا تو آپؐ نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھا، پھر یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے بددعا بند کر دی۔ اور بخاری شریف (حدیث ۴۰۶۹) میں ہے کہ آپؐ نے تین شخصوں کے لئے بددعا کی تو یہ آیت نازل ہوئی — پس آیت کا واقعی شان نزول کیا ہے؟

جواب: یہ اختلاف کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ صحابہ ہر احتمالی صورت کے لئے اُنزلت فی کذا استعمال کرتے تھے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں بیان کیا ہے، البتہ حقیقی شان نزول غزوة بدر ہے، یہاں اسی سیاق میں یہ آیت آئی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دشمن خواہ کتنا ہی نقصان پہنچائے داعی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس کے لئے بددعا کرے، ممکن ہے اللہ اس کو ہدایت دے کر بخش دیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۹﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۴۰﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۱﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۴۲﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۳﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَن يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ وَّهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتْ تَجْرِي مِّن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۴۵﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے	لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا	مت کھاؤ سود	أَضْعَافًا ^(۱) مُّضَاعَفَةً ^(۲)	کئی گنا (بڑھا کر) دوئے پے دوئے
--------------------------------	--------------------------	-------------------------	-------------	---	--------------------------------

(۱) اضعاف: ضعف کی جمع: کئی گنا، یہ الفاظ متضادہ میں سے ہے، جن میں ایک کا وجود دوسرے کے وجود کا متقاضی ہوتا ہے جیسے نصف اور زرج (۲) مضاعفة: مفاعلة کے وزن پر مصدر ہے، ضعف سے بنا ہے، اور اضعاف کی تاکید کے لئے ہے، عربی میں تابع مہمل نہیں ہوتا، معنی دار ہوتا ہے اور تاکید کرتا ہے، جیسے ظلاً ظليلاً: گھنا سا یہ۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ	اور ڈرو اللہ سے تا کہ تم کامیاب ہوؤ اور ڈرو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے اسلام کا انکار کرنے والوں کے لئے اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا تا کہ تم رحم کئے جاؤ اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے پروردگار کی اور باغ کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی ہے تیار کیا گیا ہے وہ	لِ الْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ وَالْكٰظِمِينَ الغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ وَ الَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ	پرہیزگاروں کے لئے جو لوگ خرچ کرتے ہیں خوش حالی میں اور تنگ حالی میں اور دبائے والے غصہ کو اور معاف کرنے والے لوگوں کو اور اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں نیکیوں کو اور جو لوگ جب وہ کرتے ہیں کوئی بے حیائی کا کام اور نقصان کرتے ہیں اپنی ذاتوں کا یاد کرتے ہیں وہ اللہ کو پس معافی چاہتے ہیں وہ اپنے گناہوں کی	وَمَنْ يَغْفِرْ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ وَّهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ	اور کون بخشا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا اور نہیں اڑتے وہ اپنے کئے پر در انحالیکہ وہ جانتے ہیں وہی لوگ ان کا بدلہ بخشش ہے ان کعب کی طرف سے اور باغات ہیں بہتی ہیں ان میں نہریں سدا رہنے والے ان میں اور کیا خوب ہے مزدوری کام کرنے والوں کی
--	--	--	---	--	--

سو دُخور مسلمانوں کو جہنم میں جانا پرہسکتا ہے

فرمایا تھا: ”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت ہے، وہ جسے چاہیں بخشیں اور جسے چاہیں سزا دیں، اور وہ غفور رحیم ہیں“ یعنی ان کی بخشش و رحمت: غضب اور پکڑ سے آگے ہے، اب اس کی دو مثالیں دیتے ہیں، ایک ان لوگوں

کی جن کو اللہ تعالیٰ سزا دیں گے، اور وہ سود خور مسلمان ہیں، اور مثال کافروں کی نہیں دی، ان کو تو کفر و شرک کی ابدی سزا ملے گی، اور سود خور مسلمانوں کو ان کے گناہ کی وقتی سزا ملے گی۔ یہ ایسا سنگین گناہ ہے جس کی شاید معافی نہ ہو، محصاتِ مؤمنین کو بھی جہنم میں جانا پڑ سکتا ہے۔

فائدہ (۱): یہاں سود کے مسائل سے بحث نہیں، مسائل سورۃ البقرۃ میں آچکے ہیں، اور مثال سود خوروں کی دی ہے، سودی قرض لینے والوں کا تذکرہ نہیں کیا، ان کی مجبوری ہے، اگرچہ گناہ میں دونوں برابر کے شریک ہیں، مسلم شریف میں ہے: ہم سوا: وہ گناہ میں یکساں ہیں، تالی دو ہاتھ سے بچتی ہے، کوئی سود دے گا تو کوئی لے گا۔ مگر مثال سود خور کی دی ہے، اس کے لئے کوئی مجبوری نہیں۔

فائدہ (۲): سود تین طرح کا ہے: ربا القرض، ربا الفضل اور ربا المنسیہ، قرآن کریم میں صرف اول کا ذکر ہے، باقی دو کا حدیثوں میں تذکرہ ہے۔ ربا القرض: مہاجنی سود کہلاتا ہے، یہ سنگین گناہ ہے، یہ بڑھتا جاتا ہے اور کئی گناہ ہو جاتا ہے، مثلاً: ایک ہزار روپے دس فیصد پر قرض دیئے تو ایک ماہ کے بعد قرضہ گیارہ سو ہو جائے گا، پھر اگلے مہینہ گیارہ سو پورس فیصد سود چڑھے گا، اسی طرح ہر ماہ دس فیصد سود اصل سرمایہ میں شامل ہوتا رہے گا، اور مجموعہ پورس فیصد سود بڑھے گا، اس طرح وہ ﴿أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ ہو جائے گا۔

اس لئے فرمایا کہ دو نے پر دونا کر کے سود مت لو، یعنی اللہ سے ڈرو اور ربا القرض سے بچو، آخرت کی کامیابی یہی ہے، سود لینے سے صرف دنیا میں مال بڑھتا ہے، مگر دنیا ہے کئی روز کی؟ پانڈار زندگی آخرت کی ہے، وہاں کامیابی سود نہ لینے میں ہے، اگر سود لو گے تو اس جہنم میں جانا پڑ سکتا ہے جو درحقیقت کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، مگر سخت گنہگار مؤمنین کو بھی اس میں جانا پڑ سکتا ہے، سود خوری ایسا ہی سخت گناہ ہے، پس اللہ کا اور ان کے رسول کا حکم مانو اور تینوں قسم کے سود سے بچو تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں اور تمہیں بخش دیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝
وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! چند در چند بڑھا کر سود مت لو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ — تمہیں جنت نصیب ہو — اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے — جہنم درحقیقت کفار و مشرکین کے لئے تیار کی گئی ہے، مگر سخت گنہگار مسلمانوں کو بھی سزا پانے کے لئے جہنم میں جانا پڑ سکتا ہے — اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو، تاکہ تم پر مہربانی کی جائے — جہنم سے بچا لیا جائے، اور سیدھے جنت میں پہنچا دیا جائے!

جو مسلمان نیک کام کرتے ہیں اور گناہ ہو جائے تو توبہ کرتے ہیں ان کو بخش دیا جائے گا

دوسری مثال: ﴿يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ﴾ کی ہے، یہ پرہیزگار مسلمان ہیں، جنت انہیں کے لئے تیار کی گئی ہے، جس میں بے پناہ وسعت (گنجائش) ہے، آسمانوں اور زمین کو پھیلائیں تو جتنی ان کی وسعت ہے اتنی جنت کی چوڑائی ہے، پس اس کی لمبائی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ لمبائی: چوڑائی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ بھی تشبیہ ہے، انسان کے ذہن میں آسمانوں اور زمین کی وسعت سے زیادہ کسی وسعت کا تصور نہیں، سورۃ ہود (آیات ۷۰-۱۰۸) میں جنت و جہنم میں خلود (ہمیشہ رہنے) کو ﴿مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ کی تشبیہ سے سمجھایا ہے، اسی طرح یہاں بھی اس تشبیہ سے جنت کی وسعت کو سمجھایا ہے، ورنہ اس کی وسعت کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔

یہ وسیع جنت پرہیزگاروں کے لئے بنائی ہے، اور پرہیزگار وہ ہیں جو نیکی کے تین کام کرتے ہیں:

۱- خوش حالی ہو یا تنگ حالی وجوہ خیر میں خرچ کرتے ہیں۔

۲- کسی بات پر غصہ آتا ہے تو اس کو پی جاتے ہیں، نکالتے نہیں۔

۳- لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرتے ہیں، سزا نہیں دیتے۔

ایسے ہی نیکو کاروں کو اللہ دوست رکھتے ہیں، اور خدا انخواستہ کوئی بے حیائی والا کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کوئی عام گناہ کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور اپنے گناہوں کی اللہ سے معافی مانگتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں۔ غرض وہ جانتے بوجھتے اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے، انہیں حضرات کا بدلہ مغفرت اور باغات ہیں، جن میں نہریں رواں دواں ہیں، اس لئے وہ باغات سدا بہار ہیں، وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے، پس کیسا اچھا ہے نیک عمل کرنے والوں کا صلہ!

فائدہ (۱): نبی ﷺ نے: ﴿ذَكَرُوا اللّٰهَ﴾ سے صلاۃ التوبہ مستحب فرمائی ہے، اللہ کو یاد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ شکل نماز ہے، نماز کا مقصد اور اس کا سب سے بڑا فائدہ اللہ کا ذکر ہے، لہذا جب بندہ کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اچھی طرح پاکی حاصل کرے، پھر کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ جتنی چاہے پڑھے، پھر عاجزی اور انکساری کے ساتھ گڑگڑا کر معافی مانگے، ان شاء اللہ اس کے گناہ پر قلم غفور پھیر دیا جائے گا۔

اور توبہ کی ماہیت تین چیزیں ہیں: گناہ پر پشیمان ہونا، اس گناہ کو چھوڑ دینا، اور آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا، جب یہ تینوں باتیں جمع ہوں گی تو توبہ متحقق ہوگی، ورنہ صرف زبانی جمع خرچ ہوگا۔

فائدہ (۲): ﴿ذَكَرُوا اللّٰهَ﴾ میں اشارہ ہے کہ اللہ یاد ہوتے ہوئے گناہ نہیں ہو سکتا، جب آدمی اللہ کو بھولتا ہے

جیسی گناہ کرتا ہے، پھر نیک بندے کو گناہ سے فارغ ہوتے ہی اللہ یاد آتا ہے اور وہ معافی مانگتا ہے، اور برا بندہ گناہ پر اڑتا ہے، اس کو اللہ یاد نہیں آتا، اور وہ گناہ میں پیر پارتا رہتا ہے۔

﴿ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ ۖ أُعِدَّتْ
لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظَيْبِ وَالغَافِغِيبِ
عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا قَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا
اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۗ وَمَن يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتْ تَجْرِي مِّن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور لپکاپنے پروردگار کی مغفرت حاصل کرنے کے لئے، اور ایسا باغ حاصل کرنے کے لئے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کی چوڑائی ہے، جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

پرہیزگار وہ لوگ ہیں جو خوش حالی اور تنگ حالی میں خرچ کرتے ہیں، اور غصہ دبانے والے ہیں، اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند کرتے ہیں، اور وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جو بے شرمی کا ہے یا وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں — یعنی کوئی بھی گناہ کا کام کرتے ہیں — تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں — اور اللہ کے سوا گناہوں کو بخشنے والا کون ہے؟ — کوئی نہیں! — اور وہ جانتے بوجھتے اپنے کئے ہوئے گناہ پر اڑتے نہیں، انہیں لوگوں کا بدلہ ان کے رب کی مغفرت ہے اور ایسے باغات ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور کیسا شاندار بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا!

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَنظَرُوا فِي الْأَمْرِ ۚ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكْذِبِينَ ۝ هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلَا تَهِنُوا
وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ إِن يَمَسُّكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ
الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۗ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ
آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۖ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ
آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ

جَاهِدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۳﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَتُّونَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ
 أَنْ تَلْقَوْهُ ۗ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۴﴾

قد خَلَّتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَّةٌ ^(۱) فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَإِنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ هَذَا آيَاتٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ وَلَا تَهِنُوا ^(۲) وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ	تحقیق ہو چکے ہیں تم سے پہلے واقعات پس چلو پھرو زمین میں پس دیکھو کیسا تھا انجام جھٹلانے والوں کا یہ وضاحت ہے لوگوں کے لئے اور راہ نمائی اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے اور نہست پڑو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر ہوئے تم	مُؤْمِنِينَ إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْعٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْعٌ مِثْلَهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُذِرُوا لَهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ	ایماندار اگر پہنچا تمہیں زخم تو بالیقین پہنچ چکا ہے لوگوں کو زخم اس کے مانند اور یہ دن ادلتے بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں کے درمیان اور تاکہ جانیں اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور بنائیں وہ تم میں سے شہداء اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتے	الظَّالِمِينَ وَلِيُمَحِّصَ ^(۳) اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيُنحَقَّ الْكُفْرِينَ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ ^(۴) الصَّابِرِينَ وَلَقَدْ كُنْتُمْ	نا انصافوں کو اور تاکہ پاک صاف کریں اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور مٹائیں وہ اسلام قبول نہ کرنے والوں کو کیا خیال ہے تمہارا کہ داخل ہو جاؤ گے تم جنت میں اور اب تک نہیں جانا اللہ تعالیٰ نے ان کو جو لڑے تم میں سے اور (نہیں) جانا ثابت قدم رہنے والوں کو اور البتہ تحقیق تھے تم
---	--	--	--	---	---

(۱) سنن: سنۃ کی جمع: راہ، طریقہ، مراد واقعات ہیں (۲) وَهَنْ يَهْنُ وَهْنًا: کمزور پڑنا، نہست ہونا (۳) مَحْصَصَ الشَّيْءِ: خالص بنانا، آلودگی دور کرنا (۴) يَعْلَمُ پہلے يَعْلَمُ پر معطوف ہے اور اس سے پہلے اَنْ ناصبہ مقدر ہے، جیسے لَا تَأْكُلُ السَّمْلَكَ وَتَشْرَبَ اللَّبْنَ۔

تَمَتُّونَ	آرزو کرتے	أَنَّ تَلْقَوْهُ	اس سے کہ ملاقات کرو	رَأَيْتُمُوهُ	دیکھ لیا تم نے اس کو
الْمَوْتِ	موت کی		تم اس سے	وَأَنْتُمْ	درنحالیکہ تم
مِنْ قَبْلِ	پہلے	فَقَدْ	پس واقعہ یہ ہے	تَنْظُرُونَ	دیکھ رہے ہو

غزوة احد کا بیان

گذشتہ سلسلہ بیان پورا ہوا۔ اب غزوة احد میں ہزیمت کی حکمتوں کا بیان شروع ہوتا ہے، شروع میں دو تمہیدیں ہیں: تمہید بعید اور تمہید قریب، پھر غزوة احد میں ہزیمت کی چھ حکمتیں بیان کی ہیں۔

انبیاء کی تکذیب کرنے والے ہمیشہ ہلاک ہوئے ہیں

شروع کی دو آیتوں میں تمہید بعید ہے، ان میں سے پہلی آیت میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے کہ ماضی میں ایسے واقعات پیش آچکے ہیں جن میں انبیاء کی تکذیب کرنے والے تباہ ہوئے ہیں، تم سرزمین عرب میں چل پھر کر ان ظالموں کا انجام دیکھو، عاد و ثمود کے واقعات سے اور قوم لوط اور اصحاب مدین کی تباہی سے عبرت حاصل کرو، کیا آج نبی ﷺ کی تکذیب کا انجام اس سے مختلف ہوگا؟ یہ لوگوں (مشرکوں) کے لئے وضاحت ہے، ان کے لئے کھول کر بات بیان کر دی ہے، پھر دوسری آیت کے نصف آخر میں مسلمانوں کے تعلق سے فرمایا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے قرآن کا یہ بیان ہی راہ نما اور نصیحت ہے، ان کو زمین میں چلنے پھرنے کی ضرورت نہیں، ان کے لئے قرآن کا یہ بیان کافی ہے۔

﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۖ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ٥٠
هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ٥١ ﴾

ترجمہ: بالیقین تم سے پہلے واقعات پیش آچکے ہیں، پس تم سرزمین عرب میں چل پھر کر دیکھو انبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ یہ لوگوں (مشرکوں) کے لئے وضاحت ہے، اور اللہ سے ڈرنے والوں (مسلمانوں) کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔

۱- آخری فتح مسلمانوں کی ہوگی اگر وہ ایمان میں مضبوط رہیں

۲- احد میں مسلمانوں کو زخم پہنچا ہے تو ویسا ہی زخم فریق مقابل کو بھی پہنچ چکا ہے

پھر دو آیتیں بطور تمہید قریب ہیں، جنگ احد میں عارضی ہزیمت پیش آئی تھی، مسلمان مجاہدین زخموں سے چور تھے، ان کے بہادروں کی لاشیں مثلہ کی ہوئی ان کی آنکھوں کے سامنے پڑی تھیں، بد بختوں نے نبی ﷺ کو بھی زخمی کر دیا تھا، اور

بہ ظاہر ہزیمت کا منظر سامنے تھا، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اور مسلمانوں سے دو باتیں کہیں:

پہلی بات: بختیوں سے مت گھبراؤ، دشمن کے سامنے نامردی کا مظاہرہ مت کرو، اور یاد رکھو! آج بھی تم ہی سر بلند ہو، حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے ہو، جانیں دے رہے ہو، اور آخری فتح بھی تمہاری ہی ہوگی، انجام کار تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ ایمان کے راستہ پر مستقیم رہو، اور اللہ کے وعدوں پر اعتماد کرتے ہوئے اطاعت رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم نہ ہٹاؤ، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا، اور پڑمردہ جسموں میں حیات نو پھونک دی، نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بہ ظاہر غالب آچکے تھے، زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لاسکے اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

دوسری بات: مسلمانوں کو جنگِ احد میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا، اس سے وہ شکستہ خاطر ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ٹوٹے دلوں کو جوڑا، مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا ہے اور تکلیف اٹھانی پڑی ہے تو ایسا ہی حادثہ فریقِ مقابل کے ساتھ پیش آچکا ہے، احد میں تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے تو ایک سال پہلے بدر میں ان کے ستر آدمی جہنم رسید ہوئے، اور بہت سے زخمی ہوئے اور ستر کو تم نے گرفتار کیا، اور اُس جنگ میں اور اس جنگ میں تمہارا کوئی آدمی گرفتار نہیں ہوا، تمہیں قید کی ذلت سے محفوظ رکھا، پس اگر تم اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے موازنہ کرو گے تو غم کا مداوا ہو جائے گا۔

﴿ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ إِنَّ يَوْمَئِذٍ فَتْرَةٌ قَدْ مَسَّتِ الْقَوْمَ قَرْصًا مِّثْلَهُ ۝﴾

ترجمہ: (۱) اور تم (احد میں ہزیمت سے) ہمت مت ہارو، اور کچھ غم نہ کھاؤ، اور (آئندہ) تم ہی غالب رہو گے اگر تم کھرے مؤمن ثابت ہوئے (۲) اگر تم کو زخم پہنچا ہے تو قوم (مشرکین) کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے۔

غزوہ احد میں ہزیمت کی چھ حکمتیں

اس کے بعد غزوہ احد میں عارضی ہزیمت کی چھ حکمتیں بیان کی ہیں:

پہلی حکمت: سنتِ الہی یہ ہے کہ جب حق و باطل کی کشمکش ہوتی ہے تو کامیابی اور ناکامی کو اللہ تعالیٰ اوتے بدلتے رہتے ہیں، کبھی مسلمان کامیاب ہوتے ہیں کبھی مخالفین، تاکہ پردہ پڑا رہے، غیب پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر ہر جنگ میں مسلمانوں کا ہاتھ اونچا رہے تو بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ حق یہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پردہ ڈالے رہتے ہیں، کبھی مسلمان غالب آتے ہیں کبھی کافر، ہر قل نے بھی یہی بات کہی تھی کہ انبیاء کا بھی امتحان ہوتا ہے، مگر اچھا انجام انہی

کے لئے ہے۔

دوسری حکمت: اللہ تعالیٰ مؤمنین اور منافقین کے درمیان امتیاز کرنا چاہتے ہیں، دیکھو عین موقع پر منافقین مسلمانوں سے الگ ہو گئے، انہوں نے دیکھا کہ سامنے تین ہزار کی نفری ہے، پھر وہ اپنی جانوں کو جو کھوں میں کیوں ڈالیں؟ مگر مؤمنین ثابت قدم رہے، کیونکہ جیت بھی ان کی تھی اور پٹ بھی ان کی!

تیسری حکمت: اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تم میں سے بعضوں کو مقام شہادت پر فائز کریں، اس لئے عارضی ہزیمت ہوئی اور مؤمنین نے جام شہادت نوش فرمایا۔

عارضی ہزیمت کی یہ آخری دو حکمتیں اس وجہ سے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ظالم لوگ پسند ہیں اس لئے ان کو کامیاب کیا، وہ تو اللہ کے نزدیک مغضوب ہیں، چنانچہ ان کو ایمان و شہادت کے مقام سے دور پھینک دیا، اصل حکمت: مؤمنین کو آہستہ آہستہ کے سانپوں سے بچانا اور مؤمنین کو ایمان کا صلہ دینا ہے۔

چوتھی حکمت: عارضی ہزیمت کی ایک حکمت مؤمن اور کافر کو پرکھنا بھی ہے، مسلمانوں کو گناہوں سے پاک صاف کرنا اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا ہے، وہ اپنے عارضی غلبہ اور وقتی کامیابی پر مسرور و مغرور ہو کر کفر و طغیانی میں پیرسپاریں گے اور خدا کے قہر و غضب کے اور زیادہ مستحق بنیں گے اور رفتہ رفتہ صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے، اس واسطے یہ عارضی ہزیمت مسلمانوں کو ہوئی، ورنہ اللہ تعالیٰ کافروں سے راضی نہیں۔

پانچویں حکمت: جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر اللہ تعالیٰ تم کو پہنچانا چاہتے ہیں کیا تم سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں پہنچ جاؤ گے؟ اور اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان نہیں کریں گے؟ اور یہ نہیں دیکھیں گے کہ تم میں سے کتنے اللہ کی راہ میں لڑنے والے اور لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں؟ ایسا خیال دل میں مت لانا، مقامات عالیہ پر وہی لوگ فائز ہوتے ہیں جو خدا کی راہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلتے ہیں اور قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

یہ رحبہ بلند ملا جس کو مل گیا ﴿﴾ ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں!

چھٹی حکمت: احد میں عارضی ہزیمت صحابہ کی آرزو کا نتیجہ تھی، جو صحابہ بدر کی جنگ میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے وہ شہدائے بدر کے فضائل سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ پھر کوئی موقع لائیں تو ہم بھی راہِ خدا میں مارے جائیں اور شہادت کے مراتب حاصل کریں، انہی حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے، ان کو بتایا کہ جس چیز کی تم پہلے تمنا کیا کرتے تھے وہ تمنا آنکھوں کے سامنے آگئی تو اب افسوس کیسا؟ اور مقام شہادت عام طور پر کامیابی کی صورت میں ہاتھ نہیں آتا، ہزیمت کی صورت میں ملتا ہے۔

نوٹ: آیات کی تفسیر فوائد شیخ الہند سے ترتیب و الفاظ بدل کر لی گئی ہے۔

﴿ وَتِلْكَ الْآيَاتُ نُنَادُوا بِهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَحَقِّقَ الْكُفْرِينَ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الضَّالِّينَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: (۱) اور ہم یہ دن لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں (۲) تاکہ اللہ تعالیٰ جان لیں ان لوگوں کو جو مومنین ہیں (۳) اور تم میں سے بعضوں کو مقام شہادت پر فائز کریں — اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں (شُرک کرنے والوں) سے محبت نہیں رکھتے — (۴) اور (یہ دن بدلتے رہتے ہیں) تاکہ ایمان والوں سے میل کچیل صاف کریں! اور کافروں کو مٹا دیں (۵) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں پہنچ جاؤ گے، اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے لڑنے والوں کو تم میں سے اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو (۶) اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تم مرنے کی تمنا کیا کرتے تھے، موت کے سامنے آنے سے پہلے (یا اس واقعہ سے پہلے) سواب دیکھ لیا تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے!

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ أَقَابِينَ مَاتَ أَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۗ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَصُرَ اللَّهُ شَيْئًا ۗ
وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا
مُؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۗ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ
مِنْهَا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيِّ قُتِلَ مَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرٌ ۗ
فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ
يُحِبُّ الضَّالِّينَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا
وَأَسْرَفْنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبَّتْ أقدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝
فَاتَّخَذَهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

وَمَا مُحَمَّدٌ اور نہیں ہیں محمدؐ | إِلَّا رَسُولٌ | مگر ایک رسول | قَدْ خَلَتْ تحقیق ہو چکے ہیں

ان سے پہلے	رہتے ہیں	لکھا ہوا	کتاباً	ان سے پہلے	مِنْ قَبْلِهِ
رسول	اللہ کے	وقت مقرر کیا ہوا	مُؤَجَّلًا	رسول	الرُّسُلِ ^(۱)
کیا پس اگر	اور نہیں ست پڑے وہ	اور جو چاہتا ہے	وَمَنْ يُرِدْ	کیا پس اگر	أَقَابِنَ
مر گئے وہ	اور نہ دے وہ	دنیا کا بدلہ	ثَوَابَ الدُّنْيَا	مر گئے وہ	مَنَاتَ
یا مار دیئے گئے وہ	اور اللہ تعالیٰ	دیتے ہیں ہم اس کو	نُؤْتِيهِ	یا مار دیئے گئے وہ	أَوْ قُتِلَ
(تو) پلٹ جاؤ گے تم	پسند کرتے ہیں	اس میں سے کچھ	مِنْهَا	(تو) پلٹ جاؤ گے تم	انْقَلَبْتُمْ
اپنی ایڑیوں پر	جننے والوں کو	اور جو چاہتا ہے	وَمَنْ يُرِدْ	اپنی ایڑیوں پر	عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ
اور جو پلٹ جائے گا	اور نہیں تھی	آخرت کا بدلہ	ثَوَابَ الْآخِرَةِ	اور جو پلٹ جائے گا	وَمَنْ يَنْقَلِبْ
اپنی ایڑیوں پر	ان کی بات	دیں گے ہم اس کو	نُؤْتِيهِ	اپنی ایڑیوں پر	عَلَىٰ عَقْبَيْهِ
پس ہرگز نہیں	مگر یہ کہ	اس میں سے	مِنْهَا	پس ہرگز نہیں	فَلَنْ
نقصان پہنچا کر گا وہ اللہ کو	کہا انھوں نے	اور اب بدلہ دیں گے ہم	وَسَنَجْزِيهِ	نقصان پہنچا کر گا وہ اللہ کو	يَضُرَّ اللَّهَ
ذرا بھی	اے ہمارے رب!	حق ماننے والوں کو	الشَّاكِرِينَ	ذرا بھی	شَيْئًا
اور اب بھی بدلہ دیں گے	بخش دے ہمارے لئے	اور بہت سے	وَكَايِنَ	اور اب بھی بدلہ دیں گے	وَسَيَجْزِيهِ
اللہ تعالیٰ	ہمارے گناہ	انبیاء	مَنْ نَبِيٍّ	اللہ تعالیٰ	اللَّهُ
حق ماننے والوں کو	اور ہماری زیادتی	لڑے اس کے ساتھ	فَقَاتِلْ مَعَهُ	حق ماننے والوں کو	الشَّاكِرِينَ
اور نہیں ہے	ہمارے کام میں	اللہ والے	رَبِّيُّونَ ^(۲)	اور نہیں ہے	وَمَا كَانَ
کسی شخص کے لئے	اور جہادے	بہت	كَثِيرٌ	کسی شخص کے لئے	لِنَفْسٍ
کہ مرے وہ	ہمارے پیر	پس نہیں کمزور پڑے وہ	فَمَا وَهَنُوا ^(۳)	کہ مرے وہ	أَنْ تَمُوتَ
مگر حکم سے	اور مدد فرما ہماری	اس کی وجہ سے جو	لِمَا	مگر حکم سے	إِلَّا بِإِذْنِ
اللہ کے	لوگوں پر	پہنچی ان کو	أَصَابَهُمْ	اللہ کے	اللَّهُ

(۱) الرسل: میں الف لام جنسی ہیں استغراقی نہیں، اثبات مدعی میں استغراق کو کوئی دخل نہیں، جیسے سورۃ المائدہ (آیت ۷۵) میں بھی الف لام جنسی ہیں (فوائد) (۲) ربیون: غالباً سریانی زبان کا لفظ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ ”جماعتوں“ کیا ہے اور اس کا واحد دئی بتایا ہے، مفسرین عام طور پر اس کا ترجمہ: خدا کے طالب، خدا پرست، اللہ والے کرتے ہیں (۳) وَهَنَ يَهِنُ وَهْنًا فلان: کام میں کمزور ہونا (۴) استکان: عاجز و ذلیل ہونا، دشمن کے سامنے دہنا، بے بس اور کم ہمت ہونا۔

اور اللہ تعالیٰ	وَ اللّٰهُ	ثَوَابِ الدُّنْيَا	نہ ماننے والے	الْكَافِرِينَ
پسند کرتے ہیں	يُحِبُّ	اور خوب	پس دیا ان کو	فَاتَّخَذَهُمُ
نیکی کاروں کو	الْمُحْسِنِينَ	آخرت کا بدلہ	اللہ نے	اللّٰهُ

جہاد کلمۃ اللہ کی سر بلندی کے لئے ہے، رسول کی ذات کے لئے نہیں

اب غزوہ احد کے متعلقات (لگتی باتوں) کا تذکرہ ہے، غزوہ احد میں جنگ کا پانسا اس وقت پلٹا تھا جب لشکر کے عقب میں پہاڑی پر جو پچاس تیر اندازوں کا پہرہ بٹھایا تھا، ان میں سے چالیس نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی، جب درہ خالی ہو گیا تو خالد بن ولید نے سواروں کے رسالہ کے ساتھ عقب سے حملہ کر دیا، اور سامنے جو کفار بھاگے جا رہے تھے وہ بھی پلٹ گئے، اور گھسان کارن پڑا، اپنے پرانے کی تمیز نہ رہی، اور کتنے ہی مجاہدین شہید ہو گئے، اس وقت ابن قَمِیْثَةَ نے ایک بھاری پتھر پھینکا جس سے نبی ﷺ کا دندان مبارک شہید ہو گیا، اور خو ڈوٹ کر ماتھے میں لوہے کا ٹکڑا گھس گیا، آپ ﷺ زمین پر گر پڑے اور شیطان نے آواز لگائی: محمد مارے گئے! پھر کیا تھا مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے، ان کے پاؤں اکٹڑ گئے، اور بعض تو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ گئے کہ اب لڑنا فضول ہے، اور بعض ضعیف دشمن سے مصالحت کی سوچنے لگے، اسی کا ایک آیت میں تذکرہ ہے، فرماتے ہیں: محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں، یہ حصر اضافی ہے، الوہیت کے تعلق سے حصر کیا ہے، یعنی حضرت محمد ﷺ خدا نہیں، خدا کے رسول اور بندے ہیں، اور بندوں کو جو احوال پیش آتے ہیں وہ آپ کو بھی پیش آسکتے ہیں، اور آپ سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں، ان کو بھی موت آئی ہے، جو ہر تنفس کو آنی ہے، پس اگر آپ کا انتقال ہو جائے — اس تقدیم میں اشارہ ہے کہ آپ کی طبعی موت ہوگی — یا آپ شہید کئے جائیں جیسی کسی نے افواہ اڑائی تھی، تو کیا تم لٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ — استفہام انکاری ہے یعنی تمہیں اللہ کا دین نہیں چھوڑنا چاہئے، اللہ سدا زندہ ہیں، پس ان کا دین بھی ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔ سنو! اگر رسول کی تشریف بری کے بعد کوئی اللہ کا دین چھوڑ کر لٹے پاؤں کفر کی طرف پلٹ جائے گا تو اللہ کا کیا بگڑے گا؟ — اس میں اشارہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد کچھ لوگ مرتد ہو گئے، مگر اس سے اسلام کا کچھ نقصان نہیں ہوگا — اور جو لوگ دین پر جمے رہیں گے اور نعمت اسلام کی قدر کریں گے ان کو اللہ تعالیٰ دارین میں خوب نوازیں گے، سین: قریب کے لئے ہے یعنی کچھ ہی وقت کے بعد دنیا میں بھی ان کو ان کے جہاد کا بدلہ ملے گا، اور سین: آخرت کے بدلہ کو بھی شامل ہے۔

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَأَبْرَأُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِمْ إِذَا كَفَرُوا بِهِمْ ۚ أُولَٰئِكَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ ﴾

ترجمہ: محمد (ﷺ) صرف رسول ہیں — یعنی خدا نہیں کہ ان کو موت نہ آئے — ان سے پہلے رسول ہو چکے ہیں — ان کو بھی موت آئی ہے اور شہید بھی ہوئے ہیں — پس اگر ان کا (محمد ﷺ کا) انتقال ہو جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر (کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں پر (کفر کی طرف) لوٹ جائے گا تو وہ ہرگز اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا، اور اللہ تعالیٰ ابھی شکر گزار بندوں کو صلہ عطا فرمائیں گے!

موت کا وقت مقرر ہے، میدان میں بھی آسکتی ہے اور دوسری جگہ بھی!

غزوہ احد میں مسلمانوں کا بھاری جانی نقصان ہوا تھا، ستر صحابہ شہید ہو گئے تھے، اسلام کا ابھی ابتدائی دور تھا، اس لئے یہ معمولی نقصان نہیں تھا، اس صورت حال سے سب شکستہ خاطر تھے، ایک آیت میں ان کو تسلی دیتے ہیں کہ موت کا وقت مقرر ہے، جہاں جس طرح موت لکھی ہے آئے گی، خواہ میدان جنگ میں آئے خواہ دوسری جگہ، پس اگر مقدر کی بات پیش آئی تو اس میں دل گیر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ ہوائی جہاز گرتا ہے، ٹرینیں ٹکراتی ہیں، ایکسیڈنٹ ہوتا ہے اور جانیں جاتی ہیں، ان کی اسی طرح ایک ساتھ موتیں لکھی ہوئی تھیں، اور قسمت کا لکھا ل نہیں سکتا، اور واقعہ رونما ہونے کے بعد تقدیر پر توکل کرنا شریعت کی تعلیم ہے۔

پھر آخر میں ان لوگوں پر تعریض (چوٹ) ہے جنہوں نے مال غنیمت کی لالچ میں حکم عدولی کی تھی، فرماتے ہیں: جو دنیا کا بدلہ (غنیمت) چاہتا ہے اس کو دنیا میں اللہ جتنا چاہتے ہیں دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کے لئے محرومی ہے، اور جو فرمان برداری پر ثابت قدم رہے، محاذ نہیں چھوڑا اور جام شہادت نوش فرمایا ان کو آخرت میں صلہ ملے گا، یہی بندے حق شناس ہیں، ان کو ان کا بھرپور بدلہ ملے گا۔

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا، وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿٥٠﴾ ﴾

ترجمہ: اللہ کے حکم کے بغیر کوئی شخص مرتا نہیں، مقررہ مدت لکھی ہوئی ہے، اور جو دنیا کا بدلہ چاہتا ہے: ہم اس کو دنیا میں سے کچھ دیتے ہیں، اور جو آخرت کا بدلہ چاہتا ہے: ہم اس کو آخرت میں سے عطا کریں گے، اور ہم جلد شکر گزاروں کو صلہ عطا فرمائیں گے۔

کم ہمتوں کی عبرت کے لئے ماضی کی ایک مثال

جنگ احد میں کچھ مسلمانوں نے کمزوری دکھلائی، بعض نے تو یہ تک کہا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امن

حاصل کر لو، ان مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ تم سے پہلے بہت سے اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ لڑی ہے، جس میں بہت تکلیفیں اور سختیاں جھیلی ہیں، مگر ان کے عزائم میں کمزوری نہیں آئی، نہ انھوں نے ہمت ہاری، نہ ڈھیلے پڑے، نہ دشمن سے دبے، بلکہ دعا کرتے رہے: ”الہی! ہمارا گناہ معاف فرما، ہماری تقصیرات سے درگزر فرما، ہمارے دلوں کو مضبوط فرما، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما“ ایسے ہی ثابت قدم رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔

فائدہ: بسا اوقات مصیبت کے آنے میں لوگوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کا دخل ہوتا ہے، کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی کوتاہی نہیں ہوئی؟ اس لئے کوئی مصیبت آئے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرے، گناہ کی معافی مانگے اور کوتاہی نہ کرنے کا عزم کرے، ان شاء اللہ اللہ کی مدد آئے گی اور مصیبت دور ہوگی۔

﴿وَكَايِنٍ مِّنْ نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۱﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۰۲﴾﴾

ترجمہ: بہت سے نبیوں کے ساتھ ہو کر اللہ والوں نے (دشمنوں سے) لڑائی لڑی ہے، پس وہ کمزور نہیں پڑے، ان مصائب کی وجہ سے جو ان کو اللہ کے راستہ میں پہنچے، اور نہ وہ سست پڑے اور نہ دبے، اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں اور ان لوگوں کی دعا بس یہی تھی کہ الہی! ہمارے لئے ہمارے گناہ معاف فرما، اور (جنگ میں) ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، اور ہمارے قدموں کو جمادے، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما! پس اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ (کامیابی) دیا، اور آخرت کا بدلہ تو واہ واہ! اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرَدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَانقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿۱۰۳﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۱۰۴﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَا لَهُمْ فِي النَّارِ وَبِئْسَ مَثْوًى لِلظَّالِمِينَ ﴿۱۰۵﴾

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اے وہ لوگو جو	آمَنُوا	ایمان لائے	إِن تَطِيعُوا	اگر کہا مانو گے
------------------------	---------------	---------	------------	---------------	-----------------

ان لوگوں کا جنھوں نے	التَّصْرِيحَ	مددگار ہیں	مَا لَكُمْ يُبَدِّلُ	ان مورتیوں کو کہ نہیں
اسلام قبول نہیں کیا	سَلْتَقَى	ابھی ڈالیں گے ہم	اِتَّارَى اللّٰهَ نِي	اتاری اللہ نے
پھیر دیں گے وہ تم کو	فِي قُلُوبِ	دلوں میں	بِهٖ	ان کے شریک ہونے کی
تمہاری ایڑیوں پر	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کے جنھوں نے	سُلْطٰنًا	کوئی دلیل
پس پلٹ جاؤ گے تم	كَفَرُوا	اسلام قبول نہیں کیا	وَمَا وَاٰهُمْ	اور ان کا ٹھکانا
گھاٹا پائے ہوئے	الرَّغْبَ	دھاک (ہیبت)	النَّارُ	دوزخ ہے
بلکہ اللہ تعالیٰ	بِمَا اَشْرَكُوْا	ان کے شریک کرنے	وَبِئْسَ	اور برا ہے
تمہارے کارساز ہیں	بِاللّٰهِ	کی وجہ سے	مَثْوٰى	ٹھکانا
اور وہ بہترین		اللہ کے ساتھ	الظَّالِمِيْنَ	نا انصافوں (مشرکوں) کا

مشرکین نے مسلمانوں کو کفر کی طرف لوٹنے کی دعوت دی

جنگ نمٹ گئی، میدان میں ۳۷ کفار ڈھیر ہوئے پڑے تھے، اور ۷ صحابہ نے جام شہادت نوش فرمایا تھا، باقی مسلمان بشمول نبی ﷺ زخمی تھے، آپ ایک اونچی چٹان پر چڑھ گئے، صحابہ بھی آپ کے پاس جمع ہو گئے، کفار بھی سامنے کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان (کمانڈر) نے پوچھا: افيكم محمد؟ کیا تم میں محمد ہیں؟ آپ نے فرمایا: جواب مت دو، پھر اس نے پوچھا: افيكم ابوبکر؟ کیا تم میں ابوبکر ہیں؟ آپ نے فرمایا: جواب مت دو، پھر اس نے پوچھا: افيكم عمر؟ کیا تم میں عمر ہیں؟ آپ نے فرمایا: جواب مت دو، ابوسفیان نے اعلان کیا: تینوں مارے گئے! یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہو سکی، اور فرمایا: تینوں زمین سے تیری ناک رگڑنے کے لئے موجود ہیں!

اس کے بعد ابوسفیان نے نعرہ لگایا: اَعْلٰ هُبَلٍ: ہبل بت کی جے! نبی ﷺ نے فرمایا: اس کا جواب دو، لوگوں نے کہا: کیا جواب دیں، فرمایا: کہو: اللہ اعلیٰ و اجل: اللہ برتر و بالا ہیں، ابوسفیان نے دوسرا نعرہ لگایا: لَنَا الْعُزَّىٰ وَلَا عُزَّىٰ لَكُمْ: ہمارے لئے عزیٰ بت ہے، تمہارے پاس یہ بت نہیں! آپ نے فرمایا: اس کا جواب دو، لوگوں نے پوچھا: کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: کہو: اللہ مولانا و لامولنا لکم: ہمارا کارساز اللہ ہے، تمہارا کوئی کارساز نہیں!

ان نعروں میں مسلمانوں کو دعوت دی تھی کہ ہبل کی طرف لوٹ آؤ عزت پاؤ گے، تمہارے نئے مذہب نے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، پہلی دو آیتوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

اور موقع تھا کہ مسلمانوں پر جھاڑو پھیر کر جائیں، مگر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر

بھاگے، تیسری آیت میں اس کا تذکرہ ہے۔ اور دھاک کی وجہ ان کے شرک کو قرار دیا ہے، کیونکہ پائے چوبیس (لکڑی کے پاؤں) سے چل نہیں سکتے اور اللہ کی قدرت کامل ہے، پھر آخر میں ان کا آخری انجام بیان کیا ہے۔

آیاتِ پاک: اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں پر پھیر دیں گے، پس تم گھانا پائے ہوئے پلٹو گے! بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کارساز ہیں، اور وہ بہترین مددگار ہیں!

ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالتے ہیں، ان کے شریک ٹھہرانے کی وجہ سے اس چیز کو (جس کے شریک ہونے کی) کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری — مشرکین اللہ کو مانتے ہیں، پس اگر اللہ کے کاموں میں کوئی ساجھی ہوتا تو اللہ ضرور اس سے اپنی کتابوں میں باخبر کرتے، جبکہ ایسی کوئی اطلاع نہیں دی، بلکہ شہود سے شرک کی تردید فرمائی ہے — اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے!

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدًا إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ بِأَذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ۗ مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۗ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	فَشِلْتُمْ ^(۳)	بزدلی دکھائی تم نے	تُحِبُّونَ	پسند کرتے ہو تم
صَدَقَكُمُ	سچا کیا تم سے	وَتَنَازَعْتُمْ	اور جھگڑا کیا تم نے	مِنْكُمْ مَّنْ	تم میں سے کچھ
اللَّهُ	اللہ نے	فِي الْأَمْرِ ^(۴)	حکم میں	يُرِيدُ	چاہتے ہیں
وَعْدًا ^(۱)	اپنا وعدہ	وَعَصَيْتُمْ	اور نافرمانی کی تم نے	الدُّنْيَا	دنیا
إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ	جب تم ان کو قتل کر رہے تھے	مِمَّنْ بَعْدَ	بعد	وَمِنْكُمْ مَّنْ	اور تم میں سے کچھ
بِأَذْنِهِ	اللہ کے حکم سے	مَا أَرَاكُمْ	تمہیں دکھانے	يُرِيدُ	چاہتے ہیں
حَتَّىٰ إِذَا	یہاں تک کہ جب	مَا ^(۲)	اس کو جو	الْآخِرَةَ	آخرت

(۱) وعدہ: ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ [المؤمن ۵۱] (۲) حَسُّ (ن) حَسًّا فَلَانَا: سر قلم کرنا، مار ڈالنا (۳) فَشِل (س) فَشَلًا: ڈھیلا، ست پڑنا، بزدلی دکھانا (۴) الْأَمْرُ: میں ال عہدی ہے، اُمی امرُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۵) مَا أَرَاكُمْ: ما مصدریہ (۶) مَا تُحِبُّونَ: ما: موصولہ اور موصول صلہ ل کر اراکم کا مفعول ثانی۔

اور اللہ تعالیٰ	وَ اللّٰهُ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	وَلَقَدْ	پھر پھیر دیا تم کو	ثُمَّ صَرَفَكُمْ
مہربانی والے ہیں	ذُو فَضْلٍ	درگزر کیا اس نے	عَفَا	ان سے	عَنْهُمْ
مؤمنین پر	عَلَى الْمُؤْمِنِينَ	تم سے	عَنْكُمْ	تا کہ جانچیں وہ تم کو	لِيَبْتَلِيَكُمْ ^(۱)

رابطہ: آیت کریمہ میں پانچ باتیں ہیں، پہلی بات: ماسبق سے مربوط ہے، باقی چار باتیں: پہلی بات کے متعلقات ہیں، اور یہ قرآن کریم کا اسلوب ہے، جب وہ کوئی مضمون اٹھاتا ہے تو اس کو متعلقات تک بڑھاتا ہے۔

جنگ کے شروع میں اللہ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا: ابھی ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے، وہ سر پر پاؤں رکھ کر ڈم دبا کر بھاگیں گے، پس ان کا خوف مت کھاؤ، اور ان کی بات مت مانو، اب اس کی نظیر پیش کرتے ہیں، احد میں کفار چار گنا تھے، مسلمان سات سو تھے اور وہ تین ہزار تھے، جب جنگ شروع ہوئی تو پہلے انفرادی مقابلہ ہوا، کافروں کے سات علم بردار یکے بعد دیگرے ڈھیر ہو گئے، پھر عام جنگ شروع ہوئی، حضرات حمزہ، علی اور ابو دجانہ رضی اللہ عنہم اس طرح دشمن پر ٹوٹے کہ صفیں کی صفیں صاف کر دیں، دشمن کے قدم اکھڑ گئے، وہ گھاٹیوں کی طرف بھاگے، ان کی عورتیں پانسینچے چڑھا کر ادھر ادھر بھاگتی نظر آنے لگیں، اس طرح اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا، سورۃ المؤمن (آیت ۵۱) میں ہے: ﴿إِنَّا لَنَنْصُرُ مُرْسَلَنَا وَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾: ہم ضرور ہمارے رسولوں کی اور مؤمنین کی مدد کرتے ہیں، چنانچہ مدد آئی اور سب نے آنکھوں سے دیکھ لی، اسی طرح اب جنگ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کفار کے دلوں میں رعب ڈالیں گے۔

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدًا إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم ان کو بہ اذن الہی تہمتیج کر رہے تھے!

جنگ میں رسول اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے پانسہ پلٹنا

اب ایک سوال کا جواب ہے:

سوال: جب جنگ کی ابتدا میں اللہ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا، اور وہ پسپا ہو گئے، پھر جنگ کا پانسہ کیسے پلٹا؟
جواب: تیر اندازوں کو نبی ﷺ نے جو حکم دیا تھا: انھوں نے اس کی خلاف ورزی کی، وہ آپس میں جھگڑنے لگے، کوئی کہتا تھا: ہمیں یہیں رہنا چاہئے، اکثر نے کہا: اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں، چل کر غنیمت حاصل کرنی چاہئے،

(۱) ابتلاہ: آزمانا، آزمائش میں ڈال کر جان لینا۔

اس طرح اکثر تیراندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی، جب مورچہ خالی ہو گیا تو خالد بن الولید نے اس سے فائدہ اٹھایا، عقب سے دفعہ حملہ کر دیا اور لڑائی کا نقشہ بدل گیا، پس ہزیمت کا سبب عصیان (نافرمانی) بنا، اللہ نے کچھ ظلم نہیں کیا۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا فِشَلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّن بَعَدَ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ﴾

ترجمہ: یہاں تک کہ تم نے نامردی دکھائی، اور رسول کے حکم میں جھگڑا کیا، اور تم نے حکم عدولی (نافرمانی) کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں تمہاری خوشی کی چیز (فتح) دکھادی — پس جنگ کا پانسپلٹ گیا، لہذا قصور تمہارا تھا۔

حکم عدولی کا سبب مال کی از حد محبت

پھر سوال ہے کہ تیراندازوں نے حکم عدولی کیوں کی؟ جب ان سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی حال میں مورچہ نہ چھوڑیں، خواہ جنگ میں کامیابی ہو یا ناکامی، وہ پہاڑی پر اس وقت تک جمے رہے جب تک ان کو واپس نہ بلایا جائے، ایسی تاکید کے باوجود انہوں نے جگہ کیوں چھوڑ دی؟

جواب: ایسا مال کی از حد محبت میں ہوا، مال کی محبت جب حدود سے بڑھ جاتی ہے تو تباہ کر کے چھوڑتی ہے، جنگ میں جو غنیمت حاصل ہوتی ہے وہ حسب قاعدہ فوجیوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ خواہ کوئی فوجی اس کے جمع کرنے میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، پھر مورچہ چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ مگر حرص نے پیچھا نہیں چھوڑا، اور جنگ میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

فائدہ: مال کی محبت فطری ہے، اور بری نہیں، مال مایہ زندگانی ہے، مگر مال کی حرص بری ہے، مگر دونوں کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں، آدمی حد قائم نہیں کر سکتا، جیسے خودداری صفت حمیدہ ہے اور گھمنڈ (تکبر) بری صفت ہے، مگر دونوں کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں: ہم نہیں سمجھتے تھے کہ انسان میں ایسی حد سے بڑھی ہوئی مال کی محبت بھی ہوتی ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہمیں پتہ چلا (اتنی) پس حقوق واجبہ میں مال کی محبت کی وجہ سے کوتاہی ہو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ از حد بڑھی ہوئی ہے، حقوق واجبہ میں حکم کی تعمیل بھی ہے، اس میں کوتاہی ہوئی اس کی وجہ سے عارضی ہزیمت ہوئی۔

﴿مِنْكُمْ مَّن يُّرِيدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّن يُّرِيدُ الْآخِرَةَ﴾

ترجمہ: کوئی تم میں سے دنیا چاہتا ہے — یہ ان لوگوں پر تعریض ہے جنہوں نے مورچہ چھوڑ دیا تھا — اور کوئی تم میں سے آخرت چاہتا ہے — یہ ان حضرات کی ستائش ہے جو پہاڑی پر جمے رہے تھے اور انہوں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔

جنگ احد میں عارضی ناکامی میں حکمت

پھر ایک سوال ہے کہ عالم اسباب میں جو کچھ ہوتا ہے اس کا اگرچہ ظاہری سبب ہوتا ہے، مگر حقیقت میں وہ اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے، جنگ احد میں جو عارضی ہزیمت ہوئی اس میں اللہ کی کیا حکمت تھی؟

جواب: سنت الہی یہ ہے کہ جب حق و باطل کی کشمکش ہوتی ہے تو کامیابی اور ناکامی کو اللہ تعالیٰ ادا کرتے بدلتے رہتے ہیں کبھی مسلمان کامیاب ہوتے ہیں کبھی مخالفین، تاکہ پردہ پڑا رہے، غیب پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر ہر جنگ میں مسلمانوں کا ہاتھ اونچا رہے تو بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ حق یہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پردہ ڈالتے رہتے ہیں، کبھی مسلمان غالب آتے ہیں کبھی کافر، ہر قل نے بھی یہی بات کہی تھی کہ انبیاء کا بھی امتحان ہوتا ہے، مگر اچھا انجام انہی کے لئے ہوتا ہے۔

﴿ثُمَّ صَرَّفْنَا عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾

ترجمہ: پھر (ابتدائی کامیابی کے بعد) تم کو ان سے پھیر دیا، تاکہ وہ تم کو آزمائیں — کہ تم غیب پر ایمان رکھتے ہو یا شکستہ خاطر ہو کر اٹنے پاؤں پھر جاتے ہو؟

جن لوگوں نے مورچہ چھوڑا تھا: اللہ نے ان کو معاف کر دیا

آخر میں معافی کا اعلان ہے، جن لوگوں نے مورچہ چھوڑا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو بالکل معاف کر دیا، اب کسی کو جائز نہیں کہ ان پر اس حرکت کی وجہ سے طعن و تشنیع کرے (فوائد) اور جو لوگ میدان سے ہٹ گئے تھے ان کی معافی کا اعلان (آیت ۱۵۵) میں آئے گا۔

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۵﴾﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے تم کو — مورچہ چھوڑنے والوں کو — معاف کیا، اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر مہربانی فرمانے والے ہیں۔

إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَسْلُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٰ أُخْرَاكُمْ
فَأَنبَأَكُمْ عِمَّا بَغِمَ لَكُمْ لِكَيْلًا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ
بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۷﴾

إِذْ	(یاد کرو) جب	تَصْعَدُونَ ^(۱)	چڑھے جا رہے تھے تم	وَلَا تَسْلُونَ ^(۲)	اور نہیں مڑ رہے تھے تم
------	--------------	----------------------------	--------------------	--------------------------------	------------------------

(۱) أَصْعَدَ (رباعی) فِي الْعَدُوِّ: تیز دوڑنا، اس کے مفہوم میں چڑھنا اور پہنچنا بھی ہے، صَعِدَ الْجَبَلُ: پہاڑ پر چڑھا ﴿الْبَيْتُ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾: اللہ تک پہنچتی ہیں سہری باتیں۔ (۲) لَا تَسْلُونَ: فعل مضارع منقذ، صيغة جمع مذکر حاضر، مصدر لَسِيَ، جب اس کے صلہ میں علی آتا ہے تو اس کے معنی دوسرے کی طرف مڑنے اور انتظار کرنے کے ہوتے ہیں، جیسے فَلَانٌ لَا يَلْوِي عَلَىٰ أَحَدٍ: فلاں کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔

اور نہ اس پر جو	وَلَا مَا	غم کے عوض غم	غَمًّا يَغِيْمٌ ^(۲)	کسی کی طرف	عَلَىٰ أَحَدٍ
تمہیں پہنچا	أَصَابَكُمْ	تا کہ نہ	لِيَكْبَلَا	اور رسولؐ	وَالرَّسُولُ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	غم گیس ہو وہ تم	تَخْزَنُوا	پکار رہے تھے تم کو	يَدْعُوَكُمْ
خوب واقف ہیں	خَبِيرٌ	اس پر جو	عَلَىٰ مَا	تمہارے پیچھے سے	فِي الْأَخْبَارِكُمْ
ان کاموں کے جو تم کہتے ہو	بِمَا تَعْمَلُونَ	تمہارے ہاتھ سے نکل گیا	فَاتَّكَمُمْ	پس پہنچا تم کو	فَاتَّكَمَكُمْ ^(۱)

غزوہ احد میں جو بھگدڑ مچی اس میں حکمت یہ تھی کہ جنگ کا پانسابلٹے اور مسلمان رضابہ قضاء رہیں غزوہ احد میں جنگ شروع ہوتے ہی مسلمانوں نے پالا مار لیا، پس تیر اندازوں نے کہا تمہارے بھائی جیت گئے، غنیمت حاصل کرو! تمہارے بھائی جیت گئے اب کس بات کا انتظار ہے؟ کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم بھول گئے رسول اللہ ﷺ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ پھر بھی چالیس تیر انداز مورچہ چھوڑ کر غنیمت سمیٹنے کے لئے چلے آئے، اس طرح مسلمانوں کی پشت تنگی ہو گئی۔

مگر مسلمانوں کو طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، اپنے آدمیوں کے مارے جانے کا غم لاحق ہوا، کسی نے افواہ اڑادی کہ نبی ﷺ شہید کر دیئے گئے، اس کا رنج و ملال ہوا، اور جیتی ہوئی جنگ ہمارے بدل گئی، اس کا بھی افسوس ہوا، یہ طرح طرح کے غم اکٹھا ہو گئے، ان میں حکمت یہ تھی کہ مومن کو ہمیشہ رضابہ قضاء رہنا چاہیے، اس کی یہ عملی مشق کرائی گئی کہ کوئی زد پہنچے تو غم نہ کھائے، کوئی چیز ہاتھ سے نکل جائے تو افسوس نہ کرے، اور کوئی حادثہ یا بلا پہنچے تو غمگین نہ ہو، یہ خیال کرے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، یہ حکمت تھی احد میں جو معاملہ پیش آیا اس کی۔

آیت کریمہ: وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے جا رہے تھے، اور مڑ کر کسی کو نہیں دیکھ رہے تھے، اور اللہ کے رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے پکار رہے تھے، پس تم کو غم بالائے غم سے دوچار کیا، تا کہ تم غمگین نہ ہوؤ اس بات پر جو ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس بات پر جو تمہیں پیش آئے، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی پوری خبر رکھتے ہیں۔

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنًا نَّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۗ

(۱) اناہ: بدلہ دینا، جیسے: ﴿فَأَنزَلْنَا بِهِمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جُنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ پس اللہ نے ان کو ان کے قول کے عوض ایسے باغات دیئے جن میں نہریں جاری ہیں [المائدہ ۸۵] (۲) غما بغم: غم بالائے غم: محاورہ ہے، یعنی طرح طرح کی پریشانیوں سے تمہیں سابقہ پڑا۔

وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّهِ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُبَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٣٧﴾

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَآئِفَةً مِّنكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ	پھر اتارا تم پر بعد گھٹن کے اطمینان اور نگھ چھا رہی تھی ایک جماعت پر تمہاری اور دوسری جماعت فکر پڑی تھی ان کو اپنی جانوں کی خیال کرتے ہیں	بِاللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّهِ يُخْفُونَ	اللہ کے بارے میں غلط خیال (جیسا) خیال جاہلیت کا کہتے ہیں وہ کیا ہمارے لئے ہے معاملہ (جنگ) سے کچھ بھی؟ کہو بے شک معاملہ سارا اللہ کے لئے ہے چھپاتے ہیں وہ	فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ	اپنے دلوں میں جو نہیں ظاہر کرتے وہ آپ کے سامنے کہتے ہیں وہ (دل میں) اگر ہوتا ہمارے لئے معاملہ میں کچھ بھی (تو) نہ مارے جاتے ہم یہاں کہو اگر ہوتے تم تمہارے گھروں میں ضرور ظاہر ہوتا وہ
---	---	---	--	---	--

(۱) نَعَاسًا: اُمنۃ سے بدل الکل ہے، اور اُمنۃ: اُنزل کا مفعول بہ ہے، اور جملہ بغشی: نَعَاسًا کی صفت ہے (۲) نکرہ کی نکرہ سے تکرار ہوتی ہے تو ثانی غیر اول ہوتا ہے (۳) ظن سے پہلے کاف جارہ محذوف ہے۔ (۴) ہم: یعنی ہمارے برابر۔

اور تا کہ صاف کریں وہ	وَلْيَبْتَلِيَّ	اور تا کہ آزمائش میں	وَلْيَبْتَلِيَّ	جو کھا گیا	الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ
جو تمہارے دلوں میں ہے	مَا فِي قُلُوبِكُمْ	ڈال کر جان لیں	اللَّهُ	ان پر	الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	مارا جانا	الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ
خوب جانتے ہیں	عَلِيمٌ	جو تمہارے	مَا فِي	ان کی لٹینے کی جگہ کی	الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ
سینوں والی باتوں کو	بَدَائِلِ الضُّوْرِ	سینوں میں	صُدُّوْكُمْ	طرف	الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ

اونگھ چینی بن کر اتری اور بے چینی دور ہوئی

جنگِ احد میں جن کو شہید ہونا تھا ہو گئے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے، اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے ایک دم غنودگی طاری کر دی، لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار زمین پر گری، یہ حسی اثر تھا اس باطنی سکون کا جو اس ہنگامہ رُست خیز میں مومنین کے دلوں پر وارد ہوا، اس سے خوف و ہراس کا فور ہو گیا، یہ کیفیت ٹھیک اس وقت پیش آئی جب لشکر اسلام میں نظم و ضبط قائم نہیں رہا تھا، بیسیوں لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں، سپاہی زخموں سے چور تھے، نبی ﷺ کے قتل کی افواہ سے رہے سہے ہوش گم ہو گئے تھے، پس یہ نیند بیدار ہونے کا پیام تھی، غنودگی طاری کر کے ان کی ساری تھکن دور کر دی اور ان کو متنبہ فرما دیا کہ خوف و ہراس اور تشویش و اضطراب کا وقت جا چکا سہا مومن و مطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو، چنانچہ فوراً صحابہ نے نبی ﷺ کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر لیا، تھوڑی دیر کے بعد مطہ صاف تھا، دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا۔

﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنًا نَّعَسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ نے اُس بے چینی کے بعد طمانینت یعنی اونگھ اتاری، جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا رہی تھی۔

مخلص مسلمانوں کے بالمقابل نخالص مسلمانوں کا حال

بزدل اور ڈرپوک منافقین جن کو نہ اسلام کی فکر تھی نہ نبی ﷺ کی، محض اپنی جان بچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہیں ابوسفیان کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا تو ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اس خوف و فکر میں اونگھ یا نیند کہاں آتی؟ جب دماغوں میں خیالات پکار رہے تھے کہ اللہ کے وعدے کہاں گئے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قصہ نمٹ گیا، اب نبی ﷺ اور مسلمان اپنے گھر واپس جانے والے نہیں، سب یہیں کام آجائیں گے، وہ یہ بھی سوچ رہے تھے کہ جو ہونا تھا ہو گیا، ہمارا اس میں کیا اختیار ہے؟ ان کو جواب دیا: بیشک تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں، جس کو چاہے

(۱) مَحْضُ الشَّيْءِ: خالص بنانا، آلودگی دور کرنا۔

بنائے یا بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، آفت بھیجے یا راحت، کامیاب کرے یا ناکام، سب اس کے قبضہ میں ہے، مگر تمہارے دلوں میں چور ہے، تم آپس میں کہتے ہو: شروع میں ہماری رائے نہیں مانی گئی، چند جو شیلے نا تجربہ کاروں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے نکل آئے، آخر منہ کی کھائی، اگر ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس قدر نقصان نہ اٹھانا پڑتا، ہماری برادری کے بہت آدمی مارے گئے وہ کیوں مارے جاتے؟ آپ اس کا جواب دیں: اب حسرت و افسوس سے کچھ حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی موت کی جگہ، سبب اور وقت لکھ دیا ہے، جو کبھی ٹل نہیں سکتا، اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور فرض کرو تمہاری ہی رائے سنی جاتی تو بھی جن کی قسمت میں احد کے قریب جس جگہ مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ کسی نہ کسی سبب سے ادھر کو نکلتے اور وہیں مارے جاتے، اس کے بجائے اللہ کا یہ انعام ہوا کہ جہاں مارا جانا مقدر تھا مارے گئے اور اللہ کے راستہ میں خوشی سے بہادری کی طرح شہید ہوئے، پھر اس پر پچھتانے اور افسوس کرنے کا کیا موقع ہے؟

﴿وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَتَلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ﴾

ترجمہ: اور ایک دوسری جماعت وہ تھی جن کو اپنی ہی پڑی تھی، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خلاف واقعہ گمان کر رہے تھے، جو محض حماقت والے گمان تھے، وہ کہہ رہے تھے: کیا ہمارا معاملہ میں کچھ اختیار ہے؟ آپ جواب دیں: سب اختیار اللہ کا ہے، وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو وہ آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں: اگر ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے! آپ کہہ دیں: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن لوگوں کے لئے مارا جانا مقدر تھا وہ ان مقامات کی طرف نکلتے، جہاں وہ مارے گئے۔

بھٹی میل کو جلا دیتی ہے اور خالص سونا نکھر جاتا ہے

اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہیں، ان سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں، اور احد میں جو صورت پیش آئی اس سے مقصود یہ تھا کہ تم کو ایک آزمائش میں ڈالا جائے تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ باہر نکل آئے، امتحان کی بھٹی میں کھرا کھوٹا الگ ہو جائے، مخلصین کامیابی کا صلہ پائیں، اور ان کے دل آئندہ کے لئے وساوس اور کمزوریوں سے پاک ہو جائیں اور منافقین کا اندرونی نفاق کھل جائے اور سب لوگ صاف طور پر ان کے خبث کو سمجھنے لگیں۔

﴿وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے ایسا اس لئے کیا یعنی جنگ کا پانسہ اس لئے پلٹا) تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی بات کی آزمائش کریں اور تاکہ تمہارے دلوں میں جو بات ہے اس کو صاف کر دیں، اور اللہ تعالیٰ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ ۖ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۗ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَيْنِ	بے شک جنہوں نے	إِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	عَفَا	(کہ) درگزر کیا
اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ	پیٹھ پھیری	اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ	پھسلا دیا ان کو	اللَّهُ	اللہ نے
بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا	تم میں سے	بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا	شیطان نے	عَنْهُمْ	ان سے
وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ	جس دن	بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا	ایک حرکت کی وجہ سے	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ	بھڑیں	وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ	جو انہوں نے کی	غَفُورٌ	بڑے بخشنے والے
وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ	دو فوجیں	وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	حَلِيمٌ	بڑے تحمل والے ہیں

جنگ احد میں پیٹھ پھیرنے والوں کو اللہ نے معاف کیا

تیر اندازوں نے مورچہ چھوڑ دیا، لشکر کی پشت تنگی ہو گئی، کافروں کے سواروں نے عقب سے حملہ کر دیا، اور آگے جو بھاگے جا رہے تھے وہ بھی پلٹ گئے، اور اسلامی فوج نرغہ میں آ گئی، اس لئے بھگدڑ مچ گئی، مگر نبی ﷺ میدان میں ڈٹے رہے، چند جاں باز صحابہ بھی ساتھ تھے، پہلے آپؐ نے پھر حضرت کعبؓ نے آواز دی تب جو لوگ بھاگ رہے تھے وہ پلٹ گئے، اور دوبارہ جنگ شروع ہوئی، پس صورت حال بدلی اور مسلمانوں نے ہاری ہوئی بازی پھر جیت لی۔

اس عارضی ہزیمت کا سبب تیر اندازوں کی غلطی تھی، ان کی معافی کا حکم پہلے آ گیا ہے، اب اس آیت میں میدان چھوڑنے والوں کی معافی کا اعلان ہے، فوج نے یہ حرکت جان بوجھ کر نہیں کی تھی، شیطان نے ان سے یہ غلطی کرائی تھی، اور اللہ بڑے بخشنے والے بڑے بردبار ہیں، اس لئے سب کو بخش دیا، اب کسی کو ان پر انگلی اٹھانے کا حق نہیں۔

مصر کے ایک شخص نے حضرت عثمانؓ پر جب اعتراض کیا کہ وہ جنگ احد میں بھاگے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے ان کو معاف کر دیا، یہ اسی آیت کی طرف اشارہ تھا (بخاری حدیث ۴۰۶۶)

آیت کریمہ: جن لوگوں نے تم میں سے پشت پھیری، جس دن دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں — یعنی مدینہ

والے اور مکہ والے — اس کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ شیطان نے ان سے غلطی کرا دی، ان کے بعض اعمال کی وجہ سے — یعنی نبی ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے — اور یقین رکھو اللہ نے ان کو معاف کر دیا، بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے بردبار ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُرَّةً لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٥٧﴾
وَلَكِن قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَكِن مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿٥٩﴾

اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	یا تمہوہ	أَوْ كَانُوا	اے لوگو جو	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
جلاتے ہیں	يُحْيِي	غازی (مجاہد)	غُرَّةً ^(۳)	ایمان لائے	آمَنُوا
اور مارتے ہیں	وَيُمِيتُ	اگر ہوتے وہ	لَوْ كَانُوا	نہ ہوو تم	لَا تَكُونُوا
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	ہمارے پاس	عِنْدَنَا	ان لوگوں کی طرح	كَالَّذِينَ
ان کاموں کو جو تم کرتے	بِمَا تَعْمَلُونَ	(تو) نہ مارتے وہ	مَا مَاتُوا	جنھوں نے	كَفَرُوا
خوب دیکھنے والے ہیں	بَصِيرٌ	اور نہ مارے جاتے	وَمَا قُتِلُوا	اسلام کو قبول نہیں کیا	وَقَالُوا
بخدا! اگر	وَلَكِن	تا کہ بنائیں	لِيَجْعَلَ ^(۳)	اور انھوں نے کہا	لِإِخْوَانِهِمْ ^(۱)
مارے گئے تم	قُتِلْتُمْ	اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	اپنے برادروں کے	إِذَا ضَرَبُوا ^(۲)
راستے میں	فِي سَبِيلِ	اس (وسوسہ) کو	ذَلِكَ	بارے میں	فِي الْأَرْضِ
اللہ کے	اللَّهُ	حسرت (پچھتاوا)	حَسْرَةً	جب انھوں نے سفر کیا	إِذَا ضَرَبُوا ^(۲)
یا مر گئے تم	أَوْ مُتُّمْ	ان کے دلوں میں	فِي قُلُوبِهِمْ	زمین میں	فِي الْأَرْضِ

(۱) لإخوانہم: میں لام اجلیہ ہے، اور ہم نسب اور ہم مشرب بھائی مراد ہیں (۲) ضَرَبَ فِي الْأَرْضِ: زمین میں پیر مارا: یعنی لمبا سفر کیا (۳) غزى: غازی کی جمع: مجاہد (۴) لیجعل: میں لام عاقبت ہے، یعنی نتیجہ یہ ہوگا، یہ کائنات (وسوسہ) ان کے دلوں میں چبھتا رہے گا۔

یامارے گئے	أَوْ قَاتِلْتُمْ	اس سے جو	قَاتِلًا	یقیناً بخشش	لَمَغْفِرَةً
ضرور اللہ کی طرف	لِإِلَى اللَّهِ	جمع کرتے ہیں وہ	يَجْمَعُونَ	اللہ کی طرف سے	مِنَ اللَّهِ
اکٹھا کئے جاؤ گے	تُحْشَرُونَ	اور بخدا! اگر	وَلَكِنَّ	اور مہربانی (اس کی)	وَرَحْمَةً ^(۱)
❁	❁	مرے تم	مُتَّيْمٌ	بہتر ہے	خَيْرٌ

مسلمان کافروں کی وسوسہ اندازی سے متاثر نہ ہوں، مارتے جلاتے اللہ تعالیٰ ہیں

احد کی جنگ سنہ ۳ ہجری میں ہوئی ہے، یہ مدنی زندگی کا ابتدائی دور تھا، اس وقت مدینہ میں نفاق بھی تھا اور کفر و شرک بھی، جنگ کے ختم پر منافقوں کا تبصرہ (آیت ۱۵۴) میں آگیا، انہوں نے کہنا شروع کیا: ہمارا مشورہ نہیں مانا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، اگر ہماری بات مان لیتے تو یہاں میدان احد میں نہ مارے جاتے — اس کا جواب دیا تھا کہ جس کے لئے جہاں موت مقدر ہوتی ہے وہیں آتی ہیں، آدمی وہاں ضرور پہنچ جاتا ہے، مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرتے تو بھی جن کی موت میدان احد میں مقدر تھی وہ ضرور وہاں پہنچ کر مارے جاتے۔

اب ایک آیت میں جنگ کے نتیجے پر کافروں کی وسوسہ اندازی کا جواب ہے، وہ اپنے نسبی اور مسلکی بھائیوں کے بارے میں جو جہاد میں شریک ہوئے اور شہید ہوئے: کہنے لگے: اگر وہ ہمارے پاس رہتے، جنگ میں شرکت نہ کرتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے! خواہ مخواہ خود ہی کنویں میں گرے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان کا یہ خیال ہمیشہ کاٹنا بن کر ان کے دلوں میں چبھتا رہے گا، کیا وہ نہیں جانتے کہ جلاتے مارتے اللہ تعالیٰ ہی ہیں، جس کو جہاں چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں مارتے ہیں، وہ شہداء تمہارے پاس رہتے اور غزوہ میں شرکت نہ کرتے تو بھی موت سے نہیں بچ سکتے تھے، اور اللہ تعالیٰ تمہاری وسوسہ اندازی کو خوب دیکھ رہے ہیں، مسلمان ان کی باتوں سے قطعاً متاثر نہ ہوں، جس کی جہاں اور جس طرح موت مقدر تھی آئی، مسلمان اللہ کے فیصلہ پر راضی رہیں۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور اپنے (شہید ہونے

(۱) رحمة کے بعد من اللہ مقدر ہے۔

والے) برادروں کے تعلق سے کہا، جب انھوں نے زمین میں سفر کیا، یا وہ جہاد کے لئے نکلے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو وہ نہ مرتے اور نہ مارے جاتے — یعنی تم شہداء کے بارے میں اس طرح کا خیال دل میں مت لاؤ — (یہ خیال ان کے ذہنوں میں اس لئے آیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس کو ان کے دلوں میں پچھتاوا بنائیں — یعنی وہ ہمیشہ اس حسرت و افسوس میں مبتلا رہیں گے — اور اللہ تعالیٰ جلاتے اور مارتے ہیں — اس نے جس کے لئے جہاں موت مقدر کی تھی اس سے اس کو ہم کنار کیا — اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں جو تم کر رہے ہو! — یعنی مسلمانوں کے دلوں میں تمہاری وسوسہ اندازی سے خوب واقف ہیں، تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

مجاہد کی موت اور دوسری موت برابر نہیں

جو شخص جہاد کے لئے نکلتا ہے وہ خواہ شہید ہو یا طبعی موت مرے اس کا شہادت کا ثواب پیٹنٹ (رجسٹری شدہ) ہو جاتا ہے، سورۃ النساء (آیت ۹۹) میں ضابطہ ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے، پھر اس کو راستہ میں موت آجائے تو اس کا ثواب اللہ کے یہاں مقرر ہو جاتا ہے، اس ضابطہ سے اگر مجاہد کو طبعی موت بھی آئے تو اس کا شہادت کا ثواب مقرر ہو جاتا ہے، جو دنیا کے مال و منال سے بہتر ہوتا ہے، اور جو شخص ویسے ہی مر جاتا ہے یا مارا جاتا ہے اس کو بھی اللہ کے پاس پہنچنا ہے، وہ اپنے عمل کا ثواب پائے گا، مگر شہادت کے ثواب سے محروم رہے گا۔ اب موازنہ کرو: کفار اپنے برادروں کے بارے میں کہتے ہیں: اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے! کیوں نہ مرتے؟ ایک دن ضرور مرتے! اور شہادت کے ثواب سے محروم رہتے، اور اب جو وہ جہاد کے لئے نکلے اور جام شہادت نوش فرمایا تو ان کا کیا نقصان ہوا؟ دنیا کا عیش چھٹا اور آخرت میں مالا مال ہو گئے، جانا تو سب کو بہر حال اللہ کے پاس ہی ہے، دنیا تو ہاتھ سے چھٹنے والی ہی ہے ﴿وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى﴾ اور آخرت تیرے لئے دنیا سے بہتر ہے! ﴿وَلَكِنْ قَاتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مَاتُمْ لَكُمْ غَفَرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۰﴾﴾

ترجمہ: اور بخدا! اگر تم راہِ خدا میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ کی بخشش اور مہربانی — یعنی شہادت کا ثواب — بہتر ہے اس سے جس کو لوگ جمع کرتے ہیں — یعنی دنیا کے مال و منال سے۔

اور بخدا! اگر تم (ویسے ہی) مر گئے یا مارے گئے تو ضرور اللہ کے پاس جمع کئے جاؤ گے!

فائدہ: مجاہد عام طور پر مارا جاتا ہے، اس لئے ﴿قَاتِلْتُمْ﴾ پہلے آیا ہے، اور کبھی طبعی موت مرتا ہے اس لئے ﴿مُتُّم﴾ بعد میں آیا ہے، اور غیر مجاہد عام طور پر اپنی موت مرتا ہے، اس لئے دوسری آیت میں ﴿مُتُّم﴾ پہلے آیا ہے، اور کبھی مارا

بھی جاتا ہے اس لئے ﴿قَاتِلْتُمْ﴾ بعد میں آیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ، وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا
مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، فَإِذَا عَزَمْتَ
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۸۷﴾ إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ
لَكُمْ، وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ	پس بڑی مہربانی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے	لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ^(۲)	ان کا اور مشورہ کریں آپ ان سے (جنگی) معاملہ میں	فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ	تو نہیں کوئی دبانے والا تم کو اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لیں
لِنْتَ لَهُمْ	نرم (دل) ہوئے آپ ان لوگوں کے لئے	فَإِذَا عَزَمْتَ	پھر جب پختہ ارادہ کریں آپ	وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا	تو کون ہے یہ جو مدد کرے تمہاری
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا	اور اگر ہوتے آپ تند خو	عَلَى اللَّهِ	اللہ پر بے شک اللہ تعالیٰ	غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نَفْضُوا	اللہ کے بعد اور اللہ ہی پر
مِنْ حَوْلِكَ	آپ کے پاس سے	يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ	پسند کرتے ہیں بھروسہ کرنے والوں کو	مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں
فَاعْفُ عَنْهُمْ	پس معاف کریں آپ ان کو	إِنَّ اللَّهَ يَنْصُرُكُمْ	اگر مدد کریں تمہاری اللہ تعالیٰ	وَاسْتَغْفِرْ	ایماندار
وَاسْتَغْفِرْ	اور گناہ بخشوائیں آپ				

غزوہ احد میں نبی ﷺ نے اپنی نرم خوئی سے خطا کاروں کو معاف کیا

غزوہ احد میں اول تیر اندازوں نے حکم عدولی کی، جس کی وجہ سے مجاہدین نزعہ میں آگئے اور بھگدڑ مچ گئی، میدان

(۱) فيما: باء سببیه، ما: زائدہ برائے تاکید ای برحمة عظيمة (۲) الامر: میں الف لام عہدی ہے۔

کارزار میں صرف نبی ﷺ اور چند جاں باز صحابہ رہ گئے، اور دشمن اتنے قریب آ گئے کہ ایک شیطان نے ایک بھاری پتھر اٹھا کر نبی ﷺ کو مارا، جو سیدھا منہ پر لگا، جس سے ایک دانت کا کنارہ ٹوٹ گیا، اور خود ٹوٹ کر ماتھے میں گڑ گیا، چہرہ انور لہلہا ہوا گیا، یہ فوج کی دوسری غلطی تھی، مگر ان خطا کاروں کو نبی ﷺ نے کوئی سزا نہیں دی، سب کو معاف کر دیا۔

اور یہ بات مثبت پہلو سے اس طرح ہوئی کہ نبی ﷺ اللہ کی عظیم مہربانی سے نرم دل تھے، آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بدلہ نہیں لیا، اللہ کے رسول کو اور دین کے داعی کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

اور منفی پہلو سے یہ بات اس طرح ہوئی کہ اگر آپ تند خو سنگ دل ہوتے تو لوگ بکھر جاتے، ہیبت سے کوئی قریب نہ آتا، اس لئے حکم دیا کہ آپ خطا کاروں کو معاف کر دیں، اور ان کے لئے بخشش کی دعا کریں، تاکہ ان کے دل بڑھیں، اور جس طرح جنگِ احد کے لئے آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تھا، آئندہ بھی جنگی معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں، تاکہ ان کا حوصلہ بڑھے۔

پھر مشورہ کے بعد جب آپ کوئی بات طے کر لیں، جیسے غزوہٴ احد میں آپ نے ہتھیار باندھ کر باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا تو اب آپ اللہ کے بھروسہ پر اقدام کریں، مشورہ پر تکیہ نہ کریں، اللہ کو وہی بندے پسند ہیں جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، کیونکہ مشورہ من جملہ اسباب ہے، اور مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہیں، اگر وہ مسلمانوں کی مدد کریں تو کوئی ان کو دبا نہیں سکتا، اور اگر ان کی مدد نہ پہنچے تو وہ رسوا ہو کر رہ جائیں گے، پس مسلمانوں کو ہر حال میں اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ ابھی (آیت ۱۵۲) میں حکم عدولی کرنے والے تیر اندازوں کی معافی کا اعلان کر چکے ہیں، اور (آیت ۱۵۵) میں میدان چھوڑنے والوں کو بھی معاف کر چکے ہیں، مگر جہاں تک نبی ﷺ کے حقوق کا تعلق ہے اس کو آپ ہی معاف کریں گے، اس لئے پہلی آیت میں حکم دیا کہ آپ بھی معاف کر دیں، بندوں کے حقوق بندے ہی معاف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو اپنے حقوق چھوڑتے ہیں۔

آیاتِ پاک: پس اللہ کی بڑی مہربانی کی وجہ سے آپ ان لوگوں کے لئے نرم ہو گئے، اور اگر آپ تند خو سنگ دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، پس آپ ان کو معاف کر دیں، اور اللہ سے ان کا گناہ بخشوائیں، اور (حسب سابق) جنگی معاملہ میں ان سے مشورہ کریں — پھر جب آپ (مشورہ کے بعد) پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں — اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریں تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لیں تو کون ہے یہ جو اللہ کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور اللہ ہی پر چاہئے کہ مسلمان اعتماد کریں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُغْلَ ۖ وَمَنْ يُغْلُ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ
كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۱﴾ أَفَمَنْ أَتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ
بَاءَ بِسَخِطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۵۲﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ ۖ
وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾

وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	كُلُّ نَفْسٍ	ہر شخص	وَمَا وَهُ	اور اس کا ٹھکانا
لِنَبِيِّ	کسی نبی کے لئے	مَّا كَسَبَتْ	جو اس نے کمایا	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
أَنْ يُغْلَ ^(۱)	کہ غنیمت میں خیانت	وَهُمْ	اور وہ	وَبِئْسَ	اور بری ہے وہ
	کرے	لَا يُظْلَمُونَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے	الْمَصِيرُ	لوٹنے کی جگہ
وَمَنْ	اور جو	أَفَمَنْ	کیا پس جس نے	هُمْ	لوگوں کے
يُغْلُ	غنیمت میں خیانت کریگا	اتَّبَعَ	پیروی کی	دَرَجَاتٌ	مختلف درجات ہیں
يَأْتِ	آئے گا وہ	رِضْوَانِ اللَّهِ	اللہ کی خوشنودی کی	عِندَ اللَّهِ	اللہ کے نزدیک
بِمَا غَلَّ	اس کے ساتھ جو خیانت	كَمَنْ	مانند اس کے ہے جو	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
	کی ہے اس نے	بَاءَ ^(۲)	لوٹا	بَصِيرٌ	خوب دیکھ رہے ہیں
يَوْمَ الْقِيَامَةِ	قیامت کے دن	بِسَخِطٍ	غصہ کے ساتھ	بِمَا	جو کچھ
ثُمَّ تُوَفَّىٰ	پھر پورا دیا جائے گا	مِّنَ اللَّهِ	اللہ کے	يَعْمَلُونَ	وہ کرتے ہیں

نبی ﷺ کی کمال امانت داری کا بیان

گذشتہ آیتوں میں بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ بفضلہ تعالیٰ خوش اخلاق، نرم ہو ہیں، تند مزاج اور سنگ دل نہیں، ورنہ لوگ آپ کے گرد کہاں جمع رہتے! — اب ان آیتوں میں آپ کی کمال امانت داری کا بیان ہے، آپ دیگر انبیاء کی طرح اعلیٰ درجہ کے امین ہیں، آپ مال غنیمت میں خیانت کر ہی نہیں سکتے، اور صحابہ آپ کے ماتحت تھے، وہ آپ کی نظر بچا کر کیسے کچھ چھپا لیتے؟

اور آپ کا یہ وصف یہاں اس مناسبت سے بیان کیا ہے کہ تیرا انداز مورچہ چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے کے لئے کیوں

(۱) یغْلُ: مضارع معروف، واحد مذکر غائب، مصدر یغْلُ، باب نصر: مال غنیمت میں خیانت کرنا (۲) بَاءَ بہ: لوٹنا۔

دوڑے؟ کیا وہ غنیمت سے محروم رہتے؟ کیا نبی ﷺ غنیمت میں خیانت کرتے؟ خود رکھ لیتے اور ان کو نہ دیتے؟ اس کا تو امکان ہی نہیں تھا، پھر مال کی حرص کے علاوہ کونسا جذبہ تھا جس کی وجہ سے حکم عدولی کی؟!

آگے مضمون کے متعلقات ہیں، مال غنیمت میں خیانت کرنا زکات نہ نکالنے کی طرح سنگین گناہ ہے، جو شخص زکات نہیں نکالے گا یا مال غنیمت میں خیانت کرے گا وہ اندوختہ یا چرایا ہوا مال اٹھا کر میدان قیامت میں آئے گا، اونٹ ہونگے تو بلبلا رہے ہونگے، گھوڑے ہونگے تو ہنہار ہے ہونگے، گائیں بھینسیں ہونگی تو رینک رہی ہوگی، بکریاں ہونگی تو میا رہی ہوگی اور کپڑے ہونگے تو لہر رہے ہونگے، تاکہ اہل محشر کے سامنے خوب رسوائی ہو، جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔

پھر قیامت کے دن ہر شخص کو اس کی کمائی پوری دی جائے گی، کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی، نہ نیکی کا ثواب کم کیا جائے گا نہ گناہ کی سزا بڑھائی جائے گی، دونوں ہی حق تلفیاں ہیں، اور اللہ کی بارگاہ ظلم سے پاک ہے۔

ایک مثال سے وضاحت: دو شخص ہیں: ایک: اللہ کی خوشنودی کی راہ چل رہا ہے، احکام شرعیہ پر پوری طرح عمل کر رہا ہے۔ دوسرا: دنیا سے اللہ کی ناراضگی لے کر آخرت کی طرف لوٹا، ایمان نہیں لایا یا احکام شرعیہ کی خلاف روزی کی، تو کیا آخرت میں یہ دونوں بندے یکساں ہونگے؟ نہیں! پہلے کا ٹھکانا جنت ہے، اور وہ کیا خوب رہنے کی جگہ ہے! اور دوسرے کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ کیسی بری لوٹنے کی جگہ ہے!

اس طرح آخرت میں لوگوں کے درجات متفاوت ہونگے، کوئی جنتی ہوگا کوئی جہنمی، پھر جنت میں درجات اور جہنم میں درجات بھی اعمال کے اعتبار سے متفاوت ہونگے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو خوب دیکھ رہے ہیں!

آیات پاک: اور کوئی بھی نبی ایسا نہیں جو مال غنیمت میں خیانت کرے، اور جو بھی مال غنیمت میں خیانت کرے گا: وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا، پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے۔ کیا جو شخص اللہ کی خوشنودی کے راستے پر چلا: اس کے برابر ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹا؟ اور اس (ثانی) کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے! — لوگ اللہ کے نزدیک مختلف درجات میں ہونگے، اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھ رہے ہیں جو لوگ کر رہے ہیں!

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ
مُّبِينٍ ﴿۱۳۰﴾

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ	بِحَدِّ اتَّحِقِينَ	رَسُولًا	عَظِيمٍ رَسُولٍ	الْكِتَابَ	اللَّهِ كِتَابِ
مَنْ	احسان فرمایا	مَنْ أَنْفُسِهِمْ	انہیں میں سے	وَالْحِكْمَةَ	اور دانشمندی کی باتیں
اللَّهُ	اللہ نے	يَتْلُوا عَلَيْهِمْ	پڑھتا ہے وہ ان پر	وَلَانْ كَانُوا	اگرچہ تھے وہ
عَلَى الْمُؤْمِنِينَ	ایمان لانے والوں پر	آيَاتِهِ	اس کی آیتیں	مَنْ قَبْلُ	پہلے سے
إِذْ بَعَثَ	جب بھیجا اس نے	وَيُزَكِّيهِمْ	اور پاک صاف کرتا ہے ان کو	أَفْنَى ضَلِيلٍ	یقیناً گمراہی میں
فِيهِمْ	ان میں	وَيُعَلِّمُهُمُ	اور سکھلاتا ہے وہ ان کو	مُؤْمِنِينَ	صريح (کھلی)

نبی ﷺ کی بعثت مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے

یہ آیت نبی ﷺ کے اوصاف کے بیان کا تمہ ہے، آگے سابق مضمون کی طرف عود (لوٹنا) ہے، نبی ﷺ کی بعثت مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے، لوگوں کو چاہئے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کریں، کبھی بھولے سے بھی ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپ کا دل رنجیدہ ہو، یہ مورچہ چھوڑنے والے تیر اندازوں کو اور میدان چھوڑنے والے فوجیوں کو نصیحت کی۔ اس طرح کی آیت اسی جلد میں سورۃ البقرۃ میں (آیت ۱۲۹ و آیت ۱۵۱) گذر چکی ہیں۔ اور آٹھویں جلد میں سورۃ الحجۃ میں بھی ہے، اس لئے یہاں مختصر وضاحت کی جاتی ہے:

۱- ﴿عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾: مسلمانوں پر بڑا احسان کیا: یعنی نبی ﷺ کی بعثت پوری انسانیت کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے، مگر سب لوگ نفع کہاں اٹھاتے ہیں، مؤمنین ہی نفع اٹھاتے ہیں، اس لئے ان کی تخصیص کی ہے۔

۲- ﴿مَنْ أَنْفُسِهِمْ﴾: ان ہی میں سے یعنی انسانوں میں سے فرشتوں اور جنات میں سے نہیں، انسانوں کے لئے انسان کا رسول ہونا ہی موزوں ہے، ہم جنس اور ہم قوم رسول سے استفادہ آسان ہوتا ہے، اگر وہ کوئی معجزہ دکھائے تو سمجھ میں آئے گا، فرشتہ یا جن کوئی محیر العقول کا رنامہ انجام دے تو لوگ اس کو اس کی خصوصیت قرار دیں گے۔

۳- ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ﴾: وہ ان کو قرآن پڑھ کر سنائے۔ عربوں کو قرآن تلقین کے ذریعہ یاد کرایا جاتا ہے، پس ناظرہ اور تجوید پڑھانا اس کا مصداق ہے، رہے ظاہری معنی تو مخاطبین اہل لسان تھے، وہ خود ہی مطلب سمجھ لیں گے، اور اس پر عمل کریں گے، ان کو قرآن کا ترجمہ نہیں پڑھانا ہوگا، البتہ عجیبوں کو پڑھانا پڑے گا، پس وہ ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ﴾ میں آئے گا۔

۴- ﴿يُزَكِّيهِمْ﴾: وہ ان کو پاک صاف کرتے ہیں: یعنی نفسانی آلائشوں سے، اخلاقِ رذیلہ سے اور شرک و کفر کے

جذبات سے پاک صاف کرتے ہیں، دلوں کو مانجھ کر ان میں جلا پیدا کرتے ہیں، اور یہ بات احکام قرآن پر عمل کرنے سے اور صحبت و توجہ و تصرف سے بہ اذن الہی حاصل ہوتی ہے۔

۵- ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ﴾: وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب سکھلاتے ہیں: عجیبوں کو ترجمہ پڑھانا، مضامین سمجھانا، اور اہل لسان کے لئے خاص ضرورت کے مواقع میں پیش آنے والے اشکالات کو حل کرنا اس میں شامل ہے۔

۶- ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾: اور دانشمندی کی باتیں سکھلانا، گہرے مضامین بیان کرنا بھی نبی کی ذمہ داری ہے، مثلاً: قرآن کریم میں رضاعت (دودھ پینے) کے تعلق سے دو رشتوں کی حرمت کا ذکر ہے: رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا، نبی ﷺ نے فرمایا: يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب: دودھ پینے سے بھی وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ یعنی قرآن میں دو کا تذکرہ بطور مثال ہے، پس تمام احادیث شریفہ حکمت کا مصداق ہیں۔

۷- ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾: اگرچہ عرب بعثت نبوی سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے: یعنی شرک میں مبتلا تھے، اس سے زیادہ واضح کوئی گمراہی نہیں، خالق اور مخلوق کے ڈانڈے ملا دینا اور بندوں کو الوہیت میں شریک کرنا: اس سے زیادہ کھلی گمراہی کیا ہو سکتی ہے!؟

آیت پاک: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا: جب ان میں انہی میں سے عظیم رسول بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں، اور ان کو پاک صاف کرتے ہیں، اور ان کو اللہ کی کتاب سکھلاتے ہیں اور دانشمندی کی باتیں بتلاتے ہیں، اگرچہ وہ بعثت نبوی سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

أَوْلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰﴾

اور کیا جب	قُلْتُمْ	کہا تم نے	أَنْفُسِكُمْ	تمہارے آئی ہے
پہنچی تمہیں	أَنَّى هَذَا	یہ کہاں سے آئی؟	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
کچھ تکلیف	قُلْ	کہو	عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
تحقیق پہنچا چکے ہو تم	هُوَ	وہ	قَدِيرٌ	پوری قدرت رکھنے والے ہیں
اس سے ڈبل	مِنْ عِنْدِ	پاس سے		

(۱) ہمزہ: استفہام انکاری کا ﴿قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا﴾ پر داخل ہے (۲) جملہ قد أصبتم: مصیبت کی صفت ہے۔

اگر احد میں مسلمانوں کو کچھ تکلیف پہنچی تو تعجب کی کیا بات ہے؟

پہلے سے احد کا واقعہ چل رہا ہے، درمیان میں خطا کاروں کی معافی کا ذکر آیا تو نبی ﷺ کے اخلاق، صفات اور حقوق کا بیان آ گیا، اب پھر احد کے قصہ کی طرف لوٹتے ہیں، جنگ احد میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچی، ستر صحابہ شہید ہوئے اور نقصان اٹھانا پڑا پس لوگ تعجب سے کہنے لگے: یہ آفت کہاں سے آئی؟ ہم تو مسلمان مجاہد تھے، اللہ کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑ رہے تھے، اللہ کے رسول ہم میں موجود تھے، جن سے نصرت کا اللہ نے وعدہ کیا ہے: پھر یہ مصیبت ہم پر کیوں نازل ہوئی؟

جواب: یہ بات زبان سے نکالنے سے پہلے ذرا سوچو: جس قدر تکلیف تم کو پہنچی ہے اس سے دو گنی تکلیف تم ان کو پہنچا چکے ہو، احد میں تمہارے ستر شہید ہوئے تو بدر میں ان کے ستر مارے جا چکے ہیں، اور ستر ہی تم قید کر کے لے آئے تھے، جن پر تم کو پورا قابو حاصل تھا، چاہتے تو قتل کر دیتے، اب انصاف سے کہو: تمہیں اپنی تکلیف کا شکوہ کرنے کا کیا حق ہے؟ اور تم بد دل کیوں ہو رہے ہو!

پھر مزید غور کرو: نقصان کا سبب تم خود ہی بنے ہو:

- ۱- تم نے جوش میں آ کر نبی ﷺ اور تخریب کاروں کی بات نہ مانی، اور مدینہ سے نکل کر محاذ جنگ قائم کرنے پر اصرار کیا۔
- ۲- پھر آخری درجہ کی تاکید کے باوجود تیر اندازوں نے اہم مورچہ چھوڑ دیا۔
- ۳- دشمن کی نظروں کے سامنے لشکر میں سے تین سو آدمی ٹوٹ کر لوٹ گئے۔

۴- ایک سال پہلے جب تم کو بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دیا گیا تھا کہ یا تو ان کو قتل کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو، مگر ایسا کرو گے تو آئندہ سال اتنے ہی آدمی تمہارے شہید ہونگے، تاہم تم نے یہ دوسری صورت اختیار کی۔

۵- پھر تم شہادت کی آرزو کے ساتھ میدان میں اترے تھے، پس اگر وہ آرزو پوری ہوئی تو تعجب کا کیا موقع ہے؟ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، وہ جو چاہیں فیصلہ کرتے ہیں، چاہیں تو کھلی غلبہ دیں چاہیں تو جزئی، احد میں کھلی غلبہ دینا مصلحت نہیں تھی، اس لئے لوگوں کے کسب و اختیار سے ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ جزئی غلبہ عطا فرمایا، بہر حال جو کچھ ہوا اللہ کی مشیت سے ہوا، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے۔

آیت کریمہ: اور جب تم کو کچھ تکلیف پہنچی، جس کا دو گنا تم ان کو پہنچا چکے ہو: پس کیا تم کہتے ہو: یہ آفت کہاں سے

آئی؟ کہو: وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں!

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقِي الْجَبْعِينَ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ
الَّذِينَ نَافَقُوا ۖ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا ۚ قَالُوا
لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعُنَاكُمْ ۚ هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمِيذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ
بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝ الَّذِينَ قَالُوا
لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قَاتَلُوا ۚ قُلْ فَادْرَءُوا عَنِّي أَنفُسِكُمْ الْمَوْتَ
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

وَمَا	اور جو (تکلیف)	لَهُمْ	ان سے	أَقْرَبُ	زیادہ نزدیک ہیں
أَصَابَكُمْ	پہنچی تم کو	تَعَالَوْا	آؤ	مِنْهُمْ	ان سے
يَوْمَ	جس دن	قَاتِلُوا	لڑو	لِلْإِيمَانِ	ایمان سے
التَّقِي	مقابل ہوئیں	فِي سَبِيلِ	راہ میں	يَقُولُونَ	کہتے ہیں وہ
الْجَبْعِينَ	دو فوجیں	اللَّهُ	اللہ کی	بِأَفْوَاهِهِمْ	اپنے منہوں سے
فَبِإِذْنِ	پس (وہ) اجازت سے	أَوْ ادْفَعُوا	یا (دشمن کو) ہٹاؤ	مَا لَيْسَ	جو نہیں ہے
اللَّهُ	اللہ کی	قَالُوا	کہا انہوں نے	فِي قُلُوبِهِمْ	ان کے دلوں میں
وَلِيَعْلَمَ	اور تاکہ جانیں وہ	لَوْ نَعْلَمُ	اگر جانتے ہم	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْمُؤْمِنِينَ	ایمانداروں کو	فِتَالًا	لڑائی	أَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
وَلِيَعْلَمَ	اور تاکہ جانیں وہ	لَا تَبْعُنَاكُمْ	ضرور پیروی کرتے تمہاری	بِمَا يَكْتُمُونَ	جس کو چھپاتے ہیں وہ
الَّذِينَ	ان کو جنہوں نے	هُمْ	وہ لوگ	الَّذِينَ ^(۳)	جنہوں نے
نَافَقُوا ^(۱)	دوغلی پالیسی اختیار کی	لِلْكَفْرِ ^(۲)	کفر سے	قَالُوا	کہا
وَقِيلَ	اور کہا گیا	يَوْمِيذٍ	آج	لِإِخْوَانِهِمْ	اپنے بھائیوں سے

(۱) نَافَقٌ: دوغلی پالیسی اختیار کی: دل میں کفر اور زبان پر کلمہ اسلام! (۲) لِلْكَفْرِ اور لِلْإِيمَانِ: دونوں ہم معنی حروف جار
أَقْرَبُ سے متعلق ہیں، اسم تفضیل میں ایسا جائز ہے (جمل) (۳) الَّذِينَ قَالُوا: الَّذِينَ نَافَقُوا سے بدل ہے۔

وَقَعَدُوا	اور بیٹھ رہے وہ	قُلْ	کہو	الْمَوْتِ	موت کو
لَوْ أَطَاعُونَا	اور کہنا مانتے وہ ہمارا	فَادْرَأُوا	پس ہٹاؤ	لَا نَكُنُّمُ	اگر ہو تم
مَا قَاتِلُوا	نہ مارے جاتے	عَنْ أَنْفُسِكُمْ	اپنی ذاتوں سے	صَادِقِينَ	سچے

مصلحت نہیں تھی کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کو کئی غلبہ حاصل ہو

غزوہ بدر میں مسلمانوں کو کئی غلبہ حاصل ہوا تھا، اب اس دوسری جنگ میں بھی غلبہ رکھی حاصل ہوتا تو پردہ اٹھ جاتا، ہر کوئی سمجھ جاتا کہ اسلام ہی برحق مذہب ہے، اسی کو اختیار کرنا چاہئے، حالانکہ غیب: درغیب رہنا چاہئے، ایمان بالغیب مطلوب ہے، اس لئے مصلحت خداوندی کا تقاضا ہوا کہ احد میں مسلمانوں کو جزوی کامیابی حاصل ہو، اس لئے مسلمانوں کو جانی نقصان پہنچا۔

﴿ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّغْيِ الْجَمْعُونَ فَبِإِذْنِ اللَّهِ ﴾

ترجمہ: اور جو (نقصان) تم کو پہنچا جس دن دونوں فوجیں بھڑیں، وہ بہ حکم الہی تھا۔

احد میں جو صورت پیش آئی اس میں مصلحت یہ تھی کہ کھرے کھوٹے کا امتیاز ہو جائے

جنگ بدر کے لئے تو سب مخلص مسلمان نکلے تھے، اس وقت تک مسلمانوں کی صفوں میں نفاق نہیں تھا، مگر جب بدر میں مسلمانوں کو کئی غلبہ حاصل ہوا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اپنے لوگوں (مشرکوں) سے کہا: ان هذا الأمر قد تَوَجَّهَ! اسلام تو بڑھ چلا، اب اس کا لبادہ اوڑھو! اس کی پناہ لو! اس طرح نفاق شروع ہوا، وہ درپردہ کافر تھے، مگر کلمہ نماز کرنے لگے، اس لئے مصلحت خداوندی کا تقاضا ہوا کہ جنگ سے پہلے بھی اور بعد میں بھی یہ چہرے کھل کر سامنے آجائیں، تاکہ ان آستین کے سانپوں سے بچا جاسکے، چنانچہ عبداللہ اپنے تین سوسا تھیوں کو لے کر میدان سے لوٹ گیا، اس طرح ان کا بھانڈا پھوٹا، ان کے دیکھا دیکھی فوج کا دایاں بایاں بازو بھی پھسلنے لگا، مگر اللہ کی کارسازی سے وہ پھسلتے پھلتے بچ گئے، اور جنگ کے بعد منافقوں اور یہود نے طرح طرح کی باتیں شروع کیں، اس طرح کھرے کھوٹوں میں امتیاز ہو گیا۔

﴿ وَلْيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ تَافَقُوا ۖ ﴾

ترجمہ: اور تاکہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو جان لیں، اور ان لوگوں کو بھی جان لیں جنہوں نے دوغلی پالیسی اختیار کی!

منافقین کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی مگر قبول نہیں کی، پھر باتیں چھانٹیں!

نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد فوراً مدینہ میں آباد تین قوموں (مسلمان، مشرکین اور یہود) کے درمیان ایک معاہدہ کیا

تھا، اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ اگر باہر سے دشمن حملہ آور ہو تو تینوں قومیں مل کر مدافعت کریں گی، اس معاہدہ کی رو سے مشرکین اور یہود کی بھی ذمہ داری تھی کہ جنگ میں حصہ لیتے، اس لئے کہ مکہ والے چڑھ آئے تھے، چنانچہ عبد اللہ اور اس کے تین سو ساتھیوں سے کہا گیا کہ آؤ، اگر تم واقعی مسلمان ہو تو راہ خدا میں لڑو، ورنہ دشمن کو مدینہ سے ہٹاؤ! انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور میدان سے چل دیئے۔

جنگ کے بعد انھوں نے ذومعنی جواب دیا، کہا: ”اگر ہم لڑنا جاننے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے“ اس کے دو مطلب نکلتے ہیں: ایک: ہم نے مشورہ دیا تھا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، مگر ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا، پس ہم نا تجربہ کار ٹھہرے، ہم میں جنگی معاملات کی سوجھ بوجھ نہیں تھی، پھر ہم اپنی جانیں کیوں گناتے! ہماری بات مانی جاتی اور مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جاتا تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔

دوسرا: ہم تو اس کو جنگ نہیں سمجھے تھے، کھیل (کرکٹ میچ) سمجھے تھے، سمجھتے تھے کہ مجاہدین کھیل کرواپس آجائیں گے، اگر ہم اس کو واقعی جنگ سمجھتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آج وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب ہو گئے، یعنی پہلے وہ کلمہ پڑھتے تھے، نماز روزہ کرتے تھے، اس لئے وہ ایمان سے بظاہر قریب تھے، اور اب جو ان کی حرکت اور باتیں سامنے آئیں تو وہ کفر سے زیادہ قریب ہو گئے، ان کے دلوں کا حال طشت از بام ہو گیا!

﴿ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ فِتْنًا لَّا تَبِعْنَاكُمْ هُمْ بِالْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۗ ﴾

ترجمہ: جب ان (منافقین) سے کہا گیا: آؤ، اللہ کے راستہ میں لڑو یا دفاع کرو، انھوں نے جواب دیا: اگر ہم لڑنا جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے! وہ آج بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہو گئے!

منافقین کی بات دل کی بات نہیں!

منافقین کا مذکورہ جواب محض سخن سازی ہے، ان کے دل میں جو بات ہے وہ اللہ کو معلوم ہے، وہ جنگ میں اس لئے شریک نہیں ہوئے کہ اچھا ہے مسلمان مغلوب و ذلیل ہوں، اور ان کی راڑ کٹے، اور وہ خوشیاں منائیں۔

﴿ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۗ ﴾

ترجمہ: وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں، اور وہ جو بات چھپا رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں!

موت تو آتی ہے، اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا

غزوہ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے، جن میں بھاری اکثریت انصار کی تھی، ان کے ۶۵ آدمی شہید ہوئے تھے، ۴۱ خنجر کے اور ۲۲ اوس کے، اور ایک یہودی قتل ہوا تھا، اور مہاجرین کے شہداء صرف چار تھے، اس لئے منافقوں نے اپنے برادروں (انصار) کے بارے میں کہنا شروع کیا: ”اگر وہ ہماری بات مانتے اور گھر میں رہتے تو مارے نہ جاتے!“ قرآن کہتا ہے: اگر تم ہماری طرح نامرد بن کر گھر میں بیٹھے رہتے تو کیا موت سے بچ جاتے؟ جب تمہاری موت آئے تو اس کو گھر میں داخل ہونے سے روکنا، موت کو گھر میں آنے سے کوئی روک نہیں سکتا، اس سے بہتر راہ خدا میں عزت کی موت مرنا ہے، گھر میں مرنے والا مٹی میں جائے گا اور شہادت کی موت مرنے والا زندہ جاوید ہو جائے گا اور جنت میں گھومے گا، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

﴿الَّذِينَ قَالُوا لَإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرؤْا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: (منافق) وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے (شہید ہونے والے) بھائیوں کے بارے میں کہا، اور خود بھی

گھروں میں بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے! — کہو: اپنی ذاتوں سے موت کو ہٹاؤ اگر تم سچے ہو — کہ گھر میں رہنے سے موت نہیں آتی!

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَنِّقُونَ ﴿۳۱﴾
 فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۗ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۲﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلٍ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۳﴾ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۳۴﴾

وَلَا تَحْسَبَنَّ	اور نہ خیال کرو تو	الَّذِينَ ^(۱)	ان لوگوں کو جو	قُتِلُوا	مارے گئے
-------------------	--------------------	--------------------------	----------------	----------	----------

(۱) الَّذِينَ قُتِلُوا: مفعول اول، اور امواتا: مفعول ثانی ہے، اور عند ربہم: یرزقون کا ظرف ہے۔

مؤمنین کی	الْمُؤْمِنِينَ	ان کے ساتھ	بِهِمْ	راہ میں	فِي سَبِيلِ
جنہوں نے	الَّذِينَ ^(۳)	ان کے پیچھے سے	مَنْ خَلْفَهُمْ	اللہ کی	اللَّهُ
قبول کی (مانی)	اسْتَجَابُوا	کہ نہیں کوئی ڈر	الْآخَوْفُ ^(۲)	مردے	أَمْوَاتًا
اللہ کی بات	اللَّهُ	ان پر	عَلَيْهِمْ	بلکہ (وہ) زندہ ہیں	بَلْ أَحْيَاءُ
اور اس کرسول کی بات	وَالرُّسُولِ	اور نہ وہ	وَلَا هُمْ	ان کے رب کے پاس	عِنْدَ رَبِّهِمْ
بعد	مِنْ بَعْدِ	غم گین ہو گئے	يَحْزَنُونَ	روزی دیئے جاتے ہیں	يُذْرَقُونَ
ان کو پہنچنے	مَّا أَصَابَهُمْ ^(۴)	خوشی منار ہے ہیں وہ	يَسْتَبْشِرُونَ	خوش ہو رہے ہیں	فَرِحِينَ ^(۱)
زخم کے	الْقَرْحِ	نعمتوں پر	بِنِعْمَةٍ	اس پر جو دیا ان کو	بِمَا آتَاهُمْ
ان لوگوں کیلئے جنہوں نے	لِلَّذِينَ	اللہ کی	مِنَ اللَّهِ	اللہ نے	اللَّهُ
اچھے کام کئے	أَحْسَنُوا	اور مہربانی پر (ان کی)	وَقَضَى	اپنی مہربانی سے	مِنْ فَضْلِهِ
ان میں سے	مِنْهُمْ	اور اس پر کہ اللہ	وَإِنَّ اللَّهَ	اور خوش ہو رہے ہیں	وَيَسْتَبْشِرُونَ
اور ڈرے وہ	وَاتَّقُوا	ضائع نہیں کرتے	لَا يُضَيِّعُ	ان لوگوں کی وجہ سے جو	بِالَّذِينَ
بڑا ثواب ہے	أَجْرًا عَظِيمًا	مزدوری	أَجْرًا	نہیں ملے	كَمْ يَلْحَقُوا

شہداء حیات ہیں، وہ کھلائے پلائے جاتے ہیں

گھر میں بیٹھے رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی، ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کے بجائے 'حیات جاودانی' کہنا چاہئے، شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اوروں کو نہیں ملتی، ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے، وہ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں، ان کو جنت کا رزق آسانی سے پہنچتا ہے، جس طرح ہم اعلیٰ درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں: شہداء کی ارواح ہرے رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں، اور جنت کے پھل چرتی چگتی ہیں، اور پوٹوں میں بیٹھ کر یعنی اگلی سیٹ پر بیٹھ کر جہاز خود چلاتی ہیں، اس وقت شہداء بے حد مسرور ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی، پس ہزار زندگیاں اس موت پر قربان!

(۱) فرحین: الذین فتلوا: مفعول اول کا حال ہے (۲) ألا: اصل میں أن لا تھا، ادغام ہوا ہے۔ (۳) الذین: المؤمنین کی

صفت ہے (۴) ما: مصدر یہ ہے ای بعد إصابة القرح۔

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْمَوْنَ فِي سُبْحَانَ ۝﴾

ترجمہ: اور جو لوگ راہِ خدا میں مارے گئے ان کو مردے مت سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ان کے پروردگار کے پاس

کھلائے پلائے جاتے ہیں!

ملاحظہ: شہداء کی حیات برزخی اور اس سے استدلال کر کے انبیاء کی حیات پر گفتگو اسی جلد میں سورۃ البقرہ (آیت

۱۵۴) میں گزر چکی ہے۔

شہداء کو دو خوشیاں

شہداء کے لئے دو خوشیاں ہیں:

اول: اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے عنایت فرمایا ہے اس پر وہ نازاں و فرحاں ہیں، بعض روایات میں ہے کہ شہدائے احد یا شہدائے بیر معونہ نے بارگاہِ خداوندی میں تمنا کی تھی کہ کاش ہمارے عیش کی خبر ہمارے بھائیوں کو ہو جائے تاکہ وہ جہاد سے جان نہ چرائیں، اللہ نے فرمایا: میں ان کو خبر دیتا ہوں، اور یہ آیت نازل کی، پھر ان کو اطلاع دی کہ میں نے خبر پہنچادی، پس وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔

دوم: ان کو ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی خاص خوشی حاصل ہوتی ہے، جن کو وہ اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ اگر وہ بھی ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے تو وہ بھی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے، نہ ان کو اپنے آگے کا ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم، مامون و مطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے۔

﴿ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۖ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝﴾

ترجمہ: (۱) اللہ نے جو ان کو اپنا فضل عطا فرمایا ہے، وہ اس پر شاداں و فرحاں ہیں (۲) اور وہ خوشیاں مناتے ہیں ان

لوگوں کی وجہ سے جو (ابھی) ان کے پاس نہیں پہنچے کہ ان پر بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گیس ہوں گے۔

زخم خوردہ صحابہ لشکر کفار کے تعاقب میں نکلے

(غزوہ حمراء الاسد)

ختم جنگ کے بعد نبی ﷺ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر مشرکین نے سوچا کہ جنگ میں اپنا پلہ بھاری ہوتے ہوئے بھی ہم نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو انہیں یقیناً ندامت ہوگی اور وہ پلٹ کر مدینہ پر حملہ کریں گے، اس لئے آپ نے فیصلہ کیا کہ

مکی لشکر کا تعاقب کیا جائے۔

چنانچہ معرکہ احد کے دوسرے دن یعنی یکشنبہ ۸ شوال ۳ ہجری کو علی الصبح اعلان فرمایا کہ دشمن کے تعاقب کے لئے چلنا ہے اور ہمارے ساتھ وہی چلے جو معرکہ احد میں شریک تھا، عبد اللہ بن ابی نے ساتھ چلنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے اجازت نہیں دی، مسلمان سب زخموں سے چور، غم سے ٹڈھال اور خوف سے دوچار تھے، مگر سب بلا تردد تیار ہو گئے۔

پروگرام کے مطابق نبی ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل پر حراء الاسد میں خیمہ زن ہوئے، وہاں معبد بن ابی معبد خزاعی ملا اور حلقہ گوش اسلام ہوا، یا ابھی وہ حلقہ گوش اسلام نہیں ہوا تھا، معاہدہ تھا، اس نے کہا: آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو جوڑ دینا چاہی ہے اس سلسلہ میں آپ مجھ سے کوئی خدمت لینا چاہیں تو لیں، نبی ﷺ نے فرمایا: ابوسفیان کے پاس جاؤ اور اس کی حوصلہ شکنی کرو۔

ادھر نبی ﷺ کو جو اندیشہ لاحق ہوا تھا وہ واقعہ بنا، ابوسفیان مدینہ سے چھتیس میل دور مقام روجاء پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ لوگ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا، مسلمانوں کی شوکت و قوت توڑ کر انہیں یونہی چھوڑ دیا، ابھی ان میں اتنے سرباقی ہیں کہ وہ پھر تمہارے لئے دردمن بن سکتے ہیں، پس واپس چلو اور انہیں جڑ سے اکھاڑ دو، مگر صفوان بن امیہ نے اس کی مخالفت کی اور کہا: ایسا مت کرو، مجھے خطرہ ہے کہ جو مسلمان غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ بھی اب تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے، لہذا واپس چلو، فتح تمہاری ہے، مدینہ پر پھر چڑھائی کرو گے تو گردش میں آ جاؤ گے، مگر بھاری اکثریت نے اس کی رائے قبول نہیں کی اور فیصلہ کیا کہ مدینہ واپس چلیں۔

ابھی کفار یہ سوچ ہی رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچ گیا، ابوسفیان نے پوچھا: پیچھے کی کیا خبر ہے؟ معبد نے کہا: محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو لے کر تمہارے تعاقب میں نکل چکے ہیں، ان کے ساتھ اتنی بڑی جمعیت ہے کہ میں نے ایسی جمعیت کبھی نہیں دیکھی، سب لوگ غصہ میں بھرے ہوئے ہیں، احد میں جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی ساتھ ہو گئے ہیں، ابوسفیان نے پوچھا: بھائی تو کیا کہہ رہا ہے؟ معبد نے کہا: تم کوچ کرنے سے پہلے لوگوں کی پیشانیاں دیکھ لو گے اور لشکر کا ہراول دستہ ٹیلہ کے پیچھے سے نمودار ہو جائے گا، یہ باتیں سن کر مکی لشکر کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان پر رعب طاری ہو گیا اور انہیں اسی میں عافیت نظر آئی کہ مکہ کی جانب سفر جاری رکھیں، البتہ ابوسفیان نے قبیلہ عبد القیس کے ایک وفد سے کہا: جو وہاں سے گذرا تھا کہ میرا ایک پیغام محمد (ﷺ) کو پہنچا دینا، ان کو یہ خبر پہنچا دیں کہ ہم نے ان کی اور ان کے رفقاء کی جڑ کاٹنے کے لئے پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جب یہ قافلہ حراء الاسد پہنچا تو اس نے ابوسفیان کا پیغام سنایا، مسلمانوں نے اس کی باتیں سن کر کہا: ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ اللہ ہمارے لئے کافی ہیں اور وہ بہترین کارساز

ہیں، اس طرح ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا، نبی ﷺ حمراء الاسد میں تین دن قیام کر کے مدینہ واپس آ گئے۔

﴿يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ مِّنَ اللَّهِ وَفَضِيلٍ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر خوش ہو رہے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے، جنہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانی، ان کو زخم پہنچنے کے بعد — اور حمراء الاسد تک کفار کا پیچھا کیا — ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ان میں سے اچھے کام کئے اور اللہ سے ڈرے بڑا ثواب ہے! — یہ سبھی صحابہ کی مدح سرائی اور ان کی شان کو بلند کرنا ہے، کیونکہ وہ سب کے سب ایسے ہی تھے (فوائد)

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللَّهِ وَفَضِيلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ ۖ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝ لَأَمَّا ذَلِكُمْ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۖ فَلا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

الَّذِينَ (۱)	(وہ) جو	وَقَالُوا	اور کہا انہوں نے	لَمْ يَمْسَسْهُمْ	نہیں چھو یا ان کو
قَالَ لَهُمُ	کہا ان سے	حَسْبُنَا	ہمارے لئے کافی ہیں	سُوءٌ	کسی برائی نے
النَّاسُ	لوگوں نے:	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	وَاتَّبَعُوا	اور پیروی کی انہوں نے
إِنَّ النَّاسَ	بے شک لوگوں نے	وَنِعْمَ	اور کیا خوب ہیں	رِضْوَانَ	خوشنودی کی
قَدْ جَمَعُوا	بالیقین جمع کیا ہے	الْوَكِيلُ	کارساز!	اللَّهُ	اللہ کی
لَكُمْ	تمہارے لئے (بڑا شکر)	فَانْقَلَبُوا	پس لوٹے وہ	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاخْشَوْهُمْ	پس ڈرو تم ان سے	بِنِعْمَةٍ	نعمت کے ساتھ	ذُو فَضْلٍ	مہربانی والے ہیں
فَزَادَهُمْ	پس بڑھایا (اس نے) انکا	مِّنَ اللَّهِ	اللہ کی	عَظِيمٍ	بڑی
إِيمَانًا	ایمان	وَفَضِيلٍ	اور فضل کے ساتھ	لَأَمَّا	اس کے سوا نہیں کہ

(۱) الذین: پہلے الذین سے بدل اور المؤمنین کی صفت ہے۔

اگر ہوتے	اگر ہوتے	اپنے دوستوں سے	اُولِيَاءَهُ	وہ	ذَلِكُمْ
ایماندار	اِمْرَانِدَار	پس مت ڈرو تم ان سے	فَلَا تَخَافُوهُمْ	شیطان	الشَّيْطَانُ
❁	❁	اور ڈرو مجھ سے	وَخَافُونِ	ڈراتا ہے (تم کو)	يُخَافُ ^(۱)

صحابہ زخم مندمل ہوتے ہی کفار کے مقابلہ کے لئے نکلے (غزوہ بدر صغریٰ)

جنگ احد کے خاتمہ پر ابوسفیان (کمانڈر) نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال پھر بدر میں لڑائی ہوگی، نبی ﷺ نے اس کو قبول کر لیا، اگلا سال آیا تو آپ نے حکم دیا: جہاد کے لئے نکلو، اگر کوئی نہیں جائے گا تو اللہ کا رسول تنہا ہو جائے گا، یہ اس لئے فرمایا تھا کہ سال گذشتہ کی کسک ابھی باقی تھی۔

ادھر ابوسفیان بھی فوج لے کر مکہ سے نکلا، تھوڑی دور چل کر ہمت ٹوٹ گئی، قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکہ لوٹ جائے، مگر چاہا کہ الزام مسلمانوں پر رہے، ایک شخص مدینہ جا رہا تھا اس کو کچھ دیا، اور کہا: وہاں پہنچ کر ایسی خبریں اڑانا کہ مسلمان خوف کھائیں اور جنگ کو نہ نکلیں۔

وہ شخص مدینہ پہنچ کر کہنے لگا: مکہ والوں نے بڑی بھاری جمعیت اکٹھا کی ہے، تم ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے، بہتر یہ ہے کہ بیٹھ رہو! مسلمانوں کا جوش ایمان بڑھ گیا، انھوں نے کہا: اللہ ہمارے لئے کافی ہے!

خیر، مسلمان حسب وعدہ بدر پہنچے، وہاں بڑا بازار لگتا تھا، تین روز تک خوب خرید و فروخت کی، اور خوب نفع کمایا، اور سلامت واپس آئے، اس غزوہ کو بدر صغریٰ کہتے ہیں، اور غزوہ حراء الاسد اور غزوہ بدر صغریٰ میں ربط کی طرف عنوانات میں اشارہ کیا ہے۔

ملحوظہ: اکثر مفسرین نے ان آیات کو غزوہ حراء الاسد ہی سے متعلق کیا ہے۔

آیات پاک: (وہ مؤمنین) جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے (کفار نے) تمہارے لئے بڑا لشکر اکٹھا کیا ہے، پس تم ان سے ڈرو — اور مقابلہ کے لئے مت نکلو — پس اس خبر نے ان کا ایمان بڑھا دیا، اور انھوں نے کہا: ”اللہ ہمارے لئے کافی ہے، اور وہ خوب مددگار ہیں!“ پس وہ پلٹے اللہ کی نعمت اور مہربانی کے ساتھ — تجارتی نفع بھی مراد ہے، اور فتح و ظفر بھی — کسی برائی نے ان کو نہیں چھو یا — نہ لگی ہلدی نہ لگی پھلکری اور رنگ آیا چوکھا! — اور انہوں نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی — یعنی جہاد کے لئے نکلے — اور اللہ بڑے فضل والے ہیں — مجاہدین کو سرخ رو بھی کیا اور مال بھی!

(۱) يخوف کا مفعول اول کم محذوف ہے، جیسے ﴿لِيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا﴾ میں پہلا مفعول کم محذوف ہے [الکہف ۲]

وہ شیطان ہی ہے جو تم کو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے — یعنی جو ادھر سے آ کر مرعوب کن خبریں پھیلاتا ہے وہ شیطان ہے، یا شیطان کے اغواء سے ایسا کر رہا ہے، وہ اپنے چیلے چانٹوں اور اپنے بھائی بندوں سے تمہیں مرعوب کر رہا ہے — پس تم ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو!

وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَكُنُفِرُوا اللَّهُ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۶﴾ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُضِلُّ لَهُمْ خَيْرًا لَّا نَفْسِهِمْ ۖ إِنَّمَا نُضِلُّ لَهُمْ لِيُزَادُوا كُفْرًا ۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۷﴾

وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ	اور نہ غمگین کریں آپ کو وہ لوگ جو لپکتے ہیں کفر کی طرف بے شک وہ ہرگز نہیں نقصان پہنچائیں گے اللہ کو ذرا بھی چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کہ نہ بنائیں ان کے لئے	حَظًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا	کوئی حصہ آخرت میں اور ان کے لئے سزا ہے بڑی بے شک جو لوگ بدلتے ہیں کفر کو ایمان سے ہرگز نہیں نقصان پہنچائیں گے اللہ کو ذرا بھی	وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُضِلُّ لَهُمْ خَيْرًا لَّا نَفْسِهِمْ إِنَّمَا نُضِلُّ	اور ان کے لئے سزا ہے دردناک اور نہ خیال کریں وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا کہ جو مہلت دے رہے ہیں ہم ان کو بہتر ہے ان کے لئے سو اس کے نہیں کہ ہم مہلت دے رہے ہیں
---	---	---	--	---	--

(۱) انما: ان: الگ ہے، ما: موصولہ صلہ کے ساتھ اس کا اسم ہے اور خیر: خبر ہے، قرآنی رسم الخط میں دونوں کو ملا کر لکھا گیا ہے۔

لَهُمْ لِيُزِدَا دَوًّا	ان کو تاکہ بڑھ جائیں وہ	إِنَّمَا وَ لَهُمْ	گناہ میں اور ان کے لئے	عَذَابٌ مُّهِينٌ	سزا ہے رسوا گن
-------------------------	-------------------------	--------------------	------------------------	------------------	----------------

کافروں کی کاروائیوں سے اسلام کی ترقی رک نہیں سکتی

اب غزوہ احد کے متعلقات کا بیان ہے، پہلی دو آیتوں میں نبی ﷺ کی تسلی فرمائی ہے اور تیسری آیت میں کافروں کے ایک خلیجان کا جواب ہے۔ مکہ مکرمہ کے تیرہ سال بہت کٹھن گزرے ہیں، چند سو آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا، پھر ہجرت کے بعد صورت حال بدلی، اسلام کی اشاعت عام ہوئی، مگر اہل مکہ مدینہ پر چڑھ چڑھ آتے تھے، وہ اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینا چاہتے تھے، احد کی جنگ میں صورت حال نازک ہو گئی تھی، یہ صورت حال نبی ﷺ کے لئے تشویشناک ہو سکتی تھی، اس لئے دو آیتوں میں نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ فکر نہ کریں اسلام کا مستقبل روشن ہے، لوگ اگرچہ کفر کی طرف لپک رہے ہیں، مگر اس سے اللہ کے دین کا ذرا نقصان نہیں ہوگا، جلدی وہ دن آئے گا کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے۔

اور جو لوگ کفر میں پیر پسا رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہے ہیں: یہ بات اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو، اور وہ بڑے عذاب سے دوچار ہوں۔

اور سنو! جو لوگ اسلام قبول نہیں کر رہے، اس کے عوض کفر کو خرید رہے ہیں، وہ اسلام کی ترقی کو روک نہیں سکتے، اسلام کا پھیلاؤ مقدر ہے، وہ تو پھیل کر رہے گا اور مخالفین منہ کی کھائیں گے، ان کو آخرت میں دردناک عذاب سے سابقہ پڑے گا۔

﴿وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنُيَضَّرُوا بِاللَّهِ شَيْئًا ۗ لِيُرِيدَ اللَّهُ أَلاَّ يَجْعَلَ لَهُمْ حِظًّا فِي الْآخِرَةِ ۗ وَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنُيَضَّرُوا بِاللَّهِ شَيْئًا ۗ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: اور آپ کو غمگین نہ کریں وہ لوگ جو کفر کی طرف لپک رہے ہیں، بے شک وہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کو ذرا

نقصان نہیں پہنچا سکتے، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو، اور ان کے لئے بڑی سزا ہے!

بے شک جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدل خرید لیا، وہ اللہ تعالیٰ (کے دین) کو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لئے دردناک سزا ہے!

کافروں کی خوش حالی اور مہلت ان کے حق میں کچھ اچھی نہیں

ممکن تھا کافروں کو اپنی لمبی عمریں، خوش حالی اور دولت و ثروت کی وجہ سے یہ خیال گذرے کہ اگر ہم اللہ کے مبغوض

(ناپسندیدہ) بندے ہوتے تو ہمیں مہلت کیوں دی جاتی؟ اور ہم ایسی اچھی حالت میں کیوں ہوتے؟ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ مہلت دینا ان کے حق میں کچھ بھلی بات نہیں، ان کو یہ مہلت اس لئے دی جا رہی ہے کہ وہ خوب گناہ سمیٹیں! اور کفر پر مریں، ان کے لئے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب تیار ہے۔

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُسَبِّحُ لَهُمْ خَيْرًا لِّأَنفُسِهِمْ ۗ إِنَّمَا نُسَبِّحُ لَهُمْ لِيُذَادُوا ۗ لَأَثُمَّا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝۱۰۰﴾

ترجمہ: اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے حق میں بہتر ہے، ہم ان کو صرف اس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ وہ گناہوں میں بڑھ جائیں، اور ان کے لئے رسوا گن عذاب ہے!

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظِلَّكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ قَامِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۗ وَإِنْ تَوَمَّنُوا ۖ وَتَتَّقُوا ۖ فَلكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝۱۰۱﴾

مَا كَانَ	اللَّهُ	لِيَذَرَ	الْمُؤْمِنِينَ	عَلَىٰ	مَا أَنْتُمْ	عَلَيْهِ	حَتَّىٰ	يَمِيزَ	الْخَبِيثَ	مِنَ	الطَّيِّبِ
نہیں تھے	اللہ	کہ چھوڑتے	مسلمانوں کو	اس حالت پر جو	تم اس پر ہو	یہاں تک کہ جدا کریں وہ	گندے کو	میں	اللہ	اور نہیں تھے	سحرے سے
مَا كَانَ	اللَّهُ	لِيُظِلَّكُمْ	عَلَى	الْغَيْبِ	وَلَكِنَّ	اللَّهَ	يَجْتَبِيٰ	مِنْ	رُّسُلِهِ	مَنْ	يَشَاءُ
نہیں تھے	اللہ	کہ چھوڑتے	مسلمانوں کو	اس حالت پر جو	تم اس پر ہو	یہاں تک کہ جدا کریں وہ	گندے کو	میں	اللہ	اور نہیں تھے	سحرے سے
مَا كَانَ	اللَّهُ	لِيُظِلَّكُمْ	عَلَى	الْغَيْبِ	وَلَكِنَّ	اللَّهَ	يَجْتَبِيٰ	مِنْ	رُّسُلِهِ	مَنْ	يَشَاءُ
نہیں تھے	اللہ	کہ چھوڑتے	مسلمانوں کو	اس حالت پر جو	تم اس پر ہو	یہاں تک کہ جدا کریں وہ	گندے کو	میں	اللہ	اور نہیں تھے	سحرے سے
مَا كَانَ	اللَّهُ	لِيُظِلَّكُمْ	عَلَى	الْغَيْبِ	وَلَكِنَّ	اللَّهَ	يَجْتَبِيٰ	مِنْ	رُّسُلِهِ	مَنْ	يَشَاءُ
نہیں تھے	اللہ	کہ چھوڑتے	مسلمانوں کو	اس حالت پر جو	تم اس پر ہو	یہاں تک کہ جدا کریں وہ	گندے کو	میں	اللہ	اور نہیں تھے	سحرے سے
مَا كَانَ	اللَّهُ	لِيُظِلَّكُمْ	عَلَى	الْغَيْبِ	وَلَكِنَّ	اللَّهَ	يَجْتَبِيٰ	مِنْ	رُّسُلِهِ	مَنْ	يَشَاءُ
نہیں تھے	اللہ	کہ چھوڑتے	مسلمانوں کو	اس حالت پر جو	تم اس پر ہو	یہاں تک کہ جدا کریں وہ	گندے کو	میں	اللہ	اور نہیں تھے	سحرے سے

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مسلمانوں کو بھی آزمائش سے گزارا جائے تاکہ کھرا کھوٹا جدا ہو جائے

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ خوش حالی اور مہلت کفار کے حق میں بہتر نہیں، اب اس کی برعکس صورت بیان فرماتے

ہیں کہ اگر مسلمانوں کو مصائب اور ناخوش گوار واقعات پیش آئیں، جیسے جنگِ احد میں پیش آئے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے ناپسندیدہ بندے ہیں، یہ حالات تو خاص مصلحت سے پیش آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مسلمانوں کو بھی آزمائش سے گزارا جائے تاکہ مخلص مسلمان اور منافق جدا ہو جائیں، مسلمان اس وقت رلے ملے ہیں، مخلص اور منافق میں امتیاز نہیں، منافق بھی کلمہ پڑھ کر دھوکہ کے لئے مسلمانوں میں شامل رہتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ایسے واقعات اور حوادث پیش آئیں جو کھرے کو کھوٹے سے اور پاک کو ناپاک سے کھلے طور پر جدا کر دیں۔

اس کے بعد آیت میں ایک سوال کا جواب ہے:

سوال: اللہ تعالیٰ کے لئے آسان تھا کہ تمام مسلمانوں کو بدوں امتحان میں ڈالے منافقوں کے ناموں اور کاموں سے مطلع کر دیتے، پھر ایسا کیوں نہیں کیا؟ سب کو آزمائش کی بھٹی میں کیوں ڈالا؟
جواب: اللہ کی حکمت و مصلحت نہیں تھی کہ سب لوگوں کو اس قسم کے غیوب سے آگاہ کیا جائے، اس لئے کسوٹی پر ڈالا تاکہ کھر اکھوٹا علاحدہ ہو جائے۔

ہاں وہ اپنے رسولوں کا انتخاب کر کے جس قدر غیوب کی اطلاع دینا مناسب ہوتا ہے: دیتے ہیں، مگر عام لوگوں کو بلا واسطہ اس کی اطلاع نہیں دیتے، چنانچہ نبی ﷺ کو اللہ نے منافقین کے نام بتا دیئے تھے، اور آپ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو بتائے تھے، اور ان کو دوسروں کو بتانے سے منع کیا تھا۔ اور آخر میں فرمایا ہے کہ اللہ کا جو خاص معاملہ رسولوں سے ہے، اور پاک و ناپاک کو جدا کرنے کی نسبت سے جو اللہ تعالیٰ کی عادت ہے: اس میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں، مسلمان کا کام یہ ہے کہ اللہ و رسول کی باتوں پر کامل یقین رکھے، اور تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم رہے: یہ کر لیا تو سب کچھ کما لیا (ماخوذ از نوآند)

آیتِ پاک: اللہ تعالیٰ ایسے تو ہیں نہیں کہ مسلمانوں کو اس حالت پر رہنے دیں جس حالت پر تم ہو، یہاں تک کہ گندے کو ستھرے سے جدا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے تو ہیں نہیں کہ تمہیں پوشیدہ باتوں سے واقف کریں، البتہ اللہ تعالیٰ چنتے ہیں اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتے ہیں۔ اور اس کو غیوب کی اطلاع دیتے ہیں۔ لہذا تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو! اور اگر تم ایمان لائے اور پرہیزگار رہے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے!

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْغُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ بَلْ هُوَ
سَرَّ لَهُمْ ۚ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَغُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَ لِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۳۰﴾

اور اللہ ہی کے لئے	وَاللَّهُ	ان کے لئے	لَهُمْ	اور ننگمان کریں	وَلَا يَحْسَبَنَّ
متروکہ (چھوڑا ہوا) ہے	مِيرَاتٍ ^(۳)	بلکہ وہ	بَلْ هُوَ	وہ لوگ جو	الَّذِينَ
آسمانوں	السَّمَوَاتِ	بدتر ہے ان کے لئے	شَرُّ لَهُمْ	بخیلی کرتے ہیں	يَبْخُلُونَ
اور زمین کا	وَالْأَرْضِ	اب مالا پہنائے جائیں گے وہ	سَيَبْطُؤْنَ	اس مال میں جو	بِمَا
اور اللہ تعالیٰ	وَاللَّهُ	اس مال کی جو	مَا ^(۲)	دیا ان کو	أَتَتْهُمْ
ان کاموں سے جو	بِمَا	بخیلی کی انھوں نے	بَخِلُوا	اللہ نے	اللَّهُ
تم کرتے ہو	تَعْمَلُونَ	اس میں	بِهِ	اپنی مہربانی سے	مِنْ فَضْلِهِ
پورے باخبر ہیں	خَبِيرٌ	قیامت کے دن	يَوْمَ الْقِيَامَةِ	(کہ) وہ بہتر ہے	هُوَ خَيْرٌ ^(۱)

جس مال کے حقوق واجبہ ادا نہیں کئے گئے اس مال کی قیامت کے دن مالا پہنائی جائے گی!

سورت عیسائیوں کے تذکرہ سے شروع ہوئی ہے، پھر غزوہ احد کی تفصیلات آئیں، اب کچھ یہود کا تذکرہ کرتے ہیں، ان کا معاملہ بہت مضرت رساں اور تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر انہی میں سے تھے، اور گذشتہ آیت میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہیں گے، یہ جدائی جانی و مالی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی ہے، جہاد کے لئے مال خرچ کرتے وقت بھی کھرا کھوٹا اور کچا پکا صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔

اس لئے اب ایک آیت میں یہ بات بیان کی ہے کہ یہود و منافقین جہاد کے لئے خرچ کرنے سے بھاگتے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی ان کو موت آتی ہے، لیکن جس طرح جہاد سے پیچھے رہ کر چند روز کی مہلت پالینا بہتر نہیں اسی طرح مال میں بخیلی کرنا اور راہِ خدا میں خرچ نہ کرنا بھی بہتر نہیں، دنیا میں کوئی مصیبت نہ بھی آئے تو قیامت کے دن جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ظاہر ہوگا، وہ ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔

اور زکات وغیرہ حقوق واجبہ ادا نہ کرنے میں بھی یہی سزا ملے گی، نبی ﷺ نے فرمایا:

”جس کو اللہ نے مال دیا پھر اس نے مال کی زکات ادا نہیں کی تو اس کا مال قیامت کے دن ایک گنجدے سانپ کا پیکر

(۱) ہو خیراً: خیراً مفعول ثانی ہے، اور هو ضمیر فصل ہے (۲) ما: ای بما، طَوْق: بغیر صلہ کے بھی مستعمل ہے (۳) میراث: اسم ہے: میت کا ترکہ، جمع مواردیث۔

(شکل) اختیار کرے گا، جس کی آنکھوں پر دوسیاہ نقطے ہونگے، وہ قیامت کے دن اس کے گلے کا طوق بن جائے گا، پھر اس کی دونوں باجھیں پکڑے گا، اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں! میں تیرا خزانہ ہوں! پھر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی“
(بخاری شریف حدیث ۱۴۰۳)

تشریح: مال گلے میں کس طرح طوق بنا کر ڈالا جائے گا؟ حدیث میں اس کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دولت زہریلے سانپ کی شکل میں نمودار ہوگی، اور انتہائی زہریلے ہونے کی وجہ سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہونگے، اس کی آنکھوں پر دوسیاہ نقطے ہونگے، وہ سانپ اس کے گلے کا ہار بن جائے گا پھر اس کی دونوں باجھوں کو کانٹے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں! میں تیری دولت ہوں! تو اپنی دولت پر سانپ بنا بیٹھا رہا، خرچ کرنے کی جگہوں میں بھی خرچ نہیں کیا، اللہ کا حق بھی ادا نہیں کیا، پس اب چکھ اس کا مزہ! اور عذاب کا یہ سلسلہ حساب و کتاب پورا ہونے تک جاری رہے گا، ظاہر ہے اتنی سخت سزا غیر فرض پر نہیں دی جاسکتی، معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

پھر آخر آیت میں فرمایا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے تو سب مال اسی کا ہو رہے گا، جس کا حقیقت میں پہلے سے تھا، انسان اس کو اپنے اختیار سے دے تو ثواب پائے گا، اور وہ بخل یا سخاوت جو کچھ کرے گا اور جس نیت سے کرے گا؟ اللہ کو سب خبر ہے، اسی کے موافق بدلہ دے گا۔

آیت پاک: اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخیلی کرتے ہیں اس مال میں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے کہ وہ بخیلی ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ وہ بخیلی ان کے حق میں بری ہے، عنقریب وہ مال جس میں وہ بخیلی کیا کرتے تھے قیامت کے دن ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کا متروکہ مال ہے، اور اللہ کو ان اعمال کی خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو!

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْإِنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

لَقَدْ	بجدا واقعہ یہ ہے	قَوْلَ	بات	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
سَمِعَ	سن لی	الَّذِينَ	ان کی جنھوں نے	فَقِيرٌ	فقیر ہیں
اللَّهُ	اللہ نے	قَالُوا	کہا	وَنَحْنُ	اور ہم

آغْنِيَاءُ	مالدار ہیں	ذُوقُوا	چکھو	أَيِّدْ يَكُمُ	تمہارے ہاتھوں نے
سَنَكْتُبُ	اب لکھتے ہیں ہم	عَذَابَ	عذاب	وَ أَنْ ^(۲)	اور اس وجہ سے ہے کہ
مَا قَالُوا	جو کہا انھوں نے	الْحَرِيْقِ	آگ کا	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ
وَقَتْلَهُمْ ^(۱)	اور ان کے خون کرنے کو	ذَلِكَ	یہ بات	لَيْسَ بِظُلْمٍ ^(۳)	قطعاً حلقی کرنے
الْأَنْبِيَاءِ	انبیاء کا	بِمَا	ان کاموں کی وجہ سے	وَالَّذِينَ	والے نہیں
بَغَيْرِ حَقِّ	ناحق	هِيَ	ہے جو	لِلْعَبِيدِ	بندوں کی
وَنَقُولُ	اور کہیں گے ہم	قَدَّامَتْ	آگے بھیجے ہیں		

یہود کی شانِ خداوندی میں گستاخی اور اس کی سزا

اب ایک آیت میں اللہ کی عظمت کا بیان ہے، پس یہ توحید کا مضمون ہے، یہود انتہائی بخل کی وجہ سے جہاد کے لئے پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتے تھے، بلکہ جب وہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم سنتے تو اس کا مذاق اڑاتے، جب آیت کریمہ: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ نازل ہوئی تو یہود کہنے لگے: لو، اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے، معلوم ہوا: وہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے تمہاری بات سن لی ہے اور ہم نے اس کو تمہارے نامہ اعمال میں لکھ لیا ہے، اس پر جو کاروائی ہوگی اس کے منتظر ہو۔

اور یہی ایک گندی بات تمہارے نامہ اعمال میں درج نہیں، بلکہ تمہاری قوم کی ایک دوسری ناپاک حرکت: معصوم انبیاء کو ناحق قتل کرنا بھی تمہارے نامہ اعمال میں درج ہے، کیونکہ تم اپنے آباء کی اس ناپاک حرکت کو بہ نظر استحسان دیکھتے ہو، جب تمہاری یہ مسل پیش ہوگی تو فیصلہ ہوگا کہ اپنی خباثوں کا مزہ چکھو اور دوزخ میں داخل ہو جاؤ، یہ تمہارے آگے بھیجے ہوئے اعمال کی سزا ہے، اور یہ سزا اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی قطعاً حق تلفی نہیں کرتے، تم دوزخ کے مستحق ہو، اگر تم کو دوزخ میں نہ ڈالا جائے تو یہ تمہاری حق تلفی ہے، اور اللہ کی بارگاہِ ظلم (حق تلفی) سے پاک ہے۔

فائدہ: انفاق کا حکم اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ اس میں بندوں کا فائدہ ہے، اور اس کو قرض اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کا عوض دنیا میں بہ شکلِ غنیمت ملتا ہے اور آخرت میں اضعافاً مضاعفہً ملے گا۔

آیاتِ پاک: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں!

(۱) قتلہم کا عطف ما قالو پر ہے (۲) أن: کا عطف ما پر ہے، ای بان۔ (۳) ظلام: مبالغہ ہے، پس نفی کی جانب میں مبالغہ

ہوگا۔

ہم ان کی یہ بات اور ان کا انبیاء کو ناحق قتل کرنا لکھ رہے ہیں، اور ہم کہیں گے: آگ کا عذاب چکھو! یہ سزا تمہارے آگے بھیجے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہے، اور اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ قطعاً بندوں کی حق تلفی نہیں کرتے!

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَا نُوْمِنُ لِرِسُوْلٍ حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبٰنٍ
تَاْكَلُهٗ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالذِّى قُلْتُمْ فَلِمَ
قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۵۰﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ
جَاءُوْا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۵۱﴾

اب اگر جھٹلایا انہوں نے آپ کو تو یقیناً جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے آئے وہ معجزات کے ساتھ اور صحیفوں کے ساتھ اور کتابوں کے ساتھ روشن کرنے والی	فَاِنْ كَذَّبُوْكَ	کہو تحقیق آئے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے واضح معجزات کے ساتھ اور اس کے ساتھ جو تم نے کہا پس کیوں قتل کیا تم نے ان کو اگر ہو تم سچے	قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالذِّى قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	انہی نے کہا بے شک اللہ نے ہم سے قول و قرار کیا ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں کسی بھی رسول پر یہاں تک کہ لائے وہ ہمارے پاس ایسی بھیئت (ندرونیاں) جس کو کھا جائے آگ	الَّذِينَ (۱) قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَا نُوْمِنُ لِرِسُوْلٍ حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبٰنٍ تَاْكَلُهٗ النَّارُ
--	--------------------	---	---	---	--

یہود کو نبی ﷺ پر ایمان تو لانا نہیں تھا اس لئے پکھ نکالی!

توحید کے بعد اب رسالت کو لیتے ہیں، انہی لوگوں نے جنہوں نے اللہ پاک کو فقیر قرار دیا تھا: یہ بھی کہا کہ اللہ پاک

(۱) اللذین: پہلے اللذین کی صفت یا بدل ہے، یعنی انہی یہود نے یہ بات بھی کہی، موصوف صفت اور بدل مبدل ایک ہوتے ہیں، اور معطوف معطوف علیہ میں کچھ فرق ہوتا ہے۔

نے ہم سے قول و قرار لیا ہے کہ ہم اسی رسول پر ایمان لائیں جو سوختنی قربانی پیش کرے، اور آپ ﷺ یہ قربانی پیش نہیں کرتے، بلکہ غنیمت ان کا ترلقمہ ہے، اس لئے ہم ان پر ایمان نہیں لاتے۔

اللہ نے ان کی یہ بات بھی سن لی ہے، یہ انہوں نے گپ اڑائی ہے، ایسی بھینٹ پیش کرنا رسالت کے لئے کبھی شرط نہیں رہا، سوختنی قربانی معجزہ، کرامت اور کرشمہ کے قبیل سے ہے، اور معجزات رسول کے اختیار میں نہیں ہوتے، اللہ کے اختیار میں ہوتے ہیں، جب اللہ چاہتے ہیں نبی/ولی کرشمہ دکھاتا ہے۔

ماضی میں سب سے پہلے ایسی ایک نیاز کا تذکرہ سورۃ المائدہ (آیت ۲۷) میں ہے، ہابیل کی نیاز قبول ہوئی، آگ نے اس کو کھالیا، اور قابیل کی نیاز رد ہو گئی، اس لئے کہ وہ ناقابل تھا۔ پھر الیاس علیہ السلام (الیاہ نبی) کا واقعہ سلاطین باب ۱۹۱۸ میں آیا ہے، ان کی قربانی کو بھی آگ نے جلایا تھا، اور مال غنیمت کو آگ کا جلانا تو معروف ہے، گذشتہ امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی، بنی اسرائیل جہاد کر کے مال غنیمت لا کر بیت المقدس میں ایک خاص جگہ رکھ دیتے تھے، سفید آگ آتی اور اس کو خاکستر کر دیتی، اور یہ جہاد کی مقبولیت کی علامت ہوتی۔

گذشتہ امتوں کا جہاد چونکہ وقتی اور محدود تھا، اس لئے غنیمت ان کے لئے حلال نہیں کی گئی، تاکہ اخلاص باقی رہے، اور اس امت کا جہاد دائمی ہے، اسلام عالم گیر مذہب ہے، اور اس کے دشمن بہت ہیں، اس لئے مجاہدین کے پاس کمانے کا وقت نہیں، چنانچہ اس امت کے لئے مال غنیمت حلال کیا، اور سوختنی قربانی کا سلسلہ موقوف ہوا۔ یہود نے یہی پکھ نکالی کہ ہم آپ پر ایمان اس لئے نہیں لاتے کہ آپ سوختنی قربانی پیش نہیں کرتے، غنیمت کو کھاتے ہیں، اور اللہ نے ہم سے قول و قرار لیا ہے کہ ہم ایسے رسول کو نہ مانیں جو سوختنی قربانی پیش نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں: زمانہ ماضی میں اللہ کے رسول معجزات کے ساتھ اور سوختنی قربانی کے ساتھ آئے، حضرات زکریا اور یحییٰ علیہما السلام بیت المقدس کے ذمہ دار تھے، ان کے زمانہ میں مال غنیمت کو آگ جلاتی تھی، پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا؟ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ ہمیں اسی رسول پر ایمان لانے کا حکم ہے جو سوختنی قربانی پیش کرے! پھر تیسری آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دی ہے کہ تکذیب رسل کا سلسلہ قدیم ہے، آج یہ کوئی نئی بات نہیں، پہلے جو انبیاء معجزات اور چھوٹی بڑی کتابوں کے ساتھ مبعوث ہوئے، ان کی بھی لوگوں نے تکذیب کی ہے، آج یہود یہ حرکت کر رہے ہیں تو کوئی نئی بات نہیں، آپ دل گیر نہ ہوں۔

آیات کریمہ: انہی لوگوں نے کہا: بے شک اللہ نے ہم سے قول و قرار لیا ہے کہ ہم کسی بھی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں: جب تک وہ ایسی نیاز نہ پیش کرے جس کو آگ کھا جائے، آپ کہیں: مجھ سے پہلے تمہارے پاس رسول کھلی

نشانیوں اور وہ چیز لے کر آئے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو، پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو؟ اب اگر وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو بالیقین آپ سے پہلے بھی ان رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آئے ہیں!

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۚ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿٥٣٧﴾

كُلُّ نَفْسٍ	ہر جان	يَوْمَ الْقِيَامَةِ	قیامت کے دن	فَقَدْ	تو یقیناً
ذَائِقَةُ	چکھنے والی ہے	فَمَنْ	پس جو شخص	فَازَ	کامیاب ہو گیا
الْمَوْتِ	موت کو	زُحِرَ	دور ہٹایا گیا	وَمَا الْحَيَاةُ	اور نہیں ہے زندگی
وَإِنَّمَا	اور اس کے سوا نہیں کہ	عَنِ النَّارِ	دوزخ سے	الدُّنْيَا	دنیا کی
تُوَفَّقُونَ	پورا پورا دیئے جاؤ گے تم	وَأُدْخِلَ	اور داخل کیا گیا	إِلَّا مَتَاعُ	مگر برتنے کا سامان
أُجُورَكُمْ	تمہارا بدلہ	الْجَنَّةَ	جنت میں	الْغُرُورِ	دھوکہ دینے والا

دوزخ سے بچ جانا اور جنت میں پہنچ جانا اصل کامیابی ہے

اب ایک آیت میں آخرت کا مضمون ہے، ہر شخص کو دنیا چھوڑنی ہے، موت کا مزہ سب کو چکھنا ہے، پھر قیامت کے دن ہر اچھے برے کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، آخرت میں جو دوزخ سے بچ جائے گا اور جنت میں پہنچ جائے گا اس کے وارے نیارے! اور جو جنت سے محروم رہے گا اور جہنم رسید ہوگا اس کی لٹیا ڈوبی! اور جو لوگ دنیا کی عارضی بہار پر مفتون ہیں وہ دھوکہ خوردہ ہیں، دنیا کا مال و منال تو چند روز برتنے کا سامان ہے، پھر ہاتھ سے نکل جانے والا ہے، فرزانہ وہ ہے جو دنیا کی حقیقت کو سمجھے، اور اصل کامیابی کو سوچے اور آخرت کی تیاری میں لگا رہے، اور جاہل صوفیاء کا قول: ”ہمیں نہ جنت کی طلب نہ دوزخ کا ڈر!“ زبل بازی ہے۔

آیت پاک: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تمہیں قیامت کے دن تمہارا پورا پورا بدلہ چکایا جائے گا، پس جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ بالیقین کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی محض دھوکہ دینے والی چند روز برتنے کا سامان ہے!

كُتِبَ لَكُمْ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ تَلْتَسَعُونَ مِنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ

قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذَىٰ كَثِيرًا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ
مِنَ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۳۸﴾

لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْتَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا	ضرور آزمائے جاؤ گے تم تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں میں اور ضرور سنو گے تم ان لوگوں سے جو دیئے گئے	الْكِتَابِ مِنَ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذَىٰ كَثِيرًا	آسمانی کتاب تم سے پہلے اور ان سے جنہوں نے شریک ٹھہرایا تکلیف (بدگوئی) بہت	وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنَ عَزْمِ الْأُمُورِ	اور اگر صبر کرو تم اور احتیاط رکھو تم تو بے شک وہ پختہ کاموں سے ہے
--	---	---	--	---	--

دل آزاری کی باتیں سن کر صبر و تحمل سے کام لینا اولوالعزمی کا کام ہے

مسلمانوں کی بھی جان و مال میں آزمائش ہوگی، قتل کیا جانا، زخمی ہونا، قید و بند کی تکلیف برداشت کرنا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا، اقارب سے ٹھٹھانا: اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی، نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سننی پڑیں گی، کبھی وہ پیغمبر اسلام پر کچھڑا اچھالیں گے، کبھی غیر واقعی فیچر شائع کریں گے، جن کو سن کر اور دیکھ کر دل چھلانی ہو جائے گا، کبھی تعلیمات اسلام پر اعتراض کریں گے اور طرح طرح سے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کریں گے: ان سب باتوں کا علاج صبر و تحمل سے کام لینا، تقویٰ شعار رہنا اور کافروں کی چالوں سے واقف رہنا ہے، یہ ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہے، اس کو برداشت کرنے کے لئے بڑے دل گردے کی ضرورت ہے، ایسے حالات میں اوچھاپن کبھی شامتِ اعداد کا سبب بن جاتا ہے۔

فائدہ: صبر کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تدبیر نہ کرے، یا مواقع انتقام میں انتقام نہ لے، یا مواقع قتال میں قتال نہ کرے، بلکہ حوادث سے دل تنگ نہ ہو، کیونکہ اس میں تمہارے لئے منافع و مصالح ہیں، اور تقویٰ یہ کہ خلاف شرع امور سے بچے، گوند بیر بھی کرے (بیان القرآن)

آیت کریمہ: تم ضرور آزمائے جاؤ گے تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں میں، اور تم ضرور سنو گے دل آزاری کی بہت سی باتیں ان لوگوں سے جو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دیئے گئے ہیں — یعنی یہود و نصاریٰ سے — اور مشرکین سے، اور اگر صبر کرو تم اور پرہیز (احتیاط) رکھو تم تو وہ ہمت کے کاموں سے ہے!

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۚ
فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۸۵﴾

وَإِذْ	اور (یاد کرو) جب	لَتُبَيِّنُنَّهُ	ضرور بیان کرو گے تم	وَإِذْ	پچھے
أَخَذَ	لیا	لِلنَّاسِ	اس کو	ظُهُورِهِمْ	اپنی پیٹھوں کے
اللَّهُ	اللہ نے	وَلَا	لوگوں کے لئے	وَاشْتَرَوْا	اور مولیٰ انھوں نے
مِيثَاقَ	عہد و پیمان	وَلَا	اور نہیں	بِهِ	اس کے بدل
الَّذِينَ	ان لوگوں سے جو	تَكْتُمُونَهُ	چھپاؤ گے تم اس کو	ثَمَنًا قَلِيلًا	تھوڑی قیمت
أُوتُوا	دیئے گئے	فَنَبَذُوهُ	پس پھینک دیا انھوں	فَبُئْسَ	پس برا ہے
الْكِتَابَ	آسمانی کتاب	مَا يَشْتَرُونَ	نے اس کو	مَا يَشْتَرُونَ	جو خرید انھوں نے

علمائے اہل کتاب دنیا کی محبت میں پھنس کر احکام و بشارات چھپاتے تھے

اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارات اللہ کی کتاب میں ہیں ان کو صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔ مگر انھوں نے اس کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی، اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان کو پس پشت ڈال دیا، تورات کے احکام کو چھپاتے تھے، اور رشوت لے کر غلط فتوے دیتے تھے، اور نبی ﷺ کے تعلق سے جو بشارات تھیں ان کو بہت زیادہ چھپاتے تھے، اور وہ ایسا متاع دنیا کی محبت میں کرتے تھے، پس نف ہے ایسی محبت پر! — اس میں مسلمان اہل علم کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کریں، اللہم احفظنا منه!

آیت کریمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد و پیمان لیا کہ وہ اپنی کتاب کو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کریں، اور اس کو چھپائیں نہیں، پس ان لوگوں نے اس حکم کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا، اور اس کے عوض میں حقیر معاوضہ لے لیا، پس بری ہے وہ چیز جس کو وہ لے رہے ہیں!

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۸۶﴾

لَا تَحْسَبَنَّ	ہرگز گمان مت کرو تم	الَّذِينَ	ان لوگوں کو جو	يَفْرَحُونَ	خوش ہوتے ہیں
-----------------	---------------------	-----------	----------------	-------------	--------------

نجات کی جگہ میں	بِمَقَازِقِهِ ^(۲)	اس کام پر جو	بِمَا	اس کام سے جو	بِمَا
عذاب سے	مِّنَ الْعَذَابِ	نہیں کیا انہوں نے	لَمْ يَفْعَلُوا	کیا انہوں نے	أَتُوا ^(۱)
اور ان کے لئے	وَلَهُمْ	ہرگز گمان نہ کریں	فَلَا تَحْسَبَنَّاهُمْ	اور پسند کرتے ہیں وہ	وَيُحِبُّونَ
دردناک عذاب ہے	عَذَابٌ أَلِيمٌ	آپ ان کو	آپ ان کو	کہ تعریف کئے جائیں	أَن يُحْمَدُوا

یہود اپنے غلط کئے ہوئے کام پر خوش ہوتے تھے اور صحیح نہ کئے ہوئے کام پر تعریف کے خواہاں ہوتے تھے غلط کئے ہوئے پر خوش ہونا اور صحیح نہ کئے ہوئے پر تعریف کا خواہاں ہونا: یہود و منافقین کا شیوہ تھا۔ جب علمائے یہود سے مسلمان وہ بشارات پوچھتے جو نبی ﷺ کے بارے میں ان کی کتابوں میں ہیں تو وہ تحریف کر کے کچھ کا کچھ بتاتے، اور صحیح بات چھپانے پر خوش ہوتے اور غلط بات بتانے پر مسلمانوں سے تعریف کے خواہاں ہوتے کہ ہم نے فرمائش کی تعمیل کر دی۔

اسی طرح جب کوئی جہاد کا موقع آتا تو منافقین گھروں میں بیٹھ رہتے اور بغلیں بجاتے کہ کیسے بچ گئے! پھر جب نبی ﷺ جہاد سے لڑتے تو جھوٹے بہانے بناتے، اور چاہتے کہ نبی ﷺ ان کی ستائش کریں اور کہیں کہ تم نے ٹھیک کیا، تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔

یہ یہود و منافقین آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے، ان کو دردناک سزا دی جائے گی، دنیا میں اگر انہوں نے اپنا آلو سیدھا کر لیا تو کیا ہوتا ہے؟ دنیا چند روز کی ہے، اصل آخرت ہے، وہاں عذاب سے کیسے بچیں گے؟ فائدہ: کئے پر خوش ہونا اور نہ کئے پر تعریف کا خواہاں ہونا انسان کی بڑی کمزوری ہے، مگر آیت میں اس کا ذکر نہیں، آیت میں صحیح بات نہ بتانا اور خوش ہونا اور غلط بات بتا کر تعریف کا خواہاں ہونا، جو یہود و منافقین کا شیوہ تھا، اس کی برائی ہے اور اس پر وعید سنائی ہے۔

آیتِ کریمہ: آپ ہرگز گمان نہ کریں ان لوگوں کو جو اپنے (غلط) کئے ہوئے پر خوش ہوتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے اس کام پر جو انہوں نے نہیں کیا، پس آپ ان کو ہرگز عذاب سے بچا ہوا خیال نہ کریں، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے!

وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۹﴾

(۱) بما أتوا: بما فعلوا (جلالین) ایتیان سے: آنا اور بہ: مقدر ہے تو ترجمہ لانا ہوگا۔ (۲) مفازة: ظرف مکان۔

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٧﴾
 رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٨﴾ رَبَّنَا
 إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ ۖ فَآمَنَّا ۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
 ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩﴾ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ
 رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾

وَاللَّهُ	اور اللہ کے لئے ہے	لآيَاتٍ	البتہ نشانیاں ہیں	هَذَا	اس کو
مُلْكٌ	حکومت	لِلْأُولِي الْأَلْبَابِ	خالص عقل والوں کیلئے	بَاطِلًا	بے مقصد (عبث)
السَّمَوَاتِ	آسمانوں	الَّذِينَ	جو لوگ	سُبْحٰنَكَ	پاک ہے آپ کی ذات
وَالْأَرْضِ	اور زمین کی	يَذْكُرُونَ	یاد کرتے ہیں	فَقِنَا	پس بچا ہمیں
وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ کو	عَذَابَ النَّارِ	دوزخ کی آگ سے
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	قِيَمًا	کھڑے	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!
قَدِيرٌ	قادر ہیں	وَقُعُودًا	بیٹھے	إِنَّكَ	بے شک آپ
لَاتٌ	بے شک	وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ	اور اپنی کروٹوں پر	مَنْ تَدْخِلِ	جس کو داخل کریں
فِي خَلْقِ	بنانے میں	وَيَتَفَكَّرُونَ	اور سوچتے ہیں	النَّارِ	دوزخ میں
السَّمَوَاتِ	آسمانوں	فِي خَلْقِ	بنانے میں	فَقَدْ	تو بالیقین
وَالْأَرْضِ	اور زمین کے	السَّمَوَاتِ	آسمانوں	أَخْرَجْتَهُ	رسوا کیا آپ نے اس کو
وَاخْتِلَافِ	اور آنے جانے میں	وَالْأَرْضِ	اور زمین کے	وَمَا لِلظَّالِمِينَ	اور نہیں ہے نا انصافوں
اللَّيْلِ	شب	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	مِنْ أَنْصَارٍ	کے لئے
وَالنَّهَارِ	درواز کے	مَا خَلَقْتَ	نہیں پیدا کیا آپ نے		کوئی بھی مددگار

جس کا وعدہ فرمایا ہے	مَا وَعَدْتَنَا	اے ہمارے رب!	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	رَبَّنَا
آپ نے ہم سے	عَلَىٰ رُسُلِكَ	پس بھیجے ہمارے لئے	فَاغْفِرْ لَنَا	پیشک ہم نے	إِنَّا
اپنے رسولوں کی معرفت	وَلَا تُخْزِنَا	ہمارے گناہ	ذُنُوبَنَا	سنا ہم نے	سَمِعْنَا
اور نہ رسوا کیجئے ہمیں	يَوْمَ الْقِيَامَةِ	اور مٹائیے ہم سے	وَكَفِّرْ عَنَّا	ایک پکارنے والے کو	مُنَادِيًا
قیامت کے دن	إِنَّكَ	ہماری برائیاں	سَيِّئَاتِنَا	پکارتا ہے	يُنَادِي
بے شک آپ	لَا تُخْلِفُ	اور موت دیجئے ہمیں	وَتَوْفَّقْنَا	ایمان کے لئے	لِلْإِيمَانِ
نہیں خلاف کریں گے	الْمُبْعَادَ	نیک لوگوں کے ساتھ	مَعَ الْأَبْرَارِ	کہ ایمان لاؤ	أَنْ أَمِنُوا
وعدہ کے		اے ہمارے رب!	رَبَّنَا	اپنے پروردگار پر	بِرَبِّكُمْ
		اور عطا فرمائیے ہمیں	وَآتِنَا	پس ایمان لائے ہم	فَأَمِنَّا

حکومت اللہ قادر مطلق کی ہے

یہ دو منافقین جو غلط بیانی کر کے خوش ہوتے تھے اور صحیح بات چھپا کر تعریف کے خواہاں ہوتے تھے: وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے، اس لئے کہ کائنات پر حکومت اللہ کی ہے، مجرم بھاگ کر کہاں جائے گا؟ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اس کو سزا دے سکتے ہیں، اس طرح توحید، رسالت، آخرت، ذکر و فکر اور دعا کے مضامین پیدا ہو گئے۔

﴿وَاللَّهُ مُدَبِّرُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

ترجمہ: اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

توحید کے دلائل اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کی دعائیں

اگر عقلمند آدمی آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرے، اور رات دن کے الٹ پھیر کو سوچے تو وہ یقین کر سکتا ہے کہ یہ عظیم کارخانہ اور مضبوط نظام کسی قادر مطلق فرمان روا کے وجود کی دلیل ہے اور وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ عقلمند بندے کسی حال میں اللہ سے غافل نہیں ہوتے، کھڑے، بیٹھے اور لیٹے اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور برابر کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں، اور وہ اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی، کیونکہ حکیم کوئی فضول کام نہیں کرتا۔

یہ دنیا اللہ نے اکیلی پیدا نہیں کی، اس کا جوڑا آخرت ہے، یہ دنیا آخرت کے مقصد سے پیدا کی گئی ہے، اور وہ مقصد

ہے تکلیف اور جزا و سزا، اللہ نے اس دنیا میں احکام دیئے ہیں، جو تعمیل کرے گا اس کو آخرت میں جزائے خیر ملے گی، اور جو نافرمانی کرے گا اور من مانی زندگی گزارے گا اس کو آخرت میں سزا ملے گی۔

جب عقلمند بندوں نے دنیا کا یہ مقصد پایا تو وہ تین دعائیں کرتے ہیں:

۱- اے ہمارے پروردگار! آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں وہ رسوا ہوگا، اور کافروں کو سزا سے کوئی بچا نہیں سکے گا، اور جن کو جنت عنایت فرمائیں وہ سرخ رو ہوگا اور فرشتے ان کے کام بنائیں گے۔

۲- اے ہمارے پروردگار! ایک منادی نے ایمان کی دعوت دی، ہم نے قبول کی اور ایمان لائے، پس ہمارے گناہ بخش دیں، ہماری برائیاں مٹادیں اور موت کے بعد ہمارا نیک بندوں کے ساتھ حشر فرمائیں!

۳- اے ہمارے پروردگار! آپ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ جس جنت کا وعدہ کیا ہے وہ وعدہ پورا فرمائیں، اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بچائیں! آپ وعدہ خلافی ہرگز نہیں کرتے!

یہ تو آیات کی مسلسل تقریر تھی، اب چار باتوں کی تفصیل عرض ہے:

۱- کائنات میں عقلمندوں کے لئے توحید کی نشانیاں ہیں: عقل مند آدمی جب آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتا ہے تو اس کے عجیب و غریب احوال سامنے آتے ہیں، اسی طرح دن رات کے مضبوط و مستحکم نظام میں غور کرتا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ کوئی قادر مطلق ہے جو اس پورے نظام پر کنٹرول کر رہا ہے، ورنہ یہ محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔

۲- اللہ نے آسمانوں اور زمین کا کارخانہ عیب نہیں بنایا: مومن بندے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، ہر وقت ان کے دل میں اللہ کی یاد ہی رہتی ہے اور زبان پر ان کا ذکر جاری رہتا ہے، اور جب وہ آسمان و زمین میں غور کرتے ہیں تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلتا ہے: یہ عظیم الشان کارخانہ اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں بنایا، ضرور اس کا کوئی مقصد ہے، یہاں سے ان کا ذہن آخرت کی طرف منتقل ہوتا ہے جو موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے، پس وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں، اور اس کے لئے جتن بھی کرتے ہیں۔

فائدہ: آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الہیہ میں غور و فکر کرنا وہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں محقق اور سائنس داں کہا کرے، مگر قرآن کی زبان میں وہ اولوالالباب نہیں ہو سکتے، بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں (نوائد عثمانی)

۳- دوزخ رسوائی کا گھر ہے، اس سے بچنے کا سامان کریں: دوزخ رسوائی کا گھر ہے اور جو جس قدر دوزخ میں

رہے گا، اسی قدر اس کے لئے رسوائی ہوگی، پس دائمی رسوائی صرف کفار کے لئے ہوگی، اور عصمتِ مؤمنین جب دوزخ سے نجات پائیں گے تو ان کی رسوائی ڈھل جائے گی۔ اور جس کے لئے اللہ کا فیصلہ دوزخ میں ڈالنے کا ہوگا اس کو کوئی حمایت کر کے بچا نہیں سکتا، ہاں بہ اذنِ الہی سفارش کر کے شفعاۓ بخشوائیں گے۔

۴- ایمان و عمل صالح ہی آخرت کی رسوائی سے بچائیں گے: ایمان کی دعوت نبی ﷺ نے دی، مؤمن بندوں نے قبول کی اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کیا، یہی چیز رسوائی سے بچائے گی اور جنت میں باعزت پہنچائے گی۔

﴿لَا تَفِيءُ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِثٰتِ الْاَيۡمٰنِ وَالنَّهَارِ لَآلِئِهٖ الْاَلْبَابِ ﴿۴﴾﴾

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے میں، اور رات دن کے آنے جانے میں خالص عقل والوں کے لئے بالیقین (توحید کی) نشانیاں ہیں — ﴿وَاٰخِثٰتِ الْاَيۡمٰنِ وَالنَّهَارِ﴾ کے دو مطلب ہیں: ایک: ایک کے بعد دوسرے کا آنا۔ دوم: شب و روز کا گھٹنا بڑھنا۔

﴿الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قَعُوۡدًا وَّ عَلٰۤى جُنُوۡبِهِمۡ﴾

ترجمہ: (عقل مند بندے وہ ہیں) جو اللہ کو (ہر حال میں) یاد کرتے ہیں: کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔ مسئلہ: فرض اور واجب نمازوں میں قیام و رکوع و سجود فرض ہیں، اور اگر کھڑے ہونے کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھے، رکوع و سجود کی بھی استطاعت نہ ہو تو اشارے سے پڑھے۔ اور بیٹھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو کروٹ پر یا چت لیٹ کر پڑھے اور رکوع و سجود اشارے سے کرے، یہ مسئلہ اسی آیت سے مستنبط ہے۔

﴿وَيَتَفَكَّرُوۡنَ فِيۡ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ﴾

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کے بنانے میں غور کرتے ہیں۔

تفسیر: پہلا غور کرنا تو حید اور وجود باری تک پہنچنے کے لئے تھا، اور یہ غور کرنا مقصد کائنات کو پانے کے لئے ہے۔

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۗ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۵﴾ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ

النَّارَ فَقَدْ اٰخَرْتَهُ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنْ اَنْصٰرٍ ﴿۵﴾﴾

ترجمہ: (جب مقصد کائنات سمجھ لیتے ہیں تو کہتے ہیں:) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ کائنات بے مقصد پیدا نہیں کی — بلکہ آخرت کے مقصد سے پیدا کی ہے — آپ کی ذات پاک ہے! — آپ کوئی کام بے مقصد نہیں کرتے، یہ خامی اور عیب ہے، اور آپ ہر عیب سے پاک ہیں — پس آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیں — اور جنت میں داخل کریں — اے ہمارے پروردگار! آپ جس کو دوزخ میں داخل کریں گے تو آپ نے اس کو

یقیناً رسوا کیا — اور جس کو جنت میں داخل کریں گے تو آپ نے اس کو یقیناً باعزت کیا — اور ظالموں (مشرکوں) کے لئے کوئی بھی مددگار نہیں — اور مومنوں کے کارساز فرشتے اور سفارش کرنے والے ہیں، اور سب سے بڑی سفارش پروردگار عالم کی ہوگی۔

﴿ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْآبِرَارِ ۝ ﴾

(دوسری دعا:) اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے (رسول یا قرآن) کو سنا جو پکار رہا ہے کہ ”اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ“ پس ہم ایمان لائے! اے ہمارے پروردگار! پس ہمارے گناہ بخش دے، اور ہماری برائیاں مٹا دے، اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دے! — پہلا ایمان عقلی تھا یہ ایمان سمعی ہے۔

﴿ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ ﴾

(تیسری دعا:) اے ہمارے پروردگار! اور آپ نے ہم سے اپنے رسولوں کی معرفت جو وعدہ فرمایا ہے: وہ ہمیں عطا فرما! اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ فرما! بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے! — اس لئے امید ہے کہ ہماری یہ دعا قبول ہوگی۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۗ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

فَاسْتَجَابَ	پس قبول کی (دعا)	عَامِلٍ	کسی کام کرنے والے کا	مِّنْ بَعْضٍ	بعض سے ہے
لَهُمْ رَبُّهُمْ	ان کیلئے ان کے رب نے	مِّنْكُمْ	تم میں سے	فَالَّذِينَ	پس جنہوں نے
أَنِّي	کہ میں	مِّنْ ذَكَرٍ	مرد سے	هَاجَرُوا	ہجرت کی
لَا أُضِيعُ	نہیں ضائع کرتا	أَوْ أُنْثَىٰ	یا عورت سے	وَأُخْرِجُوا	اور نکالے گئے وہ
عَمَلٍ	کام	بَعْضُكُمْ	تمہارا بعض	مِّنْ دِيَارِهِمْ	ان کے گھروں سے

وَأُوذُوا رَفِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقَاتِلُوا لَا كُفْرَانَ عَنْهُمْ	اور ستائے گئے وہ میرے راستے میں اور لڑے وہ اور مارے گئے وہ ضرور مٹاؤں گا میں ان سے	سَيَاتِيهِمْ وَأَلَدُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا	ان کی برائیاں اور ضرور داخل کروں گا میں ان کو باغات میں بہتی ہیں ان میں	الْأَنْهَارُ ثَوَابًا ^(۱) مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ	نہریں بدلہ کے طور پر اللہ کے پاس سے اور اللہ تعالیٰ ان کے پاس اچھا بدلہ ہے
--	---	---	--	--	---

اللہ نے نیک بندوں کی دعائیں قبول کیں، اور مہاجر شہداء کا تذکرہ خاص طور پر کیا

اللہ تعالیٰ نے نیک مومنین کی مذکورہ دعائیں قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتے، خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں ایک نوع کی دو صنفیں ہیں، تفصیل سورۃ النساء کی پہلی آیت میں آئے گی، پس جو بھی اچھا کام کرے گا، اس کا پھل پائے گا۔

پھر مہاجر شہداء کا خاص طور پر تذکرہ کیا، یہ وہ بندے ہیں جن کو کفر و شرک چھوڑنے کی وجہ سے وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، وہ دارالاسلام کی طرف نکل گئے، وہاں بھی ان کے لئے زمین تنگ کر دی، بڑھ بڑھ کر حملے کئے تو مجبوراً ان سے لڑنا پڑا، اور شہید ہوئے: ان بندوں کے گناہ اللہ تعالیٰ ضرور معاف کریں گے، اور ان کو سدابہار باغات میں داخل کریں گے، یہ ان کے عمل کا بدلہ ہے، اور اللہ کے یہاں ان کے لئے اور بھی اچھا بدلہ ہے، وہ جمال خداوندی کے دیدار سے شاد کام ہونگے۔

آیت کریمہ: پس ان کے پروردگار نے ان کے فائدے کے لئے ان کی دعائیں قبول کیں، اس لئے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ مرد ہو یا عورت، تمہارا ایک دوسرے سے ہے!

پھر جن لوگوں نے ہجرت کی، اور وہ ان کے گھروں سے نکالے گئے، اور میری راہ میں (دین کی وجہ سے) ستائے گئے، اور وہ لڑے اور مارے گئے: میں ضرور ان کے گناہوں کو معاف کروں گا، اور میں ضرور ان کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن میں نہریں رواں ہیں، یہ بطور بدلہ ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ کے پاس (اور بھی) بہترین بدلہ ہے!

لَا يَغْفِرُكَ تَقَلُّبُ الدِّينِ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۗ مَتَاءً قَلِيلًا ۗ ثُمَّ مَا أُوتُوا

(۱) ثوابا: لادخلنہم اور لا کفرن کا مفعول مطلق برائے تاکید ہے، یہ ان کے ہم معنی ہے، ای لا یغفرنہم ثوابا (جمل)

جَهَنَّمَ، وَيَبُئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۲﴾ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿۵۳﴾
وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ
خُشِعِينَ لِلَّهِ ۖ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۵۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۵۵﴾

۲۰۵۳

اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو
اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو
اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو
اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو
اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو
اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو
اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو
اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو
اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو
اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو	اور ہرگز دھوکہ نہ دے تجھ کو

(۱) لا یغرنک: فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ غرٌ فلاناً: دھوکہ دینا، باطل کی طرف مائل کرنا۔ (۲) نزلا: جنات کا حال ہے ای
الجنات ضیافۃ لهم۔ (۳) خشیعین: یؤمن کے فاعل کا حال ہے، فاعل من کی رعایت سے ہو ہے۔

اور مقابلہ میں صبر کرو	وَصَابِرُوا	جلدی حساب	سَرِيعٌ	تھوڑی پونجی	ثُمَّ قَلِيلًا
اور سرحد کا پہرہ دو	وَرَاطِبُوا	کرنے والے ہیں	الْحِسَابِ	انہی لوگوں کے لئے	أُولَئِكَ لَهُمْ
اور اللہ سے ڈرو	وَاتَّقُوا اللَّهَ	اے وہ لوگو جو	يَأْتِيهَا الَّذِينَ	ان کی مزدوری ہے	أَجْرُهُمْ
تاکہ	لَعَلَّكُمْ	ایمان لائے	آمَنُوا	ان کے رب کے پاس	عِنْدَ رَبِّهِمْ
کامیاب ہوؤ	تُقْلِحُونَ	صبر کرو	اصْبِرُوا	بے شک اللہ تعالیٰ	إِنَّ اللَّهَ

کافروں کی چاردن کی چاندنی سے کوئی دھوکہ نہ کھائے: یہ عارضی بہار ہے!

جن کافروں نے نبی ﷺ اور صحابہ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، اور مہاجرین بے خانمان ہو گئے: وہ دنیا میں دندناتے پھر رہے ہیں، فرماتے ہیں: کوئی ان کی خوش حالی سے دھوکہ نہ کھائے کہ وہ خوش عیش ہیں، یہ تو چاردن کی چاندنی ہے، عارضی بہار ہے، جیسے کسی کو پھانسی سے پہلے تو رمہ کھلایا جائے تو وہ کیا خوش عیش ہے! خوش عیش وہ ہے جو چند دن تکلیف اٹھا کر اندوختہ جمع کرے، پھر ہمیشہ کے لئے راحت سے ہمکنار ہو جائے۔

اور جنت کو مہمانی اس لئے کہا ہے کہ مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر نہیں کرنی پڑتی، بیٹھے بٹھائے عزت و آرام سے ہر چیز مل جاتی ہے۔ اور نیک بندوں کے لئے اللہ کے پاس جنت سے بڑھ کر نعمت ہے، اور وہ اللہ کی دائمی خوشی اور جمال خداوندی کا دیدار ہے، یہی ﴿زِيَادَةٌ﴾: بہت کچھ زائد ہے، جس کا تذکرہ سورۃ یونس (آیت ۲۶) میں ہے۔

﴿لَا يَغْرَبُكَ تَقَلُّبُ الدِّينِ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۗ مَتَاءً قَلِيلًا ۗ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ وَيُنْسُ الْمَهَادُ ۗ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْآبِرَارِ ۗ﴾

ترجمہ: آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ میں نہ ڈالے، یہ تو چند دن کے لئے فائدہ اٹھانا ہے، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا بچھونا ہے! ہاں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں — یعنی منہیات سے بچتے ہیں اور مامورات کو بجالاتے ہیں — ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن میں نہریں رواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک بندوں کے لئے بہتر ہے!

اہل کتاب (یہود و نصاری) کے لئے بھی جنت کے دروازے کھلے ہیں!

عام مومنین کے تذکرہ کے بعد اہل کتاب مومنین کا خصوصی تذکرہ کرتے ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان

کے رفقاء رضی اللہ عنہم، اور اس تذکرہ کا ایک مقصد یہ ہے کہ جنت: صرف شرک سے نکل آنے والے مومنین کے لئے نہیں، اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بھی اللہ پر ٹھیک طرح ایمان لائیں، قرآن کریم کو مانیں اور اپنی کتابوں کو بھی مانیں، اس لئے کہ قرآن خود تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے، اور وہ اللہ کے سامنے عاجزی اور اخلاص سے گریں، اکڑفوں چھوڑیں اور دنیا پرست احبار و رہبان کی طرح دنیا کے چند ٹکوں کی خاطر حق کو نہ چھپائیں نہ بدلیں، بشارات کو ظاہر کریں اور احکام میں تبدیلی نہ کریں تو ایسے پاک باہق پرست اہل کتاب کو حدیث کی رو سے دو ہر ا ثواب ملے گا، اور حساب کا دن دور نہیں، جلد آیا چاہتا ہے، اس دن ان مسلمانوں کو بھی بھر پور صلہ ملے گا۔

﴿وَلَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو یقیناً ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اور اس کتاب پر جو تمہاری طرف اتاری گئی ہے، اور اس کتاب پر جو ان کی طرف اتاری گئی ہے، جو اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں، اور معمولی قیمت میں اللہ کی باتوں (بشارات و احکام) کا سودا نہیں کرتے: انہی لوگوں کے لئے ان کی مزدوری ہے ان کے پروردگار کے پاس، بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والے ہیں!

دنیا و آخرت میں کامیابی کے چار گر

۱- سختیوں میں باہمت رہنا۔ ۲- مقابلہ میں ثابت قدمی دکھانا۔

۳- حفاظت کی پوری تیاری رکھنا۔ ۴- شریعت پر مکمل عمل کرنا۔

یہ سورت کی آخری آیت ہے، اور گویا پوری سورت کا خلاصہ ہے، دارین میں کامیابی کے چار گر ہیں:

۱- سختیوں میں باہمت رہنا، دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو جانا، کوئی جانی یا مالی آفت آئے تو جزع فزع نہ کرنا، اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا، صبر کے اصل معنی ہیں: روکنا، اس کی تین قسمیں ہیں: طاعات پر نفس کو روکنا یعنی پابندی سے عبادت ادا کرنا، مصائب میں نفس کو جزع فزع سے روکنا اور نفس کو گناہوں سے بچانا۔

۲- دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھانا، جس طرح دشمن میدان میں ڈٹا ہوا ہے خود بھی پتھر کی چٹان

بن جانا۔

۳- حفاظت کی پوری تیاری رکھنا، اسی سے حدود اسلام کی حفاظت ہوگی، جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ

ہو وہاں آہنی دیوار بن جانا۔ رِبَط کے معنی ہیں: باندھنا اور مُرَابَطَة (باب مفاعلہ) کے معنی ہیں: سرحد پر مقابلہ میں گھوڑے باندھنا۔

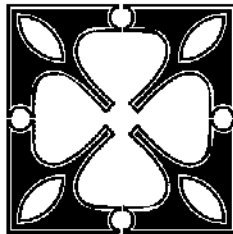
۴- اللہ سے ڈرنا یعنی منہیات سے بچنا، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا ہے: طاعات پر عمل کرنا یعنی شریعت کی مکمل پابندی کرنا۔

حدیث میں ہے: نبی ﷺ جب تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ سے آخر سورت تک تلاوت فرماتے تھے، پھر وضوء کر کے نماز شروع کرتے تھے

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! (کوئی مصیبت پہنچے تو) صبر کرو — یعنی باہمت رہو — اور (دشمن کے) مقابلہ میں مضبوط رہو، اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

آج بروز منگل ۵ شعبان ۱۴۳۸ھ مطابق ۲ مئی ۲۰۱۷ء کو سورۃ آل عمران کی تفسیر بفضلہ تعالیٰ پوری ہوئی۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ النساء

نمبر شمار ۴ نزول کا نمبر ۹۲ نزول کی نوعیت مدنی آیات ۱۷۶ رکوع ۲۴

آخر و اول ہم آہنگ: گذشتہ سورت: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ پر پوری ہوئی تھی، اور یہ سورت: ﴿اتَّقُوا رَبَّكُمْ﴾ سے شروع ہو رہی ہے، پس آخر و اول ہم آہنگ (موافق) ہیں، اللہ اور رب ایک ہیں، اللہ تو خالق و مالک کائنات کا اسم علم (ذاتی نام) ہے اور رب صفاتی نام ہے، رب: وہ ہستی ہے جو تین کام کرے: اول: کسی چیز کو عدم سے وجود میں لائے، نیست کو ہست کرے، دوم: بنی مخلوق کے بقاء کا سامان کرے، تاکہ وہ وجود میں آ کر فنا نہ ہو جائے، سوم: نوزائیدہ مخلوق کو بہ تدریج بڑھا کر منہمائے کمال (آخری پونٹ) تک پہنچائے، ظاہر ہے یہ تین کام اللہ کے سوا کون کرتا ہے؟ پس اللہ اور رب ایک ہیں۔

سورت کا نام: جاننا چاہئے کہ مرد و زن: نوع انسان کی دو صنفیں ہیں، اور دونوں کے احکام ایک ہیں، حدیث میں ہے: *ان النساء شقائق الرجال*: عورتیں مردوں کا حصہ ہیں، اور خربوزہ کی ایک پھانک میٹھی ہو تو دوسری بھی میٹھی ہوگی، اور ایک پھسکی ہو تو دوسری بھی ویسی ہی ہوگی، البتہ صنفی احکام مختلف ہیں، مگر وہ دو فیصد ہیں، اٹھانوے فیصد احکام مشترک ہیں، اس لئے قرآن و حدیث میں مردوں کو مخاطب کر کے احکام دیئے گئے ہیں، کیونکہ اسلام میں مردوں کو عورتوں پر بالادستی حاصل ہے، پس دونوں کے لئے احکام ایک ہیں، نماز، زکات، روزہ اور حج وغیرہ مردوں پر بھی فرض ہیں اور عورتوں پر بھی، البتہ حیض وغیرہ کے احکام صنفی احکام ہیں، وہ عورتوں کے لئے علاحدہ ہیں۔

پس جب اسلام میں مردوں کو عورتوں پر بالادستی حاصل ہے تو بیان احکام میں مردوں سے خطاب کیا جائے گا، اور افضل کو مخاطب بنایا جائے گا تو مفضل بھی مخاطب ہوگا، جیسے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو یہ حکم جنات کے لئے بھی تھا، سورۃ الکہف (آیت ۵۰) میں ہے: ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ﴾: ابلیس جنات میں سے تھا، پس وہ اپنے پروردگار کے حکم سے آوٹ ہو گیا! پس عورتوں کے لئے کوئی شکایت کا موقع نہیں تھا، مگر وہ صنف نازک ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قرآن میں کہیں بھی عورتوں کی ہجرت وغیرہ اعمالِ صالحہ

کا بالتخصیص ذکر نہیں آیا! اس پر سورۃ آل عمران کی آیت (۱۰۵) میں: ﴿ذَكَرَ أَوْ أُنْثَىٰ﴾ نازل ہوا، تاکہ ان کی اشک شوقی ہو جائے، اور بعض نیک خواتین نے عرض کیا: یا رسول اللہ! امہات المؤمنین کے تعلق سے سورۃ الاحزاب میں دس آیتیں نازل ہوئیں، مگر عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا! چنانچہ متصلاً (آیت ۳۵) نازل ہوئی، اور اس میں دس مرتبہ مردوں کے دوش بدوش عورتوں کا بھی تذکرہ کیا، یہ ان کی دلداری کے لئے تھا۔ اب ممکن ہے نیک بندیاں سوال کریں کہ آل عمران کے نام سے سورت آئی، اور آگے مریم کے نام سے بھی سورت آرہی ہے، مگر عام عورتوں کے نام سے کوئی سورت نہیں! اس لئے متصلاً ہی سورت النساء رکھ دی، تاکہ ان کی بات بھی رہ جائے! اس سورت کے شروع میں عورتوں کے احکام ہیں، پھر آگے عام احکام ہیں۔

عورتوں کی تخلیق کا مسئلہ

اس سورت کی پہلی آیت میں عورتوں کی تخلیق کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے، جاننا چاہئے کہ دو مسئلے الگ الگ ہیں، ان میں غت ربود نہیں کرنا چاہئے۔ ایک مسئلہ ہے: عام عورتیں کس طرح پیدا ہوتی ہیں؟ دوسرا مسئلہ ہے: پہلی خاتون دادی حواء رضی اللہ عنہا کس طرح پیدا کی گئیں؟

پہلا مسئلہ: عام خیال یہ ہے کہ ہر عورت شوہر کی پسلی سے پیدا ہوتی ہے، مگر یہ خیال بدیہۃً باطل ہے ہر بچہ مرد کے بجز ثومہ اور عورت کے بیضہ کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے، لڑکا بھی اور لڑکی بھی، اور قرآن وحدیث میں اس مسئلہ کے تعلق سے کچھ نہیں، بائبل میں بھی یہ مسئلہ نہیں، البتہ بخاری شریف کی ایک حدیث (نمبر ۳۳۳۱) کو اس مسئلہ سے جوڑا گیا ہے، مگر اس حدیث کا نہ تو اس مسئلہ سے تعلق ہے نہ آئندہ مسئلہ سے، وہ حدیث درج ذیل ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلْعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلْعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبَتْ تَقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكَتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ" ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میری وصیت قبول کرو، اس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلیوں میں سب سے ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہے، پس اگر آپ پسلی کو سیدھا کرنا چاہیں گے تو اس کو توڑ بیٹھیں گے اور اگر اس کو ٹیڑھا رہنے دیں گے تو وہ برابر ٹیڑھی رہے گی، پس عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔

تشریح: اس حدیث میں نسوانی فطرت میں جو کجی ہے اس کی تمثیل ہے، پسلی کی مثال سے اس کو سمجھایا ہے، پسلی میں کجی فطری ہوتی ہے وہ کسی طرح ختم نہیں ہو سکتی، کوئی اس کو سیدھا کرنا چاہے تو ٹوٹ جائے گی، یہی حال صنف نساء کا ہے، اس کی فطرت میں کجی ہے، جو کبھی نکل نہیں سکتی، اس لئے اس بات کو پیش نظر رکھ کر بیوی سے معاملہ کرنا چاہئے، یعنی حسن

سلوک کرنا چاہئے، بیوی کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا چاہئے اس کی نامناسب باتوں کو نظر انداز کرنا چاہئے، جیسا نبی ہوگا، اور اگر کوئی چاہے گا کہ بیوی کو سیدھا کر دے تو یہ ناممکن ہے، اس کو سیدھا نہیں کر سکے گا، بلکہ اس کو توڑ بیٹھے گا، اور بیوی کو توڑنا یہ ہے کہ طلاق کی نوبت آجائے گی، پس اس سے بہتر نرمی کا معاملہ کرنا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کو دادی حواء رضی اللہ عنہا کے ساتھ جوڑا گیا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے کسی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، مگر بخاری کے حاشیہ میں اس قول کو قبیل سے ذکر کیا ہے، یعنی یہ ضعیف قول ہے، صحیح بات وہ ہے جو اوپر بیان کی، اور حاشیہ ہی میں قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے: **إِنَّهُمْ خُلِقْنَ خَلْقًا فِيهِنَّ إِعْوَجَاجٌ: فَكَانَهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ أَصْلِ مُعَوَّجٍ، كَالضَّلَعِ مَثَلًا، فَلَا يَتَهَيَّأُ انْتِشَاعُ بَهْنٍ إِلَّا بِالصَّبْرِ عَلَى إِعْوَجَاجِهِنَّ.** عورتوں کی بناوٹ ایسی ہے کہ ان میں کجی ہے پس گویا عورتیں ٹیڑھی اصل سے پیدا کی گئی ہیں، مثلاً پسلی سے، پس ان سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، مگر ان کی کجی پر صبر کرنے کے ذریعہ، حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے اور جو عام بات چلی ہوئی ہے وہ ضعیف ہے، اسرائیلیات سے وہ بات تفسیروں میں در آئی ہے۔ اس حدیث کا دونوں مسائل سے کچھ تعلق نہیں، یہ تو مضمون فہمی کی ایک تمثیل ہے۔

دوسرا مسئلہ: پہلی خاتون دادی حواء رضی اللہ عنہا کی تخلیق کس طرح ہوئی؟ اس مسئلہ کے تعلق سے بھی احادیث میں کچھ نہیں اور قرآن کریم کی تعبیر ذومعنی ہے، اس لئے قطعی طور پر کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ البتہ یہ بات قطعی ہے کہ انسان دیگر حیوانات کی طرح مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، کوئی بلا واسطہ اور کوئی بالواسطہ، حضرت آدم علیہ السلام بلا واسطہ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، ان کی تخلیق کے سلسلہ میں قرآن کریم میں یہ تعبیریں آئی ہیں: (۱) ﴿مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ﴾: چپکتی مٹی سے (۲) ﴿مِنْ حَمِيمٍ مَّسْنُونٍ﴾: سڑے ہوئے گارے سے (۳) ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ﴾: ٹھیکری کی طرح بھتی مٹی سے، ان مختلف تعبیرات کو ملا کر بھی کوئی واضح صورت سمجھ میں نہیں آتی۔

اور دادی کے تعلق سے عام خیال یہ ہے کہ یہ ارشاد ہے: ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ تمام انسانوں کو ایک نفس سے پیدا کیا، اور اس نفس سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اس آیت میں نفس کا کیا ترجمہ ہے؟ نفس متعدد معانی کے لئے آتا ہے، روح، جسم، جی وغیرہ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے، اور عارف شیرازی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ 'جوہر' کیا ہے، فرماتے ہیں:

بنی آدم اعضاء یک دیگر اند ● کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

پس اس کا ترجمہ ماہیت بھی کیا جاسکتا ہے اور ترجمہ نہ کریں تو نفس ناطقہ مراد لے سکتے ہیں، یہ انسان کی کلی طبعی ہے،

اس کا وجود عالم اجساد میں اس کے افراد کے ضمن میں ہوتا ہے، مستقل وجود نہیں ہوتا، مگر عالم مثال میں اس کا مستقل وجود ہے، اسی کو شاید صوفیاء انسان اکبر کہتے ہیں۔

اسی طرح زوج کے بھی دو ترجمے ہیں: بیوی اور جوڑا۔ جوڑا: وہ دو چیزیں جو مل کر کسی مقصد کی تکمیل کرتی ہیں، جیسے آسمان وزمین جوڑا ہیں، آسمان برستا ہے اور زمین اُگاتی ہے، اس طرح حیوانات کی معیشت کا اللہ تعالیٰ انتظام کرتے ہیں، اسی طرح شب و روز جوڑا ہیں، کرتا پا جامہ جوڑا ہیں، دو جوتے جوڑا ہیں اور نرمادہ بھی جوڑا ہیں، دونوں سے نسل پھیلتی ہے۔ اب سورۃ النساء کی پہلی آیت کے دو مطلب نکلیں گے:

۱- تمام انسانوں کو ایک نفس سے یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، اور اسی نفس سے یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی بیوی (دادی حواء) کو پیدا کیا، یہی مطلب عام طور پر لیا جاتا ہے۔

۲- تمام انسانوں کو نفسِ ناطقہ سے پیدا کیا، پھر اس کی دو صنفیں بنائیں اور اس جوڑے سے بے شمار مردوزن پیدا کئے، اب آیت کا آدم و حواء علیہما السلام سے کچھ تعلق نہ ہوگا، تمام انسانوں سے آیت کا تعلق ہوگا۔

اور روح المعانی میں سورۃ النساء کی پہلی آیت کے حاشیہ میں خود مفسر کا منہ یہ ہے، حضرت ابو جعفر محمد باقر رحمہ اللہ جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی طرف منسوب کر کے یہ قول لکھا ہے: انہا خلقت من فضل طینتہ: دادی حواء اس مٹی سے پیدا کی گئیں جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے لئے تیار کی ہوئی مٹی سے بچی تھی، اس باقی ماندہ سے دادی کا پتلا بنایا گیا، پھر اس میں روح پھونکی گئی۔

البتہ بائبل کی کتاب پیدائش میں ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں اکیلے پریشان رہتے تھے، ایک مرتبہ وہ سوئے ہوئے تھے، اللہ پاک کیوٹر کی شکل میں آئے (پناہ بخدا!) اور ان کی بائیں پسلی سے ایک جزء کاٹ کر لے گئے، اور دادی کو بنا کر بھیج دیا، ان سے دادا کو سکون حاصل ہوا۔ یہی بات روایات کے راستے تفسیروں میں درآئی، اور آیات کی عام تفسیر یہی کی جانے لگی۔

جاننا چاہئے کہ فی الحال مخلوقات تین طرح پیدا ہو رہی ہیں:

اول: کیڑوں کی طرح ڈائریکٹ بے شمار مخلوق مٹی سے پیدا ہو رہی ہے، پھر ان میں تو والد و تناسل نہیں ہوتا، وہ اپنی مدت پوری کر کے ختم ہو جاتے ہیں، برسات میں بے شمار کیڑے اسی طرح پیدا ہوتے ہیں۔

دوم: کچھ مخلوقات دائریکٹ مٹی سے بھی پیدا ہوتی ہے، پھر ان میں تو والد و تناسل بھی ہوتا ہے، جیسے مچھلی اور مینڈک، کسی تالاب میں عرصہ تک پانی رہے تو اس میں مٹی سے مچھلیاں پیدا ہوں گی، پھر وہ انڈے دیں گی اور نسل چلے گی، یہی حال

مینڈکوں کا ہے۔

سوم: بڑے حیوانات کی پہلے عالم مثال میں نوعیں پیدا کی ہیں، پھر ان کے پہلے دو فرد (نرمادہ) ڈائریکٹ مٹی سے پیدا کئے ہیں، پھر ان میں تو والد و تناسل ہوتا ہے، اب ان کا کوئی فرد مٹی سے پیدا نہیں ہوتا، اب یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ مرغی پہلے ہے یا انڈا؟ جواب: مرغی پہلے ہے، پہلا مرغی اور پہلی مرغی راست مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، پھر جب نرمادہ ملے تو مرغی نے انڈا دیا۔

اور ڈارون کا خیال مہمل ہے کہ انسان: بندر سے ترقی کر کے بنا ہے، سوال یہ ہے کہ حیوانات کی دیگر انواع کس طرح بنی ہیں؟ بلکہ خود بندر کس طرح بنے ہیں؟ اگر ان کے پہلے دو فرد (نرمادہ) مٹی سے بنے ہیں تو یہی بات انسان کے تعلق سے مان لینے میں کیا پریشانی ہے؟

اور محرق بائبل کی یہ بات بھی مہمل ہے کہ دادی جنت میں پیدا کی گئیں، سورة البقرة میں صراحت ہے کہ دادی بھی زمین میں پیدا کی گئی ہیں، ارشاد پاک ہے: ﴿قُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾: آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرانے کے بعد حکم ملا کہ آدم تم خود اور تمہاری بیوی جنت میں جا بسو، پھر جنت سونے کی جگہ نہیں، نیند تھکن کی وجہ سے آتی ہے اور جنت میں تھکن نہیں، اس لئے تورات کی بات بھی مہمل ہے، اور اس کی روشنی میں آیت کی تفسیر کرنا بھی ٹھیک نہیں۔



ابَانَهَا ۱۰۱ (۴) سُوْرَةُ النَّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ (۹۲) دُرُوْعَانَهَا ۳۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُوْنَ بِهِ
وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	اللہ کے نام سے نہایت مہربان بڑے رحم والے اے لوگو!	وَاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ^(۲) وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي	ایک اور اس سے پیدا کیا اس کا جوڑا (مردوزن) اور دونوں سے پھیلانے مرد بہت اور عورتیں (بہت) اور تم ڈرو اللہ سے جو	تَسَاءَلُوْنَ ^(۳) بِهِ وَالْاَرْحَامَ ^(۴) اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا	باہم سوال کرتے ہو تم اس کے ذریعہ اور قرابت داری سے (ڈرو) بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہیں نگران (نگہبان)
--	--	--	---	--	--

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

رشتہ داری کا تعلق ختم مت کرو، اور رشتہ داری کا تعلق تمام انسانوں سے ہے

سورت کی پہلی آیت میں ایک حکم اور اس کی تمہید ہے، حکم یہ ہے کہ رشتہ داری کا تعلق مت توڑو، ناتے کا خیال رکھو، اور تمہید یہ ہے کہ ناتا (رشتہ داری) کا تعلق تمام انسانوں سے ہے، تمام انسان ایک ماہیت کے افراد ہیں، اور مردوزن نوع انسانی کی دو صنفیں ہیں، اور ماہیت کلیہ سے پہلا جوڑا آدم و حوا علیہما السلام کا بنایا ہے، پھر ان سے نسل چلی اور ساری دنیا آباد ہو گئی، پس سب انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، سب ایک کنبہ ہیں، اور بعد میں لوگوں میں جو تقسیم ہوئی ہے وہ (۱) نفس سے نفس ناطقہ (ماہیت) مراد ہے، یہی انسان کی کلی طبعی ہے (۲) زوج سے مراد بیوی نہیں، بلکہ مردوزن کا جوڑا ہے (۳) تساءل لون میں ایک تاء محذوف ہے (۴) الارحام کا عطف اللہ پر ہے۔

باہمی تعارف کے لئے ہے، اس کا ناتے سے کوئی تعلق نہیں، سب مردوزن، مسلم اور غیر مسلم ایک خاندان ہیں۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ رب حقیقی ہیں اور والدین رب مجازی۔ رب: وہ ہوتا ہے جو نیست سے ہست کرے، پھر اس کی بقاء کا سامان کرے، پھر آہستہ آہستہ اس کو ترقی دے کر منجھائے کمال (آخری حد) تک لے جائے، بایں معنی اللہ تعالیٰ تو رب حقیقی ہیں، اور ماں باپ بھی اولاد کے وجود کا ظاہری سبب ہیں، پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں باپ اس کی پوری دیکھ بھال کرتے ہیں، اس کی ہر ضرورت پوری کرتے ہیں اور بیس سال تک اس کو کھلاتے پلاتے ہیں، پھر جب وہ جوان رعنا ہو جاتا ہے تو شادی کر کے اڑا دیتے ہیں۔

پس رب حقیقی اور رب مجازی میں مناسبت ہے، اور لوگ اللہ کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہیں، کہتے ہیں: اللہ کے لئے میری مدد کرو، اسی طرح لوگ رشتہ داری کے واسطے سے بھی سوال کرتے ہیں، کہتے ہیں: بھتیامیری مدد کرو، چچا میرا خیال رکھو، اور رشتہ داری کے واسطے سے اسی وقت سوال کیا جاسکتا ہے جبکہ تعلقات استوار ہوں، ورنہ بھائی نہ بھائی ہے، نہ چچا چچا!

اس لئے جہاں اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا رشتہ داری سے ڈرنے کا بھی حکم دیا، البتہ دونوں ڈر مختلف ہیں اللہ سے ڈرنا تو اس کے احکام کی خلاف روزی سے بچنا ہے۔ اور رشتہ داری سے ڈرنا: قطع رحمی سے بچنا ہے، اور آخر آیت میں تشبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نگرانی کر رہے ہیں، ان سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں، تم رشتہ داری کا پاس و لحاظ رکھتے ہو یا نہیں؟ اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

اور حدیثوں میں قطع رحمی پر سخت وعید آئی ہے:

حدیث قدسی: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں ہی اللہ (معبود) ہوں، میں ہی رحمان (نہایت مہربان) ہوں، میں نے رَحْم (ناتے) کو پیدا کیا ہے، اور میں نے اس کو اپنے نام میں سے حصہ دیا ہے، پس جو اس کو جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا، اور جو اس کو کاٹے گا میں اس کو (اپنے سے) کاٹوں گا!

اور دوسری حدیث میں ہے: جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کو پیدا کر کے فارغ ہوئے تو ناتا کھڑا ہوا، اور اس نے رحمان کی کمر میں کوئی بھری، اللہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں نے قطع رحمی سے پناہ لینے کے لئے آپ کی کوئی بھری ہے، اللہ نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اس کو جوڑوں، اور جو تجھے کاٹے میں اس کو کاٹوں؟ ناتے نے کہا: میں اس پر راضی ہوں؟ اللہ نے فرمایا: جا تجھ سے اس کا وعدہ ہے۔

فائدہ: معدن وجود اور منشأ وجود کے اتحاد کے باعث تو تمام بنی آدم میں رعایت حقوق اور حسن سلوک ضروری ہے، اس کے بعد اگر کسی موقع میں کسی خصوصیت کی وجہ سے اتحاد میں زیادتی ہو جائے، جیسے اقارب میں، یا کسی موقع میں

شدت احتیاج پائی جائے، جیسے یتامی اور مساکین وغیرہ میں، تو وہاں رعایت حقوق میں بھی ترقی ہو جائے گی (فوائد)
 آیت کریمہ: اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس (ایک ماہیت) سے پیدا کیا، پھر اس سے
 اس کا جوڑا بنایا، اور دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلائیں، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے سوال
 کرتے ہو اور قرابت داری سے (بھی) ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہیں!

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَبِيثَاتِ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ
 إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝

وَآتُوا	اور دو تم	الْخَبِيثَاتِ	برے مال کو	إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ^(۱)	اپنے اموال کے ساتھ (ملا کر)
الْيَتَامَىٰ	یتیموں کو	بِالطَّيِّبِ	اچھے مال سے	إِنَّهُ كَانَ	پیشک وہ (کھانا) ہے
أَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال	وَلَا تَأْكُلُوا	اور مت کھاؤ	حُوبًا ^(۲)	وہاں (گناہ)
وَلَا تَتَّبِعُوا	اور مت بدلو	أَمْوَالَهُمْ	ان کے اموال	كَبِيرًا	بڑا

یتیموں کے تعلق سے تین احکام

گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ نانا مات تو ڈرو: یہ ایک امر کلی تھا، اب اس کی تفصیلات شروع کرتے ہیں۔ یتامی عام طور
 پر قرابت دار اور کمزور ہوتے ہیں، اس لئے ان کے تعلق سے اولیاء کو تین حکم دیتے ہیں:

۱- جب یتیم بالغ ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کیا جائے، ولی کسی غرض سے اس میں لیت و عمل نہ کرے، البتہ
 اگر وہ نا سمجھ ہو تو اس کا حکم آگے آرہا ہے۔

۲- زمانہ تولیت میں یتیم کی کسی اچھی چیز کو اپنی بری چیز سے نہ بدلے، اس کے کھیت کے اچھے گیہوں رکھ لئے اور
 اپنے کھیت کے گھٹیا گیہوں اس کے حساب میں لگا دیئے: ایسا نہ کرے۔

۳- یتیم کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھائے، ولی کے لئے جائز ہے کہ یتیم کا کھانا اپنے کھانے کے ساتھ پکائے،
 مگر اس کا آنا اس کی خوراک سے زائد لینا، اور شرکت کے بہانے اس کا مال اڑانا جائز نہیں، اس پر آگے سخت وعید آرہی
 ہے، یہ بڑا بھاری گناہ ہے، اس سے بچو!

آیت کریمہ: (۱) اور تم یتیموں کو ان کے اموال دو (۲) اور اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے مت بدلو (۳) اور

(۱) إلیٰ أَمْوَالِكُمْ: ای مضمومۃ إلیٰ أَمْوَالِكُمْ (۲) الْحُوبُ: اسم ہے، حاب (ن) حُوبًا: گنہگار ہونا۔

ان کے اموال مت کھاؤ اپنے اموال کے ساتھ ملا کر، بے شک وہ بڑا گناہ ہے!

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّنِّي وَتِلْكَ
وَرُبْعٌ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَلِكَ أَذْنَىٰ أَلَّا
تَعُولُوا ۗ وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا
فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ۝

ان کے مہر	انگریزوں کے مہر	انگریزوں کے مہر	انگریزوں کے مہر	انگریزوں کے مہر
بطیب خاطر	بطیب خاطر	بطیب خاطر	بطیب خاطر	بطیب خاطر
پھر اگر خوش ہو جائیں	پھر اگر خوش ہو جائیں	پھر اگر خوش ہو جائیں	پھر اگر خوش ہو جائیں	پھر اگر خوش ہو جائیں
تمہارے لئے	تمہارے لئے	تمہارے لئے	تمہارے لئے	تمہارے لئے
کسی چیز سے	کسی چیز سے	کسی چیز سے	کسی چیز سے	کسی چیز سے
اس (مہر) میں سے	اس (مہر) میں سے	اس (مہر) میں سے	اس (مہر) میں سے	اس (مہر) میں سے
ان کے دل	ان کے دل	ان کے دل	ان کے دل	ان کے دل
پس کھاؤ اس کو	پس کھاؤ اس کو	پس کھاؤ اس کو	پس کھاؤ اس کو	پس کھاؤ اس کو
خوش گوار (رچتا)	خوش گوار (رچتا)	خوش گوار (رچتا)	خوش گوار (رچتا)	خوش گوار (رچتا)
خوش ذائقہ (پچتا)	خوش ذائقہ (پچتا)	خوش ذائقہ (پچتا)	خوش ذائقہ (پچتا)	خوش ذائقہ (پچتا)

یتیم لڑکی کے ساتھ نا انصافی کا ڈر ہو تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے

ان دو آیتوں میں یتیمی کے تعلق سے بنیادی مسئلہ تو مذکورہ مسئلہ ہے، پھر اس کے ذیل میں لگتے چند مسائل ہیں:

(۱) فانکحوا: فاء جزائیہ اور جملہ انکحوا: إن خفتم کی جزاء کے قائم مقام ہے، ای: فلا تنکحوهن وانکحوا ما طاب لکم
(۲) مثنیٰ وثلث وربیع: النساء کے حال ہیں (۳) عَالَ (ن) عَوْلًا: ایک طرف کو جھک جانا، عورتوں میں برابری نہ کرنا (۴) صَدَقَاتُ:
صَدَقَةٌ کی جمع: مہر (۵) نِحْلَةٌ: مصدر باب فتح اور اسم: خوش دلی (۶) منہ: شے کی صفت ہے ای کاٹنا منہ اور من تعجیضہ یا بیانیہ
ہے (۷) نَفْسًا: طبن کے فاعل سے محول تیز ہے (۸) هَنِيئًا اور مَرِيئًا: دونوں صفت مشبہ ہم معنی ہیں، عربی میں تابع معنی دار ہوتا
ہے اور متبوع کی تاکید کرتا ہے۔ رچتا پچتا بھی ہم معنی ہیں وہ چیز جو آسانی سے گلے سے اتر جائے اور بدن کے موافق آئے۔

کبھی یتیم لڑکی کا سر پرست لڑکی کے مال میں رغبت رکھتا ہے، اس لئے وہ خود اس سے نکاح کرتا ہے، مگر مہر میں انصاف نہیں کرتا، کم مہر دیتا ہے، چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا: ایسا مت کرو، اگر تمہیں یتیم لڑکیوں کے حق میں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کرو گے، مناسب مہر نہیں دو گے یا ان کے حقوق ادا نہیں کرو گے تو ان سے نکاح مت کرو، دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں۔

تعداد ازدواج مردوں کی واقعی ضرورت ہے

۱- عورت عوارض سے دو چار ہوتی ہے، حیض، حمل، زچگی، نفاس اور رضاعت سے اس کو دو چار ہونا پڑتا ہے، اس زمانہ میں عورت قابل استفادہ نہیں رہتی یا جنسی اختلاط باعث کلفت ہوتا ہے۔

۲- پچاس سال کے بعد عورت مایوس ہو جاتی ہے، اور جنسی التفات میں کمی آ جاتی ہے، اور مرد بہت دنوں تک کارآمد رہتا ہے اور بے رغبتی کے ساتھ اختلاط باعث مسرت نہیں ہوتا، اس لئے بھی نیا نکاح مرد کی ضرورت بن جاتا ہے۔

۳- بعض خطوں میں لڑکیوں کی شرح پیدائش لڑکوں سے زیادہ ہوتی ہے، پس ایک سے زیادہ نکاح ایک معاشرتی ضرورت ہے۔

۴- مردوں پر عورتوں کی بہ نسبت حوادث زیادہ آتے ہیں، ایسی صورت میں عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، جس کا حل تعداد ازدواج ہے۔

۵- عورت بیک وقت ایک ہی مرد کے لئے بچہ جننتی ہے، جبکہ مرد بیک وقت کئی عورتوں سے اولاد حاصل کر سکتا ہے، پس افزائش نسل کی ضرورت بھی تعداد ازدواج کے جواز کی مقتضی ہے۔

۶- اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت عفت و عصمت اور پاکدامنی و پرہیزگاری کی ہے، اور مرد کبھی قوی اشہوت ہوتا ہے، ایک بیوی سے اس کی ضرورت کی تکمیل نہیں ہوتی، ایسی صورت میں وہ یا تو گناہ میں مبتلا ہو گا یا خون کے گھونٹ پی کر رہ جائے! مگر کبھی فخر و مباہات اور حرص و آزدرمیان میں آ جاتے ہیں، اور آدمی حد سے زیادہ نکاح کر لیتا ہے، پھر سب بیویوں کے حقوق ادا نہیں کرتا، بعض کو ادھر لٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے، جو ظلم و زیادتی ہے، چنانچہ اسلام نے انصاف کی شرط کے ساتھ چار بیویوں تک نکاح کی اجازت دی، اور اس پر امت کا اجماع ہے، پس کسی گمراہ فرقہ کا اختلاف کوئی معنی نہیں رکھتا۔

چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں

شریعت نے نکاح کے لئے چار کا عدد مقرر کیا ہے، اس سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، کیونکہ اس سے

زیادہ بیویوں کے ساتھ ازدواجی معاملات میں حسن سلوک ممکن نہیں، اور چار ہی عورتوں سے نکاح کا جواز سورۃ النساء کی آیت ۳ میں مذکور ہے، فرمایا: ﴿فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعًا﴾: پس تم ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں: دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، اور آیت میں اگرچہ کلمہ حصر نہیں مگر موقع کی دلالت حصر پر ہے، اگر کسی چیز کی اجازت دی جائے، اور اجازت دینے والا کسی حد پر رک جائے تو اتنے ہی کی اجازت ہوتی ہے، جیسے کہا: دو، تین اور چار لے لو: تو کم لے سکتا ہے زیادہ نہیں — اور تین حدیثوں میں حصر کی صراحت ہے، حضرت غیلانؓ کے نکاح میں دس عورتیں تھیں، ان کو حکم دیا گیا کہ چار رکھ کر باقی سے علاحدگی اختیار کریں، حضرت حارثؓ کے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں، ان کو بھی حکم دیا کہ چار رکھ کر باقی سے علاحدگی اختیار کریں، اور حضرت نوفلؓ کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں ان کو بھی ایک بیوی کو علاحدہ کرنے کا حکم دیا، پس آیت اور احادیث سے ثابت ہوا کہ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور اس پر اجماع ہے۔ اور گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع کو متاثر نہیں کرتا (تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۹۷)

اور شیعوں اور غیر مقلدوں کے نزدیک چار میں حصر نہیں، اور خوارج کے نزدیک اٹھارہ عورتوں تک جمع کر سکتے ہیں، ان کے نزدیک ﴿مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعًا﴾ میں واد جمع کے لئے ہے، اور اعداد معدول ہیں، ان کا ترجمہ دو دو، تین تین اور چار چار ہے، پس مجموعہ اٹھارہ ہوا، اور فریق اول اعداد کو معدول نہیں لیتا، وہ دو، تین اور چار ترجمہ کرتا ہے، اور واد جمع کے لئے ہے، پس مجموعہ نو ہوا، اور غیر مقلدوں کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ نبی ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں، پس کوئی حصر نہیں، جتنی عورتوں کو چاہے جمع کرے (عرف الجادی)

اور اہل السنۃ والجماعہ کے نزدیک واد تنویج کے لئے بمعنی اُو ہے، حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے سورۃ النساء کی آیت تین اور سورۃ الفاطر کی پہلی آیت کی یہی تفسیر کی ہے، پس دو سے یا تین سے یا چار ہی سے نکاح کر سکتے ہیں، اور فرشتوں میں کسی فرشتہ کے دو بازو، کسی کے تین بازو اور کسی کے چار بازو ہیں، اور کسی کے اس سے بھی زیادہ ہیں، یہ بات آیت میں مصرح ہے، واد جمع کے لئے نہیں ہے کہ ہر فرشتہ کے نو یا اٹھارہ بازو ہیں۔

﴿وَأَنْ خِفْتُمْ إِلَّا تَقْسِطُوا فِي الْيَمِينِ فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعًا﴾

ترجمہ: اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے معاملہ میں انصاف نہیں کرو گے تو (ان سے نکاح مت کرو، اور ان کے علاوہ) جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو: دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔

ایک سے زیادہ نکاح کا جواز انصاف کی شرط کے ساتھ ہے

اگر یہ ڈر ہو کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی صورت میں انصاف اور برابری کا معاملہ نہیں کر سکے گا تو

ایک ہی پر قناعت کرے یا باندی پر بس کرے (اب باندیاں نہیں رہیں) صرف ایک کو نکاح میں رکھنے میں اس بات کی توقع ہے کہ بے انصافی سے محفوظ رہے گا (اور ایک نکاح میں بھی نا انصافی کا اندیشہ ہو تو پھر مجرور رہے اور مسلسل روزے رکھے اور سحری برائے نام کرے، مگر دو ماہ سے زیادہ مسلسل روزے نہ رکھے، درمیان میں وقفہ کرے)

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آدُنَا أَلَّا تَعُولُوا ۝﴾

ترجمہ: پس اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ (تعدد از دواج کی صورت میں) انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک پر اکتفا کرو، یا ان باندیوں پر (اکتفا کرو) جو تمہاری ملکیت میں ہیں، اس میں زیادہ امید ہے کہ ایک طرف کونہ جھک جاؤ۔

شوہر مہر خوش دلی سے ادا کرے، اور عورت مہر معاف کر سکتی ہے

یتیم لڑکی کے ساتھ نا انصافی کا اندیشہ ہو تو اس سے نکاح نہ کرے، اور نا انصافی سب سے پہلے مہر میں ہوتی ہے: یا تو مہر برائے نام رکھا جاتا ہے، یا بوجھ سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے، یا جبراً معاف کر لیا جاتا ہے، اس لئے اب مہر کے تعلق سے دو حکم دیتے ہیں:

ایک: شوہر مہر خوش دلی سے ادا کرے، اس کو بوجھ نہ سمجھے، وہ مہر کا عوض استعمال کرتا ہے، وہ کوئی جرمانہ نہیں جو دے کر جان بچالی جائے۔

دوسرا: اگر بیوی بطیب خاطر مہر کا کچھ حصہ (یا سارا مہر) معاف کر دے تو وہ شوہر کے لئے ترلقمہ ہے، وہ اس معافی کو قبول کر سکتا ہے، اور منہ میں اشارہ ہے کہ کچھ مہر چھوڑ دے اور کچھ کی معافی قبول کرے۔

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا ۝﴾

ترجمہ: اور عورتوں کو خوش دلی کے ساتھ ان کا مہر دو، پس اگر وہ خوش دلی سے اپنے مہر میں سے کچھ حصہ تمہارے لئے چھوڑ دیں تو وہ تمہارے لئے ترلقمہ ہے اس کو رچتا پچتا کھاؤ!

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ، فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ، وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا، وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ، وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۝ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ، وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

اور مت دو	اور مت دو	اور مت دو	اور مت دو	اور مت دو	اور مت دو
تا سمجھوں کو	تا سمجھوں کو	تا سمجھوں کو	تا سمجھوں کو	تا سمجھوں کو	تا سمجھوں کو
اپنے اموال	اپنے اموال	اپنے اموال	اپنے اموال	اپنے اموال	اپنے اموال
جن کو	جن کو	جن کو	جن کو	جن کو	جن کو
اللہ نے بنایا ہے	اللہ نے بنایا ہے	اللہ نے بنایا ہے	اللہ نے بنایا ہے	اللہ نے بنایا ہے	اللہ نے بنایا ہے
تمہارے لئے	تمہارے لئے	تمہارے لئے	تمہارے لئے	تمہارے لئے	تمہارے لئے
سہارا	سہارا	سہارا	سہارا	سہارا	سہارا
اور کھلاؤ ان کو	اور کھلاؤ ان کو	اور کھلاؤ ان کو	اور کھلاؤ ان کو	اور کھلاؤ ان کو	اور کھلاؤ ان کو
اس میں	اس میں	اس میں	اس میں	اس میں	اس میں
اور پہناؤ ان کو	اور پہناؤ ان کو	اور پہناؤ ان کو	اور پہناؤ ان کو	اور پہناؤ ان کو	اور پہناؤ ان کو
اور کہو	اور کہو	اور کہو	اور کہو	اور کہو	اور کہو
ان سے	ان سے	ان سے	ان سے	ان سے	ان سے
بات بھلی	بات بھلی	بات بھلی	بات بھلی	بات بھلی	بات بھلی
اور آزماؤ	اور آزماؤ	اور آزماؤ	اور آزماؤ	اور آزماؤ	اور آزماؤ

مال مایہ زندگانی ہے، نا سمجھ بچوں کو زیادہ خرچ نہ دیا جائے، ان کی عادت خراب ہوگی

بچے عقل کے کچے ہوتے ہیں، خواہ اپنے ہوں یا زیر تربیت یتیم، ان کو جیب خرچ بہت زیادہ نہیں دینا چاہئے، اس سے ان کی عادت خراب ہوگی، وہ ابھی مال کی اہمیت سے ناواقف ہیں، وہ مال اناپ شاپ اڑائیں گے اور بڑے ہو کر اڑاؤ بنیں گے، البتہ ان کی ضروریات میں: کھانے پینے میں اور پہننے اوڑھنے میں مال خرچ کیا جائے، اس میں تنگی نہ کی جائے۔

(۱) السفہاء: عام ہے، اپنے بچے اور یتیم دونوں کو شامل ہے، اس لئے آگے ضمیر ٹم آئی ہے (۲) اموال: جمع قلت: تین تا دس تک کے لئے ہے، اور مراد مال کی کافی مقدار ہے۔ (۳) القیام: القوام کی طرح اسم ہے: سہارا، مایہ زندگانی، روزی جو بقائے حیات کے لئے ضروری ہو (۴) ابتلاہ: آزمانا، آزمائش میں ڈال کر جان لینا۔ (۵) اسرافاً (باب افعال کا مصدر): فضول خرچ کرنا..... بداراً (باب مفاعلہ کا مصدر) سبقت کرنا، جلدی کرنا..... دونوں لامعا کلو اکی ضمیر فاعل انتم سے حال ہیں۔ (۶) ان یکبروا: ان: مصدریہ، اس سے پہلے ہن جارہ محذوف ہے، اور جار مجرور بداراً سے متعلق ہیں۔

جائے، اور وہ جیب خرچ زیادہ مانگیں تو ان کو نرمی سے سمجھایا جائے۔

مال مایہ زندگانی ہے: قرآن کریم نے دو ہی چیزوں کو قیاما للناس کہا ہے، ایک مال کو دوسرے کعبہ شریف کو، ارشاد فرمایا: ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ﴾: اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو جو کہ محترم گھر ہے، لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنایا ہے (ماندہ ۹۷) یعنی جب تک کعبہ شریف باقی ہے دنیا باقی ہے، اور جب کفار اس کو منہدم کر دیں گے تو جلد قیامت آجائے گی۔

غرض اس تعبیر سے جس طرح کعبہ شریف کی اہمیت آشکارہ ہوتی ہے، مال کی اہمیت بھی آشکارہ ہوتی ہے، مال لوگوں کے لئے سہارا ہے مایہ زندگانی ہے، اس لئے جائز راہوں سے مال کمانا چاہئے، خرچ کرنا چاہئے اور کچھ جمع بھی رکھنا چاہئے، بالکل خالی ہاتھ نہیں ہو جانا چاہئے، اندوختہ ہو تو آدمی باہمت رہتا ہے، ورنہ کمر ٹوٹ جاتی ہے۔

نرمی سے سمجھانے کی ایک مثال: گجرات میں (گڈھا گاؤں میں) ایک عربی مدرسہ ہے، اس میں بچوں کے اولیاء بچوں کا جیب خرچ مدرسہ کی بینک میں جمع کرتے ہیں، مدرسہ کی بینک نے ایک رمزی کرنسی چھاپی ہے، جو مدرسہ کی کینٹین میں چلتی ہے، بچے وہاں سے حسب ضرورت رقم نکال کر خرچ کرتے ہیں، ایک مالدار کے بچے نے ایک ماہ میں چودہ ہزار روپے نکالے، مہتمم کے علم میں یہ بات آئی، اس نے طالب علم کو بلایا، اور کہا: ”اگر مہتمم بھی ایک ماہ میں اتنی بڑی رقم چائے پانی میں خرچ کرے تو اس کو اڑاؤ، کہیں گے!“ تم نے یہ کیا کیا؟ اس نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔ یہ ایک مثال ہے نرمی سے سمجھانے کی، اس طرح اپنے بچوں کو اور زیر تربیت یتیموں کو سمجھایا جائے۔

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾

ترجمہ: اور تم نا سمجھوں کو اپنے وہ اموال مت دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سہارا بنایا ہے، اور ان کو اس مال میں سے کھلاتے (پلاتے) اور پہناتے (اوڑھاتے) رہو، اور ان سے بھلی بات کہو۔

تفسیر: السفهاء: نا سمجھ بچے: عام ہے، خواہ اپنے بچوں ہوں یا یتیم: خرچ کے لئے ان کو بہت زیادہ پیسہ نہ دیا جائے، اور کبھی انعام کے طور پر بڑی رقم دی جائے تو نظر رکھی جائے کہ صحیح مصرف میں خرچ کریں، ادھر ادھر نہ اڑادیں۔ اور اموال (جمع قلت) میں اشارہ ہے کہ جیب خرچ ان کو بہت زیادہ نہ دیا جائے، البتہ کھانے اور پہنانے میں خرچ کیا جائے، اس میں تنگی نہ کی جائے۔

خاص یتامی کے تعلق سے چار احکام

گذشتہ آیت میں نا سمجھ بچوں کے تعلق سے حکم تھا، اس میں زیر پرورش یتامی بھی شامل تھے، اب ایک آیت میں خاص

یتامی کے تعلق سے چار احکام ہیں:

۱- یتیموں سے کاروبار کرا کر ان کو آزما یا جائے

بچوں کو آزمانے کی صورت یہ ہے کہ دیکھا جائے ان کو بڑے ہو کر کیا کام کرنا ہوگا؟ اگر کھیتی باڑی کرنی ہے تو ان سے اس سلسلہ کے کام کرائے جائیں، دکان داری کرنی ہے تو ان سے خرید و فروخت کرائی جائے، ملازمت کرنی ہے تو لکھنا پڑھنا سکھایا جائے، تاکہ بلوغ تک ان میں شعور پیدا ہو جائے، اور وہ اپنا کام آسانی سے کر لیں۔

مسئلہ: نابالغ کی خرید و فروخت ولی کی اجازت سے درست ہے۔

۲- جب یتیم کی شادی ہو جائے اور وہ سمجھ دار بھی ہو جائے تو اس کا مال اس کے حوالے کیا جائے

یتیم کو سدھایا سکھایا اور وہ سن بلوغ کو پہنچ گیا تو اس کا نکاح کر دیا جائے، جوان لڑکے لڑکیوں کی شادی میں بہت تاخیر مناسب نہیں، اس سے معاشرہ بگڑتا ہے، ہاں کوئی عارض ہو، تعلیم باقی ہو، یا اٹھان کمزور ہو تو تاخیر کی جاسکتی ہے، اور یتیم ہوشمند بھی ہو گیا، اپنا کاروبار سنبھال سکتا ہے تو اس کے اموال اس کے حوالے کئے جائیں، تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو، اور اس کے کاموں پر نظر رکھی جائے اور مشورے بھی دیئے جائیں، تاکہ وہ خسارے میں نہ پڑے۔

۳- یتیم کے باپ کا ورثہ کچھ یتیم کے لئے بچایا جائے

ایک خاص حکم یہ ہے کہ یتیم کے باپ نے جو میراث چھوڑی ہے وہ اس کے بڑے ہونے تک کھاپی کر ختم نہ کر دی جائے، اگر ایسا کیا جائے گا تو یتیم اپنا کاروبار کیسے شروع کرے گا؟ کاروبار شروع کرنے کے لئے پلے کچھ ہونا ضروری ہے۔ اور بڑے ہونے تک کھاپی کر مال ختم کرنے کی دو صورتیں ہیں:

۱- یتیم پر خرچ میں اسراف کیا جائے، مثلاً: اس کی ضرورت سے زیادہ اس کا آٹا لیا جائے تو بچا ہوا سر پرست کھائے گا، پس یتیم پر کفایت شعاری سے خرچ کیا جائے، تاکہ کچھ اندوختہ رہے اور جب اس کو الگ کیا جائے تو اس کے کام آئے، وہ اس کو کاروبار کے ذریعہ بڑھائے، خالی ہاتھ الگ کریں گے تو وہ مشکل میں پڑے گا۔

۲- سر پرست اپنی خدمت کا معاوضہ از حد لے لے تو بھی ترکہ ختم ہو جائے گا، مثلاً: یتیم کا کھیت بویا، یا اس کی دکان سنبھالی اور معاوضہ بہت زیادہ لیا تو اس صورت میں بھی یتیم کے بڑا ہونے تک ترکہ ختم ہو جائے گا اور اس کو خالی ہاتھ علاحدہ کرنا پڑے گا۔ اس سلسلہ میں یہ مسئلہ جان لینا چاہئے کہ اگر یتیم کا سر پرست مالدار ہے تو خدمت کا معاوضہ لینا جائز نہیں (اور وقف کا متولی مالدار ہو تو بھی تنخواہ لے سکتا ہے) اور غریب ہو تو بھی عرف سے زیادہ تنخواہ (معاوضہ) لینا جائز نہیں، یہ مسئلہ ملحوظ رکھا

جائے تو یتیم کو بھرے ہاتھ علاحدہ کر سکے گا۔

۴۔ جب یتیم کا مال اس کو سونپے تو گواہ بنا لے

مستحب یہ ہے کہ جب یتیم کا مال اس کے حوالے کرے تو جو کچھ اس کے سپرد کرے اس پر گواہ بنا لے، اصل گواہ تو اللہ تعالیٰ ہیں، وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں اور جان رہے ہیں، مگر انسانوں میں سے بھی گواہ بنا لے تو بہتر ہے، کبھی کوئی نزاع ہو یا یتیم کو بدگمانی ہو تو گواہوں سے اس کی تسلی کی جاسکے گی۔

﴿ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ٥٠ ﴾

ترجمہ: (۱) اور یتیموں کو آزما تے رہو — سدھاتے رہو، جیسے تیل کو اہل میں چلنے کے لئے سدھاتے ہیں، اور یہ مستقل حکم ہے — (۲) یہاں تک کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں — اور ان کا نکاح کر دو — تو اگر تم ان میں ہوشمندی کے آثار دیکھو تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو — یعنی ان کو علاحدہ کر دو، تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں — (۳) اور تم ان کے اموال کھامت ڈالو: فضول خرچی کرتے ہوئے، اور ان کے بڑے ہونے سے سبقت کرتے ہوئے — اگر ایسا کرو گے تو ان کو خالی ہاتھ علاحدہ کرنا پڑے گا، اور ان کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بچانے کی صورت یہ ہے کہ فضول خرچی مت کرو — اور — دوسری صورت یہ ہے کہ — جو مال دار ہے اس کو چاہئے کہ بچے — یعنی اس کے لئے حق الخدمت لینا جائز نہیں — اور جو حاجت مند ہے وہ معروف طریقہ پر کھا سکتا ہے — بقدر ضرورت لے سکتا ہے — (۴) پھر جب تم ان کو ان کے اموال حوالہ کرو تو گواہ بنا لو، ار اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہیں — پھر بھی انسانوں میں سے گواہ بنا لینا بہتر ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرًا ۖ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ٥١ ۚ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ٥٢ ۚ وَلِيَخَشَّ الَّذِينَ كُفَرُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ

فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا
لِأَنَّهُمْ يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝

پس چاہئے کہ ڈریں وہ	فَلْيَتَّقُوا ^(۱)	اور جب آمو جو دہوں	وَإِذَا حَضَرَ	مردوں کے لئے	لِلرِّجَالِ
اللہ سے	اللَّهُ	تقسیم ترکہ کے وقت	الْقِسْمَةَ	حصہ ہے	نَصِيبٌ
اور چاہئے کہ کہیں وہ	وَلْيَقُولُوا	رشتہ دار	أُولُوا الْقُرْبَىٰ	اس میں سے جو	مِمَّا
بات	قَوْلًا	اور یتیم	وَالْيَتَامَىٰ	چھوڑا	تَرَكَ
سیدھی	سَدِيدًا	اور غریب	وَالْمَسْكِينِ	ماں باپ نے	الْوَالِدِينَ
بے شک	إِنَّ	تو کھلاؤ ان کو	فَأَرْزُقُوهُمْ	اور رشتہ داروں نے	وَالْأَقْرَبُونَ
جو لوگ	الَّذِينَ	ان میں سے	مِنْهُ	اور عورتوں کے لئے	وَاللِّسَاءِ
کھاتے ہیں	يَأْكُلُونَ	اور کہو ان سے	وَقُولُوا لَهُمْ	حصہ ہے	نَصِيبٌ
اموال	أَمْوَالِ	بات معقول	قَوْلًا مَّعْرُوفًا	اس میں سے جو	مِمَّا
قیموں کے	الْيَتَامَىٰ	اور چاہئے کہ ڈریں	وَلْيَخْشَ	چھوڑا	تَرَكَ
ناحق	ظُلْمًا	جو	الَّذِينَ	ماں باپ نے	الْوَالِدِينَ
اس کے سوا نہیں کہ	لِأَنَّهُمْ	اگر چھوڑیں	لَوْ تَرَكَوْا	اور رشتہ داروں نے	وَالْأَقْرَبُونَ
کھاتے ہیں وہ	يَأْكُلُونَ	اپنے پیچھے	مِنْ خَلْفِهِمْ	اس میں سے جو	مِمَّا
اپنے پیٹوں میں	فِي بُطُونِهِمْ	اولاد	ذُرِّيَّةً	تھوڑا ہو اس میں سے	قَلَّ مِنْهُ
آگ	نَارًا	کنزور	ضِعْفًا	یا زیادہ	أَوْ كَثُرَ
اور قریب داخل ہو گئے وہ	وَسَيَصْلَوْنَ	ڈریں وہ	خَافُوا	حصہ	نَصِيبًا
دوزخ میں	سَعِيرًا	ان پر	عَلَيْهِمْ	مقرر کیا ہوا	مَقْرُوضًا

عورتوں اور نابالغ لڑکوں کا بھی میراث میں حصہ ہے

زمانہ جاہلیت میں بیٹیوں کو — خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی — میراث نہیں دیتے تھے، اسی طرح نابالغ بیٹیوں کو بھی

(۱) فلیتقوا: فاء جزائیہ ہے، اس کے بعد لو کا جواب محذوف ہے، ای: فلیقولوا قولاً معروفاً ولیتقوا۔

میراث نہیں دیتے تھے، صرف بڑے مرد جو دشمنوں سے مقابلہ کر سکیں وارث سمجھے جاتے تھے، جس کی وجہ سے یتیم بچوں کو میراث سے کچھ نہیں ملتا تھا، پس یہ آیت نازل ہوئی اور اجمالی طور پر بتا دیا کہ ماں باپ اور دیگر قرابت داروں کے مال متروکہ میں سے مردوں کو — خواہ بچے ہوں یا جوان — اسی طرح عورتوں کو — خواہ بالغ ہوں یا نابالغ — حصہ دیا جائے، اور یہ حصے مقرر ہیں جن کا بیان آگے آئے گا۔ اس سے رسم جاہلیت کا ابطال ہو گیا اور یتیموں وغیرہ کے حقوق کی حفاظت ہو گئی (از فوائد)

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرًا ۖ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝﴾

ترجمہ: مردوں کا حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے، اور عورتوں کا حصہ ہے اس میں جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے، خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ، مقرر کیا ہوا حصہ!

تقسیم میراث کے وقت غیر وارث رشتہ دار یا یتیم غریب آجائیں تو ان کو بھی کچھ دیا جائے کسی کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، اس وقت ایسے رشتہ دار آئے جو وارث نہیں، یا یتیم بچے اور مسکین غریب آئے تو میراث میں سے ان کو بھی کچھ دینا چاہئے، جب ورثاء عاقل بالغ ہوں، پس باہمی رضامندی سے ان کو بھی کچھ دینا چاہئے، البتہ نابالغ کے حصہ میں سے نہیں دے سکتے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے، حالانکہ یہ منسوخ نہیں بلکہ تین آیتوں پر عمل کرنے میں لوگ سستی کرتے ہیں، ایک تقسیم میراث کی یہ آیت، دوسری استیذان کی آیت، لوگ بغیر اجازت گھر میں گھس آتے ہیں، تیسری: ﴿وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ﴾ یعنی انسانوں کی خاندانوں میں تقسیم محض تعارف کے لئے ہے، مگر لوگوں نے اس کو عزت و ذلت کا مسئلہ بنا لیا ہے۔

اور تقسیم میراث کے وقت آنے والوں کو کچھ دینا مستحب ہے، واجب نہیں، اس لئے لوگ عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں، اور ﴿فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ترکہ میں سے ان آنے والوں کو بھی کچھ دو، اور ﴿وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ نہ دینا ہو تو ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو، یعنی ان کا دل مت توڑو، ان سے کہو کہ معاف کرو، ورثاء کچھ دینے پر راضی نہیں، اس لئے ہم مجبور ہیں۔

﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّكِينِ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝﴾

ترجمہ: اور جب تقسیم ترکہ کے وقت آ موجود ہوں (دور کے) رشتہ دار اور یتیم اور غریب لوگ تو ان کو ترکہ میں سے کچھ دو، اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو — ان کا دل مت توڑو!

سخت بات کہہ کر یتیم کا دل نہ توڑا جائے

ایک مثال فرض کرو: کوئی شخص ننھے مٹھے بچے چھوڑ کر مر جائے، تو ان بچوں کے بارے میں اس کے کیا جذبات ہونگے؟ کوئی ان کے ساتھ سخت کلامی کرے تو اس کو کیسا لگے گا؟ دوسروں کے یتیم بچوں کے بارے میں بھی ہمارے یہی جذبات ہونے چاہئیں، ان کے لئے بھی ہمارے اندر وہی جذبہ ترحم ہونا چاہئے۔ اور ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا چاہئے، یہی سیدھی بات کرنا ہے۔

﴿ وَلْيَحْضِرَ الَّذِينَ كُوتَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا

سَدِيدًا ۝ ﴿

ترجمہ: اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑتے ہیں — یہ ایک مفروضہ مثال ہے — پس (وہ سخت بات کہہ کر یتیم کا دل نہ توڑیں، اور) اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کہیں!

ناحق یتیم کا مال کھانا پیٹ میں انگارے بھرنا ہے

یہ یتامی کے حقوق کے سلسلہ کی آخری آیت ہے، آگے یتیموں اور عورتوں کا ترکہ میں مقررہ حصوں کے بیان کیا ہے، جو لوگ یتیم کا مال بلا استحقاق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں، اس کھانے کا انجام دوزخ ہے۔ یہ ارشاد درحقیقت یتیم کے ولی اور میت کے وصی کے لئے ہے، وہی کھاتا ہے، دوسرے تو اس کی نظر بچا کر کھاتا ہے، پس درجہ بہ درجہ اوروں کے لئے بھی یہ وعید ہے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا لَّيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِنْهَا وَلَا كَلْمٌ ۚ ﴿۱۲۶﴾

سَعِيرًا ۝ ﴿

ترجمہ: بے شک جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں، اور وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہونگے!

آج ۱۶ شعبان ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۳ مئی ۲۰۱۷ء کو تفسیر یہاں تک پہنچی، اب دو ماہ کا طویل سفر درپیش ہے اور رمضان بھی آرہا ہے، اس لئے آگے تفسیر رمضان کے بعد لکھی جائے گی: ان شاء اللہ

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلَا يُورِثُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسَ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتُهُ أَبَوُهُ فَلِلْأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِلْأُمِّهِ الشُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفَعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

يُوصِيكُمُ	عالم دیتے ہیں تمہیں	وَرَانَ كَانَتْ	اور اگر ہو (لڑکی)	لَهُ	اس کے لئے
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	وَاحِدَةً	ایک	وَلَدٌ	اولاد
فِي أَوْلَادِكُمْ	تمہاری اولاد میں	فَلَهَا	تو اس کے لئے ہے	وَوَرِثَتُهُ	اور وارث ہوں اس کے
لِلذَّكَرِ	مذکر کے لئے ہے	النِّصْفُ	آدھا	أَبَوُهُ	اس کے ماں باپ
مِثْلُ	مانند	وَلَا يُورِثُ	اور میرے والدین کیلئے	فَلِلْأُمِّهِ	تو اس کی ماں کیلئے ہے
حَظِّ	حصہ	لِكُلِّ وَاحِدٍ	ہر ایک کے لئے	الثُّلُثُ	تہائی
الْأُنثِيَيْنِ	دو موٹ کے	مِنْهُمَا	دونوں میں سے ہے	فَإِن كَانَ لَهُ	پس اگر ہوں اس کے
فَإِن كُنَّ	پس اگر ہوں	الشُّدُسُ	چھٹا حصہ	إِخْوَةٌ	بھائی (بہن)
نِسَاءً	عورتیں	مِمَّا تَرَكَ	اس میں سے جو چھوڑا اس نے	فَلِلْأُمِّهِ	تو اس کی ماں کے لئے
فَوْقَ	زیادہ	إِن كَانَ	اگر ہو	الشُّدُسُ	چھٹا حصہ ہے
اِثْنَتَيْنِ	دو سے	لَهُ	میت کے لئے	مِنْ بَعْدِ	بعد
فَلَهُنَّ	تو ان کے لئے ہے	وَلَدٌ	اولاد	وَصِيَّةٍ	وصیت کے
ثُلُثَا	دو تہائی	فَإِن	پس اگر	يُوصِي بِهَا	جس کی وصیت کی ہو
مَا تَرَكَ	اس کا جو چھوڑا اس نے	لَمْ يَكُنْ	نہ ہو		اس نے

(۱) جملہ یوصی بہا: وصیہ کی صفت ہے، اور یہ صفت کاہفہ ہے، جیسے سورۃ الانعام (آیت ۲۸) میں طائر کی صفت بطیر بِجَنَاحِيْهِ آتَىٰ ہے، صفت کاہفہ تحسین کلام کے لئے لائی جاتی ہے، کسی چیز سے احترام مقصود نہیں ہوتا

اللہ کی طرف سے	مِّنَ اللّٰهِ	ان میں سے کون	أَيُّهُمْ	یا (بعد) قرضہ کے	أَوْ دَيْنٍ
بے شک اللہ تعالیٰ ہیں	إِنَّ اللّٰهَ كَانَ	قریب تر ہے تم سے	أَقْرَبُ لَكُمْ	تمہارے باپ	أَبَاؤُكُمْ
خوب جاننے والے	عَلِيمًا	نفع رسانی میں	نَفْعًا	اور تمہارے بیٹے	وَأَبْنَاؤُكُمْ
بڑی حکمت والے	حَكِيمًا	مقررہ حکم ہے	فَرِيضَةً	نہیں جانتے تم	لَا تَدْرُونَ

احکام میراث

رابط: شروع سورت سے — پہلی آیت کے بعد سے — یتامی کے، خاص طور پر یتیم لڑکیوں کے حقوق بیان ہو رہے ہیں۔ ان کے ذیل میں آیت سات میں فرمایا ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرًا ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ مردوں کے لئے حصہ ہے والدین اور رشتہ داروں کے متروکات میں سے، اور عورتوں کے لئے حصہ ہے والدین اور رشتہ داروں کے متروکات میں سے، خواہ متروکہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ، اور وہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔ اس ارشاد پاک میں یتامی بھی شامل ہیں، پھر آیت دس ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنسَانًا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾ جو لوگ ناحق یتامی کے مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب جہنم رسید ہونگے، اس آیت میں یتیموں کی میراث ہڑپ کر جانا بھی شامل ہے، اس لئے اب دو آیتوں میں میراث کے احکام بیان فرماتے ہیں، تاکہ یتامی کے حقوق کی حفاظت ہو جائے، اور زبردست ان کے اموال ظلماً نہ کھائیں۔

آیات میراث کا شان نزول:

ترمذی شریف میں حدیث (نمبر ۲۰۹۲) ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی سعد کی دو بیٹیوں کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں آئیں، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ سعد بن الربیع کی بیٹیاں ہیں، ان کے ابا آپ کے ساتھ جنگ احد میں شہید ہو گئے ہیں، اور ان کے چچا نے سارا مال لے لیا ہے، پس دونوں کے لئے کوئی مال نہیں بچا، اور ان دونوں کی شادی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب ان کے پاس کچھ مال ہو، نبی ﷺ نے فرمایا: يَقْضِي اللَّهُ فِي ذَلِكَ: اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں فیصلہ فرمائیں گے، چنانچہ میراث کی آیتیں نازل ہوئیں پس نبی ﷺ نے ان کے چچا کو بلایا، اور فرمایا: سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی دو، اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو، اور باقی آپ کا ہے عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

فروضِ مقدّرہ: جن سہام کے ذریعہ ورثاء کے حصے متعین کئے گئے ہیں ان میں دو باتوں کا لحاظ کیا گیا ہے:
 اول: وہ سہام واحد (ایک) کے ایسے واضح اجزاء ہیں جن کو حساب دان اور غیر حساب دان یکساں سمجھ سکتا ہے، عام لوگوں کو ایسی ہی باتیں بتلائی جاتی ہیں جن میں حساب کی گہرائی میں نہ اترنا پڑے۔

دوم: وہ سہام ایسے ہیں جن میں کمی زیادتی کی ترتیب اول و ہلہ ہی میں ظاہر ہو جاتی ہے، شریعت نے جو سہام مقرر کئے ہیں ان کے دو زمرے بنتے ہیں: (۱) ثلثان، ثلث اور سدس (۲) نصف، ربح اور ثمن۔

ان سہام میں دو خوبیاں ہیں:

اول: ان سہام کا اصلی مخرج شروع کے دو عدد ہیں، یعنی دو اور تین سے یہ سب سہام نکلتے ہیں، نصف کا مخرج تو دو ہے ہی، ربح اور ثمن کا بھی یہی مخرج ہے، اس طرح کہ دو کا دو گنا چار ہے، جو ربح کا مخرج ہے، اور دو کا چار گنا آٹھ ہے، جو ثمن کا مخرج ہے، پس چار اور آٹھ مخرج فرعی ہیں۔ اسی طرح ثلث اور ثلثان کا مخرج تو تین ہے ہی، سدس کا مخرج بھی یہی ہے، اس لئے کہ تین کا دو گنا چھ ہے جو سدس کا مخرج ہے۔

اور ہر کسر کا مخرج وہ عدد ہوتا ہے جس کی طرف وہ کسر منسوب ہوتی ہے، مثلاً ثمن (آٹھواں) آٹھ کی طرف منسوب ہے، واں لاحقہ ہے جو عدد کے بعد نسبت کو ظاہر کرنے کے لئے لایا جاتا ہے، پس ثمن کا مخرج آٹھ ہے، یعنی ثمن نکالنا ہو تو ایک چیز کے آٹھ حصے کریں، اور ان میں سے ایک حصہ لیں تو وہ آٹھواں ہوگا، چھ حصے کرنے سے یا چار حصے کرنے سے ثمن نہیں نکلے گا۔

دوم: دونوں زمروں میں تین تین مرتبے پائے جاتے ہیں، جن میں تضعیف و تنصیف کی نسبت ہے، اس لئے محسوس اور واضح طور پر کمی بیشی کا پتہ چل جاتا ہے، ثلثان کا نصف ثلث ہے، اور ثلث کا نصف سدس ہے، اور سدس کا دو گنا ثلث ہے، اور اس کا دو گنا ثلثان ہے، اسی طرح دوسرے زمرے کو سمجھ لیں۔

میراث میں مرد کی برتری کی وجہ:

مرد اور عورت جب ایک ہی درجہ میں ہوں تو ہمیشہ مرد کو عورت پر ترجیح دی جاتی ہے، یعنی مرد کو میراث زیادہ دی جاتی ہے، جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی اور بھائی بہن جمع ہوں تو مرد کو عورت کا دو گنا ملتا ہے، اسی اصول پر شوہر کا حصہ بھی بیوی سے دو گنا رکھا گیا ہے۔ البتہ باپ اور ماں اور اخیانی بھائی بہن اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

اور مرد کی عورت پر برتری دو وجہ سے ہے:

ایک: مرد جنگ کرتے ہیں اور اہل و عیال اور اموال و اعراض کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوم: مردوں پر مصارف کا بار زیادہ ہے، اس لئے مالِ غنیمت کی طرح بے مشقت اور بے محنت ملنے والی چیز کے مرد ہی زیادہ حقدار ہیں، اور عورتیں نہ جنگ کرتی ہیں نہ ان پر مصارف کا بار ہے، نکاح سے پہلے ان کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے، نکاح کے بعد شوہر کے ذمے، بیوہ ہو جائے تو اولاد کے ذمے، اولاد نہ ہو تو حکومت کے ذمے، حکومت کفالت نہ کرے تو مسلمانوں کے صالح معاشرہ کے ذمہ، اس لئے ان کو میراث سے حصہ کم دیا گیا ہے (تفصیل سورۃ النساء کی آیت ۳۴ میں آئے گی)

سوال: باپ اور ماں میں: مرد کی ترجیح کا ضابطہ کیوں جاری نہیں کیا گیا؟ اگر میت کی مذکر اولاد ہو تو ماں اور باپ دونوں کو سدس ملتا ہے۔ یہ برابری کیوں ہے؟

جواب: باپ کی فضیلت ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ جب میت کی صرف مؤنث اولاد ہو تو ماں کو سدس ملتا ہے، اور باپ کو ذوالفرض ہونے کی حیثیت سے سدس بھی ملتا ہے اور عصبہ ہونے کی وجہ سے بچا ہوا ترکہ بھی ملتا ہے۔ اب اگر دوبارہ اس کی فضیلت ظاہر کی جائے گی اور اس کا حصہ بڑھایا جائے گا تو دیگر ورثاء کا نقصان ہوگا، اس لئے مذکورہ صورت میں دونوں کو سدس ملتا ہے۔

سوال: اخیافی بھائی بہن میں بھی مرد کی برتری کا قاعدہ جاری نہیں ہوتا۔ وہ تہائی میں شریک ہوتے ہیں۔ بہن کو بھی بھائی کے برابر حصہ ملتا ہے، ایسا کیوں ہے؟

جواب: اخیافی میں مرد کی برتری دو وجہ سے ظاہر نہیں ہوتی۔ ایک: اخیافی بھائی میت کے لئے اور اس کی قابل حفاظت چیزوں کے لئے جنگ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ کبھی دوسری قوم کا ہوتا ہے، اس لئے اس کو بہن پر ترجیح نہیں دی گئی۔ دوسری وجہ: یہ ہے کہ اخیافی کا رشتہ ماں کے رشتہ کی فرع ہے۔ پس گویا اخیافی بھائی بھی عورت ہے۔ اس لئے اس کا حصہ اخیافی بہن کے مساوی ہے۔ (رحمۃ اللہ علیہ ۴: ۶۳۹)

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ، فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ، وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۗ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری اولاد کے حق میں تاکید حکم دیتے ہیں کہ مذکر کے لئے دو مؤنث کے حصہ کے برابر ہے۔ پھر اگر اولاد دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہے۔ اور اگر ایک ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

تفسیر:

۱۔ لڑکے کو لڑکی سے دو گنا ملنے کی وجہ بھی بیان کی ہے۔

۲۔ ایک بیٹی کو نصف اس لئے ملتا ہے کہ جب ایک بیٹا ہوتا ہے تو سارا مال سمیٹ لیتا ہے، پس تنصیف و تضعیف کے

قاعدہ سے ایک بیٹی کو اس کا آدھا ملے گا۔

۳- دو بیٹیاں دو سے زیادہ کے حکم میں ہیں، یعنی ان کو بھی دو تہائی ملے گا، یہ بات اجماع سے ثابت ہے، اور اجماع کی بنیاد حضرت سعد بن الربیع کا واقعہ ہے جو شانِ نزول کے بیان میں گذرا ہے، اس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ دو لڑکیوں کو دو تہائی دو، نیز یہ حکم قرآن کریم سے بھی مستنبط ہے، سورۃ النساء کی آخری آیت میں کلامہ کی میراث کا بیان ہے، اس میں صراحت ہے کہ دو بہنوں کو دو تہائی ملے گا، پس دو بیٹیوں کو بدرجہ اولیٰ دو تہائی ملے گا، کیونکہ بیٹیاں بہنوں کی بہ نسبت میت سے اقرب ہیں۔

سوال: دو یا زیادہ لڑکیوں کو دو تہائی دیا تو باقی ایک تہائی کس کے لئے ہے؟

جواب: باقی ایک تہائی عصبہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ بیٹیوں کے ساتھ بہنیں، یا بھائی یا چچا ہو سکتے ہیں۔ اور ان میں بھی سبب وراثت پایا جاتا ہے۔ لڑکیاں اگر خدمت و ہمدردی اور مہر و محبت کی وجہ سے وراثت پاتی ہیں تو عصبہ میں بھی معاونت کی شکل موجود ہے۔ بہن میں بھی یہی جذبات کسی درجہ میں پائے جاتے ہیں، اور بھائی اور چچا تو قائم مقامی بھی کرتے ہیں۔ پس ایک تعاون دوسرے تعاون کو ساقط نہیں کرے گا۔ اس لئے ایک تہائی عصبہ کے لئے باقی رکھا گیا ہے۔

سوال: جب لڑکیوں کی طرح عصبہ میں بھی تعاون کی شکل موجود ہے تو ان کے لئے صرف ایک تہائی کیوں رکھا؟ ان کو برابر کا شریک کیوں نہیں بنایا؟

جواب: لڑکیوں سے میت کا ولادت کا تعلق ہے۔ وہ سلسلہ نسب میں داخل ہیں۔ اور عصبہ اطراف کا رشتہ ہے۔ اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ لڑکیوں کو عصبہ سے زیادہ دیا جائے۔ اور زیادتی واضح طور پر دو گنا کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے لڑکیوں کو دو ٹلٹ دیا گیا۔ اور عصبہ کے لئے ایک ٹلٹ بچایا۔ ایسا ہی اس وقت کیا گیا ہے جب لڑکے لڑکیوں کے ساتھ ماں باپ ہوں۔ والدین کو سدس سدس دیا جاتا ہے۔ اور دو سدس مل کر ٹلٹ ہوتے ہیں۔ اور باقی دو ٹلٹ لڑکے لڑکیوں کو دیا جاتا ہے۔

﴿وَلِأَبْوَابِيهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأَبِيهِ السُّدُسُ﴾

ترجمہ: اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد ہو — اور اگر اس کی اولاد نہیں، اور والدین (ہی) اس کے وارث ہیں تو اس کی ماں کے لئے ایک تہائی ہے (اور باقی دو تہائی باپ کے لئے ہے) — پھر اگر میت کے کئی بھائی، بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔

والدین کی میراث

اس آیت میں والدین کی میراث کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

پہلی صورت — میت نے والدین چھوڑے، اور ساتھ ہی اولاد بھی، خواہ ایک ہی لڑکا یا ایک ہی لڑکی ہو، تو باپ کو سدس اور ماں کو سدس ملے گا۔ اور باقی ترکہ دیگر ورثاء کو ملے گا۔ پھر مذکور اولاد کی صورت میں تو کچھ نہیں بچے گا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہوگی۔ پس باپ صرف ذوالفرض ہوگا۔ اور مؤنث اولاد ہوگی تو کچھ بچ جائے گا۔ وہ باپ کو مل جائے گا۔ اور باپ اس صورت میں ذوالفرض اور عصبہ دونوں ہوگا۔

اور اس حالت کی وجہ یہ ہے کہ والدین کے مقابلہ میں اولاد میراث کی زیادہ حقدار ہوتی ہے۔ اور برتری کی صورت یہی ہے کہ اولاد کو والدین سے دو گنا دیا جائے۔ والدین کے دو سدس مل کر ایک ثلث ہوں گے۔ اور باقی دو ثلث اولاد کو ملیں گے۔ سوال: مرد کا حصہ عورت سے دو گنا ہے، پھر والدین میں سے ہر ایک کو سدس کیوں دیا گیا؟ یہ تو دونوں کو برابر کر دیا؟ جواب: باپ کی برتری ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ باپ کو ذوالفرض ہونے کے ساتھ عصبہ بھی بنایا ہے۔ اس لئے کہ وہ اولاد کی قائم مقامی اور حمایت بھی کرتا ہے۔ پس اسی فضیلت کا دوبارہ اعتبار کرنا اور اس کے حصہ کو دو گنا کرنا درست نہیں۔

دوسری صورت — مرنے والے کی نہ اولاد ہو، نہ دو بھائی، بہن ہوں تو ماں کو کل ترکہ کا تہائی اور باپ کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی دو ثلث ملے گا۔ البتہ اگر شوہر یا بیوی ہو تو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا تہائی ماں کو، اور دو تہائی باپ کو ملے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میت کی اولاد نہ ہو تو ترکہ کے سب سے زیادہ حقدار والدین ہیں، اس لئے وہ سارا ترکہ لیں گے۔ اور اس صورت میں باپ کو ماں پر ترجیح حاصل ہوگی۔ اور ترجیح کی صورت میراث کے اکثر مسائل میں دو گنا کرنا ہے۔ پس ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی ملے گا۔ اور شوہر یا بیوی کی موجودگی میں ماں کو ثلث باقی اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ ایک صورت میں ماں کا حصہ باپ سے بڑھ نہ جائے۔

اس کی وضاحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں آئی ہے، آپ نے ثلث باقی کے مسئلہ میں فرمایا کہ اللہ مجھے ایسی الٰہی سمجھ نہ دیں کہ میں ماں کو باپ پر ترجیح دوں (مسند دارمی ۴: ۳۴۵ کتاب الفرائض)

وضاحت: باپ کو اگر میت کی مذکور اولاد ہو تو سدس ملتا ہے۔ اور مؤنث اولاد ہو تو سدس بھی ملتا ہے اور عصبہ بھی ہوتا ہے۔ اور کسی طرح کی اولاد نہ ہو تو صرف عصبہ ہوتا ہے۔ اور ماں کو اگر میت کی کسی طرح کی اولاد ہو یا کسی طرح کے دو بھائی، بہن ہوں تو سدس ملتا ہے۔ ورنہ ثلث ملتا ہے۔ البتہ اگر میت نے شوہر یا بیوی اور والدین چھوڑے ہوں تو

ماں کو ٹکٹ باقی ملتا ہے یعنی شوہر یا بیوی کا حصہ دینے کے بعد جو بچے گا: اس کا تہائی ماں کو اور باقی باپ کو ملے گا۔ اس آخری مسئلہ میں صحابہ میں اختلاف تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی شاذ رائے یہ تھی کہ ماں کو حسب ضابطہ کل ترکہ کا تہائی ملے گا۔ اور جمہور صحابہ کی رائے یہ تھی کہ اس خاص صورت میں ماں کو ٹکٹ باقی ملے گا، تاکہ ماں کا حصہ ایک صورت میں باپ سے زیادہ نہ ہو جائے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ شوہر کے ساتھ والدین ہوں تو شوہر کو نصف یعنی چھ میں سے تین ملیں گے اور ماں کو کل مال کا ٹکٹ دیا جائے گا تو اس کو دو ملیں گے اور باپ کے لئے صرف ایک بچے گا۔ اور ٹکٹ باقی دیا جائے گا تو ماں کو ایک ملے گا اور باقی دو باپ کو ملیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد اسی صورت کے بارے میں ہے کہ ماں کو اس صورت میں کل مال کا ٹکٹ کیسے دیا جاسکتا ہے؟ یہ تو الٹی بات ہوگئی۔ برتری مرد کو حاصل ہے نہ کہ عورت کو۔

تیسری صورت — مرنے والے کی اولاد تو نہ ہو، البتہ کسی بھی طرح کے دو یا زیادہ بھائی بہن ہوں، تو ماں کو سدس ملے گا۔ اور بھائی بہن باپ کی وجہ سے محروم ہوں گے۔ مگر ان کی وجہ سے ماں کا حصہ کم ہو جائے گا۔ یعنی جب نقصان واقع ہوگا۔ اور باقی ترکہ اگر دوسرے ورثاء ہوں گے تو وہ لیں گے۔ اور جو بیچ جائے گا وہ باپ کو ملے گا۔ اور اگر دوسرے ورثاء نہ ہوں تو باقی سارا ترکہ باپ کو ملے گا۔ اور اس صورت میں باپ صرف عصبہ ہوگا۔

اور اس صورت میں ماں کا حصہ کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت — میت کی دو یا زیادہ صرف بہنیں ہیں تو وہ عصبہ نہیں ہوگی، بلکہ ذوالقرض ہوگی، اور عصبہ چچا ہوگا، جو بہنوں سے دور کا رشتہ ہے۔ پس ماں اور بہنوں کی میراث کی بنیاد ایک ہوگی یعنی ہمدردی اور مہر و محبت اور چچا کی میراث کی بنیاد دوسری ہوگی یعنی نصرت و حمایت۔ اس لئے آدھا ترکہ ماں اور بہنوں کا ہوگا اور آدھا عصبہ کا۔ پھر ماں اور دو بہنیں آدھا ترکہ آپس میں تقسیم کریں گی تو ماں کے حصہ میں ایک آئے گا۔ وہی اس کا حصہ ہے۔ اور ترکہ کے باقی پانچ: بہنوں اور چچا میں تقسیم ہوں گے۔ بہنوں کو ٹکٹان یعنی چار ملیں گے، اور باقی ایک چچا کو ملے گا۔

دوسری صورت — اور اگر دو بھائی یا ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو چونکہ یہ خود عصبہ ہیں، اس لئے ان میں وراثت کی دو جہتیں جمع ہوگی: ایک قرابت قریبہ یعنی ہمدردی اور محبت۔ دوسری: نصرت و حمایت۔ اور ماں میں وراثت کی ایک ہی جہت ہوگی یعنی محبت و ہمدردی۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میت کے اور بھی ورثاء ہوتے ہیں۔ جیسے ایک بیٹی اور دو بیٹیاں اور شوہر، اس لئے ماں کو سدس ہی دیا جائے گا۔ تاکہ دوسرے ورثاء پر تنگی نہ ہو۔

وضاحت: اگر میت کی ماں، ایک بیٹی اور ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اور سداں ماں کو، نصف بیٹی کو اور باقی دو بھائی، بہن کو ملیں گے۔ اور ماں، دو بیٹیاں اور ایک بھائی اور بہن ہو تو بھی مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اور سداں ماں کو، اور ثلاثان بیٹیوں کو اور باقی ایک بھائی، بہن کو ملے گا۔ اور شوہر، ماں اور ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو بھی مسئلہ چھ سے بنے گا۔ اور نصف شوہر کو، سداں ماں کو اور باقی دو بھائی، بہن کو ملیں گے۔

﴿ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يَوْصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾

ترجمہ: وصیت کے بعد جو میت نے کی ہو یا قرضہ کے بعد۔

تفسیر: آیت کریمہ میں وصیت کا ذکر پہلے ہے اور قرضہ کا بعد میں، جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ پہلے تمام مال سے تجھیز و تکفین کی جائے گی، پھر جو بچے گا اس سے قرضہ ادا کیا جائے گا، پھر جو بچے گا اس کی تہائی سے وصیت نافذ کی جائے گی، پھر باقی ترکہ و رثاء میں تقسیم کیا جائے گا، پس قرضہ کا نمبر دوسرا ہے اور وصیت کا تیسرا، مگر اس آیت میں اور اگلی آیت میں دو مرتبہ وصیت کا ذکر پہلے آیا ہے اور قرضہ کا بعد میں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: کبھی کسی چیز کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے نفس الامر میں جو چیز مؤخر ہوتی ہے اس کو مقدم ذکر کرتے ہیں، جیسے سورہ آل عمران کی آیت ۵۵ ہے: ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قُمْ فَاذْعَبْ وَارْفَعْ كِفْلًا مِنْهُ يَوْمَ يُبْعَثُونَ﴾ یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بیشک میں تم کو وفات دینے والا ہوں، اور (نی الحال) میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں (ترجمہ تھانوی رحمہ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نزول کے بعد ہوگی اور آسمان کی طرف اٹھایا جانا مقدم ہے، مگر آیت میں وفات کا تذکرہ پہلے ہے، اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تاکہ کسی کو ان کے رفع سماوی سے دھوکا نہ ہو کہ وہ کوئی مافوق البشر ہستی ہیں، نہیں وہ بھی بشر ہیں ان کو بھی اپنے وقت پر موت آنی ہے، پھر رفع سماوی کا ذکر کیا تاکہ عیسائیوں کی طرح کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

اب یہ مسئلہ سمجھنا چاہئے کہ جب کسی پر قرض ہوتا ہے تو مرنے کے بعد قرض خواہ تین دن انتظار نہیں کرتے، فوراً آجاتے ہیں کہ ہمارا قرضہ لاؤ، پس دین کا مطالبہ کرنے والے بندے موجود ہیں اس کو تو جھک مار کر دینا ہوگا، اور وصیت وجوہ خیر میں ہوتی ہے، بندوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ غریبوں کے لئے وصیت کی تو وہ کیا مطالبہ کریں گے؟ مدرسہ یا مسجد کے لئے وصیت کی تو مہتمم اور متولی آکر کیا مطالبہ کریں گے؟ ورثاء وصیت نافذ کریں تو وہ ممنون ہونگے، اس لئے وصیت کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کو مقدم کیا کہ اس کو معمولی چیز مت سمجھو، وہ اللہ کے نزدیک دین سے بھی مقدم ہے۔

﴿ اٰبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۙ ﴾

ترجمہ: تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے ان میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع رساں ہے!
ترکیب: اباؤکم و ابناءؤکم: مبتدا، لاتدرون خبر ہے۔

تفسیر: آیت کے اس حصہ میں یہ بیان ہے کہ توریث کی بنیاد نفع رسائی نہیں، کیونکہ کون کس کے لئے کتنا نفع رساں ہے: اس کو اللہ ہی جانتے ہیں، کبھی کسی دوست سے نفع پہنچتا ہے، کبھی بیٹے سے، کبھی باپ سے اور کبھی بھائی سے زیادہ نفع پہنچتا ہے، اس لئے نفع رسائی توریث کی بنیاد نہیں ہو سکتی، بلکہ میراث کی تین بنیادیں ہیں: میت کی قائم مقامی کرنا، ہمدردی اور محبت اور نصرت و حمایت۔ اور ان کے بھی مظانِ کلیہ کا اعتبار کیا گیا ہے، فرد کی خصوصیات کا اعتبار نہیں کیا، اس لئے بیٹے سب برابر ہیں، ایک زیادہ خدمت گزار ہے دوسرا کم اس کا اعتبار نہیں کیا۔ تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ میں معاملات کے بیان میں باب پنجم میں ہے۔

﴿ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ ﴾

ترجمہ: اللہ کی طرف سے مقرر کرنا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں۔
ترکیب: فريضة: فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، اى فرض اللہ ذلك فريضة: یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے حصے ہیں، کسی کو دخل در معقولات کرنے کا حق نہیں، اللہ خوب جاننے والے ہیں، انہوں نے جس کا جو حق تھا وہ دیا ہے اور وہ بڑی حکمت والے ہیں، انہوں نے حکمت کا لحاظ کر کے حصے مقرر کئے ہیں، ان کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں!

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وِلْدٌ ؕ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وِلْدٌ فَلَكُمْ الرَّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّتِهِنَّ يُوصِيْنَ بِهَا اَوْ دِيْنٌ ؕ وَلَهُنَّ الرَّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وِلْدٌ ؕ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وِلْدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّتِهِنَّ يُوصُوْنَ بِهَا اَوْ دِيْنٌ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً اَوْ امْرَاةً وَّ لَهُ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاَحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ؕ فَاِنْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْۢ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُّوصٰى بِهَا اَوْ دِيْنٌ ؕ غَيْرَ مُضَارٍّ ؕ وَصِيَّةٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۙ

اور اگر ہو	وَأِنْ كَانَ	اور ان کے لئے	وَلَهُنَّ	اور تمہارے لئے	وَكُمُّ
کوئی آدمی	رَجُلٌ	چوتھائی ہے	الرُّبْعُ	آدھا ہے	نِصْفُ
جو وارث بنایا گیا	يُورَثُ ^(۲)	اس میں سے جو	مِمَّا	اس سے جو چھوڑا ہے	مَا تَرَكَ ^(۱)
بے پدر و پسر	كَلَالَةً	چھوڑا ہے تم نے	تَرَكَتُمْ	تمہاری بیویوں نے	أَزْوَاجَكُمْ
یا کوئی عورت	أَوْ امْرَأَةً ^(۳)	اگر نہ ہو	إِنْ لَمْ يَكُنْ	اگر نہ ہو	إِنْ لَمْ يَكُنْ
اور اس کا بھائی ہے	وَأَخٌ	تمہارے لئے	لَكُمْ	ان کے لئے	لَهُنَّ
یا بہن ہے	أَوْ أُخْتٌ	اولاد	وَلَدًا	اولاد	وَلَدًا
تو ہر ایک کے لئے	فَلِكُلِّ وَاحِدٍ	پس اگر ہو	فَإِنْ كَانَ	پس اگر ہو	فَإِنْ كَانَ
دونوں میں سے	مِنْهُمَا	تمہارے لئے	لَكُمْ	ان کے لئے	لَهُنَّ
چھٹا ہے	السُّدُسُ	اولاد	وَلَدًا	اولاد	وَلَدًا
پس اگر ہوں وہ	فَإِنْ كَانُوا	تو ان کے لئے ہے	فَلَهُنَّ	تو تمہارے لئے	فَلَكُمْ
زیادہ	أَكْثَرُ	آٹھواں ہے	الثَّمَنُ	چوتھائی ہے	الرُّبْعُ
اس سے	مِنْ ذَلِكَ	اس میں سے جو	مِمَّا	اس سے جو	مِمَّا
تو وہ	فَمَنْ	چھوڑا ہے تم نے	تَرَكَتُمْ	چھوڑا ہے انہوں نے	تَرَكَتُمْ
ساجھی ہیں	شُرَكَاءُ	بعد	مِنْ بَعْدِ	بعد	مِنْ بَعْدِ
تہائی میں	فِي الثَّلَاثِ	وصیت کے	وَصِيَّتِهِ	وصیت کے	وَصِيَّتِهِ
بعد	مِنْ بَعْدِ	کی ہو تم نے	تُوصُونَ	کر گئیں وہ	يُوصِينَ
وصیت کے	وَصِيَّتِهِ	وہ وصیت	بِهَا	اس کو	بِهَا
کی گئی ہو	يُوصَى	یا (بعد) قرض کے	أَوْ دَيْنٍ	یا (بعد) قرض کے	أَوْ دَيْنٍ

(۱) ما ترک: مضاف الیہ ہے، اور اضافت بواسطہ من ہے (۲) یورث: جملہ فعلیہ رجل کی صفت ہے، اور کلالہ: کان کی خبر ہے، کلالہ: باب ضرب کا مصدر ہے کَلَّ يَكِلُ كِلَالًا و کلالہ کے لغوی معنی ہیں: کمزور ہونا اور اصطلاحی معنی ہیں: وہ شخص جو مرنے کے بعد اپنے پیچھے نہ باپ دادا چھوڑے نہ اولاد (بیٹے پوتے) بلکہ اس کا وارث قرابتی ہو، یعنی بھائی بہن وارث ہوں، کلالہ کی تعریف سورۃ النساء کی آخری آیت میں آئے گی۔

بہا اودین غیر مضار ^(۱)	وہ وصیت یا (بعد) قرض کے نہ نقصان پہنچانے والی	وصیۃ ^(۲) مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ	تاکیدی حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ	علیم حکیم	خوب جاننے والے بڑے بردبار ہیں
---	---	--	--	--------------	----------------------------------

زوجین کی میراث

زوجین کی میراث کے سلسلہ میں تین باتیں جانی چاہئیں:

پہلی بات — زوجین کی میراث کی بنیاد — شوہر کو میراث دو وجہ سے ملتی ہے: ایک: شوہر کا بیوی اور اس کے مال پر قبضہ ہوتا ہے۔ پس سارا مال اس کے قبضہ سے نکال لینا اس کو ناگوار ہوگا۔ دوم: شوہر بیوی کے پاس اپنا مال امانت رکھتا ہے، اور اپنے مال کے سلسلہ میں اس پر اعتماد کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا قوی حق ہے اس چیز میں جو عورت کے قبضہ میں ہے۔ اور یہ ایک ایسا خیال ہے جو شوہر کے دل سے آسانی سے نہیں نکل سکتا۔ اس لئے شریعت نے عورت کے ترکہ میں شوہر کا حق رکھ دیا تاکہ اس کے دل کو تسلی ہو، اور اس کا نزاع نرم پڑے — اور بیوی کو خدمت، غم خواری اور ہمدردی کے صلہ میں میراث ملتی ہے۔

دوسری بات — زوجین کی میراث میں تفاضل — ارشاد پاک ہے: ”مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے“ اس ارشاد کے بموجب شوہر کو عورت پر برتری حاصل ہے۔ اور یہ بات پہلے آچکی ہے کہ میراث کے اکثر مسائل میں جو زیادتی معتبر ہے وہ دو گنے کی زیادتی ہے۔ چنانچہ شوہر کو عورت سے دو گنا دیا گیا۔ جس حالت میں عورت کو ربح ملتا ہے، شوہر کو نصف ملتا ہے۔ اور جس حالت میں عورت کو ٹمن ملتا ہے، شوہر کو ربح ملتا ہے۔

تیسری بات — زوجین کی میراث میں اولاد کا خیال — شوہر اور بیوی کو اتنی میراث نہیں دی گئی کہ اولاد کے لئے ترکہ بس برائے نام بچے۔ بلکہ اولاد کا خیال رکھ کر زوجین کا حصہ مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں زوجین کو زیادہ دیا گیا ہے، اور اولاد ہونے کی صورت میں کم۔

﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِهُنَّ وَلَدٌ، فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِنَّ يُوصِيْنَ بِهِنَّ أَوْ دِيْنٌ ۖ وَلِهِنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ، فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلِهِنَّ الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِنَّ تُوْصَوْنَ بِهِنَّ أَوْ دِيْنٌ ۖ﴾

(۱) غیر مضار: وصیۃ کا حال ہے (۲) وصیۃ: مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا۔

ترجمہ: اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ کا آدھا ہے، اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو تمہارے لئے چوتھائی ہے اس مال میں سے جو وہ چھوڑیں۔ اس وصیت کے بعد جو وہ کر گئیں، یا ادائے قرض کے بعد۔ اور ان بیویوں کے لئے تمہارے ترکہ کا چوتھائی ہے، اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو۔ اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو ان کے لئے تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ہے۔ اس وصیت کے بعد جو تم کرو یا ادائے قرض کے بعد۔

اخینافی بھائی بہن کی میراث

بھائی بہن دو طرح کے ہیں: سگے اور سوتیلے۔ سگے وہ ہیں جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوں، ان کو حقیقی اور یعنی بھی کہتے ہیں، اور سوتیلے دو طرح کے ہیں: ماں کی طرف سے سوتیلے، ان کو علانی کہتے ہیں، اور باپ کی طرف سے سوتیلے، ان کو اخینافی کہتے ہیں۔

حقیقی اور علانی بھائی عصبہ ہوتے ہیں، ذوی الفروض کے بعد جو ترکہ بچتا ہے، ان کو ملتا ہے، پھر حقیقی کی موجودگی میں علانی محروم رہتے ہیں، اس لئے کہ حقیقی میت سے اقرب ہیں، ان کا رشتہ دہرا ہے اور علانی کا رشتہ اکہرا ہے اور علم میراث کا قاعدہ الاقرب فالاقرب ہے، ان کی میراث کا بیان سورۃ النساء کی آخری آیت میں آئے گا۔ یہاں اخینافی بھائی بہن کا ذکر ہے، اگرچہ ﴿لَكَ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ﴾ میں کوئی قید نہیں، مگر حضرات ابن مسعود و ابی رضی اللہ عنہما کی قراءت من ام بڑھا ہوا ہے، وہ اگرچہ شاذ قراءت ہے، مگر شاذ قراءت بمنزلہ خبر واحد ہوتی ہے، اس لئے اس سے استدلال درست ہے۔

اخینافی بھائی بہن اگر ایک ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ان کو تہائی ترکہ ملے گا، اور بھائی بہن ترکہ مساوی تقسیم کریں گے، بھائی کو بہن سے دو گنا نہیں ملے گا۔ اور دو یا زیادہ اخینافی بھائی بہن ماں کے لئے جب نقصان کا سبب بنیں گے، اب ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر ایک اخینافی بھائی یا بہن ہو تو ماں کا حصہ کم نہ ہوگا، وہ تہائی ترکہ پائے گی۔

غیر مضار کا مطلب: مضار: اسم فاعل واحد مذکر ہے، اصل میں باب مفاعلہ سے مُضَارٌ تھا، ضَرَّ مادہ ہے، اس کے معنی ہیں: نقصان پہنچانے والا۔ اور جمہور مفسرین کے نزدیک غیر مضار: وصیہ سے حال ہے، اور اس کے معنی ہیں: تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کر کے وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے، اور یہ قید پہلی دو جگہوں میں بھی ملحوظ ہے۔ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے دین سے حال بنایا ہے، پس غیر مضار کا مطلب ہوگا: کسی کے قرض کا غلط اقرار کر کے وارثوں کو ضرر نہ پہنچائے۔

سوال: احکام کی آیات میں تکرار نہیں ہوتا، کیونکہ ان کا مقصد مسائل کا بیان ہے، البتہ تذکیر کی آیات میں تکرار ہوتا

ہے، کیونکہ ان کا مقصد قاری پر رنگ چڑھانا ہوتا ہے، پھر ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِهِ﴾ چار مرتبہ کیوں لایا گیا ہے؟
جواب: جہاں نسخ یا تخصیص کا احتمال ہوتا ہے وہاں احکام کی آیات میں بھی تکرار ہوتی ہے، جیسے تیمم اور روزوں کے
بیان میں تکرار ہے، کیونکہ وہاں نسخ کا احتمال تھا، اور یہاں تخصیص کا احتمال تھا، اس لئے یہ قید بار بار آئی ہے۔

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً أَوْ امْرَأَةً وَوَلَدًا أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ
فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثَّلَاثِ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يَؤُوحَىٰ بِهَا أَوْ ذَيْنِ ۚ غَيْرَ
مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۰﴾﴾

ترجمہ: اور اگر وہ مرد جس کی میراث ہے کلالہ (بے پدر و پسر) ہو یا ایسی کوئی عورت ہو، اور اس کا ایک بھائی یا ایک
بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، پس اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی میں سا جھی ہو گئے، وصیت کے
بعد جو وہ کر مر اہو یا قرضے کے بعد، در انحالیکہ وہ نقصان پہنچانے والا نہ ہو، یہ اللہ کی طرف سے تاکید حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ
خوب جاننے والے، بڑے ہی بردبار ہیں — ایک دم نہیں پکڑتے، وقت پر دیکھ لیں گے!

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ
اللَّهِ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۚ وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۱﴾

تِلْكَ (۱)	وہ	وَرَسُولَهُ	اور اس کے رسول کی	الْأَنْهَارُ	نہریں
حُدُودُ (۲)	سرحدیں ہیں	يُدْخِلْهُ	داخل کریں گے اس کو	خَالِدِينَ	ہمیشہ رہنے والے
اللَّهُ	اللہ کی	جَنَّاتٍ	باغات میں	فِيهَا	ان میں
وَمَنْ يُطِعِ	اور جو اطاعت کرے	تَجْرِي	بہتی ہیں	وَذَلِكَ	اور وہ
اللَّهُ	اللہ کی	مِن تَحْتِهَا (۳)	ان میں	الْفَوْزُ الْعَظِيمُ	بڑی کامیابی ہے

(۱) تِلْكَ (اسم اشارہ بعید برائے واحد مؤنث) بمعنی هذه (اسم اشارہ قریب برائے واحد مؤنث) بکثرت آتا ہے، یہاں مشا
الیہ احکام میراث ہیں، وہی قریب بیان ہوئے ہیں (۲) حُدُود: حد کی جمع: سرحد، ڈانڈا، سرکل، گاؤں کی زمین کا آخر، ہر چیز
کی نہایت (۳) مَنْ تَحْتِهَا: محاورہ ہے، اس کے لفظی معنی: ان کے نیچے: مراد نہیں، اس کا صحیح ترجمہ: ان میں ہے، دیکھیں سورۃ
البقرہ آیت ۲۶۶۔

اس میں	فِيهَا	اس کی حدود سے	حُدُودًا	اور جو نافرمانی کرے	وَمَنْ يَعْصِ
اور اس کے لئے	وَلَهُ	داخل کریں گے اس کو	يُدْخِلُهُ	اللہ کی	اللَّهُ
سزا ہے	عَذَابٌ	بڑی آگ میں	نَارًا	اور اس کے رسول کی	وَرَسُولُهُ
ذلیل کرنے والی	مُهِينٌ	ہمیشہ رہنے والا	خَالِدًا	اور تجاوز کرے	وَيَتَعَدَّ ^(۱)

احکام میراث پر عمل کرنے کی ترغیب اور ان کی خلاف ورزی پر ترہیب

ترغیب: رغبت دلانا، شوق دلانا۔ ترہیب: ڈرانا، خوف زدہ کرنا، مرعوب کرنا۔

دو آیتوں میں میراث کے احکام بیان کئے، اب دو آیتوں میں ان کے سلسلہ میں ترغیب و ترہیب ہے، پہلے تین باتیں جان لیں:

۱- قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ احکام کے بیان کے بعد: ان پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اور ان کی مخالفت سے ڈراتا ہے، اسی کا نام تقویٰ ہے، تقویٰ ہی احکام پر عمل کراتا ہے، قانون کو تو لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں، ان سے بچنے کی راہ نکال لیتے ہیں، اور تقویٰ (اللہ کا ڈر) دل کے تقاضے سے احکام کا پابند بناتا ہے، اس لئے احکام میراث بیان کر کے ان پر عمل کا شوق دلاتے ہیں، اور ان کی مخالفت سے ڈراتے ہیں۔

۲- سرحدیں (دائرے) دو ہیں: ایک: دینداری کا دائرہ، دوسرا: دین کا دائرہ، پہلا چھوٹا دائرہ ہے، اور دوسرا بڑا، جو شخص پہلے دائرہ سے نکل جاتا ہے وہ فاسق کہلاتا ہے، مگر وہ مسلمان رہتا ہے، اور جو بڑے دائرے سے نکل جاتا ہے وہ اسلام ہی سے نکل جاتا ہے، اور وہ مرتد کہلاتا ہے۔

پس احکام میراث پر عمل نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں: اول: اللہ کے حکم کو مانتا ہے، مگر مال کے لالچ میں وارث کا حق مارتا ہے تو وہ فاسق ہے، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ دوم: اللہ کے حکم ہی کو نہیں مانتا، حلال جان کر دوسرے وارث کا حق مارتا ہے تو وہ اسلام کے دائرے سے نکل جاتا ہے، آیت کریمہ دونوں صورتوں کو شامل ہے، بلکہ زیادہ روئے سخن دوسری صورت کی طرف ہے۔

۳- میراث کے احکام زیادہ تر قرآن کریم میں مذکور ہیں، اور بعض احکام حدیثوں میں ہیں، جیسے حقیقی بھائی علاتی بھائی کو محروم کرتا ہے (مشکوٰۃ حدیث ۳۰۵) اور بعض احکام اجماع امت سے ثابت ہیں، جیسے باپ کی عدم موجودگی میں دادا بمنزلہ باپ ہوتا ہے، اس لئے دونوں آیتوں میں ﴿وَرَسُولُهُ﴾ بھی آیا ہے۔

(۱) تَعَدَّى تَعَدَّى: تجاوز کرنا، حد سے بڑھنا، دائرہ سے نکل جانا۔

ترغیب: — یہ (احکام میراث) اللہ کی قائم کی ہوئیں حدیں ہیں، اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ اس کو باغات میں داخل کریں گے، جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور وہ بڑی کامیابی ہے۔

ترہیب: — اور جو شخص نافرمانی کرے گا، اللہ کی اور اس کے رسول کی، اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا، وہ اس کو بڑی آگ میں داخل کریں گے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے!

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَقَّضَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۖ وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ فَادُّوهُنَّ، فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝

وَالَّتِي ^(۱)	اور جو (عورتیں)	فِي الْبُيُوتِ	گھروں میں	فَادُّوهُنَّ	پس تکلیف پہنچاؤ ان کو
يَأْتِيَنَّ	آئیں وہ	حَتَّىٰ	یہاں تک کہ	فَإِنْ	پھر اگر
الْفَاحِشَةَ	بدکاری کو	يَتَوَقَّضَهُنَّ ^(۲)	روح قبض کرے ان کی	تَابَا	توبہ کر لیں دونوں
مِنْ نِسَائِكُمْ	تمہاری عورتوں میں سے	الْمَوْتُ	موت	وَأَصْلَحَا	اور اصلاح کر لیں وہ
فَاسْتَشْهِدُوا	پس گواہی لو تم	أَوْ يَجْعَلَ	یا بنا لیں	فَاعْرِضُوا	تو روگردانی کرو تم
عَلَيْهِنَّ	ان پر	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	عَنْهُمَا	ان دونوں سے
أَرْبَعَةً	چار کی	لَهُنَّ	ان کے لئے	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مِّنْكُمْ	تم میں سے	سَبِيلًا	کوئی راہ	كَانَ تَوَّابًا	بڑے توبہ قبول کرنے
فَإِنْ	پس اگر	وَالَّذِينَ	اور جو دو مرد	رَّحِيمًا	والے ہیں
شَهِدُوا	گواہی دیں وہ	يَأْتِيَنَّهَا ^(۳)	آئیں وہ فاحشہ کو		بڑے مہربان ہیں
فَأَمْسِكُوهُنَّ	تو روکو ان کو	مِنْكُمْ	تم میں سے		

اہانت آمیز سزا کی دو مثالیں

﴿عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾: جو احکام میراث کی خلاف ورزی کرے گا اس کو رسوا کن سزا ملے گی، یہ ارشاد عام ہے، دنیا

(۱) اللہی: اللہ کی جمع: اسم موصول جمع مؤنث (۲) کوئی اللہ فلانا: روح قبض کرنا، وفات دینا (۳) ہا: کا مرجع الفاحشہ ہے۔

کی سزا کو بھی شامل ہے، بلکہ روئے سخن دنیوی سزا کی طرف ہے، کیونکہ ﴿يُدْخِلُهُ نَارًا﴾ میں اخروی سزا کا ذکر آ گیا ہے، اس لئے اب دو آیتوں میں دنیوی سزا کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں:

پہلی مثال: کوئی عورت زنا کی مرتکب ہو تو ضابطہ کی کارروائی کی جائے، چار آزاد، عاقل، بالغ، دیندار مردوں کی گواہی لی جائے، اگر وہ گواہی دیں تو عورت کو تاحیات گھر میں نظر بند رکھا جائے، نہ وہ گھر سے نکلے نہ کوئی عورت اس سے ملے، یہ اس کے لئے دنیوی رسوا کن سزا ہے، اور آخرت کی سزا آگے ہے۔

پھر دو صورتیں ہیں:

۱- یا تو نظر بندی کی حالت میں مر جائے، اس حالت میں اگر سچی توبہ کر لی ہے تو آخرت میں سزا نہیں ملے گی، ورنہ آخرت میں بھی سزا ملے گی۔

۲- یا اللہ تعالیٰ اس کو گھر سے نکالنے کی کوئی راہ تجویز فرمادیں تو اس پر عمل کیا جائے، یہ راہ بعد میں نکالی، زنا کی سزا نازل فرمائی، اگر وہ عورت کنواری ہے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں، اور شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے۔

دوسری مثال: دو مسلمان مرد فاحشہ (اغلام) کا ارتکاب کریں تو دونوں کو سخت تکلیف پہنچائی جائے، یہ دونوں کے لئے دنیا میں سخت رسوا کن سزا ہے۔

پھر اگر دونوں توبہ کر لیں، اور احوال درست کر لیں تو ان کو نظر انداز کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائیں گے، وہ بڑے مہربان ہیں، اور حدیث میں ہے: **النائب من الذنب كمن لا ذنب له**: گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے، لہذا اب ان کو مزید رسوا نہ کیا جائے۔

پہلی آیت: اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں تو ان پر اپنوں میں سے — مسلمانوں میں سے — چار آدمیوں کی گواہی لو، پس اگر وہ گواہی دیں تو ان کو اس وقت تک گھروں میں نظر بند رکھو جب تک ان کو موت نہ آجائے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راہ تجویز نہ فرمادیں۔

سوال (۱): یہ تو زانیہ کی سزا ہوئی، زانی کو کیا سزا دی جائے گی؟

جواب: اس کو وہ سزا دی جائے گی جو اگلی آیت میں آرہی ہے، اسی لئے دوسری مثال لائے ہیں، اس کی سخت مار چٹائی کی جائے، اور سر عام رسوا کیا جائے، مگر نظر بند نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ بات مرد کے موضوع کے خلاف ہے، اس کو زندگی گزارنے کے لئے کمانا پڑے گا، لوگوں سے ملنا ہوگا، اس لئے اس کو نظر بند نہیں رکھا جائے گا۔

سوال (۲): زانی آزاد رہے گا تو پھر فاحشہ وجود میں آئے گا، کسی دوسری عورت کے ساتھ منہ کالا کرے گا؟ اس لئے

اس کو بھی نظر بند کر دینا چاہئے؟

جواب: اسلامی معاشرہ میں فاحشہ آسانی سے وجود میں نہیں آتا، جس معاشرہ میں ہر مرد وزن نمازی اور شادی شدہ ہوں وہاں زنا نہیں پایا جاسکتا، البتہ معاشقہ کے نتیجہ میں یہ برائی پائی جاسکتی ہے عشق آدمی کو اندھا کر دیتا ہے، پس ایک فریق کو نظر بند کرنا فاحشہ کے سد باب کے لئے کافی ہے۔

سوال (۳): جب زنا کی سزا آگئی تو آیت منسوخ ہوگئی، پھر یہ آیت قرآن میں کیوں باقی ہے؟

جواب: سب اسلامی حکومتوں میں زنا کی سزا کہاں جاری ہے؟ اور مسلمان تو بڑی تعداد میں غیر اسلامی ملکوں میں بھی بستے ہیں، وہاں اس آیت پر عمل ہوگا، اس لئے آیت باقی رکھی گئی ہے۔

سوال (۴): مسلمانوں کے جن ملکوں میں زنا کی سزا نافذ نہیں یا غیر اسلامی ملک میں اس آیت پر کس طرح عمل کیا جائے گا؟

جواب: پہلے قبائلی نظام تھا، ماضی قریب تک قوم پر پچاسوں کا کنٹرول تھا، وہ اس آیت پر عمل کریں گے، مگر اب قبائلی نظام درہم برہم ہو گیا ہے، اور پچاسوں نے بھی طرف داری شروع کر دی تو ان کا کنٹرول بھی ختم ہو گیا، اور پچاس فیصد مرد وزن بے نمازی ہو گئے، اور جہیز اور تلک کی لعنت کی وجہ سے جوان لڑکے اور لڑکیاں کنواری بیٹھی ہیں، اس لئے **إلى الله المشتكى!**

دوسری آیت: اور تم میں سے جو دو مرد فاحشہ کا ارتکاب کریں تو ان کو تکلیف پہنچاؤ — سخت پٹائی کرو، ان کے لئے قرآن کریم میں تو کوئی سزا نازل نہیں کی گئی، البتہ احادیث میں دونوں کو قتل کرنے کی سزا آئی ہے، مگر ان روایات میں اضطراب ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان کا اضطراب و اختلاف واضح کیا ہے، اور فقہائے کرام میں بھی اس کی سزا میں اختلاف ہے، تفصیل کے لئے تحفۃ اللمعی شرح سنن ترمذی (۴: ۳۹۲) دیکھیں۔

البتہ اتنی بات پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ فاعل و مفعول دونوں کو سخت سزا دی جائے گی، البتہ اگر مفعول پر زبردستی کی گئی ہے تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی، جیسے زنا میں اگر عورت سے زبردستی زنا کیا ہے تو اس کو سزا نہیں دی جاتی۔

باقی آیت: پھر اگر دونوں توبہ کر لیں، اور دونوں اصلاح کر لیں تو دونوں سے روگردانی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والے، بڑے رحم والے ہیں — یعنی توبہ تالذ سے دونوں کا آخرت کا معاملہ کلیہ ہو جائے گا، اور یہ بات پہلی آیت میں بھی جائے گی، بدکار عورت بھی اگر سچی توبہ کرے تو وہ بھی آخرت کے عذاب سے بچ جائے گی۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٤٠﴾ وَكَيْسَتِ التَّوْبَةُ

لِّلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْفَن
وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۵﴾

اِنَّمَا	سوائے اس کے نہیں کہ	وَكَانَ اللَّهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	إِنِّي	بے شک میں
التَّوْبَةَ	توبہ	عَلَيْمًا	سب کچھ جاننے والے	تُبْتُ	توبہ کرتا ہوں
عَلَى اللَّهِ ^(۱)	اللہ پر	حَكِيمًا	بڑی حکمت والے	الْفَن	اب!
لِّلَّذِينَ	ان کے لئے ہے جو	وَلَيْسَتْ	اور نہیں ہے	وَلَا الَّذِينَ ^(۵)	اور نہ ان کے لئے جو
يَعْمَلُونَ	کرتے ہیں	التَّوْبَةَ	توبہ	يَمُوتُونَ	مرتے ہیں
السُّوءِ ^(۲)	برا کام	لِّلَّذِينَ	ان کے لئے جو	وَهُمْ	در انحالیکہ وہ
بِجَهَالَةٍ ^(۳)	نادانی (حماقت) سے	يَعْمَلُونَ	کرتے ہیں	كُفَّارٌ	اسلام کا انکار کرنے
ثُمَّ يَتُوبُونَ	پھر توبہ کرتے ہیں	السَّيِّئَاتِ	برائیاں	وَالَّذِينَ	والے ہیں
مِنْ قَرِيبٍ ^(۴)	جلد ہی	حَتَّىٰ	یہاں تک کہ	أُولَٰئِكَ	یہی لوگ
فَأُولَٰئِكَ	تو وہی لوگ	إِذَا حَضَرَ	جب آ موجود ہوتی ہے	أَعْتَدْنَا	تیار کیا ہے ہم نے
يَتُوبُ	توجہ فرماتے ہیں	أَحَدَهُمُ	ان میں کسی کے پاس	لَهُمْ	ان کے لئے
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	الْمَوْتُ	موت	عَذَابًا	عذاب
عَلَيْهِمْ	ان پر	قَالَ	(تو) کہا اس نے	أَلِيمًا	دروناک

اللہ کی بارگاہ نامیدی کی بارگاہ نہیں، توبہ کا دروازہ کھلا ہے!

رابطہ: فرمایا تھا کہ فاحشہ عورت اور بدکاری کرنے والے مرد بھی توبہ کریں، اور خود کو سنوار لیں تو ان کا گناہ دھل جائے

گا، اب اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے:

(۱) علی: لزوم کے لئے آتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ جو چاہیں لازم کریں، بندے ان کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں کر سکتے

(۲) السوء: مفرد ہے، اور اگلی آیت میں السیئات: جمع ہے، اس میں نکتہ ہے جو تفسیر میں بیان کیا جائے گا (۳) جہالت کے معنی:

مسئلہ نہ جانتا نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی حماقت کے ہیں (۴) من قریب: یعنی نزع شروع ہونے سے پہلے، یہ آخرت کے اعتبار

سے قریب زمانہ ہے (۵) الذین: محل جر میں ہے، پہلے الذین پر معطوف ہے۔

اِس درگہ ما درگہ نو میدی نیست ❁ صد بار گر توبہ شکستی باز آ
(اللہ کی بارگاہ: مایوسی کی بارگاہ نہیں ❁ سو بار بھی توبہ توڑی ہے، پھر بھی توبہ کر!)

مگر توبہ اس کی مقبول ہے جو حماقت سے گناہ کر بیٹھا ہو، کیونکہ مؤمن تصدوارادہ سے اور جان بوجھ کر گناہ کرے: یہ بات اس کی شان کے خلاف ہے، بھلا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے: وہ اللہ کے احکام کی خلاف روزی کیسے کرے گا؟ اور بار بار برائی کیسے کرے گا؟ ہاں ایک آدھ بار گناہ ہو جائے: یہ ممکن ہے، اور وہ بھی حماقت سے، پھر جلد سے جلد اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ اس کو گلے سے لگا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں، وہ دلوں کے احوال سے واقف ہیں اور ایسے بندوں کو بارگاہ سے بدر کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔

فائدہ (۱): اور جو شخص قصد و ارادہ سے بار بار گناہ کرے، پھر موت سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی توبہ بھی مقبول ہے، مگر یہاں اللہ پاک نے اس کا ذکر نہیں کیا، دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ اس کی توبہ بھی مقبول ہے، مگر یہاں اس کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ قرآن کریم غیر احسن (نامناسب بات) کا ذکر نہیں کرتا، تاکہ اس کو اعتباریت کا پروانہ نہ مل جائے، جیسے تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا، بلکہ فرمایا: ﴿الطَّلَاقُ مَثَلٌ لِّمَا بَدَّ لَكَ﴾ پھر آگے تیسری طلاق کی سزا بیان کی کہ تیسری طلاق دے گا تو حلالہ کی ضرورت پڑے گی، جو شوہر کی غیرت کے خلاف ہوگی۔

فائدہ (۲): گناہ پر اقدام کی تین صورتیں ہیں:

اول: بندہ کبھی بھی کسی گناہ پر اقدام نہ کرے: یہ شان فرشتوں اور انبیاء کی ہے۔

دوم: گناہ کرے اور اس پر اڑے، اس کو ندامت نہ ہو: یہ کام شیطان کا ہے۔

سوم: کبھی حماقت سے گناہ ہو جائے تو عرق انفعال (ندامت) سے اس کو دھو ڈالے، توبہ کرے: یہ بات عام انسانوں سے ممکن ہے: اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

فائدہ (۳): سچی توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں:

اول: گناہ پر ندامت اور شرمساری ہو، حدیث میں ہے: **إِنَّمَا التَّوْبَةُ النَّدَمُ**: ندامت ہی توبہ ہے۔

دوم: جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس سے باز آجائے، آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے، ورنہ بار بار گناہ کرتے رہنا

اور توبہ توبہ پکارتے رہنا: توبہ کا مذاق اڑانا ہے!

سوم: مافات کی تلافی کرے، نمازیں فوت ہوئی ہیں تو قضا کرے، روزے چھوڑے ہیں ان کی قضا کرے، زکات

نہیں دی تو گزشتہ کی زکات دے، کسی کا حق مارا ہے تو اس کو واپس کرے یا معاف کرائے۔



یہ تین باتیں جمع ہونگی تو سچی توبہ ہوگی، اسی کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔

آیت کریمہ: توبہ (قبول کرنا) اللہ کے ذمہ انہی لوگوں کے لئے ہے جو حماقت سے برائی کر گزرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ توجہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں۔

دو شخصوں کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے

فرمایا تھا کہ جس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، اور وہ جلد ہی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ ضرور قبول فرماتے ہیں، مگر دو شخصوں کی توبہ قبول نہیں فرماتے: ایک: جو برابر گناہ کرتا رہا، اور موت تک توبہ نہیں کی تو اس کو جہنم میں جانا پڑ سکتا ہے، مگر ایمان کی وجہ سے وہ کسی نہ کسی دن نجات پائے گا۔ دوسرا: وہ جو موت تک اسلام کا انکار کرتا رہا، ایمان نہیں لایا، تو اس کے لئے بھی دوزخ کا عذاب تیار ہے، اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے گا، کیونکہ کافر مرا ہے، اور دونوں میں فرق دوسرے دلائل سے ثابت ہے، اس آیت میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا، پس معتزلہ اور خوارج کا اس سے استدلال کرنا کہ مرتکب کبیرہ جو توبہ کے بغیر مر گیا مخلد فی النار ہوگا: صحیح نہیں، کیونکہ اس مسئلہ سے اس آیت میں تعرض نہیں کیا گیا۔

دوسری آیت کا ترجمہ: اور توبہ (مقبول) نہیں ان کی جو برائیاں کرتے رہتے ہیں — اور توبہ نہیں کرتے — تا آنکہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آکھڑی ہوئی — اور دوسری دنیا منکشف ہوگئی — تو کہتا ہے: میں اب توبہ کرتا ہوں! اور نہ ان لوگوں کی جو حالت کفر میں مرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ
لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا اتَّيَسَّرَ لَكُمْ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا
كَثِيرًا ۝ وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ، وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا
فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا، أَتَأْخُذُونَ بِيُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ
وَقَدْ أَقْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا	اے لوگو جو	آمَنُوا	ایمان لائے	لَا يَحِلُّ لَكُمْ	نہیں جائز تمہارے لئے
--------------------------------	------------	---------	------------	--------------------	----------------------

ان تَرْتُوْا النِّسَاءَ كُرْهًا ^(۱) وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِيَتَذَهَبُوْا بِبَعْضٍ مَّا آتَيْتُمُوهُنَّ اِلَّا اَنْ يَّاتِيَنَّ بِقَاحِشَةٍ ^(۲) مُبِيْنَةٍ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَلَا تَاْخُذُوْا	کہ وارث بنو تم عورتوں کے ناگواری کے باوجود اور نہ روکوان کو تاکہ لے لو تم کچھ اس کا جو دیا تم نے ان کو مگر یہ کہ ارتکاب کریں بے حیائی صریح کا اور رہو سہوان کے ساتھ بھلے انداز سے پس اگر ناپسند کرو تم ان کو	فَعَصَى اَنْ كَرِهْتُمُوْا شَيْئًا وَيَجْعَلُ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا وَاِنْ اَرَدْتُمْ اَسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَاَتَيْتُمْ اِحْدِيْهُنَّ قِنْطَارًا ^(۳) فَلَا تَاْخُذُوْا	تو ہو سکتا ہے کہ ناپسند کرو تم کسی چیز کو اور گردانیں اللہ تعالیٰ اس میں بہت خوبی اور اگر چاہو تم بدلنا ایک بیوی کو دوسری بیوی سے اور دیا ہو تم نے ان کے ایک کو مال کثیر تو نہ لو تم	مِنْهُ شَيْئًا اِنَّا خُذُوْنَهُ بُهْتَانًا ^(۵) وَرَاثِمًا مُّبِيْنًا وَكَيْفَ نَاْخُذُوْنَهُ وَقَدْ اَفْضَى ^(۶) بَعْضُكُمْ اِلَى بَعْضٍ وَآخُذْنَ مِنْكُمْ مِّمَّنَّاتًا غَلِيْظًا	اس میں سے کچھ کیا لیتے ہو تم اس کو بہتان تراش کر اور گناہ کے طور پر صریح اور کیسے لیتے ہو تم اس کو جبکہ پہنچ چکا ہے تمہارا ایک دوسرے تک اور لیا ہے انہوں نے تم سے عہد (بیان) گاڑھا (پکا)
---	---	---	---	--	---

میت کی بیوی ترک نہیں پس اس پر زبردستی قبضہ جائز نہیں

احکام میراث کے بعد ترغیب و ترہیب کا بیان آیا تھا، پھر رسوا کن عذاب کی دو مثالیں بیان کی تھیں، پھر بات آگے بڑھائی تھی کہ موت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے، البتہ جب جان کنی شروع ہو جائے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اس طرح بات پھیلتی چلی گئی تھی، اب مضمون پیچھے کی طرف لوٹ رہا ہے۔

(۱) كُرْهًا: مصدر: بمعنی اسم فاعل، ناگواری بات: النساء سے حال، وہ ناگواری بات جس کو طبیعت کے تقاضے سے برداشت کیا جائے كُرْهًا (کاف کے پیش کے ساتھ) ہے، اور جو خارجی دباؤ سے برداشت کی جائے وہ كُرْهًا (کاف کے زیر کے ساتھ ہے) (۲) عَصَلَ (ن) المرأة: عورت کو ظلماً شادی سے روکنا۔ (۳) قِنْطَارًا مَبِيْنَةً: کھلی بے حیائی یعنی نشوز، نافرمانی، بدزبانی وغیرہ (۴) قِنْطَارًا: ایک وزن جو مختلف ملکوں میں مختلف ہوتا تھا، مصر میں سورطل سونا ہوتا تھا مراد مال کثیر ہے۔ (۵) بُهْتَانًا اور اِثْمًا مَبِيْنًا ایک ہیں، الزام تراشی: کھلا گناہ ہے (۶) اَفْضَى اِلَيْهِ: پہنچنا یعنی جماع یا خلوت صحیح۔

فرماتے ہیں: مرنے والے کی بیوی میت کا ترکہ نہیں، میت کے ورثاء اس کی بیوی پر زبردستی قبضہ نہیں کر سکتے، جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی شخص مرتا تو وارثوں میں کوئی اس کی بیوی پر چادر ڈال دیتا، اس طرح بیوی اس کی میراث ہو جاتی، پھر اگر اس سے نکاح جائز ہوتا، جیسے جیٹھ دیور سے نکاح جائز ہے تو وہ بغیر مہر کے اس سے نکاح کر لیتا، اور اگر نکاح جائز نہ ہوتا یا خود نکاح کرنا نہ چاہتا تو کسی اور سے نکاح کر دیتا، اور مہر خود وصول کر لیتا، جبکہ میت کی بیوی اس کو پسند نہیں کرتی تھی، مگر وہ مجبور ہوتی تھی، اس ظلم کا ان آیتوں میں دروازہ بند کیا ہے کہ زبردستی ایسا کرنا جائز نہیں، ہاں اگر عورت جیٹھ دیور سے نکاح کرنے پر راضی ہو، اور وہ مہر دے کر نکاح کرے تو جائز ہے، اسی طرح کبھی عورت بے سہارا ہوتی ہے، اس کا میکہ نہیں ہوتا، پس اگر میت کے ورثاء عدت کے بعد کسی جگہ اس کے نکاح کا انتظام کریں تو عورت کی رضامندی سے مہر کے ساتھ اس کا نکاح کر دینا بھی درست ہے۔

اس ظلم کے سد باب کے ساتھ ایک دوسرے ظلم کا بھی سد باب کیا ہے، الشیء بالشیء یندکر: بات میں سے بات نکلتی ہے، اور وہ دوسرا ظلم خود شوہر کرتا تھا، اور اس کی دو صورتیں ہوتی تھیں:

پہلی صورت: بیوی ناپسند ہوتی، اس لئے چھوڑنا چاہتا، مگر دیا ہوا مال: مہر زیور وغیرہ واپس لینا چاہتا، اس لئے لٹکا کر رکھ دیتا، معروف طریقہ پر اس کے ساتھ نہ رہتا، تاکہ عورت مجبور ہو کر خلع کرے یا مال لوٹا کر طلاق حاصل کرے، یہ عورت پر ظلم تھا، اس لئے اس کی بھی ممانعت کی۔

البتہ اگر عورت کی طرف سے نشوز پایا جائے، عورت شوہر کی نافرمانی کرے تو خلع کیا جاسکتا ہے، اور دیا ہوا کچھ مال واپس لیا جاسکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود اس عورت کو رکھے رہے، اور بھلے انداز سے اس کے ساتھ نباہ کرے، ہو سکتا ہے وہ خدمت گزار ثابت ہو، یا اس کی کوکھ سے نیک اولاد جنم لے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز ناپسند ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس میں خیر کثیر گردانتے ہیں۔

دوسری صورت: بیوی پسند ہے، مگر دوسری عورت دل میں ٹھہب گئی ہے، اس لئے بیوی بدلنا چاہتا ہے، مگر اس کو بڑا مال مہر زیور کی شکل میں دے چکا ہے، اس لئے مفت چھوڑنے کو بھی جی نہیں چاہتا، چاہتا ہے کہ دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس لے لے، یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب عورت پر کوئی الزام لگائے اور اس کو بدنام کرے، تاکہ وہ خلع کر کے جان چھڑائے، یہ کھلا ہوا گناہ ہے۔ علاوہ ازیں: وہ مہر وغیرہ کا عوض (ناموس) استعمال کر چکا ہے، پھر اس کا عوض مہر وغیرہ واپس کیسے لے گا، یہ بات انسانیت و مروت کے خلاف ہے، اور بیوی شوہر سے شریک حیات رہنے کا پکا عہد بھی لے چکی ہے، پس اس کی بھی خلاف ورزی ہوگی، اس لئے اس کی بھی ممانعت کی گئی کہ اس سے دیا ہوا

مال کچھ بھی واپس مت لو۔

مسئلہ: شوہر نے بیوی کو جو مہر دیا ہے یا زیور ہبہ کیا ہے: اس کا بعض خلع میں واپس لینا جائز ہے، دیا ہوا پورا واپس لینا یا زیادہ کا مطالبہ کرنا مکروہ ہے۔ اور لڑکے کے باپ نے جو رسم و رواج اور ولیمہ میں خرچ کیا ہے: اس کا مطالبہ جائز نہیں، یہ تو لڑکے کے باپ نے جو دعوتیں اڑائی ہیں وہ قرضہ چکایا ہے، نکاح کے مصارف سے اس کا کچھ تعلق نہیں، اسی طرح جہیز تک کا بھی مصارف نکاح سے کچھ تعلق نہیں، یہ ناجائز رسمیں ہندوں سے جاہل مسلمانوں میں آئی ہیں۔

آیات پاک: اے ایمان والو! تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو! — یہ بات ماسبق لاجلہ الکلام ہے۔ (ضمنی مسئلہ کی پہلی صورت) اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کو ظماً نکاح سے روکو — بایں طور کہ ان کو طلاق نہ دو، بس لڑکائے رکھو — تاکہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو — یعنی بیوی خلع کرنے پر مجبور ہو — لیکن اگر وہ صریح بے حیائی (نافرمانی) کا ارتکاب کریں — تو خلع کا بدل لینا جائز ہے، کیونکہ قصور ان کا ہے — اور ان کے ساتھ بھلے انداز سے رہو سو — یعنی طلاق مت دو، ان کے ساتھ نباہ کرو — پس اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بہت بھلائی گردانیں!

(ضمنی مسئلہ کی دوسری صورت) — اور اگر تم ایک بیوی کو دوسری بیوی سے بدلنا چاہو، اور تم ان میں سے ایک کو مال کثیر (اربوں کھربوں) دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ (واپس) مت لو، کیا تم اس کو لو گے بہتان باندھ کر اور صریح گناہ کے طور پر — عطف تفسیری ہے، بہتان تراشی ہی صریح گناہ ہے — اور تم کیسے لو گے جبکہ تمہارا ایک دوسرے تک پہنچ چکا ہے — صحبت یا خلوت صحیح ہو چکی ہے — اور وہ عورتیں تم سے مضبوط پیمانے چکی ہیں — یعنی تم نے ان کے ساتھ: ساتھ جینے مرنے کا عہد کیا ہے، پس اگر تم کسی وجہ سے اس کو چھوڑ رہے ہو تو کم از کم دیا ہوا مال تو واپس مت لو! یہ بات شریف انسان کو زیب نہیں دیتی!

اختلافی مسئلہ: نکاح مؤکد صرف صحبت سے ہوتا ہے یا خلوت صحیح سے بھی؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف صحبت سے ہوتا ہے، اسی صورت میں پورا مہر دینا ہوگا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک خلوت صحیح سے بھی نکاح مؤکد (پکا) ہو جاتا ہے، اسی صورت میں بھی پورا مہر واجب ہوگا ﴿قَدْ أَفْضَى﴾: تحقیق پہنچ چکا: کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں، کیونکہ خلوت صحیح ایسی تہائی کو کہتے ہیں: جہاں صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہو، پس جس طرح چت لینا خروج ریح کے قائم مقام ہے، خلوت صحیح بھی جو امر ظاہر ہے صحبت کے قائم مقام ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً
وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا^(۳)

۳۰۵۹۳

بے حیائی	فَاحِشَةً	مگر جو	إِلَّا مَا	اور نہ نکاح کرو	وَلَا تَنْكِحُوا
اور نہایت قابل نفرت	وَمَقْتًا ^(۲)	بالتحقیق پہلے ہو چکا	قَدْ سَلَفَ	جن سے نکاح کیا ہے	مَا نَكَحَ ^(۱)
اور برا ہے وہ	وَسَاءَ	بے شک وہ (نکاح)	إِنَّهُ	تمہارے باپ دادوں نے	أَبَاؤُكُمْ
راہ کے اعتبار سے	سَبِيلًا ^(۳)	ہے	كَانَ	عورتوں سے	مِنَ النِّسَاءِ

جو عورت باپ دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہے: اس سے نکاح حرام ہے

یہاں سے محرمات کا بیان شروع ہوتا ہے، محرمات: وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے، ایسی چندرہ عورتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

پہلی عورت: وہ ہے جو باپ دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہے، اس سے بیٹا، پوتا اور نواسا نکاح نہیں کر سکتا، اور پہلے اس کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ یہ ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا﴾ کی مثال بھی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک برا طریقہ یہ رائج تھا کہ مرنے والے کی بیوی کو میراث سمجھتے تھے، بیٹا اپنی سوتیلی ماں پر قبضہ کرتا تھا، اور اس سے نکاح کرتا تھا، جبکہ وہ محرمات ابدیہ میں سے ہے، اس لئے شدت کے ساتھ اس سے نکاح کی ممانعت کی ہے، اور اس مثال پر میراث کے احکام پورے ہو جائیں گے، پھر محرمات کا بیان شروع ہوگا، پس گویا یہ گریز کی آیت ہے، گریز: قصیدہ کا وہ شعر کہلاتا ہے جو تمہید اور مقصد کے درمیان آتا ہے، یہاں دو مضامین کے درمیان کی کڑی مراد ہے۔

مسئلہ: باپ، دادا یا نانا کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے، اگرچہ انہوں نے اس سے صحبت نہ کی ہو، یہ حرمت نفس عقد سے ثابت ہو جاتی ہے، جیسے: بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے، اور یہ حرمت بھی نفس عقد سے ثابت ہوتی ہے، صحبت ضروری نہیں، اسی طرح ساس کی حرمت بھی نفس عقد سے ثابت ہوتی ہے، البتہ ربیبہ (بیوی کی دوسرے شوہر سے لڑکی) سے نکاح کی حرمت بیوی سے صحبت کرنے پر موقوف ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے۔

فائدہ (۱): باپ، دادا یا نانا کے نکاح میں رہ چکی ہوں: سے مقصود صرف وہی عورتیں نہیں ہیں جن سے باقاعدہ نکاح

(۱) ما نکح: جملہ مفعول بہ، ما: موصولہ، من النساء بیان۔ (۲) مقت: باب نصر کا مصدر: گناہ کرنے والے سے شدید بغض رکھنا (۳) سبیلًا: تمیز ہے۔

ہوا ہو، بلکہ وہ تمام عورتیں مراد ہیں جن سے جائز یا ناجائز تعلق رہ چکا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے تھے:

(۱) ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا زیرو لایت کسی لڑکی کے نکاح کے لئے پیام دیا جاتا۔ پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا اس آدمی سے نکاح کر دیتا۔ یہی نکاح کا صحیح طریقہ تھا۔ اور اسی کو اسلام نے باقی رکھا ہے۔
(۲) جب کسی آدمی کی بیوی حیض سے پاک ہوتی، جبکہ رحم میں حمل قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے تو شوہر اپنی بیوی سے کہتا کہ فلاں شخص سے جنسی تعلق قائم کر۔ پھر حمل ظاہر ہونے تک شوہر اپنی بیوی سے الگ رہتا۔ جب حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے: شوہر اپنی بیوی سے صحبت کرتا۔ اور ایسا اس لئے کیا جاتا تھا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو۔ عرب کے بعض پست قبیلوں میں یہ طریقہ رائج تھا۔

(۳) چند آدمی (دس سے کم) ایک عورت کے پاس جاتے۔ اور اس کی رضامندی سے سب اس سے صحبت کرتے۔ پھر اگر عورت حاملہ ہو جاتی، اور بچہ جنتی تو وہ ان سب آدمیوں کو بلائی، اور کسی کو نامزد کرتی کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ اور وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا۔

(۴) پیشہ ورفقہ سے بہت سے لوگ جنسی تعلق قائم کرتے۔ پھر اگر اس کو حمل رہ جاتا، اور وہ بچہ جنتی تو قیافہ شناس بلایا جاتا۔ اور وہ علامات دیکھ کر فیصلہ کرتا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے۔ اور اس کو ماننا پڑتا۔ اسلام نے یہ تمام شرمناک طریقے ختم کر دیئے۔ اور صرف ایک پاکیزہ طریقہ باقی رکھا جو اب لوگوں میں رائج ہے (بخاری حدیث ۵۱۲۷)۔
اور یہ آیت چاروں نکاح کو عام ہے، جبکہ تین نکاح محض زنا تھے، پس زنا اور مقدمات زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔

فائدہ (۲): عقد صحیح کے بعد اور عقد فاسد و باطل کے بعد صحبت سے بالا جماع حرمت ثابت ہوتی ہے، اور زنا سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حرمت ثابت ہوتی ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ کے دوقول ہیں، معتمد قول عدم حرمت کا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک زنا سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

اور اسباب زنا: مس (چھونا) قبلہ (چومنا) اور نظر (شرمگاہ کو دیکھنا) سے صرف امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک حرمت ثابت ہوتی ہے، مگر ان کے لئے شرطیں ہیں، جب شرائط پائی جائیں گی حرمت ثابت ہوگی، اس کی تفصیل میرے رسالہ حرمت مصاہرت میں ہے، اور اس میں نقلی اور عقلی دلائل بھی ہیں۔

فائدہ (۳): ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ مگر جو پہلے ہو چکا، یعنی زمانہ جاہلیت میں، اس لئے کہ کفار دنیا میں فروعات

(احکام) کے مکلف نہیں، اور مسلمان ہونے کے بعد تو سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، البتہ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، نہ ابتداءً نہ بقاءً۔ ابتداءً کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرے تو اس کو سخت عبرت تا کہ سزا دی جائے گی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا: میرے ماموں جھنڈا لئے کہیں جا رہے ہیں، میں نے پوچھا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انھوں نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا سر قلم کرنے کے لئے روانہ کیا ہے جس نے اپنی باپ کی منکوحہ (بیوی) سے نکاح کیا ہے (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

اور بقاءً کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر مسلم نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیا، پھر میاں بیوی مسلمان ہو گئے تو اب ان کو اس نکاح پر برقرار نہیں رکھا جائے گا، دونوں میں تفریق کر دی جائے گی، مگر کوئی سزا نہیں دی جائے گی، جیسے جنوبی ہند (کیرلا) میں ماموں کے نکاح میں بھانجی ہوتی ہے، یہ فیملی بھی مسلمان ہو جائے تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی، اسی طرح کسی غیر مسلم کے نکاح میں دو بہنیں ہوں اور وہ سب مسلمان ہو جائیں تو کسی بھی ایک کو الگ کیا جائے گا۔ اور اگر کوئی جاہل مسلمان دو بہنوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرے تو دوسری کا نکاح نہیں ہوا، اس کو علاحدہ کیا جائے گا۔

آیت کریمہ: اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے، مگر جو پہلے گذر گیا، بے شک وہ (نکاح) بڑی بے حیائی، اور نہایت قابل نفرت کام ہے، اور وہ بہت برا طریقہ ہے!

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ
وَبَنَاتُ الْأَخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ
نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبِكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن
لَّمْ يَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ زَوَالِئِلْ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ
وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ٣٥

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ	حرام کی گئیں	وَأَخَوَاتُكُمْ	اور تمہاری بہنیں	الْأَخِ	بھائی کی
وَبَنَاتُكُمْ	تم پر	وَعَمَّاتُكُمْ	اور تمہاری پھوپھیاں	وَبَنَاتُ	اور بیٹیاں
أُمَّهَاتُكُمْ	تمہاری مائیں	وَخَالَاتُكُمْ	اور تمہاری خالائیں	الْأَخْتِ	بہن کی
وَبَنَاتُكُمْ	اور تمہاری بیٹیاں	وَبَنَاتُ	اور بیٹیاں	وَأُمَّهَاتُكُمْ	اور تمہاری مائیں

التَّبَيُّ	جنھوں نے	التَّبَيُّ	جو	أَبْنَا بِكُمْ	تمہارے بیٹیوں کی
أَرْضَعْنَاكُمْ	دودھ پلایا تم کو	دَخَلْتُمْ	صحبت کی تم نے	الَّذِينَ	جو
وَأَخَوْنَاكُمْ	اور تمہاری بہنیں	بِهِنَّ	ان سے	مِنْ أَصْلَابِكُمْ	تمہاری بیٹیوں سے ہیں
مِنَ الرِّضَاعَةِ	دودھ پینے سے	فَإِنْ	پس اگر	وَأَنْ تَجْمَعُوا	اور جمع کرنا
وَأُمَّهَاتُ	اور مائیں	لَمْ تَكُونُوا	نہیں ہو تم	بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ	دو بہنوں کے درمیان
نِسَائِكُمْ	تمہاری بیویوں کی	دَخَلْتُمْ	صحبت کی تم نے	إِلَّا مَا	مگر جو
وَرِيَابِكُمْ	اور تمہاری پروردہ لڑکیاں	بِهِنَّ	ان کے ساتھ	قَدْ سَلَفَ	تحقیق پہلے گذرا
الَّتِي	جو	فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں	لِإِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فِي حُجُورِكُمْ	تمہاری گود میں ہیں	عَلَيْكُمْ	تم پر	كَانَ غَفُورًا	بڑے بخشنے والے ہیں
مِّن نِّسَائِكُمْ	تمہاری بیویوں سے	وَحَلَائِلِكُمْ	اور بیویاں	رَحِيمًا	بڑے مہربان ہیں

تیرہ عورتوں کا تذکرہ جن سے نکاح حرام ہے

محرمات: وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے ایسی ایک عورت کا ذکر گذشتہ آیت میں آ گیا، یعنی باپ دادا یا نانا کی موطوءہ (سوتیلی ماں دادی یا نانی) سے نکاح حرام ہے، اب اس آیت میں تیرہ محرمات کا ذکر ہے، اور ایک کا ذکر اگلی آیت میں آئے گا۔

(۲) — ماں سے نکاح حرام ہے، اور ماں سے مراد: تمام مذکورہ مؤنث اصول ہیں، یعنی باپ، دادا اور نانا اور پرتک، اور ماں دادی، نانی اور پرتک: امہات سے یہ سب اصول مراد ہیں، یعنی نکاح کرنے والی عورت ہو تو وہ باپ، دادا اور نانا سے نکاح نہیں کر سکتی، اور نکاح کرنے والا مرد ہو تو ماں، دادی اور نانی سے نکاح نہیں کر سکتا، اسی طرح آگے سمجھیں۔

(۳) — بیٹیوں سے نکاح حرام ہے، اور بیٹی سے مراد تمام مذکورہ مؤنث فروع ہیں، یعنی بیٹا، پوتہ، نواسا نیچے تک، اور بیٹی، پوتی، نواسی نیچے تک حرام ہیں، بہنات سے یہ سب مراد ہیں۔

(۴) — بہنوں سے نکاح حرام ہے، خواہ سگی ہوں یا علاتی یا اخیانی، اسی طرح بھائیوں سے بھی نکاح حرام ہے، خواہ سگے بھائی ہوں یا علاتی یا اخیانی۔

(۶۵) — پھوپھیوں اور خالاکوں سے نکاح حرام ہے، پھوپھی: باپ کی بہن، خواہ سگی ہو یا علاتی یا اخیانی، اور

(۱) وَأَنْ تَجْمَعُوا: أَنْ: مصدر یہ ہے، اور ما قبل پر معطوف ہے۔

خالہ: ماں کی بہن، خواہ سگی ہو یا علاتی یا اخیانی، اور عمات و خالات سے مراد اصل بعید (دادا دادی، نانا نانی اور پرتک) کی تمام شلمسی (بلا واسطہ) مذکورہ نمونٹ اولاد ہے، یعنی چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ، چاہے وہ پردادا اور پردادی کی شلمسی اولاد ہو، سب حرام ہیں، اور بالواسطہ اولاد یعنی چچازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد حلال ہیں۔

(۸۷۷) — بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح حرام ہے، اور بنات الاخ اور بنات الاخت سے مراد اصل قریب

(ماں باپ) کی تمام مذکورہ نمونٹ فروع ہیں، پس بھائی، بھتیجی نیچے تک، اور بھانجے بھانجیاں نیچے تک سب حرام ہیں۔

فائدہ: یہ سات رشتہ دار (ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی) محرماتِ نسبہ کہلاتے ہیں، یعنی بہت

نزدیک کی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں، اور حرمت دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ — مفاسد کا سد باب مقصود ہے — قریبی رشتہ داروں میں رفاقت اور ہر وقت کا ساتھ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے پردہ کا التزام ممکن نہیں۔ اور جانبین سے فطری اور واقعی حاجتیں ہیں، مصنوعی اور بناوٹی نہیں۔ پس اگر ایسے مردوں اور عورتوں میں لالچ منقطع نہیں کی جائے گی، اور رغبت ختم نہیں کی جائے گی تو مفاسد کا سیلاب امنڈ آئے گا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک شخص کی اجنبی عورت کے محاسن پر نظر پڑتی ہے تو وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی خاطر جان جوکھوں میں ڈال دیتا ہے۔ پس جن کے ساتھ تنہائی ہوتی ہے، اور وہ ایک دوسرے کی خوبیوں کو شب و روز دیکھتے ہیں، کیا وہاں مفاسد پیدا نہیں ہوں گے؟ اسی فساد کو روکنے کے لئے قرابتِ قریبہ میں نکاح حرام کیا گیا ہے، کیونکہ سلیم المزاج لوگوں کی رغبت حرام کی طرف نہیں ہوتی۔

دوسری وجہ — عورتوں کو ضررِ عظیم سے بچانا مقصود ہے — اگر محرمات میں رغبت کا دروازہ کھولا جائے گا، اور امید کا دروازہ بند نہیں کیا جائے گا۔ اور اس سلسلہ میں بے راہی اختیار کرنے والوں پر سخت نکیر نہیں کی جائے گی، تو دو طرح سے عورتوں کو ضررِ عظیم پہنچے گا:

۱ — عورت جس مرد سے نکاح کرنا چاہے گی، اولیاء نہیں کرنے دیں گے۔ خود نکاح کرنا چاہیں گے۔ کیونکہ ان عورتوں کا معاملہ اولیاء کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ان کا نکاح کرانے کے ذمہ دار ہیں۔ پس عورت کے جذبات پامال ہوں گے۔ اور اس کو بھاری نقصان پہنچے گا۔

۲ — اگر شوہر عورت کے حقوق ادا نہیں کرتا، تو عورت کی طرف سے اولیاء حقوق زوجیت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کیونکہ عورت کمزور ہے۔ وہ اپنے حق کے لئے نہیں لڑ سکتی۔ پس اگر ولی خود شوہر بن جائے گا، اور عورت کی حق تلفی کرے گا، تو عورت کی طرف سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اس طرح عورت کو ضررِ عظیم پہنچے گا۔

اور اس کی نظیر: یتیم لڑکیوں سے نکاح کی ممانعت ہے۔ بخاری شریف (حدیث ۴۵۷۳) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص کی ولایت میں ایک یتیم لڑکی تھی۔ اور اس کا ایک باغ تھا۔ جس میں یہ لڑکی بھی شریک تھی۔ اس شخص نے خود ہی اس لڑکی سے نکاح کر لیا۔ اور اس کا باغ کا حصہ ہتھیالیا۔ اس پر سورۃ النساء کی آیت تین نازل ہوئی کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے انصاف پر قائم نہیں رہ سکو گے تو تمہارے لئے دوسری عورتیں بہت ہیں۔ ان میں جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو یعنی یتیم لڑکیوں سے نکاح مت کرو۔ یہ ممانعت ان لڑکیوں کو ضرر سے بچانے کے لئے ہے۔

(۱۰۹) — رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔ رضاعی ماں: وہ عورت جس کا کسی بچہ نے اس وقت دودھ پیا ہو جب اس کی دودھ پینے کی عمر ہو، یعنی ڈھائی سال کی عمر کے اندر دودھ پیا ہو، اور رضاعی بہن: وہ ہے جس نے اس کی رضاعی ماں کا دودھ پیا ہو، دونوں دودھ شریک بھائی بہن ہیں، اسی طرح رضاعی ماں کی نسبی اولاد سے بھی نکاح حرام ہے۔

فائدہ: دودھ پینے سے وہ ساتوں رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں، یعنی دودھ پلانے والی ماں، اور اس کے تمام اصول و فروع۔ اور اس کا شوہر، اور اس کے تمام اصول و فروع۔ اور دونوں کی اصل قریب کی تمام فروع۔ اور دونوں کے اصول بعیدہ کی صلبی اولاد۔ اور اس آیت میں جو صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا ذکر ہے: وہ بطور مثال ہے یہ بات حدیث نے واضح کی ہے۔ فرمایا: ”دودھ پینے سے وہ تمام رشتے حرام ہوتے ہیں، جو ولادت (ناتے) سے حرام ہوتے ہیں“ (رواہ البخاری، مشکوٰۃ حدیث ۳۱۶۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی پورے قریش میں قابل فخر ہے، اگر حضور کا منشاء اس طرف ہو تو بہت مناسب ہے اس پر ارشاد ہوا ”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے رضاعی (دودھ شریک) بھائی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رضاعت کے وہ تمام رشتے حرام فرمادیئے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں“

امہات المؤمنین کے لئے پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا، اسی زمانہ کا یہ واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میرے پاس میرے رضاعی چچا آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے کہلوا دیا کہ اس بارے میں جب تک حضور ﷺ سے نہ پوچھ لوں کیسے اجازت دے سکتی ہوں، پھر میں نے آپ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ یقیناً تمہارے چچا ہیں، ان کو اندر آنے کی اجازت دینا چاہئے“ اس پر میں نے التماس کیا: حضور میں نے تو دودھ عورت کا پیا ہے، اس مرد سے مجھے کیا تعلق ہے، اس پر دوبارہ ارشاد ہوا ”وہ یقیناً تمہارے چچا ہیں، وہ اندر آ سکتے ہیں“

ایک اور واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی منقول ہے، فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور اقدس ﷺ میرے مکان میں تشریف رکھتے تھے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر کسی شخص کے اجازت طلب کرنے کی آواز آئی، یعنی کوئی صاحب ان کے مکان پر اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے میں نے اجنبی آواز سن کر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ یہ کون صاحب ہیں جو اس طرح اندر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غالباً یہ فلاں صاحب ہیں یہ حفصہ کے رضاعی چچا ہیں، اس پر میں نے عرض کیا اچھا، اگر فلاں صاحب زندہ ہوتے تو کیا وہ بھی رضاعی چچا ہونے کی وجہ سے اندر آنے کی اجازت پاتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ضرور پاتے، کیونکہ رضاعت سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت (نسب) سے حرام ہوتے ہیں

(۱۱) — خوش دامن (ساس) سے نکاح حرام ہے، یہی حکم بیوی کی دادی نانی کا بھی ہے، اور یہ حرمت نفس عقد سے ثابت ہوتی ہے، اور یہی حکم اس عورت کی ماں، دادی اور نانی کا بھی ہے، جس کے ساتھ مغالطہ کی وجہ سے یادانستہ جنسی تعلق قائم ہو گیا ہو یا دواعی صحبت پائے گئے ہوں۔

(۱۲) — ربیبہ (پروردہ لڑکی) سے بھی نکاح حرام ہے، یعنی وہ لڑکی جو بیوی کے ساتھ آئی ہے، اور وہ دوسرے شوہر کی ہے، اور ربیبہ سے نکاح حرام ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی ماں سے صحبت ہو چکی ہو، اگر یہ تعلق قائم ہونے سے پہلے ہی طلاق دیدی یا مرگئی تو اس ربیبہ سے نکاح ہو سکتا ہے، اور یہ بھی جان لیں کہ ربیبہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ شوہر کی پرورش میں ہو، بلکہ صرف بیوی کی لڑکی ہونا ہی حرمت کے لئے کافی ہے۔

(۱۳) — بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے، یہی حکم اس عورت کا بھی ہے جس سے بیٹے، پوتے اور نواسے کا مغالطہ سے یادانستہ جنسی تعلق قائم ہو گیا ہو، یعنی زنا کیا ہو یا دواعی زنا پائے گئے ہوں، اسی طرح رضاعی بیٹے، پوتے اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے۔

(۱۴) — دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، خواہ وہ سگی بہنیں ہوں یا علقاتی یا اخیانی اور یہی حکم رضاعی بہنوں کا بھی ہے۔ پھر جس طرح ایک وقت میں دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا حرام ہے اسی طرح ایک عورت اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ یا اس کے باپ اور ماں کی پھوپھی یا ان دونوں کی خالہ یا اس کے دادا دادی کی پھوپھی یا خالہ کو جمع کرنا بھی حرام ہے، اور یہ بات متفق علیہ حدیث میں آئی ہے۔

فائدہ: ﴿إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ کا تعلق صرف دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے سے ہے یا دو تاجودہ تک جن عورتوں کا ذکر آیا ہے: ان سب سے ہے؟ یعنی زمانہ جاہلیت میں کسی نے ماں یا بہن بیٹی وغیرہ سے نکاح کیا تو اس سے بھی درگزر

کیا جائے گا؟ اس میں مفسرین کرام کی دورائیں ہیں، کوئی اس کا تعلق صرف دو بہنوں سے کرتا ہے، اور کوئی سب کے ساتھ کرتا ہے، جلالین میں سب کے ساتھ کیا ہے، اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے، البتہ اسلام میں اس کی قطعاً گنجائش نہیں، نہ ابتداءً نہ بقاءً، اس لئے بات زیادہ اہم نہیں۔

ملفوظہ: پندرہویں عورت وہ ہے جو شوہر والی ہے یعنی کسی کے نکاح میں ہے، اس کا بیان اگلی آیت میں ہے، جو اگلی جلد میں آئے گی، چونکہ حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ نے پہلی جلد پارہ چار پر ختم کی ہے، اس لئے میں نے بھی یہ جلد اسی آیت پر پوری کی ہے، تاکہ تفسیر کے سیٹ میں توافق رہے، جو چاہے مولانا مرحوم کی جلد لے اور جو چاہے یہ جلد لے۔

آیت پاک: تم پر حرام کی گئیں: تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں، اور تمہاری خالائیں، اور تمہاری بھتیجیاں، اور تمہاری بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو، پس اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر (ان سے نکاح کرنے میں) کچھ گناہ نہیں، اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری نسل سے ہیں، اور دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا، مگر جو پہلے ہو چکا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

﴿پہلی جلد پوری ہوئی، دوسری جلد ان شاء اللہ پانچویں پارہ سے شروع ہوگی﴾

﴿سنیچر گیارہ ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ = ۵ اگست ۲۰۱۷ء﴾

